وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ

تفسیر ضیاء القرآن

۳

حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

الکہف تا السجدۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وننزل من القرآن ما هو شفاء ورحمة للمؤمنين

ضیاء القرآن

الیدی

پیر محمّد کرم شاہ ایم اے (الازہر)

سجّادہ نشین بھیرہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ

ضیاء القرآن

التنزیل

جلد سوم

الکھف — تا — السجدۃ

پیر محمد کرم شاہ ایم اے (الازہر)

سجادہ نشین بھیرہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور — کراچی — پاکستان

نام کتاب	ضیاء القرآن (جلد سوم)
مفسر	حضرت ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ
	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
سال اشاعت	2015ء
مطبع	ضیاء القرآن پرنٹنگ پریس، لاہور
تعداد	تین ہزار
کمپیوٹر کوڈ	QT3

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا گنج بخش روڈ، لاہور فون: 37221953 فیکس:۔ 042-37238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 37247350 فیکس: 042-37225085

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون: 021-32212011-32630411 فیکس: 021-32210212

e-mail:-info@zia-ul-quran.com

Visit our website: www.zia-ul-quran.com

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	سورۂ کہف	۵
۲	سورۂ مریم	۶۳
۳	سورۂ طٰہٰ	۱۰۱
۴	سورۂ انبیاء	۱۴۹
۵	سورۂ حج	۱۹۵
۶	سورۂ مومنون	۲۴۱
۷	سورۂ نُور	۲۷۹
۸	سورۂ فرقان	۳۴۷
۹	سورۂ شعراء	۳۸۱
۱۰	سورۂ نمل	۴۲۵
۱۱	سورۂ قصص	۴۷۳
۱۲	سورۂ عنکبوت	۵۱۵
۱۳	سورۂ روم	۵۵۱
۱۴	سورۂ لقمان	۵۹۵
۱۵	سورۂ سجدہ	۶۲۳
۱۶	تحقیقاتِ لغویہ	۶۴۱
۱۷	التحقیقات النحویہ	۶۴۶
۱۸	فہرست مطالب	۶۴۷

فہرست نقشہ جات

نمبر شمار	نام نقشہ	صفحہ
۱	نقشہ بسلسلہ قصہ ذو القرنین	۴۶
۲	نقشہ خانہ کعبہ	۲۱۰
۳	نقشہ غزوہ بنو مصطلق	۲۷۹

تعارف سُورۂ کہف

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: کیونکہ اس سُورت میں اصحابِ کہف کا ذکر ہے۔ اس مناسبت سے اس کا نام الکھف رکھا گیا۔

نزول: یہ سُورت باتفاقِ علماء مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی (1)۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اس کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے آٹھویں اور دسویں سال کی درمیانی مدّت میں ہوا۔ وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعۡلَمُ۔ اس کی آیتوں کی تعداد ایک سو دس ہے یہ ایک ہزار پانچ سو ستتر کلمات اور چھ ہزار تین سو ساٹھ حروف پر مشتمل ہے۔

مضامین: اِس سورت کا آغاز حمدِ باری تعالیٰ سے کیا گیا۔ ساتھ ہی اس کی وجہ بھی بیان فرما دی کہ اللہ تعالیٰ وہ کریم اور رحیم ہے جس نے دنیائے انسانیت کو رُشد و ہدایت کا ایسا صحیفہ عنایت فرمایا جو خود بھی ہر قسم کی کجی اور خامی سے پاک ہے۔ اور اس کے ساتھ انسانی زندگی کے کسی شعبہ میں سیاسی، معاشی، قانونی اور اخلاقی جہاں کوئی کجی یا خامی افراط و تفریط پائی جاسکتی ہے وہ اس کی اصلاح اور درستی کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ مزید کرم یہ فرمایا کہ ایسی کتاب لانے کے لیے کوئی عام انسان مقرر نہیں کیا جس کی صورت و سیرت میں کوئی کشش نہ ہو، جس کے قول و فعل میں کوئی جاذبیت نہ ہو، جو خاموشی سے آئے، کتاب پہنچائے اور چپکے سے چلا جائے۔ بلکہ ایک ایسے بندے کو دعوتِ حق کا پیغامبر بنا کر بھیجا جو اس کا محبوب ترین بندہ ہے جس کی آمد سے کفر و فسق کی تاریک اور طویل رات ختم ہوئی۔ اور حق و صداقت کی صبح طلوع ہوئی۔ لات و ہبل کی جھوٹی خدائی کا تختہ اُلٹ دیا گیا۔ خفتہ بخت انسان خوابِ غفلت سے جاگ اُٹھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر ایسے رحیم و کریم خدا کی حمد و ثنا نہ کی جائے تو اور کون ہے جو اس کا مستحق ہو۔

ایک خدا فراموش اور دنیا پرست انسان کا جو نفسیاتی تجزیہ اس سورت میں کیا گیا ہے اسے پڑھ کر یہ یقین ہو جاتا ہے کہ قرآن کسی انسان کا کلام نہیں بلکہ خالقِ انسان کا کلام ہے جو اس کے نظریات اور قلبی مضمرات سے پوری طرح آگاہ ہے۔ آیات نمبر ۳۲ تا ۴۴ میں ایک دنیا پرست کی کم ظرفی، خود بینی اور خود فریبی کا تذکرہ کیا گیا۔ وہ ایک خدا پرست انسان سے جو دولت میں اس سے کم ہے اثنائے گفتگو یہ کہنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتا کہ اس کے پاس دولت بھی زیادہ ہے اور اس کے خادموں اور نوکروں کی تعداد بھی اس سے زیادہ ہے حالانکہ کسی غریب آدمی کے سامنے اپنی ثروت کی فراوانی بیان کرنا اور اس کو احساسِ غربت دلانا کم ظرفی اور خود بینی کی انتہا ہے۔ مزید برآں وہ قیامت کا منکر ہے اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ اگر قیامت آ بھی گئی تو اُس روز بھی اسی کو عزّت و کرامت کی مسند پر بٹھایا جائے گا۔ اور اہلِ ایمان جو اس دنیا میں کسمپرسی کی حالت میں زندگی بسر

1۔ تفسیر روح المعانی، ج15، ص199، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

کرتے رہے اس روز بھی وہی ذلیل وخوار ہونگے ۔ یہ اس کی خود فریبی کی انتہا ہے۔ آیات ۱۰۳ اور ۱۰۴ میں یہ بتایا کہ ایسے شخص کی ساری جدوجہد اور دوڑ دھوپ فقط دنیوی زندگی کو باعزت اور آرام دِہ بنانے کے لیے وقف ہو جاتی ہے۔ اسے کبھی اپنی عاقبت سنوارنے کا نہ خیال آتا ہے نہ فرصت ملتی ہے۔ آیت نمبر ۵۵ میں یہ بتایا گیا کہ اگر ایسے لوگوں کو اپنی گمراہیوں سے باز آنے اور بدکاریوں سے تائب ہونے کی دعوت دی جائے تو وہ اس سے بروقت فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کرتے اور بدقسمتی سے انہوں نے اس دعوت کی صداقت کا ایک ہی معیار مقرر کر رکھا ہے کہ اگر ان پر عذاب آ گیا تو دعوت سچی ورنہ جھوٹی۔ ان عقل کے اندھوں سے کوئی پوچھے کہ جب تمہاری گمراہیوں کی پاداش میں تم پر عذاب آ گیا اور تمہیں دوزخ کا ایندھن بنا دیا گیا تو اب اگر تم نے اس دعوت کی صداقت کو تسلیم کر بھی لیا تو تمہیں اس سے کیا فائدہ پہنچے گا؟ ہر دنیا پرست کی ہر زمانہ میں پہلے بھی اور آج بھی یہی ذہنیت رہی ہے اور سوچ بچار کا یہی انداز رہا ہے۔ اس لیے ہر ایک کو ایک ہی انجام سے دوچار ہونا پڑا۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو بروقت متنبہ ہو کر اپنی اصلاح کر لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقامات کی طرح یہاں بھی اس حقیقت کو بے نقاب کیا ہے کہ یہ مال و دولت، یہ جاہ وحشمت، یہ فرزند وزن اس دنیا کی زینت ہیں۔ جس طرح یہ دنیا فانی ہے اس کی زیب وزینت کے سارے سامان بھی فانی ہیں۔ یہ اس قابل نہیں کہ کوئی مومن اس کی محبت میں اتنا دل بستہ اور اس کی چاہت میں ایسے ہوش باختہ ہو جائے کہ اپنے خدا کو اور اپنے انجام کو بھی فراموش کر دے۔ دل لگانے کے قابل تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ طلب تو صرف اس کی رضا کی ہونی چاہیے۔ اور زندگی کی اس محدود فرصت میں ایسے نیک، مفید اور نتیجہ خیز کام کرنے چاہئیں جو کبھی فنا آشنا نہ ہوں۔ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا (آیت نمبر ۴۶) کے دلنشیں الفاظ سے اسی حقیقت کی طرف توجہ دلائی گئی۔

حکمت ودانش کے ان انمول جگمگاتے ہوئے موتیوں کے علاوہ جن سے اس سورت کا دامن مرصّع ہے تین واقعات کا بیان شرح وبسط سے کیا گیا ہے: اصحابِ کہف، حضرت موسیٰ کا سفر اور ذوالقرنین۔ ان کی تفصیل اپنے اپنے مقام پر آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ یہاں مختصراً اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ اصحابِ کہف کا ذکر کر کے ان مظلوم اور ستم رسیدہ مسلمانوں کی حوصلہ افزائی فرمائی کہ تم سے پہلے بھی حق قبول کرنے والوں کو طرح طرح کی اذیتوں کا نشانہ بنایا گیا۔ انہوں نے محض اپنا ایمان بچانے کے لیے اپنے وطن کو چھوڑا اور ایک غار میں پناہ لی۔ اور تم تو غلامانِ حبیب کبریا علیہ الصلوٰۃ والثناء ہو تمہیں کفار کی ان اذیّت رسانیوں کے باعث حوصلہ نہیں ہارنا چاہیے بلکہ بڑی ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ تم دیکھو گے کہ اللہ تعالیٰ کس طرح تمہیں اوجِ کمال تک پہنچاتا ہے اور کس طرح تمہیں ابدی عزتوں سے سرفراز کرتا ہے۔ اسی ضمن میں کفار کو یہ بھی بتا دیا کہ جو ذات اصحابِ کہف کو سینکڑوں سال کے بعد از سرِ نو زندگی عطا فرما سکتی ہے وہ تمہیں بھی روزِ حشر زندہ کر کے اٹھا سکتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سفر سے علم وحکمت کے حصول کی اہمیت کا درس دیا۔ اس کے ضمن میں چند واقعات بیان کر کے ایک پیچیدہ عقدہ کو بھی حل فرما دیا۔ اس دنیا میں اکثر ایسے واقعات رُونپذیر ہوتے رہتے ہیں جن کی ہم کوئی توجیہ نہیں کر سکتے یا ہم انہیں عدل وحکمت کے تقاضوں کے سراسر منافی سمجھتے ہیں۔ حقیقت میں یہ ہماری اپنی کم فہمی ہوتی ہے۔ اگر ان سے پردہ ہٹایا

جائے تو ان کا عین عدل وحکمت ہونا اظہر من الشمس ہو جائے۔ جس طرح ان تین واقعات سے جب حضرت خضر علیہ السلام نے پردہ اُٹھایا تو حضرت کلیم اللہ کی برہمی اور ناراضگی خود بخود دور ہوگئی۔ اور انہیں اپنے اعتراضات واپس لینے کے بغیر کوئی چارہ کار نہ رہا۔

ذوالقرنین کا واقعہ بیان کر کے ایک مومن حکمران کی خوبیوں کو ظاہر فرمایا کہ وہ باوجود قوت واقتدار کے اپنی رعایا کے لیے مہربان، عادل اور شفیق ہوتا ہے۔

آخری دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی عظمت اور جلال کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ ارشاد ہے: اگر سمندر سیاہی بن جائیں اور اس سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی آیاتِ عظمت وجلال کو قلم بند کیا جائے تو سمندر خشک ہو جائیں لیکن اس کی صفات کا بیان پھر بھی تشنۂ تکمیل رہے۔

حضور نبیٔ اکرم کی زبان سے یہ اعلان کرایا کہ میں بشر ہوں، خدا نہیں۔ خدا وہی ہے جو وحدہٗ لاشریک ہے جس کا میں بھی بندہ ہوں اور ساری کائنات بھی اس کی مخلوق اور اس کے سامنے سرافگندہ ہے۔ اِس آیت سے اس صداقت کو ثابت کیا کہ جب یہ مرقعِ حسن وکمال بایں ہمہ زیبائی ودلربائی خدا نہیں تو اور کون ہے جو خدائی کا دعویٰ کر سکے؟ جب زبانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہ اعلان کر رہی ہو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تو کائنات کی ہر چیز کو طوعاً وکرہاً کہنا پڑے گا اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ بعض کم نظر لوگ اس آیتِ کریمہ سے شانِ حبیبِ کبریا کی تنقیص کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں یہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اور دلِ بینا کو وہ عظمتیں جو نامِ پاکِ محمد (تعریف کیا ہوا) صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں پنہاں ہیں پوری آب وتاب سے دکھائی دے رہی ہیں۔

دل بینا بھی کر خدا سے طلب   آنکھ کا نور دل کا نور نہیں (1)

1۔ کلیات اقبال بال جبریل، غزلیات حصہ دوم، غزل نمبر 20

سُوْرَۃُ الْكَهْفِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَّعَشْرُ اٰيَاتٍ وَّاثْنَا عَشَرَ رُكُوْعًا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۂ کہف مکی ہے اسکی آیتیں ۱۱۰ اور رکوع ۱۲ ہیں

(اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانیوالا ہے)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے نازل فرمائی اپنے (محبوب) بندے پر یہ کتاب [1] اور نہیں پیدا ہونے دی [2] اس میں ذرا

[1] اس سے پہلی سورت کا اختتام بھی حمد سے ہوا اور اس سورت کا آغاز بھی حمد سے کیا جا رہا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ہر خوبی وکمال جس کا ظہور اختیار اور ارادہ سے ہو اس کی ستائش وثناء کو عربی میں حمد کہتے ہیں۔ سابقہ سورت کی آخری آیتوں میں ان خوبیوں اور کمالات کا ذکر ہوا جن سے ذاتِ الٰہی متصف ہے۔ اس آیت میں اس کی صفتِ جود وکرم کا بیان ہے جس نے ناقصوں کو کامل، گم کردہ راہوں کو خضرِ کارواں اور ابجد ناشناسوں کو نہاں خانۂ تقدیر کا راز داں بنا دیا۔ اس لیے فرمایا سب ستائشیں اسی ذاتِ بے ہمتا کو زیبا ہیں جس نے اپنے محبوب بندے پر یہ کتاب نازل فرما کر انسانیت کی شبِ دیجور کو صبحِ نور سے آشنا کیا ہے۔ عبدہٗ سے مراد صاحبِ قرآن اور الکتاب سے مراد قرآنِ کریم ہے (1)۔ عبدہٗ میں کوئی التباس نہیں۔ کیونکہ مقامِ عبدیتِ کاملہ پر صرف یہی ذاتِ بابرکات فائز ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ جب کوئی چیز کسی صفت میں اوجِ کمال پر پہنچتی ہے تو جب اس صفت کو مطلقاً ذکر کیا جائے گا تو اس سے مراد وہی موصوف ہوگا۔ ع جملہ عالم بندگان وخواجہ اوست

جس کسی کو عبدیت کا جتنا کچھ عرفان نصیب ہوا، اسی کے طفیل ہوا۔

وَكُلُّهُمْ مِنْ رَّسُوْلِ اللهِ مُلْتَمِسٌ غَرْفًا مِّنَ الْبَحْرِ اَوْ رَشْفًا مِّنَ الدِّيَمِ

فَهُوَ الَّذِيْ تَمَّ مَعْنَاهُ وَصُوْرَتُهٗ ثُمَّ اصْطَفَاهُ حَبِيْبًا بَارِئُ النَّسَمِ (2)

ترجمہ: تمام انبیاء حضور کے بحرِ کرم سے چلّو بھر رہے ہیں اور حضور کے ابرِ رحمت سے ہونٹ تر کر رہے ہیں۔ یہی وہ ذاتِ اقدس ہے جس کا ظاہر وباطن مکمل ہے۔ پھر کائنات کے خالق نے اس سراپا حسن وخوبی کو اپنا حبیب منتخب فرمایا ہے۔

اسی طرح جب الکتاب کہا جائے گا تو فوراً ذہن اس صحیفۂ کاملہ اور نسخۂ کیمیا کی طرف منتقل ہوگا جو قرآن کے نام سے ہمارے پاس موجود ہے۔ جس طرح صاحبِ کتاب اپنی شانِ عبدیت اور مقامِ بندگی میں بے نظیر ہے۔ اسی طرح یہ کتاب بھی بے عدیل ہے۔

[2] اسی کتاب کی ایک شان بیان فرما دی کہ اس کی عبارت اور اس کا معنی، اس کا ظاہر اور اس کا باطن ہر قسم کی کجی سے مبرّا ہے۔ عِوَجٌ یعنی اگر عین مکسور ہو تو اس سے مراد معنوی کجی ہوتی ہے اور اگر عَوَجٌ ہو یعنی عین مفتوح ہو تو اس سے مراد ظاہری ٹیڑھا پن ہوتا ہے عرب کہتے ہیں فِیْ رَأْیِهٖ عِوَجٌ وَّفِیْ عَصَاهُ عَوَجٌ (3) اور عِوَجًا کی تنوین تقلیل کی ہے یعنی اس میں ذرا سی بھی کجی نہیں ہے۔

علامہ راغب اصفہانی اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ وہ ٹیڑھا پن جو آنکھ سے دیکھا جائے اسے عَوَجٌ کہتے ہیں

1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 215
2۔ القصید تان (البردہ واطیب النغم)، ص 12، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 5

عِوَجًا ۜ ﴿١﴾ قَيِّمًا لِّيُنذِرَ بَأْسًا شَدِيدًا مِّن لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِينَ

کجی (اور معاش و معاد کو) درست کرنے والی بنایا تاکہ ڈرائے سخت گرفت سے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور یہ مژدہ سنائے اُن اہلِ ایمان کو

الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا حَسَنًا ﴿٢﴾ مَّاكِثِينَ فِيهِ

جو کرتے ہیں نیک اعمال کہ بیشک ان کے لیے بہت عمدہ جزا ہے وہ ٹھہریں گے اس (جنت) میں

أَبَدًا ﴿٣﴾ وَيُنذِرَ الَّذِينَ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا ﴿٤﴾ مَّا لَهُم بِهِ مِنْ

تا ابد ۵ اور تاکہ ڈرائے ان (نادانوں) کو جو یہ کہتے ہیں کہ بنا لیا ہے اللہ تعالیٰ نے (فلاں کو اپنا) بیٹا ۶ نہیں انہیں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا

اور وہ کجی جو فکر اور بصیرت سے معلوم ہو اسے عِوَجٌ کہتے ہیں۔ اَلْعَوَجُ یُقَالُ فِیْ مَایُدْرَکُ بِالْبَصَرِ سَهْلًا کَالْخَشَبِ وَالْعِوَجُ یُقَالُ فِیْ مَایُدْرَکُ بِالْفِکْرِ وَالْبَصِیْرَةِ کَالدِّیْنِ وَالْمَعَاشِ۔ (مفردات)(1)

۳۔ اس کتاب کی ایک صفت تو یہ ہے کہ اس میں کوئی کجی، کوئی خامی نہیں اور دوسری صفت یہ ہے کہ دوسروں کی کجیوں اور خامیوں کی اصلاح کرتی ہے اور ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو ایسی بنیادوں پر استوار کرتی ہے کہ ان میں پھر خلل راہ نہیں پا سکتا۔

"قَیِّمًا" اَیْ ثَابِتًا مُقَوِّمًا لِاُمُوْرِ مَعَاشِهِمْ وَ مَعَادِهِمْ۔ (2)

۴۔ اس جملہ میں ایسے عظیم المرتبت بندے پر ایسی جلیل القدر کتاب کے نزول کا مقصدِ حقیقی بیان فرمایا جا رہا ہے کہ اس کا مقصد صرف یہی نہیں کہ اسے ریشمی غلافوں میں لپیٹ کر دفعِ بلیات و آفات کے لیے گھر کے کسی اونچے طاق پر رکھ دیا جائے یا طوطے کی طرح اس کی آیات کو گاہ گاہ بن سمجھے پڑھ لیا جائے۔ یہ تو کاروانِ انسانیت کا رُخ موڑنے کے لیے، اس کے بختِ خفتہ کو بیدار کرنے کے لیے، اس کے ژولیدہ افکار کو نکھارنے کے لیے اتاری گئی ہے۔ یہ نابکاروں کو، گم کردہ راہ مسافروں کو متنبہ کرتی ہے کہ وہ بروقت اصلاحِ احوال کی کوشش میں لگ جائیں ورنہ اپنے آپ کو اس عذاب کے لیے تیار کر لیں جس سے بچ نکلنے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔

۵۔ اور جن لوگوں نے اس دعوت کو قبول کیا اور راہِ حق پر چل پڑے اور اپنے نظریات کی صداقت پر اعمالِ حسنہ کی گواہی پیش کر دی۔ انہیں یہ کتاب مژدہ سنائے کہ تکلیفوں سے مت گھبراؤ۔ ثابت قدمی سے آگے بڑھتے چلے جاؤ۔ رحمتِ خداوندی نے چمنِ فردوس کی بہاروں کو حکم دیدیا ہے کہ جادۂ عشق و محبت کے آبلہ پا مسافروں پر نچھاور کرنے کیلئے وہ پھول چن رکھیں جن کی مہک اور جن کی رنگت ان کے بلند حوصلوں کی شایانِ شان ہو اور انہیں یہ بھی بتا دو کہ یہ بہار خزاں آشنا نہ ہوگی۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ اس سے لذت و سرور حاصل کرتے رہیں گے۔

۶۔ عرب میں بت پرستی اور شرک کی اَن گنت شکلیں مروّج تھیں۔ ان میں سے ایک شکل یہ تھی کہ بعض لوگ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں (نعوذ باللہ) یقین کرتے تھے اور اُن کی پوجا کیا کرتے تھے۔ یہ کتاب کفر و شرک کی ساری صورتوں کو محو کرنے کے لیے آئی ہے۔ خصوصاً یہ بھونڈا شرک جس کو عقل اپنی تمام کمزوریوں کے باوجود قبول کرنے کے لیے تیار نہیں جو محض جہالت، حماقت

1۔ مفردات راغب، ص 357 2۔ ایضاً، ص 428

عِلۡمٍ وَّلَا لِاٰبَآىِٕهِمۡ ؕ كَبُرَتۡ كَلِمَةً تَخۡرُجُ مِنۡ اَفۡوَاهِهِمۡ ؕ اِنۡ

کچھ علم ہے اور نہ انکے باپ دادا کو کیتنی بڑی ہے وہ بات جو نکلتی ہے ان کے مونہوں سے ؎ وہ نہیں

يَّقُوۡلُوۡنَ اِلَّا كَذِبًا ۞ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفۡسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمۡ اِنۡ لَّمۡ

کہتے ہیں مگر (سرتاسر) جھوٹ۔ تو کیا آپ (فرطِ غم سے) تلف کر دیں گے اپنی جان کو انکے پیچھے اگر وہ

يُؤۡمِنُوۡا بِهٰذَا الۡحَدِيۡثِ اَسَفًا ۞ اِنَّا جَعَلۡنَا مَا عَلَى الۡاَرۡضِ زِيۡنَةً

ایمان نہ لائے اس قرآن کریم پر افسوس کرتے ہوئے ؎ بیشک ہم نے بنایا ان چیزوں کو جو زمین پر ہیں اسکے لیے باعث زینت

لَّهَا لِنَبۡلُوَهُمۡ اَيُّهُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ۞ وَاِنَّا لَجٰعِلُوۡنَ مَا عَلَيۡهَا

آرائش تاکہ ہم انھیں آزمائیں کہ ان میں سے کون عمل کے لحاظ سے بہتر ہے ؎ اور ہم ہی بنانے والے ہیں ان چیزوں کو جو زمین پر ہیں۔

اور اندھی تقلید کا نتیجہ ہے۔ اس غلط اور احمقانہ عقیدہ کے خوفناک نتائج سے آگاہ کرنا بھی اس کتاب کے مقاصد سے ہے۔

؎ اس کا فاعل ''ھی'' ضمیر ہے جو اس میں مستتر ہے۔ اور کلمہ اس کی تمیز ہے اِس لیے منصوب ہے اور یہ اسلوبِ کلام اظہارِ تعجب کے لیے اختیار کیا گیا ہے (1)۔ یعنی یہ نادان کتنی نازیبا، کتنی نامعقول بات اپنی زبان پر لا رہے ہیں اور کتنا سفید جھوٹ بول رہے ہیں۔

؎ اُدھر جور و جفا کا یہ حال ہے کہ کسی معقول بات پر بھی غور نہیں کرتے بلکہ اُلٹا مذاق اڑاتے ہیں اور اِدھر رافت و رحمت کی یہ کیفیت ہے کہ ہر قیمت پر انہیں ہلاکت کے گرداب میں گرنے سے بچانے کا خیال ہر وقت بے چین رکھتا ہے۔ مسجدِ حرام کے صحن میں، بازارِ مکہ کی ہنگامہ پرور فضاؤں میں، ان کی نشست گاہوں میں اور ان کے خلوت کدوں میں جا جا کر انہیں سمجھایا جا رہا ہے۔ وہ بار بار جھڑکتے ہیں، ناراض ہوتے ہیں، بپھرتے ہیں لیکن اخلاص و محبت کا یہ چشمہ رواں ہی رہتا ہے۔ جب رات کی خاموشی چھا جاتی ہے، ساری آنکھیں محوِ خواب ہوتی ہیں، تو یہ اٹھتا ہے، اپنا سرِ نیاز بارگاہِ بے نیاز میں جھکاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ سے رو رو کر ان کی ہدایت کے لیے دردوسوز میں ڈوبی ہوئی التجائیں کرتا ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی ہدایت کی روشنی سے محروم رہا تو اس کی جان پر بن آئے گی۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی اس بے چینی اور اضطراب کو دیکھتا ہے جس میں کوئی ذاتی منفعت نہیں۔ وہ ان آہوں کے سوز سے واقف ہے۔ وہ ان آنسوؤں کو جانتا ہے جو اس کے محبوب کی چشمِ مازاغ کی پلکوں پر جھلملاتے ہیں اور پھر اس کے حضور اس کی رحمت کی بھیک مانگنے کے لیے گر پڑتے ہیں۔ یہ بے خوابیاں، یہ بے تابیاں کن کے لیے ہیں؟ ان کے لیے جو جان کے دشمن اور خون کے پیاسے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کو تسلی دیتے ہیں کہ اتنا غم نہ کیجیے، بَخَعَ کا معنی ہے غم واندوہ سے جان تلف کر دینا۔ اَلْبَخْعُ قَتْلُ النَّفْسِ غَمًّا۔ (مفردات) (2)

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج6، ص6 2۔ مفردات راغب، ص37

صَعِيۡدًا جُرُزًا ؕ﴿۸﴾ اَمۡ حَسِبۡتَ اَنَّ اَصۡحٰبَ الۡكَهۡفِ وَالرَّقِيۡمِ ۙ

(ویران کرکے) چٹیل میدان غیر آباد ۱۰ کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ غار والے ۱۱ اور رقیم والے ۱۲

كَانُوۡا مِنۡ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ﴿۹﴾ اِذۡ اَوَى الۡفِتۡيَةُ اِلَى الۡكَهۡفِ فَقَالُوۡا رَبَّنَاۤ

ہماری ان نشانیوں میں سے ہیں جو تعجب خیز ہیں۔ (یاد کرو) جب پناہ لی ان جوانوں نے غار میں پھر انھوں نے دعا مانگی اے ہمارے رب!

۹ یہ باغ و بہار، یہ مرغزار و کوہسار، یہ گل و عندلیب، یہ بہتے ہوئے دریا، یہ پھیلے ہوئے صحرا، یہ صبح کا اجالا، اور مغرب کی شفق، غرضیکہ حسن و جمال کی یہ نمائش جو ہر جگہ ہو رہی ہے اس لیے نہیں کہ لوگ اس میں کھو جائیں اور دادِ عیش دیتے دیتے زندگی گزار کر رخصت ہو جائیں بلکہ یہ سب آزمائشیں ہیں۔ ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ کون حسنِ مجازی اور جمالِ فانی کے ناز و ادا پر فریفتہ ہو کر رہ جاتا ہے اور کون وہ بلند نظر اور عالی ظرف ہے جو ان تمام دلکشیوں سے دامنِ دل بچاتا ہوا حریمِ محبوب کی طرف رواں دواں رہتا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ ظاہری حسن و زیبائی کی پرستش میں وقت برباد نہ کرے بلکہ اپنے خالقِ حقیقی کی معرفت اور قرب حاصل کرنے کے لیے اپنی ساری توانائیاں وقف کر دے۔

۱۰ یعنی زمین پر جتنی چیزیں بڑی حسین و جمیل اور پرکشش نظر آتی ہیں، یہ سب فانی ہیں۔ ایک دن ان کا نام و نشان مٹا دیا جائے گا۔ اور ساری زمین چٹیل اور بنجر ہو جائے گی۔ اس لیے فانی چیزوں کے لیے اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنا قطعاً عقلمندی نہیں۔

۱۱ حضرت مسیح علیہ السلام کے مواعظ کے باعث یہودی علماء و امراء ان کے خون کے پیاسے ہو گئے اور انہیں ہر طرح کی اذیتیں دینے لگے۔ یہاں تک کہ آپ پر دین کی تحریف کا سنگین الزام لگا کر علاقہ کے رومی گورنر پیلاطس کے پاس دعویٰ دائر کیا اور اُسے دھمکی دی کہ اگر اس نے انہیں تختۂ دار پر نہ چڑھایا تو وہ بغاوت کر دیں گے۔ چند حواریوں کے علاوہ ملک کی پوری آبادی یہود کی ہمنوا تھی۔ اور وہ اس لمحہ کا بڑی بے تابی سے انتظار کر رہی تھی جب آپ کو صلیب پر لٹکا دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندے کی خود حفاظت فرمائی اور آسمان کی طرف اُٹھا کر ان نابکاروں کے ہتھکنڈوں سے آپ کو بچا لیا۔

ان حالات میں دینِ مسیحی کے پھیلنے کا کوئی امکان نہ تھا لیکن اپنے ان چند حواریوں کے دل میں حق کا جو چراغ حضرت مسیح روشن کر گئے تھے وہ مصائب کی ان تند آندھیوں میں بھی نہ بجھ سکا۔ ان کی پُرجوش تبلیغ سے لوگ آہستہ آہستہ عیسائیت قبول کرنے لگے اور علاقہ بھر میں اُن کے حلقے قائم ہو گئے جو اللہ تعالیٰ کی توحید، حضرت عیسیٰؑ کی رسالت اور قیامت پر یقین رکھتے تھے۔ اگرچہ ملک کی اکثریت اپنے رُومی حکمرانوں کی طرح بت پرست تھی۔

لیکن ۲۴۸ء کے اواخر میں جب دقیانوس (جسے رومی زبان میں ڈیسیس (DECIUS) کہتے ہیں) روما کے تخت پر متمکن ہوا تو ہوا کا رُخ پھر بدل گیا۔ اس نے ایک قانون کے ذریعہ مسیحی دین پر پھر پابندی لگا دی۔ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا کے مقالہ نگار کے خیال کے مطابق یہ پہلا رومی فرمانروا تھا جس نے مسیحیت کو بیخ و بُن سے اکھاڑ پھینکنے کا جامع منصوبہ بنایا اور اپنی

ساری قلمرو میں عیسائیوں کے قتل وغارت کا بازار گرم کر دیا (انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا جلد نمبر ۷ صفحہ ۱۲۰)(1)

ایشیائے کوچک اس وقت رومن ایمپائر کے زیرِ نگین تھا۔ وہاں کے مختلف شہروں میں بھی عیسائی آبادیاں تھیں۔ دقیانوس کی اس دارو گیر کی زد اُن پر بھی پڑی۔ انہیں واضح طور پر بتا دیا گیا کہ اگر زندگی کی ضرورت ہے تو عیسائیت چھوڑ دو۔ اور جن بتوں اور دیوی دیوتاؤں کی ہم پُوجا کرتے ہیں ان کی پوجا کرو۔ ڈیسیس جب ملکی دورہ پر روانہ ہوتا تو وہ اس مقصد کو تمام دوسرے امورِ مملکت پر ترجیح دیتا۔ ایک دفعہ اس کا گزر ایشیائے کوچک کی بستی افیسس (EPHESUS) پر ہوا۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں آرٹیمس یا ڈائنا دیوی کا مندر تھا جس کی بڑی دھوم دھام سے پوجا ہوتی تھی اور اس مندر کی وجہ سے اس شہر کو ملک بھر میں خاص اہمیت حاصل تھی۔

یہاں جب دقیانوس نے عیسائیوں کی پکڑ دھکڑ شروع کی تو چند نوجوان اپنی دولتِ ایمان بچانے کے لیے وہاں سے چل نکلے۔ قریب ہی ایک پہاڑ تھا جس میں ایک وسیع غار تھا۔ اس میں جا چھپے اور بارگاہِ الٰہی میں گڑگڑا کر التجائیں کرنے لگے کہ وہ انہیں اس ظالم اور سنگدل بادشاہ کے شر سے بچائے اور ان کو نعمتِ ایمان سے محروم نہ کرے۔ ایسا نہ ہو کہ کسی آزمائش میں ان کا قدم لڑکھڑا جائے اور دامنِ حق ان کے ہاتھ سے چھوٹ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی فریاد سُنی اور ان پر نیند مسلط کر دی گئی۔ اس غار کا منہ شمال کی جانب تھا۔ اس لیے اس میں دھوپ تو داخل نہ ہوتی لیکن ہوا اور روشنی کا گزر اچھی طرح سے تھا اس لیے یہاں ان کے جسم اس طویل نیند کے باوجود محفوظ تھے۔ قدرت مناسب وقفہ کے بعد ان کے پہلو بھی بدل دیتی جیسے نیند کی حالت میں ہم سوئے سوئے پہلو بدل لیا کرتے ہیں۔ اسی طرح کا احساس ان میں بھی یقیناً ہوگا۔ دور سے دیکھنے والے انہیں بیدار خیال کرتے حالانکہ وہ محوِ خواب تھے۔ ان کے ساتھ ایک کتا بھی ہو لیا تھا۔ انہوں نے اسے بھگانے کے لیے بڑے جتن کیے لیکن اس نے ساتھ نہ چھوڑا۔ جب وہ غار میں جا کر آسودۂ خواب ہو گئے تو وہ بھی پاسبانی کی خاطر غار کے دہانے پر پاؤں پھیلا کر بیٹھ رہا۔

اس طرح ایک سو ستاسی برس کا عرصہ گزر گیا۔ ڈیسیس کیفرِ کردار کو پہنچا۔ مختلف بادشاہ آئے اور اپنی چند روزہ شاہی کا ڈنکا بجا کر چل دیئے۔ پرانے شہر اُجڑے نئی بستیاں آباد ہوئیں۔ افیسس کے شہر میں بھی اس دو سو سال کے زمانہ میں کیا شکست و ریخت نہ ہوئی ہوگی۔ جب حکمتِ الٰہی نے چاہا تو ان سونے والوں کو بیدار کر دیا۔ وہ آنکھیں ملتے ہوئے اُٹھ بیٹھے۔ خیال انہیں بھی گزرا کہ وہ آج معمول سے کچھ زیادہ ہی سوئے ہیں۔ لیکن یہ بات ان کے سان وگمان میں بھی نہ تھی کہ ان کو یہاں بے سُدھ پڑے دو صدیاں بیت گئیں ہیں۔ اِس لیے وہ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ وہ کتنی دیر سوئے ہیں۔

ان کی آنکھیں کیا کھلیں کہ بشری تقاضے بھی بیدار ہو گئے۔ انہیں بھوک نے ستانا شروع کر دیا۔ اُنہوں نے اپنے ایک ساتھی کو جس کا نام یملی خاہ بتایا جاتا ہے بستی کی طرف بھیجا کہ ان کے لیے کھانا خرید لائے۔ جب وہ غار سے نکل کر شہر کی طرف روانہ ہوا تو وادی وکوہسار وہی تھے لیکن ماحول میں اجنبیت کے آثار قدم قدم پر حیران کر رہے تھے۔ شہر میں گئے تو در و دیوار، گلی کوچے زبانِ حال سے کچھ اور ہی داستان سنا رہے تھے۔ یملیخاہ سوچ رہے تھے کہ بارِ خدا! ایک آٹھ پہر میں یہ کیا انقلاب آ گیا۔ کل جب چھوڑ کر گئے تو اس شہر کا کیا حال تھا اور آج کیا ہے۔ ایک نانبائی کی دکان پر گئے اور اسے کھانا دینے کے لیے کہا۔ اس نے کھانا دیا۔ اُنہوں نے وہی پُرانا سکہ جو یہاں سے جاتے ہوئے وہ اپنے ساتھ لے گئے تھے اس کی طرف بڑھا دیا۔ دکاندار اس

1۔ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا، ج 7، ص 124

سکہ کو دیکھ کر ہکا بکا ہو گیا۔ معاملہ نے طول پکڑا۔ اردگرد کے دکاندار بھی اکٹھے ہو گئے۔ یملی خاہ پر الزام لگایا گیا کہ اسے کوئی پرانا شاہی خزانہ ہاتھ آیا ہے۔ معاملہ حاکمِ شہر تک پہنچا۔ یہاں آکر حقیقتِ حال سے پردہ اٹھا۔ انہیں پتہ چلا کہ یہ ان نوجوانوں میں سے ایک ہے جو ڈیسیس کے مظالم سے بھاگ کر ایک غار میں پناہ گزیں ہو گئے تھے۔ لوگوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ سب ان کی جھلک دیکھنے کے لیے غار تک گئے۔ وہاں دوسرے ساتھی یملی خاہ کا انتظار کرتے کرتے اکتا گئے اور ان کے دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہونے لگے تھے۔ جب اُنہوں نے ایک جم غفیر غار کی طرف آتے دیکھا تو انہیں یقین ہو گیا کہ ان کا ساتھی پکڑا گیا ہے اور اس کے بتلانے پر یہ ہجوم انہیں گرفتار کرنے کے لیے دوڑا چلا آرہا ہے۔ جب لوگ حاکمِ شہر کی قیادت میں وہاں پہنچے تب اصحابِ کہف کو معلوم ہوا کہ انہیں یہاں ٹھہرے صدیاں گزر چکی ہیں اور اب حالات کا رُخ بدل گیا ہے اور عیسائیت کا ہر طرف چرچا ہے۔ صرف رعایا ہی نہیں بلکہ حکومت بھی اس دین کو قبول کر چکی ہے۔ مؤرّخین کے بیان کے مطابق یہ واقعہ ۴۳۷ء میں پیش آیا جبکہ روما کے تخت پر تھیوڈوسیس (Theodosius) متمکن تھا۔(1)

مفسرین کرام اور مورخین نے اصحابِ کہف کی جگہ، زمانہ اور ان کے مخصوص حالات کے متعلق متعدد اقوال نقل کیے۔ بعض اسے حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ سے پہلے کا زمانہ بتاتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ کہف خلیج عقبہ کے نواحی پہاڑوں میں واقع ہے۔ بعض نے شام کے کسی مقام کا تعین کیا ہے اور علامہ ابوحیّان اندلسی صاحب البحر المحیط نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ یہ سارا واقعہ اندلس کے ملک میں ہوا۔ وہ لکھتے ہیں غرناطہ کے قریب ایک قصبہ ہے جسے ''لوشہ'' کہتے ہیں۔ اس میں ایک غار ہے جہاں کئی مُردوں کے ڈھانچے ہیں۔ اور باہر ایک کتے کا ڈھانچہ بھی ہے۔ ابنِ عطیہ کہتے ہیں کہ وہ ۵۰۴ھ سے انہیں اسی حالت میں دیکھ رہے ہیں۔ وہاں ایک مسجد بھی ہے اور ایک رومی طرز کی پرانی عمارت بھی ہے جسے ''الرقیم'' کہا جاتا ہے ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے یہ کسی قدیم قصر کے کھنڈرات ہیں اور غرناطہ سے قبلہ کی جانب ایک پُرانے شہر کے آثار بھی پائے جاتے ہیں جس کا نام مدینہ دقیوس بتایا جاتا ہے۔ ابنِ عطیہ کا یہ قول نقل کرنے کے بعد علامہ ابوحیّان لکھتے ہیں کہ جب ہم اندلس میں تھے تو لوگ اس غار کی زیارت کے لیے جایا کرتے تھے۔ (البحر المحیط)(2)

کئی دیگر مقامات میں غاروں میں اس قسم کے ڈھانچے دکھائی دیتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اہلِ حق پر جب بھی جبر وتشدد کا بازار گرم ہوا ہو تو ان میں سے چند لوگوں نے قریبی پہاڑوں کی غاروں میں پناہ لی ہو اور ان کے ڈھانچے اسی طرح محفوظ ہوں اور سپین کے جس غار کا ذکر علامہ ابوحیان نے کیا ہے وہ بھی اسی طرح کا ایک غار ہو۔

لیکن میں نے جو تفصیل لکھی ہے مجھے وہی حقیقت سے زیادہ قریب معلوم ہوئی ہے کیونکہ ہمارے مفسرین نے اسے یوں ہی بیان کیا ہے۔ ان کے علاوہ ایک مشہور انگریز مؤرخ ایڈورڈ گبن (EDWARD GIBBON) نے بھی اپنی معروف تاریخ کی کتاب (THE DECLINE AND FALL OF ROMAN EMPIRE) کی تیسری جلد صفحہ ۳۴۰ تا ۳۴۳ میں ''سات سونے والوں'' کے احوال لکھے ہیں جو بالکل اس واقعہ سے مطابقت رکھتے ہیں حتیٰ کہ عربی مصادر میں جو نام ہیں تقریباً وہی

1۔ ماخوذ از The decline and Fall of the Roman Empire, vol.3, p.340-42, published by London J.M.Dent and Sons Ltd. New York E.P. Dutton and Coinc

2۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج6،ص99

نام اس نے بھی درج کیے ہیں۔ مؤرخِ مذکور نے اس کے حاشیہ میں اس واقعہ کا ماخذ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میں نے یہ واقعہ شام کے مشہور بشپ جیمس سروج (JAMES OF SARUJ) کے مجموعہ مواعظ جو ۲۳۰ مواعظ پر مشتمل ہے، کے ایک وعظ سے لیا ہے۔ یہ بشپ ۴۵۲ء میں پیدا ہوا اور ۴۷۴ء میں اس نے یہ مواعظ لکھے۔ اسے ۵۱۰ء میں بشپ مقرر کیا گیا اور ۵۲۱ء میں اس نے وفات پائی۔ اور چھٹی صدی کے اختتام سے پہلے شامی زبان سے اس کا ترجمہ لاطینی زبان میں ہو گیا تھا (1)۔ تاریخی لحاظ سے یہ کتاب اس واقعہ کے وقوع پذیر ہونے کے اقرب ترین زمانہ کی تحریر ہے۔ اِس لیے اِس میں حقیقت کی زیادہ سے زیادہ جھلک دکھائی دے سکتی ہے۔ یہ مواعظ کیونکہ تقریباً پچاس برس بعد لکھے گئے اس لیے ان کی ساری تفصیلات کو جوں کا توں تسلیم کر لینا قطعاً قرینِ دانش نہیں البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس مجموعہ کے بیان کردہ حالات دوسری روایات سے کہیں زیادہ صحیح صورتِ حال کے ترجمان ہو سکتے ہیں۔

قرآنِ کریم نے اصحابِ کہف کے واقعہ کا وہ پہلو ذکر کیا جو ہمارے لیے ہدایت کا درس رکھتا ہے باقی اس کے زمان و مکان وغیرہ تفصیلات کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا۔ ہر واقعہ کے بیان میں قرآنِ کریم کا اسلوب یہی ہے اور یہی ایک ایسی خصوصیت ہے جو قرآنِ حکیم کو تاریخ کی کتب سے ممتاز کرتی ہے۔ قرآن میں جو واقعات بیان ہوئے ہیں ان سے مقصود داستان سرائی نہیں بلکہ عبرت آموزی اور بصیرت افروزی ہے۔ صحیح احادیث میں بھی اس واقعہ کی تفصیلات مذکور نہیں۔ اغلباً ہمارے مؤرخین نے علماء اہلِ کتاب سے جو کچھ سنا وہ لکھ دیا۔ کیونکہ گزشتہ واقعات کے متعلق انہی علماء کے بیانات سند تصور کیے جا سکتے تھے اور اہلِ کتاب کے ان علماء کے پاس واقعہ کے متعلق پہلی تحریری دستاویز بشپ جیمس کے یہی مواعظ ہیں اس لیے یہ خیال کرنے میں کوئی قباحت نہیں کہ واقعہ کی یہ تفصیلات حقیقت سے زیادہ قریب ہیں۔

یہاں ایک چیز ضرور قابلِ غور ہے۔ گبن نے بڑی گستاخی سے کام لیتے ہوئے لکھا ہے کہ حضور کریم ﷺ نے یہ واقعہ اپنے شام کے تجارتی سفروں کے اثناء میں علمائے اہلِ کتاب سے سنا اور اسے وحی الٰہی کہہ کر قرآن میں درج کر دیا۔ کیونکہ قرآنِ کریم کی بیان کردہ تفصیلات جیمس کے مواعظ میں لکھی ہوئی تفصیلات سے کلی مطابقت نہیں رکھتیں۔ اس لیے اس گستاخ اور منہ پھٹ مؤرخ نے سپہرِ علم و حکمت کے نیرِ اعظم پر بے علمی اور جہالت کا الزام لگایا۔ اس طرح اس نے نہ صرف حقیقت کا منہ چڑایا ہے بلکہ مؤرخ کے بلند مقام کو بھی تعصب کی غلاظت سے آلودہ کر دیا ہے۔ جب وہ خود مانتا ہے کہ یہ مجموعہ ۴۷۴ء میں لکھا گیا اور اسی کے قول کے مطابق یہ واقعہ ۴۳۷ء میں پیش آیا۔ ذرا انصاف فرمایئے ان پچاس سالوں میں اس میں کیا کچھ ردوبدل نہ ہو گیا ہوگا۔ کتنی ایسی چیزیں نظر انداز کر دی گئی ہوں گی جو انسان کے جذبۂ عجوبہ پرستی کی تسکین کا باعث نہیں بنتی اور کئی باتیں بڑھا دی گئی ہوں گی۔ تاکہ اس واقعہ کو نمک مرچ لگا کر پیش کیا جا سکے۔ اِس لیے جیمس کی تفصیلات کا سو فی صد صحیح ہونا قطعاً یقینی نہیں۔ جب اس کی صحت قطعی نہیں تو قرآن کی صداقت کا انحصار ان مواعظ سے مطابقت پر نہیں ہو سکتا اور نہ ہی قرآن کو کسی گبن کے قول کی سند کی ضرورت ہے۔

اس واقعہ کا ایک مجمل خاکہ آپ کے سامنے پیش کر دیا گیا ہے۔ اب آیاتِ قرآنی کی روشنی میں اس واقعہ کو پڑھیے۔

۱۲۔ کَهف: اَلْغَارُ الْوَاسِعُ (2): وسیع غار۔ اَلرَّقِيْمُ کے متعلق متعدد اقوال مذکور ہیں۔ کعب نے کہا کہ یہ اس شہر کا نام ہے جہاں سے یہ لوگ گئے تھے۔ ابنِ عباس نے فرمایا: یہ اس وادی کا نام ہے جس میں غار تھا (3) لیکن عام علماء تفسیر کا میلان اس طرف

1۔ ماخوذ از The decline and Fall of the Roman Empire, vol.3, p.340 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج6، ص7 3۔ ایضاً، ج6، ص8

اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّ هَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ⑩ فَضَرَبْنَا عَلٰۤى

ہمیں مرحمت فرما اپنی جناب سے رحمت اور مہیا فرما ہمارے لیے اس کام میں ہدایت ۱۳ پس ہم نے بند کر دیئے ان کے

اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ⑪ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَىُّ

کان (سننے سے) اس غار میں کئی سال تک جو گنے ہوئے تھے ۱۴ پھر ہم نے انھیں بیدار کر دیا تاکہ ہم دیکھیں کہ ان دو

الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْۤا اَمَدًا ⑫ ع نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ

گروہوں میں سے کون صحیح شمار کر سکتا ہے اس مدت کا جو وہ (غار میں) ٹھہرے تھے ۱۵ (اے حبیب!) ہم بیان کرتے ہیں آپ سے ان کی خبر

ہے کہ رقیم بمعنی مرقوم (لکھا ہوا) ہے یعنی تانبے کی وہ تختی جس پر اصحاب کہف کے نام اور ان کے احوال لکھ کر بطور یادگار ایک صندوق میں محفوظ کر دیئے گئے تھے۔ تاکہ بعد میں آنے والی نسلوں کو ان کے حالات کا صحیح علم ہو سکے (1) اور جب یملی خاہ نے حاکم شہر کو بتایا کہ میں ان میں سے ایک ہوں جو ظالم بادشاہ کے جبر وتشدد سے اپنے ایمان کو بچانے کے لیے غار میں پناہ گزین ہو گئے تھے۔ تو اس تختی نے اس بیان کی تصدیق کر دی (2)۔ اَمْ حَسِبْتَ میں استفہامِ انکاری ہے (3) کہ تم اصحابِ کہف کے واقعہ کو عجائباتِ قدرت میں سے عجیب ترین امر سمجھتے ہو! نہیں بلکہ اس کی قدرت کی اعجاز آفرینی دیکھنی ہو تو اس نیلگوں آسمان کو دیکھو، اور اس کشادہ زمین کو دیکھو تمہیں ہر جگہ اس کی قدرت وحکمت کے روشن جلوے نظر آئیں گے۔

۱۳ فِتْيَة جمع ہے اس کا واحد فَتٰی ہے (4)۔ جب نوجوانوں کا یہ گروہ غار میں جا چھپا تو انہوں نے بارگاہِ الٰہی میں دستِ دعا پھیلائے ہوئے عرض کی: الٰہی! ہمیں اپنی رحمت کی چادر میں ڈھانپ لے۔ ہمارا ایمان بھی محفوظ رہے اور ہمارے گناہ بھی بخش دے۔ ہمیں رزق بھی بہم پہنچا اور ہمیں دشمن کے پنجۂ استبداد سے بھی محفوظ رکھ (5)۔ رَشَدٌ کا معنی صاحب قاموس نے یہ کیا ہے: اِسْتِقَامَةٌ عَلٰى طَرِيْقِ الْحَقِّ مَعَ تَصَلُّبٍ فِيْهِ (قاموس) (6) یعنی جس مقصد کے لیے ہم اپنے عزیز واقرباء اور اپنے وطن کو چھوڑ کر یہاں آئے ہیں اس میں ہمیں استقامت اور ثبات نصیب فرما۔ ایسا نہ ہو کہ شیطان کی وسوسہ اندازی سے انجامِ کار ہم اس نعمت سے محروم کر دیئے جائیں۔

۱۴ اس کا مفہوم ہے۔ ہم نے ان پر حالتِ خواب طاری کر دی۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں: یہ قرآن کے ان فصیح جملوں سے ہے جن کی نظیر لانے سے فصحائے عرب قاصر رہے۔ یعنی ہم نے ان کے کانوں کو بند کر دیا تاکہ کوئی آواز ان کی نیند میں خلل نہ پیدا کر سکے۔

۱۵ اس جملہ کی ترکیب ذہن نشین نہ ہو تو اس کا مفہوم سمجھنے میں دقت ہوتی ہے۔ اس لیے ترکیب درج ذیل ہے۔

اَىُّ الْحِزْبَيْنِ مبتدا اَحْصٰى فعل ماضی اَمَدًا اس کا مفعول لِمَا لَبِثُوْا اس کا حال ہے معنی ہوگا اَيُّهُمْ ضَبَطَ اَمَدًا كَائِنًا لِزَمَانِ

1۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج 15، ص 131
2۔ تفسیر مظہری زیر آیت ہذا، ج 6، ص 18
3۔ ایضاً، ج 6، ص 7
4۔ مفردات راغب، ص 379
5۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج 15، ص 132
6۔ القاموس المحیط، ص 72-171

بِالۡحَقِّ ؕ اِنَّهُمۡ فِتۡيَةٌ اٰمَنُوۡا بِرَبِّهِمۡ وَزِدۡنٰهُمۡ هُدًى ﴿۱۳﴾ۖ ق وَّرَبَطۡنَا

ٹھیک ٹھیک[۱۵] بیشک وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کے (نورِ) ہدایت میں اضافہ کر دیا[۱۶]۔ اور ہم نے

عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ اِذۡ قَامُوۡا فَقَالُوۡا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ

مضبوط کر دیا[۱۷] انکے دلوں کو جب وہ (راہِ حق میں) کھڑے ہو گئے[۱۸] تو انھوں نے (برملا) کہہ دیا ہمارا پروردگار وہ ہے جو پروردگار ہے

لَنۡ نَّدۡعُوَا۟ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدۡ قُلۡنَاۤ اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾ هٰٓؤُلَاۤءِ قَوۡمُنَا

آسمانوں اور زمین کا ہم ہرگز نہیں پکاریں گے اسکے سوا کسی معبود کو (اگر ہم ایسا کریں) تو گویا ہم نے ایسی بات کہی جو حق سے دور ہے[۱۹] یہ ہماری قوم ہے

اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ لَوۡلَا يَاۡتُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ بِسُلۡطٰنٍۭ بَيِّنٍ ؕ

جنھوں نے بنا لیا ہے اسکے سوا غیروں کو (اپنے) خدا کیوں نہیں پیش کرتے ان (کی خدائی) پر کوئی ایسی دلیل جو روشن ہو

فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴿۱۵﴾ؕ وَاِذِ اعۡتَزَلۡتُمُوۡهُمۡ

ورنہ پھر اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتا ہے۔ اور جب تم الگ ہو گئے ہو ان (کفار) سے

لَبِثِهِمۡ (1) (مظہری)

۱۶ اب ذرا وضاحت سے ان کا حال بیان ہوتا ہے۔

۱۷ یعنی وہ ایمان لائے اور جب انہوں نے ایمان کے تقاضوں کو پورا کیا اور حکم خداوندی بجالانے میں کسی کوتاہی کا ثبوت نہ دیا تو ہم نے ان کے دلوں کو نورِ ہدایت سے منور کر دیا اور ان کے سینہ کو ہدایت کا گنجینہ بنا دیا۔ اسی مفہوم کو ایک دوسری آیت میں بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ وَالَّذِيۡنَ جَاهَدُوۡا فِيۡنَا لَنَهۡدِيَنَّهُمۡ سُبُلَنَا (2)

۱۸ جب وہ آمادہ ہو گئے اور انہوں نے عزم بالجزم کر لیا تو ہم نے ان کے دلوں کو جذبۂ استقامت سے معمور کر دیا اور وہ بے خطر آزمائش کے اس خارزار میں آگے بڑھتے چلے گئے۔

۱۹ جب انہیں دقیانوس کے روبرو پیش کیا گیا اور اس نے ان سے ان کے عقیدہ کے متعلق دریافت کیا تو ایمان وعشق کسی مصلحت بینی کا روادار نہ ہوا۔ بلکہ خون آشام تلواروں کی جھنکار میں بے دھڑک یہ اعلان کر دیا کہ ہمارا رب جس کی جناب میں ہم سجدہ ریز ہوتے ہیں، جس کی شرابِ محبت سے ہماری روحیں سرشار ہیں، جس کی حمد کی لذت سے ہماری زبانیں آشنا ہیں وہ ان کمالات کا مالک ہے کیا وہ تمہارے آرٹیمس یا تمہاری ڈائنا دیوی میں پائے جاتے ہیں؟

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج6، ص18 2۔ سورۃ العنکبوت: 69

وَمَا يَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ فَأْوُۥٓا إِلَى الْكَهْفِ يَنشُرْ لَكُمْ رَبُّكُم مِّن

اور ان معبودوں سے جن کی یہ پوجا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا۔ تو اب پناہ لو غار میں پھیلا دے گا تمہارے لیے تمہارا رب اپنی

رَّحْمَتِهِۦ وَيُهَيِّئْ لَكُم مِّنْ أَمْرِكُم مِّرْفَقًا ﴿۱۶﴾ وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا

رحمت (کا دامن) اور مہیا کر دے گا تمہارے لیے تمہارے اس کام میں آسانیاں ۲۱ اور تو دیکھے گا سورج کو جب وہ

طَلَعَت تَّزَٰوَرُ عَن كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَت تَّقْرِضُهُمْ

ابھرتا ہے تو وہ ہٹ کر گزرتا ہے ان کی غار سے دائیں جانب ۲۲ اور جب وہ ڈوبتا ہے تو بائیں طرف

ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِّنْهُ ۚ ذَٰلِكَ مِنْ ءَايَٰتِ اللَّهِ ۗ مَن

کتراتا ہوا ڈوبتا ہے اور وہ (سوئے ہوئے) ہیں ایک کشادہ جگہ غار میں۔ (سورج کا) یوں (طلوع و غروب) اللہ تعالیٰ کی نشانیوں

يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۖ وَمَن يُضْلِلْ فَلَن تَجِدَ لَهُۥ وَلِيًّا

میں سے ہے (حقیقت یہ ہے) کہ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے تو تو نہیں پائیگا اسکے لیے کوئی

مُّرْشِدًا ﴿۱۷﴾ وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَهُمْ رُقُودٌ ۚ وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ

مددگار (اور) رہنما۔ اور (اگر تو دیکھے تو) تو انھیں بیدار خیال کریگا حالانکہ وہ سورہے ہیں ۲۳ اور ہم انکی کروٹ بدلتے رہتے ہیں (کبھی)

الْيَمِينِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُم بَٰسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ ۚ

دائیں جانب اور (کبھی) بائیں جانب اور ان کا کتا پھیلائے بیٹھا ہے اپنے دونوں بازو ان کی دہلیز پر ۲۴

ع ۵ / ۱۴

۲۰ یعنی جو اس کے علاوہ کسی غیر کی بندگی کرتے ہیں وہ یاوہ گو ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ تم سب یاوہ گو ہو۔

۲۱ اس کا معنی ہے مَا یُرْتَفَقُ اَیْ یُنْتَفَعُ بِہٖ جس سے نفع اور فائدہ حاصل کیا جائے۔ (1)

۲۲ اس کی صورت یہ تھی کہ غار کا دہانہ شمال کی جانب تھا۔ سورج طلوع ہوتا تو بھی، غروب ہوتا تو بھی، اس کی دھوپ اس کے دہانہ میں داخل نہ ہوتی۔ (2)

۲۳ ایقاظ کا واحد یَقِظ ہے۔ رقود کا واحد رَاقِدٌ۔ (3)

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 19 — 2۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 11، جز 21، ص 100 — 3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 20

لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿١٨﴾

اگر تو جھانک کر انھیں دیکھے تو ان سے منہ پھیر کر بھاگ کھڑا ہو ۲۵؎ اور تو بھر جائے انکے منظر کو دیکھ کر ہیبت سے۔

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ۭ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ

اور اسی طرح ہم نے انھیں بیدار کر دیا ۲۶؎ تاکہ وہ ایک دوسرے سے آپس میں پوچھیں۔ کہنے لگا ایک کہنے والا ان سے کہ تم یہاں کتنی

لَبِثْتُمْ ۭ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا

مدت ٹھیرے ہو ۲۷؎ بعض نے کہا ہم ٹھیرے ہونگے ایک دن یا دن کا کچھ حصّہ۔ دوسروں نے کہا تمھارا رب بہتر جانتا ہے

لَبِثْتُمْ ۭ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ

جتنی مدت تم ٹھیرے ہو ۲۸؎ پس بھیجو کسی کو اپنے ساتھیوں سے اپنے ایک سکّہ کے ساتھ شہر کی طرف ۲۹؎ پس وہ دیکھے کہ

اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ

کس کے ہاں عمدہ پاکیزہ کھانا ملتا ہے پس وہ لے آئے تمھارے پاس کھانا وہاں سے۔ اسے چاہیے کہ خوش خلقی سے کام لے ۳۰؎ اور کسی کو

نصف القرآن باعتبار عدد الحروف بان التاء بعد اللام من النصف الاول والاخر الثانية من النصف الآخر ١٢

۲۴؎ وَصِيْدٌ غار کا صحن یا دروازہ کی چوکھٹ وَصِيْدٌ فِنَاءُ الْكَهْفِ اَوْ عُتْبَةُ الْبَابِ۔ (1)

۲۵؎ ان کے رعب اور ہیبت کی وجہ کیا تھی؟ اس کی کئی وجہیں بیان کی گئی ہیں۔ لیکن صحیح وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سارے ماحول کو اتنا ڈراؤنا اور بھیانک بنا دیا تھا کہ وہاں پہنچتے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے اور دل ڈوبنے لگتا اور کسی شخص کو اندر جانے کا حوصلہ نہ ہوتا۔ قِيْلَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى مَنَعَهُمْ بِالرُّعْبِ لِئَلَّا يَدْخُلَ عَلَيْهِمْ اَحَدٌ وَّهُوَ الصَّحِيْحُ الْمُخْتَارُ۔ (2)

۲۶؎ جیسے ہم نے اپنی قدرت سے اتنے طویل عرصہ تک محوِ خواب رکھا اسی طرح ہم نے اپنی قدرت سے انہیں بیدار کر دیا۔

۲۷؎ انہیں محسوس ہوا کہ خلافِ معمول آج وہ زیادہ وقت ہی سوئے رہے ہیں اس لیے ایک دوسرے سے پوچھنے لگے۔

۲۸؎ سونے کی مدت کے متعلق کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ۔ آخر طے یہ ہوا کہ اس فضول بحث میں وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں اس کو خدا کے سپرد کر دو، وہی صحیح طور پر اس وقت کو جانتا ہے۔

۲۹؎ جتنا عرصہ سوئے رہے بشری تقاضے مہر بلب رہے اور جب جاگے تو خالی پیٹ نے کھانا طلب کرنا شروع کر دیا۔

۳۰؎ بادشاہ سے بھاگ کر آئے تھے پکڑے جانے کا ہر وقت کھٹکا لگا ہوا تھا۔ جو شخص کھانا لانے کے لیے جانے لگا اسے خصوصیت سے اِس امر کی تاکید کر دی گئی کہ کوئی زیادتی بھی کرے تو درگزر کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ درشت کلامی کرو اور پکڑے جاؤ اور

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 21 2۔ ایضاً

بِكُمْ اَحَدًا ﴿١٩﴾ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ

تمہاری خبر ہونے دے۔ وہ لوگ اگر آگاہ ہو گئے تم پر تو وہ تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دینگے ۳۱ یا تمہیں (جبراً)

فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿٢٠﴾ وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ

لوٹا دینگے اپنے (جھوٹے) مذہب میں اور (اگر تم نے ایسا کیا) تو تم کبھی بھی فلاح نہیں پا سکو گے ۳۲ اور بستی والوں کو ہم نے اچانک

لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ

آگاہ کر دیا ان (اصحابِ کہف) پر تا کہ وہ جان لیں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور بلاشبہ قیامت کے آنے میں کوئی شبہ نہیں ۳۳ جب

يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ؕ رَبُّهُمْ

وہ بستی والے جھگڑ رہے تھے آپس میں انکے معاملہ میں تو بعض نے کہا کہ (بطور یادگار) تعمیر کرو انکے غار پر کوئی عمارت ۳۴ انکا رب

لینے کے دینے پڑ جائیں۔ اور یہ بھی اسے تنبیہ کی گئی کہ خیال رہے کہ کوئی تمہیں پہچاننے نہ پائے۔ چپکے سے ایسے راستہ سے جاؤ جہاں زیادہ گہما گہمی نہ ہو۔ سامانِ خوراک لو اور واپس لوٹ آؤ۔ ایسا نہ ہو کہ بازار کے ہنگاموں میں کھو جاؤ اور پہچان لیے جاؤ۔

۳۱ اور اگر تم پکڑے گئے تو وہ ہم سب کو گرفتار کر لیں گے۔ نہ انہیں ہماری اٹھتی جوانیوں پر رحم آئے گا اور نہ وہ ہماری پاکدامنی پر ترس کھائیں گے۔ کسی چوراہے میں کھڑا کر کے وہ ہمیں سنگسار کر دینگے۔ ہمارے بچنے کی ایک ہی صورت ہو گی کہ ہم ان کی بت پرستی کو قبول کر لیں۔

۳۲ اور اگر ایمان دے کر ہم نے جان بچالی تو یہ ایسا خسارے کا سودا ہو گا جس کی تلافی ممکن نہ ہو گی۔

۳۳ اگرچہ عیسائی مذہب کافی پھیل چکا تھا لیکن ابھی ایسے لوگ موجود تھے جو اپنے آبائی مشرکانہ عقائد پر ڈٹے ہوئے تھے۔ اور قیامت پر ان کا عقیدہ نہ تھا۔ نیز وقت گزرنے کے ساتھ عیسائیوں میں بھی عقائد کی خرابیاں رونما ہو چکی تھیں۔ ان میں بھی ایک طبقہ پیدا ہو گیا تھا جو یا تو سرے سے قیامت کا منکر تھا یا روحانی حشر کا قائل تھا۔ جسمانی حشر کا مذاق اڑاتا تھا۔ بادشاہِ وقت کو اس امر سے بڑی تشویش تھی۔ وہ اپنے دین کے اس بنیادی عقیدہ کی یہ تضحیک گوارا نہ کر سکتا تھا لیکن اس کے پاس کوئی ایسی قوی دلیل بھی نہ تھی جس سے وہ منکرینِ قیامت کو دنداں شکن جواب دے سکے۔ اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں سینکڑوں سال سونے والے اصحابِ کہف کو صحیح سلامت جسموں کے ساتھ بیدار کر کے اپنی قدرتِ کاملہ کا ایک ناقابلِ تردید ثبوت مہیا کر دیا اور سب کو یقین کرنا پڑا کہ جو خدا دو سو سال تک غار میں سونے والوں کو یوں صحیح وسالم اٹھا سکتا ہے اس کے سامنے کیا بعید ہے کہ تمام مُردوں کو قیامت کے دن زندہ کر کے کھڑا کر دے۔ (1)

۳۴ اصحابِ کہف نے بیدار ہونے کے کچھ عرصہ بعد طبعی وفات پائی۔ اب باہمی اختلاف ہوا۔ بعض کی رائے یہ تھی کہ غار کے

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 15، ص 232۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 11، جز 21، ص 106

اَعْلَمُ بِهِمْ ؕ قَالَ الَّذِیْنَ غَلَبُوْا عَلٰۤى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَیْهِمْ

انکے احوال سے خوب واقف ہے۔ کہنے لگے وہ لوگ جو غالب تھے اپنے کام پر کہ بخدا ہم تو ضرور ان پر ایک مسجد

مَّسْجِدًا ﴿۲۱﴾ سَیَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَ یَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ

بنائیں گے۔ کچھ کہیں گے کہ اصحاب کہف تین تھے چوتھا ان کا کتا تھا ۳۵ کچھ کہیں گے وہ پانچ تھے چھٹا ان کا

كَلْبُهُمْ رَجْمًۢا بِالْغَیْبِ ۚ وَ یَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّ ثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ؕ قُلْ رَّبِّیْۤ

کتا تھا یہ سب تخمینے ہیں بن دیکھے۔ اور کچھ کہیں گے وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا ۳۶ آپ فرمایئے

دروازے پر دیوار چن دی جائے تاکہ اندر کوئی نہ جاسکے۔ بعض کی رائے یہ تھی کہ ان کے پڑوس میں ایک مسجد تعمیر کر دی جائے تاکہ آنے والے اس میں عبادت کرسکیں اور اس طرح اصحاب کہف کی یاد تازہ ہوتی رہے۔ اِنَّ بَعْضَھُمْ قَالَ الْاَوْلٰی اَنْ یُّسَدَّ بَابُ الْکَھْفِ لِئَلَّا یَدْخُلَ عَلَیْھِمْ وَلَا یَقِفَ عَلٰی اَحْوَالِھِمْ اِنْسَانٌ وَقَالَ آخَرُوْنَ بَلِ الْاَوْلٰی اَنْ یُّبْنٰی عَلٰی بَابِ الْکَھْفِ مَسْجِدٌ وَّھٰذَا الْقَوْلُ یَدُلُّ عَلٰی اَنَّ اُولٰٓئِکَ الْاَقْوَامَ کَانُوْا عَارِفِیْنَ بِاللّٰہِ مُعْتَرِفِیْنَ بِالْعِبَادَۃِ وَالصَّلٰوۃِ۔ (رازی)(1)

علامہ ثناء اللہ پانی پتی یہاں لکھتے ہیں کہ اس آیت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اولیاء کرام کے مزارات کے قریب ان سے تبرک حاصل کرنے کے لیے مسجد بنانا جائز ہے۔ ھٰذِہِ الْاٰیَۃُ تَدُلُّ عَلٰی جَوَازِ بِنَاءِ الْمَسْجِدِ لِیُصَلّٰی فِیْہِ عِنْدَ مَقَابِرِ اَوْلِیَاءِ اللّٰہِ قَصْدًا لِلتَّبَرُّکِ۔ (مظہری)(2)

اس کے بعد علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ جن احادیث میں مسجد بنانے کی ممانعت مذکور ہے وہاں مراد یہ ہے کہ قبروں کی طرف سجدہ نہ کیا جائے وَمَعْنَی اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَاءِھِمْ مَسَاجِدَ اَنَّھُمْ یَسْجُدُوْنَ اِلَی الْقُبُوْرِ کَمَا ھُوَ صَرِیْحٌ فِیْ حَدِیْثِ اَبِی الْمَرْثَدِ الْغَنَوِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَجْلِسُوْا عَلَی الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا اِلَیْھَا رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔(3)

یعنی ابومرثد غنوی سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ نہ قبروں پر بیٹھو اور نہ ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔

۳۵ اصحاب کہف کی تعداد میں بھی عیسائی مختلف الرائی تھے۔ یعقوبیہ فرقہ کہتا وہ تین ہیں اور چوتھا ان کا کتا ہے۔ نسطوریہ کہتے چار ہیں پانچواں ان کا کتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ محض ان کی قیاس آرائیاں ہیں اور وہ ظن وتخمین کے گھوڑے دوڑاتے پھرتے ہیں(4)۔ رَجْمًۢا بِالْغَیْبِ مَنْصُوْبٌ عَلَی الْمَصْدَرِیَّۃِ یَعْنِیْ یَرْجُمُوْنَ رَجْمًا وَّیَرْمُوْنَ رَمْیًا بِالْخَبَرِ الْغَائِبِ عَنْھُمْ (مظہری)(5)

۳۶ بعض کا خیال ہے وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔ اکثر علماء کی رائے میں یہ تعداد صحیح ہے۔ کیونکہ جس طرح پہلے دو قولوں کے متعلق قرآن نے رَجْمًۢا بِالْغَیْبِ کا لفظ ذکر کیا ہے اس کے لیے نہیں کیا۔

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 11، جز 21، ص 106
2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 23
3۔ ایضاً، ص 24، صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب النھی عن الجلوس علی القبر، ج 1، ص 312
4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 24
5۔ ایضاً

اَعۡلَمُ بِعِدَّتِهِمۡ مَّا يَعۡلَمُهُمۡ اِلَّا قَلِيۡلٌ فَلَا تُمَارِ فِيۡهِمۡ اِلَّا مِرَآءً

(اس بحث کو رہنے دو) میرا رب بہتر جانتا ہے انکی تعداد کو اور نہیں جانتے ان (کی صحیح تعداد) کو مگر چند آدمی ۳۷ سو بحث نہ کرو انکے بارے

ظَاهِرًا ۖ وَّلَا تَسۡتَفۡتِ فِيۡهِمۡ مِّنۡهُمۡ اَحَدًا ﴿۲۲﴾ وَلَا تَقُوۡلَنَّ لِشَاىۡءٍ اِنِّىۡ

میں بجز اسکے کہ سرسری سی گفتگو ہو جائے ۳۸ اور نہ دریافت کرو انکے متعلق (اہل کتاب) میں سے کسی اور سے ہرگز نہ کہنا کسی چیز کے

فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۖ وَاذۡكُرۡ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيۡتَ وَقُلۡ

متعلق کہ میں اسے کرنیوالا ہوں کل مگر اسکے ساتھ یہ بھی کہو) اگر چاہا اللہ تعالیٰ نے ۳۹ اور یاد کرو اپنے رب کو جب تم بھول جائے ۴۰

۳۷ یہ فرما کر سارا جھگڑا ہی ختم کر دیا کہ یہ کون سی اہم بات ہے جس کے تصفیہ کے لیے تم آپس میں دست بگریباں ہو۔ اسے خدا کے سپرد کر دو۔ وہ ان کی تعداد خوب جانتا ہے۔ اور وہ لوگ معدودے چند ہیں جن کو ان کی صحیح تعداد کا علم ہے۔ حضرت ابن عباس سے اصحابِ کہف کے مندرجہ ذیل نام منقول ہیں:

میکسلمینا، تملیخاہ، مرطونس، سنونس، ساربینونس، ذونواس، کعسططیونس۔ (مظہری) (1)

۳۸ یعنی نصاریٰ سے اس بارے میں الجھنے کی ضرورت نہیں نہ اس بحث میں اتنا توغل کرنا چاہیے۔ ہاں سرسری گفتگو کے طور پر بات چیت ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ ان آیات بینات کے بعد ان کے متعلق دریافت کرنے کی تمہیں کیا ضرورت ہے۔

۳۹ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم کی تعلیم و تربیت اور اصلاح و تادیب کا ذمہ خود اٹھایا تا کہ اس کے محبوب پر کسی کا احسان نہ ہو بلکہ جو ہو وہ اسی حبیب کے خوانِ احسان و انعام کا ریزہ چین ہو۔ وہ خود ہی اس کا معلم، خود ہی مربی اور خود ہی اس کا مؤدّب ہے۔ اس امر کے متعلق سورۂ والضحیٰ میں فرمایا اَلَمۡ يَجِدۡكَ يَتِيۡمًا فَاٰوٰى ۞ (2) اللہ تعالیٰ نے آپ کو یتیم پایا تو اپنے آغوشِ کرم میں آپ کو پناہ دی۔ اب آپ خود غور فرمائیے جس کی تعلیم و تربیت علیم و حکیم خداوندِ کریم نے فرمائی ہوگی اس کے علم و دانش کا اور اس کے مکارمِ اخلاق کا کوئی کیا اندازہ کر سکتا ہے۔ انہی اسباق میں سے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے تلمیذِ ارشد کو پڑھائے ایک یہ سبق ہے جو اس آیت میں مذکور ہے۔ یعنی اے حبیب! اگر آپ یہ ارادہ کریں کہ کل آپ فلاں کام کریں گے تو یوں مت کہو کہ کل میں ایسا کروں گا بلکہ اس طرح کہو کہ اگر میرے خداوند کریم کو منظور ہوا تو کل میں ایسا کرونگا اس طرح ایک تو اظہارِ حقیقت ہوگا۔ کیونکہ کسی کے پاس وسائل کی کتنی فراوانی ہو اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو اس کی ساری مساعی بے اثر ہو کر رہ جاتی ہیں۔ ہر چیز کے وقوع پذیر ہونے کا انحصار مشیتِ الٰہی پر ہے۔ دوسرا مومن کی شان ہی یہ ہے کہ ہر کام کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے تا کہ اس کی نظرِ کرم سے راہ کی ساری صعوبتیں خود بخود دور ہوتی چلی جائیں۔ علامہ ابن جریر لکھتے ہیں: وَهٰذَا تَأْدِيْبٌ مِّنَ اللهِ عَزَّ ذِكْرُهٗ لِنَبِيِّهٖ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَهِدَ اِلَيْهِ اَنْ لَّا يَجْزِمَ عَلٰى مَا يَحْدُثُ مِنَ الْاُمُوْرِ اَنَّهٗ كَائِنٌ لَّا مَحَالَةَ اِلَّا اَنْ يَّصِلَهٗ بِمَشِيَّةِ اللهِ تَعَالٰى (3)۔ یعنی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 25 2۔ سورۃ الضحیٰ: 6 3۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج 15، ص 151

عَسٰۤى اَنْ یَّهْدِیَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾ وَ لَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ

(یہ بھی) کہو کہ مجھے امید ہے کہ دکھاوے گا مجھے میرا رب اس سے بھی قریب تر ہدایت کی راہ لے اور (اہل کتاب کہتے ہیں کہ) وہ

ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ وَ ازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ

ٹھیرے رہے اپنے غار میں تین سو سال اور زیادہ کیے انھوں نے (اس پر) نو سال آپ فرمائیے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے جتنی مدت وہ ٹھیرے

کریم کو یہ ادب سکھایا کہ کسی کام کے واقع ہونے کے متعلق یقین نہ کریں جب تک اسے اللہ تعالیٰ کی مرضی سے وابستہ نہ کرلیں۔

۴۰ اگر یادِ الٰہی سے کبھی غفلت ہوجائے تو غفلت کے سلسلہ کو دراز نہ ہونے دو بلکہ جلد از جلد اس کو ختم کرو۔ جب بھی غفلت کا احساس ہو تو وقت ضائع کیے بغیر ذکر الٰہی میں مشغول ہوجاؤ۔ اسی سے علماء کرام نے نماز کی قضا پر استدلال کیا ہے۔

عارف باللہ علامہ پانی پتی نے خوب لکھا ہے کہ صوفیائے کرام کے نزدیک اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے سوا سب پیاری پیاری یادوں کو دل سے محو کر چکو تو یادِ الٰہی میں مشغول ہوجاؤ۔ کیونکہ اس یادِ الٰہی میں کیا لطف جب اس کے ساتھ ساتھ دوسری یادیں بھی تمہارے نہاں خانہ دل میں سر چھپائے بیٹھی ہوں؟ وَقَالَتِ الصُّوْفِیَّةُ الْعَالِیَةُ اِنَّ مَعْنَی الْاٰیَةِ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ مَاعَدَاهُ قَالُوْا ذِكْرُ اللهِ سُبْحَانَهٗ اِنَّمَا لَا یُتَصَوَّرُ مَالَمْ یَحْصُلْ لِقَلْبِهٖ نِسْیَانٌ مِّمَّا سِوَاهُ اس کے بعد لکھتے ہیں: وَهٰذَا التَّاْوِیْلُ اَنْسَبُ بِمَنْطُوْقِ الْكِتَابِ وَ اَوْفَقُ لِلْعَرَبِیَّةِ وَ اَبْعَدُ مِنَ التَّجَوُّزِ (مظہری) (1)

۴۱ یعنی استثناء (اِن شاء اللہ) نہ کہنے کی وجہ سے جو احساسِ ندامت ہو اور اس سے استغفار کی جائے تو وہ مآل و ثواب کے لحاظ سے زیادہ بہتر ہے۔ اس جملہ کا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب کفار نے عناد و آزمائش کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اصحابِ کہف کا حال دریافت کیا تو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو ان کے حالات پر آگاہی بخشی اور ساتھ ہی فرمایا کہ آپ اُن لوگوں کو جو اصحابِ کہف کے حالات بتانے کو آپ کی نبوت اور صداقت کی دلیل قرار دے رہے ہیں کہہ دیں کہ میری صداقت کی ایسی ایسی روشن دلیلیں اللہ تعالیٰ ظاہر فرمانے والا ہے کہ ان کے سامنے اس واقعہ کا علم کوئی حیثیت نہیں رکھتا (2)۔ یہ لکھنے کے بعد علامہ مذکور لکھتے ہیں: وَقَدْ فَعَلَ حَیْثُ آتَاهُ عِلْمَ غَیْبِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعِلْمَ مَا كَانَ وَمَا یَكُوْنُ مَا هُوَ اَوْضَحُ فِی الْحُجَّةِ وَاَقْرَبُ اِلَی الرَّشَدِ مِنْ خَبَرِ اَصْحَابِ الْكَهْفِ (مظہری) (3)

یعنی اللہ تعالیٰ نے ایسا کر بھی دیا کہ اپنے محبوب کو مرسلین کے غیب کا علم اور علم ما کان و ما یکون عطا فرمایا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت و رسالت کی واضح اور پختہ دلیل ہے۔

۴۲ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ حضرت قتادہ کا مذہب یہ ہے کہ تین سو نو سال کی یہ مدت یہودیوں کا قول ہے۔ یہ قرآن کی بیان کردہ مدت نہیں۔ ورنہ بعد میں یہ نہ فرمایا جاتا قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے جتنی مدت

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 27 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ

اسی کے لیے (علم) غیب ہے آسمانوں اور زمین کا وہ بڑا دیکھنے والا ہے اور سب باتیں سننے والا ہے ۴۳ نہیں ان کا اسکے سوا

مِنْ وَّلِيٍّ ۡ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ

کوئی دوست اور وہ نہیں شریک کرتا اپنے حکم میں کسی کو ۴۴ اور پڑھ سنایئے (انہیں) جو وحی کیا جاتا ہے آپ کی

كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ڟ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾

طرف آپکے رب کی کتاب سے۔ کوئی بدلنے والا نہیں اسکے ارشادات کا۔ اور نہیں پائیں گے آپ اسکے سوا کوئی پناہ گاہ ۴۵

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ

اور روکے رکھیے اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح و شام

وہ ٹھہرے اور قتادہ کے اس قول کی تائید حضرت ابن مسعود کی قرأت سے ہوتی ہے۔ وَقَالُوْا وَلَبِثُوْا فِی الْكَهْفِ۔ (1)

اب جب حقیقت یہ ہے کہ تین سو نو سال کی مدت قرآن کی بیان کردہ مدت نہیں بلکہ اہل کتاب کی رائے ذکر کی گئی اور پھر اس کے بعد اس کی تردید کردی گئی تو اب گبن (GIBBON) نے قرآن اور صاحب قرآن پر اس وجہ سے جو اعتراض کیا ہے کہ یہ مدت غلط ہے، صحیح مدت ۱۸۷ سال ہے خود ہی باطل ہو گیا اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ قرآن کی بیان کردہ مدت ہے تو ہم گبن سے یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ تمہارے پاس کون سی ایسی قطعی دلیل ہے جس کی بناء پر تم ۱۸۷ سال کا تعین کر رہے ہو۔ تمہارے پاس بھی لے دے کر سُنی سنائی باتیں ہیں۔ کیا ان میں اتنی جان ہے کہ انہیں قرآن کے حتمی بیانات کا مدِ مقابل تصوّر کیا جاسکے۔

۴۳ فعلِ تعجب کے صیغے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ خوب دیکھنے والا اور خوب سننے والا ہے۔

۴۴ ان کا وہی مددگار اور کارساز ہے۔ وہ اپنے فیصلوں میں کسی کی شراکت گوارا نہیں کرتا۔ نہ اس کی کوئی مزاحمت کر سکتا ہے اور نہ اس کی حکمرانی میں کوئی حصہ دار بن سکتا ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ کسی غیر کو دخل اندازی کا کوئی حق نہیں ہے۔

۴۵ قرار کی جگہ۔ پناہ گاہ۔ (2)

1۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج 15، ص 152 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 389

يُرِيدُونَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ

طلب گار ہیں اسکی رضا کے[46] اور نہ ہٹیں آپکی نگاہیں ان سے کیا آپ چاہتے ہیں دنیوی زندگی کی زینت[47]

[46] عیینہ بن حصن الفزاری جو قبیلہ مضر کا سردار تھا اسلام لانے سے پہلے ایک دفعہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ وہاں سلمان فارسی، ابوذر اور دیگر فقراء صحابہ نعمتِ دیدارِ حبیب سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ گرمی کا موسم تھا۔ پسینے کی بُو اونی جبوں سے اٹھ رہی تھی۔ عیینہ کہنے لگا: کیا یہ بدبُو آپ کو تنگ نہیں کرتی؟ ہم قبیلہ مضر کے سردار ہیں۔ اگر ہم آپ کا دین قبول کرلیں تو سب لوگ آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ ہمارا آپ کے پاس آنے کو جی تو چاہتا ہے لیکن جب آتے ہیں تو غلیظ اور بدبودار کپڑوں والے آپ کے اردگرد حلقہ بنائے ہوتے ہیں۔ انہیں یہاں سے اٹھادیں ہم آپ پر ایمان لانے کے لیے تیار ہیں یا ان کے لیے کسی الگ مجلس کا انتظام کریں۔ تاکہ ان کا تعفن ہمارے دماغوں کو پریشان نہ کرے۔ فوراً جبرئیلِ امین فرمانِ الٰہی لے کر نازل ہو گئے۔ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ الخ (1) اللہ تعالیٰ کو ان مغرور اور متکبر لوگوں کی ہم نشینی پسند نہیں۔ آپ ان کے لیے ان لوگوں کی صحبت ترک نہ کریں جن کی زندگی کا مقصدِ وحید صرف اپنے ربِ کریم کی رضا جوئی ہے۔ جو صبح و شام بلکہ ہر لحہ اس کی یاد اور اس کی محبت میں محو رہتے ہیں۔ وہ تیری نگاہِ کرم کے پیاسے ہیں۔ وہ تیری نظرِ محبت کے بھوکے ہیں۔ جب تو ان کو ایک مرتبہ شفقت و محبت بھرے انداز سے دیکھ لیتا ہے تو یہ سب رنج و غم بھول جاتے ہیں۔ اے محبوب! ایسا نہ ہو کہ تیری نگاہِ عنایت ان سے پھر جائے۔ ان سے یہ صدمہ برداشت نہ ہوگا۔ لَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ کے اس جملہ سے دلنوازی اور دلربائی کے جو انداز سکھائے جا رہے ہیں ان کی کشش کسی درد کے مارے سے پوچھو، وہ تمہیں بتائے گا کہ اس کی ساری خوشیاں اس کی نگاہِ کرم کے ایک گوشہ میں سمٹ کر آگئی ہیں۔ اسی ایک سہارے پر وہ ہجر کے صدمے اور جدائی کی طویل گھڑیاں خوشی خوشی گزار دیتے ہیں۔ اے دردِ محبت کے بیمارو! مژدہ باد! نگاہِ حبیب سے تم محروم نہیں ہوگے۔ علامہ آلوسی نے کیا خوب لکھا ہے: فَائِدَتُهَا مِنْهُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ تَعُودُ عَلَيْهِمْ وَذٰلِكَ لِاَنَّهُمْ عُشَّاقُ الْحَضْرَةِ وَهُوَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِرْأَتُهَا وَعَرْشُ تَجَلِّيهَا وَمَعْدِنُ اَسْرَارِهَا وَمَشْرِقُ اَنْوَارِهَا مَتٰى رَأَوْهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَاشُوْا وَمَتٰى غَابَ عَنْهُمْ كَبِبُوْا وَطَاشُوْا وَاَمَّا صُحْبَةُ الْفُقَرَاءِ بِالنِّسْبَةِ اِلٰى غَيْرِهٖ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَفَائِدَتُهَا تَعُودُ اِلٰى مَنْ صَحِبَهُمْ فَهُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقٰى جَلِيسُهُمْ۔ (روح المعانی) (2)

ترجمہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کا فائدہ تو ان فقراء کو حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ بارگاہِ الٰہی کے عشاق ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انوارِ الٰہی کے لیے آئینہ اور اس کی تجلیات کے لیے عرش اور اس کے اسرار کا معدن اور اس کے انوار کا مشرق ہیں۔ صحابہ کرام جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روئے زیبا کو دیکھتے تھے تو انہیں زندگی کا لطف حاصل ہوتا تھا۔ اور جب حضور ان کی نگاہوں سے اوجھل ہوتے تھے تو وہ رنجیدہ خاطر اور پریشان ہو جاتے تھے۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا اور لوگ جو ان فقراء کی صحبت سے مشرف ہوتے ہیں۔ اس صحبت کا فائدہ انہیں نصیب ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی یاد کرنے والے وہ گروہ ہیں جن کا ہم نشین بدبخت نہیں رہتا۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج6، ص29۔ حلیۃ الاولیاء، ج1، ص345 (مطبع السعادۃ مصر)۔ تہذیب تاریخ دمشق لابن عساکر، ج6، ص199 (دار المسیرۃ بیروت)

2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، اشارات، ج15، ص307

وَلَا تُطِعۡ مَنۡ اَغۡفَلۡنَا قَلۡبَهٗ عَنۡ ذِكۡرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمۡرُهٗ

اور نہ پیروی کیجیے ۴۷ اس (بدنصیب) کی غافل کر دیا ہے ہم نے جس کے دل کو اپنی یاد سے اور وہ اتباع کرتا ہے اپنی خواہش کا اور اس کا معاملہ

فُرُطًا ﴿۲۸﴾ وَقُلِ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكُمۡ ۟ فَمَنۡ شَآءَ فَلۡيُؤۡمِنۡ وَّمَنۡ شَآءَ

حد سے گزر گیا ہے ۴۹ اور فرمائیے حق تمہارے رب کی طرف سے ہے پس جس کا جی چاہے وہ ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے

لَا تَعۡدُ عَيۡنٰكَ عَنۡهُمۡ پر غور فرمائیے، اس کا یہ معنی نہیں کہ آپ اپنی نگاہیں ان سے نہ پھیر لیں۔ کیوں کہ تَعۡدُ مخاطب کا صیغہ نہیں بلکہ واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے۔ اس کا فاعل حضور نہیں بلکہ عَيۡنَاكَ ہے اور تَعۡدُ یہاں متعدی مستعمل نہیں بلکہ تَنَصُّرِف کے معنی میں لازم ہے۔ مدعا یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں اور اپنے غلاموں سے دانستہ اور قصداً تو نگاہ نہیں پھیرتے لیکن کہیں بے دھیانی کے عالم میں نگاہیں نہ پھر جائیں۔ (1)

۴۷ علامہ قرطبی لکھتے ہیں وَلَمۡ يُرِدِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ اَنۡ يَّفۡعَلَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اللهَ تَعَالٰى نَهَاهُ عَنۡ اَنۡ يَّفۡعَلَهٗ وَلَيۡسَ هٰذَا بِاَكۡثَرَ مِنۡ قَوۡلِهٖ لَئِنۡ اَشۡرَكۡتَ لَيَحۡبَطَنَّ عَمَلُكَ (2) یعنی حضور نے زینتِ دنیا کا ارادہ نہیں فرمایا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا ارادہ کرنے سے نہی فرما دی۔ یہ جملہ بعینہ اسی طرح ہے لَئِنۡ اَشۡرَكۡتَ یعنی اگر آپ شرک کریں گے تو آپ کے عمل ضائع ہو جائیں گے حالانکہ شرک کا صدور حضورؐ سے محال ہے۔

۴۸ یعنی جو بے خبر لوگ آپ کے سامنے یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ ان غریب و مسکین لوگوں کو اپنی مجلس میں شرف یاب ہونے سے روک دیجیے تاکہ رؤساء اور امراء آپ کے پاس بیٹھ سکیں یہ لوگ ایسے نہیں کہ ان کی بات مانی جائے بلکہ ہم نے ان کے دلوں کو اپنی یاد سے محروم کر دیا ہے۔ یہ عقلِ سلیم کے تقاضوں سے سراسر غافل ہیں اور اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔ خوب و ناخوب، روا و ناروا، صحیح اور غلط کی تمیز ان میں نہیں۔

۴۹ فُرُطًا اگر تَفۡرِيۡط سے ہو تو اس کا معنی ہو گا تقصیر اور کوتاہی یعنی وہ ایمان لانے سے قاصر ہیں۔ ان میں یہ ہمت ہی نہیں کہ وہ اس نعمتِ عظمیٰ کو قبول کر سکیں اور اگر اِفۡرَاط سے ہو تو اس کا معنی حد سے تجاوز کر جانا ہے۔ (قرطبی) (3)

۵۰ یہ لوگ جو بڑے معتبر بنے پھرتے ہیں اور آپ کو مشورے دینے لگے ہیں کہ فلاں کو اپنے پاس بیٹھنے دو اور فلاں کو مت بیٹھنے دو۔ فلاں گندہ ہے اس کے کپڑوں سے بو آتی ہے اور فلاں اپنے قبیلہ کا رئیس ہے، بڑا مالدار اور جاگیردار ہے۔ اس کو اپنے ہاں جگہ دیں گے تو سب لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو جائیں گے۔ اے حبیب! ان حقیقت ناشناسوں کو بتا دو کہ تمہارا دل چاہے ایمان لے آؤ اور دل نہ چاہے تو ایمان نہ لے آؤ۔ ہم تمہاری پاسداری کے لیے ان کشتگانِ خنجرِ تسلیم سے روگردانی نہیں کر سکتے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ان پھٹے پرانے کپڑے پہننے والوں کو نعمتِ ایمان سے نوازا ہے اور تم رئیسوں کو نظر انداز کر دیا ہے تو یہ اس کی مرضی۔

1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 239 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 391 3۔ ایضاً، جز 10، ص 392

فَلْيَكْفُرْ ۚ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ؕ وَاِنْ

کفر کرتا رہے۔ بیشک ہم نے تیار کر رکھی ہے ظالموں کے لیے آگ ۵۱ ۔ گھیر لیا ہے انھیں اس آگ کی دیوار نے۔ اور اگر وہ

يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِى الْوُجُوْهَ ؕ بِئْسَ الشَّرَابُ ؕ

فریاد کریں گے تو انکی فریاد رسی کی جائے گی ایسے پانی کے ساتھ جو پیپ کی طرح (غلیظ) ہے (اور اتنا گرم کہ) بھون ڈالتا ہے چہروں کو یہ

وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ

مشروب بڑا ناگوار ہے اور یہ قرار گاہ بڑی تکلیف دہ ہے۔ بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے تو ہمارا یہ دستور ہے کہ ہم ضائع

مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ﴿۳۰﴾ ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهِمُ

نہیں کرتے کسی کا اجر جو عمدہ اور (مفید) کام کرتا ہے ۵۲ ۔ یہی وہ (خوش نصیب) ہیں جنکے لیے ہمیشگی کے جنّت ہیں ۵۳ رواں ہیں جن کے نیچے

اِنَّمَا هُوَ وَعِيْدٌ وَّ تَهْدِيْدٌ (قرطبی)(1) یعنی ان الفاظ سے انہیں دھمکی دی جارہی ہے اور انہیں عذاب شدید سے ڈرایا جارہا ہے۔

۵۱ لیکن یہ یادر ہے کہ اگر تم اسی غفلت اور خود پرستی میں مر گئے تو جس عذاب میں تمہیں ڈالا جائے گا اس کا تھوڑا سا حال بھی سن لو تا کہ اس وقت یہ نہ کہو کہ ہمیں اس ہولناک انجام کی خبر نہ تھی ورنہ ہم کیوں حق کا انکار کرتے۔

چند مشکل الفاظ کی تشریح: سُرَادِقُ جمع سُرَادِقَاتٌ۔ كُلُّ مَا اَحَاطَ بِشَيْءٍ مِّنْ حَائِطٍ اَوْ مَضْرِبٍ اَوْ خِبَاءٍ (2) ہر وہ چیز جو کسی کو اپنے گھیرے میں لے لے جیسے دیوار، خیمہ وغیرہ۔ حضرت ابو سعید خدری ؓ نے رسولِ کریم سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد آگ کی چار دیواریں ہیں۔ ہر ایک اتنی موٹی ہوگی کہ اسے طے کرنے کے لیے چالیس سال درکار ہوں گے۔ (ترمذی۔ احمد)(3)

مُهْلٌ: مجاہد سے اس کا یہ معنی مروی ہے: قَالَ مُجَاهِدٌ۔ هُوَ الْقَيْحُ وَالدَّمُ پیپ اور خون۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَسْوَدُ كَعَكَرِ الزَّيْتِ (4) یعنی تیل کا سیاہ تلچھٹ جو نیچے جم جاتا ہے۔ يَشْوِىْ بھونا۔ بِئْسَ الشَّرَابُ میں مخصوص بالذم اَلْمُهْلُ ہے اور سَاءَتْ کا مخصوص بالذم اَلنَّارُ ہے۔ ترجمہ میں اسی معنی کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

۵۲ کفار کے عذاب الیم کے ذکر کے بعد اب ان انعامات واحسانات کا بیان ہورہا ہے جن سے اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو سرفراز فرمائیں گے۔

۵۳ اس جنت کا نام عدن ہے جو وسط میں ہے۔ جنت (واحد) کہنے کی جگہ جنات عدن (جمع) استعمال کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ جنت اتنی کشادہ اور وسیع ہے گویا وہ ایک جنت نہیں بلکہ کئی جنتوں کا مجموعہ ہے۔ اَسَاوِرُ جمع ہے اس کا واحد اُسْوَرَةٌ (5)۔ سُنْدُسٌ اس کا واحد سُنْدُسَةٌ ہے۔ وہ کپڑا جو باریک ریشم سے بنایا گیا ہو۔ اِسْتَبْرَقٌ: وہ کپڑا جو موٹے ریشم سے بنایا گیا ہو (6)۔ اَرَائِكُ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 393 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 30 3۔ جامع ترمذی، ابواب صفۃ جہنم، باب ماجاء فی صفۃ شراب اہل النار، ج 2، ص 82

4۔ تفسیر مظہری زیر آیت ہذا، ج 6، ص 31 5۔ تفسیر قرطبی زیر آیت ہذا، جز 10، ص 396 6۔ ایضاً، ج 10، ص 397

الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ يَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا

ندیاں انھیں پہنائے جائینگے ان جنتوں میں کنگن سونے کے اور پہنیں گے سبز رنگ کا لباس

خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّ اِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآىِٕكِ نِعْمَ

جو باریک ریشمی کپڑے اور موٹے ریشمی کپڑے کا بنا ہوا ہوگا۔ تکیہ لگائے بیٹھے ہونگے وہاں مرصع پلنگوں پر۔ کتنا اچھا

الثَّوَابُ وَ حَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۳۱﴾ وَ اضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا

ہے یہ اجر اور کتنی عمدہ ہے یہ آرام گاہ۔ اور بیان فرمائیے ان کے لیے مثال ۵۴ دو آدمیوں کی ہم نے دیئے تھے

لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّ حَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّ جَعَلْنَا

ان دونوں میں سے ایک کو دو باغ انگوروں کے اور ہم نے باڑ بنادی ان دونوں کے اردگرد کھجور (کے درختوں) کی اور

اس کا واحد اَرِیْکَۃٌ، وہ نشست گاہ جو دلہن کے بٹھانے کے لیے آراستہ و مزین کی جاتی ہے(1) اَلْاَرِیْکَۃُ: سَرِیْرٌ مُّزَیَّنٌ فَاخِرٌ (منجد)(2)

۵۴ دنیا کی بے ثباتی اور اہلِ دنیا کی حرماں نصیبی کو ایک مثال سے واضح کیا جا رہا ہے۔ اہلِ عرب، جن کی زمین بنجر اور ناقابلِ کاشت ہے جہاں پانی قلیل بلکہ اکثر مقامات پر نایاب ہے، جہاں اگر کھجور کے چند سرسبز درختوں کا جھنڈ نظر آجائے تو خوشی کی حد نہیں رہتی۔ ان لوگوں کے سامنے ان دو آدمیوں میں سے ایک کی ثروت اور خوشحالی کا جو نقشہ پیش کیا گیا ہے کتنا دلنشین اور اثر آفرین ہے۔

ایک شخص کے پاس باغ ہیں جہاں خوش ذائقہ انگوروں کی البیلی بیلیں اپنی بہار دکھا رہی ہیں۔ ان باغوں کے اردگرد بلند قامت کھجوروں کے درخت کھڑے ہیں جو اس باغ کو آندھیوں سے بھی بچاتے ہیں اور اپنے عمدہ اور شیریں پھل کے باعث بذاتِ خود بھی منفعت بخش ہیں۔ مزید برآں انگوروں کی بیلوں کی قطاروں میں جو جگہ بچ گئی ہے وہ بھی بیکار نہیں۔ بلکہ وہاں بھی کھیتی باڑی کی جاتی ہے اور کئی جنسیں کاشت ہوتی ہیں۔

علمِ زراعت و باغبانی کے جدید ماہرین جس چمن بندی کو آج مثالی قرار دے رہے ہیں۔ قرآن نے پہلے ہی اپنے ماننے والوں کو یہ نقشہ بتا دیا تھا۔ انہوں نے شام، مصر، اندلس وغیرہ میں باغ لگوائے اور ان ویران علاقوں کو اپنی محنت اور ہنرمندی سے رشکِ ارم بنا دیا۔ قوم کے قوائے عمل کو راحت طلبی اور کم کوشی کا گھن لگا تو ان کے دوسرے علوم وفنون کی طرح ان کا فنِ باغبانی بھی اس ہمہ گیر زوال سے بچ نہ سکا۔ ورنہ مغلوں کے لگائے ہوئے باغات اور پیوندکاری کے ذریعہ سے ہر پھل اور جنس میں نئی اقسام کی اختراع کسے معلوم نہیں۔ صرف آموں کی مختلف قسمیں سینکڑوں سے متجاوز ہیں۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10 ص 398 — 2۔ المنجد ص 9

بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿٣٢﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا ۙ وَّ

اُگا دی ان دونوں کے درمیان کھیتی۔ یہ دونوں باغ اپنے اپنے پھل لائے اور نہ کم ہوئی ان سے کوئی چیز۔ اور

فَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿٣٣﴾ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ

ہم نے جاری کردیں ان کے درمیان نہریں۔ اور (باغوں کے علاوہ) اور بھی اس کے اموال تھے ۵۵ تو (ایک روز) اس نے اپنے ساتھی

اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿٣٤﴾ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ

سے بحث مباحثہ کے دوران کہا کہ میں دولت کے لحاظ سے بھی تم سے زیادہ ہوں ۵۶ اور نفری کے لحاظ سے بھی تم سے طاقتور ہوں۔ اور (ایک دن) وہ

قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ﴿٣٥﴾ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّ

اپنے باغ میں گیا در آنحالیکہ وہ اپنی جان پر ظلم کرنیوالا تھا کہنے لگا میں نہیں خیال کرتا کہ (یہ سرسبز و شاداب) باغ کبھی برباد ہوگا ۵۷ اور میں یہ خیال

لَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿٣٦﴾ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ

بھی نہیں کرتا کہ کبھی قیامت بھی برپا ہوگی اور بفرضِ محال اگر مجھے لوٹایا گیا اپنے رب کی طرف تو یقیناً میں ۵۸ پاؤنگا اس (نزہتگاہ) سے

۵۵ ازہری جو لغت کے امام ہیں کہتے ہیں: ثَمَرَۃٌ کی جمع ثَمَرٌ اور ثَمَرٌ کی جمع ثِمَارٌ ہے اور ثِمَارٌ کی جمع ثُمُرٌ ہے قَالَ الْاَزْهَرِيُّ اَلثَّمَرَةُ تُجْمَعُ عَلٰى ثَمَرٍ وَيُجْمَعُ الثَّمَرُ عَلٰى ثِمَارٍ ثُمَّ يُجْمَعُ الثِّمَارُ عَلٰى ثُمُرٍ اور قاموس میں ہے اَلثَّمَرَةُ مُحَرَّكَةً حَمْلُ الشَّجَرِ وَ اَنْوَاعُ الْمَالِ الْوَاحِدَةُ ثَمَرَةٌ وَ ثَمُرَةٌ وَ جَمْعُهٗ ثِمَارٌ وَ جَمْعُ الْجَمْعِ ثُمُرٌ وَجَمْعُ جَمْعِ الْجَمْعِ اَثْمَارٌ۔(1) یہاں اس سے مراد ہے باغات کے علاوہ جو مال و دولت کے ذخائر اس کے پاس تھے۔(2)

۵۶ دولت مند آدمی اکثر کم ظرف ہوتے ہیں اور اپنی دولت کا ذکر کرنے سے ذرا نہیں جھجکتے۔

۵۷ یعنی یہ باغ کبھی خزاں آشنا نہیں ہونگے۔ میرا خزانہ دن بدن بڑھتا ہی رہے گا۔ حادثاتِ زمانہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

۵۸ خدا فراموش اور مادہ پرست افراد اور اقوام کا اندازِ فکر آج بھی تقریباً یہی ہے۔ وہ کہتے ہیں پہلے تو وقوعِ قیامت کا امکان ہی نہیں۔ یہ محض خبطِ عقلی ہے جس میں مذہب پرست لوگ مبتلا ہیں۔ اور خواہ مخواہ اس کے فکر میں صبح و شام گھلتے رہتے ہیں۔ اور اگر بفرضِ محال قیامت آ ہی گئی تو پھر بھی ہمیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے ماتھے کا ستارا چمکتا رہے وہاں بھی بخت کی ارجمندیاں ہمیں ہر طرح کی سعادتوں اور راحتوں سے بہریاب کردیں گی۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 34   2۔ ایضاً

وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ

بہتر یلٹنے کی جگہ۔ اسکے ساتھی نے اسے بحث ومباحثہ کے درمیان کہا کیا تو انکار کرتا ہے اس ذات کا جس نے تجھے پیدا فرمایا مٹی سے پھر نطفہ سے

ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ﴿۳۷﴾ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۳۸﴾ وَلَوْلَآ

پھر بنا سنوار کر تجھے مرد بنایا۔ لیکن میں، (تو) وہ اللہ ہی میرا رب ہے۔ اور میں شریک نہیں ٹھیراتا اپنے رب کے ساتھ کسی کو۔ اور کیوں

اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا

ایسا نہ ہوا کہ جب تو باغ میں داخل ہوا تو تو کہتا ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ (وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر کسی میں

اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۳۹﴾ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ

کوئی طاقت نہیں) اگر تو نے مجھے دیکھا کہ میں کم ہوں (۶۱) تجھ سے مال اور اولاد میں پس عجب نہیں کہ میرا رب مجھے عطا فرما دے کوئی بہتر چیز (۶۲)

۵۹ اب مومن کی گفتگو سنیئے اور اسی سے ایک بندۂ مومن کی سیرت وکردار کا اندازہ لگا لیجیے۔ لٰکِنَّا اصل میں لٰکِنْ اَنَا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تو اپنے خالق کو بھلا سکتا ہے جس نے تجھے تخلیق کے مختلف مرحلوں سے کمالِ حکمت کے ساتھ گزار کر یہاں تک پہنچایا ہے۔ کہ تو ایک تندرست، خوبرو، باوقار مرد بن گیا لیکن میں تو اپنے خالق کو بھلانے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ اور صاف صاف اعتراف کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہی میرا پروردگار ہے۔ اور میں کسی بڑی سے بڑی چیز کو بھی اس کا شریک بنانے کی غلطی نہیں کرونگا۔ عبارت یوں ہوئی لٰکِنْ اَنَا هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ اس کی ترکیب یہ ہے اَنَا مبتداء اوّل، هُوَ مبتداء ثانی، اللّٰهُ مبتداء ثالث، رَبِّيْ اس کی خبر دونوں مل کر مبتداء ثانی کی خبر۔ یہ اپنی خبر سے مل کر اَنَا مبتداء اوّل کی خبر (البرہان زرکشی، جلد ۴ ص ۳۹۰) (1)

۶۰ دیکھ تو نے کتنی حماقت کی کہ جب تو اس پھلے پھولے باغ میں آیا تو داخل ہوتے وقت تو نے اتنا بھی نہ کہا مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ یعنی وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اور کسی کے پاس کوئی قوت واختیار نہیں جس سے وہ کوئی کام کرسکے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کا معاون ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا مَنْ رَّاٰى شَيْئًا فَاَعْجَبَهٗ قَالَ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ لَمْ يَضُرَّهٗ اگر کوئی شخص کسی چیز کو دیکھے اور وہ اسے پسند آئے تو یہ کہے مَا شَآءَ اللّٰهُ الخ اسے نظر نہیں لگے گی۔ (2)

۶۱ تیری کم نگاہی پر صد افسوس! تو مجھے اس لیے حقیر سمجھ رہا ہے کہ میں تجھ سے مال واولاد میں کم ہوں۔

۶۲ میں اپنے فقر وفاقہ کے باوجود اپنے ربِ کریم کی جود وسخا سے مایوس نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ دنیا وآخرت کی نعمتوں سے مجھے ایسی نعمتیں بخشے گا جن کا تم تصور ہی نہیں کرسکتے۔ اور یہ شاداب باغات اور لہلہاتی ہوئی فصلیں جن کی وجہ سے تم تکبر کر رہے ہو فانی ہیں۔ غضبِ الٰہی کی ایک بجلی ان کا نام ونشان تک مٹا دیگی۔ ایسی فانی اور ناپائیدار چیز پر مغرور ہوکر اپنے ربِ قدیر سے روگردانی قرینِ عقلمندی نہیں۔

1۔ البرہان فی علوم القرآن، ج 4، ص 390
2۔ مجمع الزوائد، ج 5، ص 187، رقم الحدیث 8432 (دار الفکر بیروت)

وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيدًا زَلَقًا ﴿٤٠﴾ اَوْ

بھیجے اس (باغ) سے اور اتارے اس باغ پر کوئی آسمانی عذاب ٦٣ تو ہو جائے یہ (سرسبز باغ) ایک چٹیل میدان۔ یا یوں

يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿٤١﴾ وَاُحِيطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ

جذب ہو جائے اس کا پانی زمین کی گہرائی میں کہ پھر تو اس کو تلاش کے باوجود نہ پا سکے ٦٤۔ اور (اس کے باغ) کا پھل برباد ہو گیا ٦٥ پس وہ

يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوشِهَا وَيَقُولُ

کف افسوس ملنے لگا اس مال کے نقصان پر جو اس نے باغ پر خرچ کیا تھا اور (اب) وہ گرا پڑا تھا اپنے چھپروں پر اور (بصد حسرت) کہنے لگا

يٰلَيْتَنِي لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيٓ اَحَدًا ﴿٤٢﴾ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُونَهٗ مِنْ

کاش! میں نے کسی کو اپنے رب کا شریک نہ بنایا ہوتا۔ اور نہ رہی تھی اس کے پاس کوئی جماعت جو اس کی مدد کرتی

دُونِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿٤٣﴾ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ؕ هُوَ خَيْرٌ

اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں اور نہ وہ بدلہ لینے کے قابل تھا ٦٦ یہاں سے ثابت ہو گیا کہ سارا اختیار اللہ سچے کیلیے ہے۔ وہی بہتر ثواب

٦٣ علامہ بیضاوی نے فرمایا ہے کہ یہ حُسْبَانٌ، حُسْبَانَۃٌ کی جمع ہے۔ اس کا معنی بجلی کی کڑک۔ قَالَ الْعَلَّامَۃُ الْبَیْضَاوِیُّ جَمْعُ حُسْبَانَۃٍ وَّھِیَ الصَّوَاعِقُ۔ (1) صعید: چٹیل زمین۔ زلقًا: جس پر سختی کی وجہ سے قدم نہ جم سکے اور پھسل جائے یعنی اس کے غضب سے پناہ مانگتے رہو۔ اس کی بے نیازی سے ڈرتے رہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بجلی کا صاعقہ آئے اور تیرے سارے گل و گلشن کو ملیا میٹ کر کے رکھ دے۔ سبزے کا نام و نشان تک باقی نہ رہے۔ یہ زرخیز زمین جس کا چپہ چپہ آج سونا اُگل رہا ہے ایسی بنجر اور اُجاڑ ہو جائے کہ چلتے ہوئے لوگوں کے قدم پھسل پھسل جائیں۔ (2)

٦٤ یا پانی ہی زمین میں دھنس جائے اور تو ہزار جتن کرے اس کو ان گہرائیوں سے نہ نکال سکے۔

٦٥ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے رفیق کی مخلصانہ پند و موعظت کا اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ وہ حسبِ سابق شرک و نافرمانی کی روش پر چلتا رہا یہاں تک کہ مہلت کی وہ گھڑیاں ختم ہو گئیں جو ہر عصیاں شعار اور غلط کار کو سنبھلنے کے لیے مرحمت فرمائی جاتی ہیں۔ تو وہ عذاب آیا جس نے اس کی خوابوں کی دنیا کو درہم برہم کر کے رکھ دیا اور وہ اپنے اجڑے ہوئے اور اکھڑے ہوئے باغ کو دیکھ کر کفِ افسوس ملنے لگا۔ علامہ قرطبی نے اُحِيطَ بِثَمَرِهٖ کا معنی کیا ہے اَیْ اُھْلِکَ مَالُہٗ کُلُّہٗ کہ اس کا سب مال و متاع برباد ہو گیا۔ (3)

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 393 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 36 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 409

ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿٤٤﴾ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ

دینے والا ہے اور اسکے ہاتھ میں بہتر انجام ہے ۶۷ اور بیان فرمائیے ان کے لیے دنیوی زندگی کی (ایک اور) مثال ۶۸ یہ پانی کی طرح ہے

اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا

جسے ہم نے اتارا ہے آسمان سے پس گنجان ہو کر اگتی ہیں اس پانی سے زمین کی انگوریاں پھر کچھ عرصہ کے بعد وہ خشک سیدہ گھاس ہو جاتی

تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿٤٥﴾ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ

ہے اڑائے پھرتی ہیں اسے ہوائیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ مال اور فرزند (تو صرف)

زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا

دنیوی زندگی کی زیب و زینت ہیں ۶۹ اور (در حقیقت) باقی رہنے والی نیکیاں ۷۰ بہتر ہیں تیرے رب کے ہاں ثواب کے اعتبار سے

۶۶ اِنْتَصَرَ کا معنی غالب آنا، کامیاب ہونا بھی ہے لیکن اس کا ایک معنی انتقام لینا بھی ہے اِنْتَصَرَ: اَيِ انْتَقَمَ (1) یہاں مجھے یہی معنی موزوں معلوم ہوتا ہے۔

۶۷ وَلَايَةٌ (واؤ پر زبر) کا معنی دوستی اور مدد کرنا ہے اور وِلَايَةٌ (واؤ کے نیچے زیر) کا معنی غلبہ ہے۔ عُقْبٌ اور عَاقِبَةٌ دونوں کا معنی انجام ہے۔ بعض کے نزدیک یہ ہم معنی ہیں وَهُمَا بِمَعْنًى وَّاحِدٍ (قرطبی) (2)

۶۸ ان حقیقت ناشناسوں کو جو غریب و مفلس مسلمانوں کو نظرِ حقارت سے دیکھتے ہیں اور اپنے دنیوی جاہ و جلال پر پھولے نہیں سماتے سمجھانے کے لیے دنیا کی بے ثباتی کی ایک اور موثر مثال دی جا رہی ہے۔ اِخْتَلَطَ کا معنی ہے گڈمڈ ہو جانا۔ جب کوئی فصل گھنی پیدا ہوتی ہے تو اس کی بالیں گنجان بالوں کی طرح آپس میں مل جاتی ہیں۔ یہاں بھی فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ سے یہی مقصود ہے کہ برسات کے پانی سے جو فصل اگتی ہے وہ آپس میں مختلط اور ملی جلی ہوتی ہے۔ (3)

۶۹ مال و اولاد کی خواہش کس دل میں نہیں۔ ان کے ہونے سے کون خوش نہیں ہوتا۔ اگر ان میں سے کوئی چیز نہ ہو تو زندگی کتنی بے مزہ اور بے کیف ہو جاتی ہے۔ یہ ایسی چیزیں ہیں جنہیں سب جانتے ہیں۔ یہاں بتا دیا کہ مال و اولاد سے دنیوی زندگی مزین ہوتی ہے اور جب یہ زندگی خود ناپائیدار ہے تو اس کے متعلقات بھی ناپائیدار ہوں گے۔ اس لیے عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنی ساری عمر، اپنی ساری کدو کاوش ان دنیوی زینتوں کے لیے وقف نہ کر دے۔ ایسا نہ ہو کہ جب یہ فنا ہو جائیں تو تم خالی ہاتھ ملتے رہ جاؤ بلکہ زادِ آخرت کی بھی فکر کرو۔

۷۰ وہ نیک اعمال جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کیے جائیں وہ اس حیّ و قیوم سے وابستہ ہونے کی وجہ سے بقاء دوام کی صفت سے متصف ہو جاتے ہیں۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں: اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ حَرْثُ الدُّنْيَا وَالْاَعْمَالُ الصَّالِحَاتُ

1۔ المنجد، ص 812 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 411 3۔ ایضاً، ج 10، ص 412

وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿۴۶﴾ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّ

اور بہتر ہیں جن سے امید وابستہ کیجاتی ہے۔ اور (غور کرو) جس روز ہم ہٹا دینگے پہاڑوں کو (انکی جگہ سے) اور تم دیکھو گے زمین کو کہ کھلا میدان ہے[۱] اور

حَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ﴿۴۷﴾ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ

ہم جمع کرینگے انھیں پس نہیں پیچھے رہنے دینگے ان میں سے کسی کو[۱] اور وہ پیش کیے جائینگے آپکے رب کی بارگاہ میں صفیں باندھے ہوئے[۲]

لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍۢ ؗ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ

(پھر ہم انھیں کہیں گے کہ) آج تم آگئے ہو ہمارے پاس جیسے ہم نے پیدا کیا تھا تمھیں پہلی بار ہاں تم تو یہ خیال کیے ہوئے تھے کہ ہم نہیں مقرر

لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿۴۸﴾ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا

کرینگے تمھارے لیے وعدہ کا وقت۔ اور رکھ دیا جائیگا (انکے سامنے) نامۂ عمل[۳] پس تو دیکھے گا مجرموں کو کہ وہ ڈر رہے ہونگے اس سے جو

حَرْثُ الْاٰخِرَةِ وَقَدْ يَجْمَعُهُمَا اللّٰهُ لِاَقْوَامٍ (1)۔ یعنی مال اور اولاد دنیا کی کھیتی ہے اور نیک اعمال آخرت کی کھیتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے کبھی بعض لوگوں کو یہ دونوں چیزیں عطا فرما دیتا ہے۔ حضرت ابو سعید خدری روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اِسْتَكْثِرُوْا مِنَ الْبَاقِيَاتِ الصَّالِحَاتِ قِيْلَ وَمَا هِيَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ التَّسْبِيْحُ وَالتَّهْلِيْلُ وَالتَّحْمِيْدُ وَالتَّكْبِيْرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ (رواہ احمد وغیرہ) (2)

حضور نے فرمایا: باقی رہنے والے اعمال کثرت سے کیا کرو۔ عرض کی گئی: یا رسول اللہ! وہ کیا ہیں؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کی تسبیح، تہلیل، تحمید، تکبیر اور لاحول ولاقوۃ الا باللہ ہیں۔ حضرت جابر سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا کہ لاحول ولاقوۃ الخ کثرت سے پڑھا کرو۔ اس سے تکلیف کے ننانوے دروازے بند ہوتے ہیں۔ اَدْنَاهَا الْهَمُّ سب سے کم درجہ کی تکلیف جو اس کے پڑھنے سے دور ہوتی ہے وہ ہم یعنی حزن و ملال ہے (3)۔ حضرت نعمان بن بشیر سے مرفوعاً مروی ہے کہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ هُنَّ الْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ (4)۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ جتنے نیک اعمال ہیں وہ باقیاتِ صالحات ہیں۔ علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ یہی قول صحیح ہے وَهُوَ الصَّحِيْحُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔ (5)

۱؎ اب روزِ قیامت کے احوال کا ذکر شروع ہوتا ہے۔

۲؎ سب مخلوق صفیں باندھے سر جھکائے حاضرِ بارگاہِ اقدس ہوگی۔ دنیا میں عمر بھر جو لوگ قیامت کا انکار کرتے رہے اور فلسفہ بگھارتے رہے انہیں کہا جائے گا کہ تم تو کہتے تھے کہ قیامت وغیرہ کی کوئی حقیقت نہیں۔ بتاؤ ہمارے رسولوں کی بات سچی ثابت ہوئی یا نہ ہوئی۔

۳؎ ہر ایک کا نامۂ عمل اس کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ مجرموں کی حالت ناگفتہ بہ ہوگی۔ شدتِ خوف سے ان کے دل

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 38 2۔ مسند امام احمد، ج 3، ص 75 3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 38، کنز العمال، ج 1، ص 454، رقم الحدیث 1953

4۔ مسند امام احمد بن حنبل، ج 4، ص 268، مطبوعہ دار صادر، بیروت 5۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 414

فِيهِ وَيَقُولُونَ يَٰوَيۡلَتَنَا مَالِ هَٰذَا ٱلۡكِتَٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا

اس میں ہے اور کہیں گے صد حیف! اس نوشتہ کو کیا ہو گیا ہے کہ نہیں چھوڑا اس نے کسی چھوٹے گناہ کو اور نہ

كَبِيرَةً إِلَّآ أَحۡصَىٰهَاۚ وَوَجَدُواْ مَا عَمِلُواْ حَاضِرٗاۗ وَلَا يَظۡلِمُ رَبُّكَ

کسی بڑے گناہ کو مگر اس نے اسکا شمار کرلیا ہے اور (اس دن) وہ پالیں گے جو عمل انھوں نے کیے تھے اپنے سامنے۔ اور آپکا رب (اے حبیب!) کسی پر

أَحَدٗا ٤٩ وَإِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلَٰٓئِكَةِ ٱسۡجُدُواْ لِأٓدَمَ فَسَجَدُوٓاْ إِلَّآ إِبۡلِيسَ

زیادتی نہیں کرتا۔ اور یاد کرو جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو ۵۴ پس سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔

كَانَ مِنَ ٱلۡجِنِّ فَفَسَقَ عَنۡ أَمۡرِ رَبِّهِۦٓۗ أَفَتَتَّخِذُونَهُۥ وَذُرِّيَّتَهُۥٓ أَوۡلِيَآءَ

وہ قوم جن سے تھا۔ ۵۵ سو اس نے نافرمانی کی اپنے رب کے حکم کی (اے اولادِ آدم!) کیا تم بناتے ہو اسے اور اس کی ذریت کو اپنا دوست

مِن دُونِي وَهُمۡ لَكُمۡ عَدُوُّۢۚ بِئۡسَ لِلظَّٰلِمِينَ بَدَلٗا ٥٠ مَّآ أَشۡهَدتُّهُمۡ

مجھے چھوڑ کر حالانکہ وہ سب تمہارے دشمن ہیں ۵۶ ظالموں کے لیے بہت برا بدلہ ہے۔ میں نے ان سے مدد نہیں لی تھی

خَلۡقَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِ وَلَا خَلۡقَ أَنفُسِهِمۡ وَمَا كُنتُ مُتَّخِذَ

جب آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ۵۷ اور نہ (اس وقت ان سے مدد لی) جب مجھے انھیں پیدا کیا اور میں نہیں بنایا کرتا گمراہ کرنے

دھڑک رہے ہوں گے۔ چہروں کا رنگ فق ہو گیا ہوگا اور حسرت وندامت کے باعث یوں گویا ہوں گے۔

۵۴ منکرینِ حق کو اب ایک نئے انداز سے دعوتِ حق دی جارہی ہے۔ انہیں شرم دلائی جارہی ہے کہ دیکھو تم آدم کی اولاد ہو جس کی ہم نے اتنی عزت افزائی کی کہ نورانی فرشتوں کو بھی حکم دیا کہ اسے سجدہ کریں اور شیطان نے جب سجدہ کرنے سے انکار کیا تو اسے اس جرم کی پاداش میں کہ اس نے تمہارے باپ آدم کو سجدہ نہیں کیا اپنی بارگاہِ عزت سے دھتکار دیا گیا۔ وہ تمہارا قدیمی دشمن ہے۔ اب اسی کے بہلانے سے تم اپنے ربِ کریم کی نافرمانی کر رہے ہو۔ تمہیں تو شرم کے مارے ڈوب مرنا چاہیے۔

۵۵ ان الفاظ سے یہ بتا دیا کہ ابلیس فرشتہ نہیں تھا بلکہ جنّ تھا۔ فَفَسَقَ کی فاء اس امر کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ اس کے فسق اور حکم عدولی کی وجہ ہی یہ تھی کہ اس کا عنصر ناری تھا۔ اس کی فطرت میں تمرد اور سرکشی تھی۔ (1)

۵۶ منکرینِ حق کو شرم دلائی جارہی ہے کہ تم اپنے قدیمی دشمن ابلیس کا حکم ماننے کے لیے تو ہر وقت تیار رہتے ہو لیکن اپنے مولیٰ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 42

الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ﴿٥١﴾ وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ

والوں کو اپنا دست و بازو۔ اور اس روز اللہ تعالیٰ (کفار کو) فرمائیگا ۷۸ بلاؤ میرے شریکوں کو جنھیں تم (میرا شریک) خیال کیا

فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿٥٢﴾ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ

کرتے تھے تو وہ انھیں پکاریں گے پس وہ انھیں کوئی جواب نہیں دیں گے اور ہم حائل کردیں گے انکے درمیان ایک آڑ۔ اور دیکھیں گے مجرم جہنم کی آگ کو

النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿٥٣﴾ وَلَقَدْ

اور وہ خیال کرینگے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں اور نہ پائیں گے اس سے نجات پانے کی کوئی جگہ۔ اور بیشک ہم نے طرح طرح

صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ

سے بار بار بیان کی ہیں اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر قسم کی مثالیں اور انسان ہر چیز سے بڑھ کر

شَيْءٍ جَدَلًا ﴿٥٤﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا

جھگڑالو ہے ۷۹ اور کس چیز نے روکا ہے لوگوں کو اس بات سے کہ وہ ایمان لے آئیں ۸۰ جب آگئی ان کے پاس ہدایت (کی روشنی) اور

ع ۱۹ ۷

کریم کے احکام بجالانے میں تمہیں بڑی تکلیف ہوتی ہے۔

۷۷ جن شیطانوں کے پیچھے تم لگے ہوئے ہو اور جن کو اپنا معبود اور کارساز یقین کرتے ہو بھلا سوچو ان کی مقدرت کیا ہے کہ کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکیں؟ نہ زمین و آسمان کی تخلیق میں ان کا کوئی حصہ ہے اور نہ ان کے پیدا کرنے میں ان کی مرضی کا کچھ دخل ہے۔ پھر یہ خود بھی اللہ تعالیٰ کے نافرمان اور سرکش ہیں اور اللہ تعالیٰ کو کیا ضرورت ہے کہ اپنی خدائی کے کسی کام میں اس سے مدد طلب کرے جو اس کا نافرمان ہے؟

۷۸ روزِ قیامت کا ذکر ہے۔ اس روز بتوں کے پجاریوں سے خطاب ہوگا۔ يَقُوْلُ ذٰلِكَ لِعَبَدَةِ الْاَوْثَانِ (قرطبی)(1) مَّوْبِقًا: حَاجِزًا بَيْنَ الْاَوْثَانِ وَعَبَدَتِهَا۔ قَالَ ابْنُ الْاَعْرَابِيِّ: كُلُّ شَيْءٍ حَاجِزٌ بَيْنَ شَيْئَيْنِ فَهُوَ مَوْبِقٌ (قرطبی)(2) دو چیزوں کے درمیان جو چیز آڑ اور رکاوٹ ہو اسے حاجز کہتے ہیں۔ یعنی بتوں اور ان کے پرستاروں کے درمیان آڑ قائم کردی جائے گی۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ جہنم کی ایک وادی کا نام مَوْبِق ہے جو پیپ اور خون سے بھری ہوگی۔(3)

۷۹ یہاں انسان سے مراد نافرمان اور سرکش انسان ہے۔

۸۰ یعنی جب آفتابِ ہدایت طلوع ہو چکا اور اس کی روشنی نے مشرق و مغرب کو منور کردیا تو اب اندھے بنے ہوئے یہ کیوں

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 2 2۔ ایضاً، ج 11، ص 2-3 3۔ ایضاً، ج 11، ص 2

رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۵﴾

مغفرت طلب کریں اپنے رب سے مگر یہ (کہ وہ منتظر ہیں) کہ آئے انکے پاس لوگوں کا دستور یا آئے ان کے پاس طرح طرح کا عذاب۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ

اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو مگر مژدہ سنانے والے اور ڈرانے والے اور جھگڑتے ہیں کافر ۸۱

كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا

بے سروپا دلیلوں کی آڑ لے کر تاکہ وہ مٹا دیں اس سے حق کو ۸۲ اور بنا لیا ہے انھوں نے میری آیتوں کو اور جن سے وہ ڈرائے گئے

هُزُوًا ﴿۵۶﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ

ایک مذاق۔ اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جسے نصیحت کی گئی اسکے رب کی آیتوں سے پس اس نے روگردانی کر لی ان سے اور فراموش کر دیا

مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ

اسنے ان (اعمال بد) کو جو آگے بھیجے تھے اسکے دونوں ہاتھوں نے ہم نے ڈال دیئے انکے دلوں پر پردے تاکہ وہ قرآن کو نہ سمجھ سکیں اور انکے

اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿۵۷﴾

کانوں میں گرانی پیدا کر دی اور اگر تم بلاؤ انھیں ہدایت کی طرف تو جب بھی وہ ہدایت قبول نہیں کرینگے۔

ٹھوکریں کھا رہے ہیں؟ کیا یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح تباہ کن عذاب پہلی اقوام پر اترا تھا ان پر بھی اترے اور ان کو خاکِ سیاہ بنا کر رکھ دے؟ قُبُلًا حال ہے، اس کا واحد قَبِيْلٌ ہے جیسے سَبِيْلٌ کی جمع سُبُلٌ ہے۔ اس کا معنی ہے طرح طرح کا عذاب قُبُلًا اَصْنَافَ الْعَذَابِ كُلِّهٖ۔ نحو کے امام فراء نے اس کی تشریح کرتے ہوئے کہا ہے کہ قُبُلٌ قَبِيْلٌ کی جمع ہے اس کا معنی ہے مُتَفَرِّقًا يَّتْلُوْ بَعْضُهٗ بَعْضًا یعنی ایک عذاب کے بعد دوسرا عذاب۔ اور قِبَلًا (قاف پر زیر) کا معنی ہے عیانًا۔ (قرطبی)(1)

۸۱؎ بِالْبَاطِلِ کا تعلق يُجَادِلُ کے ساتھ ہے یعنی ان کافروں کا جھگڑا کسی معقولیت پر مبنی نہیں۔ ان کے پاس اپنے موقف کی سچائی ثابت کرنے کے لیے کوئی ایسی دلیل بھی نہیں جو سنجیدگی سے غور کرنے کے قابل ہو۔ یوں ہی اناپ شناپ ہانکتے رہتے ہیں۔

۸۲؎ دحض کا لغوی معنی ہے پاؤں کا پھسلنا۔ اَصْلُ الدَّحْضِ الزَّلَقُ يُقَالُ دَحَضَتْ رِجْلُهٗ اَیْ زَلَقَتْ (قرطبی)(2) کسی دلیل کے مسترد کر دینے کو بھی دحض کہتے ہیں دَحَضَتْ حُجَّتُهٗ دُحُوْضًا بَطَلَتْ (3) مدعا یہ ہے کہ ان کی ساری کوششیں اس پر مرکوز رہتی

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 11، ص 6 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

وَرَبُّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ ۖ لَوْ يُؤَاخِذُهُم بِمَا كَسَبُوا لَعَجَّلَ لَهُمُ

اور آپ کا پروردگار تو بہت بخشنے والا بڑا ہی رحمت والا ہے ۸۳ اگر وہ پکڑ لیتا انھیں انکے کیے پر تو جلد ان پر

الْعَذَابَ ۚ بَل لَّهُم مَّوْعِدٌ لَّن يَجِدُوا مِن دُونِهِ مَوْئِلًا ﴿٥٨﴾ وَتِلْكَ

عذاب بھیجتا وہ ایسا نہیں کرتا بلکہ ان کو سزا دینے کا ایک وقت مقرر ہے۔ نہیں پائینگے اس وقت اسکے بغیر کوئی پناہ کی جگہ۔ اور یہ بستیاں

الْقُرَىٰ أَهْلَكْنَاهُمْ لَمَّا ظَلَمُوا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِم مَّوْعِدًا ﴿٥٩﴾ وَإِذْ قَالَ

ہیں ہم نے تباہ کر دیا ان کے باشندوں کو جب وہ ستم شعار بن گئے اور ہم نے مقرر کر دی تھی انکی ہلاکت کیلیے ایک میعاد۔ اور یاد کرو جب کہا

مُوسَىٰ لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا ﴿٦٠﴾

موسیٰ ؑ نے اپنے نوجوان (ساتھی) کو کہ میں چلتا رہونگا یہاں تک کہ پہنچوں جہاں دو دریا ملتے ہیں یا (چلتے چلتے) گزار دونگا مدتِ دراز ۸۴

ہیں کہ وہ حق کو باطل کر کے دکھائیں اور اہلِ حق کو اس سے پھسلا دیں۔

۸۳؎ چاہیے تو یہ تھا کہ ان ظالموں کو فوراً عذاب کی چکی میں پیس کر رکھ دیا جاتا اور انہیں ذرا ڈھیل نہ دی جاتی لیکن اللہ تعالیٰ کی مغفرت بے پایاں اور رحمت وسیع ہے۔ وہ ایسے لوگوں پر بھی اپنی نعمتوں کی بارش کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ مہلت کی گھڑیاں ختم ہو جاتی ہیں اور مقررہ وقت آ جاتا ہے۔ مَوْئِلٌ: لوٹ کر آنے کی جگہ "آل" سے اسم ظرف ہے۔

۸۴؎ ان دو رکوعوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ کے ایک مقبول بندے کا ذکر ہے۔ آیات کی تشریح سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند امور کی وضاحت کر دی جائے تاکہ آیات کے مطالب بیان کرنے اور سمجھنے میں آسانی ہو۔ اس واقعہ میں مندرجہ ذیل امور غور طلب ہیں:

(۱) یہ موسیٰ کون ہیں؟ (۲) اس واقعہ کا محرک کیا ہے؟ (۳) آپ کے نوجوان خادم کا نام کیا ہے؟ (۴) وہ بندۂ خاص کون ہے؟: (الف) اس کا نام کیا ہے؟ (ب) کیا وہ ولی تھا یا نبی؟ (ج) وہ اب زندہ ہے یا نہیں؟ (۵) وہ جگہ جہاں یہ دونوں حضرات ملے تھے وہ کہاں ہے؟ باقی چیزیں آیات کی تشریح کے ضمن میں بیان ہو جائیں گی۔ پہلی اور دوسری چیز کے متعلق جو روایت صحیحین میں ہے اس کا ذکر کرنا ہی کافی ہے۔

حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابنِ عباس سے اس موسیٰ کے متعلق دریافت کیا اور انہیں بتایا کہ نوفل بکالی کا خیال ہے کہ اس واقعہ میں جس موسیٰ کا ذکر ہے وہ موسیٰ بنی اسرائیل نہیں بلکہ یہ موسیٰ بن افرائیم بن یوسف ہے۔ حضرت ابنِ عباس نے یہ سُن کر فرمایا: اللہ کے دشمن نے جھوٹ بکا ہے۔ ہمیں اُبی بن کعب نے بتایا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ ایک دن موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ سے پوچھا گیا سب سے بڑا عالم کون ہے۔

آپ نے جواب میں کہا: میں سب سے بڑا عالم ہوں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی کہ انہوں نے علم کو اپنی طرف کیوں منسوب کیا ہے۔ اس کی ذات کی طرف کیوں نہیں تفویض کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی بھیجی کہ مجمع البحرین میں میرا ایک بندہ ہے جو تجھ سے زیادہ عالم ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: یا الٰہی! میں اس کی خدمت میں کیونکر پہنچ سکتا ہوں۔ حکم ہوا کہ اپنے ساتھ ایک مچھلی ٹوکری میں رکھ لو جہاں وہ مچھلی گم ہو جائے وہ میرے اس بندے کی قیام گاہ ہوگی۔(1) (۳) اس فتیٰ سے مراد یوشع بن نون ہیں، وہ نوجوان تھے۔ سفر و حضر میں حضرت کلیم کی خدمت میں رہا کرتے تھے۔ (۴) جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ یہ بندہ خضر علیہ السلام ہے۔ (ا) ان کا نام بلیا بن ملکان ہے کیونکہ جہاں یہ تشریف فرما ہوتے وہ جگہ سرسبز ہو جاتی تھی۔ اس لیے خضر آپ کا لقب ہو گیا۔ اور وہ اسی لقب سے مشہور ہیں۔ (ب) بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ وہ ولی تھے۔ لیکن علامہ پانی پتی اور دیگر علماء محققین کی رائے یہ ہے کہ وہ نبی تھے۔ کیونکہ ولی کے الہام سے علم ظنی حاصل ہوتا ہے۔ اور اس میں خطا کا احتمال ہوتا ہے۔ الہام کی وجہ سے قتل جیسے سنگین فعل کا ارتکاب جائز نہیں ہو سکتا۔ اس لیے آپ کو نبی ماننا پڑے گا اور نبی کا علم یقینی ہوتا ہے۔ (ج) رہی یہ بات کہ خضر اب زندہ ہیں یا وفات پا چکے ہیں۔ اس میں علماء کے دو گروہ ہیں۔ اور دونوں گروہوں نے اپنے اپنے موقف کو سچا ثابت کرنے کے لیے دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں۔ علامہ آلوسیؒ نے اپنی تفسیر میں ان دلائل کو بڑی شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے لیکن متعدد صفحات پر پھیلی ہوئی اس بحث کا مطالعہ کرنے کے باوجود تسکین نہیں ہوتی اور انسان کسی ایسے نتیجہ پر نہیں پہنچتا جس سے دل مطمئن ہو۔

اللہ تعالیٰ عارف باللہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کو اپنے انوار کا مہبط بنائے انہوں نے اس سلسلہ میں ایک ایسی بات رقم کی ہے جس سے دلائل کا تضاد بھی رفع ہو جاتا ہے اور انسان کے دل میں ایک اطمینان بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ میرے خیال میں یہاں فریقین کے دلائل کا نقل کرنا تطویل کا باعث ہوگا۔ صرف تفسیر مظہری کی وہ عبارت لکھ دینا کافی ہے۔ مجھے امید ہے کہ ان کی تحقیق سے جس طرح میری تشویش دور ہوئی اس کے مطالعہ سے آپ کی پریشانی بھی ختم ہو جائے گی۔

فریقین کے دلائل نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس اشکال کا حل حضرت مجدد الف ثانی کے کلام کے بغیر ناممکن ہے۔ حضرت مجدد سے حضرت خضر کے متعلق پوچھا گیا کہ وہ زندہ ہیں یا وفات پا گئے ہیں تو وہ بارگاہِ الٰہی میں حقیقتِ حال کے انکشاف کے لیے متوجہ ہوئے: فَرَأَى الْخِضْرَ ﷺ حَاضِرًا عِنْدَهٗ فَسَأَلَهٗ عَنْ حَالِهٖ فَقَالَ اَنَا وَالْيَاسُ لَسْنَا مِنَ الْاَحْيَاءِ لٰكِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ اَعْطٰى لِاَرْوَاحِنَا قُوَّةً تَتَجَسَّدُ بِهَا وَنَفْعَلُ بِهَا اَفْعَالَ الْاَحْيَاءِ مِنْ اِرْشَادِ الضَّالِّ وَاِغَاثَةِ الْمَلْهُوْفِ اِذَا شَاءَ اللّٰهُ وَتَعْلِيْمِ الْعِلْمِ اللَّدُنِّيِّ وَاِعْطَاءِ النِّسْبَةِ لِمَنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَجَعَلَنَا مُعِيْنًا لِّلْقُطْبِ الْمَدَارِ مِنْ اَوْلِيَاءِ اللّٰهِ تَعَالَى الَّذِيْ جَعَلَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى مَدَارًا لِّلْعَالَمِ وَجَعَلَ بَقَاءَ الْعَالَمِ بِبَرَكَةِ وُجُوْدِهٖ وَاِفَاضَتِهٖ وَقَالَ الْخِضْرُ اِنَّ الْقُطْبَ فِيْ هٰذَا الزَّمَانِ فِيْ دِيَارِ يَمَنٍ مُتَّبِعٌ لِلشَّافِعِيِّ فِي الْفِقْهِ قَالَ فَنَحْنُ نُصَلِّيْ مَعَ الْقُطْبِ صَلٰوةً عَلٰى مَذْهَبِ الشَّافِعِيِّ فَبِهٰذَا الْكَشْفِ الصَّحِيْحِ اجْتَمَعَ الْاَقْوَالُ وَذَهَبَ الْاَشْكَالُ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الْكَبِيْرِ الْمُتَعَالِ۔ (مظہری) (2)

ترجمہ: تو حضرت مجدد الف ثانی نے دیکھا کہ حضرت خضرؑ ان کے پاس کھڑے ہیں۔ آپ نے ان سے ان کی حقیقتِ حال دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ میں اور الیاس زندوں میں سے نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ہماری روحوں کو ایسی قوت بخشی ہے جس

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ الکہف وقولہ اذ قال موسیٰ لفتٰہ، ج 2، ص 687-690، جامع ترمذی، ابواب التفسیر، ومن سورۃ الکہف، ج 2، ص 143

2۔ تفسیر مظہری زیر آیت ہذا، ج 6، ص 62

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ

پھر جب وہ دونوں پہنچے جہاں آپس میں دو دریا ملتے ہیں۸۵ دونوں بھول گئے اپنی مچھلی کو تو بنا لیا اس نے اپنا راستہ دریا میں

سے ہم مجسّم ہو جاتے ہیں اور زندوں کے سے کام کرتے ہیں مثلاً جب اللہ تعالیٰ چاہے تو ہم گمراہ کی رہنمائی کرتے ہیں اور مصیبت زدہ کی مدد کرتے ہیں۔ علم لدنی کی تعلیم دیتے ہیں اور جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہو اسے روحانی نسبت مرحمت کرتے ہیں۔ ہمیں اولیاء اللہ میں سے جو قطب مدار ہوتا ہے اس کا معاون و مددگار بنایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے مدارِ عالم بنایا ہے اور اس کی برکت وفیض سے دنیا کی بقا ہے۔ آج کل یمن کے ایک بزرگ قطب مدار ہیں جو شافعی المذہب ہیں۔ ہم ان کے ساتھ شافعی مذہب کے مطابق نماز ادا کرتے ہیں۔ اس کشفِ صحیح سے مختلف اقوال کا تضاد ختم ہو گیا۔ اور اشکال دور ہو گیا۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جو کبیر و متعال ہے۔

(۵)۔ وہ مقام جہاں ان دونوں بزرگوں کی ملاقات ہوئی تھی وہ کہاں ہے۔ قرآن کریم نے اسے مجمع البحرین (دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ، سنگم) سے تعبیر کیا ہے۔ اس کے بارے میں بھی علماء مختلف رائے رکھتے ہیں۔ چند اقوال کشّاف سے منقول ہیں۔ مجمع البحرین سے مراد (۱) فارس اور روم کے دریاؤں کا سنگم (۲) طنجہ (۳) افریقہ (1) اور اندلسی مفسرین نے تو اندلسی دریا مراد لیے ہیں وَقِيلَ هُوَ بَحْرُ الْأَنْدُلُسِ (محیط لابی حیان) (2) هُوَ بَحْرُ الْأَنْدُلُسِ مِنَ الْبَحْرِ الْمُحِيطِ (قرطبی) (3) بعض فضلاء نے وہ جگہ مراد لی ہے جہاں دریائے نیل کی دو شاخیں بحرِ ابیض اور بحرِ ازرق آ کر ملتی ہیں۔ لیکن یہ قول اس وقت قابلِ قبول ہو سکتا ہے جب اس واقعہ کا وقوع مصر سے ہجرت کرنے سے پہلے کا ہو۔ لیکن دیگر روایات اس کی تائید نہیں کرتیں اور اس امر کا بھی کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ سینا اور تیہ میں اقامت فرمانے کے بعد حضرت موسیٰؑ پھر مصر تشریف لے گئے ہوں۔ بہر حال مجمع البحرین کوئی سے دو دریاؤں کے سنگم کا نام ہو، قرآن کریم نے جس مقصد کے لیے اس واقعہ کو بیان کیا ہے اس کا سمجھنا اس پر موقوف نہیں۔

ان امور کو ذہن نشین کر لینے کے بعد اب آیات طیبہ کی طرف توجہ فرمائیے۔

فتیٰ سے مراد یوشع بن نون ہیں۔ فتیٰ نوجوان کو کہتے ہیں۔ خادم کو ادب واحترام کے لیے خادم کے بجائے فتیٰ (نوجوان) کے لفظ سے یاد فرمایا گیا۔ اس سے ہمیں یہ سکھایا گیا کہ فرقِ مراتب کے باوجود ہمیں کوئی ایسا لفظ استعمال نہ کرنا چاہیے جس سے کسی اپنے سے کم درجہ کی تذلیل اور دل آزاری کا پہلو نکلتا ہو۔ حُقُبًا زمانہ طویل کو کہتے ہیں۔ بعض نے اسّی سال اور بعض نے ستّر سال کی تعیین کی ہے جو قطعاً بے ضرورت ہے۔

۸۵ جب دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچے تو سفر کی تھکان دور کرنے کے لیے ایک چٹان کے سایہ میں استراحت فرما ہوئے توشہ دان میں بھنی ہوئی مچھلی بھی تھی۔ اسے جب اس خطہ کی ہوا لگی جس میں اس مردِ خدا کے سانس کی مہک بسی ہوئی تھی تو وہ زندہ ہو گئی اور اس نے دریا میں چھلانگ لگا دی۔ سَرَبٌ: راستہ۔ یعنی جہاں سے وہ گزرتی گئی ایک طویل راہ کے نشانات چھوڑتی گئی۔

1۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، ج 2، ص 264　2۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 144　3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 9

سَرَبًا ﴿۶۱﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ؗ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا

سرنگ کی طرح۔ پس جب وہاں سے آگے بڑھ گئے ۸۶ آپ نے اپنے جوان ساتھی سے کہا لاؤ ہمارا صبح کا کھانا بیشک ہمیں برداشت کرنی پڑی ہے

هٰذَا نَصَبًا ﴿۶۲﴾ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ؗ

اپنے اس سفر میں بڑی مشقت۔ اس ساتھی نے کہا اے کلیم! آپ نے ملاحظہ فرمایا ۸۷ جب ہم (ستانے کیلیے) اس چٹان کے پاس ٹھیرے تھے تو

وَمَآ اَنْسٰىنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ۖ

میں بھول گیا مچھلی کو اور نہیں فراموش کرائی مجھے وہ مچھلی مگر شیطان نے کہ میں اس کا ذکر کروں اور اس نے بنا لیا تھا اپنا راستہ دریا میں بڑے تعجب

عَجَبًا ﴿۶۳﴾ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿۶۴﴾

کی بات ہے۔ آپ نے فرمایا یہی تو وہ ہے جس کی ہم جستجو کر رہے تھے ۸۸ پس وہ دونوں لوٹے اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے۔ تو پایا انھوں

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا

نے ایک بندے کو ۸۹ ہمارے بندوں میں سے جسے ہم نے عطا فرمائی تھی رحمت اپنی جناب سے ۹۰ اور ہم نے سکھایا تھا اسے اپنے پاس سے

۸۶ آرام کرنے کے بعد پھر سفر شروع ہو گیا۔ کچھ دور پہنچے تو تھکاوٹ اور بھوک نے پاؤں پکڑ لیے اور آپ نے اپنے خادم کو حکم دیا کہ کھانا لائے۔ نَصَبٌ: تھکاوٹ۔ (1)

۸۷ اب یوشع کو یاد آیا کہ جب وہ اس چٹان کے نیچے ستانے کے لیے آئے تھے تو مچھلی توشہ دان سے نکل کر دریا میں کود گئی تھی۔ لیکن اس وقت عرض کرنا بھول گئے۔ اب جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کھانا طلب کیا تو سارا ماجرا عرض کر دیا۔ اور آخر میں اپنی بھول کی معافی مانگی۔

۸۸ آپ نے سُن کر فرمایا: وہی تو ہماری منزلِ مراد تھی، ہم تو اپنی منزل سے آگے نکل آئے۔

۸۹ جب وہاں واپس پہنچے تو جس مردِ خدا کی تلاش میں نکلے تھے ان سے وہاں ملاقات ہو گئی۔ حضرت خضر وہاں سفید چادر لپیٹے ہوئے آرام فرما رہے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سلام دیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا آپ موسیٰ بنی اسرائیل ہیں۔ آپ نے پوچھا آپ کو کیسے خبر ہو گئی تو حضرت خضر نے فرمایا جس نے تجھے میری طرف بھیجا ہے اُسی نے مجھے بھی بتایا ہے۔ عبادنا میں اضافت شرف وعزت افزائی کے لیے ہے (2)۔ یعنی وہ ہمارے ان بندوں سے تھا جن کو ہمارے حضور میں قرب کا مقام حاصل تھا۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج6، ص49 2۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج5، ص267

عِلْمًا ﴿۶۵﴾ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ

(خاص علم ۹۰ کہا اس بندہ کو موسیٰ علیہ السلام نے کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں بشرطیکہ آپ سکھائیں مجھے رشد و ہدایت کا خصوصی علم جو آپکو سکھایا

رُشْدًا ﴿۶۶﴾ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ﴿۶۷﴾ وَ كَیْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا

گیا ہے ۹۲ اس بندے نے کہا (اے موسیٰ!) آپ میرے ساتھ صبر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے ۹۳ اور آپ صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں اس بات پر

لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿۶۸﴾ قَالَ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّ لَاۤ اَعْصِیْ

جسکی آپ کو پوری طرح خبر نہیں۔ آپ نے کہا آپ مجھے پائیں گے اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا صبر کرنے والا اور میں نافرمانی نہیں کرونگا

لَكَ اَمْرًا ﴿۶۹﴾ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْــٴَـلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰۤى اُحْدِثَ

آپکے کسی حکم کی اس بندے نے کہا اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو مجھ سے کسی چیز کے بارے میں نہ پوچھیے یہاں تک کہ میں آپ سے اس کا

۹۰ اس بندے کی مزید توصیف فرمائی جارہی ہے۔

۹۱ نیز اس رحمتِ خصوصی کے علاوہ اسے ایسا علم عطا فرمایا تھا جو عام انسانی ادراک سے بالکل جدا ہے۔ نہ وہاں مقدمات کو مرتب کیا جاتا ہے نہ ان میں غور و فکر کی زحمت اٹھانی پڑتی ہے۔ خود بخود عقدے کھلتے جاتے ہیں۔ پردے اُٹھتے جاتے ہیں اور حقائق و مطالب کا انکشاف ہوتا جاتا ہے۔ اور ذاتِ باری اور صفاتِ باری کی حقیقت پر آگاہی ہوتی جاتی ہے۔

۹۲ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی جلالتِ شان کے باوجود کتنے ادب و احترام سے اپنی خواہش کا اظہار فرما رہے ہیں۔ ہر طالب کو حضرت کلیم کے اس اسوۂ حسنہ سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ جب تک دل میں ادب و احترام کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا افادہ و استفادہ کا سلسلہ بند رہتا ہے۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر اپنے سے کم درجہ والے میں کوئی کمال ہو تو اس کے حصول سے باز نہیں آنا چاہیے۔

وَهٰذِهِ الْاٰیَةُ دَلِیْلٌ عَلٰى اَنَّ الْمَفْضُوْلَ قَدْ یَكُوْنُ لَهٗ فَضْلٌ جُزْئِیٌّ عَلٰى مَنْ هُوَ اَفْضَلُ مِنْهُ وَعَلٰى اَنَّ الْفَاضِلَ یَنْبَغِیْ اَنْ یَّطْلُبَ هٰذِهِ الْحِصَّةَ مِنَ الْفَضْلِ مِنَ الْمَفْضُوْلِ۔ (مظہری) (1)

۹۳ حضرت خضر کو معلوم تھا کہ علوم تکوینیہ کے جو راز مجھ پر منکشف کیے گئے ہیں ایک صاحبِ شریعت رسول اس پر سکوت اختیار نہیں کر سکتا۔ اس لیے پہلے ہی اس امر کی طرف اشارہ کر دیا کہ ایسے امور واقع ہوں گے تو آپ ضرور اعتراض کریں گے اور جہاں اعتراض کی نوبت آجائے وہاں افادہ و استفادہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ اسی لیے صوفیاء کرام نے فرمایا: اَنَّهٗ یَجِبُ عَلَى الْمُرِیْدِ تَرْكُ الْاِعْتِرَاضِ عَلَى الشَّیْخِ (مظہری) (2)

''مرید پر لازم ہے کہ اپنے شیخ پر اعتراض نہ کرے۔''

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 51-50 2۔ ایضاً، ج 6، ص 51

لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿۷۰﴾ فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰۤى اِذَا رَكِبَا فِی السَّفِیْنَةِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ

خود ذکر کروں ۹۴۔ پس وہ دونوں چل پڑے یہاں تک کہ جب وہ سوار ہوئے کشتی میں تو اس بندے نے اس میں شگاف کر دیا ۹۵

اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا اِمْرًا ﴿۷۱﴾ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ

موسیٰ بول اٹھے کیا تم نے اس لیے شگاف کیا ہے کہ اس کی سواریوں کو ڈبو دو یقیناً تم نے بہت برا کام کیا ہے۔ اس بندے نے کہا

اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ﴿۷۲﴾ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ وَ

کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ میں یہ طاقت نہیں کہ میری سنگت پر صبر کر سکیں۔ آپ نے (عذر خواہی کرتے ہوئے) کہا کہ نہ گرفت کرو مجھ پر میری

لَا تُرْهِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا ﴿۷۳﴾ فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰۤى اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ

بھول کی وجہ سے اور نہ سختی کرو مجھ پر میرے اس معاملہ میں بہت زیادہ ۹۶۔ پھر وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ جب وہ ملے ایک لڑکے کو تو اس نے

قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِیَّةًۢ بِغَیْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا نُّكْرًا ﴿۷۴﴾

اسے قتل کر ڈالا ۹۷۔ موسیٰ (غضبناک ہو کر) کہنے لگے کیا مار ڈالا آپ نے ایک معصوم جان کو کسی نفس کے بدلہ کے بغیر۔ بیشک آپ نے ایسا کام کیا ہے جو بہت ہی نازیبا ہے

۹۴۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے یقین دلایا کہ وہ ان کی کسی طرح نافرمانی نہیں کریں گے تو آپ نے فرمایا: جو واقعات رونما ہوں انہیں خاموشی سے دیکھتے چلے جائیے۔ لیکن ان کے متعلق استفسار نہ کیجیے۔ یہاں تک کہ میں خود ہی پردہ اٹھاؤں اور حقیقت حال سے آپ کو آگاہ کروں۔ باہمی طور پر یہ طے کرنے کے بعد اب سفر پر روانہ ہوتے ہیں۔

۹۵۔ پہلے کشتی کا واقعہ پیش آیا۔ جس کا ایک تختہ حضرت خضر نے توڑ کر رکھ دیا۔ اس پر حضرت موسیٰ کو یارائے سکوت نہ رہا اور فوراً اعتراض جڑ دیا کہ آپ نے کشتی میں سوراخ کر کے بڑی نازیبا حرکت کی ہے۔ شَیْـًٔا اِمْرًا اَیْ عَظِیْمًا مِنْ اَمِرَ الْاَمْرُ اِذَا عَظُمَ وَ قَالَ الْبَغَوِیُّ الْاِمْرُ فِیْ کَلَامِ الْعَرَبِ الدَّاهِیَةُ (1)۔ امر کا معنی عظیم ہے۔ جب کوئی کام برا ہو جائے تو عرب کہتے اَمِرَ الْاَمْرُ۔ علامہ بغوی نے کہا ہے کہ عربی لغت میں امر کا معنی "داهیة"، (خوفناک) ہے۔

۹۶۔ حضرت موسیٰ نے معذرت چاہی اور آئندہ کے لیے محتاط ہونے کا یقین دلایا۔ لَا تُرْهِقْنِیْ: کسی پر ایسا بوجھ لاد دینا جس کا اٹھانا اس کے لیے ازبس مشکل ہو وَقِیْلَ مَعْنَاهُ لَا تُكَلِّفْنِیْ مَشَقَّةً۔ (2)

۹۷۔ پھر قتل غلام کا واقعہ پیش آیا۔ ایک نابالغ بے گناہ بچے کو یوں قتل ہوتے دیکھ کر حضرت کلیم کو یارائے ضبط نہ رہا، اور لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا نُّكْرًا کے زوردار الفاظ سے احتجاج کر دیا۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 53، تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا
2۔ ایضاً، ج 6، ص 54

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۷۵﴾ قَالَ اِنْ

اس نے کہا کیا (پہلے ہی) میں نے کہہ نہ دیا تھا آپ کو کہ آپ میری معیت میں صبر نہیں کر سکیں گے ۹۸ آپ نے کہا اگر میں پوچھوں

سَاَلْتُكَ عَنْ شَیْءٍۭ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِیْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ

آپ سے کسی چیز کے بارے میں اس کے بعد تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں۔ آپ میری طرف سے

لَّدُنِّیْ عُذْرًا ﴿۷۶﴾ فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَیَاۤ اَهْلَ قَرْیَةِ ِۨاسْتَطْعَمَاۤ

معذور رہوں گے ۹۹ پھر وہ چل پڑے ۱۰۰ یہاں تک کہ جب اُن کا گزر ہوا گاؤں والوں کے پاس تو انھوں نے

اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ یُّضَیِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِیْهَا جِدَارًا یُّرِیْدُ اَنْ

ان سے کھانا طلب کیا تو انھوں نے (صاف) انکار کر دیا ان کی میزبانی کرنے سے پھر ان دونوں نے اس گاؤں میں ایک دیوار دیکھی جو

یَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَیْهِ اَجْرًا ﴿۷۷﴾ قَالَ

گرنے کے قریب تھی تو اس بندے نے اسے درست کر دیا۔ موسیٰ کہنے لگے اگر آپ چاہتے تو اس محنت پر مزدوری ہی لے لیتے۔ اس نے کہا

۹۸ حضرت خضر نے کہا: میں نے تو پہلے ہی آپ کو بتا دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر سے وقت بسر نہیں کر سکتے۔ اِس لیے آپ کا میرے ہمراہ جانا بے سُود ہو گا۔

۹۹ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا: اب ایک بار پھر جانے دو۔ اگر پھر بھی مجھ سے ایسی بے صبری صادر ہوئی تو آپ مجھے اپنی رفاقت سے محروم کر دیجیے۔ میں پھر اس جدائی پر آپ کو معذور پاؤں گا۔

۱۰۰ کچھ عرصہ پھر اکٹھے چلتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک گاؤں میں آئے جہاں کے باشندوں نے ان کی طلب کے باوجود ان کی مہمان نوازی کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ وہاں ایک دیوار جھکی ہوئی دکھائی دی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ ابھی گری ابھی گری۔ حضرت خضر نے دیکھا تو اس کی مرمت کر کے درست کر دیا اور کسی مزدوری کا مطالبہ بھی نہ کیا۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا: آپ بھی عجیب ہیں۔ گاؤں والوں نے تو اتنی بے مروّتی کا ثبوت دیا کہ ہمیں سوکھی روٹی تک نہ دی اور آپ ہیں کہ ان کی گرتی ہوئی دیوار کو بلا معاوضہ درست کرتے جا رہے ہیں۔

هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَأُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ

(بس سنگت ختم) اب میرے اور آپکے درمیان جدائی کا وقت آ گیا[۱۰۱] لئے میں آگاہ کرتا ہوں آپ کو ان باتوں کی حقیقت پر جن کے

عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٧٨﴾ اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ

متعلق آپ صبر نہ کرسکے۔ وہ جو کشتی تھی وہ چند غریبوں کی تھی جو (ملاحی کا) کام کرتے تھے دریا میں۔

فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ

سو میں نے ارادہ کیا کہ اسے عیب دار بنا دوں اور اسکی وجہ یہ تھی کہ ان کے آگے (جابر) بادشاہ تھا جو پکڑ لیا کرتا تھا ہر کشتی کو زبردستی

غَصْبًا ﴿٧٩﴾ وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا

سے۔ اور وہ جو لڑکا تھا تو (اس کی حقیقت یہ ہے کہ) اسکے والدین مومن تھے پس ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ (اگر زندہ رہا تو) مجبور

طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ﴿٨٠﴾ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّ

کردیگا انھیں سرکشی اور کفر پر۔ پس ہم نے چاہا کہ بدلہ دے انھیں ان کا رب ایسا بیٹا جو بہتر ہو اس سے پاکیزگی میں اور (ان پر)

اَقْرَبَ رُحْمًا ﴿٨١﴾ وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ

زیادہ مہربان ہو[۱۰۲] لئے باقی رہی دیوار (تو اسکی حقیقت یہ ہے کہ) وہ شہر کے دو یتیم بچوں کی تھی

وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ

اور اسکے نیچے انکا خزانہ (دفن) تھا اور ان کا باپ بڑا نیک شخص تھا[۱۰۳] لئے پس آپکے رب نے ارادہ فرمایا کہ وہ

۱۰۱۔ اب جب تیسری مرتبہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اعتراض کر دیا تو حضرت خضر نے فرمایا کہ اب میں اور آپ ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ آیئے رخصت کرنے سے پہلے آپ کو ان اسرارِ تکوینیہ پر آگاہ کردوں جن پر آپ سکوت اختیار نہ کرسکے۔ پھر آپ نے یکے بعد دیگرے تمام واقعات کی حقیقت آپ کے سامنے پیش کردی۔

۱۰۲۔ رُحْمٌ مصدر ہے رَحِمَ يَرْحَمُ رَحْمَةً وَّ مَرْحَمَةً وَّ رُحْمًا وَّ رُحُمًا: رَقَّ لَهٗ وَشَفَقَ عَلَيْهِ: مہربان ہونا، شفقت کرنا (منجد)(1)

۱۰۳۔ محمد بن منکدر سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ایک بندے کی صلاح وتقویٰ کی وجہ سے اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد اور

1۔ المنجد، ص 253

يَبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا

دونوں بچے اپنی جوانی کو پہنچیں اور نکال لیں اپنا دفینہ کھلے یہ (ان پر) ان کے رب کی خاص رحمت تھی اور (جو کچھ

فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ۭ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝٨٢

میں نے کیا) میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیا یہ حقیقت ہے ان امور کی جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔

اس کے خاندان کی نگہبانی فرماتا ہے۔ اور جب تک وہ نیک بندہ کسی مقام پر سکونت پذیر رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پڑوسیوں کی بھی حفاظت فرماتا ہے۔ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ مُنْكَدِرٍ اِنَّ اللّٰهَ يَحْفَظُ بِصَلَاحِ الْعَبْدِ وَلَدَهٗ وَوَلَدَ وَلَدِهٖ وَعِتْرَتَهٗ وَعَشِيْرَتَهٗ وَاَهْلَ دُوَيْرَاتٍ حَوْلَهٗ فِيْ حِفْظِ اللّٰهِ مَادَامَ فِيْهِمْ۔ (مظہری)(1)

ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک بندے کی سات پشتوں کی حفاظت کرتا ہے(2)۔ اِنَّ وَلِيِّۦَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ۔(3)

١٠٤ اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے ایک امر کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے۔ تین واقعات کے متعلق حضرت خضر نے جو توجیہات پیش کی ہیں ان میں سے پہلی توجیہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا میں نے یہ ارادہ کیا کہ کشتی کو عیب دار بنادوں۔ دوسری توجیہہ میں فرمایا فَاَرَدْنَا ہم نے یہ ارادہ کیا۔ اور تیسری میں فرمایا فَاَرَادَ رَبُّكَ آپ کے رب نے یہ ارادہ فرمایا۔ اسلوبِ بیان کے اس تفاوت کی وجہ کیا ہے؟

اس کے متعلق مختصراً گزارش یہ ہے کہ اگرچہ خیر وشر، نفع وضرر ہر چیز کا خالقِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے لیکن اہلِ ادب وعرفان کا طریقہ یہ ہے کہ خیر ونفع کا ذکر کرتے ہیں تو اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں اور جب شر اور ضرر کے ذکر کا موقع آتا ہے تو اس کی نسبت اپنی طرف کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ارشاد ہے وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۝٨٠ (4) جب میں بیمار ہوتا ہوں تو اللہ تعالیٰ مجھے شفا بخشتا ہے۔ بیماری کی اضافت اپنی طرف کی اور صحت کی اس کی طرف۔ حالانکہ بیمار کرنے والا بھی وہی ہے۔ اسی طرح یہاں کشتی توڑنے کی وجہ بتائی تو فَاَرَدْتُّ کہہ کر اس کی نسبت اپنی طرف کی۔ کیونکہ کشتی توڑنا مذموم ہے اور جب دیوار درست کرنے کی وجہ بتائی تو اس کی نسبت صرف اللہ تعالیٰ کی طرف کی فَاَرَادَ رَبُّكَ کیونکہ وہ خیر محض ہے۔ اور قتلِ غلام کے دو پہلو تھے، خیر اس لیے کہ اس کے والدین کو نافرمان بیٹے کے عوض میں نیک اولاد دی جارہی ہے۔ اور شر اس لیے کہ بظاہر ایک معصوم بچے کو قتل کیا جارہا ہے۔ اس لیے فَاَرَدْنَا جمع کا صیغہ استعمال کیا تاکہ خیر کے پہلو کی نسبت ذاتِ خداوندی کی طرف ہوجائے اور شر کا پہلو اپنی طرف منسوب کردیا۔ علامہ بدرالدین الزرکشی نے اسی توجیہ کو زیادہ پسند فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں:

لَمَّا اَرَادَ ذِكْرَ الْعَيْبِ لِلسَّفِيْنَةِ نَسَبَهٗ لِنَفْسِهٖ اَدَبًا مَعَ الرُّبُوْبِيَّةِ فَقَالَ اَرَدْتُّ وَلَمَّا كَانَ قَتْلُ الْغُلَامِ مُشْتَرَكَ الْحُكْمِ بَيْنَ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج6، ص60 2۔ ایضاً 3۔ اثر مقتبس از آیہ سورۂ اعراف:196 4۔ سورۃ الشعراء:80

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۭ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ؀ۭ

اور وہ دریافت کرتے ہیں آپ سے ذی القرنین کے متعلق ۱۰۵ فرمایئے میں ابھی بیان کرتا ہوں تمھارے سامنے اس کا حال۔

الْمَحْمُوْدِ وَالْمَذْمُوْمِ اسْتَتْبَعَ نَفْسَهٗ مَعَ الْحَقِّ فَقَالَ فِي الْاِخْبَارِ بِنُوْنِ الْاِسْتِتْبَاعِ لِيَكُوْنَ الْمَحْمُوْدُ مِنَ الْفِعْلِ وَهُوَ رَاحَةُ اَبَوَيْهِ الْمُؤْمِنَيْنِ مِنْ كُفْرِهٖ عَائِدًا عَلَى الْحَقِّ سُبْحٰنَهٗ وَالْمَذْمُوْمُ ظَاهِرًا وَهُوَ قَتْلُ الْغُلَامِ بِغَيْرِ حَقٍّ عَائِدًا اِلَيْهِ وَفِيْ اِقَامَةِ الْجِدَارِ كَانَ خَيْرًا مَّحْضًا فَنَسَبَهٗ لِلْحَقِّ فَقَالَ "فَاَرَادَ رَبُّكَ" ثُمَّ بَيَّنَ اَنَّ الْجَمِيْعَ مِنْ حَيْثُ الْعِلْمِ التَّوْحِيْدِيِّ مِنَ الْحَقِّ بِقَوْلِهٖ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ۔ (البرہان فی علوم القرآن لزرکشی جلد نمبر ۴ ص ۶۰) (1)

۱۰۵۔ یہود کی انگیخت پر مشرکینِ عرب نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو تین سوالات کیے تھے ان میں آخری سوال ذوالقرنین کے متعلق تھا۔ یہ رکوع تقریباً اسی سوال کے جواب پر مشتمل ہے۔ اس رکوع کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے چند امور کا تصفیہ ضروری ہے: (۱) ذوالقرنین کون تھا؟ (۲) اس کے تین جنگی سفر کن سمتوں میں تھے۔ اور ان سفروں کے نتائج کیا تھے؟ (۳) وہ سدّ کہاں ہے (دیوار یا بند) جو ذوالقرنین نے تعمیر کی تھی؟ (۴) یاجوج ماجوج سے مراد کون سی قوم ہے؟

کیونکہ سکندر مقدونی اپنی فتوحات کی وجہ سے عالمگیر شہرت حاصل کر چکا تھا اس لیے کئی مفسرین کا یہ خیال ہے کہ ذوالقرنین سے مراد سکندر ہے۔ لیکن آیاتِ قرآنی اس نظریہ کی تصدیق نہیں کرتیں۔ کیونکہ سکندر یونان کا باشندہ تھا اور اہلِ یونان سب بت پرست تھے۔ اور یہی مذہب سکندر کا تھا۔ حالانکہ قرآنِ کریم میں ذوالقرنین کے متعلق صراحتاً مذکور ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا تھا۔ اس کا اپنی رعایا اور اپنی مفتوحہ اقوام کے ساتھ جو سلوک تھا اس میں ایک سچے مومن کا جذبۂ شفقت و اخلاص صاف دکھائی دے رہا ہے۔ اس لیے قرآن میں مذکور ذوالقرنین سے سکندر مقدونی مراد نہیں ہوسکتا۔ یہ کہہ دینا کہ سکندر مسلمان تھا اس وقت تک قابلِ اعتناء نہیں جب تک یہ نہ ثابت کر دیا جائے کہ اس نے اپنے آبائی اور قومی مشرکانہ عقائد کو ترک کر کے توحید کا عقیدہ قبول کر لیا تھا۔ اس قسم کے اقوال کی وجہ سے دشمنانِ اسلام کو قرآن پر زبانِ طعن دراز کرنے کا موقع ملتا ہے اور وہ اس سے پورا پورا فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ علمائے اسلام کا یہ فرض ہے کہ اپنی تحقیقات اور تجسس سے قرآنِ کریم کے بیان کردہ واقعات کی ایسی وضاحت کریں کہ مخالف اپنا منہ لے کر رہ جائے۔

ذوالقرنین کے متعلق تحقیق کرتے ہوئے مولانا ابوالکلام آزاد رقمطراز ہیں کہ پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا قدیم کتابوں میں ذوالقرنین کا لفظ کہیں استعمال ہوا ہے اور اگر ہوا ہے تو ان کے نزدیک اس سے مراد کون ہے؟ پھر یہ دیکھنا ہے کہ اس ذوالقرنین میں وہ صفات پائی جاتی ہیں جو قرآنِ کریم نے ذکر کی ہیں؟ اور کیا وہ کارنامے اس سے صادر ہوئے جنہیں قرآن نے اس کی طرف منسوب کیا ہے؟ جیسے کہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ یہ سوال یہود کی طرف سے اہلِ مکہ کو سکھایا گیا تھا کہ وہ حضورؐ سے پوچھیں کہ ذوالقرنین کون ہے؟ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شخص یہود کے نزدیک اس لقب سے معروف تھا۔ اس کے متعلق ہمیں دانیال کی کتاب کے آٹھویں باب میں یہ آیتیں ملتی ہیں۔ حضرت دانیال اپنا خواب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

1۔ البرہان فی علوم القرآن، ج 4، ص 60

نقشہ: بسلسلہ قصہ ذوالقرنین

''تب میں نے آنکھ اٹھا کر نظر کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ دریا کے پاس ایک مینڈھا کھڑا ہے جس کے دو سینگ ہیں'' (1)۔اسی باب کی بیسویں آیت میں اس کی تعبیر ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

جو مینڈھا تو نے دیکھا اس کے دونوں سینگ مادی (میڈیا) اور فارس کے بادشاہ ہیں۔ اور وہ جسیم بکرا یونان کا بادشاہ ہے(2)۔اس سے معلوم ہوا کہ مادی (میڈیا) اور فارس کی مملکتوں کو دو سینگوں سے تشبیہ دی گئی ہے اور ان دونوں کے فرمانروا کو مینڈھے سے تشبیہ دی گی ہے۔

یہ اس زمانہ کا ذکر ہے جب بخت نصر نے ہیکل کو برباد کیا تھا۔ بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی۔ اور بنی اسرائیل کو قیدی بنا کر بابل لے آیا تھا اور ان کی جمعیت ختم کرنے کے لیے بھیڑ بکریوں کی طرح انہیں لوگوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ حضرت دانیال نبی بھی اسیروں میں تھے۔ آپ کو خواب میں بنی اسرائیل کی رہائی کی خوشخبری دی گئی تھی کہ دو سینگوں والا مینڈھا کھڑا ہے۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد سائرس (SERUS) فارس کا حکمران بنا اور اس نے کچھ عرصہ بعد میڈیا کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا اور اسی کے حکم سے بنی اسرائیل کو آزادی نصیب ہوئی اور اسی کی کوشش اور حکم سے ہیکل کی دوبارہ تعمیر ہوئی۔ جس طرح سورۂ بنی اسرائیل میں گزر چکا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں کہ پہلے تو یہ صرف گمان تھا کہ اس خواب کی وجہ سے یہود سائرس کو ذوالقرنین (سینگوں والا) کے لقب سے ذکر کرتے ہیں لیکن ۱۹۳۸ء کے ایک انکشاف نے اس قیاس کو ایک تاریخی حقیقت ثابت کر دیا اور معلوم ہو گیا کہ فی الحقیقت شہنشاہ سائرس کا لقب ذوالقرنین تھا اور یہ محض یہودیوں کا کوئی مذہبی تخیل نہ تھا بلکہ خود سائرس کا اور باشندگانِ فارس کا مجوزہ اور پسندیدہ نام تھا۔ یہ سائرس کی ایک سنگی تمثال ہے جو اصطخر کے کھنڈروں میں دستیاب ہوئی۔ اس میں سائرس کے دونوں طرف عقاب کے پر بھی ہیں اور سر پر مینڈھے کی طرح دو سینگ ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ میڈیا اور فارس کا شہنشاہ ہونے کے باعث سائرس ذوالقرنین کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔

اور ہو سکتا ہے کہ دانیال کے خواب سے ہی سائرس کو یہ لقب اختیار کرنے کا خیال پیدا ہوا ہو۔ کیونکہ فارس کے بادشاہوں کو بنی اسرائیل کے انبیاء سے بڑی عقیدت تھی۔ سائرس نے بابل کو فتح کیا تو بنی اسرائیل کی اسیری اور جلاوطنی کے دن ختم ہوئے۔ اور اس نے ان کو فلسطین واپس جانے اور ہیکل کو ازسرِ نو تعمیر کرنے کی اجازت دی اور ہیکل کے سونے چاندی کے جو برتن بخت نصر لوٹ کر لایا تھا اور انہیں اپنے خزانے کی زینت بنایا تھا سائرس نے حکم دیا کہ وہ بھی بنی اسرائیل کو واپس دیئے جائیں اور پہلے کی طرح ہیکل میں داخل کیے جائیں۔ سائرس کا بچپن بڑی گمنامی کی حالت میں گزرا۔ جنگلوں اور پہاڑوں میں سارا وقت بسر ہوا۔ قدرت نے گوشۂ گمنامی سے اٹھایا اور فارس کا تاجدار بنا دیا۔ تھوڑے عرصہ میں ہی اس نے سب سے بڑی اور مضبوط حکومت میڈیا کو مغلوب کر لیا۔ بابل کو اپنی قلمرو میں داخل کر لیا۔ جس سے اس کی شہرت بام عروج پر پہنچی اور اس کی عظمت سے دِل تھرانے لگے۔ یہ ہی وہ چیز ہے جسے قرآن نے اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ کے جامع الفاظ سے بیان فرمایا۔

1۔ کتاب مقدس، دانی ایل، باب: 8، آیت 3، ص 841 2۔ ایضاً، آیت 20، ص 842

اب ہمیں دیکھنا ہے کہ ذوالقرنین کی جن تین مہموں کا قرآن نے ذکر کیا ہے کیا ان کی راہنمائی سائرس نے کی؟ اس کی ایک مہم مغرب الشّمس کی طرف، دوسری مطلع الشّمس کی طرف، تیسری ایک ایسے مقام کی طرف جہاں کوئی وحشی قوم آباد تھی اور یاجوج و ماجوج آکر لوٹ مار مچایا کرتے تھے۔

سائرس کے مؤرخین بتاتے ہیں کہ جب اس نے میڈیا کو فتح کر کے اپنی سابقہ مملکت فارس کے ساتھ ملالی تو اس کے فوراً بعد ایشیائے کوچک کی ایک ریاست جولیڈیا کے نام سے مشہور تھی، اس کے بادشاہ کروسیس نے اس پر حملہ کر دیا۔ اور صلح کے تمام ان معاہدات کو بالائے طاق رکھ دیا جو کروسیس اور سائرس کے باپ کے درمیان ہوئے تھے۔ سائرس مقابلہ پر مجبور ہو گیا اور اپنے حریف کو جنگ میں شرمناک شکست دی اور لیڈیا کی ساری حکومت پر قابض ہو گیا۔ اب تمام ایشیائے کوچک بحرِ شام سے لے کر بحرِ اسود تک اس کے زیرِ نگین تھا۔ وہ برابر بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ مغربی ساحل پر پہنچ گیا۔ اس نے فارس سے لے کر لیڈیا تک چودہ سو میل کا فاصلہ طے کر لیا۔ لیکن سمندر نے اس کی پیش قدمی روک دی۔ اس نے بصد حسرت نگاہ اٹھا کر دیکھا تو حدِ نظر تک پانی ہی پانی تھا اور سورج اُس کی لہروں میں ڈوب رہا تھا۔ ایشیائے کوچک کا مغربی ساحل چھوٹی چھوٹی خلیجوں کا مجموعہ ہے۔ اور سمندر کم گہرا ہونے کی وجہ سے پانی گدلا ہے۔ اسی کو قرآن نے ان الفاظ سے بیان فرمایا وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ اگرچہ سورج تو اپنے آسمانی مدار میں متحرک رہتا ہے اور کہیں ڈوبتا نہیں لیکن سمندر کے کنارے کھڑے ہو کر غروبِ آفتاب کا نظارہ کرنے والے کو کیا یہ دکھائی نہیں دیتا کہ سورج آہستہ آہستہ پانی کی گہرائیوں میں غوطہ لگانے کے لیے نیچے اتر رہا ہے؟ جس قوم سے سائرس کو وہاں واسطہ پڑا تھا وہ قوم تھی جنہوں نے کروسیس کی سرکردگی میں اس پر حملہ کیا تھا اور اس کا تاج و تخت چھیننے کی کوشش کی تھی۔ وہ لوگ اس کے قبضہ میں تھے جس طرح چاہتا ان کے ساتھ برتاؤ کر سکتا تھا۔ لیکن سائرس کے مؤرّخین یک زبان ہو کر کہتے ہیں کہ اس نے قطعاً کسی پر زیادتی نہیں کی بلکہ اس نے اپنی حملہ آور فوج کو تاکیدی حکم دیا تھا کہ دشمن کے سپاہی کے سوا کسی پر ہاتھ نہ اٹھانا۔ اور اگر وہ بھی نیزہ جھکا دے تو اس سے بھی تعرض نہ کرنا۔ قرآن کے بیان سے بھی مورّخین کے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ لَهٗ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ خود مومن تھا اور نیک اعمال کا قدردان تھا۔

اس کی دوسری مہم مشرق کی جانب تھی جبکہ مملکت کے مشرقی اطراف میں بعض خانہ بدوش قبائل نے فتنہ وفساد کی آگ بھڑکا دی تو اس کو فرو کرنے کے لیے اسے مشرق کا رُخ کرنا پڑا۔ اور وہ بلخ اور باختر کے قبائل کی سرکوبی کے لیے بڑھا۔ سب کو مطیع بنایا۔ آگے پہاڑوں کا طویل اور اونچا سلسلہ تھا۔ اس کے باعث آگے بڑھنے کے لیے کوئی راستہ نہ تھا لَمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ باغی قبیلہ صحرانورد تھا۔ قلعوں اور محلات کا تو ذکر ہی کیا وہاں کوئی باقاعدہ بستی ہی نہ تھی جہاں مکانات تعمیر کیے جاتے اور ان میں رہائش کی جاتی۔ کبھی درختوں کے کسی جھنڈ کی آڑ میں وقت بسر کر لیا۔ کبھی کوئی معمولی سا خیمہ تان لیا۔ دھوپ وغیرہ سے بچنے کے لیے ان کے پاس کوئی معقول انتظام نہ تھا۔

تیسری مہم، اس مہم کے متعلق قرآن نے بتایا کہ ذوالقرنین دو پہاڑوں کے درمیانی درّہ تک پہنچا تو وہاں اسے ایک قوم ملی جو

ان کی بولی سمجھنے سے قاصر تھی۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سدین سے مقصود کا کیشیا کا پہاڑی درّہ ہے۔ اس کے داہنی طرف بحرِ خزر ہے جس نے شمال اور مشرق کی راہ روکی ہوئی ہے۔ بائیں جانب بحرِ اسود ہے جو شمال مغرب کے لیے قدرتی رکاوٹ ہے۔ درمیانی علاقہ میں اس کا سر بفلک سلسلۂ کوہ ایک قدرتی دیوار کا کام دے رہا ہے۔ اس درمیانی درّے کے علاوہ شمالی قبائل کے لیے اِدھر آنے کا کوئی راستہ نہیں تھا اور یقیناً یہیں سے یاجوج وماجوج آکران پر حملہ کرتے اور ان کے علاقہ کو تاخت وتاراج کیا کرتے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں دو پہاڑوں کے درمیان ایک سد (بند) تعمیر کر کے ان کا راستہ بند کر دیا گیا۔ جو لوگ اس علاقہ میں آباد تھے اور آئے دن یاجوج وماجوج کے حملوں سے ان کا امن برباد ہوتا رہتا تھا انہوں نے ہی سائرس سے التجا کی ہوگی کہ وہ انہیں اس بلائے بے درماں سے نجات دلائے۔

قرآنِ کریم کی تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ صرف مومن ہی نہ تھا بلکہ بڑا فیاض اور رعایا کا ہمدرد اور خیر خواہ بادشاہ بھی تھا۔ ہمیں اس کے ایمان کے متعلق مطمئن ہونے کے لیے کسی بڑی کدوکاوش کی ضرورت نہیں بلکہ انبیاء بنی اسرائیل کی پیشین گویاں ہی اس امر کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ وہ مومن تھا۔ حضرت دانیال کی پیشین گوئی تو آپ پڑھ آئے ہیں اب یسعیاہ نبی کی پیشین گوئی سنیے:

''جو خورس (سائرس) کے حق میں کہتا ہوں کہ وہ میرا چرواہا ہے اور میری مرضی بالکل پوری کرے گا اور یروشلم کی بابت کہتا ہوں کہ وہ تعمیر کیا جائے گا۔ اور ہیکل کی بابت کہ اس کی بنیاد ڈالی جائے گی''۔ (یسعیاہ باب ۴۴: آیت ۲۸) اسی کتاب کے باب ۴۵ کی پہلی آیت بھی ملاحظہ فرمایئے:

''خداوند اپنے ممسوح خورس کے حق میں یوں فرماتا ہے کہ میں نے اس کا داہنا ہاتھ پکڑا کہ امتوں کو اس کے سامنے زیر کروں۔ اور بادشاہوں کی کمریں کھلوا ڈالوں اور دروازوں کو اس کے لیے کھول دوں اور پھاٹک بند نہ کیے جائیں گے۔'' یاجوج اور ماجوج کا ذکر قرآنِ کریم میں دو بار آیا ہے۔ ایک یہاں اور دوسرا سورۃ الانبیاء میں۔ یورپ کی زبانوں میں انہیں (GOG AND MAGOG) کہا جاتا ہے یہ کونسی قوم تھی۔ تمام تاریخی قرائن متفقہ طور پر شہادت دیتے ہیں کہ اس سے مقصود صرف ایک ہی قوم ہوسکتی ہے یعنی شمال مشرقی میدانوں کے وہ وحشی اور طاقت ور قبائل جن کے مشرقی حملوں کی روک تھام کے لیے چین کے شہنشاہ شین ہوانگ ٹی کو وہ عظیم الشان دیوار بنانی پڑی۔ جو پندرہ سو میل تک چلی گئی ہے اور جو دیوارِ چین کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی تعمیر ۲۱۴ ق۔م میں شروع ہوئی اور دس برس میں ختم ہوئی۔ اس نے شمال اور مغرب کی طرف منگولین قبائل کے حملوں کی تمام راہیں مسدود کردیں۔ اِس لیے ان کے حملوں کا رُخ پھر وسطِ ایشیا کی طرف مڑ گیا۔ انہی کے حملوں کو روکنے کے لیے سائرس نے سد تعمیر کی۔ شمال مشرق کے اس علاقہ کا بڑا حصہ اب منگولیا کہلاتا ہے۔ لیکن چینی ذرائع سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا اصلی قدیم نام ''موگ'' ہے جو چھ سو برس ق۔م یونانیوں میں میگ اور میگاگ پکارا جاتا تھا۔ اور یہی لفظ عبرانی میں ماجوج ہوگیا۔

آخر میں ہمیں یہ تحقیق کرنا ہے کہ سائرس نے جو سد تعمیر کی تھی اس کا محل وقوع کہاں ہے؟ بحرِ خزر کے مغربی ساحل پر ایک

إِنَّا مَكَّنَّا لَهُ فِي الْأَرْضِ وَآتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿٨٤﴾ فَأَتْبَعَ

ہم نے اقتدار بخشا تھا اسے زمین میں ١٠٦ اور ہم نے دیا تھا اسے ہر چیز (تک رسائی حاصل کرنے) کا ساز و سامان۔ پس وہ

سَبَبًا ﴿٨٥﴾ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي

روانہ ہوا ایک راہ پر ١٠٧ یہاں تک کہ جب وہ غروبِ آفتاب کی جگہ پہنچا تو اس نے اسے یوں پایا گویا وہ ڈوب رہا ہے ایک سیاہ

عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ۗ قُلْنَا يَا ذَا الْقَرْنَيْنِ إِمَّا

کیچڑ کے چشمہ میں اور اس نے وہاں ایک قوم پائی۔ ہم نے کہا اے ذوالقرنین (تمہیں اختیار ہے) خواہ تم

قدیم شہر دربند آباد ہے۔ یہ ٹھیک اس مقام پر واقع ہے جہاں کاکیشیا کا سلسلۂ کوہ ختم ہوتا ہے اور بحرِ خزر سے مل جاتا ہے یہاں ایک دیوار ہے جس کا طول پچاس میل اور اونچائی انتیس فٹ اور موٹائی دس فٹ ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا)

اس مقام سے مغرب کی طرف درۂ دانیال جو دو بلند پہاڑیوں سے گھرا ہوا ہے۔ یہاں بھی قدیم زمانے سے ایک دیوار ہے اور اسے آہنی دروازہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے خیال کے مطابق آخری دیوار وہ ہے جو قرآن میں مذکور ہے۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ (یہ تفصیلات بیشتر مولانا ابوالکلام آزاد کی تفسیر ترجمان القرآن سے ماخوذ ہیں) (1)

١٠٦ یعنی اسے ملک میں تسلط بخشا اور با اختیار کیا۔ اسے علم، قدرت و آلات وغیرہ مرحمت فرمائے جن سے کام لے کر وہ ہر چیز تک رسائی حاصل کر سکتا تھا۔ اس آیت میں سَبَبًا کا معنی مَا يُوصَلُ إِلَيْهِ مِنَ الْعِلْمِ وَالْقُدْرَةِ وَالْآلَاتِ۔ (مظہری) (2)

١٠٧ یہ اس کی پہلی مہم کی طرف اشارہ ہے جو مغرب الشمس کی طرف تھی۔ جس میں وہ مغربی علاقہ کو فتح کرتا ہوا ایشیائے کوچک کے سمندر کے کنارہ تک جا پہنچا اور سمندر حائل ہونے کی وجہ سے آگے نہ بڑھ سکا۔ حَمِئَةٍ: سیاہ کیچڑ۔ جہاں پانی کم ہو وہاں کا کیچڑ سیاہ اور پانی گدلا ہوتا ہے۔ اس سے بحرِ اسود کے خلیج نما ساحل کی طرف اشارہ ہے۔ اس آیت میں سَبَبًا کا معنی راستہ ہے۔ سَبَبًا يَعْنِي الطَّرِيْقَ۔ (مظہری) (3)

1۔ دیکھئے ترجمان القرآن، ج 2، ص 399 تا 430 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 63 3۔ ایضاً

اَنْ تُعَذِّبَ وَ اِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ﴿۸۶﴾ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ

انھیں سزا دو خواہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۱۰۸ ذوالقرنین نے کہا جس نے ظلم (کفر وفسق) کیا

فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸۷﴾ وَ اَمَّا

تو ہم ضرور اسے سزا دیں گے پھر اسے لوٹا دیا جائیگا اسکے رب کیطرف تو وہ اسے عذاب دیگا بڑا ہی سخت عذاب۔ اور جو شخص

مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨ الْحُسْنٰى ۚ وَ سَنَقُوْلُ لَهٗ

ایمان لایا اور اچھے عمل کیے تو اس کے لیے اچھا معاوضہ ہے۱۰۹ اور ہم اسے حکم دیں گے ایسے احکام

مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ﴿۸۸﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۹﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ

بجالانے کا جو آسان ہونگے۔ پھر وہ روانہ ہوا دوسرے راستہ پر ۱۱۰ یہاں تک کہ جب وہ پہنچا طلوع آفتاب کے مقام پر تو اس نے

وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿۹۰﴾ لا

پایا سورج کو کہ وہ طلوع ہو رہا ہے ایسی قوم پر کہ نہیں بنائی ہم نے انکے لیے سورج (کی گرمی) سے بچنے کی آڑ ۱۱۱

۱۰۸ اگر وہ نبی تھا جیسے بعض کا خیال ہے تو یہ ارشاد بذریعہ وحی ہوگا ورنہ کسی دوسرے نبی کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے اجازت مرحمت کی جارہی ہے (1) کہ اس مفتوحہ قوم سے جو مناسب برتاؤ چاہے کرے۔

۱۰۹ اس نے اپنی نیک نفسی کی وجہ سے ان کے پہلے تمام قصوروں کو معاف کر دیا اور آئندہ کے لیے انہیں متنبہ کر دیا۔ اس کے اس کردار سے بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ سکندر رومی نہ تھا۔ کیونکہ سکندر کے متعلق انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا کے مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ اس نے اپنے باپ فلپ کے مرنے کے بعد اپنے معصوم، ننھے، سوتیلے بھائی کو جو قلوپطرا کے بطن سے تھا قتل کرا دیا اور اسی طرح اپنے چچازاد بھائی منٹاس کو بھی اس نے مروا ڈالا تھا(2)۔ نیز اس کے متعلق یہ بھی گمان کیا جاتا ہے کہ اس کے باپ کے قتل میں بھی اس کا ہاتھ تھا۔ جلد نمبر (۱) ص (۵٦۷)

ایسے شخص سے ایسے بلند کردار کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

۱۱۰ یہاں سے اس کی دوسری مہم جو مطلع الشمس کی طرف تھی کا بیان ہے۔

۱۱۱ خانہ بدوش قوم جس نے اپنے لیے مکانات وغیرہ بنانے کی زحمت تک گوارا نہیں کی تھی۔ یعنی تہذیب وتمدن سے بالکل بیگانے اور اپنی وحشی زندگی پر مطمئن بلکہ مسرور۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 11، ص 52 2۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا، ج 1، ص 567

كَذٰلِكَ ۭ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿۹۱﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾ حَتّٰٓى

بات یونہی ہے۔ اور ہم نے احاطہ کر رکھا ہے ہر اس چیز کا جو اس کے پاس تھی اپنے علم سے۔ پھر وہ روانہ ہوا ایک اور راہ پر ۱۱۲۔ یہاں تک کہ

اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ

جب وہ پہنچا دو پہاڑوں کے درمیان تو پایا اس نے ان پہاڑوں کے پیچھے ایک قوم کو جو نہیں سمجھ سکتے تھے (ان کی)

يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿۹۳﴾ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ

کوئی بات۔ انھوں نے کہا اے ذوالقرنین! یاجوج اور ماجوج نے

مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓي اَنْ

بڑا فساد برپا کر رکھا ہے اس علاقہ میں ۱۱۳ تو کیا ہم مقرر کر دیں آپ کے لیے کچھ خراج تاکہ آپ بنا دیں ہمارے

تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿۹۴﴾ قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ

درمیان اور ان کے درمیان ایک بلند دیوار۔ وہ بولا وہ دولت جس میں میرے رب نے مجھے اختیار دیا ہے وہ بہتر ہے ۱۱۴

بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿۹۵﴾ ۙ اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ۭ حَتّٰٓى

پس تم میری مدد کرو جسمانی مشقت سے میں بنا دوں گا تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط آڑ۔ تم لے آؤ میرے پاس لوہے کی چادریں (چنانچہ کام

۱۱۲ تیسری مہم کا ذکر ہے۔ سَد ہر اُس چیز کو کہتے ہیں جو دو چیزوں کے درمیان آڑ کا کام دے۔ اسی مناسبت سے پہاڑ کو بھی سَد کہتے ہیں۔ اَلسَّدُّ: اَلْحَاجِزُ بَيْنَ الشَّيْئَيْنِ اَلْجَبَلُ (منجد) (1)

۱۱۳ وہاں کے لوگوں نے ذوالقرنین کو اپنی داستانِ غم سنائی اور اسے بتایا کہ یہ وحشی اور درندہ صفت قبائل آئے دن ان کی مٹی پلید کرتے رہتے ہیں۔ انہوں نے بادشاہ کے سامنے ایک مضبوط دیوار بنانے کی درخواست کی اور ہر طرح مالی امداد دینے کا وعدہ کیا۔

۱۱۴ اس کی عالی ظرفی کا ایک اور ثبوت ملاحظہ فرمائیے۔ اس نے ان لوگوں کو کہا: مجھے تمہاری مالی امداد کی ضرورت نہیں۔ مجھے میرے رب نے بہت کچھ عطا فرمایا ہے۔ ہاں جو جسمانی کام تم کر سکتے ہو وہ ضرور کرو۔ خَرْج اور خَرَاج ہم معنی ہیں۔ رَدْمًا: مضبوط دیوار کو کہتے ہیں۔ (2)

1۔ المنجد، ص 326
2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 68

اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ

شروع ہوگیا) یہاں تک کہ جب ہموار کردیا گیا وہ خلا ١١٥ جو دو پہاڑوں کے درمیان تھا تو اس نے حکم دیا دھونکو یہاں تک کہ جب وہ لوہا آگ بنا دیا

قَالَ اٰتُوْنِيْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ۝ؔ96 فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَ

تو اس نے کہا اے آؤ میرے پاس پگھلا ہوا تانبا کہ میں اسے اس پگھلے ہوئے لوہے پر انڈیلوں۔ سو یاجوج ماجوج بڑی کوشش کے باوجود اسے

مَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ۝ؔ97 قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَاۗءَ

سر کرسکے اور نہ ہی اس میں سوراخ کرسکے ١١٦ ذوالقرنین نے کہا یہ میرے رب کی رحمت ہے (کہ اس نے مجھے یہ توفیق بخشی) اور جب آجائیگا

وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّاۗءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ۝ؔ98 ۭ وَتَرَكْنَا

میرے رب کا وعدہ تو وہ اسے ریزہ ریزہ کردے گا۔ اور میرے رب کا وعدہ (ہمیشہ) سچا ہوا کرتا ہے اور ہم واگزار کردیں گے

بَعْضَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ

بعض کو اس دن کہ وہ (تند موجوں کی طرح) دوسروں میں گھس جائیں گے اور صور پھونکا جائیگا تو ہم سب کو اکٹھا کر

جَمْعًا ۝ؔ99 ۙ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَىِٕذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضَا ۝ؔ100 ۙ الَّذِيْنَ

دیں گے۔ اور ہم ظاہر کردینگے جہنّم کو اُس دن کفّار کے لیے بالکل عیاں۔ وہ کافر

١١٥ ان دو پہاڑوں کے درمیان جو درّہ تھا اس میں لوہے کی چادریں بھردی گئیں۔ پھر اس پر آگ جلائی گئی یہاں تک کہ وہ لوہا پگھل گیا پھر اس پر تانبا پگھلا کر ڈال دیا گیا۔ چنانچہ لوہے اور تانبے کی ایک ایسی دیوار بن گئی جس کو گرادینا یا اس کو پھاندنا یا اس میں نقب لگانا ان کے لیے ناممکن ہوگیا۔ صدف کا معنی ہے بلند اور مضبوط عمارت۔ قَالَ اَبُوْ عُبَيْدٍ: اَلصَّدَفُ كُلُّ بِنَاءٍ عَظِيْمٍ مُّرْتَفِعٍ (قرطبی) (1) یہاں صدفین سے دو پہاڑ مراد ہیں جن کے درمیان خلاء ہو۔ قِطْرٌ کا معنی ہے پگھلا ہوا تانبا۔ وَالْقِطْرُ عِنْدَ اَكْثَرِ الْمُفَسِّرِيْنَ النُّحَاسُ الْمُذَابُ وَقَالَ فِرْقَةٌ اَلْحَدِيْدُ الْمُذَابُ وَقِيْلَ الرَّصَاصُ الْمُذَابُ (قرطبی) (2)

١١٦ ذوالقرنین نے ان کی خواہش کے مطابق ایسی مضبوط اور بلند دیوار تعمیر کردی جس کو عبور کرنا یاجوج ماجوج کیلئے مشکل ہو گیا۔ انہوں نے اس کو پھاندنے یا اس کو گرانے کے جتنے جتن کیے اس میں کامیاب نہ ہوسکے۔ آخر میں اس حقیقت کی طرف انہیں توجہ دلائی کہ یہ دیوار اسی وقت تک تمہیں ان وحشیوں کی دست برد سے بچا سکتی ہے جب تک اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوگی اور

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 61 2۔ ایضاً، جز 11، ص 62

كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِىْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِىْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

جن کی آنکھوں پر پردے پڑے تھے میری یاد سے اور جو (کلمۂ حق) سن بھی نہیں سکتے

سَمْعًا ﴿۱۰۱﴾ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِىْ مِنْ

تھے کیا گمان کرتے ہیں کفار کہ وہ بنا لیں گے میرے بندوں کو میرے بغیر

دُوْنِىْٓ اَوْلِيَآءَ ؕ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ﴿۱۰۲﴾ قُلْ هَلْ

اپنا حمایتی ہے۱۱۷ (یہ ناممکن ہے) بیشک ہم نے تیار کر رکھا ہے جہنم کو کفار کی رہائش کے لیے۔ فرمایئے اے لوگو! کیا

نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ﴿۱۰۳﴾ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِى

ہم مطلع کریں تمھیں ان لوگوں پر جو اعمال کے لحاظ سے گھاٹے میں ہیں ۱۱۸ یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری جدّوجہد دنیوی زندگی کی

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾ اُولٰٓئِكَ

آرائش میں کھو کر رہ گئی۔ اور وہ یہ خیال کر رہے ہیں کہ وہ کوئی بڑا عمدہ کام کر رہے ہیں ۱۱۹ یہی وہ (بدنصیب)

جب اس کے نزدیک اس کی میعاد ختم ہو گئی اور ان کے خروج کا وقت آ گیا تو یہ مضبوط دیوار ریزہ ریزہ ہو جائے گی۔

۱۱۷ جو معبودِ برحق کو چھوڑ کر کسی اور کو رب بناتے ہیں ان سے بڑھ کر ناسمجھ اور بدبخت اور کون ہو سکتا ہے؟

۱۱۸ کیا تم یہ دریافت کرنا چاہتے ہو کہ اعمال کے لحاظ سے سب سے زیادہ خسارہ اور نقصان میں کون لوگ ہیں؟ آؤ میں تمہیں بتاتا ہوں۔ وہ لوگ جو دن رات دنیا کے حصول کے لیے مارے مارے پھرتے ہیں، ان کی زندگی کا بس ایک ہی مقصد ہے کہ زیادہ سے زیادہ دولت جمع کی جائے۔ مکانات و محلات تعمیر کیے جائیں۔ دنیا میں مناصبِ عالیہ پر فائز ہوں، انہیں کبھی اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے کا خیال ہی نہیں آیا۔ انہیں اپنی موت کو یاد کرنے کی کبھی فرصت ہی نہیں ملی۔ ضَلَّ سَعْيُهُمْ کے الفاظ کتنے معنی خیز ہیں کہ ان کی توانائی کا ایک ایک قطرہ متاعِ دنیا کے حصول میں ضائع ہو کر رہ گیا ہے۔ اور اس کشاکش میں وہ تھک کر چور ہو گئے ہیں۔ اُخروی سعادت کے حصول کے لیے ان میں اب ذرا ہمت نہیں۔ خود غور فرمایئے طالبانِ دنیا کا یہ کتنا صحیح نقشہ ہے۔

۱۱۹ اس کے باوجود انہیں اپنے کیے پر کوئی ندامت نہیں بلکہ اپنی قابلیت پر نازاں ہیں اور اپنی جدوجہد کے ان نتائج پر بالکل مطمئن ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یاد سے روگردانی کر کے جو نقصانِ عظیم انہوں نے اٹھایا اس کا انہیں احساس تک بھی نہیں رہا۔

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ

جنھوں نے انکار کیا اپنے رب کی آیتوں کا اور اس کی ملاقات کا ۱۲۰ تو ضائع ہو گئے انکے اعمال ۱۲۱ تو ہم ان کے اعمال

لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۝۱۰۵ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا

تولنے کے لیے روزِ قیامت کوئی ترازو نصب نہیں کرینگے۔ یہ ہے ان کی جزاء جہنم۔ اس وجہ سے کہ انھوں نے

وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ۝۱۰۶ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

کفر کیا اور میری آیتوں اور رسولوں کو مذاق بنا لیا۔ یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل (بھی) کرتے رہے

كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝۱۰۷ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ

تو فردوس کے باغات ان کی رہائش گاہ ہونگے ۱۲۲ وہ ہمیشہ رہیں گے ان میں (اور) نہیں چاہیں گے کہ

۱۲۰ آخرت کی فکر تو یہ تب کرتے اگر اخروی زندگی پر ان کا ایمان ہوتا۔ انہوں نے تو اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے ہی انکار کر دیا ہے کہ ایک روز ان کی ملاقات اپنے رب سے ہونے والی ہے۔ اور اُن سے اُن کے اعمال کا محاسبہ کیا جائے گا۔

۱۲۱ ان کے اعمال ضائع ہو گئے۔ قیامت کے دن جب وہ پا بجولاں پیش کیے جائیں گے تو ان کے دفترِ عمل میں کوئی ایسی نیکی نہیں ہوگی جس کا وزن کیا جاسکے۔ اس کا یہ معنی بھی کیا گیا ہے کہ بڑے فربہ اور جسیم دنیادار مٹکتے مٹکتے آئیں گے (1) اور وہ اس غلط فہمی کا شکار ہوں گے کہ آج کے دن بھی وہ سرخرو ہوں گے اور معزز و محترم قرار پائیں گے لیکن جب ان کو تولنے کے لیے ایک پلڑے میں رکھا جائے گا تو ان کی بے مائیگی ظاہر ہو جائے گی۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ طاقت ور سخت مزاج اور پیٹو کو جب میزان میں رکھا جائے گا تو اس کا وزن جو کے برابر بھی نہیں ہوگا عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّهٗ قَالَ الْقَوِیُّ الشَّدِیْدُ الْاَکُوْلُ یُوْضَعُ فِی الْمِیْزَانِ فَلَا یَزِنُ شَعِیْرًا (2)۔ وزن کا معنی یہاں میزان بھی لیا گیا ہے یعنی ہم ان کے اعمال تولنے کے لیے کوئی ترازو نصب نہیں کریں گے اَوِ الْمَعْنٰی لَا نَضَعُ لَهُمْ مِیْزَانًا یُوْزَنُ بِهٖ اَعْمَالُهُمْ لِانْحِبَاطِهَا۔ (مظہری) (3)

۱۲۲ ان کے برعکس اہلِ ایمان جن کا صحیفۂ عمل حسنات و طاعات سے جگمگا رہا ہوگا ان کی میزبانی کے لیے جنت الفردوس کو آراستہ کیا جائے گا۔ وہاں انہیں رہنے کے لیے ایسے محلات دیئے جائیں گے جہاں سے وہ نکالے نہیں جائیں گے بلکہ وہ ہمیشہ وہاں کی لذت و سرور سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے۔ نُزُلًا کا معنی مہمان کی تواضع کے لیے جو کھانا تیار کیا جاتا ہے اُسے نُزُل کہا جاتا ہے لیکن اس کا ایک دوسرا معنی منزل بھی ہے اور یہاں یہی زیادہ مناسب ہے۔ اَلنُّزُلُ بِضَمَّتَیْنِ الْمَنْزِلُ عَنِ الزَّجَّاجِ وَالنُّزُلُ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 73 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

عَنْهَا حِوَلًا ﴿۱۰۸﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ

وہ اس جگہ کو بدل لیں۔ (اے حبیب!) آپ فرمایئے کہ اگر ہو جائے سمندر روشنائی میرے رب کے کلمات (لکھنے کیلئے) تو ختم ہو جائیگا

قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا

سمندر اس سے پیشتر کہ ختم ہوں میرے رب کے کلمات ۱۲۳؎ اور اگر ہم لے آئیں اتنی اور روشنائی اسکی مدد کو (تب بھی ختم نہ ہونگے) (اے پیکر رعنائی و

بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ

زیبائی!) آپ فرمایئے کہ میں بشر ہی ہوں ۱۲۴؎ اے تمہاری طرح ۱۲۵؎ اے وحی کیجاتی ہے میری طرف کہ تمہارا خدا صرف اللہ وحدہ ہے۔ پس جو شخص امید

اَيْضًا مَاهُيِّئَ لِلضَّيْفِ۔(1)

۱۲۳؎ اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت کی آیات بینات کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی بے پایانی کا مفہوم ذہن نشین کرانے کے لیے کتنا مؤثر اسلوب اختیار کیا گیا ہے کہ سارے سمندر اگر سیاہی بن جائیں اور اس سیاہی سے اس کی قدرت وحکمت کی آیات کو لکھنا شروع کیا جائے تو سارے سمندر خشک ہو جائیں گے لیکن ان آیات کا احاطہ نہیں ہو سکے گا بلکہ اگر مزید سات سمندر سیاہی بنا دیئے جائیں تب بھی یہ مضمون تشنہ ہی رہے گا۔ دانائے شیراز رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی حد تک خوب فرمایا ہے۔

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم (2)

۱۲۴؎ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بے ہمتا کا ادراک انسان کے بس کا روگ نہیں۔ نہ اس کے ظاہری حواس میں یہ تاب ہے اور نہ اس کے باطنی حواس میں یہ قوت ہے کہ اس کی حقیقت کو پہچان سکیں۔ عقلِ انسانی اپنی ترکتازیوں اور بلند پروازیوں کے باوجود اس کی عظمتوں کے سامنے سرنگوں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا بجز اس کے اور کوئی طریقہ نہیں کہ ان آیاتِ بینات میں غور وفکر کیا جائے جہاں اس کی قدرت، عظمت، حکمت وکبریائی کے جلوے چمک رہے ہیں۔ ان آیات میں جہاں پانی کا قطرہ، ریت کا ذرّہ، درخت کا پتہ، زمین کی رنگین وسعتیں، آسمانوں کی ہوشربا رفعتیں، مہر وماہ کی خیرہ کن ضیاپاشیاں ہیں وہاں نبی کی ذات بھی ایک ایسا آئینہ ہوتی ہے جہاں دیدۂ بینا کو قدرتِ الٰہی کے ایسے جلوے نظر آتے ہیں جو اور کہیں دکھائی نہیں دیتے۔ خصوصاً وہ ذاتِ اقدس واطہر جو تجلّیاتِ احسانیہ اور انوارِ رحمانیہ کی ایسی تجلی گاہ ہے کہ عرشِ عظیم کو بھی اس سے کوئی نسبت نہیں۔ جس کسی کے نیاز آگیں دل اور محبت بھری آنکھوں نے حُسنِ مصطفوی کو جتنا جانا، جس قدر پہچانا اور جس قدر چاہا اتنا ہی اسے عرفانِ خداوندی نصیب ہوا۔

لیکن ہر انسان کا مزاج یکساں نہیں ہوتا۔ بعض لوگ اتنے اکھڑ اور بد دماغ ہوتے ہیں کہ وہ حسن وجمال کے ان پیکروں

1۔ تاج العروس، ج 8، ص 133
2۔ گلستانِ سعدی، مقدمہ، ص 8

کے لیے اپنے دل میں قطعاً کوئی کشش محسوس نہیں کرتے بلکہ ان سے نفرت کرتے ہیں۔ اور انہیں حقارت کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ ان کے برعکس بعض طبیعتیں اتنی غلط اندیش اور ان کی عقلیں اتنی اوندھی ہوتی ہیں کہ جہاں کہیں کمال کی ذرا سی جھلک دیکھی اسے اپنا معبود اور خدا بنا لیا اور اس کے سامنے سربسجود ہو گئے۔ یہودیوں نے حضرت عزیر کو فقط اس لیے خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا کہ انہیں تورات نوک برزبان تھی۔ حضرت عیسیٰؑ نے چند معجزات دکھائے تو لوگوں نے انہیں کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا۔ اس غلط فہمی کا سدِ باب کرنے کے لیے ہر نبی نے جہاں اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دی اور اس کی صداقت ثابت کرنے کے لیے اپنے خداداد کمال کا اظہار فرمایا وہاں کھلے اور واضح انداز میں یہ تصریح بھی کر دی کہ وہ بایں ہمہ کمال وخوبی خدا نہیں بلکہ خدا کے بندے ہیں۔ خالق نہیں بلکہ مخلوق ہیں۔ معبود نہیں بلکہ عابد ہیں۔ جب جزوی کمالات سے ایسی غلط فہمیاں پیدا ہوں جن کی گرفت میں آج بھی بے شمار لوگ پھڑک رہے ہیں تو وہ ذاتِ اقدس جو جمال وکمال کا مظہرِ اتم بنائی گئی اس کے متعلق طرح طرح کی غلط فہمیوں کا پیدا ہونا بعید از قیاس نہ تھا۔ اس لیے ضروری ہوا کہ اس غلط فہمی کے سارے امکانات ختم کر دیئے جائیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو تمام کمالات سے علی وجہ الاتم متصف کرنے کے باوجود اس آیت میں یہ اعلان کرنے کا حکم دیا قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔

علمائے سلف نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اظہارِ تواضع کے لیے یہ اعلان کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ اس فتنے کو روزِ اول سے ہی ختم کر دیا جائے۔ علامہ ثناء اللہ پانی پتی حضرت ابنِ عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ عَلَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَزَّوَجَلَّ رَسُوْلَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّوَاضُعَ لِئَلَّا يَزْهٰى عَلٰى خَلْقِهٖ ۔۔۔۔ قُلْتُ فِيْهِ سَدٌّ لِبَابِ الْفِتْنَةِ افْتُتِنَ بِهَا النَّصَارٰى حِيْنَ رَاَوْا عِيْسٰى يُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَيُحْيِى الْمَوْتٰى وَقَدْ اَعْطَى اللّٰهُ تَعَالٰى لِنَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمُعْجِزَاتِ اَضْعَافَ مَا اَعْطٰى عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاَمَرَهٗ بِاِقْرَارِ الْعُبُوْدِيَّةِ وَتَوْحِيْدِ الْبَارِىْ لَا شَرِيْكَ لَهٗ۔ (1)

صاحبِ کمال کا اظہارِ تواضع بھی اس کا کمال ہوتا ہے لیکن بعض کج فہم اور حقیقت ناشناس لوگ اس آیت کو کمالاتِ نبوت کے انکار کی دلیل بناتے ہیں۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں نبی مکرم رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شانِ رفیع کے متعلق کچھ بتایا جائے۔

ایک روز صحابہ کرام نے عرض کی: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَتٰى وَجَبَتْ لَكَ النُّبُوَّةُ حضور آپ کو خلعتِ نبوت سے کب سرفراز فرمایا گیا؟ حضور نے جواب میں ارشاد فرمایا: وَاٰدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ مجھے اس وقت شرفِ نبوت سے مشرف کیا گیا جب کہ آدم علیہ السلام کی نہ ابھی روح بنی تھی اور نہ جسم (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهٗ وَقَالَ اِنَّهٗ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ) (2) نبوت صفت ہے اور موصوف کا صفت سے پہلے پایا جانا ضروری ہے۔ اب خود ہی فیصلہ فرمائیے جو موصوف اپنی صفتِ نبوت سے متصف ہو کر آدم علیہ السلام سے پہلے موجود تھا اس کی حقیقت کیا تھی؟ ابنِ تیمیہ وغیرہ نے یہ کہا ہے کہ كُنْتُ نَبِيًّا وَّاٰدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ اور كُنْتُ نَبِيًّا وَّلَا اٰدَمَ وَلَا مَاءَ وَلَا طِيْنَ لَا اَصْلَ لَهُمَا۔ (3) کہ ان دو حدیثوں کی کوئی اصل نہیں ہے۔ علامہ خفاجی ابنِ تیمیہ کا رد کرتے

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 76
2۔ جامع ترمذی، ابواب المناقب، باب ماجاء فی فضل النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج 2، ص 201
3۔ شرح الشفاء للشہاب، ج 2، ص 216، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ

ہوئے لکھتے ہیں کہ ان حدیثوں کو موضوع یا بے اصل کہنا درست نہیں کیونکہ امام ترمذی کی روایت کردہ حدیث بلاشبہ صحیح ہے۔ اور یہ دونوں روایتیں اس کی ہم معنی ہیں۔ اس لیے ان کو موضوع کہنا کیونکر درست ہو سکتا ہے جبکہ روایت بالمعنی محدثین کے نزدیک جائز ہے۔ اس حدیث کا یہ مطلب بھی نہیں کہ میں تخلیقِ آدم سے پہلے علمِ الٰہی میں نبی تھا۔ کیونکہ اس میں پھر حضورؐ کی کوئی خصوصیت نہ ہوگی بلکہ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح سے پہلے اپنے حبیب کی روح کو پیدا فرمایا۔ اور اسی وقت خلعتِ نبوت سے سرفراز کیا اور ملاء اعلیٰ کو اس حقیقت پر آگاہ کر دیا بَلْ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ رُوْحَهٗ قَبْلَ سَائِرِ الْاَرْوَاحِ وَخَلَعَ عَلَيْهَا خِلْعَةَ التَّشْرِيْفِ بِالنُّبُوَّةِ اِعْلَامًا لِّلْمَلَاِ الْاَعْلٰى بِهٖ (1)۔ چنانچہ ایک دوسری روایت میں ہے يُسَبِّحُ ذٰلِكَ النُّوْرُ وَتُسَبِّحُ الْمَلَائِكَةُ بِتَسْبِيْحِهٖ (2) کہ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہتا اور سارے فرشتے حضورؐ کی تسبیح سن کر اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

گر نہ خورشیدِ جمالِ یار گشتے راہ نموں ۔۔۔ از شبِ تاریک غفلت کس نبردے راہ بروں

ابنِ قطان نے اپنی کتاب ''الاحکام'' میں حضرت امام علی زین العابدین سے انہوں نے اپنے پدرِ بزرگوار حضرت سیدنا امام حسین سے انہوں نے ان کے جدامجد حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی نقل کیا ہے۔ قَالَ: كُنْتُ نُوْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَبِّيْ قَبْلَ خَلْقِ اٰدَمَ بِاَرْبَعَةَ عَشَرَ اَلْفَ عَامٍ (3) یعنی میں نور تھا اور آدم علیہ السلام کی آفرینش سے چودہ ہزار سال پہلے اپنے رب کریم کے حریمِ ناز میں باریاب تھا۔

اِس حدیث کے آخری تین راوی آئمہ اہلِ بیت سے ہیں۔ ان کا علم وفہم اور تقویٰ کسی کی توثیق کا محتاج نہیں۔ البتہ ابنِ قطان کے متعلق علمائے جرح وتعدیل کی رائے بیان کرنا ضروری ہے تاکہ حدیث کی صحت کے متعلق کسی کو شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے۔ علامہ زرقانی ان کے متعلق لکھتے ہیں اَلْحَافِظُ النَّاقِدُ اَبُو الْحَسَنِ عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدِ ابْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ الْحِمْيَرِيُّ۔ كَانَ مِنْ اَبْصَرِ النَّاسِ بِصَنَاعَةِ الْحَدِيْثِ وَ اَحْفَظِهِمْ لِاَسْمَاءِ رِجَالِهٖ وَاَشَدِّهِمْ عِنَايَةً فِي الرِّوَايَةِ مَعْرُوْفًا بِالْحِفْظِ وَالْاِتْقَانِ (زرقانی علی المواہب اللدنیہ جلد اوّل ص ۴۸) (4)

یہ حافظ اور نقادِ حدیث تھے۔ ان کا نام ابو الحسن علی بن محمد ہے۔ فنِ حدیث میں ان کی بصیرت اپنے ہم عصر لوگوں سے زیادہ تھی۔ وہ اسماء الرجال کے حافظ تھے۔ روایت میں وہ انتہا درجہ کی احتیاط برتا کرتے۔ وہ اپنے حفظ اور اتقان کے باعث مشہور ومعروف تھے۔

حضرت جابر نے حضور فخرِ موجودات علیہ افضل الصلوٰۃ واطیب التحیات سے پوچھا: یارسول اللہ! بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ اَخْبِرْنِيْ عَنْ اَوَّلِ شَيْءٍ خَلَقَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى قَبْلَ الْاَشْيَاءِ قَالَ يَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْيَاءِ نُوْرَ نَبِيِّكَ (5)۔ (رواہ عبد الرزاق بسندہ) یعنی حضرت جابر نے عرض کی: یارسول اللہ! میرے ماں باپ حضور پر قربان ہوں۔ مجھے یہ بتائیے کہ اللہ

1۔ شرح الشفاء للشہاب، ج2، ص216، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ
2۔ شرح زرقانی علی المواہب اللدنیہ از محمد بن عبد الباقی بن یوسف الزرقانی، متوفی 1122ھ، ج1، ص96، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت
3۔ شرح زرقانی علی المواہب اللدنیہ، ج1، ص95
4۔ ایضاً، ج1، ص94
5۔ شرح زرقانی علی المواہب اللدنیہ، ج1، ص89، نشر الطیب، ص6، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور

تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے کون سی چیز پیدا کی؟ حضورؐ نے فرمایا: اے جابر اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے تیرے نبی کا نور پیدا کیا۔ ان صحیح احادیث (جن کی تصحیح اور توثیق مولانا تھانوی نے نشر الطیب میں کی ہے) سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والا صفات عالمِ امکان میں سب سے مقدم ہے۔ آدم و ابراہیم بلکہ عرش و کرسی سے بھی بہت پہلے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دیگر صفات کی طرح نبوت و بشریت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفتیں ہیں۔ اہلِ معرفت کی اصطلاح میں اسی نور کو حقیقتِ محمدیہ کہا جاتا ہے۔ اور حقیقتِ محمدیہ حقیقۃ الحقائق ہے۔ وَبِهٰذَا الِاعْتِبَارِ سُمِّيَ الْمُصْطَفٰى بِنُوْرِ الْاَنْوَارِ وَبِاَبِي الْاَرْوَاحِ (زرقانی) (1) یعنی اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نور الانوار اور تمام ارواح کا باپ کہا جاتا ہے۔

یہ مسئلہ بڑا نازک ہے۔ مجھ جیسے کم علم کو یہ زیبا نہیں کہ میں اس میں اپنی خیال آرائی کو دخل دوں۔ بہتر یہی ہے کہ ان نفوسِ قدسیہ کی تحقیقات ہدیۂ ناظرین کرنے پر اکتفا کروں جن کا علم و تقویٰ اہلِ شریعت واہلِ طریقت دونوں کے نزدیک مسلّم ہے اور جن کا قول ساری امت کے نزدیک حجت ہے۔ اس لیے میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات کا ایک اقتباس نقل کر رہا ہوں۔ شاید جلوۂ حسنِ محمدی کی جھلک دیکھ کر کوئی چشمِ اشکبار مسکرا دے۔ کسی کے دلِ بے قرار کو قرار آ جائے۔ آپ لکھتے ہیں:

”جاننا چاہیے کہ پیدائش محمدیؐ تمام افرادِ انسان کی پیدائش کی طرح نہیں بلکہ افرادِ عالم میں سے کسی فرد کی پیدائش کے ساتھ نسبت نہیں رکھتی۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجود عنصری پیدائش کے حق تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: خُلِقْتُ مِنْ نُّوْرِ اللّٰهِ کشفِ صریح سے معلوم ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش اس امکان سے پیدا ہوئی ہے جو صفاتِ اضافیہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور نہ کہ اس امکان سے جو تمام ممکناتِ عالم میں ثابت ہے۔ ممکناتِ عالم کے صحیفہ کو خواہ کتنا ہی باریک نظر سے مطالعہ کیا جائے لیکن آنحضرت کا وجود مشہود نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کی خلقت و امکان کا منشا عالمِ ممکنات میں ہے ہی نہیں۔ کیونکہ اس عالم سے برتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا سایہ نہ تھا نیز عالمِ شہادت میں ہر ایک شخص کا سایہ اس کے وجود کی نسبت زیادہ لطیف ہوتا ہے اور جب جہان میں ان سے لطیف کوئی نہیں تو پھر ان کا سایہ کیسے متصور ہو سکتا ہے۔“ (دفتر سوم ترجمہ مکتوب نمبر ۱۰۰ ص ۶۶۶) (2)

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صفتِ بشریت سے متصف ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشریت کا مطلقاً انکار غلط، سرتا پا غلط ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ حضور کو بشر کہنا درست ہے یا نہیں۔ جملہ اہلِ اسلام کا عقیدہ ہے کہ حضورؐ پُرنور کی تعظیم و تکریم فرضِ عین ہے اور ادنیٰ سی بے ادبی سے ایمان سلب ہو جاتا ہے اور اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ (3) اب دیکھنا یہ ہے کہ بشر کہنے میں تعظیم ہے یا تنقیص، ادب و احترام ہے یا سوءِ ادبی۔ پہلی صورت میں بشر کہنا جائز ہوگا۔ اور دوسری میں ناجائز۔ مہرِ سپہرِ علم و عرفان حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے اس عقدہ کا جو حل پیش کیا ہے اس کے مطالعہ کے بعد کوئی اشتباہ نہیں رہتا۔ آپ کے ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ لفظِ بشر مفہوماً اور مصداقاً متضمن بکمال ہے کیونکہ آدم علیہ السلام کو بشر

1۔ شرح زرقانی علی المواہب اللدنیہ، ج 1، ص 54
2۔ مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، حصہ نہم، مکتوب 100، ص 91، مطبوعہ مکتبہ سعیدیہ، بیرون دہلی دروازہ، لاہور
3۔ سورۃ الفتح: 9

رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾

رکھتا ہے اپنے رب سے ملنے کی تو اسے چاہیے کہ وہ نیک عمل کرے اور نہ شریک کرے اپنے رب کی عبادت میں کسی کو ۱۲۶

کہنے کی وجہ یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا۔ ارشادِ باری ہے: قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ (1) (اے ابلیس! جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا اس کو سجدہ کرنے سے تجھے کس نے روکا؟) کیونکہ اس پیکرِ خاکی کو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ لگنے کی عزت نصیب ہوئی۔ اس لیے اسے بشر کہا گیا ہے۔ اس خاک کے پتلے کی اس سے بڑھ کر عزت افزائی کیا ہوسکتی ہے؟ نیز یہی بشر ہے جو آپ کے الفاظ میں کمالِ استجلاء کے لیے مظہر بنایا گیا ہے اور ملائکہ بوجہ نقصِ مظہریت کمال سے محروم ٹھہرے۔ یہ دونوں چیزیں اگر ذہن نشین ہوں تو بشر کہنا عین تعظیم و تکریم ہے (مگر چونکہ اس کمال تک ہر کس و ناکس سوائے اہلِ تحقیق و اہلِ عرفان رسائی نہیں رکھتا) لہٰذا اطلاقِ لفظِ بشر میں خواص بلکہ اخص الخواص کا حکم عوام سے علیحدہ ہے۔ خواص کے لیے جائز اور عوام کے لیے بغیر زیادتِ لفظ دال بر تعظیم ناجائز ہے۔ (فتاویٰ مہریہ ص ۱۰ مطبوعہ ۱۹۶۲ء) (2)

۱۲۵ غور طلب بات یہ ہے کہ یہ مماثلت کس چیز میں ہے۔ مراتب و درجات وہبی ہوں یا کسبی، کمالات علمی ہوں یا عملی، عادات و خصائل، روح پُرنور بلکہ جسمِ عنصری تک میں کسی کو مماثلت تو کجا ادنیٰ مناسبت بھی نہیں۔ پھر یہ مماثلت جس کا ذکر اس آیت میں ہے کون سی ہے اور کہاں پائی جاتی ہے؟ یقیناً صرف ایک بات میں مماثلت ہے۔ وہ یہ ہے کہ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وہ بھی ایک خدائے وحدہٗ لاشریک کا بندہ ہے جس کے تم بندے ہو، اس کا بھی وہی خالق و مالک ہے جو تمہارا خالق و مالک ہے۔

۱۲۶ عمل کی قبولیت کے لیے ضروری ہے کہ وہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کیا جائے۔ جہاں ریا آ گئی وہ عمل ضائع ہو گیا۔ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ صَلّٰى يُرَاءِیْ فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ صَامَ يُرَاءِیْ فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَاءِیْ فَقَدْ اَشْرَكَ (3)

"یعنی جس نے ریاکاری سے نماز پڑھی اس نے شرک کیا۔ جس نے ریاکاری سے روزہ رکھا اس نے شرک کیا۔ جس نے ریاکاری سے صدقہ دیا اس نے شرک کیا"۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں انہی شداد رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ ایک دفعہ حضرت شداد رونے لگے۔ رونے کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے جواب دیا کہ میں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک بات سنی تھی جس نے مجھے رُلا دیا۔ میں نے حضور کو یہ فرماتے سنا اَتَخَوَّفُ عَلٰٓى اُمَّتِیَ الشِّرْكَ وَالشَّهْوَةَ الْخَفِيَّةَ۔ کہ مجھے اندیشہ ہے کہ میری امت شرک اور شہوتِ خفیہ میں مبتلا نہ ہو جائے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! اَتُشْرِكُ اُمَّتُكَ مِنْ بَعْدِكَ۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد شرک کرنے لگے گی؟ قَالَ نَعَمْ اَمَا اَنَّهُمْ لَا يَعْبُدُوْنَ شَمْسًا وَّلَا قَمَرًا وَّلَا حَجَرًا وَّلَا وَثَنًا وَّلٰكِنْ يُّرَاءُوْنَ بِاَعْمَالِهِمْ (4) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں! لیکن وہ سورج چاند کی پوجا نہیں کریں گے، اور نہ کسی پتھر اور بت کی عبادت کریں گے، بلکہ وہ لوگوں کو دکھانے کے لیے عمل کریں گے۔ ان احادیث سے واضح ہوا کہ کوئی کام خواہ کتنا نیک

1۔ سورہ ص: 75 | 2۔ فتاویٰ مہریہ، ص 4 | 3۔ مسند امام احمد، ج 4، ص 126 | 4۔ مسند امام احمد، ج 4، ص 124

اور عمدہ ہو اگر اس میں ریا اور نمود آجائے گی تو بارگاہِ رب العالمین میں وہ قطعاً منظور نہیں ہوگا۔ وہاں تو وہی عمل مقبول ہوتا ہے جس سے فقط اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی مطلوب ہو۔ ریا سے بچنا بڑی مشکل بات ہے۔ نفس کی انگیخت اور شیطان کی وسوسہ اندازی سے محفوظ رہنا بڑی ہمت اور حوصلہ کا کام ہے۔ ہر کس و ناکس میں یہ ہمت و عزم کہاں؟ اس لیے اللہ تعالیٰ کے رسول کریم نے ہماری کمزوریوں پر رحم فرماتے ہوئے ہمیں ایسا طریقہ بھی تعلیم کر دیا جس کے ذریعے ہم شیطان کی شرانگیزی سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے شرک کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

هُوَ فِيْكُمْ اَخْفٰى مِنْ دَبِيْبِ النَّمْلِ وَسَادُلُّكَ عَلٰى شَيْءٍ اِذَا فَعَلْتَهٗ اَذْهَبَ عَنْكَ صِغَارَ الشِّرْكِ وَكِبَارَهٗ تَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اُشْرِكَ بِكَ وَاَنَا اَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا اَعْلَمُ تَقُوْلُهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔ (قرطبی)(1)

یعنی شرک چیونٹی کے رینگنے سے بھی زیادہ تم میں مخفی ہوتا ہے۔ میں تمہیں ایک دعا سکھاتا ہوں۔ اگر تم یہ مانگو گے تو اس کی برکت سے چھوٹا اور بڑا ہر قسم کا شرک تم سے دور ہو جائے گا۔ الفاظ یہ ہیں انہیں تین بار کہیے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اُشْرِكَ بِكَ وَاَنَا اَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا اَعْلَمُ۔

اے اللہ! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں تیرے ساتھ دانستہ شرک کروں اور میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اس شرک سے جو نادانستہ مجھ سے سرزد ہو۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 11، ص 72-71، مسند ابی یعلی، ج 1، ص 46,47، رقم الحدیث 55، دار الکتب العلمیہ بیروت، مختلف الفاظ کے ساتھ

تعارف

سُورۂ مریم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: حضرت مریم کا تذکرہ اس سورت میں تفصیلاً کیا گیا ہے۔ اس مناسبت سے اس سورت کو آپ کے نامِ نامی سے موسوم کیا گیا۔ یہ چھ رکوعوں اور اٹھانوے آیات پر مشتمل ہے۔ اس کے کلمات کی تعداد سات سواسی ہے۔

نزول: جب مکہ کے دو مشہور سیاست دان عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ اپنی سیاسی ریشہ دوانیوں کے باوجود نجاشی کو اس بات پر آمادہ کرنے میں ناکام رہے کہ وہ مسلمان مہاجرین کو حبشہ سے نکل جانے کا حکم صادر کرے تو مسلمانوں کے خلاف نجاشی کے دل میں آتشِ غیظ وغضب بھڑکانے کے لیے انہوں نے ایک اور چال چلی۔ انہوں نے نجاشی سے کہا کہ وہ مسلمانوں سے پوچھے کہ وہ حضرت مسیح کے متعلق کیا عقیدہ رکھتے ہیں۔ انہیں یقین تھا کہ مسلمان اگر اپنا صحیح عقیدہ بیان کریں گے تو بادشاہ برافروختہ ہوکر انہیں ملک بدر کردے گا اور غلط بیانی سے کام لیں گے تو مکہ میں جاکر وہ ان کے خلاف پروپیگنڈے کا ایک طوفان برپا کردیں گے۔ نجاشی نے مسلمانوں کو حضرت مسیح کے بارے میں اپنا عقیدہ بیان کرنے کا حکم دیا تو عقلِ مصلحت اندیش کے سارے تقاضوں کو نظرانداز کرتے ہوئے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے بلاتامل سورۂ مریم کا دوسرا رکوع پڑھنا شروع کردیا۔ اس وقت ایک عجیب منظر تھا۔ قرآن پڑھا جارہا تھا اور پڑھ وہ رہا تھا جس نے قرآن کی تعلیم اس ذات اقدس واطہر سے حاصل کی تھی جس کے قلبِ منور پر اس کا نزول ہوا تھا۔ دربار میں سناٹا چھا گیا۔ نجاشی کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں۔ حتی کہ اس کی ڈاڑھی بھیگ گئی۔ جب حضرت جعفر نے تلاوت ختم کی تو نجاشی نے ایک تنکا اٹھا کر کہا کہ حقیقتِ مسیح کے متعلق جو تم نے بیان کیا ہے۔ حضرت مسیح اس تنکا کے برابر بھی اس سے کم یا زیادہ نہ تھے (1)۔ یہ واقعہ بعثتِ نبوی کے پانچویں سال وقوع پذیر ہوا (2)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حبشہ کی طرف مسلمانوں کی ہجرت سے پہلے یہ سورت نازل ہوچکی تھی۔

مضامین: پہلے رکوع میں حضرت زکریا علیہ السلام کی نیازمندانہ التجا کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے انہیں اس وقت ایک بیٹے کی ولادت کا مژدہ سنایا گیا جب بڑھاپے کی وجہ سے ان کے سارے بال سفید ہوچکے تھے اور ان کی اہلیہ محترمہ بانجھ ہوچکی تھیں۔ دوسرے رکوع میں حضرت مسیح علیہ السلام کی بن باپ پیدائش کا تذکرہ کرکے اس حقیقت کو عیاں فرمایا کہ اسباب وعلل کی احتیاج ہمیں ہے اسے نہیں جو اسباب وعلل کا خالق ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی شخصیت انتہائی متنازعہ فیہ تھی۔ آپ کے مداحوں میں ایسے حقیقت ناشناس بھی تھے جو آپ کو خدا یا خدا کا بیٹا یقین کرتے اور آپ کے دشمنوں میں ایسے بدباطن بھی تھے جو آپ کو نبی تو

1۔ السیرۃ النبویہ لابن کثیر، ج 2، ص 22-21، مطبوعہ دار الفکر   2۔ ایضاً، ج 2، ص 3

کجا ایک شریف زادہ بھی ماننے کے لیے کسی قیمت پر تیار نہ تھے۔ افراط وتفریط کے اس شوروشغب میں حقیقت کا روئے زیبا نظروں سے بالکل اوجھل ہو چکا تھا۔ یہ قرآن کا ہی فرض تھا کہ حضرت مسیح کی حقیقت کو آشکارا کرے۔ چنانچہ آپ کی اور آپ کی والدۂ طاہرہ کی عظمت وشان کو پوری آب وتاب سے بیان کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ حضرت مسیح نہ خدا تھے اور نہ فرزندِ خدا بلکہ خدا کے پیارے بندے اور معزز رسول تھے۔ عصرِ حاضر کے جدید مفسرین نے حضرت مسیح کی ولادت کے متعلق جس مرعوب ذہنیت کا مظاہرہ کیا ہے اس کا تفصیلی تذکرہ اور اس پر تبصرہ آیات کی تفسیر کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیے۔

تیسرے رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اندازِ دعوت کو بڑی حسن وخوبی سے بیان کر دیا گیا ہے۔ آپ کو دعوت کی نزاکتوں کا احساس بھی ہے اور اپنے باپ کا ادب بھی ہر لحظہ ملحوظ ہے۔ ادھر سے درشتی ہے، سخت کلامی ہے، دھمکیاں اور سرزنشیں ہیں۔ اور ادھر خیر خواہی ہے، اخلاص ہے، ادب اور احترام ہے۔ جب تک اسلام کا مبلغ اس اسوۂ ابراہیمی کو نہیں اپنائے گا وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔

چوتھے رکوع میں متعدد اولوالعزم رسولوں کا ان کے خصوصی کمالات کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ اور ان کے ذکر کے بعد ان کی اولاد کا ذکر فرمایا ہے۔ جنہوں نے اس زعم باطل میں مبتلا ہو کر کہ وہ نیکوں کی اولاد ہیں راہِ حق سے منہ موڑ لیا اور نافرمانی اور سرتابی کرنے میں دوسروں سے بھی سبقت لے جانے لگے اور صالحین کی اولاد ہونے کا جو شرف انہیں وہبی طور پر بخشا گیا تھا اس کو خاک میں ملا کر دم لیا۔ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝ (1) کی دل ہلا دینے والی سرزنش سے انہیں خوابِ غفلت سے جھنجھوڑا۔ اس کے ساتھ ہی انہیں تسلی بھی دی کہ اگر وہ اپنی اس غلط روش سے صدق دل سے باز آجائیں گے تو رحمت کے دروازے ان کے لیے کھول دیئے جائیں گے۔

پانچویں رکوع میں منکرین قیامت کی غلط فہمیوں کا ازالہ کر دیا گیا۔ نیز دنیا کے ساز وسامان کی ناپائیداری کی طرف توجہ دلا کر انہیں باقیات صالحات کی طرف شوق انگیز انداز میں دعوت دی گئی۔

آخری رکوع میں ان گمراہ فرقوں کی حماقت کا پردہ چاک کیا گیا جو خداوند تعالیٰ کے لیے بیٹے یا بیٹیاں گھڑا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر اسرار ورموز کا بیان اپنے اپنے موقع پر آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔

1۔ سورۂ مریم:59

سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٌ وَّتِسْعُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورہ مریم مکی ہے اس کی ۹۸ آیتیں اور ۶ رکوع ہیں — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

كٓهٰيٰعٓصٓ ۝١ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۝٢ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ

کاف۔ہا۔یا۔عین۔ص [۱] یہ ذکر ہے آپکے رب کی رحمت کا [۲] جو اس نے اپنے بندے زکریا پر فرمائی [۳] جب اس نے پکارا اپنے رب کو

[۱] یہ حروف مقطعات ہیں۔ ان پر تفصیلی بحث سورۂ بقرہ کے آغاز اور بعض دوسرے مقامات پر گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ یہ حروف اللہ تعالیٰ کے مختلف اسماء پر دلالت کرتے ہیں۔ ک کافی پر ھا ھادی پر، یا ءحکیم پر، ع علیم پر اور ''صاد'' صادق پر۔(1)

قشیری نے حضرت ابن عباس سے اس کا یہ مفہوم بھی نقل کیا ہے:

مَعْنَاهُ كَافٍ لِخَلْقِهٖ هَادٍ لِعِبَادِهٖ يَدُهٗ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ عَالِمٌ بِهِمْ صَادِقٌ فِيْ وَعْدِهٖ۔(2)

یعنی وہ اپنی مخلوق کے لیے کافی ہے۔ اپنے بندوں کو ہدایت دینے والا ہے۔ سب پر غالب ہے۔ سب کو جانتا ہے۔ اور اپنے وعدے کا سچا ہے۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ دعا مانگتے ہوئے کہا کرتے تھے: یا کٓھٰیٰعٓصٓ اِغْفِرْلِیْ یا کاف ھا یا عین ص، مجھے بخش دے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک ہے۔ بعض علماء نے اسی کو اسم اعظم کہا ہے۔ (قرطبی، روح المعانی)(3)

[۲] یہ فقرہ خبر ہے۔ اور اس کی مبتدا ''ھذا'' محذوف ہے یعنی هٰذَا ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا (4) اے سرور عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہ واقعہ جس کا بیان اب ہو رہا ہے اس میں تیرے رب کریم کی اس رحمت کا ذکر ہے جو اس نے اپنے ایک جلیل القدر بندے حضرت زکریا علیہ السلام پر فرمائی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے۔ کائنات کا ہر ذرّہ اپنے وجود اور اپنی بقا میں اس کی شانِ ربوبیت کا مرہونِ منت ہے۔ بایں ہمہ، صفتِ ربوبیت کا جو خصوصی تعلق ذاتِ پاکِ مصطفےٰ علیہ اطیب التحیۃ والثناء سے ہے وہ اور کسی چیز کو میسر نہیں۔ عبد کی اضافت اپنی ذات کی طرف فرما کر حضرت زکریا کی عزت وشرف کا اظہار فرما دیا۔

[۳] آپ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھے(5)۔ جن کے ذمہ بیت المقدس میں مذہبی رسومات کو ادا کرنا تھا۔ آپ حضرت مریم کی خالہ الیشبع (ELIZABETH) کے شوہر تھے(6)۔ اسی قرابت کے باعث آپ کو حضرت مریم کا نگران مقرر کیا گیا تھا جس کا تفصیلی تذکرہ سورۂ آلِ عمران میں گزر چکا ہے۔(7)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 74 2۔ ایضاً 3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 16، ص 57۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 74

4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 75 (ملخصا) 5۔ ایضاً، جز 11، ص 82 6۔ قصص الانبیاء از عبدالوہاب نجار، ص 69-368، مطبوعہ المکتبۃ التجاریہ، الکبریٰ، مصر

7۔ دیکھئے تفسیر سورۂ آل عمران، آیت 35 تا 37

نِدَآءً خَفِيًّا ﴿۳﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ

چپکے چپکے ۳؎ عرض کی اے میرے رب! میری حالت یہ ہے کہ کمزور و بوسیدہ ہو گئی ہیں میری ہڈیاں اور بالکل سفید ہو گیا ہے

شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴿۴﴾ وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ

(میرا) سر بڑھاپے کی وجہ سے اور اے میرے رب! ایسا نہیں ہوا کہ میں نے تجھے پکارا ہو اے میرے رب! اور میں نامراد رہا ہوں اور میں ڈرتا ہوں

مِنْ وَّرَآءِیْ وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ﴿۵﴾

(اپنے بے دین) رشتہ داروں سے ۵؎ (کہ وہ) میرے بعد (دین ضائع نہ کر دیں) اور میری بیوی بانجھ ہے پس بخش دے مجھے اپنے پاس سے ایک وارث ۶؎

۴؎ آپ کی عمر بعض روایات کے مطابق ستر ۷۰ اور بعض کے مطابق ایک سو بیس سال اور آپ کی اہلیہ محترمہ کی عمر اٹھانوے سال ہو گئی تھی (1) اور ابھی تک ان کے ہاں کوئی فرزند تولد نہ ہوا تھا۔ آپ کو اپنے رشتہ داروں میں کوئی مرد صالح اور ارجمند نظر نہ آتا تھا جو اس قابل ہو کہ ان کے بعد ان کے رفیع منصب کی نازک ذمہ داریوں کو انجام دے سکے۔ اس لیے آپ بڑے فکر مند رہا کرتے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے رحلت فرما جانے کے بعد کوئی نا اہل شخص ان کا جانشین بن جائے اور ان دینی رسومات اور عبادات کو ادا کرنے میں کوتاہی کرنے لگے۔ اہلِ نظر سے مخفی نہیں کہ جب شاہین کا نشیمن زاغ و زغن کے تصرف میں آ جاتا ہے تو پھر دینی رسومات کتنی پژمردہ اور بے جان ہو جاتی ہیں اور اخلاقی قدروں کی کس بیدردی سے تحقیر کی جاتی ہے۔ یہی احساس حضرت زکریا کو ہر لحہ بے چین رکھا کرتا تھا۔ ایک روز دل کا سوز التجا بن کر زبان پر آ ہی گیا۔ عجز و نیاز میں ڈوبے ہوئے انداز سے بارگاہ رب العزت میں غمِ پنہاں کا اظہار کر دیا۔ بڑی خاموشی سے چپکے چپکے اپنے چارہ ساز کے حضور میں اپنی حکایتِ درد کہہ دی۔

لیکن اللہ تعالیٰ کے پاک نبی کی طلب اور اندازِ طلب دونوں غور طلب ہیں۔ دست دعا پھیلانے والوں کو آدابِ بارگاہِ صمدیت کی کیسی تعلیم دی جا رہی ہے۔ سب سے پہلے اپنے عجز کا اعتراف ہے۔ اور اپنی بے بسی اور بیکسی کا اظہار۔ الٰہی! اب تو میری ہڈیاں بھی بوسیدہ ہو گئی ہیں میرے سر کے سارے بال پیرانہ سالی کے باعث برف کی طرح سفید ہو گئے ہیں۔ اس کے بعد عرض کی: میں تیرا وہ بندہ ہوں جسے تو نے عرصۂ دراز سے اپنے لطف و کرم کا خوگر بنا دیا ہے۔ جب کبھی میں نے کوئی سوال کیا تو تو نے رد نہ کیا۔ جو بھی میں نے مانگا تو نے عطا فرمایا۔ تیرے کرم نے ہمیشہ میری آرزوؤں کی لاج رکھی۔ تیری عنایات نے آج تک مجھے کبھی ناشاد و نامراد نہ کیا۔ مجھے یقین ہے کہ حسبِ سابق اس خوگرِ لطف و عنایت کی یہ التجا بھی شرفِ قبول سے سرفراز ہو گی۔

۵؎ ساتھ ہی اس دعا کی اہمیت کا ذکر بھی کر دیا کہ میرے قریبی رشتہ دار جو میری مسند کے وارث بننے والے ہیں۔ ان میں ایک بھی تو ایسا دکھائی نہیں دیتا جو اس منصب کی سنگین ذمہ داریوں کو انجام دینے کی اہلیت رکھتا ہو۔ پہلے اپنے پیر فرتوت ہونے کا ذکر کیا۔ اب اپنی بیوی کے بانجھ ہونے کا تذکرہ کر دیا۔ ۶؎ ان آدابِ شاہانہ کو بجا لانے کے بعد اصل مدعا عرض کیا۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 86

يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝ يٰزَكَرِيَّآ

جو وارث بنے میرا اور وارث بنے یعقوب (علیہ السلام) کے خاندان کا اور بنا دے اسے اے رب! پسندیدہ سیرت والا، اے زکریا!

ے ۵ شیعہ کا عقیدہ ہے کہ عام لوگوں کی طرح انبیاء کے اموال اور جائدادیں بھی بطور میراث وارثوں میں تقسیم ہو سکتی ہیں۔ اپنے اس نظریہ کو ثابت کرنے کے لیے انہوں نے اس آیت سے بوجوہ استدلال کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ وراثت کے لفظ کا اطلاق اگرچہ علم، منصب اور مال کی وراثت پر ہوتا ہے لیکن اس کا معنی حقیقی مالی وراثت ہے۔ اور دیگر امور کے لیے اس کا استعمال بطور مجاز ہے۔ اس آیت میں وراثت کا حقیقی مفہوم ہی مراد ہوگا۔ حقیقی معنی کو چھوڑ کر مجازی معنی مراد لینا درست نہیں (1)۔ نیز علامہ سیوطی نے اپنی تفسیر درِ منثور میں حضرات ابنِ عباس، مجاہد، عکرمہ اور ابو صالح سے اس آیت کا یہی معنی نقل کیا ہے۔ اَنَّهُمْ قَالُوْا فِي الْاٰيَةِ يَرِثُنِيْ مَالِيْ (2) یعنی مجھے ایسا بیٹا دے جو میرے مال کا وارث ہو نیز ارشادِ نبوی سے بھی اسی معنی کی تائید ملتی ہے عَنِ الْحَسَنِ اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ فِي الْاٰيَةِ يَرْحَمُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَخِيْ زَكَرِيَّا مَا كَانَ عَلَيْهِ مَنْ يَّرِثُ مَالَهٗ (3) یعنی اس آیت کے متعلق حضورؐ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ میرے بھائی زکریا پر رحم فرمائے ان سے کوئی مواخذہ نہ ہوتا اگر ان کے مال کا کوئی بھی وارث بنتا۔ نیز علم کسب و اکتساب سے حاصل ہوتا ہے۔ اس کے لیے جدوجہد کرنا پڑتی ہے۔ اور وراثت میں انسان کے کسب اور جدوجہد کو دخل نہیں۔

اہلِ سنت کا مسلک یہ ہے کہ انبیاء نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں اور نہ ان کا کوئی وارث ہوتا ہے۔ کیونکہ احادیثِ صحیحہ سے یہی ثابت ہوتا ہے اور یہ احادیث صرف اہلِ سنت کی کتب میں ہی موجود نہیں بلکہ شیعہ کی کتب میں صحیح سند سے مروی ہیں۔ چنانچہ ان کے محدثِ اعظم کلینی نے اپنی کتاب الکافی میں حضرت امام جعفر صادق سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ اِنَّ الْاَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوْا دِيْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا وَّلٰكِنْ وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَ مِنْهُ اَخَذَ بِحَظٍّ وَّافِرٍ۔ (4)

ترجمہ: انبیاء کے وارث علماء ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء درہم اور دینار کا وارث کسی کو نہیں بناتے بلکہ وہ اپنے حکیمانہ ارشادات بطور ورثہ دیتے ہیں۔ جس نے ان ارشادات سے کوئی چیز حاصل کی تو اس نے نبوت کی میراث کا بڑا حصہ لیا۔ اس حدیث میں ''اِنَّمَا'' کا لفظ قطعی طور پر حصر کا فائدہ دیتا ہے جس کے شیعہ بھی معترف ہیں۔ ان احادیث کی روشنی میں جو فریقین کے نزدیک صحیح ہیں، ہم آیت میں يَرِثُنِيْ کا معنی وراثتِ علم ہی کریں گے۔

ان کا یہ کہنا بھی درست نہیں کہ وراثت کا اطلاق وراثتِ مال پر حقیقی ہے اور دوسرے معانی پر مجازی بلکہ علم و منصب اور مال کی وراثت سب پر اس کا اطلاق حقیقتاً ہوتا ہے اور اگر مان بھی لیا جائے کہ دیگر معانی پر اس کا اطلاق مجازی ہے تو بھی یہ ایسا مجاز نہیں کہ جس کا مفہوم متعین کرنے میں قاری کو دشواری کا سامنا کرنا پڑے بلکہ یہ مجاز متعارف ہے اور بکثرت ان معانی پر اس کا اطلاق ہوتا رہتا ہے۔ خصوصاً قرآنِ کریم میں اس کا استعمال اتنا کثیر ہے کہ حقیقت کا ہم پلہ نظر آتا ہے۔ مثلاً ارشادِ الٰہی ہے ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا (فاطر: 32) یعنی اپنے بندوں سے جن کو ہم نے چنا تھا انہیں کتاب کا وارث

1۔ تفسیر منہج الصادقین، ج5، ص395، مطبوعہ کتاب فروشی اسلامیہ، تہران، ایران
2۔ درمنثور، زیرِ آیت ہذا، ج4، ص467، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت
3۔ روح المعانی، زیرِ آیت ہذا، ج16، ص64
4۔ اصول کافی، باب ثواب العالم والمتعلم، ج1، ص27، مطبوعہ المکتبۃ الاسلامیہ، تہران

إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَٰمٍ ٱسْمُهُۥ يَحْيَىٰ لَمْ نَجْعَل لَّهُۥ مِن قَبْلُ سَمِيًّا ⑦

ہم مژدہ دیتے ہیں تجھے ایک بچے (کی ولادت) کا۔ اس کا نام یحییٰ ہوگا۔ ہم نے نہیں بنایا اس کا کوئی ہم نام اس سے پہلے ۸

قَالَ رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ لِى غُلَٰمٌ وَكَانَتِ ٱمْرَأَتِى عَاقِرًا وَقَدْ بَلَغْتُ

زکریا نے عرض کی میرے رب! کیسے ہو سکتا ہے میرے ہاں لڑکا ۹ حالانکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں خود پہنچ گیا ہوں

مِنَ ٱلْكِبَرِ عِتِيًّا ⑧ قَالَ كَذَٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَىَّ هَيِّنٌ وَقَدْ

بڑھاپے کی انتہا کو۔ فرمایا یونہی ہوگا۔ تیرے رب نے فرمایا ہے کہ اس کبرسنی میں بچہ دینا میرے لیے آسان بات ہے اور

بنایا۔ دوسری جگہ ہے فَخَلَفَ مِنۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَرِثُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ (الاعراف:169) ان کے بعد ان کے جانشین کتاب کے وارث ہوئے۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہے: إِنَّ ٱلَّذِينَ أُورِثُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ مِنۢ بَعْدِهِمْ (الشوریٰ:14) یعنی وہ لوگ جو ان کے بعد کتاب کے وارث ہوئے۔ یہاں تمام آیات میں وراثت سے مراد مالی وراثت نہیں بلکہ علم وحکمت ہے۔

نیز وہ آثار جو وراثتِ مال پر دلالت کرتے ہیں وہ علمائے جرح وتعدیل کے نزدیک پایہء اعتبار سے ساقط ہیں۔ وَالْاٰثَارُ الدَّالَّةُ عَلٰى اَنَّهُمْ يُوَرِّثُوْنَ الْمَالَ لَا يُعَوَّلُ عَلَيْهَا عِنْدَ النُّقَّادِ (روح المعانی) (1) اور وہ احادیث مرسل ہیں اور احادیثِ صحیحہ کے مقابلہ میں انہیں پیش نہیں کیا جا سکتا۔ هٰذِهٖ مُرْسَلَاتٌ لَا تُعَارِضُ الصِّحَاحَ۔ (2)

اس کے علاوہ پیغمبر کی ذات اس سے بالاتر ہے کہ مال ومتاع کی محبت میں اسیر ہو۔ وہ ہر وقت حسنِ ازل کے جلوؤں کے مشاہدہ میں مستغرق رہتے ہیں۔ دنیا کی نفیس سے نفیس چیز بھی ان کے دامنِ دل کو اپنی طرف نہیں کھینچ سکتی۔ دوسرا حضرت زکریا علیہ السلام کے متعلق یہ مشہور ہے کہ وہ بڑھئی کا کام کر کے اپنی گزر اوقات کیا کرتے تھے۔ ان کے پاس اتنی دولت ہی کہاں تھی جس کے لیے وہ ہر وقت فکرمند رہتے (3)۔ ان تمام امور کے پیشِ نظر ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ آیت میں وراثت سے مراد وراثتِ مال نہیں بلکہ علم وحکمت کی وراثت ہے۔

۸ دعا کی مقبولیت کا مژدہ سنایا جا رہا ہے سَمِيًّا: ہم نام۔ (4)

۹ یہ مژدہ سن کر خوشی کی انتہاء نہ رہی۔ از راہِ مسرت وحیرت عرض کرنے لگے۔ عِتِيًّا: وہ بوڑھا جس کی ہڈیاں بھی خشک ہو گئی ہوں (5)۔ علامہ راغب نے اس کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے اَىْ حَالَةٌ لَّا سَبِيْلَ اِلٰى اِصْلَاحِهَا وَ مُدَاوَاتِهَا (6) یعنی بڑھاپے کی وہ حالت جب نقاہت انتہا کو پہنچ جائے اور اس کے دور ہونے کی اب کوئی صورت نہ ہو۔

1۔ روح المعانی، ج16، ص64 2۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج3، ص111 3۔ ایضاً، (مفہوم)
4۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج16، ص62 5۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج6، ص85 6۔ مفردات راغب، ص546

خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْـًٔا ﴿٩﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَل لِّيٓ اٰيَةً ؕ

(دیکھو!) میں نے تمہیں بھی تو پیدا کیا تھا اس سے پیشتر حالانکہ تم کچھ بھی نہ تھے ۱۰؎ ذکریا نے عرض کی اے میرے رب! ٹھہرا دے میرے لیے کوئی علامت ۱۱؎

قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ﴿١٠﴾ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ

جواب ملا تیری علامت یہ ہے کہ تو بات نہیں کر سکے گا لوگوں سے تین رات تک حالانکہ تو بالکل تندرست ہوگا ۱۲؎ پھر آپ نکل کر آئے اپنی

مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰىٓ اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿١١﴾ يٰيَحْيٰى

قوم کے پاس (اپنے) عبادتخانہ سے تو اشارہ سے انھیں سمجھایا کہ تم پاکی بیان کرو (اپنے رب کی) صبح و شام۔ اے یحییٰ! پکڑ لو اس

خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿١٢﴾ لا وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا

کتاب کو مضبوطی سے ۱۳؎ اور ہم نے عطا فرما دی انکو دانائی جبکہ وہ بچے تھے نیز عطا فرمائی دل کی نرمی اپنی جناب سے ۱۴؎

۱۰؎ یعنی وہ قادرِ مطلق جس نے تجھے نیست سے ہست کیا۔ اس کے لیے کیا مشکل ہے کہ وہ اس پیرانہ سالی کی حالت میں تمہیں فرزند ارجمند عطا فرمائے۔

۱۱؎ عرض کی کہ میرے لیے کوئی نشانی مقرر کی جائے جس سے میں یہ جان لوں کہ مجھ سے جو وعدہ کیا گیا اس کے پورا ہونے کا وقت اب آ گیا ہے۔ اس شوق و بے قراری کا وہی شخص اندازہ کر سکتا ہے جو کبھی ایسے حالات سے دوچار ہوا ہو۔

۱۲؎ نشانی یہ بتائی گئی کہ تم اس وقت بات چیت نہیں کر سکو گے لیکن یہ خاموشی کسی بیماری کی وجہ سے نہیں ہوگی بلکہ بطورِ علامت ایسا ہوگا۔ ''سَوِيًّا'' حال ہے اور تُكَلِّمَ کا فاعل اس کا ذوالحال ہے۔ ''حَالٌ مِنْ فَاعِلِ تُكَلِّمَ مُفِيْدٌ بِكَوْنِ انْقِطَاعِ التَّكَلُّمِ بِطَرِيْقِ الْاِعْجَازِ وَخَرْقِ الْعَادَةِ لَا لِاعْتِقَالِ اللِّسَانِ بِمَرَضٍ وَّهٰذَا مَا عَلَيْهِ الْجُمْهُوْرُ (روح المعانی) (1)

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ سَوِيًّا کا تعلق ثَلٰثَ لَيَالٍ سے ہے یعنی تین کامل راتیں (2)۔ آیت کا ترجمہ جمہور کی رائے کے مطابق کیا گیا ہے۔

۱۳؎ جب حضرت یحییٰ علیہ السلام کو منصبِ نبوت پر فائز کیا گیا تو انہیں کتاب پر پوری تندہی سے عمل کرنے کی تلقین کی گئی۔ آپ کی زندگی بتاتی ہے کہ آپ نے اس حکم خداوندی کی تعمیل کا حق ادا کر دیا۔ ملک کے گوشہ گوشہ میں جا کر دور افتادہ صحراؤں اور دشوار گزار پہاڑوں میں جا جا کر لوگوں کو پیغامِ حق سنایا۔ اور انہیں گناہوں سے تائب ہونے کی ترغیب دی۔ بیشمار لوگ آپ کی تبلیغ کی برکت سے راہِ حق پر آ گئے۔ فسق و فجور کی زندگی کو ترک کر کے انہوں نے زہد و تقویٰ کو اپنا شعار بنایا۔ قوم کے ہر طبقہ کو آپ نے ان

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 16، ص 71 2۔ ایضاً

کی کوتاہیوں اور خامیوں پر متنبہ کیا۔ علمائے بنی اسرائیل جو دنیا کی محبت میں اس قدر وارفتہ ہو گئے تھے کہ احکام الٰہی کی تحریف میں کوئی جھجک محسوس نہ کرتے تھے۔ انہیں بڑی سختی سے جھنجھوڑا اور بڑے درشت لہجہ میں انہیں فرمایا ''اے سانپ کے بچو! تم کو کس نے جتا دیا کہ آنے والے غضب سے بھاگو۔ پس توبہ کے موافق پھل لاؤ اور اپنے دلوں میں یہ کہنے کا خیال نہ کرو کہ ابراہام ہمارا باپ ہے کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا ان پتھروں سے ابراہام کے لیے اولاد پیدا کر سکتا ہے۔ اور اب درختوں کی جڑ پر کلہاڑا رکھا ہوا ہے۔ پس جو درخت اچھا پھل نہیں لاتا وہ کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے''۔ (متی، باب نمبر ۳ آیت ۷ تا ۱۰) (1)

آپ کی دعوت کا حلقہ صرف عوام تک محدود نہ تھا بلکہ شاہی دربار بھی آپ کے نعرۂ حق سے لرزہ براندام تھا۔ بادشاہِ وقت ہیرودیس نے اپنے بھائی فلپ کی منکوحہ بیوی ہیرودیاس کو اپنے گھر میں ڈال رکھا تھا۔ آپ نے اس کو برملا جا کر کہا کہ اپنے بھائی کی بیوی کو رکھنا تجھ کو روا نہیں (2)۔ انجیل مرقس کی چند آیات ملاحظہ فرمائیں:

''پس ہیرودیاس اس سے دشمنی رکھتی تھی اور چاہتی تھی کہ اسے قتل کرائے مگر نہ ہو سکا۔ کیونکہ ہیرودیس یوحنا کو راستباز اور مقدس آدمی جان کر اس سے ڈرتا اور اسے بچائے رکھتا تھا۔ اور اس کی باتیں سن کر بہت حیران ہو جاتا تھا مگر سنتا خوشی سے تھا۔ اور موقع کے دن جب ہیرودیس نے اپنی سالگرہ میں اپنے امیروں اور فوجی سرداروں اور گلیل کے رئیسوں کی ضیافت کی اور اسی ہیرودیاس کی بیٹی اندر آئی اور ناچ کر ہیرودیس اور اس کے مہمانوں کو خوش کیا تو بادشاہ نے اس لڑکی سے کہا جو چاہے مجھ سے مانگ میں تجھے دوں گا۔ اور اس سے قسم کھائی کہ جو تو مجھ سے مانگے گی اپنی آدھی سلطنت تک تجھے دوں گا اور اس نے باہر جا کر اپنی ماں سے کہا کہ میں کیا مانگوں۔ اس نے کہا: یوحنا بپتسمہ دینے والے کا سر۔ وہ فی الفور بادشاہ کے پاس جلدی سے اندر آئی اور اس سے عرض کی۔ میں چاہتی ہوں کہ تو یوحنا بپتسمہ دینے والے کا سر ایک تھال میں ابھی مجھے منگوا دے۔ بادشاہ بہت غمگین ہوا اور اپنی قسموں اور مہمانوں کے سبب سے اس سے انکار کرنا نہ چاہا۔ پس بادشاہ نے فی الفور ایک سپاہی کو حکم دے کر بھیجا کہ اس کا سر لائے۔ اس نے جا کر قید خانہ میں اس کا سر کاٹا اور ایک تھال میں لا کر لڑکی کو دیا اور لڑکی نے اپنی ماں کو دیا''۔ (مرقس باب ۶۔ آیت ۱۹ تا ۲۸) (3)

اس طرح حضرت یحییٰ نے اپنا سر کٹا کر اپنے رب کے اس فرمان يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ (4) کی تعمیل کا حق ادا کیا۔

۱۴۔ حَنَانًا کا عطف اَلْحُكْمَ پر ہے۔ شفقت، رحمت اور محبت کے مجموعہ کو حنان کہتے ہیں قَالَ جَمْهُوْرُ الْمُفَسِّرِيْنَ اَلْحَنَانُ اَلشَّفَقَةُ وَالْمَحَبَّةُ وَالرَّحْمَةُ (قرطبی) (5)

یہاں ان صفاتِ حمیدہ اور اخلاقِ حسنہ کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جن سے متصف ہو کر یہ مولودِ مسعود تشریف لایا تھا۔

قرآن کریم میں حضرت زکریا علیہ السلام کی نیازمندانہ دعا، اس کی قبولیت، حضرت یحییٰ کی سیرت اور اخلاق کی جو تفصیلات بیان ہوئیں ان کو آپ نے اچھی طرح پڑھ لیا۔ یہ واقعہ تقریباً انہی تفصیلات کے ساتھ انجیل لوقا باب اوّل آیات ۵ تا ۲۵ میں

1۔ کتاب مقدس (نیا عہد نامہ)، متی، باب:3، آیت 10-7، ص 6
2۔ ایضاً، مرقس، باب:6، آیت 18-17، ص 39
3۔ ایضاً، آیت 28-19، ص 40-39
4۔ سورۂ مریم:12
5۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 11، ص 87

وَّ زَكٰوةً ؕ وَ كَانَ تَقِیًّا ﴿۱۳﴾ وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَیْهِ وَ لَمْ یَكُنْ جَبَّارًا عَصِیًّا ﴿۱۴﴾ وَ

اور نفس کی پاکیزگی اور وہ بڑے پرہیز گار تھے۔ اور وہ خدمتگزار تھے اپنے والدین کے اور وہ جابر (اور) سرکش نہ تھے اور

سَلٰمٌ عَلَیْهِ یَوْمَ وُلِدَ وَ یَوْمَ یَمُوْتُ وَ یَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا ﴿۱۵﴾ وَ اذْكُرْ

سلامتی ہو ان پر جس روز وہ پیدا ہوئے اور جس روز وہ انتقال کریں گے اور جس روز انہیں اٹھایا جائیگا زندہ کر کے ۱۵ ۔ اور (اے حبیب!)

فِی الْكِتٰبِ مَرْیَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِیًّا ﴿۱۶﴾ فَاتَّخَذَتْ

بیان کیجیے کتاب میں مریم (کا حال) ۱۶ جب وہ الگ ہو گئی اپنے گھر والوں سے ایک مکان میں جو مشرق کی جانب تھا ۱۷ پس بنالیا

مذکور ہے۔(1) فرق صرف اتنا ہے کہ انجیل میں وہ نیاز و ادب میں ڈوبی ہوئی التجاء مذکور نہیں جو اس واقعہ کی جان ہے۔ نیز آپ کے سکوت کو قرآن نے جہاں محض اس خوشخبری کے وقوع پذیر ہونے کی علامت قرار دیا ہے وہاں انجیل میں لکھا ہے کہ بطور سزا ان سے قوتِ گویائی سلب کر لی گئی تھی۔ چنانچہ اسی باب کی آیت نمبر ۲۰ ملاحظہ فرمایئے:۔

''اور دیکھ جس دن تک یہ باتیں واقعہ نہ ہولیں تو چپکا رہے گا۔ اور بول نہ سکے گا۔ اس لیے کہ تو نے میری باتوں کا جو اپنے وقت پر پوری ہوں گی یقین نہ کیا۔''(2)

۱۵ پیدائش، وفات اور حشر کے دن انسان کے لیے جس خصوصی اہمیت کے حامل ہیں وہ محتاجِ بیان نہیں۔ ان میں سے ہر ایک دن زندگی کے ایک نئے اور نامعلوم دور کا یومِ آغاز ہے۔ اور ان ایام میں انسان کی بے بسی اور بے کسی انتہا کو پہنچی ہوئی ہوتی ہے۔ ویسے تو انسان کو ہر آن اور ہر لحہ رحمتِ خداوندی کی ضرورت ہے لیکن ان تین نازک مرحلوں میں جس شدت سے انسان اپنے خداوندِ کریم و رحیم کی رحمت و عنایات کا محتاج ہوتا ہے وہ اظہر من الشّمس ہے۔ حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ یہاں لکھتے ہیں:

''کہ یہ تینوں دن بہت اندیشہ ناک ہیں۔ کیونکہ ان میں آدمی وہ دیکھتا ہے جو اس سے پہلے اس نے نہیں دیکھا۔ اس لیے ان تینوں موقعوں پر نہایت وحشت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کا اکرام فرمایا کہ انہیں ان تینوں موقعوں پر امن و سلامتی عطا کی۔'' (خزائن العرفان)(3)

۱۶ حضرت زکریا اور ان کی اہلیہ کی عمر سو سال کے قریب یا اس سے بھی زیادہ ہو چکی تھی۔ اولاد پیدا ہونے کا طبعی وقت گزر چکا تھا۔ انہیں اس حالت میں بچہ عطا فرما کر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ اور مشیتِ مطلقہ کا ناقابلِ تردید ثبوت بہم پہنچایا اور علت و

1۔ کتاب مقدس (نیا عہد نامہ)، لوقا، باب:1، آیت 5 تا 25، ص 52-51   2۔ ایضاً، آیت 20، ص 52

3۔ خزائن العرفان، زیر آیت ہذا، ص 550

مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۖ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا

اس نے لوگوں کی طرف سے ایک پردہ ۔ پھر ہم نے بھیجا اس کی طرف اپنے جبرئیل کو ۱۸ پس وہ ظاہر ہوا اس کے سامنے ایک تندرست

معلول اور سبب ومسبب کی زنجیریں بنانے والوں کو متنبہ کردیا کہ علیت وسببیت کا تسلسل اگرچہ اس کی حکمت کی جلوہ گری ہے یہ اصول وضوابط جن کے مطابق حوادثات رونپذیر ہو رہے ہیں اسی نے مقرر فرمائے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ ان اصولوں اور ضوابط کے سامنے مجبور نہیں کہ ان کے بغیر اگر وہ چاہے بھی تو کچھ نہ کر سکے۔ بلکہ وہ جو چاہتا ہے جب چاہتا ہے، اور جیسا چاہتا ہے ایسا ہی ہوتا ہے۔ کوئی چیز اس کی مشیت وارادہ کے سامنے رکاوٹ بن کر کھڑی نہیں ہوسکتی جیسا کہ اس واقعہ سے ظاہر ہے۔

اس کے فوراً بعد اپنی قدرتِ کاملہ کا ایک اور بین ثبوت بیان فرمایا جا رہا ہے جو پہلے سے بھی زیادہ حیران کن اور اٹل ہے۔ وہ حضرت مسیح کی بن باپ ولادت ہے۔

جو لوگ فطرت کے عام اصولوں کو ناقابلِ تغیر تسلیم کرتے ہیں اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ علت ومعلول اور سبب ومسبب کا تسلسل ناقابلِ شکست ہے اس میں کسی طرح کا ردوبدل ممکن نہیں وہ ایسے واقعات کا سرے سے انکار کردیتے ہیں۔ اور ان کے بطلان کے لیے اس کے علاوہ مزید کسی دلیل کی ضرورت محسوس نہیں کرتے کہ یہ واقعہ قانونِ فطرت کے خلاف ہے۔ اسی لیے یورپ کے کئی فلسفیوں نے حضرت مسیح کی بن باپ پیدائش کا صریح انکار کردیا اور کہا کہ آپ حضرت مریم اور یوسف نجار کے بیٹے ہیں۔ اور آپ کی ولادت حسبِ معمول ہوئی ہے۔ غلام ہندوستان میں جب اس کی صدائے بازگشت سنائی دی تو کئی مرعوب اذہان نے اس کو اپنا جزوِ ایمان بنالیا۔ وہ قرآن کا انکار تو نہ کر سکے لیکن اپنے ذہنی فرنگی آقاؤں کی ہاں میں ہاں ملانے کے جنون میں انہوں نے آیاتِ قرآنی کی ایسی تاویلات کرنے کی جسارت کی جنہیں تحریفِ قرآن کے بغیر اور کوئی عنوان نہیں دیا جاسکتا۔ ان کے شکوک وشبہات کا ناقدانہ جائزہ لینا میرا فرض ہے تاکہ کسی کی بڑی شخصیت فہمِ قرآن میں حائل نہ ہو۔ لیکن اس بحث میں الجھنے سے پہلے میں آیاتِ قرآنی کی مختصر تشریح کرنا مناسب سمجھتا ہوں کیونکہ اگر قاری نے آیاتِ قرآنی کو صحیح طور پر سمجھ لیا تو پھر ان شبہات کا رد اس کے لیے آسان ہوجائے گا۔

۱۷؎ سورۂ آلِ عمران میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت مریم کی والدہ نے نذر مانی تھی کہ ان کے شکم میں جو بچہ ہے وہ اسے بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کردیں گی۔ مریم نے جب کچھ ہوش سنبھالا تو ان کی والدہ ان کو لے کر آئیں اور انہیں بیت المقدس کے متولیوں کی خدمت میں پیش کردیا۔ ان کی سرپرستی اور نگرانی کے لیے حضرت زکریا کو مقرر کیا گیا۔ ان کی رہائش کے لیے ایک حجرہ مخصوص کردیا گیا جو جانبِ مشرق تھا اور آپ اس میں مصروف عبادت رہا کرتیں۔ اَلنَّبْذُ: الطَّرْحُ وَالرَّمْيُ۔ کسی چیز کے پھینک دینے کو "نبذ" کہتے ہیں۔ اَلْاِنْتِبَاذُ: اَلْاِعْتِزَالُ وَالْاِنْفِرَادُ(1)۔ انتباذ کا معنی لوگوں سے علیحدگی اختیار کرلینا۔

۱۸؎ آپ ایک روز گوشۂ تنہائی میں مصروفِ عبادت تھیں۔ اچانک کیا دیکھا کہ ایک تندرست وخوبرو نوجوان ان کے بالکل قریب کھڑا ہے۔ آپ یہ خیال کرکے گھبرا گئیں کہ اس کی نیت اچھی نہیں۔ فوراً اسے خدائے رحمٰن کا واسطہ دے کر دست درازی کرنے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 90

سَوِيًّا ﴿١٧﴾ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿١٨﴾ قَالَ اِنَّمَآ

انسان کی صورت میں۔ مریم بولیں میں پناہ مانگتی ہوں رحمٰن کی تجھ سے اگر تو پرہیزگار ہے۔ جبرائیل نے کہا میں تو

اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿١٩﴾ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ

تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں ۱۹؎ تاکہ میں عطا کروں تجھے ایک پاکیزہ فرزند۔ مریم (حیرت سے) بولیں (اے بندۂ خدا) کیونکر ہوسکتا ہے میرے ہاں بچہ

وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿٢٠﴾ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ

حالانکہ نہیں چھوا مجھے کسی بشر نے اور نہ میں بدچلن ہوں ۲۰؎ جبرائیل نے کہا یہ درست ہے (لیکن) تیرے رب نے فرمایا یوں بچہ

عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا

دینا میرے لیے معمولی بات ہے ۲۱؎ اور (مقصد یہ ہے کہ) ہم بنائیں اسے اپنی (قدرت کی) نشانی لوگوں کے لیے اور سراپا رحمت اپنی طرف سے ۲۲؎ اور یہ ایسی بات

سے روکا۔ وہ آنے والا جبرائیل علیہ السلام تھا جو بشری صورت میں ان کی خلوت گاہ میں کھڑا تھا۔ اس کی حکمت واضح ہے کیونکہ حضرت مریم جبرائیل کو ان کی ملکوتی شکل میں دیکھنے کی ہمت نہ رکھتی تھیں۔ (1)

۱۹؎ جبرائیل نے ان کی اس گھبراہٹ کو یہ کہہ کر دور کر دیا کہ میں انسان نہیں بلکہ فرشتہ ہوں اور تیرے رب کا بھیجا ہوا آیا ہوں تاکہ تجھے ایک پاکیزہ فرزند عطا کروں۔ حقیقت میں فرزند عطا فرمانے والا اللہ تعالیٰ ہے لیکن جبرائیل کیونکہ اس عطا کا سبب اور ذریعہ ہے اس لیے بطورِ مجاز فرزند دینے کی نسبت اپنی طرف کر دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے اگر کسی نعمت کے ملنے کو اس کے ذریعہ اور واسطہ کی طرف منسوب کیا جائے بشرطیکہ یہ یقین ہو کہ منعمِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے تو ایسی نسبت درست ہے۔ اس سے انسان مشرک نہیں ہو جاتا جس طرح آج کل بعض متشدد خیال کرتے ہیں۔

۲۰؎ ایک پریشانی سے جان چھوٹی تو دوسری پریشانی نے آکر دامن پکڑ لیا جو پہلے سے بھی زیادہ ہوش ربا اور روح فرسا تھی۔ کہنے لگیں میں کنواری لڑکی ہوں نہ میری شادی ہوئی ہے اور نہ میں بدکارہ ہوں۔ میرے ہاں بچہ کیسے پیدا ہوسکتا ہے؟ بَغِيٌّ فَعِيلٌ کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے (2) اور مذکر و مؤنث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

۲۱؎ جبرائیل علیہ السلام نے جواب میں کہا: ایسا ہی ہوگا۔ قانونِ فطرت تو یہ ہے کہ مرد و زن کے اختلاط سے بچہ پیدا ہوا کرتا ہے اور بن باپ کے بچہ پیدا ہونا عادت کے خلاف ہے لیکن اے مریم! تیرے رب کا یہ فرمان ہے کہ ایسا بچہ پیدا کرنا اس کے لیے بالکل آسان ہے۔ وہ ان اصولوں کے سامنے مجبور نہیں جن کے تم خوگر ہو بلکہ وہ اصول اور قوانین نتیجہ خیز ہونے میں اس کے اذن کے محتاج ہیں۔

۲۲؎ اس بچے کو بن باپ کے پیدا کرنے کی حکمت یہ ہے کہ علت و سبب کے چکر میں پھنسے ہوئے لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 91-90　2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 88

مَقۡضِيًّا ﴿۲۱﴾ فَحَمَلَتۡهُ فَانۡتَبَذَتۡ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۲﴾ فَاَجَآءَهَا

ہے جس کا فیصلہ ہو چکا ہے ۲۳ پس وہ حاملہ ہوگئیں اس (بچہ) سے پھر وہ چلی گئیں اسے (شکم میں) لیے کسی دور جگہ ۲۴ پس لے آیا انھیں

الۡمَخَاضُ اِلٰى جِذۡعِ النَّخۡلَةِ ۚ قَالَتۡ يٰلَيۡتَنِىۡ مِتُّ قَبۡلَ هٰذَا

دردِ زہ ایک کھجور کے تنے کے پاس، کہنے لگیں کاش میں مر گئی ہوتی اس سے پہلے اور بالکل بصد حسرت و یاس

کے قادرِ مطلق ہونے کا ایک ناقابلِ تردید ثبوت پیش کیا جائے۔ نیز یہ بتایا کہ یہ مولودِ مسعود عام قسم کا بچہ نہیں ہوگا بلکہ ہماری طرف سے نوید رحمت سنانے کے لیے مقرر کیا جائے گا۔

۲۳ اے مریم! اس میں تردّد کرنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا بچہ پیدا کرنے کا فیصلہ کر دیا ہے۔ اب یہ ہو کر رہے گا۔

آپ ان آیات کے لفظی ترجموں کو ہی اگر پیشِ نظر رکھیں گے تو ان لوگوں کے نظریہ کا بے بنیاد ہونا آپ پر واضح ہو جائے گا۔ جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت مریم اس لیے حیران و ششدر ہو گئی تھیں کہ انہوں نے غلطی سے یہ سمجھ لیا تھا کہ ابھی اس کنوار پنے کی حالت میں ان کے ہاں بچہ ہوگا حالانکہ بات یہ نہ تھی۔ ابھی تو صرف بشارت دی جا رہی تھی۔ بچہ تو شادی کے بعد پیدا ہونا تھا۔ آپ غور فرمائیں! اگر مقصودِ خداوندی یہی ہوتا جو علم و دانش کے ان بزرجمہروں نے آیات سے اخذ کیا ہے تو پھر اسلوبِ کلام یہ نہ ہوتا۔ صرف اتنا کہہ دیا جاتا کہ مریم جب تو شادی کرے گی تو بچہ پیدا ہوگا۔ کلامِ الٰہی کا انداز ان لوگوں کے نظریات کی واضح تردید کرتا ہے۔

۲۴ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پھونک ماری اور حمل قرار پا گیا (1)۔ منشائے خداوندی پر مطلع ہو کر مریم خود تو مطمئن ہو گئیں۔ لیکن اپنے دامنِ عفت کو لوگوں کی بہتان تراشیوں سے کیسے محفوظ رکھا جائے؟ ہر ایک سے تو رازِ الٰہی کہا بھی نہیں جا سکتا اور اگر کہہ بھی دیا جائے تو مانے گا کون؟ اس لیے آپ نے عافیت اسی میں سمجھی کہ لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہو جائیں۔ چنانچہ اپنے حجرہ کو خیر باد کہی، اور ایک دور گوشہ میں چلی گئیں۔ خود سوچیے اگر یہ حمل شادی کے بعد ہوتا تو انہیں اپنا گھر چھوڑ کر جانے کی کیا ضرورت تھی؟

۲۵ جب وقت پورا ہو گیا اور وضع کا درد شروع ہوا تو کھجور کے ایک تنے کی اوٹ میں آ گئیں۔ وضعِ حمل کی تکلیف شروع ہے۔ کوئی دایا پاس نہیں اور سر چھپانے کے لیے جھونپڑا تک نہیں اور یہ احساس تیز تر ہو گیا ہے کہ اب تک لوگوں کی نظروں سے چھپی رہی اور اب بچہ پیدا ہوگا تو اسے کہاں چھپاؤں گی اور لوگوں کو کیا منہ دکھاؤں گی؟ شدتِ بیچارگی و درماندگی میں یہ الفاظ زبان پر آ ہی گئے۔ يٰلَيۡتَنِىۡ الآیۃ غور فرمائیے اگر یہ حمل شادی کا ہوتا تو وہ اپنے گھر میں آرام سے پلنگ پر لیٹی ہوتیں۔ زیادہ نہ سہی تو ایک آدھ دایا خبر گیری کے لیے ہی پاس ہوتی۔ کبھی ایسا بھی ہوا کہ شادی شدہ عورت بچہ جننے کے لیے تنہا وادیوں میں گھوم رہی ہو۔ اسے ایک سوکھا ہوا کھجور کا تنا نظر آئے تو اس کی پناہ لینے میں ہی غنیمت سمجھے۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 89

وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ۝ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ

فراموش کردی گئی ہوتی۔ پس پکارا اسے ایک فرشتہ نے اسکے نیچے سے (اے مریم!) غمزدہ نہ ہو جاری کردی ہے

رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ

تیرے رب نے تیرے نیچے ایک ندی (لے) اور ہلاؤ اپنی طرف کھجور کے تنے کو گرنے لگیں گی تم پر

رُطَبًا جَنِيًّا ۝ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ

پکی ہوئی کھجوریں (لے) (میٹھے میٹھے خرمے) کھاؤ اور (ٹھنڈا پانی) پیو اور (اپنے فرزند دلبند کو دیکھ کر) آنکھیں ٹھنڈی کرو پھر اگر تم

چند الفاظ: قَصِيًّا۔ دور۔ اَجَاءَ۔ جَاءَ پر ہمزہ کا اضافہ کر کے متعدی بنا دیا گیا لیکن اس میں "آنے" کے معنی کے ساتھ اِلْجَاء (مجبوراً آنا) کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے لٰکِنَّهٗ خُصَّ بِالْاِلْجَاءِ فِي الْاِسْتِعْمَالِ (مظہری) مَخَاضٌ (مصدر) وَجَعُ الْوِلَادَةِ درد زہ جب بچہ باہر نکلنے کے لیے شکم میں حرکت کرنے لگے تو عرب کہتے ہیں مَخَضَتِ الْمَرْاَةُ (مظہری) (1)

۲۶ جب آپ کی پریشانی حد سے گزر گئی تو نیچے سے تسلی آمیز آواز آئی۔ مریم غم نہ کرو۔ یہ دیکھو تیرے لیے تیرے رب نے ایک خشک ندی میں پانی جاری کر دیا ہے۔ جب اس کی نظرِ عنایت ہر دم اور ہر لحظہ تیری طرف مائل ہے تو پھر تو کیوں دلگیر ہو؟

سَرِيًّا: اَلسَّرِيُّ: النَّهْرُ الصَّغِيْرُ (2)۔ جمہور علماء کے نزدیک آیت میں یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ سَرِيٌّ کا معنی وہ مردِ عظیم ہے جو خصالِ حمیدہ سے متصف ہو۔ اَلسَّرِيُّ مِنَ الرِّجَالِ الْعَظِيْمُ الْخِصَالِ السَّيِّدُ (3) (قرطبی)

اس صورت میں آیت کا معنی ہو گا اے مریم تو کیوں غمزدہ ہوتی ہے۔ نیچے پڑے ہوئے اس معصوم بچے کو دیکھ، جس کی پیشانی پر سیادت وعظمت کے انوار دمک رہے ہیں۔

۲۷ قدم قدم پر اپنی عنایات سے سرفراز فرمایا جا رہا ہے۔ اس تنے کو ذرا جھنجھوڑو تمہارے کھانے کے لیے عمدہ پکی ہوئی کھجوریں تیرے قدموں میں آگریں گی۔ وہی پروردگار جو حجرۂ عبادت میں تجھے بے موسم کے پھل کھلایا کرتا تھا وہی آج تیرے ایامِ زچگی کے لیے تازہ اور میٹھے خرموں کا اہتمام فرما رہا ہے۔ جَنِيًّا وہ پکا ہوا پھل جو توڑنے کے قابل ہو جائے۔ اَلْجَنِيُّ الَّذِيْ بَلَغَ الْغَايَةَ وَجَاءَ اَوَانُ اجْتِنَائِهٖ (4)۔ اطباء کے نزدیک ایامِ زچگی میں عورت کے لیے بہترین خوراک تازہ اور شیریں کھجور ہے۔ (5)

۲۸ اس آیت میں جو لطف ہے وہ اہلِ ذوق پر مخفی نہیں۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 89 2۔ ایضاً، ج 6، ص 91 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 11، ص 94
4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 91-90 5۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 11، ص 96

الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِیْٓ اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ

دیکھو کسی آدمی کو تو (اشارہ سے اسے) کہو کہ میں نے نذر مانی ہوئی ہے رحمٰن کے لیے (خاموشی کے) روزہ کی پس میں آج کسی انسان

الْیَوْمَ اِنْسِیًّا ۚ﴿۲۶﴾ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ

سے گفتگو نہیں کروں گی ۲۹۔ اس کے بعد وہ لے آئیں بچہ کو اپنی قوم کے پاس (گود میں) اٹھائے ہوئے ۳۰۔ انہوں نے کہا اے مریم! تم نے بہت ہی

شَیْـًٔا فَرِیًّا ﴿۲۷﴾ یٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ

برا کام کیا ہے ۳۱۔ اے ہارون کی بہن! ۳۲ نہ تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ ہی

۲۹۔ اگر کوئی شخص تیری گود میں بچہ دیکھ کر تم پر زبانِ طعن دراز کرنے لگے تو تمہیں اپنے دفاع کے لیے بولنے کی ضرورت نہیں تم خاموش رہنا اور معترضین کو بتا دینا کہ میں روزہ دار ہوں اس لیے گفتگو نہیں کروں گی۔

۳۰۔ جب چلنے پھرنے کے قابل ہو گئیں تو اپنے فرزندِ دلبند کو گود میں اٹھا کر اپنے گھر لوٹیں۔ جب کنبہ والوں نے دیکھا کہ مریم، کنواری مریم، بچہ اٹھائے آ رہی ہے تو ان پر سکتے کا عالم طاری ہو گیا ہو گا اور فرطِ خجالت سے وہ صرف اتنا ہی کہہ سکے ہوں گے۔ یٰمَرْیَمُ الخ۔ وہب بن منبہ روایت کرتے ہیں کہ جب آپ بچے کو اپنی قوم کے پاس لے آئیں تو بنی اسرائیل میں یہ بات مشہور ہو گئی۔ ملامت کرنے کے لیے مرد و زن دوڑے آئے۔ ایک عورت نے تھپڑ مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا تو وہ سوکھ گیا۔ ایک مرد نے کہا یہ تو زناکارہ ہے تو وہ گونگا ہو گیا۔ یہ دیکھ کر کسی کو مارنے یا برا بھلا کہنے کی ہمت نہ ہوئی اور بڑے نرم انداز میں اتنا ہی کہہ سکے لَقَدْ جِئْتِ شَیْـًٔا فَرِیًّا۔(1) خود سوچیے اگر کسی شادی شدہ عورت کے ہاں بچہ پیدا ہو تو کیا اس کی آؤ بھگت اس طرح کی جاتی ہے؟

۳۱۔ لفظ فَرِیًّا کی تحقیق کرتے ہوئے صاحب تاج العروس لکھتے ہیں اَلْفَرِیُّ کَغَنِیٍّ اَلْاَمْرُ الْمُخْتَلِقُ الْمَصْنُوْعُ اَوِ الْعَظِیْمُ نَقَلَهُمَا الْجَوْهَرِیُّ اَوِ الْعَجِیْبُ نَقَلَهُ الرَّاغِبُ (2) یعنی فری جو غنیٌّ کا ہم وزن ہے جوہری نے اس کے دو معنی ذکر کیے ہیں۔ اَلْمُخْتَلِقُ الْمَصْنُوْعُ گھڑا ہوا بناوٹی اور اَلْعَظِیْمُ بہت بڑا۔ امام راغب نے اس کا معنی عجیب، حیران کن کیا ہے (3)۔ لیکن علامہ ابوحیان اندلسی نے اس کا معنی اَلْعَظِیْمُ الشَّنِیْعُ بتایا ہے۔ یعنی بہت قبیح فعل ہے۔ (بحر) (4)

علامہ آلوسی نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے۔ اِنَّهٗ یُسْتَعْمَلُ فِی الْعَظِیْمِ مِنَ الْاَمْرِ شَرًّا اَوْ خَیْرًا قَوْلًا اَوْ فِعْلًا۔ (روح المعانی) (5)

ہر بڑے کام کے لیے خواہ وہ برا ہو یا اچھا، قول ہو یا فعل یہ لفظ (فَرِیٌّ) استعمال ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ وضاحت مذکورہ بالا سب معانی پر حاوی ہے۔ اور موقع کے بھی مناسب ہے اس لیے ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے۔

۳۲۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ آپ کے کسی بھائی کا نام ہارون تھا۔ صحیح حدیث سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ صحیح مسلم میں

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 99
2۔ تاج العروس، ج 10، ص 289
3۔ مفردات راغب، ص 635
4۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 186
5۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 16، ص 87

اُمُّكِ بَغِيًّا ﴿۲۸﴾ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ۭ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ

تیری ماں بدچلن تھی ۳۳ اس پر مریم نے بچہ کی طرف اشارہ کیا ۳۴ لوگ کہنے لگے ہم کیسے بات کریں اس سے ۳۵ جو گہوارہ میں

ہے کہ مغیرہ بن شعبہ جب نجران گئے تو وہاں کے عیسائیوں نے ان سے پوچھا کہ قرآن میں مریم کو اختِ ہارون، ہارون کی بہن کہا گیا ہے حالانکہ ہارون مریم سے صدہا سال پہلے گزرے ہیں۔ وہ کوئی جواب نہ دے سکے۔ جب واپس آئے تو بارگاہِ رسالت میں اس واقعہ کو بیان کیا۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسَمُّوْنَ بِاَنْبِيَائِهِمْ وَالصَّالِحِيْنَ قَبْلَهُمْ (1) کہ بنی اسرائیل کا دستور تھا کہ وہ اپنے بچوں کے نام انبیاء کے اور پہلے بزرگوں کے ناموں پر رکھا کرتے تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مریم کے ایک بھائی تھے جن کا نام حسبِ دستور حصولِ برکت کے لیے حضرت ہارون کے نام پر رکھا گیا تھا۔ دیگر علماء نے لکھا ہے کہ ہارون سے مراد حضرت ہارون ہی ہیں۔ کیونکہ مریم ان کے خاندان سے تھیں اس لیے اختِ ہارون کہا گیا۔ عرب میں جب قبیلہ کے کسی فرد کو قبیلہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے تو لفظ اخ استعمال کرتے ہیں جیسے یَا اَخَا مُضَر یَا اَخَا تَمِیْم۔ حدیثِ پاک میں ہے اِنَّ اَخَا صُدَاءٍ قَدْ اَذَّنَ فَمَنْ اَذَّنَ فَهُوَ يُقِيْمُ (2) (قرطبی) یعنی صداء کے بھائی نے اذان دی ہے اور جو اذان دے وہی تکبیر کہے۔

۳۳ جن الفاظ سے لوگ مریم کو عار دلا رہے ہیں۔ وہ یہ نہیں کہ تمہارا باپ تو بڑا صحیح العقیدہ تھا تمہاری ماں تو اپنے نظریات میں بڑی پختہ تھی۔ تم نے یہ بے دین اور بد اعتقاد لونڈا کیسے جنا؟ بلکہ یہ کہہ رہے ہیں کہ تیرا باپ ''اِمْرَأَ سَوْءٍ'' (مرد بدکار) نہ تھا۔ اور تیری ماں ''بَغِيًّا'' (بدکارہ) نہ تھی۔ کیا کسی شادی شدہ عورت کو یوں عار دلائی جاتی ہے؟

۳۴ حسبِ ارشادِ خداوندی مریم خود چپ رہیں اور بچے کی طرف اشارہ کر دیا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ جو پوچھنا ہے اس سے پوچھو۔

۳۵ انہوں نے کہا مریم! تو ہمارے ساتھ مذاق کرتی ہے۔ خود گم سم ہو کر بیٹھی ہے اور ہمیں اس شیر خوار بچے سے گفتگو کرنے کو کہتی ہے جو ابھی جھولے میں جھول رہا ہے۔ ہم اس سے کیسے بات کر سکتے ہیں؟ آیت میں ''كَانَ'' کا لفظ تحقیق طلب ہے کیونکہ وہ حضرات جو حضرت عیسیٰ کے بن باپ پیدا ہونے کے قائل نہیں انہیں اس سے بڑی غلط فہمی ہوئی ہے۔ اس لیے یہاں اس کا مفہوم اچھی طرح ذہن نشین فرما لیجیے تاکہ آگے جب ان کی غلط فہمی کا تذکرہ آئے تو آپ کو کسی قسم کی تشویش لاحق نہ ہو۔

كَانَ فعلِ ناقص ہے۔ اور ماضی کا صیغہ ہے جو گزشتہ زمانہ پر دلالت کرتا ہے۔ اس طرح آیت کا معنی یوں ہوگا کہ ہم اس سے کیسے بات کریں جو گزشتہ زمانے میں پنگھوڑے میں بچہ تھا۔ یہ معنی کسی طرح پسندیدہ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے علماء اسلام طَابَ اللّٰهُ ثَرَاهُمْ نے اس آیت کے ضمن میں كَانَ پر بڑی مفید بحث کی ہے۔

ابو عبیدہ (امام نحو و ادب) نے کہا ہے کہ یہاں كَانَ زائدہ ہے اور محض تاکید کا فائدہ دیتا ہے اور کسی زمانہ پر دلالت نہیں کرتا۔ كَانَ زَائِدَةٌ لِمُجَرَّدِ التَّاكِيْدِ مِنْ غَيْرِ دَلَالَةٍ عَلَى الزَّمَانِ (روح المعانی) (3)

بعض نے کہا ہے کہ یہ تامہ ہے (4)۔ ان دونوں صورتوں پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر كَانَ زائدہ ہوتا تو ''صَبِيًّا'' خبر

1۔ صحیح مسلم، کتاب الاداب، باب النهی عن التکنی بابی القاسم و بیان ما یستحب من الاسماء، ج 2، ص 207

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 101-100، جامع ترمذی، کتاب الصلوۃ، باب ماجاء ان من اذن فهو یقیم، ج 1، ص 28، سنن ابی داود، کتاب الصلوۃ، باب من اذن فهو یقیم، ج 1، ص 201

3۔ روح المعانی زیر آیت ہذا، ج 16، ص 89

4۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 187

صَبِيًّا ﴿٢٩﴾ قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ۛ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ﴿٣٠﴾

کمسن (بچہ) ہے۔ (اچانک) وہ بچہ بول پڑا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں ۳۶ اس نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور اس نے مجھے نبی بنایا ہے ۳۷

کو کیسے نصب دیتا اور اگر کَانَ تامہ تھا تو اسے خبر کی ضرورت ہی نہ تھی۔ حالانکہ یہاں ''صَبِيًّا'' خبر مذکور ہے (1)۔ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ صَبِيًّا خبر نہیں بلکہ حال ہے اور اسی وجہ سے منصوب ہے۔

علامہ ابو حیان اندلسی یہ لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ کَانَ ناقصہ ہے اور صَبِيًّا اس کی خبر ہے اور کَانَ زمانہ ماضی پر دلالت کرنے کے ساتھ زمانہ حال میں اس فعل کے پائے جانے کی نفی نہیں کرتا بلکہ یہ بتاتا ہے کہ زمانہ ماضی میں پائے جانے کے ساتھ ساتھ وہ فعل زمانہ حال میں بھی بدستور پایا جارہا ہے جیسے كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٥٢﴾ (2) کہ پہلے بھی اللہ تعالیٰ غفور رحیم تھا اور اب بھی ہے یا جیسے وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً (3) زنا کے قریب تک بھی نہ جاؤ۔ یہ پہلے بھی بے حیائی کا کام تھا اور اب بھی ہے۔ یہ نہیں کہ گزشتہ زمانہ میں تو زنا فحش و قبیح تھا اور اب نہیں ہے۔ وَالظَّاهِرُ اَنَّهَا نَاقِصَةٌ فَتَكُوْنُ بِمَعْنٰى صَارَ اَوْ تَبْقٰى عَلٰى مَدْلُوْلِهَا مِنِ اقْتِرَانِ مَضْمُوْنِ الْجُمْلَةِ بِالزَّمَانِ الْمَاضِيْ وَلَا يَدُلُّ ذٰلِكَ عَلَى الْاِنْقِطَاعِ كَمَا لَمْ يَدُلَّ فِيْ قَوْلِهٖ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا وَفِيْ قَوْلِهٖ وَ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً۔ وَالْمَعْنٰى كَانَ وَهُوَ الْاٰنَ عَلٰى مَا كَانَ وَلِذٰلِكَ عَبَّرَ بَعْضُ اَصْحَابِنَا عَنْ كَانَ هٰذِهٖ بِاَنَّهَا تُرَادِفُ لَمْ يَزَلْ۔ (البحر المحیط) (4)

۳۶ آپ دودھ پی رہے تھے۔ یہ باتیں سن کر آپ نے دودھ پینا چھوڑ دیا اور ان لوگوں کی طرف رخ کر کے یہ کلام معجز نظام ارشاد فرمایا۔ سب سے پہلے یہ اعلان کیا کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں (5)۔ نہ میں خدا ہوں اور نہ خدا کا بیٹا۔ جس طرح ان کے پرستاران کے متعلق اعتقاد رکھنے والے تھے۔ آنے والی غلطیوں کا پہلے دم ہی ازالہ فرما دیا۔ نیز مقامِ عبدیت تمام مقاماتِ قرب سے اعلیٰ ترین مقام ہے۔

۳۷ ہاں ایک چیز غور طلب ہے۔ آپ نے یہ نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ مجھے کتاب دے گا۔ اور مجھے وقتِ مقررہ پر نبی بنا کر مبعوث فرمائے گا اور مجھے بابرکت کرے گا بلکہ تمام صیغے ماضی کے استعمال ہوئے ہیں جن کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کتاب مرحمت فرمادی ہے۔ مجھے نبی بنادیا ہے اور مجھے بابرکت کردیا ہے۔ اس کی کئی وجوہ بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے بچپن میں ہی ان نعمتوں سے سرفراز فرمادیا تھا لیکن علامہ قرطبی نے اس وجہ کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (6)

۲۔ جو چیز علمِ الٰہی میں مقدر ہو چکی ہو وہ اگرچہ وقوع پذیر نہ ہو پھر بھی اس کو زمانہ ماضی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے واقعہ ہونے میں کسی قسم کا شائبہ نہیں۔

وَقِيْلَ اِنَّ ذٰلِكَ سَبَقَ فِيْ قَضَائِهٖ وَسَابِقِ حُكْمِهٖ وَيَحْتَمِلُ اَنْ يُّجْعَلَ الْاٰتِيْ لِتَحَقُّقِهٖ كَاَنَّهٗ قَدْ وُجِدَ (بحر) (7)

مبارک کے کئی معانی بیان کیے گئے ہیں۔ قَالَ مُجَاهِدٌ نَفَّاعًا بہت نفع رساں وَقَالَ سُفْيَانُ مُعَلِّمَ خَيْرٍ (بھلائی کی تعلیم

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 11، ص 102 2۔ سورۃ النساء: 152 3۔ سورۃ بنی اسرائیل: 32 4۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 187
5۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 11، ص 102 6۔ ایضاً، ج 11، ص 103-102 7۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 187

وَّجَعَلَنِىْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَاَوْصٰنِىْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا

اور اسی نے مجھے بابرکت کیا ہے جہاں کہیں بھی میں ہوں ۔ اور اسی نے مجھے حکم دیا ہے نماز ادا کرنے کا اور زکوٰۃ دینے کا جب تک

دُمْتُ حَيًّا ۝۳۱ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِىْ ۡ وَلَمْ يَجْعَلْنِىْ جَبَّارًا شَقِيًّا ۝۳۲ وَالسَّلٰمُ

میں زندہ رہوں ۳۸ اور مجھے خدمتگذار بنایا ہے اپنی والدہ کا اور اس نے نہیں بنایا مجھے جابر (اور) بدبخت ۔ اور سلامتی ہو

عَلَىَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ۝۳۳ ذٰلِكَ عِيْسَى

مجھ پر جس روز میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن مجھے اٹھایا جائیگا زندہ کر کے یہ ہے عیسیٰ

ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِىْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝۳۴ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ

ابن مریم ۳۹ (اور یہ ہے وہ) سچی بات جس میں لوگ جھگڑ رہے ہیں یہ زیبا ہی نہیں اللہ تعالیٰ کو کہ وہ

يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ

کسی کو اپنا بیٹا بنائے ۔ وہ پاک ہے ۔ جب وہ فیصلہ فرما دیتا ہے کسی کام کا تو بس فقط اتنا حکم دیتا ہے اسے کہ ہو جا

دینے والا) وَقِيْلَ آمِرًا بِمَعْرُوْفٍ وَّنَاهِيًا عَنْ مُّنْكَرٍ نیکی کا حکم دینے والا برائی سے روکنے والا ۔ وَعَنِ الضَّحَّاكِ قَاضِيًا لِّلْحَوَائِجِ: بہت حاجت روا ۔ (روح ۔ بحر)(1)

۳۸ اس سے مراد یا تو شرعی نماز اور زکوٰۃ ہے یا نماز سے مراد دعا اور زکوٰۃ سے مراد نفس کو رذائل سے پاک کرنا ہے(2) ۔ آپ کی والدہ محترمہ پر جو الزام عائد کیا جا رہا تھا اس کو دور کرنے کے لیے آپ نے یہ ارشاد فرمایا اور حضرت مریم کی براءت کو ثابت کرنے کے لیے اس سے زیادہ موثر، دلنشین اور بلیغ اسلوب نہیں ہوسکتا ۔ یعنی کیا ایک زانیہ کے شکم سے ایسا بچہ تولد ہوسکتا ہے جو ان کمالات کا حامل ہو ۔ میرا صاحب کتاب نبی ہونا، میرے وجود کا سراپا برکت ہونا کیا اس بات کی بیّن دلیل نہیں کہ میری والدہ تقیہ، عفیفہ، زاہدہ اور قانتہ ہیں؟

اگر کسی کو حضرت عیسیٰ کے اس ارشاد سے حضرت مریم کی عفت اور پاکدامنی کا یقین نہ آئے تو وہ اپنے ذوق کا ماتم کرے ۔

۳۹ قرآن کریم کی جن آیات میں ولادتِ مسیح کا مفصل تذکرہ ہوا ان کا آپ نے مطالعہ فرما لیا ۔ آیئے اب ان لوگوں کے موقف کا علمی محاسبہ کریں جو ان تصریحات کے باوجود اس کے قائل ہیں کہ حضرت مسیح کی پیدائش بغیر باپ کے نہیں ہوئی بلکہ وہ مریم اور یوسف نجار کے لڑکے ہیں ۔ اس طائفہ کے سرخیل سر سید احمد خاں ہیں ۔ جس شرح و بسط سے انہوں نے اس پر بحث کی

1 ۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 16 ص 89 ۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 6 ص 187 2 ۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 16 ص 89

ہے اور اپنی طرف سے دلائل کے جو انبار لگائے ہیں وہ انہی کا حصہ ہیں۔ باقی سب ان کے پیروکار اور ریزہ چین ہیں۔ اس لیے بہتر ہے کہ انہی کی نگارشات کو موضوعِ بحث بنایا جائے اور انہی کی تحقیقات کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھا جائے۔

''وہ لکھتے ہیں کہ مسیح کو بن باپ پیدا کرنے میں کوئی حکمت ہونی چاہیے۔ کیونکہ ایسا کرنے کی کوئی معقول حکمت نہیں۔ اس لیے ہم یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ آپ کی پیدائش کے لیے بلاوجہ قانونِ فطرت کو توڑا گیا۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس میں حکمت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا اظہار ہو تو یہ درست نہیں کیونکہ اظہارِ قدرت کے لیے ایسی دلیل ہونی چاہیے جو بین اور ظاہر ہو تا کہ کسی کو مجالِ انکار نہ رہے اور بغیر باپ کے پیدا ہونا امرِ مخفی ہے''۔(1)

ہم گزارش کرتے ہیں کہ اس کی حکمت تلاش کرنے کے لیے زیادہ مغز ماری کی ضرورت نہیں۔ قرآنِ کریم نے خود ہی اسے بیان کر دیا لِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ (2) کہ ہم اس کو اپنی قدرتِ کاملہ کی نشانی کے طور پر لوگوں کے سامنے پیش کریں۔ اب یہ بتانا ہے کہ یہ واقعہ کس اعتبار سے لوگوں کے لیے آیت ہے؟ جس زمانہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت ہوئی اس وقت شام وفلسطین کے علاقوں پر یونانیوں کا قبضہ تھا۔ اور اس سیاسی اقتدار کے ساتھ ساتھ وہاں یونانی فلسفہ کا طوطی بول رہا تھا۔ تخلیقِ عالم کے متعلق یونانی فلسفیوں کا نظریہ یہ تھا کہ خالق سے تخلیقِ عالم کا فعل یوں صادر ہوا ہے جس طرح علت سے معلول کا صدور ہوتا ہے۔ یعنی جس طرح علت سے اختیار اور ارادہ کے بغیر معلول صادر ہوتا ہے اسی طرح خالق سے ''عالم'' کی تخلیق ظہور پذیر ہوئی۔ عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کر کے بتا دیا کہ وہ ذاتِ پاک جو خالقِ کائنات اور مبدعِ ارض وسمٰوٰت ہے اس کا اپنا ارادہ ہے اور اس کی اپنی مشیت ہے۔ وہ مادی اسباب کی پابند نہیں۔ اور نہ ان کے سامنے مجبور ومقہور ہے بلکہ وہ قادر وتوانا ہے۔ جو چاہتا ہے جیسے چاہتا ہے وقوع پذیر ہوتا رہتا ہے۔

نیز وہ لوگ عالمِ ارواح کے قائل نہ تھے۔ وہ انسان کو جسم اور روح کا مجموعہ تسلیم نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ان کے نزدیک انسان صرف اس گوشت پوست کے ڈھانچے کا نام تھا۔ یہاں انسانی نطفہ کے بغیر، نفخِ روح سے آپ کو پیدا کر کے منکرینِ عالمِ ارواح پر اس بات کو آشکارا کر دیا کہ روح بھی ایک حقیقت ہے اور انسان جسم اور روح کے مجموعہ کا نام ہے۔

اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ کیونکہ آپ کی پیدائش کی بشارت دی گئی تھی۔ اس لیے لوگوں نے سمجھا کہ آپ بن باپ پیدا ہوئے اور یہ درست نہیں۔ کیونکہ بشارت حضرت ابراہیم اور زکریا کو بھی دی گئی تھی۔ اور ان کے فرزندوں کو کوئی بن باپ نہیں کہتا۔ اس لیے حضرت مسیح کی ولادت بن باپ ثابت نہ ہوئی۔ سبحان اللہ کیا استدلال ہے صرف بشارت سے کون اُن کا بن باپ ہونا تسلیم کرتا ہے بلکہ قرآن کی دوسری آیات اس پر دلالت کرتی ہیں۔

پھر ارشاد ہے کہ مریم کے لَمْ يَمْسَسْنِيْ الخ کہنے سے بھی یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ مریم نے اظہارِ تعجب اس لیے کیا تھا کہ ان کو غلط فہمی ہوئی تھی کہ بچہ اب ہی پیدا ہونے والا ہے۔ حالانکہ فقط بچے کی پیدائش کی بشارت تھی۔ اور اس کی پیدائش تو ان کی شادی کے بعد ہوئی تھی۔ آپ خود انصاف فرمائیں اگر مقصود یہی تھا جو ان لوگوں نے سمجھا ہے تو مریم کو تسلی دینے کے لیے صرف اتنا کہہ دینا ہی کافی تھا۔ مریم گھبراؤ نہیں بچہ تب پیدا ہو گا جب تم شادی کر لو گی۔ اس سیدھے جواب کو چھوڑ کر یہ جواب دینا

1۔ مقالاتِ سرسید، ج 14، ص 11-310 2۔ سورۂ مریم: 21

قطعاً مناسب نہیں بلکہ قواعدِ فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے۔

پھر فرماتے ہیں آپ کا اٰیَةً لِّلنَّاسِ ہونا اس اعتبار سے تھا کہ آپ بڑے رحم دل اور رقیق القلب تھے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ بن باپ پیدا ہوئے۔ کیونکہ نشانی ایسی ہونی چاہیے جو واضح ہو اور جس کا انکار نہ کیا جاسکے۔ یہ تو ایک امرِ مخفی ہے۔ اس پر بیسیوں شبہات وارد کیے جاسکتے ہیں۔(1)

ان کا یہ خیال بھی درست نہیں بلکہ مسیح کا بن باپ پیدا ہونا قدرتِ خداوندی کی روشن دلیل ہے کیونکہ کنواری لڑکی کے ہاں بچہ پیدا ہونے کی اس کے علاوہ ایک ہی صورت ہے کہ وہ بدکارہ ہو۔ حضرت مسیح کے کلام سے جب آپ کی عفت و پاک دامنی ثابت ہوگئی اور ہر صحیح الفطرت شخص کو یقین ہوگیا کہ ایسا نورانی اور سراپا یمن و برکت بچہ زانیہ کے شکم سے پیدا نہیں ہوسکتا۔ بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا شاہکار ہے۔ باقی رہے بدفطرت لوگ تو ان کے نزدیک کائنات کی کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور کبریائی کی دلیل نہیں۔ زمین و آسمان، دریا و صحرا، چاند، ستارے کسی چیز میں بھی ان کور باطنوں کو قدرتِ الٰہی کے جلوے نظر نہیں آتے تو کیا آپ ان آیاتِ بینات کو بھی امرِ مخفی کہہ کر ان پر قلمِ تنسیخ پھیر دیں گے۔

اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے انہوں نے كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا سے بھی استدلال کیا ہے اور اس آیت کی عجیب و غریب تشریح کر کے عقلِ سلیم کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ کلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شیر خوارگی میں نہیں کیا تھا بلکہ جب آپ کی عمر بارہ تیرہ سال کی ہوگئی اور آپ یہودی علماء کی مجلسوں میں شریک ہو کر ان سے بحث و مباحثہ کرنے لگے اور ان کو ان کی کجرویوں پر متنبہ کرنے لگے تو علمائے یہود احتجاج کرنے کے لیے ان کی ماں کے پاس آئے اور ان کی بدعقیدگی کی شکایت کی۔ مریم اپنے لاڈلے بچے کی طرف سے خود صفائی دینے کے بجائے اس کو گود میں اٹھا لائیں اور اس کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ خود اس سے بات کر لو تو انہوں نے جواب دیا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ہم اس شخص کے ساتھ کیسے بات کر سکتے ہیں جو عالمِ شیر خوارگی میں پنگھوڑے میں جھولتا رہا تھا(2)۔ آپ نے ان کا ترجمہ ملاحظہ فرمایا۔ کیا کہنے اس فہمِ قرآن کے۔ اگر آیت کا یہی مفہوم ہے تو پھر انہیں کسی ایسے عالم سے گفتگو نہیں کرنی چاہیے جسے بچپن میں گہوارے میں لٹایا گیا ہو۔ ان مدعیانِ علم و دانش کو قرآن کا ایسا مفہوم بیان کرتے ہوئے غضبِ الٰہی کا اندیشہ نہ سہی کیا انہیں جگ ہنسائی کی بھی فکر نہیں۔ نیز وہ نوخیز جس نے محفلِ عام میں ان بڑے بڑے علماء کا ناطقہ بند کر دیا اور انہیں برسرِ عام لاجواب کر دیا اس کے متعلق یہ تو وہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ بڑا تیز زبان اور شوخ مزاج ہے اس سے گفتگو کرنے کا کوئی فائدہ نہیں لیکن وہ یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے کہ یہ کل کا بچہ ہے اور عرصہ تک جھولے میں جھولتا رہا ہے۔ اس سے بات کرنا ہماری شان کے خلاف ہے۔ رہا یہ کہ كَانَ ماضی کا صیغہ ہے اس لیے زمانہ ماضی پر دلالت کرتا ہے تو اس کے متعلق ہم اس آیت کی تشریح کے ضمن میں تحقیق کر آئے ہیں۔ آخر میں وہ یہ کہتے ہیں:

”کہ نہ مریم پر زنا کی تہمت لگائی گئی اور نہ حضرت مسیح نے اس تہمت کی تردید کی۔ اگر مریم پر یہ تہمت لگائی جاتی اور مسیح کو اس کی تردید مقصود ہوتی تو یہ نہ کہتے اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ الخ بلکہ یہ کہتے کہ میری ماں بدکارہ نہیں ہے۔ تم محض افترا باندھ رہے ہو“(3)۔ اس

1۔ مقالاتِ سرسید، ج14، ص25-323 2۔ ایضاً، ج14، ص29-328 3۔ ایضاً، ص30-329

فَيَكُونُ ﴿۳۵﴾ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۳۶﴾

تو وہ کام ہو جاتا ہے۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی سو اسی کی عبادت کیا کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ

پھر کئی گروہ آپس میں اختلاف کرنے لگے۔ ۴۰ پس ہلاکت ہے کفار کے لیے اس دن کی حاضری سے

کے متعلق میں کچھ کہنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ آپ خود ہی آیت نمبر ۲۷، ۲۸ کا ترجمہ دیکھ لیں اور اپنے دل سے پوچھیں کہ کیا یہ بہتان زنا نہیں اور حضرت مسیح کا یہ فرمانا اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ الخ اس سے بڑھ کر بھی اس الزام کی تردید کی کوئی مؤثر اور ابلغ صورت ہو سکتی ہے؟ الٰہی! اپنے محبوب مکرم صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے طفیل ہمیں اپنی کتاب مبین کی صحیح سمجھ عطا فرما آمین ثم آمین۔

۴۰۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق صرف یہود و نصاریٰ میں ہی باہمی اختلافِ آراء نہ تھا بلکہ خود عیسائی بھی آپ کے متعلق ایک رائے پر متفق نہ تھے۔ مفسرین نے ان کے باہمی اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے، کہ جب آپ کو آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا تو بنی اسرائیل ایک جگہ اکٹھے ہوئے تاکہ حقیقتِ مسیح کے متعلق کچھ فیصلہ کریں۔ تبادلۂ خیال کے لیے انہوں نے چار علماء منتخب کیے۔ پہلے گروہ کے نمائندہ عالم نے مسیح کی حقیقت بیان کرتے ہوئے کہا کہ خود خدا مسیح کی شکل میں زمین پر اترا۔ اس نے جسے چاہا زندہ کیا اور جسے چاہا مار دیا۔ پھر وہ آسمان کی طرف لوٹ گیا۔ (اس نظریہ کے ماننے والوں کو یعقوبیہ کہا جاتا ہے) یہ سن کر باقی تین عالموں نے کہا کہ تم نے جھوٹ بولا۔ دوسرے عالم نے کہا مسیح خدا نہیں بلکہ خدا کا بیٹا ہے۔ (اس رائے کے ماننے والے نسطوریہ کہلائے) لیکن اس کو بھی جھٹلا دیا گیا۔ تیسرے عالم نے اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کیا کہ وہ ثالث ثلثہ ہے یعنی تین خدا ہیں۔ ان میں سے مسیح تیسرا ہے۔ چوتھے عالم نے کہا کہ یہ تینوں باتیں سراسر کذب و افترا ہیں۔ سچ یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ (1)

انیسویں صدی سے یورپ کے جید علماء کا رجحان اس آخری نظریے کی طرف ہے۔ ڈی۔ ایف۔ سٹراس (DAVID FRIEDRICH STRAUSS) کی کتاب حیاتِ مسیح (LIFE OF JESUS) مطبوعہ ۱۸۳۵ء اور ای۔ رینان (ERNEST RENAN) کی کتاب حیاتِ مسیح مطبوعہ ۱۸۶۳ء کے بعد عیسائی حلقوں میں اس نظریہ کو بے پناہ شہرت حاصل ہوئی۔ مختصر الفاظ میں نظریہ یہ تھا کہ مسیح دوسرے انسانوں کی طرح ایک انسان تھے۔ لیکن انہیں اللہ تعالیٰ کی قوت و شہود کی معرفت اوروں سے زیادہ حاصل تھی۔

THIS IMPLIED THAT JESUS WAS A MAN LIKE OTHER MEN, BUT WITH A HEIGHTENED AWARNESS OF THE PRESENCE AND POWER OF GOD. (ENCY OF BRI. VOL,13- PAGE-25) (2)

1۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 190 2۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا، ج 13، ص 25

يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿٣٧﴾ اَسْمِعْ بِهِمْ وَ اَبْصِرْ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ

جو بہت بڑا ہے۔ (اس دن) یہ خوب سننے لگیں گے اور خوب دیکھنے لگیں گے ۴۱ جس دن آئیں گے ہمارے پاس لیکن یہ ظالم

الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٨﴾ وَ اَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ

آج تو کھلی گمراہی میں ہیں اور اے نبی کریم! آپ ڈرائیے انھیں حسرت و ندامت کے دن سے جب ہر بات

الْاَمْرُ وَ هُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّ هُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٣٩﴾ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ

کا فیصلہ کر دیا جائیگا اور آج یہ لوگ غفلت میں ہیں اور یہ ایمان نہیں لاتے۔ یقیناً ہم ہی وارث ہوں گے

الْاَرْضَ وَ مَنْ عَلَيْهَا وَ اِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿٤٠﴾ وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ

زمین کے اور جو کچھ اس کے اوپر ہے اور ہماری طرف ہی سب لوٹائے جائینگے۔ اور ذکر کیجیے آپ کتاب میں

اِبْرٰهِيْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿٤١﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ

ابراہیم (علیہ السلام) کا ۴۲ وہ بڑا راستباز نبی تھا۔ ۴۳ جب انھوں نے کہا اپنے باپ سے کہ اے میرے باپ تو کیوں عبادت

عیسائیوں کا باہمی اختلاف صرف یہاں تک محدود نہیں بلکہ بے شمار فرقے ہیں اور ہر ایک کا نظریہ حقیقتِ مسیح کے متعلق دوسروں سے مختلف ہے۔ مزید وضاحت کے لیے ضیاء القرآن جلد اوّل سورۃ النساء آیت نمبر ۱۷۱ کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیے۔

۴۱ یہ دونوں فعلِ تعجب کے صیغے ہیں (1) یعنی یہ لوگ آج تو پیغامِ حق سننے سے بہرے اور نورِ حق دیکھنے سے اندھے بنے ہوئے ہیں۔ انہیں لاکھ سمجھاؤ یہ سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے لیکن کل جب روزِ قیامت بارگاہِ الٰہی میں پیش ہوں گے تو ان کی حالت دیدنی ہوگی۔

۴۲ یہاں سے روئے سخن کفارِ مکہ کی طرف ہے جنہیں اس بات پر ناز تھا کہ وہ حضرت ابراہیم کی نسل سے ہیں اور ان کا یہ دعویٰ بھی تھا کہ وہ ملتِ ابراہیمی کے پیروکار ہیں۔ انہیں بتایا جارہا ہے کہ ابراہیم تو ان بتوں کے پرستار نہ تھے جن کی پوجا کو تم نے اپنا دین بنا رکھا ہے۔ اور تمہیں اگر اس حماقت سے باز آنے کے لیے کہا جاتا ہے تو تم الٹا آمادہ شر وفساد ہو جاتے ہو اور جب ابراہیم کا دین اور، تمہارا دین اور، پھر تمہیں یہ کہتے ہوئے شرم نہیں آتی کہ تم ملتِ ابراہیمی کے پیروکار ہو۔ نیز تمہیں جب بتوں کی پرستش سے روکا جاتا ہے تو تم یہ کہتے ہو:

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج6، ص96

مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ﴿۴۲﴾ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ

کرتا ہے اسکی جو نہ کچھ سنتا ہے اور نہ کچھ دیکھتا ہے اور نہ تجھے کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے ۴۴ اے میرے باپ بیشک آیا ہے

جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿۴۳﴾

میرے پاس وہ علم جو تیرے پاس نہیں آیا ۴۵ اس لیے تو میری پیروی کر میں دکھاؤں گا تجھے سیدھا راستہ۔

اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾ (1) (کہ ہمارے آباؤ اجداد ایک ملت پر تھے اور ہم انہی کے پیچھے چلنے والے ہیں)۔

اگر تمہیں اپنے آباؤ اجداد کی تقلید ہی کرنی ہے تو پھر اپنے عظیم وجلیل باپ ابراہیم کی تقلید کرو جس کی اولاد میں سے ہونا تمہارے لیے وجہِ صد افتخار ہے۔ ایسے عظیم وجلیل باپ کی تقلید کو چھوڑ کر دوسرے آباؤ اجداد کی پیروی تمہارے لیے کیونکر درست ہے۔ مدعا یہ ہے کہ اگر تم عقلِ سلیم پر اپنے عقیدہ کی بنیاد رکھتے ہو تب بھی دینِ ابراہیم کو اختیار کرو اور اگر محض تقلیدِ آباء پر تمہارے عقیدہ کا انحصار ہے تو پھر بھی دینِ ابراہیم کو اپناؤ۔ کیونکہ شہرت، ناموری اور رفعتِ شان میں تمہارا کوئی دوسرا باپ ان کا ہمسر نہیں۔ (2)

۴۳ یہ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی ہے ہمیشہ سچ بولنے والا۔ اَيْ مُلَازِمُ الصِّدْقِ لَمْ يَكْذِبْ قَطُّ۔ (روح المعانی) (3) اس کی مزید تحقیق کے لیے ضیاء القرآن جلد اوّل سورۃ النساء آیت نمبر ۶۹ کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

۴۴ اپنے باپ آذر کو توحید کی دعوت دے رہے ہیں اور ادب واحترام کا دامن بھی مضبوطی سے تھام رکھا ہے۔ کس عمدگی سے بتوں کی عبادت کی قباحت واضح فرما رہے ہیں کہ غیر خدا کی عبادت خواہ وہ غیر، زندہ بھی ہو اور سننے دیکھنے والا بھی ہو تب بھی جائز نہیں لیکن ایسی بے جان مورتیوں کی عبادت جو جامد محض ہیں، دیکھنے سننے کی صفت سے بھی محروم ہیں کسی قسم کے نفع ونقصان کی قدرت بھی نہیں رکھتیں، ان کے سامنے انسان جو اشرف المخلوقات ہے، جو سمیع وبصیر ہے وہ سجدہ ریز ہو کر پیشانی رگڑ رہا ہو یہ کتنی نامعقول اور قبیح حرکت ہے۔

۴۵ ہو سکتا ہے کہ آذر کے ذہن میں یہ خیال گزرا ہو کہ کل کا لڑکا مجھ جیسے تجربہ کار، دانشور کو نصیحت کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتا۔ آپ نے یہ فرما کر اس کا بھی ازالہ کر دیا کہ اگرچہ آپ عمر میں بڑے، میرے بزرگ اور میرے لیے محترم ہیں لیکن توحید، رسالت، حشر ومعاد کے پیچیدہ مسائل پر جس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے آگاہی بخشی ہے اس سے آپ بہرہ ور نہیں۔ اسی لیے تو آپ غلطاں وپیچاں ہیں۔ مجھے حق پہنچتا ہے کہ خداداد علم کی روشنی سے آپ کے قلب ودماغ کے تاریک گوشوں کو منور کروں تاکہ آپ گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکتے نہ رہیں۔

1۔ سورۃ الزخرف: 23 2۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 11، جز 21، ص 24-223 3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 16، ص 95

يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿۴۴﴾

اے باپ! شیطان کی پوجا نہ کیا کر ۴۶ بیشک شیطان تو رحمٰن کا نافرمان ہے۔

يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ

اے باپ! میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تجھے پہنچے عذاب (خدائے) رحمٰن کی طرف سے ۴۷ تو تو بن جائے

لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿۴۵﴾ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ

شیطان کا ساتھی ۴۸ باپ نے کہا کیا روگردانی کرنے والا ہے تو میرے خداؤں سے اے ابراہیم! ۴۹ اگر تم باز نہ

۴۶ اگرچہ وہ شیطان کی نہیں بلکہ اپنے بتوں کی پرستش کرتے تھے لیکن ان بتوں کی پرستش انہوں نے شیطان کے اکسانے اور وسوسہ ڈالنے سے شروع کی تھی۔ اسی لیے گویا ان کا اصلی معبود شیطان تھا۔(1)

۴۷ یہاں بتا دیا کہ اگر آپ نے میری بات نہ مانی اور کفر پر اڑے رہے تو اس کا انجام بڑا ہولناک ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا عذاب آپ کو اپنی گرفت میں لے لے گا تو پھر کوئی چھڑانے والا نہ ملے گا۔

۴۸ شرک کے باعث آپ خدا کی دوستی اور اس کی اعانت سے محروم ہو جائیں گے۔ ایک شیطان سے آپ کی دوستی اور تعلق باقی رہ جائے گا۔ اس سے بے وفا دوست تو آج تک کسی نے نہیں دیکھا۔ اس کی دوستی سب سے زیادہ ناقابلِ اعتبار ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ سے دوستی توڑ کر شیطان سے یارانہ گانٹھنا کسی عقلمند کو زیب نہیں دیتا۔

۴۹ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کا ہر لفظ محبت و احترام کی خوشبو سے مہک رہا ہے۔ لیکن آذر کا جواب درشتی اور بے مہری کا آئینہ دار ہے۔ یٰبُنَیَّ (اے میرے بیٹے) نہیں کہا بلکہ نام لیا۔ وہ بھی ابتدائے کلام میں نہیں بلکہ آخر میں۔ رَاغِبٌ خبر کو مقدم کیا اور مبتداء کو مؤخر۔ علاوہ ازیں حضرت ابراہیم کی مدلّل دعوت کے جواب میں کوئی معقول بات پیش نہیں کی جا رہی بلکہ دھمکیاں دی جا رہی ہیں اور آنکھوں سے دور ہو جانے کا حکم دیا جا رہا ہے۔(2)

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 16، ص 97 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 99

لَمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِیْ مَلِیًّا ﴿۴۶﴾ قَالَ سَلٰمٌ عَلَیْكَ سَاَسْتَغْفِرُ

آئے تو میں تمہیں سنگسار کردوں گا اور دُور ہو جا میرے سامنے سے کچھ عرصہ ابراہیم نے جواب میں، کہا سلام ہو تم پر ۵۰ میں مغفرت

لَكَ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا ﴿۴۷﴾ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ

طلب کرونگا تیرے لیے اپنے رب سے۔ بلاشبہ وہ مجھ پر بیحد مہربان ہے اور میں الگ ہو جاؤں گا تم سے اور ان سے بھی جن کی تم عبادت کرتے ہو

دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّیْ ۖ٘ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّیْ شَقِیًّا ﴿۴۸﴾

اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور میں اپنے رب کی عبادت کرونگا۔ مجھے امید ہے کہ میں اپنے رب کی عبادت کی برکت سے نامراد نہیں رہونگا۔

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ

پس جب وہ جدا ہو گیا ان سے ۵۱ اور جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر تو عطا فرمایا ہم نے ابراہیم کو اسحق

۵۰ آذر کی اس سخت کلامی کے باوجود حضرت ابراہیم کا انداز حسب سابق نرم اور مؤدبانہ تھا۔ کہتے ہیں تم سلامت رہو۔ میری نصیحت تم نے قبول نہیں کی لیکن میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں تمہاری ہدایت اور مغفرت کے لیے عرض کرتا رہوں گا۔ حَفِیٌّ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی ہے بہت مہربان، بے حد لطف فرمانے والا۔ ابن قتیبہ نے حَفِیًّا کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے: اَیْ بَارًّا عَوَّدَنِیْ مِنْهُ الْاِجَابَةَ اِذَا دَعَوْتُهٗ (غریب القرآن) (1) ''ایسا مہربان جس نے مجھے اس بات کا خوگر بنا دیا ہے کہ جب کبھی میں کوئی عرض کرتا ہوں تو وہ اسے ضرور قبول فرماتا ہے۔'' اس آیت کے ضمن میں علامہ قرطبی نے یہ بحث کی ہے کہ کیا کافر کو سلام دینا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق مختلف اقوال لکھے ہیں۔ حضرت اوزاعی سے پوچھا گیا کہ اس مسلمان کا کیا حکم ہے جو کافر کے پاس سے گزرتا ہے تو اسے سلام دیتا ہے۔ فَقَالَ اِنْ سَلَّمْتَ فَقَدْ سَلَّمَ الصَّالِحُوْنَ قَبْلَكَ وَاِنْ تَرَكْتَ فَقَدْ تَرَكَ الصَّالِحُوْنَ قَبْلَكَ یعنی اگر تو سلام دے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ تم سے پہلے کئی صلحاء سلام دیا کرتے تھے۔ اور اگر تو سلام نہ دے تو بھی درست ہے۔ کیونکہ تم سے پہلے کئی صلحاء کا یہی معمول تھا۔ حضرت حسن بصری سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تیرا گزر کسی ایسی مجلس پر ہو جس میں مسلمان اور کافر موجود ہیں تو پھر انہیں سلام دو۔ (2)

۵۱ جب آپ نے دیکھا کہ ان کی پند و موعظت کا اثر ان کے کنبہ پر نہیں ہو رہا۔ وہ کسی قیمت پر بت پرستی چھوڑنے پر آمادہ نہیں تو آپ نے اپنے آبائی وطن ''کلدانیہ'' سے ہجرت کی۔ اپنے گھر بار اور اعزاء و اقربا کو چھوڑا اور مختلف ملکوں کی سیاحت کرنے کے بعد شام کے ملک میں اقامت اختیار فرمائی (3)۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ظاہری اور باطنی نعمتوں سے مالا مال فرما دیا۔ آپ کے ملک اور آپ کے خاندان کے سیاسی، تمدنی اور مذہبی حالات کیلئے ضیاء القرآن جلد اوّل، سورۂ انعام۔ آیات ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷ کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

1۔ غریب القرآن، ص 274، مطبوعہ مکتبہ ابن قتیبہ القاہرہ 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 112 3۔ تفسیر ماجدی، زیر آیت ہذا، ص 630

وَيَعْقُوبَ ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿٤٩﴾ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَ

اور یعقوب اور سب کو ہم نے نبی بنایا۔ اور ہم نے عطا فرمائیں انھیں اپنی رحمت سے (طرح طرح کی نعمتیں) اور

جَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿٥٠﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوسٰى

ہم نے ان کے لیے سچی اور دائمی تعریف کی آواز بلند کر دی ۵۲ اور ذکر فرمایئے کتاب میں موسیٰ کا

إِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ﴿٥١﴾ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ

بیشک وہ (اللہ کے) چنے ہوئے تھے ۵۳ اور رسول و نبی تھے ۵۴ اور ہم نے انھیں پکارا طور کی

۵۲ حضرت ابن عباس نے ''لِسَانَ صِدْقٍ'' کا یہ مفہوم بیان کیا ہے: اَلثَّنَاءُ الْحَسَنُ الْبَاقِیْ عَلَیْهِمْ آخِرَ الْعَهْدِ وَ عُبِّرَ بِاللِّسَانِ كَمَا عُبِّرَ بِالْيَدِ عَمَّا يُطْلَقُ بِالْيَدِ وَهِيَ الْعَطِيَّةُ (البحر المحیط)(1) ''وہ بہترین تعریف جو قیامت تک باقی رہے گی۔ اور ثنائے حسن کو لسانِ صدق اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ یہ زبان سے صادر ہوتی ہے۔ جس طرح عطیہ کو جو ہاتھ سے دیا جاتا ہے عربی میں ید کہتے ہیں۔ علیّ اعلیٰ اور بلند تر (2)۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہر زمانہ میں اور ہر ملک میں حضرت ابراہیم اور ان کی ذریت طاہرہ کی حمد و ثنا میں زبانیں مصروف رہتی ہیں۔ یہودی، عیسائی اور مسلمان باہمی اختلافات کے باوجود حضرت ابراہیم کی عظمت اور تقدس کے دل سے قائل ہیں۔ اور ہماری تو نماز بھی مکمل نہیں ہوتی جب تک اپنے نبی مکرم اور حضور کی آل امجاد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھنے کے ساتھ حضرت خلیل اور ان کی آل پاک پر درود نہ پڑھیں۔

۵۳ مُخْلَصْ کا معنی ہے چنا ہوا (3) یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو اپنی مخلوقات سے اپنی نوازشاتِ خصوصی اور نبوت کا بارِ گراں اٹھانے کے لیے منتخب فرما لیا تھا۔

۵۴ رسول کا لغوی معنی پیغامبر ہے اور نبی کے مادۂ اشتقاق میں دو قول ہیں۔ پہلا یہ کہ یہ نَبْوَۃٌ سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی رفعت اور بلندی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نبی شان وجلالت میں دوسرے لوگوں سے بلند اور اعلیٰ ہوتا ہے اس لیے اسے نبی کہا گیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ نَبَاءٌ سے مشتق ہے۔ اس کا معنی خبر دینا ہے اور کیونکہ نبی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بندوں کو ایسے حقائق و اسرار بتاتا ہے جو ان کی عقل ونظر کی رسائی سے بالاتر ہوتے ہیں۔ وَيَجُوْزُ اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ النَّبَاِ اَصْلُهٗ نَبِیْءٌ اَیِ الْمُنْبِئُ عَنِ اللّٰهِ تَعَالٰى بِالتَّوْحِيْدِ وَ الشَّرَائِعِ (4) نبوت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے علامہ راغب لکھتے ہیں: اَلنُّبُوَّةُ سِفَارَةٌ بَيْنَ اللّٰهِ وَبَيْنَ ذَوِی الْعُقُوْلِ مِنْ عِبَادِهٖ لِاِزَاحَةِ عِلَلِهِمْ فِیْ اَمْرِ مَعَادِهِمْ وَ مَعَاشِهِمْ (5) یعنی نبوت اللہ تعالیٰ اور اس کے عاقل بندوں کے درمیان سفارت کا نام ہے تاکہ اس کے ذریعے ان کی اخروی اور دنیوی علتوں اور بیماریوں کو دور کیا جا سکے۔ ہر رسول کا نبی ہونا ضروری ہے لیکن ہر نبی کا رسول ہونا ضروری نہیں۔ رسول وہ ہوتا ہے جو صاحبِ شریعت ہو خواہ وہ شریعت نئی ہو یا کسی سابقہ

1۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج6، ص196 2۔ مفرداتِ راغب، ص583 3۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج3، ص124
4۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج16، ص103 5۔ مفرداتِ راغب، ص789

الطُّوۡرِ الۡاَیۡمَنِ وَ قَرَّبۡنٰهُ نَجِیًّا ﴿۵۲﴾ وَ وَهَبۡنَا لَهٗ مِنۡ رَّحۡمَتِنَاۤ اَخَاهُ

دائیں جانب سے ۵۵ اور ہم نے انھیں قریب کیا راز کی باتیں کرنے کیلیے ۵۶ اور ہم نے بخشا انھیں اپنی خاص رحمت سے ان کا

هٰرُوۡنَ نَبِیًّا ﴿۵۳﴾ وَ اذۡکُرۡ فِی الۡکِتٰبِ اِسۡمٰعِیۡلَ ۫ اِنَّهٗ کَانَ صَادِقَ الۡوَعۡدِ

بھائی ہارون جو نبی تھا۔ اور ذکر کیجیے کتاب میں اسمٰعیل کو ۵۷ بیشک وہ وعدہ کے سچے تھے

وَ کَانَ رَسُوۡلًا نَّبِیًّا ﴿۵۴﴾ وَ کَانَ یَاۡمُرُ اَهۡلَهٗ بِالصَّلٰوۃِ وَ الزَّکٰوۃِ ۪ وَ کَانَ

اور رسول (اور) نبی تھے۔ اور وہ حکم دیا کرتے تھے اپنے گھر والوں کو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا ۵۸ اور

رسول کی شریعت دے کر کسی نئی قوم کی ہدایت کے لیے بھیجا جائے، جس طرح حضرت اسماعیل (1)۔

۵۵ طور ایک پہاڑ ہے جو مصر اور مدین کے درمیان ہے (2)۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام دس سال حضرت شعیب کے پاس مدین میں گزارنے کے بعد جب واپس مصر روانہ ہوئے تو ان کا گزر طور پہاڑ سے ہوا تو پہاڑ کا جو حصہ آپ کی دائیں جانب تھا اس سے یہ ندا آئی۔

۵۶ اس قرب کی حقیقت کو وہی سمجھ سکتا ہے جس کو اس نعمت سے بہرہ ور کیا گیا ہو۔ قُرۡبًا غَیۡرَ مُتَکَیِّفٍ مَنۡ لَّمۡ یَذُقۡهُ لَمۡ یَدۡرِ (مظہری) (3) صاحب قاموس نے ''نَجِیًّا'' کا یہ مفہوم بیان کیا ہے اَلنَّجِیُّ کَغَنِیٍّ وَقَرَّبۡنَا نَجِیًّا ...... وَ شَاهِدَ الۡجَمۡعِ فَلَمَّا اسۡتَیۡاَسُوۡا مِنۡهُ خَلَصُوۡا نَجِیًّا اَیۡ اعۡتَزَلُوۡا یَتَنَاجَوۡنَ (تاج العروس) (4)

۵۷ بنی اسرائیل یہ سمجھتے تھے کہ نبوت خانوادۂ اسحٰق میں بند ہے اور حضرت اسماعیل پیغمبر نہیں۔ حضرت اسماعیل کا ذکر فرما کر ان کے زعمِ باطل کی بھی تردید کر دی۔ حضرت اسحٰق کو صرف نبی کہا گیا اور انہیں رسول اور نبی دونوں صفتوں سے موصوف کیا گیا جس سے آپ کے علوِ مرتبت کا پتہ چلتا ہے۔ آپ کی صفاتِ کمال میں سے صادق الوعد ہونے کی صفت خصوصی اہمیت کی حامل ہے کیونکہ خدا اور اس کے بندوں کے ساتھ جو وعدہ بھی کیا انہوں نے پورا کیا۔ سب سے اہم وعدہ وہ تھا جو آپ نے اپنے والد ماجد سے کیا تھا: یٰۤاَبَتِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ ۫ سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیۡنَ ﴿۱۰۲﴾ (5) یعنی مجھے ذبح کرنے کا جو حکمِ خداوندی آپ کو ملا ہے اس کی تعمیل کیجیے۔ میں اپنے ذبح ہونے پر قطعاً کسی بے صبری کا مظاہرہ نہیں کروں گا اور دنیا جانتی ہے کہ اس مردِ پاکباز نے اپنے اس وعدہ کو کس صدق واستقامت سے پورا کیا۔

۵۸ یہ آپ کی دوسری خصوصی شان ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو تبلیغ کا آغاز گھر والوں سے کرنا چاہیے۔ حضور کریم کو بھی یہی حکم ملا۔ وَ اَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ ﴿۲۱۴﴾ (6) (اے محبوب!) ''پہلے اپنے رشتہ داروں کو عذابِ الٰہی سے ڈرایئے'' دوسری

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج16، ص105 | 2۔ ایضاً، ج16، ص103 | 3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج6، ص101

4۔ تاج العروس، ج10، ص358 | 5۔ سورۃ الصافات: 102 | 6۔ سورۃ الشعراء: 214

عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ۝۵۵ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا

اپنے رب کے نزدیک بڑے پسندیدہ تھے۔ اور ذکر فرمایئے کتاب میں ادریس (علیہ السلام) کا ۵۹ بیشک وہ بڑے راستباز تھے

نَّبِيًّا ۝۵۶ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝۵۷ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ

(اور) نبی تھے۔ اور ہم نے بلند کیا تھا انھیں بڑے اونچے مقام تک ۶۰ یہ وہ (مقدس ہستیاں) ہیں جن پر انعام فرمایا اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے

مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۗ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۫ وَّمِنْ

(زمرہ) سے یہ آدم کی اولاد سے تھے۔ اور بعض ان کی اولاد جن کو ہم نے سوار کیا تھا (کشتی میں) نوح کے

ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ ۫ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۭ اِذَا تُتْلٰى

ساتھ اور بعض ابراہیم اور یعقوب کی اولاد سے تھے اور انہیں سے جنھیں ہم نے ہدایت دی اور چن لیا جب پڑھی جاتی ہیں

عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۝۵۸ السجدة فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ

ان کے سامنے رحمٰن کی آیتیں تو وہ گر پڑتے ہیں سجدہ کرتے ہوئے اور (زار و قطار) روتے ہوئے ۶۱ پس جانشین بنے ان کے بعد

السجدة ۵

جگہ ہے قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (1) (اے مسلمانو!) "اپنے آپ کو اور اپنے اہلِ خانہ کو آتشِ جہنم سے بچاؤ۔"

۵۹ علامہ عبدالوہاب نجار مصری نے ان کا نسب نامہ اس طرح لکھا ہے۔ ادریس بن یارد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم علیہ السلام۔ عبرانی تورات میں ان کا نام اخنوخ درج ہے۔ اور اس کے عربی ترجمہ میں اخنوخ (قصص الانبیاء) (2) ان کے متعلق کتبِ تفسیر میں یہ مذکور ہے کہ آپ علمِ نجوم اور علمِ حساب کے موجد ہیں۔ فنِ کتابت اور خیاطت کی ابتداء بھی آپ نے کی۔ سلے ہوئے کپڑے پہننے کا رواج بھی آپ سے شروع ہوا۔ پہلے لوگ جانوروں کی کھالیں بطورِ لباس استعمال کیا کرتے تھے۔ ناپ تول کے پیمانے اور آلات بھی آپ کی اختراع ہیں۔ اسلحہ سازی کا ہنر بھی آپ نے سکھایا (بحر) (3) وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

۶۰ اس سے مراد ان کے مرتبے کی بلندی اور رفعتِ شان ہے (4)۔ اگرچہ بعض روایات میں یہ لکھا ہے کہ آپ زندہ آسمان پر اٹھا لیے گئے۔ لیکن ان سب روایات کا ماخذ اسرائیلیات ہیں (5) جن پر کسی عقیدہ کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔

۶۱ یہ مقبول اور جلیل القدر بندے جن کے مناقب ومحامد بیان کیے گئے ہیں یہ اپنی بلندیٔ مدارج کے باوجود اللہ تعالیٰ کی بندگی کو ہی اپنے لیے سرمایۂ افتخار سمجھتے تھے۔ جب آیاتِ خداوندی کی تلاوت ہوتی تو ان کے دل پسیج جاتے، ان کی آنکھوں سے

1۔ سورۃ التحریم: 6
2۔ قصص الانبیاء از عبدالوہاب نجار، ص 24
3۔ بحرمحیط، زیر آیت ہذا، ج 6 ص 198
4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6 ص 102
5۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 3 ص 126 تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11 ص 21-120

خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ یَلْقَوْنَ غَیًّا ﴿۵۹﴾

وہ ناخلف جنھوں نے ضائع کیا نمازوں کو اور پیروی کی خواہشات نفسانی کی ۶۲ سو وہ دوچار ہونگے اپنی نافرمانی (کی سزا) سے

اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ

مگر جو تائب ہوئے اور ایمان لائے اور نیک عمل کیے ۶۳ تو یہ لوگ جنت میں داخل ہونگے

آنسوؤں کا سیلاب امڈ آتا اور اظہار عبودیت کے لیے وہ بارگاہ رب العزت میں سجدہ ریز ہو جاتے۔ جب ان اولوالعزم ہستیوں کا یہ حال ہے تو دنیا میں اور کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی ہمسری کا دعویٰ کر سکے یا خدائی میں اس کا شریک بن سکے۔

مسئلہ: اس آیت کو پڑھنے کے بعد سجدہ کرنا واجب ہے۔ انبیاء کرام کی اتباع میں انسان رونے کی کوشش کرے اور اگر رونا نہ آئے تو رونے والی صورت ہی بنا لے۔ کیا بعید ہے کہ رحمت الٰہی کو یہی ادا پسند آ جائے اور کام بن جائے۔

۶۲ یہ حال ان انبیاء کرام کا تھا جو ہر لحظہ جلال خداوندی سے ترساں اور لرزاں رہتے اور آنکھیں اشک افشاں رہتیں لیکن ان کے بعد بعض جانشین ایسے بھی ہوئے جنہوں نے اپنے اسلاف کرام کے طریقہ کو بالکل فراموش کر دیا۔ مستحبات و مندوبات کی پابندی تو کجا نماز و زکوٰۃ جیسے فرائض کو بھی انہوں نے پس پشت ڈال دیا۔ یا تو سرے سے ان کی فرضیت کے ہی قائل نہ رہے یا فرضیت کا انکار تو نہ کیا لیکن انہیں ادا کرنے کی زحمت گوارا نہ کی یا انہیں ادا تو کیا لیکن ان کے آداب و شرائط کو نظر انداز کر دیا اور ارشادات الٰہی کی بجا آوری کی جگہ اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی میں لگ گئے۔ وہ یاد رکھیں انہیں اپنے کیے کی سزا بھگتنی پڑے گی۔

ان لوگوں کو جانے دیجیے جو گزر گئے اور جن کے اعمال کے متعلق ہم سے محاسبہ نہیں ہوگا۔ ذرا اپنے اردگرد نگاہ ڈالیے۔ بڑے بڑے اولیائے کاملین کی اولاد دین سے کس قدر دور اور احکام شریعت کی پابندی سے کس طرح آزاد ہے۔ یہ روح فرسا منظر دیکھ کر حساس دل تڑپ اٹھتا ہے اور آنکھیں خون کے آنسو بہاتی ہیں۔ جن کے آباؤ اجداد کی ساری عمریں اطاعت خدا اور اطاعت رسول میں گزریں، جن کے دن جلال خداوندی سے کانپتے ہوئے اور جن کی راتیں جمال الٰہی کی دید کے شوق میں ماہی بے آب کی طرح تڑپتے ہوئے گزرتی تھیں، جن کا ایک قدم بھی جادۂ شریعت سے ہٹا ہوا نہ تھا، جن کا علم، جن کا عرفان، جن کا اثر و رسوخ اور جن کی دولت محض احیائے دین حنیف کیلئے وقف تھی، جن کی کتاب زندگی کا ہر ورق روحانیت کے انوار سے منور تھا ان کی اولاد ہونے کا دعویٰ کرنیوالے فسق و فجور کی رنگینیوں میں کیوں کھو کر رہ گئے ہیں۔ اطاعت و انقیاد کی راہ چھوڑ کر انہوں نے سرکشی اور نافرمانی کا راستہ کیوں اختیار کر لیا ہے۔ وہ اس آیت طیبہ میں کیوں غور نہیں کرتے۔ ان کی غفلت کیشیوں کے باعث ان کے اسلاف کرام کے حق میں گستاخ زبانیں کھلنے لگی ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ ان کی بداعمالیوں سے ان عقائد حقہ کو زک پہنچ رہی ہے جو ان کے آباؤ اجداد کے عقائد تھے۔ ان کی عملی بدکاریوں کے شور و شغب میں کوئی ان علمی دلائل پر غور کرنے کے لیے بھی آمادہ نہیں۔ اس پیہم بے راہ روی سے وہ صرف اپنی لٹیا ہی ڈبو نہیں رہے بلکہ ساری قوم کا بیڑا غرق کر رہے ہیں۔ خدارا اپنی اس غلط روش سے باز آ جاؤ۔

وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ﴿۶۰﴾ جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨالَّتِیْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ

اور ان پر ذرا ظلم نہیں کیا جائے گا۔ سدا بہار چمن جن کا وعدہ (خداوندِ) رحمٰن نے اپنے بندوں سے

بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ﴿۶۱﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ

غیب میں کیا ہے۔ یقیناً اس کا وعدہ پورا ہو کر رہنے والا ہے۔ نہیں سنیں گے جنت میں کوئی لغو بات بجز 'سلامت رہو' کی

وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿۶۲﴾ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیْ نُوْرِثُ مِنْ

دعائیہ صدا۔ اور انھیں ان کا رزق ملیگا وہاں ہر صبح و شام۔ یہ وہ جنت ہے جس کا ہم وارث بنائینگے اپنے

عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿۶۳﴾ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ

بندوں سے (صرف) اس کو جو متقی ہوگا۔ اور (جبرائیل! میرے نبی سے کہو) ہم نہیں اترتے مگر آپکے ربکے حکم سے ۶۴ اسی کا ہے جو

اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿۶۴﴾ ۚ رَبُّ

ہمارے سامنے ہے اور جو ہمارے پیچھے ہے اور جو کچھ اسکے درمیان ہے اور نہیں ہے آپ کا رب بھولنے والا۔ وہ پروردگار ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ؕ هَلْ

آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سو اسکی عبادت کرو اور ثابت قدم رہو اسکی عبادت پر کیا تم

تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿۶۵﴾ ع وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ

جانتے ہو کہ اسکا کوئی ہم مثل ہے۔ اور انسان (از راہ انکار) کہتا ہے ۶۵ کہ کیا جب میں مرجاؤں گا تو مجھے پھر زندہ کر کے نکالا جائیگا؟

۱۵ ع ۷

۶۳؎ ہاں اگر کوئی گناہ کرنے کے بعد اور اپنی خواہشات کی پیروی میں عمر کا قیمتی حصہ برباد کرنے کے بعد سچے دل سے تائب ہوا، تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ اس کے لیے جنت کے دروازے کھول دیئے جائینگے۔ جنت میں جو ابدی لطف و سرور جنتیوں کو عطا ہوگا اس کا ذکر ان آیات میں کردیا۔

۶۴؎ بخاری شریف میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرائیل سے فرمایا: اے جبرائیل! تم جتنا میرے پاس آیا کرتے ہو اس سے زیادہ کیوں نہیں آتے۔ (خزائن العرفان)(1)

۶۵؎ مرنے کے بعد زندہ کیے جانے کا اسلامی عقیدہ ایسا تھا جسے کفار تسلیم کرنے کے لیے کسی قیمت پر تیار نہ تھے۔ یہ بات ان کی

1۔ خزائن العرفان، زیر آیت ہذا، ص 557۔ صحیح بخاری کتاب التفسیر، ج 2، ص 691

حِيًّا ﴿۶۶﴾ اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴿۶۷﴾

کیا یاد نہ رہا انسان کو کہ ہم نے ہی پیدا کیا اسے اس سے پہلے حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا۔ ۶۶

فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿۶۸﴾

سو (اے محبوب!) تیرے رب کی قسم! ۶۷ ہم جمع کریں گے انھیں بھی اور شیطانوں کو بھی پھر حاضر کریں گے ان سب کو جہنم کے اردگرد کہ وہ گھٹنوں کے

ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ﴿۶۹﴾

بل گرے ہوں گے۔ پھر ہم (چن چن کر) الگ کر لیں گے ہر گروہ سے ان لوگوں کو جو (خداوند) رحمن کے سخت نافرمان تھے۔ ۶۸

سمجھ میں ہی نہ آتی تھی۔ اسے وہ بداہتِ عقل کے منافی سمجھتے تھے اور اس وجہ سے اسلام کا مذاق اڑاتے تھے۔ چنانچہ ایک روز ابی بن خلف جمحی کو کسی مردہ کی ایک بوسیدہ ہڈی مل گئی۔ اسے لے کر وہ دوسرے مشرکین کے پاس آیا اور کہنے لگا میرے ہاتھ میں یہ ایک بوسیدہ ہڈی ہے۔ حضور کا اسمِ گرامی لے کر کہنے لگا: وہ کہتا ہے کہ اسے از سرِ نو زندہ کیا جائے گا۔ تم خود سوچو کیا یہ بات تسلیم کرنے کے قابل ہے۔ کم و بیش تمام مشرکین کا یہی اندازِ فکر تھا۔ (1)

۶۶ اللہ تعالیٰ نے عام فہم انداز سے ان کی اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا۔ یہ بوسیدہ اور شکستہ ہڈیاں کیونکر زندہ ہو جائیں گی یہ بات تمہیں سمجھ نہیں آ رہی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں زندہ کرنے والے کی قدرت و حکمت سے تم ناواقف ہو۔ انہیں زندہ کرنے والی وہ ہستی ہے جس نے تمہیں نیست سے ہست کیا۔ اگر وہ عدمِ محض سے تمہیں موجود کر سکتا ہے تو ان ہڈیوں کو دوبارہ زندہ کرنا اس کے لیے مشکل نہیں۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ (2) اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے کائنات کی تخلیق کا آغاز فرمایا۔ پھر وہ انہیں فنا کرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا اور یہ دوبارہ زندہ کرنا اس پر آسان ہے۔

۶۷ قسم اٹھا کر فرمایا جا رہا ہے کہ انہیں قیامت کے روز میدانِ حشر میں ضرور جمع کیا جائے گا۔ اور ان کے ساتھ وہ شیاطین بھی جکڑے ہوئے لائے جائیں گے جن کی انگیخت پر انہوں نے راہِ ضلالت اختیار کی۔ وَالشَّيٰطِيْنَ کی واؤ عاطفہ بھی ہو سکتی ہے اور واؤ معیت بھی اور معیت کا معنی زیادہ مناسب ہے (3)۔ جِثِيًّا جمع ہے اس کا واحد جاثٍ ہے (4) اس کا معنی گھٹنوں کے بل کھڑا ہونا۔ وہ لوگ جب عذابِ الٰہی کا مشاہدہ کریں گے تو مارے دہشت کے کھڑا ہونا مشکل ہو جائے گا اور گھٹنے ٹیک دیں گے۔

۶۸ جب کفار اپنے شیاطین کی معیت میں گروہ در گروہ جہنم کے اردگرد کھڑے کر دیئے جائیں گے۔ پہلے ان میں سے ان لوگوں کو چھانٹ لیا جائے گا جو کفر اور سرکشی میں دوسروں سے بڑھے ہوئے تھے تاکہ سب سے پہلے انہیں دوزخ کا ایندھن بنایا جائے۔ عِتِيًّا

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 109 (اسباب النزول للواحدی، ص 157، رقم الحدیث 609، دار الکتب العلمیہ)
2۔ سورۃ الروم: 27
3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 132
4۔ ایضاً، ج 11، ص 133

ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِیْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِیًّا ۝۷۰ وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا

پھر ہم ہی خوب جانتے ہیں اُن لوگوں کو جو زیادہ مستحق ہیں اس آگ میں تپائے جانے کے۔ اور تم سے کوئی ایسا نہیں مگر اس کا

وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِیًّا ۝۷۱ ۚ ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّ

گزر دوزخ پر ہوگا۔ ۶۹ یہ آپ کے رب پر لازم ہے (اور اس کا) فیصلہ ہو چکا ہے۔ پھر ہم نجات دینگے پرہیزگاروں کو اور

اشد کی تمیز ہے۔ اس لیے منصوب ہے۔ اس کا معنی ہے سرکش (1)۔ صِلِیًّا کی وضاحت کرتے ہوئے جوہری لکھتے ہیں: جب کسی چیز کو تو آگ میں جھونک دے تو عرب کہتے ہیں: صَلَيْتُ الرَّجُلَ نَارًا اِذَا اَدْخَلْتَهُ النَّارَ وَجَعَلْتَهُ يَصْلَاهَا (قرطبی) (2)

۶۹ یہاں دو چیزیں غور طلب ہیں: (۱) مِنْكُمْ کا مرجع کون ہیں؟ (۲) ورود کا مطلب کیا ہے؟ جمہور علماء کی پسندیدہ رائے یہ ہے کہ مِنْكُمْ کا مرجع نیک وبد، مومن ومشرک سب انسان ہیں (3) اور ورود کا معنی داخل ہونا ہے (4)۔ چنانچہ امام احمد نے اپنی مسند میں ابی سمیہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے جب حضرت جابر بن عبد اللہ سے ورود کے معنی میں لوگوں کے اختلاف کا ذکر کیا تو حضرت جابر نے اپنے کانوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ بہرے ہو جائیں یہ کان کہ اگر میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ فرماتے نہ سنا ہو: ''لَا يَبْقٰى بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ اِلَّا دَخَلَهَا فَتَكُوْنُ عَلَى الْمُؤْمِنِ بَرْدًا وَّسَلَامًا كَمَا كَانَتْ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ حَتّٰى اَنَّ لِلنَّارِ ضَجِيْجًا مِّنْ بَرْدِهِمْ ثُمَّ يُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَيَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا''۔ (5)

ترجمہ: سب نیک وبد آگ میں داخل ہوں گے اور آگ مومن کے لیے ٹھنڈی اور بے ضرر ہوگی جس طرح حضرت ابراہیمؑ پر ہوئی تھی۔ یہاں تک کہ آگ شور مچائے گی کہ الٰہی! ان لوگوں کی ٹھنڈک سے میری تمازت ختم ہو رہی ہے پھر اللہ تعالیٰ متقیوں کو وہاں سے نکال لے گا اور کافر وہاں اوندھے پڑے رہیں گے۔ حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ ورود سے مراد اُس پل پر سے گزرنا ہے جو دوزخ کے اوپر بچھائی جائے گی۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَوْلُهٗ: وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا قَالَ الصِّرَاطُ عَلٰى جَهَنَّمَ مِثْلُ حَدِّ السَّيْفِ۔ فَتَمُرُّ الطَّبَقَةُ الْاُوْلٰى كَالْبَرْقِ وَالثَّانِيَةُ كَالرِّيْحِ وَالثَّالِثَةُ كَاَجْوَدِ الْخَيْلِ... ثُمَّ يَمُرُّوْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَقُوْلُوْنَ اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ (6)۔ اگر یہ روایات صحیح ہوں تو پھر اس آیت کا وہی معنی ہوگا جو بیان ہوا۔ لیکن ان کی اسناد میں کیونکہ رد وقدح کی گنجائش ہے اس لیے بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ منکم کا مرجع تمام انسان نہیں بلکہ صرف کفار ہیں جن کا پہلے ذکر ہو رہا ہے (7)۔ باقی رہی یہ بات کہ کلام سابق میں سب غائب کی ضمیریں ہیں یہاں اچانک ضمیر خطاب کیوں ذکر کی گئی تو اس کا جواب ظاہر ہے کہ التفات فی الضمائر اسلوب قرآن ہے یکا یک غائب سے مخاطب اور مخاطب سے متکلم بدلتی رہتی ہیں جیسے ارشاد باری ہے:

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 110
2۔ الصحاح، ج 6، ص 2403، تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 135
3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 138۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 16، ص 121
4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 139
5۔ مسند امام احمد، ج 3، ص 329
6۔ مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، ج 2، ص 9-408، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت
7۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 11، جز 21، ص 243

نَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ﴿۷۲﴾ وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ

رہنے دیں گے ظالموں کو دوزخ میں کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے ہونگے۔ اور جب تلاوت کی جاتی ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں وضاحت سے

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا ۙ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّ اَحْسَنُ

(تو) کافر کہتے ہیں ایمان والوں سے کہ (یہ تو بتاؤ) ہم دونوں گروہوں میں سے کس کی رہائش گاہ آرام دہ ہے اور کس کی نشست گاہ

نَدِيًّا ﴿۷۳﴾ وَ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّ رِءْيًا ﴿۷۴﴾

خوبصورت ہے۔ اور (ان احمقوں نے یہ نہ سوچا) کہ کتنی قومیں ان سے پہلے تھیں جنکو ہم نے برباد کر دیا وہ سازوسامان اور ظاہری سج دھج میں

قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰۤى اِذَا رَاَوْا

(ان سے) بہتر تھیں۔ آپ فرمائیے جو گمراہی میں (مگن) ہو تو ڈھیل دیتے رکھتا ہے اسے رحمٰن لمبی ڈھیل یہاں تک کہ جب دیکھیں گے وہ چیز

وَ سَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ﴿۲۱﴾ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّ كَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۲۲﴾ (1) پہلے ضمیرِ غائب اور اس کے بعد ضمیرِ مخاطب ہے۔

۷۳ کفار کو جب آیاتِ قرآنی سنا کر دعوتِ حق دی جاتی تو وہ کہتے: مسلمانوں! اپنی معاشی حالت کا ہماری معاشی حالت سے مقابلہ کرلو۔ اگر ہماری رہائش گاہیں تمہارے جھونپڑوں سے زیادہ خوبصورت اور آرام دِہ ہیں اور ہماری محفلیں تمہاری مجلسوں سے زیادہ بارونق ہیں تو پھر ہمارے پیچھے چلو تاکہ تمہیں بھی زندگی کی عشرتیں نصیب ہوں۔ تم ہمیں اپنی پیروی کی دعوت دے کر ہماری زندگیوں کو بھی تلخ اور ویران بنانا چاہتے ہو۔

الفاظ: مَّقَامًا بالفتح منزل اور مسکن (2)۔ ندی کی تشریح کرتے ہوئے علامہ جوہری لکھتے ہیں۔ وَالنَّدِيُّ عَلٰى فَعِيْلٍ مَّجْلِسُ الْقَوْمِ وَ مُتَحَدَّثُهُمْ وَ كَذٰلِكَ النَّدْوَةُ وَالنَّادِيْ وَ الْمُنْتَدٰى وَ الْمُتَنَدّٰى (قرطبی) (3)

اٰيٰتُنَا ذوالحال ہے اور بَيِّنٰتٍ حال ہے اور تاکید کا فائدہ دیتا ہے۔ اَلْوَجْهُ اَنْ تَكُوْنَ حَالًا مُّؤَكِّدَةً۔ (قرطبی) (4)

۷۴ دولت وثروت راہِ راست پر ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ تم سے پہلے کئی ایسی قومیں گزری ہیں جو سامانِ آرائش وزینت میں تم سے کہیں بڑھی ہوئی تھیں۔ ان کے مکانات ومحلات بڑے خوش منظر تھے۔ لیکن انہیں ان کے گناہوں کی پاداش میں ملیامیٹ کر دیا گیا۔ دیکھو! کہیں تمہارا انجام بھی ایسا نہ ہو۔ اَلْاَثَاثُ: مَتَاعُ الْبَيْتِ گھر کا سامان (5)۔ رِءْيًا: حَسَنَ الْمَنْظَرِ خوش منظر۔ تاج العروس میں اس کی تشریح ان الفاظ سے کی گئی ہے۔ وَهُوَ مَا رَاَتْهُ الْعَيْنُ مِنْ حَالٍ حَسَنَةٍ وَ كِسْوَةٍ ظَاهِرَةٍ (6) وہ دلکش حالت اور ظاہری لباس جو آنکھوں سے دکھائی دے۔

1۔ سورۃ الدہر: 22-21 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 142 3۔ الصحاح، ج 6، ص 2505۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 142

4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 142 5۔ ایضاً، ج 11، ص 143 6۔ تاج العروس، ج 10، ص 139

مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ؕ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ

جس کا وعدہ کیا گیا ہے یعنی عذاب یا قیامت تو اُس وقت انھیں پتہ چلے گا کہ کون

شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ۝۷۵ وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ؕ

مکان کے لحاظ سے بُرا اور لشکر کے اعتبار سے کمزور ہے۔ اور زیادہ کرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ لوگوں (کے نورِ) ہدایت کو

وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ۝۷۶ اَفَرَءَيْتَ

اور باقی رہنے والی نیکیاں بہتر ہیں آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے اور انجام کار بھی اچھا ہے۔ کیا آپ نے دیکھا اس

الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ۝۷۷ ؕ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ

کو جس نے انکار کیا ہماری آیتوں کا اور کہنے لگا کہ مجھے ضرور ضرور دیا جائیگا مال اور اولاد (اس لاف زنی کی وجہ کیا ہے) کیا وہ آگاہ

۷۴ے تمہیں جو مہلت دی جا رہی ہے اس کی وجہ سے بھی کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہونا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ وہ سرکشوں اور گمراہوں پر فوراً عذاب نازل نہیں کرتا بلکہ انہیں سمجھنے کی مہلت دیتا ہے اور جب مہلت کی گھڑیاں ختم ہو جاتی ہیں اور انہیں عذاب کے شکنجے میں کس دیا جاتا ہے تب انہیں اپنی بے بسی اور بے یار و مددگار ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

۷۵ے گمراہوں کی حرماں نصیبیوں کے ذکر کے بعد اب سالکانِ راہ رشد و ہدایت کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ یعنی جو لوگ اپنی طاقت اور سمجھ کے مطابق جذبۂ اخلاص سے سرشار ہو کر راہِ ہدایت پر گامزن ہو جاتے ہیں تو ہم ان کے نورِ ہدایت میں اضافہ کرتے چلے جاتے ہیں اور اپنے لطف و کرم سے انہیں ان منازلِ عالیہ اور مقاماتِ قرب تک پہنچا دیتے ہیں جہاں تک پہنچنا ان کی طاقت سے باہر تھا۔ حدیثِ قدسی سے اس آیت کا مفہوم سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے مَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ ذِرَاعًا وَّ مَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ بَاعًا وَّ مَنْ اَتَانِیْ مَاشِیًا اَتَیْتُ اِلَیْهِ مُهَرْوِلًا (1) (او کما اخبر نبیُّنا صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ عَنْ رَّبِّهٖ) یعنی جو شخص ایک بالشت میرے نزدیک ہوتا ہے میں ایک گز اس کے قریب ہوتا ہوں۔ اور جو شخص ایک گز میرے قریب ہوتا ہے میں ایک کرم اس کے قریب ہوتا ہوں اور جو چل کر میری طرف آتا ہے میں اس کی طرف دوڑ کر جاتا ہوں۔ معلوم ہوا اگر طلب صادق ہو تو دوریاں سمٹتی چلی جاتی ہیں۔ قدم اٹھانا تیرا کام ہے اور منزل تک پہنچانا اس کا کام ہے۔ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا (2) میں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

۷۶ے اس کی وضاحت سورۂ کہف میں گزر چکی ہے۔ ''مَرَدًّا'' کا معنی مرجع، انجام اور لوٹنے کی جگہ۔ (3)

۷۷ے حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں لوہاروں کا کام کیا کرتا تھا۔ عاص بن وائل کے ذمہ میری کچھ رقم

1۔ صحیح مسلم، کتاب التوبہ، ج2، ص354۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب ذکر النبی ﷺ روایۃ عن ربہ، ج2، ص1125

2۔ سورۃ العنکبوت: 69 3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج6، ص116

اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۷۸﴾ كَلَّا ؕ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ

ہو گیا ہے غیب پر یا لے لیا ہے اس نے (خداوند) رحمٰن سے کوئی وعدہ ؟ ۶ ہرگز ایسا نہیں۔ ہم لکھ لیں گے جو یہ کہہ رہا ہے اور لمبا کر دینگے

لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿۷۹﴾ وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ﴿۸۰﴾ وَاتَّخَذُوْا

اس کے لیے عذاب کو خوب لمبا کرنا۔ اور ہم ہی وارث ہونگے جو وہ کہتا ہے (یعنی اسکے مال و اولاد کے) اور وہ ہمارے پاس تنہا

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿۸۱﴾ كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ

آئیگا۔ اور انھوں نے بنا لیے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور خدا کہ وہ انکے لیے مددگار بنیں ۷ ہرگز نہیں۔ وہ جھوٹے خدا انکار کر دیں گے

بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿۸۲﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّاۤ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ

ان کی عبادت کا اور وہ (الٹے) ان کے دشمن ہو جائیں گے۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ ہم نے مسلط کر دیا ہے شیطانوں کو

عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿۸۳﴾ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ

کفار پر ۸ وہ انھیں (اسلام کے خلاف) ہر وقت اکساتے رہتے ہیں پس عجلت نہ کیجیے ان پر (نزولِ عذاب کے لیے) ہم گن

تھی۔ میں اس سے مانگنے کے لیے گیا تو اس (گستاخ) نے کہا: بخدا! میں یہ رقم تمہیں اس وقت تک ادا نہ کروں گا جب تک تو محمد (فداہ ابی وروحی صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کا انکار نہ کرے گا۔ میں نے اسے جواب دیا بخدا! میں تو ہرگز انکار نہ کروں گا یہاں تک کہ تو مر جائے پھر تجھے قیامت کے دن اٹھایا جائے۔ اس نے (ازراہِ مذاق) کہا کہ جب مرنے کے بعد میں قبر سے اٹھوں گا، اس وقت میرے پاس دولت کی فراوانی ہوگی اس وقت میرے پاس آنا میں تمہارا قرض ادا کر دوں گا۔ (بخاری، مسلم)(1) غضب الٰہی جوش میں آیا اور اسے ان الفاظ سے سرزنش کی گئی۔

۶۔ یعنی اس گستاخ اور احمق کو ایسا کہنے کی جرأت کیوں ہوئی ہے۔

۷۔ انہوں نے اس لیے بتوں کو اپنا خدا بنا رکھا ہے کہ وہ آڑے وقت ان کی پشت پناہی کریں گے اور مشکل میں ان کے کام آئیں گے۔ ان کا یہ خیال غلط، سراسر غلط ہے۔ بلکہ یہ تو الٹا ان کی ذلت اور رسوائی کا باعث بنیں گے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ عَلَيْهِمْ ضِدًّا، کا مفہوم بیان کرتے ہوئے علامہ ابن قتیبہ لکھتے ہیں اَیْ اَعْدَاءً یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔ (تفسیر غریب القرآن)(2)

۸۔ اگرچہ کفار کے پاس ان دلائل و براہین کا کوئی معقول جواب نہ تھا جو قرآن نے اللہ تعالیٰ کی توحید، شرک کے بطلان اور قیامت کے قائم ہونے پر پیش کیے۔ لیکن اس کے باوجود کفار کی ہرزہ سرائی اور یاوہ گوئی میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ وہ برابر پھبتیاں

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورۂ مریم، ج2، ص691۔ صحیح مسلم، کتاب التوبۃ باب صفۃ القیامۃ والجنۃ والنار، ج2، ص372 2۔ تفسیر غریب القرآن، ص275

عَدًّا ﴿٨٤﴾ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿٨٥﴾ وَّنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ

انکے ایام زندگی کو اچھی طرح ۷۹ وہ دن جب ہم اکٹھا کریں گے پرہیزگاروں کو رحمٰن کے حضور میں ۸۰ (معزز و مکرم مہمان بنا کر) اور اس روز ہانکتے ہیں

کستے اور نامعقول اعتراضات کرنے سے باز نہ آتے۔ اس کی وجہ بتائی جارہی ہے کہ شیطان انہیں اکساتے ہیں اور اسلام کی مخالفت پر ابھارتے ہیں۔ اس لیے یہ اپنی یاوہ گوئی سے باز نہیں آتے۔ اَرْسَلْنَا اَیْ سَلَّطْنَاهُمْ عَلَيْهِمْ بِالْاِغْوَاءِ (قرطبی)(1) ہم نے ان کو کفار پر مسلط کر دیا۔ اَلْاَزُّ: اَلتَّهْيِيْجُ وَالْاِغْرَاءُ۔ اَیْ تُغْرِيْهِمْ عَلَى الْمَعَاصِىْ (2): اکسانا، برانگیختہ کرنا۔

۷۹۔ یعنی ہم ان کی زندگی کے دنوں کو گن رہے ہیں۔ جب وہ پورے ہوجائیں گے اور عذاب کا مقررہ وقت آجائے گا، تو یہ کیفر کردار کو پہنچ جائیں گے۔

۸۰۔ قیامت کے دن اہلِ ایمان کو جس عزت و تکریم سے بارگاہِ الٰہی میں حاضری نصیب ہوگی اس کا ذکر ہو رہا ہے۔ وَفْدٌ جمع ہے اس کا واحد وَافِدٌ ہے جیسے صَحْبٌ کا صَاحِبٌ اور بعض اہلِ لغت کی رائے میں یہ وَافِدِيْنَ کا اسم ہے (قرطبی)(3) اس کی تفسیر یہ کی گئی ہے: وَفْدًا اَیْ رُكْبَانًا عَلٰى نَجَائِبِ طَاعَتِهِمْ (4) یعنی وہ اپنی طاعتوں کی سواریوں پر سوار ہو کر حاضر ہوں گے۔ عمرو بن القیس نے کہا کہ جب مومن قبر سے اٹھے گا تو اس کا عمل ایک خوبرو انسان کی شکل میں اس کا استقبال کرے گا۔ اور اس کا جسم خوشبو سے مہک رہا ہوگا۔ وہ اس مومن سے پوچھے گا: کیا تم نے مجھے پہچانا؟ وہ کہے گا نہیں۔ مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تیری شکل دلآویز بنائی ہے اور تیری مہک عطر بیز ہے۔ وہ کہے گا: میں تیرا عملِ صالح ہوں۔ دنیا میں میں تجھ پر سوار رہا۔ آج میں تجھ کو کندھوں پر اٹھانے کے لیے آیا ہوں (5)۔ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اِنَّ رَبِّىْ اَعْطَانِىْ سَبْعِيْنَ اَلْفًا مِّنْ اُمَّتِىْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ فَقَالَ عُمَرُ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ هَلَّا اسْتَزَدْتَّهٗ قَالَ قَدِ اسْتَزَدْتُّهٗ فَاَعْطَانِىْ هٰكَذَا وَفَرَّجَ بَيْنَ يَدَيْهِ وَبَسَطَ بَاعَيْهِ وَحَثٰى۔ (6)

ترجمہ:۔ میرے پروردگار نے مجھے میری امت سے ستر ہزار ایسے عطا فرمائے جو جنت میں بغیر حساب داخل ہونگے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کی: یارسول اللہ! کیا اچھا ہوتا اگر آپ اس سے زیادہ کے متعلق سوال کرتے۔ رؤف و رحیم آقا نے فرمایا: اے عمر! میں نے زیادہ کے لیے درخواست کی اور مجھے میرے رب نے اس قدر عطا فرمایا۔ اس قدر کی وضاحت کرتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو کھول دیا اور اپنے دونوں بازوؤں کو کشادہ کر دیا اور کلاوہ بھرا۔ ہشام کہتے ہیں: یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے جو اس نے اپنے محبوب کو دیا۔ اور اس کی تعداد معلوم نہیں ہوسکتی۔ عمرو بن حزم انصاری سے مروی ہے کہ تین دن تک رسولِ کریم کا یہ معمول رہا کہ صرف نماز پنجگانہ کے لیے تشریف لاتے اور پھر خلوت نشین ہوجاتے۔ چوتھے دن حضورؐ حسبِ معمول تشریف لائے۔ ہم نے عرض کی: یارسول اللہ! حضورؐ تین دن تک ہم سے الگ تھلگ رہے۔ یہاں تک کہ ہمیں یہ اندیشہ ہونے لگا کہ کوئی حادثہ وقوع پذیر ہوگیا ہے۔ آقا و مولیٰ نے ارشاد فرمایا: لَمْ يَحْدُثْ اِلَّا خَيْرًا اِنَّ رَبِّىْ وَعَدَنِىْ اَنْ يُّدْخِلَ مِنْ اُمَّتِى الْجَنَّةَ سَبْعِيْنَ اَلْفًا بِلَا حِسَابٍ۔ وَاِنِّىْ سَاَلْتُ رَبِّىْ فِىْ هٰذِهِ الثَّلَاثِ الْاَيَّامِ الْمَزِيْدَ فَوَجَدْتُّ رَبِّىْ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 150 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، ج 11، ص 151 4۔ ایضاً
5۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج 16، ص 96 6۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، 16، ص 137۔ مسند امام احمد بن حنبل، ج 1، ص 197، مطبوعہ دار صادر، بیروت

إِلَىٰ جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿٨٦﴾ لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ

ہانک کر لے جائینگے مجرموں کو جہنم کی طرف ۸۱ پیاسے جانوروں کی طرح ۔ انہیں کوئی اختیار نہیں ہو گا شفاعت کا ۸۲ بجز ان کے جنہوں نے

مَاجِدًا كَرِيْمًا فَاَعْطَانِیْ مَعَ كُلِّ وَاحِدٍ سَبْعِيْنَ اَلْفًا (1) یعنی اے میرے صحابہ! فکر واندیشہ کی کوئی بات نہیں ۔ بڑا دل خوش کن واقعہ ہوا ہے ۔ میرے رب نے میرے ساتھ یہ وعدہ فرمایا کہ میری امت سے ستر ہزار آدمی کو بلاحساب جنت میں داخل فرمائے گا ۔ میں اپنے رب سے تین دن تک اس تعداد میں اضافے کی التجا کرتا رہا ۔ پس میں نے اپنے پروردگار کو بڑا عظیم اور کریم پایا ۔ اور اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار کے علاوہ ان میں سے ہر ہر شخص کے ساتھ ستر ستر ہزار عطا فرمایا ؎

یارب تو کریمی و رسولِ تو کریم   صد شکر کہ ہستیم میانِ دو کریم

۸۱ سوق پیچھے سے ہانکنے کو کہتے ہیں جو ذلت پر دلالت کرتا ہے ۔ وِرْدًا: عِطَاشًا یعنی پیاسے ۔ کیونکہ وہی جانور گھاٹ پر آتا ہے جو پیاسا ہو ۔ قَالَ الْاَزْهَرِیُّ: اَیْ مُشَاةً عِطَاشًا كَالْاِبِلِ تَرِدُ الْمَاءَ ۔ (2)

۸۲ لَا يَمْلِكُوْنَ سے کفار کی شفاعت کی نفی اور اِلَّا سے اہلِ ایمان کی شفاعت کا اثبات ہے ۔ هٰؤُلَاءِ الْكُفَّارُ لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ لِاَحَدٍ وَّالْمُسْلِمُوْنَ فَيَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ (3) ۔ العہد کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ قرطبی نے حضرت ابن مسعودؓ سے ایک حدیث روایت کی ہے وہ بھی ناظرینِ کرام کے فائدہ کے لیے بطورِ ہدیہ پیش ہے ۔ حضرت ابنِ مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسولِ کریم کو اپنے صحابہ سے یہ کہتے سنا کہ کیا تم اس بات سے عاجز ہو کہ ہر صبح وشام اپنے رب کے پاس ایک عہد لو ۔ صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! وہ کس طرح؟ حضورؐ نے فرمایا کہ صبح وشام یہ کہو: ''اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اِنِّیْ اَعْهَدُ اِلَيْكَ فِیْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ بِاَنِّیْ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ فَلَا تَكِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ فَاِنَّكَ اِنْ تَكِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ تُبَاعِدْنِیْ مِنَ الْخَيْرِ وَتُقَرِّبْنِیْ مِنَ الشَّرِّ وَاِنِّیْ لَا اَثِقُ اِلَّا بِرَحْمَتِكَ فَاجْعَلْهُ لِیْ عِنْدَكَ عَهْدًا تُوَفِّيْتَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ'' جو شخص یہ کہے گا اللہ تعالیٰ اس پر مہر لگا کر عرش کے نیچے رکھ دے گا اور جب قیامت کا دن ہو گا تو منادی کرنے والا منادی کرے گا: کہاں ہیں وہ لوگ جن کا اللہ تعالیٰ کے پاس عہد ہے؟ پس وہ آدمی کھڑا ہو گا اور اسے جنت میں داخل کیا جائے گا ۔ (4)

عہد کا ترجمہ: ۔ اے اللہ تعالیٰ! اے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے! اے غیب (پوشیدہ) اور شہادت (ظاہر) کو جاننے والے! میں تیرے پاس اس زندگی میں ایک اپنا عہد رکھتا ہوں ۔ وہ یہ کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں کوئی معبود بغیر تیرے ۔ تو ایک ہے ۔ تیرا کوئی شریک نہیں ۔ اور میں گواہی دیتا ہوں (میرے آقا ومولیٰ) محمد (مصطفیٰ) تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں ۔ مجھے میرے نفس کے حوالے نہ کر ۔ کیونکہ اگر تو مجھے میرے نفس کے حوالے کر دے گا تو وہ مجھے خیر سے دور اور شر کے قریب کر دے گا ۔ اور میں تیری رحمت کے بغیر کسی چیز پر بھروسہ نہیں کرتا ۔ میرے اس اقرار کو بطورِ عہد نامہ محفوظ فرما اور قیامت کے دن مجھے وہ عطا کر ۔ بیشک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا ۔

1 ۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 16، ص 137   2 ۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 11، ص 153

3 ۔ ایضاً   4 ۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 11، ص 154، مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، ج 2، ص 409

الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۸۷﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا

خداوند رحمٰن سے کوئی وعدہ لے لیا ہے۔ اور کفار کہتے ہیں بنا لیا ہے رحمٰن نے (فلاں کو اپنا) بیٹا ۸۳ (اے کافرو!) یقیناً تم نے ایسی بات کی ہے

اِدًّا ﴿۸۹﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ

جو سخت معیوب ہے۔ قریب ہے آسمان شق ہو جائیں اس (خرافات) سے اور زمین پھٹ جائے اور پہاڑ گر پڑیں لرزتے

هَدًّا ﴿۹۰﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾ وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ

ہوئے ۸۴ کیونکہ وہ کہہ رہے ہیں کہ رحمٰن کا ایک بیٹا ہے۔ اور نہیں جائز رحمٰن کے لیے کہ وہ بنائے کسی کو

وَلَدًا ﴿۹۲﴾ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿۹۳﴾

(اپنا) فرزند ۸۵ کوئی ایسی چیز نہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہے مگر وہ حاضر ہوگی رحمٰن کی بارگاہ میں بندہ بن کر۔

لَقَدْ اَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿۹۴﴾ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

اللہ تعالیٰ نے ان سب کا شمار کر رکھا ہے اور انھیں گن لیا ہے اچھی طرح۔ اور وہ سب پیش ہونگے اس کے سامنے قیامت کے دن

۸۳؎ یہود حضرت عزیر کو، عیسائی حضرت مسیح کو اور بعض عرب قبائل فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی اولاد کہا کرتے تھے (1)۔ اس سے بڑا جھوٹ اور کیا ہو سکتا ہے۔ وہ ذاتِ پاک جو قدیم و ازلی ہے، حی و قیوم ہے اور ہر چیز کی خالق و مالک ہے اس کا تعلق کسی کے ساتھ پدری و فرزندی کا ہو جو حدوث و احتیاج کا لازمہ ہے یہ ناممکن اور محال ہے۔ ۸۴؎ یہ اتنا بڑا بہتان ہے کہ اس کی نحوست سے سارا نظام عالم درہم برہم ہو سکتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا حلم اور اس کی حکمت ابھی اس کی مقتضی نہیں۔

۸۵؎ وہ رحمٰن ہے اسے گنہگار انسانوں کو بخشنے کے لیے اس امر کی حاجت نہیں کہ اس کا ایک بیٹا ہو اور اس معصوم اور بیگناہ کو دنیا بھر کے بدکاروں اور سیاہ کاروں کی پاداش میں سولی چڑھایا جائے۔ بلکہ وہ رحمٰن ہے۔ اس کی رحمت کا دامن بڑا وسیع ہے۔ اس طرح عیسائیوں کے عقیدۂ کفارہ کی جڑ اکھیڑ کر رکھ دی۔

چند الفاظ:۔ اِدًّا: اَیْ مُنْكَرًا عَظِيْمًا (2)۔ سخت معیوب اور قبیح چیز۔ قَالَ الْجَوْهَرِيُّ اَلْاِدُّ وَالْاِدَّةُ: الدَّاهِيَةُ وَالْاَمْرُ الْفَظِيْعُ (قرطبی) (3) هَدًّا: اَیْ مَا تَسْقُطُ بِصَوْتٍ شَدِيْدٍ (4) ایسا گرنا جس سے بڑا دھماکہ پیدا ہو۔ لُدًّا: اَللُّدُّ جَمْعُ الْاَلَدِّ وَهُوَ الشَّدِيْدُ الْخُصُوْمَةِ: لُدٌّ، اَلَدُّ کی جمع ہے اس کا معنی ہے سخت مخالفت کرنے والا۔ اسی سے اَلَدُّ الْخِصَامِ ہے۔ ابو عبیدہ (امام لغت و نحو) کہتے ہیں اَلْاَلَدُّ الَّذِیْ لَا يَقْبَلُ الْحَقَّ وَيَدَّعِی الْبَاطِلَ یعنی جو حق کو قبول نہ کرے اور باطل کا مدعی ہو (5)۔ رِكْزًا ایسی آواز جو سمجھ نہ آئے وَقِيْلَ الصَّوْتُ الْخَفِيُّ: آہٹ۔ اَلصَّوْتُ الَّذِیْ لَا يُفْهَمُ (تفسیر غریب القرآن لابن قتیبہ) (6)

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 16 ص 139 — 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11 ص 156 — 3۔ ایضاً — 4۔ ایضاً ص 157
5۔ ایضاً ص 162 — 6۔ تفسیر غریب القرآن، ص 276

فَرْدًا ﴿۹۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ

تنہا۔ بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے پیدا فرما دیگا خدائے رحمان انکے لیے

الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ

(دلوں میں) محبت۔ ۸۶ صرف اس لیے ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو آپکی زبان میں اتار کر تاکہ آپ مژدہ سنائیں اس سے پرہیزگاروں کو

وَتُنْذِرَ بِهِ قَوْمًا لُّدًّا ﴿۹۷﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ

اور ڈرائیں اسکے ذریعہ اس قوم کو جو بڑی جھگڑالو ہے۔ اور کتنی قومیں تھیں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا ان سے پہلے۔ کیا

تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿۹۸﴾ ع

محسوس کرتے ہو ان میں سے کسی کو یا سنتے ہو ان کی کوئی آہٹ۔

۸۶ حضور نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: اِذَا اَحَبَّ اللّٰهُ الْعَبْدَ قَالَ لِجِبْرَئِيْلَ لَقَدْ اَحْبَبْتُ فُلَانًا فَاَحِبَّهُ فَيُحِبُّهُ جِبْرَئِيْلُ ثُمَّ يُنَادِيْ فِيْ اَهْلِ السَّمَاءِ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَبَّ فُلَانًا فَاَحِبُّوْهُ فَيُحِبُّهُ اَهْلُ السَّمَاءِ ثُمَّ يُوْضَعُ لَهُ الْقُبُوْلُ فِي الْاَرْضِ۔ (بخاری و مسلم)(1)

''جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے سے محبت کرنے لگتا ہے تو جبرائیل کو فرماتا ہے کہ میں فلاں شخص سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر تو جبرائیل بھی اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔ پھر آسمان والوں میں یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے، تم بھی اس سے محبت کرو۔ پس تمام آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اس کے بعد زمین میں اسے مقبولیت عامہ بخشی جاتی ہے''۔

یہی وجہ ہے کہ اہلِ حق کو ابتداء میں اگرچہ بڑی مزاحمتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان کے خلاف مخالفت کے طوفان امڈ آتے ہیں۔ طرح طرح کی تہمتیں لگا کر انہیں بدنام کرنے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن آخرکار ان کی بے داغ سیرت اور دلآویز شخصیت دلوں کو موہ لیتی ہے۔ مخالفت کرنے والے ان کے جان نثار ساتھی بن جاتے ہیں۔ بہتان لگانے والی زبانیں ان کی ثناء گستری میں زمزمہ سنج ہو جاتی ہیں۔ بادشاہ ملک فتح کر سکتے ہیں۔ ان کے سامنے گردنیں خم ہو سکتی ہیں لیکن دل کی نگری میں وہ قدم نہیں رکھ سکتے۔ یہ انعام اللہ تعالیٰ صرف اپنے مقبول بندوں پر فرماتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت جاگزیں فرما دیتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ هٰذَا الْعَبْدَ الْمِسْكِيْنَ وَوَالِدَيْهِ مِنْ هٰؤُلَاءِ السُّعَدَاءِ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَكَ وَتُحِبُّهُمْ وَاحْشُرْنَا مَعَهُمْ تَحْتَ لِوَاءِ حَبِيْبِكَ الْمُكَرَّمِ وَعَبْدِكَ الْمُعَظَّمِ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الْاَمْجَادِ وَاَصْحَابِهِ الْكِرَامِ اَفْضَلُ التَّحِيَّاتِ وَاَجْمَلُ الصَّلٰوتِ وَاَكْمَلُ الْبَرَكَاتِ وَاَزْكَى التَّسْلِيْمَاتِ۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب المقة من اللہ، ج2، ص892۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب اذا احب اللہ عبداً، ج2، ص331، مشکوٰۃ المصابیح، باب الحب فی اللہ ومن اللہ، ص425

تعارف سُورۂ طٰهٰ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نام: اِس سورۂ مبارکہ کا نام طٰہٰ ہے۔ یہی وہ کلمہ ہے جس سے سورت کا آغاز ہوا ہے۔

یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی (1)۔ اس میں آٹھ رکوع ہیں۔ اس کی آیتوں کی تعداد ۱۳۵ ہے۔ اور یہ ۱۶۴۱ کلمات اور ۵۲۴۲ حروف پر مشتمل ہے۔

زمانۂ نزول: اس سورت کو تاریخِ اسلام میں ایک امتیازی شان حاصل ہے۔ مسلمان ہونے سے پہلے ایک دن حضرت عمر بڑے جوش وخروش سے گھر سے نکلے۔ ننگی تلوار گلے میں حمائل تھی۔ کسی نے پوچھا عمر کہاں کا قصد ہے؟ جواب دیا: مسلمانوں کے نبی کا سر قلم کرنے کے لیے جارہا ہوں۔ اس نے کہا: پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ تمہاری بہن فاطمہ اور بہنوئی سعید بن زید تو مسلمان ہو چکے ہیں اور اپنے نبی پر سوجان سے فدا ہو رہے ہیں۔ غصہ سے واپس لوٹے اور بڑی بے دردی سے بہنوئی کو مارنا شروع کیا۔ بہن مزاحم ہوئیں تو ان پر پِل پڑے۔ ان کا سر پھوڑ دیا جس سے خون کا فوارہ بہ نکلا۔ یہ منظر دیکھ کر سراسیمگی پیدا ہوئی اور کلامِ الٰہی سننے کا اظہار اپنی بہن سے کیا۔ انہوں نے غسل کرنے کا حکم دیا۔ جب آپ غسل کر چکے تو حضرت فاطمہ نے اسی سورت کی چند پہلی آیتیں تلاوت کیں جس نے عمر کی دنیا بدل ڈالی۔ پتھر دل پسیج گیا اور آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب امڈ آیا۔ اُسی وقت بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔ علامہ اقبالؒ نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

نمی دانی کہ سوزِ قراءتِ تو — دگر گوں کرد تقدیرِ عمر را

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمر کے مشرف باسلام ہونے سے پہلے یہ سورت نازل ہو چکی تھی (2)۔ ویسے تو اس سورت کی ہر آیت روشنی کا ایک بلند مینار ہے لیکن چند امور خصوصی توجہ کے مستحق ہیں:

۱۔ مندرجہ بالا تاریخی پس منظر سے آپ نے بآسانی اندازہ لگا لیا ہوگا کہ اس سورت کے نزول کا زمانہ وہ تھا جب کفار کی اسلام دشمنی اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی۔ دلآزاری اور بہتان تراشی کی انہوں نے انتہا کر دی تھی۔ حضور سرورِ کائنات کی شبانہ روز محنت کے باوجود صرف چند روحیں ایسی تھیں جنہوں نے اس دعوتِ حق کو قبول کیا تھا۔ قوم کی یہ ہٹ دھرمی دیکھ کر حضور کے قلبِ نازک پر کیا گزرتی ہوگی اور اسلام قبول کرنے والوں کے دلوں میں اپنی اس دعوت کے مستقبل کے متعلق کیسے کیسے خدشات پیدا ہوتے ہوں گے۔ اس لیے ابتدائی آیات میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی جارہی ہے کہ یہ قرآن اس قادرِ مطلق نے نازل فرمایا ہے جس کی کبریائی کے سامنے کائنات کی ہر چیز سرافگندہ ہے۔ اس نے یہ قرآن آپ پر اس لیے

1۔ قرطبی، جز 11، ص 163، مطبوعہ دار الکتب المصریہ — 2۔ ایضاً

نازل نہیں کیا کہ آپ رنج ومشقت میں مبتلا ہو جائیں۔ یقیناً آپ کا دین پھیلے گا اور کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔ اس کے بعد بڑی تفصیل کے ساتھ حضرت موسیٰ کا ذکر کیا گیا کہ انہیں کس طرح موسم سرما کی ایک تاریک اور خنک رات میں وادیٔ طور کے ایک گوشے میں بلا کر خلعتِ نبوت سے سرفراز فرمایا گیا اور اس کے بعد انہیں ایک ایسے ظالم بادشاہ کو دعوتِ حق دینے کا حکم دیا گیا جس کا دامن بیشمار معصوم بچوں کے بیدریغ خون سے لت پت تھا۔ حکم ملا جاؤ اور خدائی کے جھوٹے دعویدار کے سامنے اس کے بھرے دربار میں میری توحید کا اعلان کرو اور اسے حکم دو کہ وہ بنی اسرائیل کو اپنی غلامی کی زنجیروں سے آزاد کر دے ورنہ اس کا انجام بڑا دردناک ہوگا۔ ساتھ ہی فرمادیا کہ اس کی دست درازی سے خائف نہ ہونا۔ میں تمہارے ساتھ ہوں گا۔

تعمیلِ ارشادِ الٰہی میں فرعون کے پاس تشریف لے گئے اور وہ جامع خطبہ ارشاد فرمایا جسے سن کر فرعون کے اوسان خطا ہو گئے اور اسے اپنی خدائی کا محل مسمار ہوتا ہوا نظر آنے لگا۔ اس نے فوراً آپ پر یہ الزام لگا دیا کہ آپ جادو کے زور سے ہماری حکومت کا تختہ الٹنے آئے ہیں اور صرف اپنی سیاسی اغراض پر پردہ ڈالنے کے لیے خدا، قیامت اور دین کا نام لے رہے ہیں۔ چنانچہ اس نے اپنے ملک بھر کے ماہر جادوگر آپ کے مقابلہ کے لیے بلائے اور انہیں گراں قدر انعامات کا لالچ دیا لیکن حق کے سامنے باطل کی کیا مجال ہے کہ وہ دم مار سکے۔ وہ ساحر موسیٰ کی صداقت کو دیکھ کر مجبور ہو گئے کہ تمام عواقب ونتائج سے بے نیاز ہو کر آپ پر ایمان لانے کا اعلان کر دیں۔ اس واقعہ کی تفصیلات پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ایمان کی قوت سب سے بالا ہے۔

۲۔ اس کے بعد سامری کا ذکر کر کے بنی اسرائیل کی کم فہمی اور کوتاہ اندیشی کا پردہ بھی چاک کر دیا۔

۳۔ آخر میں آدم علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا۔ جس سے یہ حقیقت بھی عیاں ہو جاتی ہے کہ غلطی کرنا اور پھر اس پر اکڑنا اور اکڑے رہنا انسان کو ہلاک کر دیتا ہے جس طرح کہ فرعون اور ابلیس کے واقعہ سے ظاہر ہے لیکن غلطی کر کے نادم ہونا اور پھر توبہ کرنا انسان کو مقبولیت کے مقام پر فائز کر دیتا ہے جیسا آدم علیہ السلام کے واقعہ سے معلوم ہوا۔

اس لیے اے غلامانِ مصطفےٰ! خدا کی نافرمانی سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرو لیکن اگر کسی بشری کمزوری یا وقتی جوش سے کوئی لغزش ہو جائے تو اپنے باپ آدم علیہ السلام کی طرح فوراً اشکِ ندامت بہا کر طلبِ مغفرت کرو، بخش دیئے جاؤ گے۔

سورت کو ختم کرنے سے پہلے چند حقائق کو بڑے مؤثر اور دلنشین پیرائے میں بیان کر دیا تا کہ انسان کسی قسم کی غلط فہمی کا شکار ہو کر وہم وگمان کی وادیوں میں بھٹکتا نہ رہے۔

سُوْرَةُ طٰهٰ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَخَمْسٌ وَثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّثَمَانُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورہ طٰہٰ مکی ہے اس کی — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے — آیتیں ۱۳۵ رکوع ۸ ہیں

طٰهٰ ﴿١﴾ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ﴿٢﴾ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ

طاھا [1] نہیں اتارا ہم نے آپ پر یہ قرآن کہ آپ مشقت میں پڑیں [2] بلکہ یہ نصیحت ہے اس کیواسطے جو

يَّخْشٰى ﴿٣﴾ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ﴿٤﴾ اَلرَّحْمٰنُ

(اپنے رب سے) ڈرتا ہے یہ اتارا گیا ہے اس ذات کی طرف سے جس نے پیدا فرمایا زمین کو اور بلند آسمانوں کو۔ وہ بیحد مہربان

1۔ قبیلہ عُکل اور قبیلہ عکّ میں طٰہٰ کا معنی یَا رَجُلُ! یعنی اے شخص! ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ قبیلہ عک میں طٰہٰ بمعنی یَا حَبِیْبِیْ (اے میرے حبیب!) استعمال ہوتا ہے۔ بعض علماء کے نزدیک یہ اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور رحمت عالمیان کا اسمِ مبارک ہے۔ بعض کی رائے ہے کہ 'ط' طہارت اور 'ہ' ہدایت کے لیے بطور رمز ذکر ہوا ہے۔ اس کا معنی ہے "یَا طَاهِرًا مِّنَ الذُّنُوْبِ یَا هَادِیَ الْخَلْقِ اِلٰی عَلَّامِ الْغُیُوْبِ" اے گناہوں سے پاک اور اے خلقِ خدا کے راہنما! (قرطبی) (1)

علامہ نظام الدین نیشا پوری نے اپنی تفسیر میں ایک اور لطیف توجیہ نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حسابِ جمل سے ط کا عدد نو اور ہ کا عدد پانچ ہے جن کا مجموعہ چودہ ہے۔ جس کا معنی ہے، اے چودھویں کے چاند! قِیْلَ الطَّاءُ تِسْعَةٌ فِی الْحِسَابِ وَالْهَاءُ خَمْسَةٌ وَّمَعْنَاهُ یَا اَیُّهَا الْبَدْرُ۔ (2)

علامہ آلوسی نے اس توجیہ کا ذکر کر کے لکھا ہے فَکَاَنَّهٗ قِیْلَ یَا بَدْرَ سَمَاءِ عَالَمِ الْاِمْکَانِ: اے عالمِ امکان کے آسمان کے ماہِ تمام! اے فلکِ وجود کے چودھویں کے چاند! (روح المعانی) (3)

2۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دلی آرزو تھی کہ اللہ تعالیٰ کے جو بندے اپنے رب سے منہ موڑ چکے ہیں اور رشتہ عبودیت توڑ چکے ہیں وہ پھر اپنے رحیم و کریم مالک کو پہچانیں اور اس سے اپنی بندگی کا رشتہ استوار کریں۔ انسان لَقَدْ کَرَّمْنَا کا تاج سر پر رکھے لکڑی اور پتھر کی مورتیوں کے سامنے پیشانی رگڑ رہا ہو۔ انسانیت کی اس تذلیل سے حضورؐ کو بڑا دکھ ہوتا تھا۔ حضورؐ ہر طرح اس کے لیے کوشاں رہتے کہ انسان اپنا بھولا ہوا مقام پہچانے اور عزت و تکریم کی جو مسند اس کے لیے بچھائی گئی ہے اس پر پھر تشریف فرما ہو۔ لیکن حضورؐ کی دلآویز شخصیت، پاک سیرت، درد و سوز میں ڈوبے ہوئے خطبے، اخلاص و ہمدردی سے بھرپور مواعظ اور پہاڑوں کا دل ہلا دینے والی قرآن کی آیاتِ بینات، کوئی چیز بھی تو ان عقل کے اندھوں کو نورِ حق سے رُوشناس نہ کر رہی تھی۔ الٹا ان کے تعصب میں اضافہ ہو رہا تھا۔ ان کے اس ردِّعمل سے ہر وقت حزن و ملال کی گھٹائیں دلِ انور پر چھائی رہتیں۔ اللہ تعالیٰ کو

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 66-165
2۔ حاشیہ نیشا پوری بر تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج 16، ص 78
3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 16، ص 208

عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝۵ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَ

(کائنات کی فرمانروائی کے تخت پر متمکن ہوا ۳ اسی کے ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ۴ اور

مَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ۝۶ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ

جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اور جو کچھ گیلی مٹی کے نیچے ہے اور اگر تو بلند آواز سے بات کرے (تو تیری مرضی) وہ تو بلاشبہ جانتا ہے

اپنے محبوب کریم کی یہ بے چینی گوارا نہ ہوئی۔ تسلی اور اطمینان دینے کے لیے ارشاد فرمایا: اے ماہِ تمام! یہ قرآن اس لیے تو نازل نہیں کیا گیا کہ آپ روز و شب بیقرار رہیں۔ یہ تو ایک نصیحت اور یاد دہانی ہے۔ جس میں صلاحیت ہوگی اسے قبول کر لے گا۔ اور جو حق پذیری کی استعداد سے محروم ہے اور ان آیاتِ بینات کو سن کر بھی دعوتِ حق قبول نہیں کرتا تو اس کی قسمت۔ آپ آزردہ خاطر کیوں ہوں اور آپ کو رنج و قلق کیوں ہو۔

بعض حضرات نے یہ بھی لکھا ہے کہ عہدِ نبوت کے ابتدائی ایام میں حضورِ انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری ساری رات نماز و تلاوت میں کھڑے کھڑے گزار دیتے۔ یہاں تک کہ قدم مبارک سوج جاتے۔ حکم ہوا اپنے آپ پر اتنی سختی کی ضرورت نہیں۔ آسانی سے آپ جتنا پڑھ سکیں اتنا کافی ہے (1) اَلشِّقَاءُ فِي اللُّغَةِ الْعَنَاءُ وَالتَّعَبُ لغت میں شقاء کا معنی مشقت اور تھکاوٹ ہے۔ (قرطبی) (2) ہو سکتا ہے کہ تشقٰی شقاوت (بدبختی) سے ہو جو سعادت کے مقابل ہے۔ ایک دن ابوجہل اور نضر بن حارث دونوں آئے، اور جنابِ رسالت مآب سے کہنے لگے اِنَّكَ شَقِيٌّ لِاَنَّكَ تَرَكْتَ دِيْنَ اٰبَاءِكَ (3) (خاک بدہن اشقیا) آپ شقی ہیں۔ آپ نے اپنے آباء کا دین چھوڑ دیا ہے۔ ان کا اشارہ اس طرف تھا کہ پہلے سارا شہر آپ کی عزت کرتا تھا۔ آپ کے راستے میں پلکیں بچھاتا تھا۔ اب آپ جہاں سے گزرتے ہیں نیچے کانٹے بچھائے جاتے ہیں، اوپر سے پتھر برسائے جاتے ہیں اور آپ بالکل بے یار و مددگار ہو کر رہ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے احمقو! قرآن بدبخت بنانے کے لیے تو نازل نہیں ہوا۔ یہ تو بدبختوں اور رذیلوں کو اوجِ سعادت تک پہنچانے کے لیے آیا ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں فَاُرِيْدَ رَدُّ ذٰلِكَ بِاَنَّ دِيْنَ الْاِسْلَامِ وَهٰذَا الْقُرْاٰنَ هُوَ السُّلَّمُ اِلٰى نَيْلِ كُلِّ فَوْزٍ وَّالسَّبَبُ فِيْ دَرْكِ كُلِّ سَعَادَةٍ (4) یعنی ان آیات سے ابوجہل و نضر کی تردید کر دی گئی کہ دینِ اسلام اور یہ قرآن تو ہر کامیابی کے لیے زینہ ہے اور ہر سعادت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

۳ یعنی وہ صرف خالقِ کائنات ہی نہیں بلکہ وہ فرمانروا اور حاکمِ اعلیٰ بھی ہے۔ کائنات کی بلندیوں اور پستیوں میں اسی کا حکم نافذ ہے۔ چھوٹے بڑے، اہم، غیر اہم، تمام حوادثات کا ظہور اسی کے اذن سے ہوتا ہے۔ اِسْتَوٰى: اَلْمُرَادُ مِنْهُ كَمَالُ قُدْرَتِهٖ فِيْ تَدْبِيْرِ الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ (5) نیز ملاحظہ ہو ضیاء القرآن جلد دوم سورۂ اعراف آیت نمبر ۵۴ کا حاشیہ۔

۴ اس کی مملکت کی وسعت کا کوئی کیا اندازہ کر سکتا ہے۔ اتنا سمجھ لو کہ بلندیاں، وہ بلندیاں جن کے سامنے تمہارا طائرِ تخیل بھی

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 167 2۔ ایضاً، ص 168 3۔ ایضاً

4۔ ایضاً 5۔ تفسیر کبیر، سورۂ اعراف، ج 7، جز 14، ص 120

السِّرَّ وَ اَخْفٰى ۝۷ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۝۸ وَ هَلْ

رازکو بھی اور دل کے بھید کو بھی ۝ اللہ (وہ ہے کہ) کوئی عبادت کے لائق نہیں بغیر اس کے لئے اسکے لیے بڑے خوبصورت نام ہیں۔ اور

اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝۹ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّيْۤ

(اے حبیب!) کیا پہنچی ہے آپکو اطلاع موسیٰ کے قصہ کی ۝ جب (مدین سے واپسی پر تاریک رات میں) آپ نے آگ دیکھی تو اپنے گھر والوں کو کہا تم

اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْۤ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝۱۰

(ذرا یہاں) ٹھیرو میں نے آگ دیکھی ہے شاید میں لے آؤں تمہارے لیے اس سے کوئی چنگاری یا مجھے مل جائے آگ کے پاس کوئی راہ دکھانے والا

شکستہ پر ہے۔ پستیاں، وہ پستیاں جن کا تم تصور تک کرنے کی بھی ہمت نہیں رکھتے اور جو کچھ ان میں ہے بلا استثناء سب اسی وحدہٗ لاشریک کا ہے۔ اَلثَّرٰی: اَلتُّرَابُ النَّدِیُّ: گیلی مٹی۔ (1)

۵ سِرّ وہ راز کی بات جو تو نے صرف کسی اپنے خاص دوست سے پردہ میں کہی ہو اور اَخْفٰی وہ بات جو ابھی نہاں خانۂ دل میں ہی کروٹیں لے رہی ہو اور زبان تک نہ آئی ہو۔ قَالَ الْحَسَنُ اَلسِّرُّ مَا اَسَرَّ الرَّجُلُ اِلٰی غَیْرِهٖ وَاَخْفٰی مِنْ ذٰلِكَ مَا اَسَرَّ فِیْ نَفْسِهٖ (2)۔ اس کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے۔ سِرّ وہ بات جو ابھی تک تیرے دل میں ہی ہو اور اَخْفٰی وہ کام جو تو آئندہ چل کر کرنے والا ہے لیکن آج تجھے اس کا احساس تک نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ جس کی خالقیت کا یہ عالم ہو کہ سب بالا و پست، فوق و تحت اس کے امرِ کن کا مظہر ہو، جس کی حکمرانی کا یہ حال ہو کہ کائنات کی ہر چیز اس کے حکم کے سامنے سرافگندہ ہو اور جس کی ہمہ دانی اور ہمہ بینی کی یہ کیفیت ہو کہ حال اور مستقبل سب عیاں ہو، کیا ایسی ہستی کو الٰہ تسلیم کرنے میں کسی کو شک ہو سکتا ہے اور کوئی دوسرا اس کا ہمسر خیال کیا جا سکتا ہے؟ کَلَّا ثُمَّ کَلَّا۔

۶ بے شک وہی الٰہ و معبود ہے۔ اس کے علاوہ کوئی دوسرا خدا نہیں۔ وہ پاکیزہ اور پیارے نام جو اس کی صفاتِ کمال پر دلالت کر رہے ہیں اسی کو زیب دیتے ہیں۔

۷ یہ استفہام تقریری ہے (3)۔ موسیٰ علیہ السلام عرصۂ دراز تک مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریاں چراتے رہے۔ آپ نے حسب وعدہ اپنی ایک صاحبزادی سے ان کا نکاح کر دیا۔ اب آپ اپنے وطن مصر آ رہے ہیں۔ جنگل بیابان ہے۔ جاڑوں کا موسم ہے۔ اندھیری رات ہے اور یہ مختصر سا قافلہ راہ نورد ہے۔ سردی محسوس ہونے لگی (4)۔ دور سے دیکھا کہ آگ چمک رہی ہے۔ اپنے ساتھیوں کو کہا کہ تم یہیں ٹھہرو۔ سامنے آگ نظر آ رہی ہے میں جاتا ہوں وہاں سے آگ لے آؤں گا۔ الاؤ جلائیں گے اور آگ تاپیں گے اور ممکن ہے وہاں کوئی ایسا آدمی مل جائے جو ہمیں مصر جانے والا صحیح راستہ بتا دے اور ہم اس تاریک رات میں اِدھر اُدھر بھٹکتے نہ پھریں۔ اٰنَسْتُ: ایسی چیز دیکھنا جس کے دیکھنے سے دل میں انس و طمانینت پیدا ہو۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 126 2۔ ایضاً، ص 127 3۔ ایضاً 4۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 143

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ﴿۱۱﴾ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ

پس جب آپ وہاں پہنچے ۸ تو ندا کی گئی اے موسیٰ! ۹ بلاشبہ میں تیرا پروردگار ہوں۔ پس تو اتار دے اپنے جوتے بے شک تو

بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿۱۲﴾ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ﴿۱۳﴾

طوٰی کی مقدس وادی میں ہے۔ اور میں نے پسند کر لیا ہے تجھے (رسالت کے لیے) ۱۰ سو غور سے سن جو وحی کیا جاتا ہے۔

اَلْاِيْنَاسُ اِبْصَارُ مَا يُؤْنَسُ بِهٖ۔ قَبَسٌ: شعلہ، چنگاری۔ هُدًى اَيْ هَادِيًا يَدُلُّنِيْ عَلَى الطَّرِيْقِ (مظہری) (1)

۸ وہاں پہنچے تو عجیب منظر دیکھا۔ ایک سرسبز وشاداب درخت ہے۔ اسے ایک عجیب قسم کی آگ نے گھیرے میں لیا ہوا ہے۔ آگ ہے کہ انوار ہی انوار ہیں بڑے دلکش! بڑے دلآویز! (2)

۹ اچانک ندا آئی: یہ جسے تم آگ سمجھ رہے ہو یہ آگ نہیں بلکہ میں ہوں، تیرا پروردگار۔ تم اب بارگاہِ رب ذوالجلال میں حاضر ہو۔ یہ طویٰ کی مقدس وادی ہے۔ ادب واحترام کا تقاضا ہے کہ جوتے اتار دو۔ نیز اس وادی کی خاکِ پاک تیرے پاؤں کے تلوؤں کو لگ جائے اور وہ بابرکت ہو جائیں۔

بندے اور اس کے مولیٰ کے درمیان جو غیر متناہی بُعد اور دوری ہے وہ بندے کی کاوش سے کب طے ہو سکتی ہے۔ انسان کی برق رفتاری سب تھک ہار کر رہ جاتی ہے۔ ہاں جب وہ کرم فرماتا ہے اور اس کی توفیق آگے بڑھ کر دستگیری کرتی ہے تو سب مسافتیں سمٹ کر رہ جاتی ہیں اور چشم زدن میں انسان شاہدِ حقیقی کے جلووں سے لطف اندوز ہونے لگتا ہے۔ حضرت علامہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ صوفیاء کرام کا ارشاد ہے کہ قلب کا اصلی مقام عرش پر ہے۔ اگر انسان اپنی عبادت وریاضت سے وہاں پہنچنا چاہے تو اسے پچاس ہزار سال سے زیادہ عرصہ درکار ہے (اور کون ایسا ہے جس کو اتنی عمر ملی ہو) لیکن مرشدِ کامل کے جذب اور اس کی توجہ سے نگاہِ قدرت سالک کو چن لیتی ہے اور وہ قلیل عرصہ میں وہاں تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔ لٰكِنَّ ذٰلِكَ الْعُرُوْجَ اِنَّمَا يَحْصُلُ بِجَذْبِ الشَّيْخِ عَلٰى سَبِيْلِ الْاِجْتِبَاءِ (3)۔ قَالَ الْعَارِفُ الرُّوْمِيُّ قُدِّسَ سِرُّهٗ۔

سیرِ زاہد ہر شبے یک روزہ راہ   سیرِ عارف ہر دمے تا تختِ شاہ (4)

یعنی حریم ذات کی بلندیوں تک رسائی اور عروج اپنے شیخ کی توجہ اور جذب سے نصیب ہوتا ہے اور وہ اس طرح کہ نگاہ رحمت اسے چن لیتی ہے اور اسے واصل بحق کر دیتی ہے۔ عارف رومی فرماتے ہیں:

کہ زاہد تو ایک رات میں ایک دن کی مسافت ہی طے کرتا ہے لیکن عارف کی سیر ہر آن بادشاہِ حقیقی کے تخت تک ہوتی ہے۔

۱۰ شانِ بندہ نوازی ملاحظہ ہو۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 128   2۔ ایضاً   3۔ ایضاً، ج 130   4۔ ایضاً

اِنَّنِیْۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ﴿۱۴﴾

یقیناً میں ہی اللہ ہوں نہیں ہے کوئی معبود میرے سوا پس تو میری عبادت کیا کر اور ادا کیا کر نماز ۱؎ مجھے یاد کرنے کے لیے۔

اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ اَكَادُ اُخْفِیْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى ﴿۱۵﴾

بیشک وہ گھڑی (قیامت) آنیوالی ہے میں اسے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں ۲؎ تاکہ بدلہ دیا جائے ہر شخص کو اس کام کا جسکے لیے وہ کوشاں ہے

فَلَا یَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا یُؤْمِنُ بِهَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ﴿۱۶﴾

پس ہرگز نہ روکے تجھے اس (کو ماننے) سے وہ شخص جو نہیں ایمان رکھتا اس پر اور پیروی کرتا ہے اپنی خواہش کی ورنہ تم بھی ہلاک ہو

۱؎ اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ نماز ادا کرو تا کہ میری یاد کی لذت سے تم لطف اندوز ہوسکو اور دوسرا معنی یہ بھی بتایا گیا ہے کہ تم نماز میں میری حمد وتمجید کرو اور مجھے یاد کرو اور میں تمہیں یاد کروں گا۔ اس توجیہ کے مطابق معنی یہ ہوگا کہ تم نماز ادا کرو تا کہ میں تمہیں یاد کروں جس طرح دوسری آیت میں ہے فَاذْكُرُوْنِیْۤ اَذْكُرْكُمْ (1)۔ پس تم مجھے یاد کرو اور میں تمہیں یاد کرونگا۔

مسئلہ: اگر انسان بھول جائے اور نماز ادا نہ کرسکے یا سو گیا اور جب آنکھ کھلی تو نماز کا وقت گزر چکا تھا تو جب اسے یاد آئے اور جس وقت وہ بیدار ہو اسی وقت وہ نماز ادا کرے۔ عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَّسِیَ صَلٰوةً اَوْنَامَ عَنْهَا فَكَفَّارَتُهَا اَنْ يُّصَلِّيَهَا اِذَا ذَكَرَهَا۔ (2)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص نماز ادا کرنا بھول جائے یا نماز کے وقت سو گیا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ جس وقت اسے یاد آئے اسی وقت نماز ادا کرے۔

۲؎ اگرچہ اَكَادُ اُخْفِیْهَا کا مفہوم بیان کرنے میں علمائے کرام نے بڑی تفصیلی بحث کی ہے لیکن آسان اور قابلِ فہم بات یہ ہے کہ یہاں اَكَادُ بمعنی اُرِیْدُ ہے یعنی میں نے یہ ارادہ فرمایا ہے کہ وقوعِ قیامت کے وقت کو لوگوں سے پوشیدہ رکھوں۔ الانباری نے بطورِ استشہاد ایک شعر نقل کیا ہے جہاں کَادَ، اَرَادَ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

قِیْلَ مَعْنٰی اَكَادُ اُخْفِیْهَا اُرِیْدُ اُخْفِیْهَا۔ قَالَ الْاَنْبَارِیُّ وَشَاهِدُ هٰذَا قَوْلُ الْفَصِیْحِ مِنَ الشِّعْرِ۔

كَادَتْ وَكِدْتُّ وَتِلْكَ خَیْرُ اِرَادَةٍ   لَوْ عَادَ مِنْ لَهْوِ الصَّبَابَةِ مَا مَضٰى

مَعْنَاهُ اَرَادَتْ وَاَرَدْتُّ یعنی اس نے بھی ارادہ کیا اور میں نے بھی ارادہ کیا اور یہ ارادہ بہت عمدہ تھا کاش! محبت کی گرمجوشی جو ختم ہو چکی ہے وہ بھی لوٹ آتی۔ (قرطبی) (3)

علامہ جوہری جو لغت کے امام ہیں، انہوں نے الصحاح میں خفی کے مادہ کی تحقیق کرتے ہوئے اس آیت کی وضاحت کی

1۔ سورۃ البقرہ: 152
2۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب قضاء الصلوٰۃ الفائتۃ واستحباب تعجیل قضائھا، ج 1، ص 241
3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 184

وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ﴿١٧﴾ قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَ

اور (ندا آئی) یہ آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے اے موسیٰ! ۱۳ عرض کی (اے میرے رب!) یہ میرا عصا ہے ۱۴ میں ٹیک لگاتا ہوں اس پر اور میں پتے جھاڑتا ہوں

اَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ﴿١٨﴾ قَالَ اَلْقِهَا

اس سے اپنی بکریوں کے لیے اور میرے لیے اس میں کئی اور فائدے بھی ہیں۔ حکم ہوا ڈال دے اسے

يٰمُوْسٰى ﴿١٩﴾ فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ﴿٢٠﴾ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ وقفة

زمین پر اے موسیٰ! تو آپ نے اسے زمین پر ڈال دیا پس اچانک وہ سانپ بنکر (ادھر ادھر) دوڑنے لگا۔ حکم ہوا اسے پکڑ لو اور مت ڈرو

ہے۔ لکھتے ہیں: وَقَوْلُهٗ تَعَالٰى اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا وَيُقْرَأُ: اَخْفِيْهَا اَيْ اُزِيْلُ عَنْهَا خِفَاءَهَا اَيْ غِطَاءَهَا وَهُوَ لِقَوْلِهِمْ اَشْكَيْتُهٗ اَيْ اَزَلْتُهٗ عَمَّا يَشْكُوْهُ (1) یعنی اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ میں اس سے پردہ ہٹا دونگا۔ یہاں افعال کا ہمزہ سلب کے لیے ہے جیسے اَشْكَيْتُهٗ کا معنی ہے میں نے اس کی شکایت دور کردی۔

۱۳ مقصد کسی نامعلوم چیز کو معلوم کرنا نہیں بلکہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنے سے مانوس کرنا ہے اور اس ڈنڈے کی طرف متوجہ کرنا ہے۔ تاکہ جب وہ سانپ بن کر لہرانے لگے تو انہیں یقین آجائے کہ یہ معجزہ ہے۔

۱۴ چاہیے تو یہ تھا کہ اسی پر اکتفا کرتے لیکن اپنے محبوبِ حقیقی سے ہم کلام ہونے کی لذت نے مجبور کیا کہ زیادہ سے زیادہ دیر تک اس لطفِ گفتگو سے محظوظ ہوتے رہیں۔

اَتَوَكَّاُ: ٹیک لگانا، سہارا لینا۔ اَهُشُّ: درختوں کے پتے جھاڑنا۔ مَآرِبُ جمع ہے اس کا واحد مَأْرُبَةٌ، مَأْرِبَةٌ، مَأْرَبَةٌ۔ اس کا معنی ہے حوائج۔ (قرطبی) (2)

۱۵ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک جابر اور مطلق العنان بادشاہ کو دعوتِ حق دینے کے لیے روانہ فرمانے کا وقت آگیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ فرعون کو دعوت دینے کے لیے کسی ایسے فرمانروا کو مقرر کیا جاتا جو قوت وسطوت میں اس سے بڑھا ہوا ہوتا۔ اس کے ملک کی حدود فرعون کی سلطنت سے وسیع ہوتیں۔ لیکن قدرت اس کام کے لیے ایک ایسے مسافر کو منتخب کر رہی ہے جو عرصۂ دراز جلاوطنی میں بسر کرنے کے بعد اپنے وطن واپس لوٹ رہا ہے۔ جس کے پاس نہ لشکر ہے اور نہ ساز وسامان۔ لیکن بارگاہِ الٰہی سے اس کو دو ایسے ہتھیار (عصا اور یدِ بیضا) دیئے جا رہے ہیں جن کا فرعون کے اسلحہ خانہ میں توڑ نہ تھا۔ تاکہ اس مردِ باخدا کی فقر و درویشی کے سامنے فرعونی سطوتیں شرم وخجالت سے پانی پانی ہو جائیں۔ سیرت کا معنی ہے حالت، صورت۔ اَلسِّيْرَةُ فِعْلَةٌ مِّنَ السَّيْرِ تُقَالُ لِلْهَيْئَةِ وَالْحَالَةِ الْوَاقِعَةِ فِيْهِ ثُمَّ جُرِّدَتْ لِمُطْلَقِ الْهَيْئَةِ وَالْحَالَةِ الَّتِيْ يَكُوْنُ عَلَيْهَا الشَّيْءُ۔ (روح المعانی) (3)

تورات میں بھی تقریباً اسی طرح آپ کے دونوں معجزوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ (خروج ۴: ۲ تا ۴) (4)

1۔ الصحاح، ج6، ص2330

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز11، ص186-87

2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج16، ص178

4۔ کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ)، خروج، باب 4، آیت 2 تا 4، ص56

سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ ﴿٢١﴾ وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجْ

ہم لوٹا دیں گے اسے اپنی پہلی حالت پر۔ اور (حکم ملا) دبالو اپنا ہاتھ اپنے بازو کے نیچے یہ نکلے گا

بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ آيَةً أُخْرَىٰ ﴿٢٢﴾ لِنُرِيَكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرَى ﴿٢٣﴾

خوب سپید ہو کر بغیر کسی بیماری کے [16] یہ دوسرا (معجزہ ہم نے تمھیں دیا) ہے تاکہ ہم دکھائیں تمھیں اپنی بڑی بڑی نشانیاں۔

اذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ﴿٢٤﴾ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ﴿٢٥﴾

(اب) جائیے فرعون کے پاس وہ سرکش بن گیا ہے [17] آپ نے دعا مانگی اے میرے پروردگار! کشادہ فرما دے میرے لیے میرا سینہ۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں اَلْجَنَاحُ اَلْعَضُدُ، قَالَ مُجَاهِدٌ وَّقَالَ، اِلٰی، بِمَعْنٰی تَحْتَ (1)۔ میں نے ترجمہ اسی کے مطابق کیا ہے۔

[16] حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب آپ نے اپنا ہاتھ اپنے پہلو میں دبا کر باہر نکالا تو وہ اس طرح چمکنے لگا جس طرح دن میں سورج چمکتا ہے لیکن آپ کو ہاتھ کے چمکنے میں کوئی تکلیف نہ ہوئی (2)۔ اس کے برعکس تورات کی آیت ملاحظہ ہو: ''اس نے اپنا ہاتھ سینہ پر رکھ کر اسے ڈھانک لیا اور جب اس نے اسے نکال کر دیکھا تو اس کا ہاتھ کوڑھ سے برف کی مانند سفید تھا۔'' (خروج ۴:۶)(3)

[17] جب ان دو معجزوں سے آپ کو سرفراز کر دیا گیا تو آپ کو حکم ملا کہ جاؤ اور فرعون کی سرکشی کا علاج کرو۔ آپ کو اس کٹھن منزل کی دشواریوں کا پورا احساس تھا اس لیے دامنِ طلب پھیلا کر چند التجائیں کیں جو قبول کر لی گئیں۔ شرح کا معنی ہے کھولنا، کشادہ کرنا اور شرحِ صدر کا مفہوم یہ ہے کہ سینہ نورِ الٰہی سے کشادہ ہو جائے۔ دل تسکین و طمانینت سے معمور ہو جائے۔ تبلیغِ حق میں کسی قسم کا انقباض محسوس نہ ہو اور اگر مشکلات و مصائب کے پہاڑ راستہ روک کر کھڑے ہو جائیں تو انسان خوفزدہ ہو کر ہمت نہ ہار دے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے ان سے ٹکرا جائے۔ اور عزم و استقلال کے قدموں سے انہیں روندتا ہوا آگے بڑھتا چلا جائے (4)۔ یہ بات کہہ لینا آسان ہے لیکن جب آلام و مصائب کے کالے بادل گھر کر آ جاتے ہیں اور بجلیاں کڑکنے لگتی ہیں اور اس راہ کے مسافر کو اکثر ان حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس وقت بڑے بڑے لوگوں کے دل کانپ اٹھتے ہیں اور اوسان خطا ہو جاتے ہیں۔ صرف وہی لوگ ثبات و استقامت کا مظاہرہ کر سکتے ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے منشرح فرما دیا ہو۔ اس منزل کے آبلہ پا مسافروں کی تواضع کے لیے ببول کے کانٹے بھی ہوتے ہیں لیکن وہ محبت کے متوالے انہیں حریر و پرنیاں سے زیادہ نرم و نازک سمجھتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔ آپ کی زبان میں لکنت کا اثر تھا اس کے دور ہونے کی بھی دعا مانگی۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 11، ص 191
2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 135
3۔ کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ)، خروج، باب 4، آیت 6، ص 57-56
4۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 16، ص 82-181

وَيَسِّرْ لِىٓ أَمْرِى ﴿٢٦﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِى ﴿٢٧﴾ يَفْقَهُوا۟ قَوْلِى ﴿٢٨﴾

اور آسان فرمادے میرے لیے میرا یہ (کٹھن) کام اور کھول دے گرہ میری زبان کی تاکہ اچھی طرح سمجھ سکیں وہ لوگ میری بات

وَاجْعَل لِّى وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِى ﴿٢٩﴾ هَٰرُونَ أَخِى ﴿٣٠﴾ اشْدُدْ بِهِۦٓ أَزْرِى ﴿٣١﴾

اور مقرر فرما میرا وزیر میرے خاندان سے یعنی ہارون کو جو میرا بھائی ہے۔ مضبوط فرمادے اس سے میری کمر ۱۸

وَأَشْرِكْهُ فِىٓ أَمْرِى ﴿٣٢﴾ كَىْ نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا ﴿٣٣﴾ وَنَذْكُرَكَ كَثِيرًا ﴿٣٤﴾ إِنَّكَ

اور شریک کردے اسے میری (اس) مہم میں۔ تاکہ ہم دونوں کثرت سے تیری پاکی بیان کریں اور ہم کثرت سے تیرا ذکر کریں۔ بیشک تو ہمارے

كُنتَ بِنَا بَصِيرًا ﴿٣٥﴾ قَالَ قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يَٰمُوسَىٰ ﴿٣٦﴾ وَلَقَدْ

(ظاہر و باطن) کو خوب دیکھنے والا ہے ۱۹۔ جواب ملا منظور کر لی گئی ہے آپ کی درخواست اے موسیٰ! ۲۰ اور ہم نے احسان

مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰٓ ﴿٣٧﴾ إِذْ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰٓ ﴿٣٨﴾ أَنِ

فرمایا تھا تم پر ایک بار پہلے بھی ۲۱۔ جب ہم نے وہ بات الہام کی تمہاری ماں کو جو الہام ہی کیے جانے کے قابل تھی ۲۲ یہ کہ

۱۸۔ علامہ جوہری لکھتے ہیں۔ اَلْاَزْرُ: اَلْقُوَّةُ وَقَوْلُهٗ تَعَالٰى اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِىْ: اَىْ ظَهْرِىْ وَ مَوْضِعُ الْاِزَارِ مِنَ الْحَقْوَيْنِ (1)۔
یعنی ازر کا معنی قوت ہے نیز پشت کے اس حصہ کو کہتے ہیں جہاں ازار، تہ بند باندھا جاتا ہے یعنی کمر۔

۱۹۔ آخر میں عرض کر دیا تو ہماری کمزوریوں کو بھی جانتا ہے، ہماری ضرورتوں سے بھی واقف ہے اور فریضہ تبلیغ کی جانکاہیوں کا بھی تجھے علم ہے۔ ہمیں وہ سب کچھ عطا فرما جس سے ہم اس فرمان کی تعمیل سے عہدہ برآ ہو سکیں اور ہمیں تیرے حضور سرخروئی حاصل ہو۔

۲۰۔ آپ کو یہ مژدۂ جانفزا سنایا گیا کہ اے موسیٰ! ہم نے تیری ساری التجاؤں کو قبول فرمایا۔ ۲۱۔ یہ تو موسیٰ علیہ السلام نے مانگا اور رب کریم نے عطا فرمایا۔ اب ان احسانات کا ذکر کیا جا رہا ہے جن سے بن مانگے آپ کو نوازا گیا تھا۔

۲۲۔ فرعون نے بنی اسرائیل کے ہر نوزائیدہ بچے کو قتل کرنے کا حکم جاری کر دیا۔ اس کی وجہ یا تو یہ تھی کہ اس کے منجموں نے اسے بتایا تھا کہ بنی اسرائیل کے ہاں ایک ایسا بچہ پیدا ہونے والا ہے جو اس کی سلطنت کی بربادی کا باعث ہوگا۔ اس لیے اس نے حفظِ ماتقدم کے طور پر ہر نئے پیدا ہونے والے بچے کو قتل کرنے کا حکم صادر کر دیا تاکہ وہ بچہ پیدا ہوتے ہی مار ڈالا جائے جس کے متعلق اس کے نجومیوں نے پیش گوئی کی تھی (2)۔ اس کی ایک اور وجہ بھی بیان کی گئی ہے کہ بنی اسرائیل کی نسل بڑی تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ فرعون نے سوچا کہ اگر ان کے اضافہ کی یہی رفتار رہی تو یہ تعداد میں قبطیوں سے بڑھ جائیں گے۔ مبادا کثرت

1۔ الصحاح، ج 2، ص 578
2۔ قصص القرآن از حفظ الرحمٰن سیوہاروی، ج 1، ص 335، مطبوعہ جید برقی پریس دہلی، زیر اہتمام ندوۃ المصنفین، دہلی

اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ

رکھ دو اس معصوم بچے کو صندوق میں پھر ڈال دو اس صندوق کو دریا میں پھینک دیگا اسے دریا ساحل پر پھر پکڑ لیگا

يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ۚ۬ وَلِتُصْنَعَ

اسے وہ شخص جو میرا بھی دشمن ہے اور اس بچے کا بھی دشمن ہے اور (اے موسیٰ!) میں نے پرتو ڈالا تجھ پر ۲۳؎ محبت کا اپنی جناب سے تاکہ جو دیکھے

تعداد کے بل بوتے پر وہ کسی وقت کوئی انقلاب برپا کر دیں (1)۔ لیکن تقدیرِ الٰہی کو کون ٹال سکتا ہے۔ قدرت کی نیرنگیوں نے یہ بتا دیا کہ اے فرعون! جس بچے کو پیدا ہوتے ہی مار ڈالنے کا پروگرام تو نے بنایا تھا دیکھ، اسے ہم تیرے محل میں لے آئے ہیں۔ تیری بیوی اس پر سو جان سے فدا ہے۔ شب و روز اس کی خدمت میں سرشار رہتی ہے اور تو بھی اسے اپنی گود میں اٹھاتا ہے اس کو چمکارتا ہے، اسے پیار کرتا ہے۔ اور اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا ہے، اے خدائی کے جھوٹے دعوے دار! خدائے برحق کی قوت و تدبیر کا تو نے مشاہدہ کیا؟

یہاں اَوْحَيْنَآ بمعنی اَلْهَمْنَا ہے(2)۔ یعنی ہم نے موسیٰ کی ماں کے دل میں یہ تدبیر ڈال دی اور اس کے برحق ہونے کے متعلق اس کے دل میں ایسا یقین پیدا کر دیا کہ وہ اس پر عمل کرنے کے لیے بخوشی آمادہ ہو گئیں۔ ورنہ کوئی ماں اپنے معصوم بچے کو اپنے ہاتھوں سے دریا کی بے رحم موجوں کے سپرد کرنے کے لیے کب تیار ہوتی ہے۔ آپ کی والدہ نے انہیں تابوت میں ڈال کر دریا میں بہا دیا۔ ہو سکتا تھا کہ کوئی تند موج اٹھتی اور اسے ڈبو دیتی۔ سطحِ آب پر کوئی گرداب نمودار ہوتا اور اس تابوت کو نگل جاتا یا یہ محل سے دور گزر جاتا اور کوئی اسے دیکھ بھی نہ پاتا۔ غرضیکہ کئی احتمالات تھے لیکن تابوت کا صحیح و سلامت تیرتے چلے جانا اور ایسے وقت میں محل کے پاس سے گزرنا جب فرعون کی بیوی اپنی سہیلیوں سمیت ساحل پر کھڑی تھیں اور اس کے بعد کے جملہ انتظامات بتا رہے ہیں کہ یہ کسی انسان کی سوچی ہوئی تدبیر نہیں بلکہ علیم و حکیم پروردگار کی تدبیر ہے۔

۲۳؎ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا ایسا پرتو آپ پر ڈال دیا کہ جو دیکھتا محبت میں دیوانہ ہو جاتا۔ واقعی جس چیز کو اللہ تعالیٰ اپنے جمالِ لازوال کی جلوہ گاہ بنا دے اسے انسان تو انسان وحشی درندے بھی دیکھیں تو فریفتہ ہو جائیں۔ یعنی اَحْبَبْتُكَ وَمَتٰى اَحَبَّهُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَحَبَّتْهُ الْقُلُوْبُ۔ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَحْبَبْتُهٗ وَحَبَّبْتُهٗ اِلٰى خَلْقِىْ۔ (مظہری)(3)

حضرت ابنِ عباس نے فرمایا کہ میں نے اس سے محبت کی اور اپنی مخلوق کی نگاہوں میں اسے محبوب بنا دیا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی لطیف بات فرمائی ہے کہ حضرت کلیم صلوٰت اللہ علیہ کے تعین کا مبدأ محبّیتِ محضہ تھا اور حبیبِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعین کا مبدأ محبوبیت کاملہ تھا۔ اسی لیے کلیم علیہ السلام عاشقوں اور محبوں کے سردار ہیں اور حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جملہ محبوبوں کے سردار قَالَ الْمُجَدِّدُ لِلْاَلْفِ الثَّانِىْ كَانَ مَبْدَاُ تَعَيُّنِ الْكَلِيْمِ صَلَوٰاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ الْمُحِبِّيَّةُ الصِّرْفَةُ وَمَبْدَاُ

1۔ مقالاتِ سرسید، ج 14، ص 84-182   2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 11، ص 195   3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 140

عَلٰی عَیۡنِیۡ ﴿۳۹﴾ اِذۡ تَمۡشِیۡۤ اُخۡتُکَ فَتَقُوۡلُ ہَلۡ اَدُلُّکُمۡ عَلٰی مَنۡ

فریفتہ ہو جائے) اور (اس تدبیر کا منشا یہ تھا) کہ آپکی پرورش کی جائے میری چشم (کرم) کے سامنے۲۴ یاد کرو جب چلتے چلتے آئی آپکی بہن اور

یَّکۡفُلُہٗ ؕ فَرَجَعۡنٰکَ اِلٰۤی اُمِّکَ کَیۡ تَقَرَّ عَیۡنُہَا وَ لَا تَحۡزَنَ ۬ؕ وَ قَتَلۡتَ

کہنے لگی (فرعون کے اہل خانہ سے) کیا میں بتاؤں تمہیں وہ آدمی جو اس کی پرورش کرسکے (پس دیوں) ہم نے آپکو لوٹا دیا آپکی ماں کی طرف تاکہ (آپکو دیکھ کر)

نَفۡسًا فَنَجَّیۡنٰکَ مِنَ الۡغَمِّ وَ فَتَنّٰکَ فُتُوۡنًا ۬ۚ فَلَبِثۡتَ سِنِیۡنَ فِیۡۤ

۲۵ اپنی آنکھ ٹھنڈی کرے اور غمناک نہ ہو اور (تمہیں یاد ہے جب) تونے مار ڈالا تھا ایک شخص کو پس ہم نے نجات دی تھی تمہیں غم واندوہ سے

اَہۡلِ مَدۡیَنَ ۬ۙ ثُمَّ جِئۡتَ عَلٰی قَدَرٍ یّٰمُوۡسٰی ﴿۴۰﴾ وَ اصۡطَنَعۡتُکَ

اور ہم نے تمہیں اچھی طرح جانچ لیا تھا ۲۶ پھر تم ٹھہرے رہے کئی سال اہل مدین میں ۲۷ پھر تم آگئے ایک مقررہ عرصہ پر اے موسیٰ ۲۸ اور میں نے مخصوص کر لیا ہے

تَعَیُّنِ الۡحَبِیۡبِ صلی اللہ علیہ وسلم الۡمَحۡبُوۡبِیَّۃُ الصِّرۡفَۃُ وَلِاَجۡلِ ذٰلِکَ کَانَ الۡکَلِیۡمُ عَلَیۡہِ السَّلَامُ رَأۡسَ الۡمُحِبِّیۡنَ وَالۡحَبِیۡبُ صلی اللہ علیہ وسلم رَأۡسَ الۡمَحۡبُوۡبِیۡنَ۔ (مظہری)(1)

۲۴ یعنی ہم نے آپ کو کبھی اپنی نگاہِ لطف وعنایت سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔ آپ کی رہائش، آرام وآسائش اور تربیت کے جملہ انتظامات ہم نے اپنی آنکھوں کے سامنے کرائے۔

۲۵ دوسرے احسان کا بیان ہے۔

۲۶ فُتُوْنٌ یا تو قُعُوْدٌ کے وزن پر مصدر ہے یا فِتْنَۃٌ کی جمع ہے(2) یعنی ہم نے تمہیں اچھی طرح کئی بار آزمایا۔ ہم نے تمہیں طرح طرح کی آزمائشوں میں مبتلا کر کے پرکھا۔ جس نے آگے چل کر ایک بڑی امت کا راہ نما بننا ہو جب تک وہ آزمائش کے جانگسل مرحلوں سے نہیں گزرے گا صحیح قیادت کا جوہر اس میں نہیں چمکے گا۔ حضرت یوسف کو جن جن امتحانات سے گزرنا پڑا ان کے متعلق آپ پڑھ آئے ہیں۔ یہی حالات حضرت کلیم کو پیش آئے۔

۲۷ یہاں تک کہ آپ کو حضرت شعیب کے ریوڑ کا گڈریا بننا پڑا۔ کہتے ہیں کہ ایک روز ایک لیلا ریوڑ سے الگ ہو گیا۔ اس کی تلاش میں آپ دن بھر ادھر ادھر دوڑتے رہے۔ شام کے قریب اسے پکڑ سکے۔ پکڑ کر غصہ میں اسے زدوکوب نہیں کی، بلکہ اٹھا کر سینہ سے لگا لیا اور کہنے لگے: یہ تو نے کیا کیا؟ مجھے بھی تھکا دیا اور خود بھی تھک گیا(3)۔ یہ حلم وبردباری اور اپنے ماتحتوں کے ساتھ اس قدر شفقت پیدا ہو تب ہی نبوت کے فرائض انجام دیئے جاسکتے ہیں۔

۲۸ عمر وتربیت کے لحاظ سے جب مقررہ وقت آپہنچا تو آپ عین اس وقت ہی آئے۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 140 2۔ ایضاً، ج 6، ص 141 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 198

لِنَفْسِیْ ﴿۴۱﴾ اِذْهَبْ اَنْتَ وَ اَخُوْكَ بِاٰیٰتِیْ وَ لَا تَنِیَا فِیْ ذِكْرِیْ ﴿۴۲﴾

تھیں اپنی ذات کیلیے۔ اب جائیے آپ اور آپ کا بھائی میری نشانیاں لیکر اور نہ سستی کرنا میری یاد میں ۲۹

اِذْهَبَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۴۳﴾ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ

آپ دونوں جائیں ۳۰ فرعون کے پاس وہ سرکش بنا بیٹھا ہے۔ اور گفتگو کریں اسکے ساتھ نرم انداز سے ۳۱ شاید کہ وہ نصیحت

اَوْ یَخْشٰى ﴿۴۴﴾ قَالَا رَبَّنَاۤ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیْنَاۤ اَوْ اَنْ یَّطْغٰى ﴿۴۵﴾ قَالَ

قبول کرے یا (میرے غضب سے) ڈرنے لگے ۳۲ دونوں نے عرض کی اے ہمارے رب! ہمیں یہ خوف ہے کہ وہ دست درازی کریگا ہم پر ۳۳ یا سرکشی سے پیش

۲۹ "وَنیٰ" کہتے ہیں کمزوری اور کوتاہی کو۔ "اَلْوَنیٰ اَلضُّعْفُ وَ الْفُتُوْرُ (1)" رخصت کرنے سے پہلے پھر ایک بار تاکید کردی کہ ذکر میں کوتاہی نہ کریں کیونکہ ذکرِ الٰہی ہی سب مشکلوں کی کلید ہے۔ یہی وہ سرچشمہ ہے جس سے عزم وہمت کے فوارے پھوٹتے ہیں۔

۳۰ پہلے عام لوگوں کو پیغامِ ہدایت سنانے کی خدمت تفویض ہوئی اب خصوصی طور پر فرعون سرکش کے پاس جاکر اسے دعوتِ حق دینے کا حکم ملا۔

۳۱ ہر مبلّغ کے لیے اس میں راہنمائی ہے۔ مبلّغ کو ایسا شیریں کلام اور نرم خو ہونا چاہیے کہ جب بولے تو یوں معلوم ہو کہ اس کے منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں یا شہد اور دودھ کی نہریں بہ رہی ہیں۔ اگر وہ تندمزاج اور سخت کلام ہوگا تو لوگ اس سے نفرت کرنے لگیں گے اور اس سے دور بھاگ جائیں گے۔ قُلْتُ الْقَوْلُ اللَّیِّنُ هُوَ الْقَوْلُ الَّذِیْ لَا خُشُوْنَةَ فِیْهِ فَاِذَا كَانَ مُوْسٰی اُمِرَ بِاَنْ یَّقُوْلَ لِفِرْعَوْنَ قَوْلًا لَّیِّنًا فَمَنْ دُوْنَهٗ اَحْرٰی (قرطبی) (2)

۳۲ لَعَلَّ کے معنی میں جو امید ورجا ہے اس کا تعلق ذاتِ باری سے نہیں بلکہ حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام سے ہے۔ یعنی تم اس امید پر پوری کوشش کرنا کہ شاید وہ ہدایت کو قبول کرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے لگے۔ (3)

۳۳ فرعون کی سرکشی اور ظلم کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی۔ اس لیے عرض کی کہ الٰہی ایسا نہ ہو کہ ہم اس کے پاس جائیں اور وہ ہمیں اپنے ظلم وستم کے شکنجہ میں کس دے۔ لَا تَخَافَا الخ سے انہیں اپنی معیت کا یقین دلا کر تسلی دے دی۔

وہ انبیاء کرام جن کا ذکر قرآنِ حکیم میں ہے ان میں سے اکثر کا تذکرہ بائیبل وغیرہ میں بھی ہے لیکن بائیبل میں جب ہم ان انبیاء کرام کے تذکرے پڑھتے ہیں تو ہمارے دل میں ان کے لیے تقدس واحترام کا کوئی جذبہ پیدا نہیں ہوتا اور ان کے کردار میں ہمیں کوئی ایسی کشش محسوس نہیں ہوتی۔ لیکن اس کے برعکس جب قرآن ان کے حالات کو بیان کرتا ہے تو ایسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ جلیل القدر ہستیاں ہیں جن کا دامن پکڑ لینے میں ہی انسانیت کی فلاح ہے۔ ان کی ہر بات حکیمانہ اور ان کا ہر عمل پیغمبرانہ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 11، ص 199   2۔ ایضاً، ص 200   3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 143

لَا تَخَافَا اِنَّنِیْ مَعَكُمَاۤ اَسْمَعُ وَ اَرٰى ﴿۴۶﴾ فَاْتِیٰهُ فَقُوْلَاۤ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ

آئیگا۔ ارشاد ہوا ڈرو نہیں میں یقیناً تمہارے ساتھ ہوں (ہر بات) سن رہا ہوں اور (ہر چیز) دیکھ رہا ہوں۔ پس (بےخوف و خطر) اسکے پاس جاؤ

فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ وَ لَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰیَةٍ

اور اسے بتاؤ ہم دونوں تیرے رب کے فرستادہ ہیں پس بھیج دے ہمارے ساتھ ۳۴ بنی اسرائیل کو اور انھیں (اب مزید) عذاب نہ دے ہم لے آئے ہیں

مِّنْ رَّبِّكَ ؕ وَ السَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿۴۷﴾ اِنَّا قَدْ اُوْحِیَ اِلَیْنَاۤ

تیرے پاس ایک نشانی تیرے رب کے پاس سے۔ اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ بیشک وحی کی گئی ہے ہماری طرف کہ

اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى ﴿۴۸﴾ قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا یٰمُوْسٰى ﴿۴۹﴾

عذاب (خداوندی) اس پر آئیگا جو جھٹلاتا ہے (کلامِ الٰہی کو) اور روگردانی کرتا ہے۔ فرعون نے پوچھا موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے؟ ۳۵

جلال سے دمک رہا ہوتا ہے۔ آپ اس واقعہ کو قرآن میں بھی پڑھ چکے ہیں اب اس کو ذرا بائیبل میں پڑھیے:۔

"سو اب آ میں تجھے فرعون کے پاس بھیجتا ہوں کہ تو میری قوم بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لائے۔ موسیٰ نے خدا سے کہا میں کون ہوں جو فرعون کے پاس جاؤں اور بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لاؤں"۔ (کتاب خروج ۳: ۱۰، ۱۱) (1)

اسی کتاب کے باب چہارم میں ہے کہ جب موسیٰ کو جملہ معجزات سے مشرف کر دیا گیا اور پھر انہیں فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا تو بھی آپ نے اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

"سو اب تو جا میں تیری زبان کا ذمہ لیتا ہوں اور تجھے سکھاتا رہوں گا کہ تو کیا کہے۔ تب اس نے کہا اے خداوند میں تیری منت کرتا ہوں کسی اور کے ہاتھ سے جسے تو چاہے یہ پیغام بھیج۔ تب خداوند کا قہر موسیٰ پر بھڑکا۔ (خروج ۴: ۱۴، ۱۳، ۱۲) (2)

۳۴ بنی اسرائیل پر مصر میں بڑے بڑے مظالم ہو رہے تھے۔ انہیں بیگار میں پکڑا جاتا، بے زبان چوپائیوں کی طرح ان سے دن بھر مشقت کے کام لیے جاتے اور ان سے ہر طرح کا ذلت آمیز سلوک کیا جاتا (3)۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی فریاد سنی اور ان کو غلامی کی زنجیروں سے آزاد کرانے کے لیے اپنے دو بندوں کو روانہ فرمایا۔

۳۵ جیسے سورۃ الاعراف کے حواشی میں گزر چکا ہے کہ مصری لوگ سورج دیوتا کو الٰہ اکبر (بڑا خدا) یقین کرتے تھے اور مصر کے فراعنہ اپنے آپ کو اسی سورج دیوتا کا اوتار کہتے تھے۔ اس طرح مصریوں کے مذہبی عقیدہ کا سہارا لے کر انہوں نے اپنی حکومت

1۔ کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ)، خروج، باب 3، آیت 11-10، ص 56
2۔ ایضاً، باب 4، آیت 14-12، ص 57
3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 203

قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی ۝۵۰ قَالَ فَمَا بَالُ

فرمایا ہمارا رب وہ ہے جس نے عطا کی ہر چیز کو (موزوں) صورت پھر (مقصد تخلیق کی طرف) ہر چیز کی رہنمائی کی ۳۶ اس نے کہا اچھا یہ بتاؤ

الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی ۝۵۱ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ كِتٰبٍ ۚ لَا یَضِلُّ رَبِّیْ

کیا حال ہوا پہلی قوموں کا ۳۷ فرمایا ان کا علم میرے رب کے پاس ہے جو کتاب میں (مرقوم) ہے نہ بھٹکتا ہے میرا رب

کی بنیادیں مستحکم کر رکھی تھیں۔ فرعون موسیٰ بھی اپنے آپ کو رع (سورج دیوتا) کا مظہر سمجھتا اور اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی ہونے کی ڈینگیں مارتا۔ جب حضرت کلیم نے فرمایا: اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ۔ اے فرعون! ہم دونوں تیرے رب کی طرف سے رسول بن کر آئے ہیں تو وہ چونکا اور بڑبڑایا۔ ہیں! میرا بھی کوئی رب ہے؟ میں سب مصریوں کا رب ہوں۔ میرا کوئی رب نہیں ہو سکتا۔ موسیٰ غلط کہہ رہا ہے۔ اس سے پوچھا ذرا اس رب کی حقیقت تو بتاؤ جس نے تمہیں رسول بنا کر بھیجا ہے۔

۳۶ آپ نے جواب میں ایک فقرہ کہا اور کوزے میں دریا بند کر کے رکھ دیا۔ فرمایا: میرا پروردگار وہ ہے جس نے کائنات کی ہر چیز کو اس طرح پیدا کیا کہ وہ اپنا وظیفۂ حیات اور مقصدِ تخلیق بحسن و خوبی ادا کر سکے۔ پھر اسے اتنی سوجھ بوجھ بھی عطا فرما دی کہ وہ صحیح طور پر ان قوتوں سے کام لے سکے۔ پرندوں کو پر بخشے اور پھر انہیں اڑنے کا سلیقہ بھی خود ہی سکھا دیا۔ مچھلی کو ایسا جسم دیا کہ وہ گہرے دریاؤں اور طوفانی سمندروں میں تیر سکے اور ساتھ ہی اسے تیرنے کا ڈھنگ بھی بتا دیا۔ گوشت خور درندوں کے پنجے اور دانت ایسے بنائے کہ وہ اپنا شکار پکڑ سکیں۔ اونٹ کی قامت کو بلند کیا تو اس کی گردن بھی لمبی بنا دی تاکہ اونچے درختوں کے پتے بھی کھا سکے اور نیچے زمین سے گردن جھکا کر پانی پی سکے۔ چارہ اٹھا سکے۔ صحراؤں میں جہاں پانی کی سطح بہت نیچے ہوتی ہے وہاں جو درخت اگائے ان کی جڑیں اتنی لمبی بنا دیں کہ وہ زمین کی تہ سے اپنی خوراک حاصل کر سکیں۔ ہر خطۂ زمین میں پیدا ہونے والے حیوانات کو وہاں کے مخصوص موسمی تقاضوں کے مطابق لباس بھی دیا اور رزق بھی۔ پھر اس گلشنِ ہستی کے گلِ سرسبد اور بزمِ حیات کے صدر نشین حضرت انسان کی ظاہری ساخت اور باطنی صلاحیتوں پر نگاہ ڈالیے۔ آپ کو حضرت موسیٰ کے ارشاد کی عظمت کا یقین ہو جائے گا۔

علامہ زمخشری اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ صُوْرَتَهٗ وَشَكْلَهُ الَّذِیْ یُطَابِقُ الْمَنْفَعَةَ الْمَنُوْطَةَ بِهٖ (1): یعنی ہر چیز کو ایسی شکل و صورت بخشی جو ان فوائد اور منافع کے لیے موزوں و مناسب ہے جن کے لیے اس کی تخلیق ہوئی۔ اور ثُمَّ هَدٰی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اَیْ عَرَّفَ كَیْفَ یَرْتَفِقُ بِمَا اُعْطِیَ وَكَیْفَ یَتَوَصَّلُ اِلَیْهِ (2) یہ بھی سکھا دیا کہ وہ ان اعضاء اور قوتوں سے کس طرح کام لے اور ان منفعتوں تک کیسے رسائی حاصل کرے۔ (کشاف)

۳۷ موسیٰ علیہ السلام کا جامع اور مسکت جواب سن کر فرعون نے پینترا بدلا اور آپ کو دوسری باتوں میں الجھانے لگا کہ یہ بتائیے کہ پہلی قومیں جو گزر چکی ہیں کیا ان کے حالات سے آپ ہم کو آگاہ کر سکتے ہیں۔ آپ نے اس کا مختصر جواب دیا کہ ان کے

1۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 67 — 2۔ ایضاً

وَلَا يَنْسَى ﴿٥٢﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيهَا

اور نہ (کسی چیز کو) بھولتا ہے وہ ذات جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا اور بنا دیئے تمہارے فائدہ کے لیے

سُبُلًا وَّأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۖ فَأَخْرَجْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ

اس میں راستے اور اتارا آسمان سے پانی پھر ہم نے نکالے پانی کے ذریعے (شکم زمین سے) جوڑے گوناں گوں نباتات

شَتَّى ﴿٥٣﴾ كُلُوا وَارْعَوْا أَنْعَامَكُمْ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي النُّهَى ﴿٥٤﴾

کے۔ خود بھی کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو بھی چراؤ۔ بیشک اس میں (ہماری قدرت وحکمت کی) نشانیاں ہیں دانشوروں کیلیے۔

مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى ﴿٥٥﴾

اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے اور (روزِ حشر) اسی سے ہم تمہیں نکالیں گے ایکبار پھر ۳۸

سارے حالات میرے رب کو معلوم ہیں اور لوحِ محفوظ میں لکھ دیئے گئے ہیں۔ مجھے اتنا ہی علم ہے جتنا میرے رب نے مجھے سکھایا ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے پھر اصلی جواب کی طرف رجوع کیا اور اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت کی چند بڑی بڑی نشانیاں گن دیں۔ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً پر آپ کا خطبہ ختم ہوتا ہے اور فَاَخْرَجْنَا سے اللہ تعالیٰ خود اپنی قدرت کا ذکر فرماتے ہیں وَهٰذَا آخِرُ كَلَامِ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَاَخْرَجْنَا۔ الخ (1)

شَتّٰى جمع ہے۔ اس کا واحد شَتِيْتٌ: متفرق، مختلف یعنی ذائقہ رنگ و بو تاثیر وخاصیت میں ہر ایک دوسرے سے الگ تھلگ ہے۔ (2)

۳۸ حضرت آدم علیہ السلام جو ابوالبشر ہیں جب ان کو مٹی سے پیدا کیا گیا تو گویا ہر انسان کا اصل مٹی ہوا یا اس کی وجہ یہ ہے کہ نطفہ غذا سے تیار ہوتا ہے اور غذائیں زمین سے اگتی ہیں گویا ہر شخص اپنے اصل و نطفہ کے لحاظ سے مٹی سے پیدا کیا گیا۔ پھر مرنے کے بعد قبر میں دفن ہوتا ہے اور قیامت کے روز اسی سے نکالا جائے گا (3)۔ علامہ ابو عبداللہ القرطبی نے حضرت براء کی روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بندۂ مومن کی روح جب نکلتی ہے تو فرشتے اسے لے کر اوپر جاتے ہیں اور جب فرشتوں کے کسی گروہ کے پاس سے ان کا گزر ہوتا ہے تو بڑے معزز القاب سے وہ اس کا تعارف کراتے ہیں۔ جب ساتویں آسمان پر پہنچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اُكْتُبُوْا لِعَبْدِيْ كِتَابًا فِيْ عِلِّيِّيْنَ وَاَعِيْدُوْهُ اِلَى الْاَرْضِ فَاِنِّيْ مِنْهَا خَلَقْتُهُمْ وَفِيْهَا اُعِيْدُهُمْ وَمِنْهَا اُخْرِجُهُمْ تَارَةً اُخْرٰى فَتُعَادُ رُوْحُهٗ فِيْ جَسَدِهٖ (4)۔ یعنی میرے اس بندے کی کتاب کو علیین میں لکھ دو۔ اور اسے زمین کی طرف لوٹا دو کیونکہ میں

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11 ص 209
2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 16 ص 207
3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 16 ص 08-207
4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11 ص 11-210

وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿۵۶﴾ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا

اور ہم نے دکھلا دیں فرعون کو اپنی ساری نشانیاں ۳۹ پھر بھی اس نے جھٹلایا اور ماننے سے انکار کر دیا۔ کہنے لگا موسیٰ! کیا تم اسلیے ہمارے پاس

مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۵۷﴾ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ

آئے ہو کہ نکال دو ہمیں اپنے ملک سے اپنے جادو کی طاقت سے ۴۰ سو ہم بھی لائینگے تیرے مقابلہ میں جادو ویسا ہی ۴۱ بس (اب) مقرر کرو ہمارے

بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿۵۸﴾

اور اپنے درمیان مقابلے کا دن نہ ہم پھریں اس سے اور نہ ہی تو پھرے جمع ہونے کی جگہ ہموار اور کھلی ہو۔

قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿۵۹﴾ فَتَوَلّٰى

آپ نے فرمایا (تمہارا چیلنج منظور ہے) جشن کا دن تمہارے لیے مقرر کرتا ہوں! اور یہ خیال رہے کہ سارے لوگ چاشت کے وقت جمع ہو جائیں ۴۲ پھر

نے انہیں اسی سے پیدا کیا اور اسی میں لوٹاؤں گا اور وہیں سے دوبارہ نکالوں گا پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے۔

۳۹۔ موسیٰ علیہ السلام نے عقلی دلائل سے بھی اللہ تعالیٰ کی توحید و یکتائی کو ثابت کر دیا اور اپنے معجزے دکھا کر بھی فرعون پر موت کا سکتہ طاری کر دیا۔ لیکن سیاسی مصلحتیں، شاہی اقتدار، پھر عیش و طرب کی کھلی آزادی، فرعون اور اس کے مصاحب جس کے خوگر ہو چکے تھے ان سے دستبردار ہونے کی ان میں جرأت نہ تھی۔ پس وہ حق کو عیاں دیکھ لینے کے بعد اور معجزات کا مشاہدہ کرنے کے باوجود انکار و تکذیب پر اڑے رہے۔

۴۰۔ دلائل کے سامنے لاجواب ہو کر فرعون نے سیاسی شعبدہ بازی کا مظاہرہ شروع کیا اور موسیٰ پر الزام لگایا کہ آپ ظاہر تو کچھ کر رہے ہیں لیکن آپ کے دل میں کچھ اور ہے۔ حقیقت میں آپ ہم سے ہماری سلطنت چھیننا چاہتے ہیں۔ آپ سیاسی اقتدار کے بھوکے ہیں۔ آپ نے لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے مذہب کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے۔ لیکن موسیٰ! یاد رکھو تم اپنے ساحرانہ ہتھکنڈوں سے ہمیں ہمارے وطن سے نکالنے میں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے۔

۴۱۔ اپنے درباریوں کے جذبات کو مشتعل کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو مقابلہ کا چیلنج دینے میں پہل کی۔ تاکہ اپنے درباریوں کے دلوں میں اپنا بھرم برقرار رکھ سکے۔ مَكَانًا سُوًى: کھلا ہموار میدان جہاں ہر چیز صاف نظر آئے۔ اَىْ مَكَانًا مُّسْتَوِيًا يَّتَبَيَّنُ لِلنَّاسِ مَا بَيْنَنَا فِيْهِ۔ (قرطبی)(1)

۴۲۔ موسیٰ علیہ السلام نے ادنیٰ جھجک کے بغیر باطل کا چیلنج قبول کر لیا اور فرمایا: زیادہ تاخیر کی ضرورت نہیں۔ قومی میلہ عنقریب لگنے والا ہے۔ مصر کے گوشہ گوشہ سے لوگ اکٹھے ہوں گے۔ بس یہی تاریخ مناسب ہوگی تاکہ جو فیصلہ ہو دن کی روشنی میں ہو۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 212

فِرۡعَوۡنُ فَجَمَعَ كَيۡدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿۶۰﴾ قَالَ لَهُمۡ مُّوۡسٰى وَيۡلَكُمۡ لَا تَفۡتَرُوۡا

فرعون واپس مڑا ۴۳ اور اکٹھا کیا اپنی فریب کاریوں کو پھر خود آیا۔ فرمایا ان فرعونیوں کو موسیٰ نے کمبختو! نہ بہتان باندھو

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسۡحِتَكُمۡ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدۡ خَابَ مَنِ افۡتَرٰى ﴿۶۱﴾

اللہ تعالیٰ پر ۴۴ جھوٹے ورنہ وہ تمہارا نام ونشان مٹادیگا کسی عذاب سے۔ اور (اس کا یہ اٹل قانون ہے) کہ ہمیشہ نامراد رہتا ہے جو

فَتَنَازَعُوۡۤا اَمۡرَهُمۡ بَيۡنَهُمۡ وَاَسَرُّوا النَّجۡوٰى ﴿۶۲﴾ قَالُوۡۤا اِنۡ هٰذٰنِ

افترا بازی کرتا ہے پس وہ جھگڑنے لگے اس کام کے متعلق آپس میں اور چھپ چھپ کر مشورے کرنے لگے ۴۵ وہ ایک دوسرے کو کہنے

سب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔

۴۳ مصر میں مقررہ دن کے لیے زور شور سے تیاری شروع ہوگئی۔ کیونکہ وہ دن فرعون کے لیے فیصلہ کن ثابت ہونے والا تھا۔ اس نے ملک بھر سے بڑے بڑے نامور اور ماہر جادوگر بلائے۔ انہیں انعام واکرام کے بڑے بڑے لالچ دیئے۔ اور پوری طرح تیار ہوکر بڑے کروفر کے ساتھ مقررہ تاریخ کو مقابلہ کے لیے میدان میں آیا۔

۴۴ مقابلہ شروع ہونے سے پہلے موسیٰ علیہ السلام نے ان کو ایک بار پھر اس غلط روش سے باز آنے کی تلقین کی اور انہیں عذاب الٰہی سے ڈرایا۔ سَحَتَهٗ وَاَسۡحَتَهٗ (يُسۡحِتُهٗ) اَيِ اسۡتَأۡصَلَهٗ (الصحاح للجوہری)(1) یعنی کسی چیز کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دینا، نام ونشان مٹادینا۔

۴۵ کھلا اور وسیع میدان ہے اور شاہی دربار لگا ہوا ہے۔ فرعون اپنے حواریوں اور ماہر ساحروں سمیت زرنگار کرسیوں پر بیٹھا ہے۔ عام پبلک موسیٰ وہارون کی مخالفت میں دیوانہ ہورہی ہے کیونکہ ان کے سرداروں نے ان کے دلوں میں یہ بات بٹھادی ہے کہ یہ دونوں تمہاری حکومت چھیننا چاہتے ہیں۔ اور تمہیں اپنی غلامی کی زنجیروں میں جکڑنا چاہتے ہیں۔ ایسے یکسر مخالف ماحول میں اللہ تعالیٰ کے دو بندے عین مقررہ وقت پر آپہنچتے ہیں۔ ان کی شان وتمکنت قابلِ دید ہے۔ چہرے یقین کے نور سے جگمگا رہے ہیں۔ آنکھیں فرطِ جوش سے چمک رہی ہیں۔ حق اپنی سادگی اور پُرکاری کا اعجاز دکھارہا ہے۔ بھرے دربار میں حضرت موسیٰ کی آواز گونجتی ہے۔ قَدۡ خَابَ مَنِ افۡتَرٰى (افترا بازی کرنے والا ہمیشہ نامراد رہتا ہے۔) اس بے باکی اور جرأت سے دربار پر رعب طاری ہوجاتا ہے۔ اور فرعون کے درباری آپس میں کھسر پھسر کرنے لگتے ہیں اور آپس میں اس موضوع پر الجھتے ہیں کہ کہیں یہ مقابلہ ہمیں مہنگا تو نہیں پڑے گا۔

1۔ الصحاح، ج 1، ص 252

إِنْ هَٰذَانِ لَسَاحِرَانِ يُرِيدَانِ أَنْ يُخْرِجَاكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيقَتِكُمُ

لگے بلا شبہ یہ دو ۴۷ جادوگر ہیں یہ چاہتے ہیں کہ نکال دیں تمہیں تمہارے ملک سے اپنے جادو کے زور سے اور مٹا دیں تمہاری تہذیب و ثقافت

۴۶ آخر کار فرعون اور اس کے چند جوشیلے امراء نے مقابلہ کا فیصلہ کر ہی دیا اور مذبذب گروہ کو یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ یہ نبی نہیں، یہ دونوں جادوگر ہیں۔ ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تمہیں حکومت سے محروم کر دیں۔ اس کے علاوہ ہمارا مثالی تمدن، بے نظیر تہذیب جس کی صفحۂ ہستی پر کوئی مثال نہیں۔ یہ اس کو تہس نہس کرنا چاہتے ہیں۔ فرعون سے کسی کو رنجش ہو تو ہو لیکن اپنے تمدن، اپنی ثقافت اور اپنی تہذیب جب خطرے سے دو چار ہو تو کون خاموش تماشائی بن سکتا ہے۔ موافق و مخالف سب موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لیے مستعد ہو گئے۔

۴۷ یہاں ایک نحوی الجھن ہے جس کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے۔ اِنْ اِنَّ کا مخفف ہے جو اسم کو نصب دیتا ہے اس لیے آیت یوں ہونی چاہیے تھی: اِنْ هٰذَيْنِ لَسَاحِرَانِ لیکن یہاں هٰذَانِ مرفوع ہے جو نحوی قاعدہ کے خلاف ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ علمائے کرام نے اس کے متعدد جواب دیئے ہیں۔ ان میں سے چند پیش خدمت ہیں: کوفیوں کے نزدیک یہ اِنْ اِنَّ کا مخفف نہیں بلکہ نافیہ ہے اور ساحران پر جو لام ہے وہ اِلَّا کے معنی میں ہے۔ اب عبارت یوں ہوگی مَا هٰذَانِ اِلَّا سَاحِرَانِ۔

مبرد اور اخفش جو نحو کے مسلّم امام ہیں وہ فرماتے ہیں کہ یہاں اِنَّ حروف ناصبہ میں سے نہیں بلکہ نَعَمْ (ہاں) کا ہم معنی ہے (1)۔ علامہ قرطبی نے کئی اشعار بطور استشہاد نقل کیے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے:

وَيَقُلْنَ شَيْبٌ قَدْ عَلَاكَ وَقَدْ كَبُرْتَ فَقُلْتُ اِنَّهْ

''انہوں نے مجھے ملامت کرتے ہوئے کہا کہ اب تیرے بال سفید ہو گئے ہیں اور تو بوڑھا ہو گیا ہے تو میں نے کہا اِنَّهْ یعنی ہاں ایسے ہی ہے۔'' اس سے بھی زیادہ قوی شہادت حضور کریم کا ارشاد گرامی ہے جسے حضرت امام جعفر صادق نے حضرت امام باقر سے انہوں نے حضرت امام زین العابدین سے انہوں نے سیدنا امام حسین سے اور انہوں نے سید السادات حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا لَا اُحْصِیْ كَمْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ عَلٰى مِنْبَرِهٖ اِنَّ الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ یہاں بھی اِنَّ نَعَمْ کے معنی میں ہے۔ عرب خطباء کا یہ طریقہ تھا کہ وہ اپنے خطبوں کا آغاز نعم سے کیا کرتے۔ (قرطبی) (2) تیسرا جواب جس کو تمام علمائے نحو و لغت اور تفسیر نے پسند کیا ہے وہ یہ ہے کہ عرب کے بعض قبائل تثنیہ کو رفعی، نصبی، جری حالت میں الف کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ جیسے۔

اِنَّ اَبَاهَا وَاَبَا اَبَاهَا قَدْ بَلَغَا فِي الْمَجْدِ غَايَتَاهَا

بنی الحرث بن کعب، زبیر، خثعم، کنانہ۔ سب تثنیہ کو الف کے ساتھ پڑھتے۔ (قرطبی) (3)

علامہ قرطبی نے اسے هٰذَا الْقَوْلُ اَحْسَنُ مَا حُمِلَتْ عَلَيْهِ الْاٰيَةُ (4) کہا ہے۔ علامہ ابو حیان نے وَالَّذِیْ نَخْتَارُهٗ (وہ

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 16، ص 221 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 218 3۔ ایضاً، ص 216 4۔ ایضاً، ص 217

الْمُثْلٰى ﴿۶۳﴾ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ

کے) مثالی طریقوں کو ۴۸ پس یکجا کر لو اپنی حیلہ سازیوں کو پھر آؤ پرے باندھے ہوئے۔ اور کامیاب ہو گا آج وہ گروہ جو (اس مقابلہ

اسْتَعْلٰى ﴿۶۴﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ

میں) غالب رہا ۴۹ جادوگر بولے اے موسیٰ! کیا پہلے آپ پھینکیں گے یا ہم ہی ہو جائیں پہلے پھینکنے والے ۵۰ آپ نے

مَنْ اَلْقٰى ﴿۶۵﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ

فرمایا نہیں تم ہی (پہلے) پھینکو ۵۱ پھر کیا تھا یکایک انکی رسیاں اور انکی لاٹھیاں آپکو یوں دکھائی دینے لگیں ان کے

جواب جو مجھے پسند ہے) سے اس آیت کا آغاز کیا ہے (1)۔ علامہ آلوسی نے اسے اَجْوَدُ الْوُجُوْهِ وَاَوْجُهُهَا (2)۔ یعنی سب سے عمدہ توجیہ کہا ہے۔

اس آیت کے ضمن میں چند روایات ایسی ذکر کی گئی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں کاتبوں کی غلطی سے هٰذَيْنِ کی جگہ هٰذَانِ لکھا گیا ہے اور ان روایات کی نسبت حضرات عائشہ، عثمان اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف کی گئی ہے۔ علامہ آلوسی نے ان میں سے ہر ایک روایت پر بحث کی ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ میری رائے یہ ہے کہ تمام وہ روایات جو قرأت متواترہ کے خلاف ہیں سب ضعیف ہیں۔ وَالطَّعْنُ فِي الرُّوَاةِ اَهْوَنُ بِكَثِيْرٍ مِّنَ الطَّعْنِ بِالْاَئِمَّةِ الَّذِيْنَ تَلَقَّوُا الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ الَّذِيْ وَصَلَ اِلَيْنَا بِالتَّوَاتُرِ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَاْلُوْا جُهْدًا فِيْ اِتْقَانِهٖ وَحِفْظِهٖ۔ (روح المعانی)(3)

۴۸ اَلْمُثْلٰى اَمْثَلُ کی تانیث ہے جیسے اَفْضَلُ سے فُضْلٰى (4) اس کا معنی ہے مثالی، معیاری۔

۴۹ ان کے اس قول سے آپ بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ مقابلہ ان کے لیے کتنا اہم تھا؟ اور انہوں نے اس میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے کیا کیا جتن کیے ہونگے؟

۵۰ جسے اپنی کامیابی کا یقین ہوتا ہے اسے اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی کہ پہلے وار کون کرتا ہے اس لیے انہوں نے حضرت موسیٰ کو یہ کہہ کر اختیار دیا وَقَدَّمُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ اِظْهَارًا لِّلثِّقَةِ بِاَمْرِهِمْ (روح المعانی) (5) یہ وجہ بھی بیان کی گئی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ادب و احترام کی خاطر انہوں نے ایسا کیا وَقِيْلَ مُرَاعَاةً لِّلْاَدَبِ مَعَهٗ۔ (روح المعانی) (6) تَاَدَّبُوْا مَعَ مُوْسٰى فَكَانَ ذٰلِكَ سَبَبُ اِيْمَانِهِمْ۔ (قرطبی) (7)

انہوں نے نبی کا ادب ملحوظ رکھا۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی ادا پسند آگئی اور ان کو نعمتِ ایمان سے مشرف فرما دیا۔ بلاشبہ محبوبانِ خدا کا ادب کلیدِ سعادت ہے اور ان کی جناب میں گستاخی موجبِ حرمان و خسران ہے۔

1۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 255
2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 16، ص 223
3۔ ایضاً، جز 16، ص 224
4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 220
5۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 16، ص 226
6۔ ایضاً
7۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 222

اِلَیۡہِ مِنۡ سِحۡرِہِمۡ اَنَّہَا تَسۡعٰی ﴿۶۶﴾ فَاَوۡجَسَ فِیۡ نَفۡسِہٖ خِیۡفَۃً مُّوۡسٰی ﴿۶۷﴾

جادو کے اثر سے جیسے وہ دوڑ رہی ہوں ۵۲؎ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں کچھ خوف محسوس کیا ۵۳؎

قُلۡنَا لَا تَخَفۡ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡاَعۡلٰی ﴿۶۸﴾ وَ اَلۡقِ مَا فِیۡ یَمِیۡنِکَ تَلۡقَفۡ مَا

ہم نے فرمایا اے کلیم! مت ڈرو۔ یقیناً تم ہی غالب رہو گے ۵۴؎ اور زمین پر پھینک دو جو (عصا) تمہارے داہنے ہاتھ میں ہے یہ نگل

صَنَعُوۡا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوۡا کَیۡدُ سٰحِرٍ ؕ وَ لَا یُفۡلِحُ السّٰحِرُ حَیۡثُ اَتٰی ﴿۶۹﴾

جائیگا جو انہوں نے کاریگری کی ہے۔ انہوں نے جو کاریگری کی ہے وہ تو فقط جادوگر کا فریب ہے اور نہیں فلاح پاتا جادوگر جہاں بھی وہ جائے ۵۵؎

۵۱؎ آپ نے انہیں پہل کرنے کی اجازت دے دی تاکہ وہ اپنے سارے ساحرانہ کمالات کا جی بھر کر مظاہرہ کرلیں۔ اس کے بعد حق کی شمشیر بے نیام ہو اور صاعقۂ موت بن کر ان پر گرے اور ان کی ساری جاہ و حشمت کو خاکِ سیاہ بنا دے۔

۵۲؎ انہوں نے پوری شدت سے اپنی ساحرانہ مہارت کا مظاہرہ کیا۔ رسیوں پر جب جادو منتر پڑھ کر میدان میں پھینکا تو حاضرین کو یوں محسوس ہونے لگا کہ زہریلے سانپ ہیں جو ہوا میں لہرا رہے ہیں اور غصہ سے پھنکار رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی ایک لمحہ کے لیے ایسا ہی محسوس ہونے لگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جادو سے کسی چیز کی حقیقت نہیں بدلتی بلکہ نظر بندی ہوتی ہے۔ چیز اصل میں ہوتی کچھ ہے اور دکھائی کچھ دیتی ہے۔(1)

۵۳؎ اس منظر کو دیکھ کر آپ کو کچھ وحشت سی ہوئی۔

۵۴؎ فوراً تائید ربانی نے آکر سہارا دیا اور حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے کہا: تم ہی سربلند اور سرخرو ہو گے۔ دنیا کی کوئی طاقت تمہیں نیچا نہیں دکھا سکتی۔ ذرا اپنے اس سونٹا کو میدان میں پھینکو۔ پھر دیکھو قدرتِ الٰہی کے کیسے کرشمے نظر آتے ہیں۔ لَقِفَ کا معنی نگل جانا۔(2)

۵۵؎ بھلا حق کے سامنے جادو کی کیا مجال کہ ٹھہر سکے۔ پیغمبر کے مقابلہ میں جادوگر کی کیا طاقت کہ دم مار سکے۔ اس کے تو مقدر میں ہی نامرادی، ناکامی اور محرومی لکھی جا چکی ہے۔ سونٹا پھینکنے کی دیر تھی کہ وہ ایک خوفناک اژدہا بن کر ان سانپ دکھائی دینے والی رسیوں کی طرف لپکا اور انہیں بڑی سرعت سے نگلنا شروع کر دیا۔ اس کی گرانڈیل جسامت، غیظ و غضب سے اس کا پھنکارنا اور جبڑے کھول کر اس کا حملہ آور ہونا، اسے دیکھ کر فرعون اور دوسرے حاضرین پر ایک دہشت طاری ہو گئی۔ اور سارے دربار پر ایک سناٹا چھا گیا۔ حق کے ایک ہی وار نے باطل کے غرور کو خاک میں ملا دیا اور ایک ہی چپت ایسی رسید کی کہ سارا خمار اتر گیا۔ دوست و دشمن نے اِنَّکَ اَنۡتَ الۡاَعۡلٰی کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کر لیا۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج6، ص150
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز11، ص223

فَاُلۡقِیَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ ہٰرُوۡنَ وَ مُوۡسٰی ﴿۷۰﴾ قَالَ

پس گرا دیئے گئے جادوگر سجدہ کرتے ہوئے ۵۶ انھوں نے (برملا) کہہ دیا (اے لوگو! سن لو) ہم ایمان لے آئے ہیں ہارون اور موسیٰ کے

اٰمَنۡتُمۡ لَہٗ قَبۡلَ اَنۡ اٰذَنَ لَکُمۡ ؕ اِنَّہٗ لَکَبِیۡرُکُمُ الَّذِیۡ عَلَّمَکُمُ السِّحۡرَ ۚ

رب پر۔ فرعون (کو یارائے ضبط نہ رہا) بولا تم تو ایمان لا چکے تھے اس پر اس سے پہلے ۵۷ کہ میں نے تمھیں (مقابلہ کی) اجازت دی وہ تو تمھارا بڑا

فَلَاُقَطِّعَنَّ اَیۡدِیَکُمۡ وَ اَرۡجُلَکُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ وَّ لَاُوصَلِّبَنَّکُمۡ فِیۡ

(گرو) ہے جس نے تمھیں سکھایا ہے جادو (کافن) تو میں قسم کھاتا ہوں کہ میں کاٹ ڈالوں گا تمھارے ہاتھ پاؤں یعنی ایک طرف کا ہاتھ ایک طرف کا پاؤں

جُذُوۡعِ النَّخۡلِ ۫ وَ لَتَعۡلَمُنَّ اَیُّنَاۤ اَشَدُّ عَذَابًا وَّ اَبۡقٰی ﴿۷۱﴾ قَالُوۡا لَنۡ

اور سولی چڑھاؤں گا تمھیں کھجور کے تنوں پر اور تم خوب جان لوگے کہ ہم میں سے کس کا عذاب شدید اور دیرپا ہے! انھوں نے کہا (اے فرعون!) ہمیں

نُّؤۡثِرَکَ عَلٰی مَا جَآءَنَا مِنَ الۡبَیِّنٰتِ وَ الَّذِیۡ فَطَرَنَا فَاقۡضِ مَاۤ اَنۡتَ

اسکی قسم جس نے ہمیں پیدا کیا ہم ہرگز ترجیح نہیں دینگے تجھے ان روشن دلیلوں پر جو ہمارے پاس آئی ہیں پس (ہمارے بارے میں) جو فیصلہ تو کرنا چاہتا

۵۶ جادوگر جادو کی حقیقت سے خوب آگاہ تھے۔ جب انہوں نے عصائے موسوی کو اژدہا بن کر ان رسیوں کو ہڑپ کرتے دیکھا تو انہیں یقین ہو گیا کہ جو کچھ موسیٰ نے کر دکھایا ہے وہ جادو کی نظر بندی نہیں ہے بلکہ قدرتِ خداوندی کی جلوہ نمائی ہے۔ سچائی اور صداقت کے حسن نے انہیں ایسا متوالا اور وارفتہ کر دیا کہ تمام خوفناک نتائج سے بے پرواہ ہو کر بھرے دربار میں فرعون کے سامنے انہوں نے موسیٰ وہارون کے ربِ کریم پر ایمان لانے کا اعلان کر دیا۔

۵۷ یہ صدمہ پہلی شکست کے صدمہ سے کہیں زیادہ جانکاہ اور رسوا کن تھا۔ لیکن تھا بڑا شاطر۔ اپنا بھرم رکھنے کے لیے اس نے فوراً جادوگروں پر سازش کا جھوٹا اور بے بنیاد الزام لگا دیا۔ اور انہیں دھمکی دی کہ ان کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کاٹ کر انہیں سولی پر لٹکا دیا جائے گا۔

۵۸ دنیا بھی بڑی میٹھی ہے۔ دولت وثروت میں بھی بلا کی کشش ہے۔ اس کا جاہ وجلال بھی دل موہ لینے والا ہے لیکن یہ سب کچھ اسی وقت تک جب تک حسنِ ازل آنکھوں سے مستور ہو۔ جب جمالِ حق کرم فرما ہوتا ہے۔ جب انوارِ الٰہی کے مشاہدہ سے چشمِ دل منور ہوتی ہے۔ جب ساقی کریم عشق ومحبت کا ایک جام پلا دیتا ہے تو پھر دنیا اپنی تمام حشمتوں اور دلربائیوں کے باوصف، حقیر اور بے وقعت ہو کر رہ جاتی ہے۔ قلمرو عشق ومحبت کے تاجدار نے مدینہ میں یہی بادۂ لالہ فام اپنے صحابہ کو پلایا تھا۔ حق کی انہی دلآویزیوں کو ان کے سامنے بے نقاب کیا تھا۔ ان کے قلب ونظر کو اسی کی رعنائیوں سے آشنا کیا تھا۔ پھر انہوں نے ایثار و

فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ؕ﴿۷۲﴾ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا

ہے کر دے (ہمیں ذرا پرواہ نہیں) تو صرف اس (فانی) دنیوی زندگی کے بارے میں ہی فیصلہ کر سکتا ہے یقیناً ہم ایمان لائے ہیں اپنے رب پر

خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۷۳﴾ اِنَّهٗ

تاکہ وہ بخش دے ہمارے لیے ۵۹ ہماری خطاؤں کو اور اس قصور کو بھی جس پر تم نے مجبور کیا ہے یعنی فن سحر۔ اور اللہ تعالیٰ ہی سب سے بہتر ہے اور ہمیشہ رہنے والا ہے

مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿۷۴﴾

بیشک جو شخص بارگاہِ الٰہی میں مجرم بن کر آئے تو اس کے لیے جہنم (کا شعلہ زار) ہے نہ وہ مر ہی سکیگا اس میں اور نہ وہ زندہ ہوگا ۶۰

فدائیت کے میدانوں میں جو جو کارنامے انجام دیئے کاروانِ انسانیت کے لیے وہ آج بھی روشنی کے بلند مینار ہیں۔ آیئے بغیر کسی تفسیر و حاشیہ کے ان آیات کا سادہ ترجمہ بار بار پڑھیں۔ شاید ہمارے دل بھی اس لذت و سرور سے سرشار ہو جائیں اور کیا بعید ہے کہ باطل کے سامنے فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ کہنے کی جرأت ہمیں بھی مرحمت فرما دی جائے۔ اِنَّهٗ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ وَاَكْرَمُ الْمَسْئُوْلِيْنَ۔ آیت میں وَالَّذِيْ فَطَرَنَا کے جملہ کے متعلق دو قول ہیں۔ بعض نے واؤ کو عاطفہ مانا ہے اور اَلْبَيِّنٰتِ کو معطوف علیہ قرار دیا ہے اور بعض علماء نے واؤ کو قسمیہ کہا ہے۔ تقدیرِ کلام یوں ہوگی قَالُوْا وَالَّذِيْ فَطَرَنَا اَيْ وَاللّٰهِ لَنْ نُّؤْثِرَكَ الآية (1) میں نے اسی کے مطابق آیت کا ترجمہ کیا ہے۔

۵۹ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان عاشقانِ باصفا کو اپنی دردناک موت کا کوئی غم نہیں۔ اگر انہیں افسوس ہے تو اس بات کا کہ آج تک کدھر مارے مارے پھرتے رہے؟ عمرِ عزیز کہاں برباد کرتے رہے؟ کیوں اب تک باطل کے خیمہ بردار بنے رہے؟

نالہ از بہرِ رہائی نکند مرغِ اسیر — خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نبود

عرض کرتے ہیں کہ گزشتہ ایام کو ضائع کرنے کا جو قصور ہم سے ہوا ہم اس پر نادم ہیں۔ اور اپنے رب سے معافی کے خواستگار ہیں۔ سورۃ الاعراف میں بھی یہ واقعہ مذکور ہوا۔ ضیاء القرآن جلد دوم آیات ۱۰۹،۱۲۶ کا مطالعہ فرمائیں گے تو خالی از فائدہ نہ ہوگا۔

۶۰ بعض علماء کے نزدیک ساحروں کا کلام اس سے پہلے ختم ہو گیا اور اب یہاں سے ارشادِ خداوندی شروع ہوتا ہے اور بعض علماء نے تَزَكّٰى تک سب آیات کو انہی کا کلام تسلیم کیا ہے (2)۔ اگر ایسا ہے تو ماننا پڑے گا کہ حق قبول کرتے ہی ان کو کتنی فیاضی سے شرحِ صدر کی نعمت سے مالا مال کر دیا گیا کہ ان کی زبان سے حکمت و موعظت کے شگفتہ پھول جھڑنے لگ گئے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 225 — 2۔ ایضاً، جز 11، ص 226

وَمَنْ يَّأْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ

اور جو شخص حاضر ہو گا بارگاہِ الٰہی میں مومن بن کر اس حال میں کہ اس نے عمل بھی نیک کیے ہوں تو یہ وہ (سعادتمند) ہیں جن کے لیے بلند

الْعُلٰى ﴿۷۵﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا

درجات ہیں۔ یعنی سدا بہار باغات رواں ہیں جن کے نیچے نہریں وہ (خوش نصیب) ان میں ہمیشہ رہیں گے

وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿۷۶﴾ وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ

اور یہ ہے جزاء انکی جنھوں نے (اپنا دامن ہر آلائش سے) پاک کیا اور ہم نے وحی بھیجی موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف کہ راتوں رات

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام — اس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں (1)

عجب بات یہ ہے کہ جب ہم اس واقعہ کو بائیبل میں پڑھتے ہیں تو اس میں کوئی کشش اور جاذبیت نظر نہیں آتی۔ نہ ہمیں وہاں موسیٰ کا وہ حکیمانہ وعظ دکھائی دیتا ہے جس میں آپ نے فرعون (جھوٹے خدا) کے سامنے اپنے رب قدوس کی عظمت و کبریائی بیان کرتے ہوئے فرمایا: رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿۵۰﴾۔ بائیبل میں ہمیں اتنا ملتا ہے کہ جب فرعون نے کہا کہ خداوند کون ہے......میں خداوند کو نہیں جانتا اور میں بنی اسرائیل کو جانے بھی نہیں دونگا۔

اس کے جواب میں موسیٰ نے صرف اتنا کہا۔ ''تب انہوں نے کہا کہ عبرانیوں کا خدا ہم سے ملا ہے سو ہم کو اجازت دے کہ ہم تین دن کی منزل بیابان میں جا کر خداوند اپنے خدا کے لیے قربانی کریں تا نہ ہو کہ وہ ہم میں وبا بھیج دے یا ہم کو تلوار سے مروا دے۔'' (خروج ۵، ۲، ۳) (2)

اور نہ ہمیں وہاں جادوگروں کے سربسجود ہونے اور ہدایت سے مشرف ہونے کا ذکر ملتا ہے۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں اس واقعہ کی روحِ رواں ہیں۔ اگر انہیں اس واقعہ سے خارج کر دیا جائے تو اس میں باقی رہ کیا جاتا ہے۔ نہ ہمیں معرفتِ الٰہی کا کوئی درس ملتا ہے اور نہ ہمیں ایثار و سرفروشی کی کوئی روح پرور مثال نظر آتی ہے۔

البتہ اس تقابلی مطالعہ سے ایک فائدہ حاصل ہوتا ہے اور وہ بھی اپنی افادیت کے اعتبار سے نظر انداز کرنے کے قابل نہیں۔ وہ یہ کہ جو حق ناشناس یہ کہتے ہوئے نہیں شرماتے کہ قرآن میں یہ واقعات بائیبل وغیرہ سے لیے گئے ہیں ان کے جھوٹ کا پول خوب کھل جاتا ہے اگر قرآنی قصص کا ماخذ بائیبل ہوتی تو یہاں بھی وہی روکھا پن ہوتا۔ یہاں بھی ہدایت کی کوئی شمع ان واقعات کی محرابوں میں روشن نہ ہوتی۔ لیکن یہاں تو معاملہ ہی برعکس ہے۔ ہر انصاف پسند شخص اس فرق کو آسانی سے محسوس کر سکتا ہے۔ اس تقابلی مطالعہ کے بعد یہ یقین اور پختہ ہو جاتا ہے کہ قرآن کا ماخذ وہ صحیفے نہیں جو اپنے ماننے والوں کی نظروں میں بھی تحریف

1۔ بال جبریل، ص 18، غزل 14 — 2۔ کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ)، خروج، باب 5، آیت 3,2، ص 57

بِعِبَادِیۡ فَاضۡرِبۡ لَهُمۡ طَرِیۡقًا فِی الۡبَحۡرِ یَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا

لے چلیے میرے بندوں کو (مصر سے، (راہ میں سمندر حائل ہو) تو عصا کی ضرب سے انکے لیے سمندر میں خشک راستہ بنا لیجیے نہ تمھیں پیچھے سے پکڑے

وَّلَا تَخۡشٰی ﴿۷۷﴾ فَاَتۡبَعَهُمۡ فِرۡعَوۡنُ بِجُنُوۡدِهٖ فَغَشِیَهُمۡ مِّنَ الۡیَمِّ

جانیکا ڈر ہوگا اور نہ کوئی اور اندیشہ۔ پس فرعون نے ان کا تعاقب کیا اپنے لشکروں سمیت پس چھا گئیں فرعونیوں پر سمندر (کی تند موجیں)

مَا غَشِیَهُمۡ ﴿۷۸﴾ وَاَضَلَّ فِرۡعَوۡنُ قَوۡمَهٗ وَمَا هَدٰی ﴿۷۹﴾ یٰبَنِیۡۤ

جیسا کہ چھا گئیں ان پر۔ اور گمراہ کر دیا فرعون نے اپنی قوم کو اور نہ دکھائی انھیں سیدھی راہ ۶۱ اے بنی اسرائیل!

اِسۡرَآءِیۡلَ قَدۡ اَنۡجَیۡنٰكُمۡ مِّنۡ عَدُوِّكُمۡ وَوٰعَدۡنٰكُمۡ جَانِبَ الطُّوۡرِ

(دیکھو!) ہم نے بچا لیا تمھیں تمھارے دشمن سے ۶۲ اور ہم نے تم سے وعدہ کیا (کوہ) طور کی

الۡاَیۡمَنَ وَنَزَّلۡنَا عَلَیۡكُمُ الۡمَنَّ وَالسَّلۡوٰی ﴿۸۰﴾ كُلُوۡا مِنۡ طَیِّبٰتِ

دائیں جانب کا اور ہم نے اتارا تم پر من و سلویٰ ۶۳ کھاؤ ان پاک چیزوں سے جو ہم

مَا رَزَقۡنٰكُمۡ وَلَا تَطۡغَوۡا فِیۡهِ فَیَحِلَّ عَلَیۡكُمۡ غَضَبِیۡ ۚ وَمَنۡ

نے تم کو عطا کی ہیں اور اس میں حد سے تجاوز نہ کرنا ورنہ اترے گا تم پر میرا غضب اور وہ (بدنصیب)

سے آلودہ ہیں بلکہ اس کا سرچشمہ ذاتِ خداوندی ہے جو علیم بھی ہے اور حکیم بھی ہے۔

۶۱۔ ان آیات میں مصر سے بنی اسرائیل کی ہجرت کا واقعہ مذکور ہے۔ قدرتِ الٰہی نے کس طرح ان کے سامنے سمندر کو پایاب کر دیا اور کس طرح اس کے حکم سے سمندر کی ٹھہری ہوئی موجیں فرعون اور اس کے لشکر کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے گئیں۔ اور انہیں تباہ و برباد کر دیا۔ اہلِ ہوش کے لیے اس میں عبرت کا بڑا سامان ہے۔

۶۲۔ بنی اسرائیل پر جو انعامات کیے گئے تھے ان کا ذکر کر کے انہیں شکرِ الٰہی بجا لانے اور نافرمانی سے باز آنے کی ہدایت کی جا رہی ہے۔

۶۳۔ بنی اسرائیل چالیس سال تک تیہ کے میدان میں اقامت گزیں رہے جہاں کھانے پینے کی کوئی چیز دستیاب نہ ہوتی تھی۔ اس لیے عالمِ غیب سے ان کی خوراک کا اہتمام کیا گیا۔ قرآن نے اس کو من و سلویٰ سے تعبیر کیا۔ جس کی وضاحت پہلے پارہ میں

يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِي فَقَدْ هَوٰى ﴿۸۱﴾ وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ

اترتا ہے جس پر میرا غضب تو یقیناً وہ گر کر رہتا ہے ۶۴ اور میں بلاشبہ بہت بخشنے والا ہوں اسے جو توبہ کرتا ہے اور

اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿۸۲﴾ وَمَآ أَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ

ایمان لاتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے بعد ازاں ہدایت پر مستحکم رہتا ہے اور کس وجہ سے تم جلدی آ گئے اپنی قوم سے

يٰمُوسٰى ﴿۸۳﴾ قَالَ هُمْ أُولَآءِ عَلٰٓى أَثَرِي وَعَجِلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿۸۴﴾

اے موسیٰ! ۶۵ عرض کی وہ یہ ہیں میرے پیچھے اور میں جلدی جلدی تیری بارگاہ میں اسلیے حاضر ہو گیا ہوں میرے رب!

قَالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿۸۵﴾

کہ تو راضی ہو جائے۔ ارشاد ہوا کہ ہم نے تو آزمائش میں مبتلا کر دیا ہے تمہاری قوم کو تمہارے (چلے آنے کے) بعد اور گمراہ کر دیا ہے انہیں سامری نے

گزر چکی ہے۔

۶۴ اگر تم نافرمانی سے باز نہ آئے تو غضبِ الٰہی کے مستحق قرار پاؤ گے اور جس پر غضبِ الٰہی ہوا وہ تباہ و برباد ہو گیا۔

۶۵ یہ واقعہ پوری شرح و بسط کے ساتھ سورۃ الاعراف میں گزر چکا ہے۔ یہاں مختصراً اس کا تذکرہ کر دیا جاتا ہے۔ جب بحرِ احمر کو عبور کر کے سینا کے بیابان میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے طور پر حاضر ہونے کا حکم دیا تا کہ انہیں ایک کتاب دی جائے جس کے مطابق ان کی قوم اطاعت و انقیاد کی زندگی بسر کر سکے۔ آپ نے روانہ ہونے سے پہلے ساری قوم کو تاکید فرمائی کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں کوئی ناشائستہ حرکت نہ کرے اور ان کی دیکھ بھال کے لیے حضرت ہارون کو اپنا نائب مقرر کیا۔ اپنے ہمراہ ستر سربرآوردہ آدمی لے کر چلے۔ جب طور کے نزدیک پہنچے تو شوقِ ملاقات نے بیتاب کر دیا۔ ساتھیوں کو پیچھے چھوڑا اور خود جلدی سے مقامِ مقررہ تک پہنچ گئے۔ جاتے ہی ارشاد ہوا: اپنے ہمراہیوں کو پیچھے چھوڑ کر اتنے جلدی کیسے چلے آئے ہو؟ عرض کی: وہ بھی بالکل نزدیک میرے پیچھے پیچھے آ رہے ہیں اور میں خود تو اس لیے جلدی آ گیا ہوں کہ تو راضی ہو جائے کہ میرا بندہ میرے حکم کی تعمیل میں اور شوقِ ملاقات سے بے بس دوڑا چلا آیا ہے۔ ارشاد ہوا تم تو ادھر آ گئے ہو، اور ہم نے تیری قوم کو ایک آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ ان کو تو سامری نے ایک بچھڑے کا پرستار بنا دیا ہے۔ آپ کے غصہ اور افسوس کا حال نہ پوچھیے۔ بنا بنایا کھیل چوپٹ ہو گیا تھا۔ واپس آئے۔ قوم کو خوب جھاڑا۔ نالائقو! تم تھوڑا سا انتظار بھی نہ کر سکے اور میرے خدا کو چھوڑ کر جس نے تم پر اپنی رحمتوں کی بارش فرمائی، تم ایک دھات کے بنے ہوئے بچھڑے کی پوجا کرنے لگ گئے۔ تمہیں ایسا کرتے ہوئے حیا نہ آئی؟

فَرَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ

(یہ سنتے ہی) لوٹے موسیٰ (علیہ السلام) اپنی قوم کی طرف غضب ناک اور افسردہ خاطر ہو کر۔ فرمایا اے میری قوم! کیا وعدہ نہیں کیا تھا تم سے

رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۬ؕ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ

تمہارے رب نے بہت عمدہ وعدہ۔ تو کیا طویل مدت گزر گئی ہے اس وعدہ پر اور تم اس کے ایفا سے مایوس ہو گئے یا تم یہ چاہتے ہو کہ اترے

غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ﴿۸۶﴾ قَالُوْا مَاۤ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ

تم پر غضب تمہارے رب کی طرف سے اسلئے تم نے توڑ ڈالا میرے ساتھ کیا ہوا وعدہ۔ کہنے لگے ۶۶ نہیں توڑا ہم نے آپ سے کیا ہوا وعدہ

۶۶ کہنے لگے: حضور! یہ جو کچھ ہم سے سرزد ہوا ہم نے دانستہ نہیں کیا۔ ہمیں تو اس سامری نے چکر میں ڈال دیا۔ جب آپ نے دیر لگائی اور ہم پریشان ہو گئے تو اس نے آ کر کہا: جب تک تم یہ سونے چاندی کے زیورات اتار کر پھینک نہیں دو گے موسیٰ کا منہ نہیں دیکھو گے۔ ہم نے آپ کے شوق میں سارے زیورات اتار کر پھینک دیئے۔ اس نے انہیں اٹھایا، آگ میں گلایا اور ان سے ایک بچھڑا تیار کیا اور پھر ہمیں آ کر کہا کہ تمہارا اور موسیٰ کا خدا تو یہ ہے۔ موسیٰ بھول گئے انہیں اپنے خدا کی خبر ہی نہیں۔ خواہ مخواہ اس کی تلاش میں طور کی چوٹیاں سر کرتے پھرتے ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ زیوات انہیں کہاں سے دستیاب ہوئے؟ کیا یہ ان کے اپنے ذاتی زیورات تھے جس طرح مولینا مودودی نے تفہیم القرآن میں لکھا ہے (1) یا قوم فرعون کے زیورات تھے جو انہیں مل گئے تھے؟ قرآن کریم کے الفاظ مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ زیورات ان کے اپنے ذاتی نہ تھے بلکہ قوم فرعون سے انہیں دستیاب ہوئے تھے۔ کیونکہ اگر ان کے ذاتی ہوتے تو پھر مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ کی بجائے مِنْ زِيْنَتِنَا کے الفاظ ہوتے۔ زِيْنَةِ الْقَوْمِ کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ زیورات دراصل قوم فرعون کے تھے جو اب بنی اسرائیل کے قبضہ میں آ گئے تھے۔ ان کو یہ زیورات کیونکر دستیاب ہوئے؟ اس کا ایک جواب تو وہ ہے جو تورات میں مذکور ہے چنانچہ بائیبل کتاب الخروج میں ارشاد ہوتا ہے۔

"پھر خدا نے موسیٰ سے یہ بھی کہا کہ تو بنی اسرائیل سے یوں کہنا کہ خداوند تمہارے باپ دادا کے خدا، ابراہام کے خدا، اور اضحاق کے خدا اور یعقوب کے خدا نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ کہ جا کر ......اسرائیلی بزرگوں کو ایک جگہ جمع کر......اور یوں ہوگا جب تم نکلو گے تو خالی ہاتھ نہ نکلو گے بلکہ تمہاری ایک ایک عورت اپنی اپنی پڑوسن سے اور اپنے اپنے گھر کی مہمان سے سونے چاندی کے زیور اور لباس مانگ لے گی۔ ان کو تم اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو پہناؤ گے اور مصریوں کو لوٹ لوگے۔" (باب

1۔ تفہیم القرآن، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 115

بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ

اپنے اختیار سے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہم پر لاد دیئے گئے تھے بوجھ قوم (فرعون) کے زیورات سے سو ہم نے (سامری کے کہنے پر) انھیں پھینک دیا اسی طرح

اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿۸۷﴾ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا

سامری نے بھی (اپنے حصہ کے زیور) پھینکدیئے پھر سامری نے بنا نکالا انکے لیئے بچھڑے کا ڈھانچہ جو گائے کی طرح ڈکارتا تھا پھر سامری اور اسکے چیلوں نے کہا

هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۥ فَنَسِيَ ﴿۸۸﴾ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ

اے فرزندانِ یعقوب یہ ہے تمہارا خدا اور موسیٰ کا خدا پس موسیٰ بھول گئے۔ کیا ان احمقوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ یہ بچھڑا ان کی کسی بات کا جواب

۳، آیت: ۱۵ تا ۲۲) (1)

دوسرے مقام پر یوں مذکور ہے:

''سو اب تو لوگوں کے کان میں یہ بات ڈال دے کہ ان میں سے ہر شخص اپنے پڑوسی اور ہر عورت اپنی پڑوسن سے سونے چاندی کے زیور لے۔ (باب ۱۱، آیت: ۳،۲) (2)

ان آیات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بنی اسرائیل نے دھوکے سے قبطیوں کے زیور لیے۔ انہوں نے کہا تو یہ کہ یہ زیور وہ عاریتاً لے رہے ہیں لیکن ان کی نیت یہ تھی کہ وہ ان کے زیورات لے کر یہاں سے رفو چکر ہو جائیں گے اور زیور واپس کرنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔ یہ صریح دھوکہ بازی ہے اور بائیبل میں اس دھوکہ بازی کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ العیاذ باللہ۔ ایک مومن تو ایسی بات کی نسبت ربِ کریم کی طرف نہیں کر سکتا۔ اس لیے یہ توجیہ ہمارے لیے ہرگز قابل قبول نہیں۔

دوسری توجیہ وہ ہے جو ہمارے مفسرین نے ذکر کی ہے کہ جب فرعون اور اس کا لشکر سمندر میں غرق ہو گیا تو سمندر کی موجوں نے ان کی لاشوں کو اٹھا کر ساحل پر پھینک دیا۔ اس وقت مرد بھی زیور پہنا کرتے تھے۔ اس فوج میں جرنیل، بڑے بڑے رؤسا اور اعیانِ مملکت شامل تھے۔ انہوں نے یقیناً اپنے آپ کو زیورات سے آراستہ کیا ہوا ہوگا۔ جب بنی اسرائیل کا گزر ان مردہ لاشوں کے پاس سے ہوا تو انہوں نے وہ زیور اتار کر اپنے قبضہ میں کر لیے۔ اور اس طرح قبطی قوم کا بے انداز سونا بنی اسرائیل کے ہاتھ آ گیا۔ چنانچہ علامہ قرطبی لکھتے ہیں: وَقِيْلَ هُوَ مَا اَخَذُوْهُ مِنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ لَمَّا قَذَفَهُمُ الْبَحْرُ اِلَى السَّاحِلِ۔ (قرطبی) (3)

انہیں اوزار (بوجھ) اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ مالِ غنیمت تھا اور مالِ غنیمت ان کے لیے حلال نہ تھا۔ اس لیے وہ اسے بوجھ تصور کرتے تھے (4)۔ ورنہ سونے کے زیورات ہوں اور اپنے ہوں یا حلال طریقہ سے حاصل ہوئے ہوں وہ چاہے کتنے وزنی ہوں انہیں کوئی شخص بھی بوجھ خیال نہیں کرتا۔ مجھے یہی توجیہ زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

1۔ کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ)، خروج، باب 3، آیت 15 تا 22، ص 56
2۔ ایضاً، باب 11، آیت 2، ص 63
3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 11، ص 235
4۔ ایضاً

قَوۡلًا ۙ وَّ لَا یَمۡلِكُ لَهُمۡ ضَرًّا وَّ لَا نَفۡعًا ﴿۸۹﴾ وَ لَقَدۡ قَالَ لَهُمۡ هٰرُوۡنُ

بھی نہیں دے سکتا اور نہ اختیار رکھتا ہے انکے لیے کسی ضرر کا اور نہ نفع کا ٦٧ اور بیشک کہا تھا انھیں ہارون نے (موسیٰ کی واپسی سے پہلے)

مِنۡ قَبۡلُ یٰقَوۡمِ اِنَّمَا فُتِنۡتُمۡ بِهٖ ۚ وَ اِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحۡمٰنُ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ

اے میری قوم! تم تو فتنہ میں مبتلا ہو گئے اس سے۔ اور بلاشبہ تمہارا رب تو وہ ہے جو بیحد مہربان ہے پس تم میری پیروی کرو

وَ اَطِیۡعُوۡۤا اَمۡرِیۡ ﴿۹۰﴾ قَالُوۡا لَنۡ نَّبۡرَحَ عَلَیۡهِ عٰكِفِیۡنَ حَتّٰی یَرۡجِعَ اِلَیۡنَا

اور میرا حکم مانو ٦٨ قوم نے کہا ہم تو اسی کی عبادت پر جمے رہیں گے یہاں تک کہ لوٹ آئیں ہماری طرف

٦٧ یہاں سے ان کی حماقت کی طرف اشارہ کیا گیا کہ یہ بچھڑا جسے تم نے خدا بنا لیا ہے اس کی بے بسی کا تو یہ عالم ہے کہ تمہاری بات کا جواب تک نہیں دے سکتا۔ نفع اور نقصان پہنچانے کی اس میں طاقت نہیں۔ بھلا یہ خدا کیوں کر ہو سکتا ہے؟

٦٨ قرآنِ کریم نے صراحۃً بتا دیا کہ بچھڑا بنانے والا اور یہ فتنہ کھڑا کرنے والا سامری تھا۔ حضرت ہارون کا اس سے کوئی سروکار نہ تھا بلکہ آپ نے تو اپنی قوم کو اس فتنہ میں مبتلا ہونے سے منع کیا اور ایک نبی کی یہی شان ہونی چاہیے۔ لیکن ذرا بائیبل کا بیان سنیے۔ وہ بچھڑا بنانے، اس کو خدا مان کر پوجا کرنے کا سارا الزام ہارون پر لگاتی ہے۔

''اور جب لوگوں نے دیکھا کہ موسیٰؑ نے پہاڑ سے اترنے میں دیر لگائی تو وہ ہارون کے پاس جمع ہو کر اس سے کہنے لگے کہ اٹھ ہمارے لیے دیوتا بنا دے جو ہمارے آگے آگے چلے۔ کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ اس مرد موسیٰ کو جو ہم کو ملک مصر سے نکال کر لایا، کیا ہو گیا؟

ہارون نے ان سے کہا تمہاری بیویوں اور لڑکوں اور لڑکیوں کے کانوں میں جو سونے کی بالیاں ہیں ان کو اتار کر میرے پاس لے آؤ۔ چنانچہ سب لوگ ان کے کانوں سے سونے کی بالیاں اتار اتار کر ان کو ہارون کے پاس لے آئے۔

اور اس نے ان کو ان کے ہاتھوں سے لے کر ایک ڈھالا ہوا بچھڑا بنایا جس کی صورت چھینی سے ٹھیک کی۔ تب وہ کہنے لگے: اے اسرائیل! یہی تیرا وہ دیوتا ہے جو تجھ کو ملکِ مصر سے نکال کر لایا۔ (خروج باب ۳۲، آیت: ۱ تا ۴) (1)

اللہ تعالیٰ کے نبی پر بت سازی اور شرک کا یہ گھناؤنا الزام لگانے کی جرأت بائیبل کے مرتب کرنے والے ہی کر سکتے ہیں۔ قرآنِ کریم نے جہاں دوسرے انبیاء کرام کے دامنِ عصمت پر لگائے ہوئے داغوں کو دور کیا اسی طرح حضرت ہارون سے اس

1۔ کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ)، خروج، باب 32، آیت 1 تا 4، ص 84

مُوْسٰى ﴿٩١﴾ قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿٩٢﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ

موسیٰ (علیہ السلام) موسیٰ نے (آکر غصہ سے) کہا اے ہارون! ۶۹ کس چیز نے تجھے روکا کہ جب تو نے انھیں گمراہ ہوتے دیکھا تو (انھیں چھوڑ کر) میرے پیچھے نہ چلا آیا

اَفَعَصَيْتَ اَمْرِىْ ﴿٩٣﴾ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِىْ وَلَا بِرَاْسِىْ ۚ

کیا تو نے بھی میری حکم عدولی کی۔ ہارون نے کہا اے میری ماں جائے بھائی! نہ پکڑو میری ڈاڑھی کو اور نہ میرے سر کے بالوں کو میں نے اس خوف سے

اِنِّىْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ

(ان پر سختی نہ کی) کہ کہیں آپ یہ نہ کہیں کہ تو نے پھوٹ ڈال دی بنی اسرائیل کے درمیان اور میرے حکم کا انتظار نہ کیا۔

قَوْلِىْ ﴿٩٤﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِىُّ ﴿٩٥﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا

آپ نے پوچھا اے سامری! ۷۰ (اس فتنہ انگیزی) سے تیری غرض کیا تھی؟ ۷۱ اس نے کہا میں نے دیکھی ایسی چیز جو لوگوں نے

تہمت کی پرزور انداز میں تردید کردی۔

۶۹ حضرت موسیٰ نے سمجھا کہ شاید ہارون نے ان کو سمجھانے میں کوتاہی کی اور انہیں اس کھلی گمراہی سے باز رکھنے کا فریضہ انجام نہیں دیا اس لیے بڑے خشمناک لہجہ میں ان سے مخاطب ہوئے۔

۷۰ اب سامری کی باری آئی۔ اس سے پوچھا: ظالم تو نے یہ کیا گل کھلایا؟ میری ساری کی ساری قوم کو اپنے خداوند سے بیگانہ کر کے ایک بچھڑے کا پجاری بنا دیا۔

۷۱ یہ شخص کون تھا، کہاں کا رہنے والا تھا؟ اس کی تحقیق ضروری ہے۔ تاکہ عیسائی مبلغین اور مستشرقین نے قرآنِ حکیم پر جو نازیبا اعتراض کیا ہے اس کا جواب دیا جاسکے۔ وہ کہتے ہیں کہ اَلسَّامِرِیُّ میں جو نسبت ہے یا تو سَامِرِیَّة کی طرف ہوگی جو دولتِ اسرائیل کا پایہ تخت تھا یا اس قبیلہ کی طرف ہوگی جو اسرائیلی قبائل اور غیر اسرائیلی لوگوں کے اختلاط سے معرضِ وجود میں آیا اور جس نے سامری کے نام سے شہرت پائی۔ اس کے علاوہ اور کوئی تیسرا احتمال نہیں۔ لیکن یہ دونوں احتمال سرے سے غلط ہیں۔ کیونکہ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا ہے اور سامریہ کا شہر کئی سو سال بعد ۹۲۵ قبل مسیح میں آباد ہوا۔ دوسرا احتمال اس سے بھی بعید تر ہے کیونکہ اسرائیلیوں اور غیر اسرائیلیوں کے باہمی ازدواج اور اختلاط سے جو سامری قبیلہ معرضِ وجود میں آیا تھا وہ سامریہ کی تعمیر سے بھی کئی صدیاں بعد معرضِ وجود میں آیا تھا۔ اس لیے کسی ایسے شخص کو سامریہ یا سامری کی طرف منسوب کر کے اَلسَّامِرِیُّ کہنا جو حضرت موسیٰ کا ہم عصر ہو یہ (نعوذ باللہ) قرآن کے مصنف کی جہالت کا بین ثبوت ہے۔ اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے مولانا مودودی لکھتے ہیں:

''شاید ان مدعیانِ علم وتحقیق کا گمان یہ ہے کہ قدیم زمانے میں ایک نام کا ایک ہی شخص یا قبیلہ یا مکان ہوا کرتا تھا اور ایک نام کے دو یا زائد اشخاص یا قبیلہ ومکان ہونے کا قطعاً کوئی امکان نہ تھا۔ حالانکہ سمیری قدیم تاریخ کی ایک نہایت مشہور قوم تھی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور میں عراق اور اس کے آس پاس کے علاقوں پر چھائی ہوئی تھی اور اس بات کا بہت امکان ہے کہ حضرت موسیٰ کے عہد میں اس قوم یا اس کی کسی شاخ کے لوگ سامری کہلاتے ہوں۔ پھر خود اس سامریّہ کی اصل کو بھی دیکھ لیجیے جس کی نسبت سے شمالی فلسطین کے لوگ بعد میں سامری کہلانے لگے۔''(1)

بائیبل کا بیان ہے کہ دولتِ اسرائیل کے فرمانروا عمری نے ایک شخص سمر نامی سے وہ پہاڑ خریدا تھا جس پر اس نے بعد میں اپنا دار السلطنت تعمیر کیا۔ اور چونکہ پہاڑ کے سابق مالک کا نام سمر تھا اس لیے اس شہر کا نام سامریہ رکھا گیا۔ (سلاطین ا، باب ۱۶: آیت ۲۴)(2)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ سامریہ کے وجود میں آنے سے پہلے سمر نام کے اشخاص پائے جاتے تھے اور ان سے نسبت پاکر ان کی نسل یا قبیلے کا نام سامری اور مقامات کا نام سامریہ ہونا کم از کم ممکن ضرور تھا۔ (تفہیم القرآن جلد سوم صفحہ ۱۱۴، ۱۱۳)(3)

سامری کے متعلق تحقیق کرتے ہوئے مولانا ابو الکلام آزاد ترجمان القرآن میں لکھتے ہیں:۔

''قیاس کہتا ہے کہ یہاں سامری سے مقصود سمیری قوم کا فرد ہے کیونکہ جس قوم کو ہم نے سمیری کے نام سے پکارنا شروع کردیا ہے۔ عربی میں اس کا نام قدیم سے سامری آرہا ہے اور اب بھی عراق میں ان کا بقایا اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہاں قرآن کا اَلسَّامِرِیُّ کہہ کے اسے پکارنا صاف کہہ رہا ہے کہ یہ نام نہیں ہے اس کی قومیت کی طرف اشارہ ہے یعنی وہ شخص اسرائیلی نہ تھا سامری تھا۔''

اس سے چند سطور آگے چل کر مولانا آزاد لکھتے ہیں:۔

''بہر حال سمیری قبائل کا اصلی وطن عراق تھا مگر یہ دور دور تک پھیل گئے تھے۔ مصر سے ان کے تعلقات کا سراغ ایک ہزار سال قبل مسیح تک روشنی میں آچکا ہے۔ پس معلوم ہوتا ہے اسی قوم کا ایک فرد حضرت موسیٰ کا بھی معتقد ہوگیا اور جب بنی اسرائیل نکلے تو یہ بھی ان کے ساتھ نکل آیا۔ اسی کو قرآن نے اَلسَّامِرِیُّ کے لفظ سے یاد کیا ہے۔'' (ترجمان القرآن جلد دوم صفحہ ۴۶۵، ۴۶۴)(4)

مگر مولانا دریا آبادی نے ایک نئی چیز بیان کی ہے۔ لکھتے ہیں:۔

بعض جدید محققین کا خیال ہے کہ قدیم مصری زبان میں سمر کہتے ہیں پردیسی، غیر ملکی، بیرونی کو۔ سامری سے مراد ہے کوئی شخص جو غیر اسرائیلی تھا اور مصر سے اسرائیلیوں کے ساتھ ہوگیا تھا۔ (تفسیر ماجدی سورہ طٰہٰ)(5) یہ لکھنے کے بعد میں نے لسان العرب کی طرف رجوع کیا۔ وہاں جو مرقوم ہے اس کے مطالعہ سے وہ بنیاد ہی منہدم ہوجاتی ہے جس پر مستشرقین اور معترضین کے اعتراض کا انحصار ہے اَلسَّامِرَةُ قَبِيلَةٌ مِنْ قَبَائِلِ بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ قَوْمٌ مِنَ الْيَهُوْدِ يُخَالِفُوْنَهُمْ فِىْ بَعْضِ دِيْنِهِمْ اِلَيْهِ نُسِبَ

1۔ تفہیم القرآن، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 114
2۔ کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ)، 1۔ سلاطین، باب 16، آیت 24، ص 349
3۔ تفہیم القرآن، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 114
4۔ ترجمان القرآن، زیر آیت ہذا، ج 2، ص 65-464
5۔ تفسیر ماجدی، زیر آیت ہذا، ص 647

بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ

نہ دیکھی ۲۷؎ پس میں نے مٹھی بھر لی۔ رسول کی سواری کے نشانِ قدم کی خاک سے پھر اسے ڈال دیا اس ڈھانچہ میں اور اس

لِيْ نَفْسِيْ ۞٩٦ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ

طرح آراستہ کر دی میرے لیے میرے نفس نے یہ بات۔ آپ نے (غصہ سے) فرمایا جا چلا جا پس تیرے لیے اس زندگی میں تو یہ (سزا) ہے کہ تو کہتا پھریگا کہ مجھے کوئی ہاتھ نہ لگائے۔

السَّامِرِيُّ الَّذِيْ عَبَدَ الْعِجْلَ الَّذِيْ سُمِعَ لَهٗ خُوَارٌ ۔ (لسان العرب ج ۴ ص ۳۸۰ طبع بیروت) (1)

یعنی بنی اسرائیل کے متعدد قبائل میں سے ایک قبیلہ کا نام السامرہ ہے اور جس شخص نے بچھڑے کی پوجا شروع کی وہ اس قبیلہ کا فرد تھا۔ اسی نسبت سے اسے سامری کہا گیا ہے۔ صاحب تاج العروس نے بھی اسی قسم کی تشریح لکھی ہے۔

۲۷؎ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے استفسار پر سامری نے جو جواب دیا وہ اس آیت میں مذکور ہے۔ لیکن آیت کے مفہوم میں اختلاف ہے۔ تمام قدیم مفسرین اس آیت کی اس توضیح پر متفق ہیں کہ سامری نے عرض کی کہ میں نے ایک دفعہ جبریل کو دیکھا کہ وہ گھوڑی پر سوار ہیں۔ وہ گھوڑی جہاں قدم رکھتی ہے خشک گھاس سرسبز ہو جاتی ہے۔ میں نے خیال کیا کہ اس گھوڑی کی خاکِ قدم میں حیات بخش اثر ہے۔ میں نے وہاں سے ایک مٹھی بھری اور حفاظت سے اپنے پاس رکھ لی (2)۔ اب جب آپ طور پر گئے اور آپ کی واپسی میں تاخیر ہوئی تو مجھے یہ سوجھی کہ زیورات کو گلا کر ایک بچھڑے کا ڈھانچہ بنایا اور اس میں یہ مٹی ڈال دی جس سے اس میں زندگی کے آثار نمایاں ہو گئے اور اس سے آواز نکلنے لگی۔ لیکن ابو مسلم اصفہانی نے قدماء علماء تفسیر کے برعکس اس کا ایک اور مفہوم بیان کیا ہے جسے امام رازی نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا اور اس کو صحیح ثابت کرنے کے لیے کئی وجوہات بیان کیں (3)۔ علامہ ابوحیان اندلسی نے بھی اس قول کو بحر محیط میں ذکر کیا (4) اور اس کی تردید نہیں کی۔ علامہ نیشاپوری نے بھی اسے اپنی تفسیر میں ذکر کیا (5) اور اس کی تغلیط نہیں کی۔ ابو مسلم نے اس آیت کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے بتائے ہوئے عقائد جن کی صداقت کو بنی اسرائیل نے تسلیم کر لیا تھا مجھے وہ صحیح صحیح معلوم نہ ہوئے۔ اور میں ان کی تصدیق نہ کر سکا (کیونکہ یہ اس قوم کا فرد تھا جو گائے کی پرستش کیا کرتی تھی۔ اپنے آبائی عقائد اس کے ذہن میں سرایت کیے ہوئے تھے اس لیے عقیدۂ توحید کو اس کا درست نہ سمجھنا بعید از قیاس نہ تھا) قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ اَيْ عَرَفْتُ اَنَّ الَّذِيْ اَنْتُمْ عَلَيْهِ لَيْسَ بِحَقٍّ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ کا مطلب اس نے یہ بیان کیا ہے کہ آپ کی صحبت کچھ عرصہ رہنے سے میں نے آپ کے نظریات میں سے بعض کو تسلیم کر لیا تھا۔ فَنَبَذْتُهَا۔ لیکن جب میں نے ان میں مزید غور و فکر کیا تو ان کو بھی رد کر دیا وَ كَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ یہ سب کچھ میں نے از خود کیا ہے۔ کسی کے ورغلانے کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔ اور

1۔ لسان العرب، ج 4، ص 380

2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 16، ص 253۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج 16، ص 52-151۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 239

3۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 11، جز 22، ص 112 4۔ دیکھئے بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 274 5۔ حاشیہ نیشاپوری بر تفسیر طبری، ج 16، ص 31-130

وَ إِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَ انْظُرْ إِلٰٓى إِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ

اور بیشک تیرے لیے ۳۷ ایک اور وعدہ (عذاب) بھی ہے جس کی خلاف ورزی نہیں ہوگی! اور (ذرا) دیکھ اپنے اس خدا کی طرف جس پر تو جم کر

جب آپ کے دین کی صداقت پر میرا ایمان نہ رہا تو آپ کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے آپ کی قوم کو آپ کے دین سے منحرف کرنے کی یہ تدبیر کی اور میں کامیاب رہا(1)۔ اکثر متاخرین نے ابو مسلم کی اس توجیہ کو پسند کیا ہے۔

لیکن مولانا مودودی نے اس توجیہ پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اگر اس طرح قرآنی جملوں کو مختلف معانی کا لباس پہنایا جانے لگا تو یہ کتاب معموں اور پہلیوں کی کتاب بن جائے گی۔ اس کی عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ ہونے کی صفت کا خاتمہ ہوجائے گا۔ اسی طرح انہیں قدماء مفسرین کی توجیہ سے بھی اتفاق نہیں، ان کا خیال ہے کہ سامری کے اس جواب کا صداقت سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ بلکہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اسے سرزنش کی، اور اس کی اس حرکت کی وجہ پوچھی تو اس نے جھوٹ موٹ ایک جواب گھڑ کر آپ کے سامنے پیش کر دیا۔(2)

ابو مسلم اصفہانی نے جب قدماء کے مسلک سے اختلاف کیا تو اس نے اس کی یہی وجہ بتائی کہ قرآن سے اس مسلک کی توثیق نہیں ہوتی۔ اگر یہی بات کوئی اصفہانی سے پوچھے کہ آپ کی تاویل کی تصدیق قرآن کی کس آیت سے ہوتی ہے تو شاید انہیں خاموشی اختیار کرنا پڑے اور مولانا کا یہ ارشاد کہ قرآن یہ نہیں کہہ رہا ہے کہ فی الواقع ایسا ہوا تھا بجا لیکن قرآن یہ بھی تو نہیں کہہ رہا کہ ایسا نہیں ہوا تھا۔ سامری نے جھوٹ بولا تھا۔ اور اگر سامری نے جھوٹ بولا ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام صاف فرماتے کہ تم جھوٹ بک رہے ہو۔ تمہارے اس جواب کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں۔ اگر پچھلی دو توجیہوں میں سے کسی کو قرآنِ کریم کی تائید حاصل ہوتی تو تسلیم کرنے میں کوئی حرج نہ تھا لیکن اگر انہیں یہ تائید میسر نہیں تو پہلی توجیہ کو صرف اس لیے رد کر دینا کہ اس کی توثیق کسی آیت سے نہیں ہوتی عجیب معلوم ہوتا ہے۔ قدماء کا مسلک ہی ارجح اور اسلم معلوم ہوتا ہے۔ وَاللّٰہُ تَعَالٰی وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

۳۷ے آپ نے اس کو اپنے گروہ سے خارج کر دیا اور سب کو تاکید کر دی کہ اس کے ساتھ نشست و برخاست، بول چال، لین دین سب بند کر دیں۔ اور اس کے دل میں بھی لوگوں سے وحشت اور نفرت پیدا ہوگئی۔ جنگل میں اسی طرح تنہا راندہ ہوا گھومتا رہا۔ یہاں تک کہ مر گیا۔ فَكَانَ فِي الْبَرِيَّةِ طَرِيْدًا اَوَّحِيْدًا كَالْوَحْشِيِّ النَّافِرِ حَتّٰى مَاتَ۔ (مظہری)(3)

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 11، جز 22، ص 112
2۔ تفہیم القرآن، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 20-119
3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 160

عَلَيْهِ عَاكِفًا ۭ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿97﴾ اِنَّمَآ

بیٹھا رہا اس کا کیا حشر ہوتا ہے ہم اسے جلا ڈالینگے پھر ہم بکھیر کر بہا دینگے اس سمندر میں اس (کی راکھ) کو — تمہارا معبود تو

اِلٰـهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿98﴾ كَذٰلِكَ

صرف اللہ تعالٰے ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں ۴؎ گھیر رکھا ہے اس نے ہر چیز کو (اپنے) علم سے۔ یوں ہم

نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا

بیان کرتے ہیں ۵؎ آپ سے خبریں ان لوگوں کی جو پہلے گزر چکے۔ اور ہم نے مرحمت فرمایا ہے آپکو اپنی جناب سے ایک

ذِكْرًا ښ ﴿99﴾ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿100﴾ ۙ

پند نامہ۔ جو شخص روگردانی کریگا اس سے وہ اٹھائے گا قیامت کے دن ایک بوجھ۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۭ وَسَاۗءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ﴿101﴾ ۙ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي

یہ لوگ ہمیشہ اس بوجھ تلے دبے رہیں گے اور بہت تکلیف دہ ہوگا انکے لیے روزِ قیامت یہ بوجھ۔ جس روز پھونکا جائے گا

الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا ښ ﴿102﴾ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ

صور میں اور ہم جمع کریں گے ۶؎ مجرموں کو اس دن اس حال میں کہ انکی آنکھیں نیلی ہونگی چپکے چپکے آپس

۴؎ آخر میں آپ نے فرمایا کہ یہ رب نہیں جسے سامری نے ڈھالا ہے۔ اس جیسے تو سینکڑوں اور ڈھالے جاسکتے ہیں بلکہ تمہارا رب وہ ہے جو وحدہٗ لاشریک ہے جس کا کوئی ہمسر نہیں۔ جس کا علم اتنا وسیع ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے سامنے عیاں ہے۔

۵؎ یہی واقعہ بائیبل میں بھی مذکور ہے اور قرآن میں بھی۔ دونوں کا تقابلی مطالعہ کرنے سے آپ کو یقین ہوجائے گا کہ قرآن میں بیان شدہ واقعہ کی ہر ہر آیت میں قَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا کا نور چمک رہا ہے۔

۶؎ وقوعِ قیامت اور مجرمین کے قبروں سے اٹھنے کا بیان ہو رہا ہے کہ جب وہ اٹھیں گے تو خوف و ہراس کی وجہ سے ان کی آنکھیں نیلی ہوچکی ہوں گی۔ آنکھوں کی سیاسی غائب ہوچکی ہوگی۔ عرب نیلی آنکھ کو ناپسند کرتے ہیں اور اسے بدصورتی کی علامت سمجھتے ہیں۔ وَالْعَرَبُ تَتَشَاءَمُ بِزَرَقِ الْعُيُوْنِ تَذُمُّهٗ۔ (قرطبی) (1)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 11، ص 244

إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا عَشْرًا ﴿١٠٣﴾ نَّحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ إِذْ يَقُولُ أَمْثَلُهُمْ

میں کہیں گے ۷۷ کہ نہیں رہے تم دنیا میں مگر صرف دس دن ۔ ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہیں گے جبکہ ان میں سب سے زیادہ زیرک

طَرِيقَةً إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا يَوْمًا ﴿١٠٤﴾ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ

کہے گا کہ نہیں ٹھہرے ہو تم مگر صرف ایک دن ۔ اور وہ آپ سے پہاڑوں کے انجام کے بارے میں پوچھتے ہیں ۷۸ (ع ۱۵ ۱۴)

يَنسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا ﴿١٠٥﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿١٠٦﴾ لَّا تَرَىٰ فِيهَا

آپ فرمائیے میرا رب انہیں جڑوں سے اکھیڑ کر پھینک دے گا۔ پس بنا چھوڑے گا اس پہاڑی علاقہ کو کھلا ہموار میدان نہ نظر آئیگا تجھے اس میں

عِوَجًا وَلَا أَمْتًا ﴿١٠٧﴾ يَوْمَئِذٍ يَتَّبِعُونَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهُ ۖ وَخَشَعَتِ

کوئی موڑ اور نہ کوئی ٹیلہ اس روز سب لوگ پیروی کریں گے پکارنے والے کی کوئی روگردانی نہیں کر سکیگا اس سے۔ اور خاموش ہو جائینگی

الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَٰنِ فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا ﴿١٠٨﴾ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ

سب آوازیں رحمٰن کے خوف سے پس تو نہ سنے گا (اس روز) مگر مدھم سی آہٹ ۔ اس دن نہیں نفع دیگی کوئی سفارش

۷۷ تَخَافُت کا معنی ہے رازداری سے چپکے چپکے باتیں کرنا (1)۔ جب ہولِ قیامت دیکھیں گے تو دنیا کی طویل زندگیاں بھول جائیں گے۔ عیش و سرور کی لمبی راتیں، خوشی اور نشاط کے لمبے دن یکسر فراموش کر دیں گے اور کہیں گے کہ ہمارا قیام تو دنیا میں بڑا مختصر تھا۔ ہم صرف دس دن وہاں ٹھہرے اور پھر نکال دیئے گئے اور جو ان میں سے بڑا ہوشمند اور سیانا ہو گا وہ انہیں کہے گا ہم وہاں دس روز کب ٹھہرے تھے ہمارا قیام تو وہاں ایک روز و شب سے زیادہ نہ تھا۔

۷۸ کفار کو جب بتایا جاتا کہ قیامت کے روز ہر چیز زیر و زبر اور سارا نظام درہم برہم کر دیا جائے گا تو وہ فوراً اعتراض جڑ دیتے کہ یہ اونچے اونچے پہاڑ جو بلندی میں آسمان سے باتیں کر رہے ہیں یہ کہاں جائیں گے؟ اس کا جواب دیا جا رہا ہے۔ ان آیات کے مشکل الفاظ کی تشریح نَسَفَ: نَسْفًا۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے ابن الاعرابی کہتے ہیں: يَقْلَعُهَا قَلْعًا مِّنْ أُصُولِهَا ثُمَّ يُصَيِّرُهَا رَمْلًا يَّسِيلُ سَيْلًا ثُمَّ يُصَيِّرُهَا كَالصُّوفِ الْمَنْفُوشِ تُطَيِّرُهَا الرِّيَاحُ هٰكَذَا وَهٰكَذَا۔ یعنی انہیں جڑوں سے اکھیڑ کر ریت کی طرح پیس کر رکھ دے گا پھر دھنی ہوئی اون کے گالوں کی طرح ہوائیں انہیں اڑا کر لے جائیں گی اور ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہے گا۔ اَلْقَاعُ: اَلْمُسْتَوِيْ مِنَ الْأَرْضِ: ہموار میدان۔ صَفْصَفًا: اَلَّذِيْ لَا نَبَاتَ فِيْهِ۔ چٹیل میدان جس میں کوئی چیز اُگی ہوئی نہ ہو۔ عِوَجًا۔ کجی، موڑ۔ جس طرح پہاڑوں کا بل کھاتا ہوا سلسلہ ہوتا ہے۔ اَلْأَمْتُ: اَلْبِنَاكُ: وَهِيَ التِّلَالُ الصِّغَارُ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 11، ص 244

الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴿۱۰۹﴾ يَعْلَمُ

سوائے اس شخص کی شفاعت کے جسے رحمٰن نے اجازت دی اور پسند فرمایا ہو اس کے قول کو ۷۹ وہ جانتا ہے

مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَعَنَتِ

لوگوں کے آنیوالے حالات کو اور انکے گزرے ہوئے واقعات کو اور لوگ نہیں احاطہ کر سکتے اسکا اپنے علم سے ۸۰ اور (فرط نیاز سے)

الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ؕ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ

جھک جائینگے سب (لوگوں کے) چہرے ۸۱ حی و قیوم کے سامنے۔ اور نامراد ہوا جس نے لاد اپنے (سر) پر ظلم (کا بارِ گراں) اور جو شخص

وَاحِدُهَا بَنَكٌ اَیْ هِیَ اَرْضٌ مُّسْتَوِيَةٌ لَا انْخِفَاضَ فِيْهَا وَلَا ارْتِفَاعَ۔ یعنی الامت کا معنی ہے چھوٹے چھوٹے ٹیلے۔ مطلب یہ ہے کہ جہاں آج اونچے پہاڑ اور گہری وادیاں ہیں وہ جگہ بالکل ہموار کر دی جائے گی۔ اس میں کوئی نشیب و فراز نہیں ہوگا۔

هَمْسًا: مدھم آواز، پاؤں کی آہٹ کو بھی هَمْس کہتے ہیں۔ (1)

۷۹۔ یہ مضمون کئی بار گزر چکا ہے۔ یعنی قیامت کے روز یہ نہیں ہوگا کہ جس کا جی چاہے گا اٹھ کر شفاعت کرنے لگے گا بلکہ اس روز وہی شخص شفاعت کرنے کی جرأت کرے گا جسے پہلے بارگاہِ رب العزت سے اس کا اذن مل چکا ہوگا جیسے انبیاء، اولیاء، صلحاء وغیرہم۔ اور انہی کے حق میں شفاعت کی جائے گی جن کا کلمۂ شہادت عند اللہ مقبول ہو اور جو بے ایمان ہو کر مرے گا اس کے لیے کوئی شفاعت نہیں ہوگی۔

۸۰۔ حضرت صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ لکھتے ہیں یعنی تمام کائنات کا علم ذاتِ الٰہی کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ اس کی ذات کا ادراک علومِ کائنات کی رسائی سے برتر ہے۔ وہ اپنے اسماء و صفات اور آثارِ قدرت و شیونِ حکمت سے پہچانا جاتا ہے۔

کجا در یابد اورا عقل چالاک — کہ اوبالا تراست از حد ادراک
نظر کن اندر اسماء و صفاتش — کہ واقف نیست کس از کنہ ذاتش

(خزائن العرفان) (2)

ترجمہ: عقلِ چالاک اللہ تعالیٰ کو کس طرح پا سکتی ہے کیونکہ وہ فہم و ادراک کی حد سے بہت بلند ہے۔ تو اگر اس کی معرفت حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کے اسمائے حسنیٰ اور صفاتِ کمال میں غور و فکر کر۔ کیونکہ کوئی شخص اس کی ذات کی حقیقت سے واقف نہیں ہے۔

۸۱۔ بڑے بڑے مطلق العنان بادشاہ، فاتحانِ عالم، سرکش رؤساء و امراء قیامت کے روز جب خداوندِ ذوالجلال کے حضور میں حاضر ہوں گے تو ان کی گردنیں جھکی ہوئی ہوں گی۔ ان کے چہروں پر عاجزی اور درماندگی کے آثار نمودار ہو رہے ہوں گے۔ کوئی

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 47-245 2۔ خزائن العرفان، زیر آیت ہذا، ص 574

يَعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿۱۱۲﴾

کرتا ہے نیک اعمال اور وہ ایماندار بھی ہو تو اسے اندیشہ نہ ہو گا کسی ظلم کا یا حق تلفی کا۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ

اور اسی طرح ہم نے اتارا اس کتاب کو قرآن عربی زبان میں اور طرح طرح سے بیان کیں اس میں گناہوں کی سزائیں

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ

تاکہ وہ پرہیزگار بن جائیں یا پیدا کر دے یہ قرآن ان کے دلوں میں یہ سمجھ۔ پس اعلیٰ وارفع ہے اللہ جو سچا بادشاہ ہے۔

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰۤى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ وَقُلْ

اور نہ عجلت کیجیے قرآن کے پڑھنے میں اس سے پہلے کہ پوری ہو جائے آپ کی طرف اس کی وحی ۸۲ اور دعا مانگا

دم نہیں مار سکے گا۔

۸۲۔ اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ ابنِ کثیر نے حضرت ابنِ عباس کی حدیث نقل کی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سرکارِ دو عالم کو نبوت کے ابتدائی ایام میں نزولِ وحی کے وقت بڑی شدت کا سامنا کرنا پڑتا۔ جو جبرائیل کی زبان سے نکلتا اس کی طرف بھی پوری توجہ از بس ضروری تھی اور جو وہ سناتے اس کا یاد رکھنا بھی از حد اہم تھا۔ نہ توجہ کو ادھر سے ہٹایا جا سکتا تھا نہ وحی کو فراموش کرنے کا خطرہ برداشت کیا جا سکتا۔ چنانچہ جبرائیل جو کلام الٰہی سناتے حضورؐ اسے پورے انہماک اور توجہ سے سنتے بھی اور ساتھ ہی ساتھ اسے زبان سے دہراتے بھی۔ دونوں بوجھوں کا بیک وقت متحمل ہونا گراں اور شاق ضرور تھا لیکن نبوت کی نازک ذمہ داریوں کے پیشِ نظر اس کے بغیر چارۂ کار بھی نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مشکل کو یہ فرما کر آسان کر دیا کہ اے محبوب! جبرائیل جب میرا کلام پڑھ کر تمہیں سنائے تو آپ سنتے رہیے اور یہ فکر نہ کیجیے کہ بھول جائے گا۔ اسے یاد کرا دینا اور اس کے معانی ومطالب سے آگاہ کر دینا ہم نے اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ آپ کو اس کے لیے متردد اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں (1)۔ حصولِ علم کا عام طریقہ تو یہی ہے کہ استاد جو کہے شاگرد اسے غور سے سنتا بھی جائے اور ساتھ ساتھ اسے ذہن میں محفوظ بھی کرتا جائے لیکن ربِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عطیات نرالے ہیں وہ بغیر مشقت کوئی نعمت عطا فرماوے تو یہ اس کا کرم ہے۔

میں نے جب عصرِ حاضر کے ایک مشہور مصنف کی تفسیر میں یہ پڑھا تو انتہائی دکھ ہوا۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وحی کا پیغام وصول کرنے کے دوران میں اسے یاد کرنے اور زبان سے دہرانے کی کوشش فرما رہے ہوں گے۔ اس کوشش کی وجہ سے آپ کی توجہ بار بار ہٹ جاتی ہوگی۔ سلسلۂ اخذِ وحی میں خلل

1۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 167۔ صحیح بخاری، باب بدء الوحی، ج 1، ص 3

رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ وَ

کیجیے میرے رب! (اور) زیادہ کر میرے علم کو ۸۳ اور ہم نے حکم دیا تھا آدم کو ۸۴ اس سے پہلے (کہ وہ اس درخت کے قریب نہ جائے) سو وہ بھول گیا ۸۵

واقع ہو رہا ہوگا۔ پیغام کی سماعت پر توجہ پوری طرح مرکوز نہ ہو رہی ہوگی۔ اس کیفیت کو دیکھ کر یہ ضرورت محسوس کی گئی کہ آپ کو پیغامِ وحی وصول کرنے کا صحیح طریقہ سمجھایا جائے''۔

ایک سطر آگے چل کر لکھتے ہیں:

''ابتدائی زمانہ میں جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اخذِ وحی کی عادت اچھی طرح نہ پڑی تھی۔ آپ سے کئی مرتبہ یہ فعل سرزد ہوا ہے۔ (تفہیم القرآن صفحہ ۱۲۹ جلد سوم) (1)

میرے جیسا مبتدی بہر حال اس عبارت کا مدعا نہیں سمجھ سکا۔ وصولِ وحی کے لیے حضورؐ کی یہ حرص اور مشقت حضورؐ کا کمال اور احساسِ ذمہ داری کا ثبوت تھا یا وجہِ نقص تھی۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اس کا محض احسان اور لطف تھا یا کسی غلطی کی اصلاح اور کوتاہی کی تلافی تھی؟ کیا نبوت اور اس کے لوازمات وہبی ہیں یا کسبی اور عادت سے حاصل ہوتے ہیں؟ یہ چیزیں غور طلب ہیں۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر ۔۔۔ نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا(2)

۸۳؎ علامہ ابنِ کثیر فرماتے ہیں: قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ لَمْ يَزَلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ فِيْ زِيَادَةٍ حَتّٰى تَوَفَّاهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ (3) یعنی اس دعا کی برکت سے تادمِ واپسیں حضورؐ کے علم میں اضافہ اور زیادتی ہوتی رہی۔ وَقِيْلَ هٰذَا اِشَارَةٌ اِلَى الْعِلْمِ اللَّدُنِّيِّ (روح المعانی) (4)

ترجمہ: علامہ آلوسی کہتے ہیں کہ اس میں علم لدنی کی طرف اشارہ ہے اور علمِ لدنی اسے کہا جاتا ہے جو کسبی نہ ہو بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی دین ہو۔

علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں بڑی پیاری بات لکھی ہے:۔

''در لطائف قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مذکور است کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام زیادہ علم طلبید او را حوالہ بخضر کردند و بے طلب پیغمبرِ ما را صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعائے زیادتی علم بیاموخت و حوالہ بغیر خود نہ کرد تا معلوم شود کہ آنکہ در مکتبِ ادب ''اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ'' سبق وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا خواندہ باشد ہر آئینہ در درسگاہ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ نکتہ فَعَلِمْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ بگوشِ ہوش مستفیدانِ حقائق اشیاء تواند رسانید''۔

علمہائے انبیاء و اولیاء ۔۔۔ در دلش رخشندہ چوں شمس الضحیٰ
عالمے کاموز گارش حق بود ۔۔۔ علم او بس کامل مطلق بود(5)

ترجمہ: لطائف قشیری رحمۃ اللہ علیہ میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے علم کی زیادتی کا سوال کیا، تو انہیں خضر کے

1۔ تفہیم القرآن، زیر آیت ہذا، ج3، ص129
2۔ کلیات اقبال فارسی، ص903، ارمغان حجاز، ص21، حضور رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم از عزت بخاری
3۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج3، ص167
4۔ روح المعانی، باب الاشارۃ من الآیات، ج16، ص289
5۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج5، ص33-432

حوالے کر دیا گیا۔ اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بن مانگے زیادتی علم کی دعا سکھا دی اور اپنے سوا کسی کی طرف کسب علم کے لیے جانے کی اجازت نہ دی تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ وہ ہستی جس نے اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ کے مکتب میں وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا کا سبق پڑھا ہے وہ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ کی درسگاہ میں حقائقِ اشیاء کی جستجو کرنے والوں کے گوشِ ہوش میں فَعَلِمْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ کا نکتہ پہنچا سکتا ہے۔

ترجمہ اشعار رومی:۔ تمام انبیاء اور اولیاء کے علوم آپ کے قلبِ مبارک میں چاشت کے سورج کی طرح چمک رہے ہیں۔ وہ عالم جس کا استاد حق تعالیٰ ہو اس کے علم کے کمال کا کوئی کیسے اندازہ لگا سکتا ہے؟

آخری سطروں کی وضاحت ضروری ہے تاکہ عام تعلیم یافتہ حضرات بھی اس سے لطف اندوز ہو سکیں حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَاْدِیْبِیْ۔ میرے رب نے مجھے ادب سکھایا ہے اور خوب سکھایا ہے۔ گویا یہ وہ مدرسہ ہے جس میں حضورؐ نے تعلیم حاصل کی ہے اور اس مدرسہ کا پہلا سبق یہ ہے وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا۔ یعنی ہر وقت یہ دعا مانگو کہ اے میرے رب! میرے علم میں مزید اضافہ فرما۔ یہ مدرسہ جس کا یہ پہلا سبق ہے۔ اسی کے فیض سے حضورؐ کو عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ، کا مرتبہ نصیب ہوا۔ یعنی اے حبیب! جو کچھ آپ پہلے نہیں جانتے تھے ہم نے آپ کو سکھا دیا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حقائقِ اشیاء کی تلاش کرنے والوں کے کانوں تک حضورؐ کا یہ اعلان پہنچا فَعَلِمْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ۔ یعنی تعلیمِ الٰہی سے مجھے پہلے لوگوں کا علم بھی حاصل ہو گیا اور بعد میں آنے والے لوگوں کا علم بھی حاصل ہو گیا۔

۸۴؎ موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ذکر کرنے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا جا رہا ہے۔ موسیٰ کو جن لوگوں سے واسطہ پڑا تھا وہ بدکار اور گمراہ لوگ تھے۔ لیکن ان کی گمراہی اور بدکاری میں عناد، سرکشی اور نافرمانی کا رنگ بھرا ہوا تھا۔ وہ اپنی سرکشیوں پر فخر کرتے تھے۔ غرور و نخوت سے ان کی گردنیں اکڑی رہتی تھیں۔ ظلم و ستم کی روش کو ترک کرنے کے لیے انہیں بارہا نصیحتیں کی گئیں مگر ہر بار عصیان و فسوق کا جذبہ ان میں تیز ہوتا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ غضبِ الٰہی جوش میں آیا اور سمندر کی موجیں انہیں اور ان کے جاہ و جلال کو تنکوں کی طرح بہا لے گئیں۔ قصۂ آدم میں بھی لغزش کا وقوع ہے۔ حکمِ الٰہی کی بجا آوری میں کھلی کوتاہی تھی۔ لیکن اس لغزش اور کوتاہی میں رعونت اور تکبر کا کوئی نشان نہ تھا۔ بھولے سے ایسی راہ پر قدم اٹھ گئے تھے جہاں جانے سے اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر منع کیا تھا۔ حکم عدولی یقیناً ہو گئی تھی لیکن نافرمانی کا قصد ہرگز نہ تھا۔ قصور بلاشبہ سرزد ہو گیا تھا لیکن قصوروار بن کر سامنے آنے کا ارادہ موجود نہ تھا۔ جب متنبہ کیا گیا تو بارِ ندامت سے کمر دوہری ہو گئی۔ شدتِ غم سے دل پھٹنے لگا۔ احساسِ گناہ سے آنسوؤں کے دریا بہنے لگے۔ فرطِ حیا سے آسمان کی طرف نگاہ تک نہ اٹھ سکتی تھی۔ اس لیے قدرت کا سلوک آدم علیہ السلام سے وہ نہ تھا جو فرعون سے کیا گیا۔ زبانِ قدرت نے خود عذر بیان کر دیا۔ فرمایا: فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا۔ آدم نے یہ غلطی دانستہ نہیں کی بلکہ بھولے سے بلا ارادہ یہ خطا ہو گئی۔ پھر عفو و درگزر سے کام لے کر صرف خطا بخشی تک بات ختم نہیں ہوئی بلکہ رحمتِ کردگار اور آگے بڑھی اور شکستہ خاطر، وقفِ حزن و ملال اور مصروفِ آہ و بکا آدم کو اٹھایا اور اپنے دستِ کرم سے سر پر ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ کا چمکتا دمکتا نورانی تاج رکھ دیا۔ اسی سورت کی آیت ۱۲۲ ملاحظہ ہو۔

لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا

اور نہ پایا ہم نے (اس لغزش میں) اس کا کوئی قصد ۸۶ اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو تو سب نے سجدہ کیا

اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا

سوائے ابلیس کے اس نے (حکم بجالانے سے) انکار کردیا اور ہم نے فرمادیا اے آدم! بیشک یہ تیرا بھی دشمن ہے اور تیری زوجہ کا بھی سو (ایسا نہ ہو)

اس واقعہ کو ذکر کر کے اپنے بندوں کو بتایا کہ اگر بشری کمزوری کی وجہ سے یا جذبات کی شدت سے مجبور ہو کر کوئی گناہ کر بیٹھو تو سرکشی کی راہ اختیار نہ کرلو۔ ورنہ تمہارا حشر وہی ہوگا جو فرعون کا ہوا۔ بلکہ توبہ اور انابت کو اپنا شعار بنالو۔ تمہارے ساتھ وہی کریمانہ برتاؤ کیا جائے گا جو توبہ اور انابت کے راستہ پر چلنے والے ہر راہرو کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ قصہ آدم اس سے پہلے بھی کئی بار گزر چکا اور اس کے بعد بھی مختلف سورتوں میں اس کا بیان آئے گا۔ اس قصہ کے کئی پہلو ہیں۔ سیاق وسباق کی موافقت میں ہر جگہ اس واقعہ کے اسی پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے جس کا نمایاں کرنا وہاں ضروری ہے۔ اس لیے تکرار کے باوجود اس کی افادیت میں کوئی کمی محسوس نہیں ہوتی۔ ضیاء القرآن جلد اوّل میں سورۃ البقرہ کی آیات ۳۰ تا ۳۹ کے حواشی نیز جلد دوم سورۃ الاعراف کی آیات ۱۱ تا ۲۵ کے حواشی ملاحظہ ہوں۔ یہاں فقط کلمات کی تشریح اور توضیح پر اکتفا کیا جائے گا۔

۸۵ اس کا مفہوم بیان کرتے ہوئے علامہ راغب لکھتے ہیں۔ اَلنِّسْيَانُ تَرْكُ الْاِنْسَانِ ضَبْطَ مَا اسْتُوْدِعَ اِمَّا لِضُعْفِ قَلْبِهٖ وَاِمَّا عَنْ غَفْلَةٍ وَّاِمَّا عَنْ قَصْدٍ...... وَكُلُّ نِسْيَانٍ مِّنَ الْاِنْسَانِ ذَمَّهُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِهٖ فَهُوَ مَا كَانَ اَصْلُهٗ عَنْ تَعَمُّدٍ۔ (مفردات)(1)

یعنی نسیان کا معنی ہے انسان کا اس چیز کو محفوظ نہ رکھنا جو اسے ودیعت کی گئی۔ اس کی وجہ کبھی دل کی کمزوری، کبھی غفلت ہوتی ہے اور کبھی قصداً بھی انسان کسی چیز کو اپنے دل سے محو کردیتا ہے اور یہی نسیان اللہ تعالیٰ کے نزدیک مذموم ہے۔

۸۶ عَزْمٌ کے معنی عَقْدُ الْقَلْبِ عَلٰى اِمْضَاءِ الْاَمْرِ(2) کسی کام کے کرنے کا تہیہ کرلینا۔ آیت کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ آدم علیہ السلام سے جو حکم عدولی ہوئی اس میں ان کے عزم کا دخل نہیں کہ آپ نے اپنے ارادہ اور مرضی سے اس درخت کا پھل کھایا ہو۔ دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ حکمِ الٰہی پر ثابت قدم رہنے کی آپ میں ہمت نہ تھی۔ شیطان نے جب دل میں وسوسہ ڈالا تو آپ فوراً اس کے فریب میں آگئے (3)۔ اگرچہ بعض حضرات نے آیت کے اس مفہوم کو ترجیح دی ہے لیکن اس احقر کے نزدیک پہلا معنی زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ فَنَسِيَ کا لفظ اسی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ وَقِيْلَ مَعْنَى الْاٰيَةِ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا اَيْ قَصْدًا عَلٰى اَكْلِ الشَّجَرَةِ بَلْ اَكَلَ نَاسِيًا۔ (مظہری)(4) یعنی آیت کا مفہوم یہ ہے کہ آپ نے قصداً اس درخت کا پھل نہیں کھایا بلکہ بھول کر کھا بیٹھے۔

1۔ مفردات راغب، ص 803
2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 167
3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 251
4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 167

يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿١١٧﴾ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَ

کہ وہ نکال دے تمھیں جنت سے ۸۷ اور تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔ بیشک تمھارے لیے یہ ہے کہ تمھیں نہ بھوک لگے گی یہاں اور

لَا تَعْرٰى ﴿١١٨﴾ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿١١٩﴾ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ

نہ تم ننگے ہوگے۔ اور تمھیں نہ پیاس لگے گی یہاں اور نہ دھوپ ستائے گی۔ پس شیطان نے انکے دل میں

الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰۤاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿١٢٠﴾

وسوسہ ڈالا ۸۸ اس نے کہا اے آدم! کیا میں آگاہ کروں تمھیں ہمیشگی کے درخت پر اور ایسی بادشاہی پر جو کبھی زائل نہ ہو

فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ

سو (اسکے پھسلانے سے) دونوں نے کھالیا اس درخت سے تو (فوراً) برہنہ ہوگئیں ان پر ان کی شرمگاہیں اور وہ چپکانے لگ گئے اپنے (جسم) پر

۸۷ آدم علیہ السلام کو بتایا جا رہا ہے کہ ابلیس تمہارا اور تمہاری زوجہ کا خطرناک دشمن ہے۔ تمہاری عزت اور سرفرازی دیکھ کر یہ آتشِ حسد میں جل رہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں کوئی چکمہ دے اور تم پھنس جاؤ۔ یہ تمہیں جنت کی راحتوں سے محروم کر دے گا۔ فَتَشْقٰى: اور تم مشقت میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ کیونکہ یہاں تو ہر چیز تیار ملتی ہے۔ اگر یہاں سے نکال دیئے گئے تو پھر ایک ایک لقمہ منہ میں ڈالنے کے لیے محنت کرنا پڑے گی پھر بھی یہ بہار نصیب نہ ہوگی۔ اَلْمُرَادُ بِالشِّقَاءِ التَّعَبُ فِيْ طَلَبِ الْمَعَاشِ۔ (مظہری) (1)

شقاء سے مراد وہ کلفت اور تھکن ہے جو کسبِ معاش کے باعث انسان محسوس کرتا ہے۔ یہاں ''تَشْقٰى'' کا لفظ شقاوت اور بدبختی کے معنی میں مستعمل نہیں ہوا۔

۸۸ شیطان اپنی فریب کاری سے باز نہ آیا اور ناصحِ مشفق بن کر بہلانا شروع کر دیا اور کہا: کیا میں آپ کو ایک ایسا درخت نہ دکھاؤں جس کا پھل کھانے سے موت کا خدشہ ہمیشہ کے لیے مٹ جائے گا اور تمہیں لازوال بادشاہی مل جائے گی؟

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 167

وَرَقِ الْجَنَّةِ ۚ وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۪ۖ (۱۲۱) ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ

جنت (کے درختوں) کے پتے۔ اور حکم عدولی ہوگئی آدم سے اپنے رب کی سو وہ بامراد نہ ہوا ۸۹ پھر (اپنے قرب کے لیے) چن لیا انھیں اپنے رب نے

فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى (۱۲۲) قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًۢا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ

اور (عفو و رحمت سے) توجہ فرمائی ان پر اور ہدایت بخشی۔ حکم ملا دونوں اتر جاؤ یہاں سے اکٹھے تم ایک دوسرے کے دشمن

عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَاىَ فَلَا يَضِلُّ

ہوگے۔ پس اگر آئے تمھارے پاس میری طرف سے ہدایت تو جس نے پیروی کی میری ہدایت کی ۹۰ تو نہ وہ بھٹکے گا

۸۹۔ غوٰی کا معنی ہے ضَلَّ عَنِ الْمَطْلُوْبِ (1) یعنی جس مقصد کے لیے انہوں نے اس درخت کا پھل کھایا کہ ہمیشہ زندہ رہیں گے وہ مطلوب حاصل نہ ہوا۔ اور ابن الاعرابی نے کہا کہ غوٰی کا معنی ہے فَسَدَ عَلَيْهِ عَيْشُهٗ (2): انہوں نے اپنی زندگی کا عیش و آرام خود خاک میں ملا دیا۔ راحت و آرام کی جگہ مشقت و محنت مقدر میں لکھ دی گئی۔ امام لغت اسمٰعیل بن حماد الجوہری کی الصحاح دیکھنے کا موقعہ ملا تو سارے وسوسے دور ہو گئے۔ لفظِ غوٰی کی تحقیق کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ غوٰی کا معنی صرف گمراہ ہونا نہیں جس طرح ہم عام طور پر خیال کرتے ہیں بلکہ اہلِ زبان اسے دو معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ (۱) گمراہ ہونا۔

(۲) حصولِ مقصد میں ناکام ہونا۔ اَلْغَوُّ، اَلضَّلَالُ وَالْخَيْبَةُ اَيْضًا (الصحاح) (3)

اس تحقیق کی روشنی میں ہم یہاں دوسرا معنی لیں گے۔ کیونکہ یہی یہاں مناسب ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر آدم علیہ السلام نے بھول کر یہ کام کیا تھا تو پھر عَصٰۤى اٰدَمُ (کہ آدم نے نافرمانی کی) کے الفاظ ان کے متعلق کیوں کہے گئے تو اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ۔

ترجمہ:۔ نیک لوگوں کی نیکیاں بسا اوقات مقربینِ بارگاہِ الٰہی کی سیات شمار کی جاتی ہیں۔

خطا اور نسیان پر اگرچہ انسان سے مؤاخذہ نہیں ہوگا اور انسان عذاب کا مستحق قرار نہیں پائے گا لیکن خواص کا معاملہ اور ہے۔ ان سے ترکِ اولیٰ پر بھی مؤاخذہ ہوتا ہے۔ (4)

بود آدم دیدۂ نورِ قدیم موئے در دیدہ بود کوہِ عظیم (5)

رومی فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام نورِ قدیم کی آنکھ تھے اور آنکھ میں اگر ایک بال بھی پڑ جائے تو وہ کوہِ عظیم کی طرح ناقابلِ برداشت ہوتا ہے۔

۹۰۔ حضرت ابنِ عباس نے اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص قرآنِ کریم کی تلاوت کرتا ہے اور اس کے احکام پر عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں گمراہ ہونے سے بچائے گا اور قیامت کے دن عذاب الیم سے محفوظ رکھے گا۔ (6)

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 169 2۔ ایضاً 3۔ الصحاح، ج 6، ص 2450 4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 71-170
5۔ مثنوی معنوی، دفتر دوم، ص 16 6۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 171۔ المعجم الکبیر للطبرانی، ج 12، ص 48۔ رقم الحدیث 12437 (طبعہ العراق)

وَلَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ

اور نہ بدنصیب ہوگا۔ اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے ۹۱ تو اس کے لیے زندگی (کا جامہ) تنگ کر دیا جائیگا اور

نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ

ہم اسے اٹھائینگے قیامت کے دن اندھا کر کے ۹۲ وہ کہیگا اے میرے رب! کیوں اٹھایا ہے تو نے مجھے نابینا کر کے میں تو پہلے

كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ

بالکل بینا تھا۔ ۹۳ اللہ تعالیٰ فرمائینگے اسی طرح آئی تھیں تیرے پاس ہماری آیتیں سو تو نے انھیں بھلا دیا اسی طرح آج تجھے فراموش

۹۱ ضَنْكًا مصدر ہے اس کا معنی تنگ ہونا۔ یہاں یہ مَعِيْشَةً کی صفت واقع ہوا ہے اور جب مصدر صفت واقع ہو (جیسے زَيْدٌ عَدْلٌ) تو مبالغہ پر دلالت کرتا ہے اس لیے مذکر اور مؤنث دونوں کی صفت واقع ہو سکتا ہے۔ (1)

علامہ ابنِ کثیر اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جو شخص ذکرِ الٰہی سے منہ موڑتا ہے اور احکامِ خداوندی سے روگردانی کرتا ہے وہ دولت اور ثروت کے انبار جمع کر لینے کے باوجود، جاہ وجلال کے بلند ترین مناصب پر فائز ہونے کے باوجود اطمینانِ قلب کی نعمت سے محروم رہتا ہے۔ اس کے دسترخوان پر لذیذ ترین کھانے چنے جاتے ہیں۔ وہ بیش قیمت لباس زیبِ تن کیے ہوتا ہے لیکن اس کا دل اداس، روح بے چین اور طبیعت افسردہ رہتی ہے۔ سچی خوشی سے وہ کبھی بہرہ مند نہیں ہوتا۔ دن رات دولت یا اقتدار کے حصول میں سرگرداں رہتا ہے۔ پھر اس کی حفاظت کی فکر ہر وقت دامنگیر رہتی ہے۔ وہ حرام اور ناجائز ذرائع استعمال کرنے سے باز نہیں آتا۔ اس طرح اس کا ضمیر اسے ملامت کرتا ہے اور یہ ملامت بڑی شدید اور دل گداز قسم کی ہوتی ہے۔ وہ خود اپنی آنکھوں میں مجرم ہوتا ہے۔ اس کے دامن کے بدنما داغ اسے ہر وقت گھورتے رہتے ہیں۔ اَيْ ضَنْكًا فِي الدُّنْيَا فَلَا طَمَانِيْنَةَ لَهٗ وَلَا انْشِرَاحَ لِصَدْرِهٖ بَلْ صَدْرُهٗ ضَيِّقٌ حَرَجٌ لِضَلَالِهٖ وَاِنْ تَنَعَّمَ ظَاهِرُهٗ وَلَبِسَ مَاشَاءَ وَاَكَلَ مَاشَاءَ..... فَهُوَ فِيْ قَلَقٍ وَّحَيْرَةٍ وَّ شَكٍّ..... فَهٰذَا مِنْ ضَنْكِ الْمَعِيْشَةِ (2)۔ بعض علماء نے اس سے مراد عذابِ قبر لیا ہے۔ (3)

۹۲ یہ سزا تو دنیا میں ملی اور جب روزِ محشر اٹھے گا تو اندھا ہو کر اٹھے گا۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا پھیلا ہوا محسوس ہوگا۔ دوسری آیت میں ہے۔ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا (بنی اسرائیل: ۹۷) یعنی ہم انہیں قیامت کے دن ان کے منہ کے بل اٹھائیں گے، اندھے، گونگے اور بہرے۔

۹۳ اپنے آپ کو اندھا پا کر کہے گا: الٰہی! میں تو دنیا میں بینا تھا، میری آنکھیں بڑی خوب صورت تھیں، میری بینائی بڑی تیز تھی۔ آج کیا ہو گیا مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا؟ آخر مجھے اتنی سخت سزا کیوں دی جا رہی ہے؟

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج6، ص171 | 2۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج3، ص168 | 3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج6، ص171

تَنْسٰى ﴿۱۲۶﴾ وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ؕ

کر دیا جائیگا ۹۴ اور یونہی ہم بدلہ دیتے ہیں ہر اس شخص کو جس نے حد سے تجاوز کیا اور ایمان نہ لایا اپنے رب کی آیتوں پر۔

وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ

اور (سن لو) آخرت کا عذاب بڑا سخت اور بہت دیرپا ہے۔ کیا یہ بات انہیں راہ راست نہ دکھا سکی ۹۵ کہ کتنی قومیں تھیں جنکو ہم نے

مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي

(بداعمالیوں کے باعث) ان سے پہلے برباد کر دیا چلتے پھرتے ہیں یہ لوگ جنکے (اجڑے ہوئے) مکانوں میں۔ اس میں ہماری قدرت کی نشانیاں ہیں دانش مندوں

النُّهٰى ﴿۱۲۸﴾ ع وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿۱۲۹﴾ ؕ

ع ۱۳ / ۱۶

کے لیے۔ اور اگر ان کے انجام کے متعلق آپکے رب کا فیصلہ پہلے نہ ہو چکا ہوتا اور ۹۶ انکے لیے ایک وقت مقرر نہ کر دیا گیا ہوتا تو ابھی ان پر

۹۴ جواب ملے گا تو درست کہتا ہے لیکن تجھے یاد ہے میری آیتیں تجھے پڑھ کر سنائی گئیں، ہدایت کی دعوت دی گئی، میرے بندوں نے تجھے سمجھانے کی بڑی کوشش کی لیکن تو نے میری آیات کو فراموش کر دیا اور انہیں پس پشت ڈال دیا۔ سو یہ اسی کی سزا ہے۔ یہاں آج تجھے فراموش کر دیا گیا ہے۔ نسی کا معنی بھلانا بھی ہے اور نظر انداز کر دینا بھی۔ یہاں دوسرا معنی زیادہ مناسب ہے۔ فَنَسِيْتَهَا۔ فَاَعْرَضْتَ عَنْهَا وَتَرَكْتَهَا۔ تُنْسٰى: تُتْرَكُ۔ (1)

۹۵ ذکر آدم کے بعد اب روئے سخن کفار مکہ کی طرف ہے۔ وہ تجارت پیشہ لوگ تھے اور آئے دن انہیں سفر درپیش رہا کرتے۔ کبھی شام کی طرف جا رہے ہیں اور کبھی یمن کے سفر کی تیاری ہو رہی ہے۔ اثنائے سفر ان کا گزر کئی اجڑی ہوئی بستیوں اور ویران کھنڈروں کے پاس سے ہوا کرتا تھا۔ ان سے پوچھا جا رہا ہے کہ ان اجاڑ بستیوں اور ویران کھنڈروں کے پاس سے گزرتے ہوئے تم نے یہ کبھی نہیں سوچا کہ یہاں بھی کبھی لوگ بستے تھے۔ یہ بستیاں بھی زندگی کی رنگینیوں سے آباد تھیں۔ آج یہاں کیوں خاک اڑ رہی ہے۔ یہاں بسنے والے لوگوں پر یہ کیا افتاد پڑی کہ اپنے خوبصورت مکانوں کو چھوڑ کر چلے گئے۔ اور کہاں چلے گئے؟ اگر تم نے کبھی زحمت فکر برداشت کی ہوتی تو تمہیں پتہ چل جاتا کہ انہوں نے خداوند تعالیٰ کی نافرمانی کی اور انہیں برباد کر دیا گیا۔ سوچو! اگر تم بھی باز نہ آئے تو کہیں تمہارا انجام بھی انہیں کی طرح ہولناک نہ ہو۔ (2)

۹۶ اس آیت میں تقدیم و تاخیر ہے۔ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى لَكَانَ لِزَامًا، (3) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر ہم نے ایک فیصلہ (کلمہ) نہ کر دیا ہوتا اور ان کے عذاب کے لیے وقت مقرر نہ ہوتا تو ابھی انہیں برباد کر دیا جاتا لیکن رحمت اور حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ انہیں فوراً ہلاک نہ کیا جائے۔ وہ فیصلہ (کلمہ) کیا تھا؟ اس کے متعلق علامہ پانی پتی فرماتے

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 173 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 260 3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 175

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ

عذاب نازل ہوجاتا۔ پس اے حبیب! صبر فرمایئے انکی (دل دکھانیوالی) باتوں پر ٩٧ اور پاکی بیان کیجیے اپنے رب کی حمد کے ساتھ سورج کے طلوع ہونے سے

وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ

پہلے اور اسکے غروب ہونے سے پہلے۔ اور رات کے لمحوں میں اس کی پاکی بیان کرو اور دن کے اطراف میں بھی۔ تاکہ آپ

تَرْضٰى ﴿١٣٠﴾ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ

خوش رہیں۔ اور آپ مشتاق نگاہوں سے نہ دیکھیے ٩٨ ان چیزوں کی طرف جن سے ہم نے لطف اندوز کیا ہے کافروں کے چند گروہوں کو

ہیں۔ وَهِيَ الْعِدَّةُ بِتَاخِيْرِ عَذَابِ كُفَّارِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَعَدَمِ اسْتِيْصَالِهِمْ فِي الدُّنْيَا لِكَوْنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ۔ (مظہری)(1)

یعنی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا تھا اس لیے یہ مناسب نہ ہوا کہ کافروں کو تہس نہس کر ڈالا جائے بلکہ قیامت تک انہیں مہلت دے دی۔

٩٧ اے حبیب! ان کی دلآزاریوں، بہتان طرازیوں اور بدخوئیوں پر صبر فرمایئے اور ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح میں مشغول رہیے۔ ہم آپ کو خوش وخرم فرما دیں گے۔ اسلام کو وہ عروج حاصل ہوگا کہ آپ کا دل باغ باغ ہو جائے گا۔ یہ بدکے ہوئے جانوروں کی طرح دور بھاگنے والے آپ کی روشن کی ہوئی شمعِ ہدایت پر پروانہ وار نثار ہوں گے۔ ان کی ساری خوشیاں اور آرزوئیں اس بات میں سمٹ کر رہ جائیں گی کہ تیرے اشارۂ ابرو پر جان دے دیں اور تیرے قدموں پر اپنے سر قربان کر دیں۔ اس آیت میں نمازوں کے اوقات کی طرف بھی اشارہ ہے۔ قبل طلوع سے مراد نمازِ صبح اور قبل غروب سے مراد نمازِ عصر، آناء اللیل سے مراد نمازِ عشاء اور تہجد اور اطراف النہار سے مراد ظہر اور مغرب ہے۔(2)

٩٨ داعیٔ حق کے لیے یہ چیز کبھی کبھی بڑی تشویش کا باعث ہوتی ہے کہ جو لوگ حق کو قبول نہیں کرتے اور فسق و فجور میں مگن رہتے ہیں اور اگر انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو وہ الٹا ناصح مشفق کی پگڑی اچھالتے ہیں اور اس کی توہین پر بغلیں بجاتے ہیں۔ پھر بھی ایسے لوگوں کی دولت وثروت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ ان کی ہیبت اور رعب کا دائرہ پھیلتا جاتا ہے۔ وہ انکارِ حق کے باوجود دندناتے پھرتے ہیں۔ کمزور انسان سوچنے لگتا ہے کہ اگر یہ گمراہ ہوتے تو قدرت ان سے اتنا تغافل نہ برتتی۔ ان کو اتنی لمبی مہلت نہ ملتی۔ کہیں یہی راہِ راست پر نہ ہوں۔ اس آیت میں اپنے محبوب کو خطاب فرما کر سب داعیانِ حق کو بتا دیا کہ دنیا کا یہ ساز و سامان جو کفار کو دیا گیا ہے اس کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے مت دیکھو۔ یہ دولت ان کے راہِ راست پر ہونے کا انعام نہیں بلکہ ان کی آزمائش کو سنگین اور ان کے امتحان کو دشوار بنانے کے لیے ہے۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 75-174
2۔ ایضاً، ج 6، ص 76-175

زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ۬ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ﴿۱۳۱﴾

یہ محض زیب و زینت ہیں دنیوی زندگی کی (اور انھیں اس لیے دی ہیں) تاکہ ہم آزمائیں انھیں ان سے۔ اور آپ کے رب کی عطا بہتر اور ہمیشہ رہنے

وَ اْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَ اصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ

والی ہے ۹۹ اور حکم دیجیے اپنے گھر والوں کو نماز کا ۱۰۰ اور خود بھی پابند رہیے اس پر نہیں سوال کرتے ہم آپ سے روزی کا (بلکہ) ہم ہی

ذرا آیت کی ترکیب پر غور فرمائیے اگر اَزْوَاجًا کو مَتَّعْنَا کا مفعول بنایا جائے تو مِنْهُمْ اس کی صفت ہوگی، معنی ہوگا ''اَزْوَاجًا اَیْ اَصْنَافًا مِّنَ الْكَفَرَةِ'' یعنی کافروں کے مختلف گروہ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اَزْوَاجًا حال ہو اور بِهٖ کی ضمیر ذوالحال۔ اس وقت مِنْهُمْ، مَتَّعْنَا کا مفعول بہ ہوگا اور مِنْ بعضیہ ہوگا۔ تقدیر کلام یوں ہوگی ''مَا مَتَّعْنَا بِهٖ بَعْضَهُمْ حَالَ كَوْنِ الْمُتَمَتَّعِ بِهٖ اَصْنَافًا مِّنَ الْمَالِ'' اور زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ فعل محذوف اَعْطَيْنَاهُمْ کا مفعول ہوگا اور اگر اسے مَتَّعْنَا کا مفعول بنایا جائے تو اس وقت یہ ماننا پڑے گا کہ مَتَّعْنَا، اَعْطَيْنَا کے معنی کو متضمن ہے۔ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا: زِيْنَتَهَا وَبَهْجَتَهَا یعنی دنیا کی آرائش و رونق۔(1)

۹۹ آپ اس دنیائے فانی کے ساز و سامان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھیں ہی کیوں؟ آپ کے پروردگار نے اے حبیب! جو پاکیزہ اور حلال روزی، جو نورِ ہدایت، جو سعادتِ نبوت اور جو مراتبِ عالیہ آپ کو عطا فرمائے ہیں ان کے سامنے اس مال و متاع کی قدر و قیمت ہی کیا ہے؟ یہ بہار آج نہیں تو کل خزاں کی نذر ہو جائے گی۔ یہ سیم و زر کے انبار ایک ہی معاشی بحران میں ختم ہو کر رہ جائیں گے۔ یہ بزم طرب موت کے ایک ہی جھٹکے سے درہم برہم ہو کر رہ جائے گی۔ لیکن تیرے باغ حسن کی بہار سے غنچہ ہائے دل ہمیشہ ہمیشہ کھلتے رہیں گے۔ تیرے کمالات کا چمن ہمیشہ ہمیشہ آراستہ رہے گا۔ تیرے فیض کا چشمہ تا ابد جاری رہے گا۔ جس محفل میں میرا ذکر ہوگا وہاں تیری منقبت کے قصیدے بھی ضرور پڑھے جائیں گے، تیری عظمت کا پرچم سر عرش لہراتا رہے گا۔ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى بار بار پڑھیے اور اس میں بار بار غور کیجیے۔

۱۰۰ نماز خزائن رحمت کی کلید ہے۔ اس کے گلشن رضوان کا دروازہ ہے۔ ہجوم مصائب کے وقت انسان کی سپر ہے۔ پہلی آیت میں اقامتِ صلوٰۃ کا حکم صرف اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیا گیا تھا۔ اب ارشاد ہے: اے محبوب! جتنے تیرے ہیں سب کو ہماری بارگاہ میں شرفِ باریابی حاصل کرنے کا اذنِ عام ہے۔ تیرے دامنِ رحمت میں جتنے پناہ لینے والے ہیں سب کو بتا دو کہ آپ کے رب کے فیض و عطا کے چشمے جاری ہیں کوئی پیاسا نہ رہے۔ کوئی سرابِ دنیا کے پیچھے مارا مارا نہ پھرے۔ اے تشنہ لبو! جہاں کہیں بھی ہو اور جس حال میں ہو دوڑ کر آؤ میرے رب کے بحرِ رحمت کی موجیں تمہاری منتظر ہیں۔ یہاں اہل سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سارے غلام، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری امت ہے۔ خاندانِ رسالت بطریق اولیٰ اس حکم میں شامل ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت خاتونِ جنت اور شیرِ خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو نمازِ صبح کے لیے خود بیدار کرتے تھے۔(2)

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج6، ص177 — 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز11، ص263

نَرْزُقُكَ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿۱۳۲﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ

روزی دیتے ہیں آپ کو۔ اور اچھا انجام پرہیزگاری کا ہی ہوتا ہے۔ اور کفار کہتے ہیں کہ (یہ نبی) کیوں نہیں لے آتا ہمارے پاس کوئی نشانی

افسوس! کہ آج ساداتِ کرام کی ایک کثیر تعداد کو اس حکم کی اہمیت کا احساس تک نہیں بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ گویا نماز ایک بیگار اور سزا تھی جو انہیں معاف کر دی گئی۔ کاش! ان فریب خوردہ شاہین بچوں کو جنہیں کرگسوں کی صحبت نے اپنے مقام سے بیگانہ کر دیا ہے، نماز کی حقیقت کا علم ہوتا تو وہ اس میدان میں سب سے آگے ہوتے جس طرح ان کے اسلافِ کرام اس میدان میں سب سے آگے اور سب کے راہ نما تھے۔

یہی حال عام مسلمانوں کا ہے۔ وہ صبح سے لے کر شام تک بازاروں میں کاروبار کریں گے، کھیتوں میں مشقت کریں گے، چودہ چودہ گھنٹے سر پر ٹوکری اٹھائیں گے اور کوئی تھکن محسوس نہ کریں گے لیکن اگر اسی اثناء میں نماز کا وقت آ جائے اور اللہ تعالیٰ کا منادی حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ کہہ کر پکارے تو فوراً اعضاء شکنی شروع ہو جائے گی۔ تھکاوٹ سے چور چور ہو جائیں گے۔ ہم نے اپنے خاکروبوں کو عین جاڑے کے موسم میں سحری کے وقت گلی کوچوں میں پابندی سے جھاڑو دیتے دیکھا ہے۔ نہ اس وقت انہیں نیند ستاتی ہے اور نہ سردی راستہ روک کر کھڑی ہوتی ہے لیکن یہ توفیق کہ قبولیت کی ان سہانی گھڑیوں میں وضو کر کے اپنے رب کی جناب میں سجدہ کر لیں۔ توبہ توبہ یہ ان سے نہیں ہو سکے گا۔ یہ زحمت وہ گوارا نہیں کر سکیں گے اِلَّا مَاشَاءَ اللہُ۔ اس کی بھی یہی اور صرف یہی وجہ ہے کہ ہم نماز کو ایک بوجھ، ایک بیگار سمجھتے ہیں۔ اور خیال کرتے ہیں کہ یہ ایک سزا ہے جو ہمیں مسلمان ہونے کے جرم میں دی گئی ہے۔ اگر ہم اس حقیقت کو ذہن نشین کر لیں کہ نماز سے رحمتوں کے دروازے کھلتے ہیں، ابرِ کرم آ کر برستا ہے، مصیبتوں کے سیلاب کے سامنے بند بندھ جاتا ہے تو یقیناً ہم ایسا نہ کریں جو ہم کرتے ہیں۔

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات (1)

۱۰۱ جب سے ہم نے اپنے آپ کو اپنا رازق سمجھ لیا ہے اور رزق رسانی کی ذمہ داری اپنے ذمہ لے لی ہے اُس وقت سے ہم اس چکر میں سرگرداں ہیں۔ دن رات میں ہمیں فرصت کا کوئی ایسا لمحہ نہیں ملتا جس میں اپنے خالق و مالک کو یاد کر لیں۔ اس غلط فہمی کا قرآن میں بار بار ازالہ کیا گیا ہے۔ اور یہاں بھی بتایا جا رہا ہے کہ تم رازق نہیں ہو۔ نہ اپنے نہ اپنے بال بچہ کے اور نہ کسی اور کے۔ رزق رسانی کا بوجھ اپنے اوپر لاد کر تم خواہ مخواہ ہلکان ہو رہے ہو۔ رازق تو میں ہوں جو تمہارا خالق ہوں۔ میرے قبضۂ قدرت میں ہی رزق کے سارے خزانے ہیں۔ میں تمہیں بھی روزی دیتا ہوں اور تمہارے اہل و عیال کو بھی پالتا ہوں۔ تم ان دھندوں میں پھنس کر اپنی عمرِ عزیز برباد نہ کرو۔ بلکہ اپنے انجام کی فکر کرو۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ کَانَتِ الدُّنْیَا ھَمَّہٗ فَرَّقَ اللہُ عَلَیْہِ اَمْرَہٗ وَجَعَلَ فَقْرَہٗ بَیْنَ عَیْنَیْہِ وَلَمْ یَاْتِہٖ مِنَ الدُّنْیَا اِلَّا مَا کُتِبَ لَہٗ وَمَنْ کَانَتِ الْاٰخِرَۃُ نِیَّتَہٗ جَمَعَ اللہُ لَہٗ اَمْرَہٗ وَجَعَلَ غِنَاہُ فِیْ قَلْبِہٖ وَاَتَتْہُ الدُّنْیَا وَھِیَ رَاغِمَۃٌ (ابن کثیر) (2) یعنی میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جس کے پیشِ نظر صرف دنیا ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کے حالات کو

1۔ کلیاتِ اقبال (اردو)، ضربِ کلیم، نظم نماز، ص 659　2۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 171۔ سنن ابن ماجہ، ابواب الزھد، باب الھم بالدنیا، ص 312

اَوَلَمۡ تَاۡتِهِمۡ بَيِّنَةُ مَا فِى الصُّحُفِ الۡاُوۡلٰى ﴿١٣٣﴾ وَلَوۡ اَنَّاۤ اَهۡلَكۡنٰهُمۡ

اپنے رب کے پاس سے ۱۰۲؎ (ان سے پوچھو) کیا نہیں آ گیا انکے پاس واضح بیان جو پہلی نازل شدہ کتابوں میں ہے ۱۰۳؎ اور اگر ہم انھیں ہلاک کر دیتے

بِعَذَابٍ مِّنۡ قَبۡلِهٖ لَقَالُوۡا رَبَّنَا لَوۡلَاۤ اَرۡسَلۡتَ اِلَيۡنَا رَسُوۡلًا فَنَتَّبِعَ

کسی عذاب سے اس سے پہلے تو کہتے اے ہمارے رب! کیوں نہ بھیجا تو نے ہماری طرف کوئی رسول تاکہ ہم پیروی کرتے

اٰيٰتِكَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّذِلَّ وَنَخۡزٰى ﴿١٣٤﴾ قُلۡ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوۡا

تیری آیتوں کی اس سے پہلے کہ ہم ذلیل اور رسوا ہوتے۔ (اے حبیب!) آپ انھیں فرمائیے ہر شخص (انجام کا) منتظر ہے

فَسَتَعۡلَمُوۡنَ مَنۡ اَصۡحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِىِّ وَمَنِ اهۡتَدٰى ﴿١٣٥﴾

ع ۸ ۱۷

سو تم بھی انتظار کرو۔ تم عنقریب جان لوگے کون ہیں سیدھی راہ (پر چلنے) والے اور کون ہدایت یافتہ ہیں ۱۰۴؎

ہے۔ اور احساسِ فقر ہمیشہ اس کی آنکھوں کے سامنے رہتا ہے اور اتنی کدو کاوش کے باوجود اسے دنیا میں سے اتنا کچھ ہی ملتا ہے جو اس کے مقدر میں پہلے لکھا جا چکا تھا۔ اور جو شخص آخرت کا طلب گار ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے حالات کو یکجا کر دیتا ہے اور اس کے دل کو غنی بنا دیتا ہے اور دنیا ذلیل ہو کر اس کے سامنے آتی ہے۔

اس سے کوئی صاحب یہ نہ سمجھ لیں کہ کسبِ معاش سے روکا جا رہا ہے۔ نہیں ایسا نہیں۔ کسبِ معاش کا تو اللہ اور اس کے رسول نے بار بار حکم دیا ہے اور رزقِ حلال کو فضلِ خداوندی کہا گیا ہے۔ وَابۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِ اللّٰهِ۔ جو چیز ممنوع ہے وہ یہ ہے کہ انسان دنیا کمانے میں ایسا کھو جائے کہ حلال و حرام کی تمیز نہ رہے اور نماز و زکوٰۃ کی توفیق سے بھی محروم ہو جائے۔

۱۰۲؎ صبح و شام انہیں آیاتِ خداوندی سنائی اور سمجھائی جا رہی ہیں۔ قدم قدم پر معجزے دکھائے جا رہے ہیں۔ ہدایت کی روشنی ہر سو پھیل رہی ہے۔ اس کے باوجود وہ کہتے ہیں کہ ہمیں تو آج تک کوئی ایسی نشانی نہ دکھائی گئی جس سے آپ کا سچا نبی ہونا ثابت ہوتا ورنہ ہم فوراً ایمان لاتے۔

۱۰۳؎ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ تمہاری ضد اور ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں۔ ساری پہلی کتابیں ایسے دلائل سے بھری پڑی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی توحید، اسلام کی صداقت اور حضور کریم کی نبوت ثابت ہوتی ہے۔ پھر اس قرآن کے نزول کے بعد کیا کسی ایسی نشانی کی ضرورت باقی ہے جس کے تم منتظر ہو؟

۱۰۴؎ ان کی ساری حجت بازیوں کا مختصر مگر دندان شکن جواب اس آیت میں دے دیا گیا ہے۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّنَا وَرَبِّ الۡمَلٰۤئِكَةِ وَالرُّوۡحِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى حَبِيۡبِهٖ نُوۡرِ قُلُوۡبِنَا وَقُرَّةِ عُيُوۡنِنَا وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ اَجۡمَعِيۡنَ۔

تعارف

سورۃ الانبیاء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: کیونکہ اس سورت میں بہت سے انبیاء کرام کا تذکرہ ہے۔ اس مناسبت سے اس سورت کا نام سورۃ الانبیاء رکھا گیا ہے۔

نزول: یہ سورت بتمامہا مکی ہے(1)۔ اس میں ۷ رکوع، ۱۱۲ آیتیں، ۱۱۸۶ کلمے اور ۴۸۹۰ حروف ہیں۔

مضامین: جہاں بھی کفر وشرک کی ظلمت چھا جاتی ہے وہاں زندگی کے متعلق انسان کا تصور ہی مسخ ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس کے غور و فکر کی قوتیں اپاہج ہو جاتی ہیں۔ وہ اپنی ان اپاہج قوتوں کے سہارے فقط وہاں تک ہی قدم بڑھا سکتا ہے جہاں تک اس کے حواسِ ظاہرہ کی رسائی اور مشاہدہ کی سرحد ہے۔ وہ کسی آنے والی زندگی کا تصور تک نہیں کر سکتا۔ اسے لاکھ سمجھایا جائے، اس کے سامنے دلائل کے انبار لگا دیئے جائیں وہ اس حقیقت کو باور کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ کیونکہ اخروی زندگی پر اس کا ایمان نہیں ہوتا، اس لیے اس کی ساری کوششیں اس زندگی سے زیادہ سے زیادہ لطف اندوز ہونے، دولت سمیٹنے اور عزت و اقتدار حاصل کرنے میں صرف ہو جاتی ہیں۔ صواب و ناصواب، جائز و ناجائز اور حلال و حرام کی تمیز بھی اٹھ جاتی ہے۔ خواہشاتِ نفسانی کی تسکین کے لیے وہ دوسروں کی عزت و ناموس کو پامال کرنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتا۔ اپنے خزانوں کو بھرنے کی خاطر وہ بڑے اطمینانِ قلب سے لوٹ کھسوٹ میں سرگرم ہو جاتا ہے۔ اگر مسندِ اقتدار پر قبضہ کرنے کے لیے انسانی جانوں کی، اخلاقی قدروں کی، ارشاداتِ خداوندی کی قربانی دینا پڑے تو وہ اس سے بھی باز نہیں آتا۔

یہی حالت عہدِ نبوت کے کفار و مشرکین کی تھی اور آج بھی جہاں اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان نہیں رہا وہاں یہی حال ہے۔ خواہ وہاں کے لوگ اپنی سائنسی اور صنعتی ترقی سے قدم قدم پر نئے کرشمے دکھا رہے ہوں۔

اِس لیے اس سورۂ پاک کے آغاز میں پوری قوت سے ان کے اس فکری افلاس اور ذہنی بے راہ روی کا ازالہ کرنے کی کوشش فرمائی جا رہی ہے۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ تم سے پہلے جن قوموں نے یہ روش اختیار کی تھی ان کے دردناک انجام کی داستان تم ان کھنڈرات کے شکستہ در و دیوار سے پوچھ سکتے ہو جو تمہاری تجارتی شاہراہوں کے اردگرد کھڑے ہیں۔ وہ تمہیں بتائیں گے کہ یہاں بسنے والے بھی تمہاری طرح قیامت پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ اس لیے وہ دنیا کی لذتوں میں مگن ہو گئے۔ انہیں سمجھانے والوں نے بہتیرا سمجھایا لیکن وہ نہ سمجھے۔ آخر کار غضبِ الٰہی کی آگ بھڑکی اور اس نے انہیں چاروں طرف سے جب اپنی لپیٹ میں لے لیا تو وہ بہت کودے، بہت بھاگے، بہت چیخے، بہت چلائے لیکن وہ اپنے انجامِ بد سے بچ نہ سکے۔ اے کفار! تم ان کے

1۔ روح المعانی، جز 17، ص 2، دار احیاء التراث العربی

حالات سے عبرت پکڑو۔ ایسا نہ ہو کہ مہلت کی گھڑیاں گزر جانے کے بعد تم بھی اسی ہولناک انجام سے دوچار کر دیے جاؤ۔

۲۔ اس کے بعد توحیدِ باری کے ثبوت کے لیے تکوینی دلائل کے ساتھ ساتھ عقلی دلیلیں بھی پیش کر دیں تاکہ انہیں راہِ راست پر لانے کی کوشش ادھوری اور نا تمام نہ رہے۔

۳۔ فرشتوں کے متعلق ان کے غلط عقیدہ کا بطلان کر دیا کہ وہ خدا کی اولاد نہیں بلکہ اس کے معزز بندے ہیں جو ہمہ وقت اس کی یاد، اس کی بندگی اور اس کی تسبیح وتقدیس میں مشغول رہتے ہیں۔ نہ تھکتے ہیں نہ اکتاتے ہیں۔

۴۔ اسی ضمن میں توحید، نبوت اور آخرت کے بارے میں مشرکین کے شکوک وشبہات کو بیان کیا اور بڑے حکیمانہ انداز میں ان کی تردید بھی کر دی۔

۵۔ اس کے بعد چند جلیل القدر انبیاء اور اولوالعزم رسولوں کی سیرتیں بیان فرمائیں تاکہ راہ نوردِ منزلِ تسلیم ورضا اگر کسی مشکل سے دوچار ہو تو حوصلہ ہار نہ دے، شکستہ پا ہو کر بیٹھ نہ جائے بلکہ ان پاکیزہ ہستیوں کی سیرت کے مطالعہ سے تقویت حاصل کرتا ہوا آگے بڑھتا جائے۔

۶۔ سورت کے آخری رکوع میں ایک بار پھر اس حقیقت کو بیان فرمایا کہ جو شخص نیکی اور راستی کی راہ پر صدق واخلاص سے گامزن ہو گا وہ بامراد اور کامیاب ہو گا۔ اس کی کوئی کوشش رائیگاں نہیں جائے گی۔ یہ لوگ روزِ محشر کی ہولناکیوں سے بھی خوفزدہ نہیں ہوں گے۔ اس روز فرشتے مرحبا! خوش آمدید! کہتے ہوئے ان کا استقبال کریں گے۔ اور جو بدبخت اپنی غلط کاریوں پر بضدر ہے اور سمجھانے کے باوجود نہ سمجھے تو انہیں ان کے معبودوں سمیت دوزخ کا ایندھن بنا دیا جائے گا۔

اختتامِ سورت سے پہلے قرآن کی شان اور صاحبِ قرآن کی عظمت کا ذکر فرمایا۔ ارشاد ہے: اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ (1)۔ یعنی یہ وہ کتاب ہے جس میں دین ودنیا میں فلاح وکامرانی حاصل کرنے کے قاعدے مذکور ہیں جس کے ماننے والے کو کسی اور نظامِ حیات کی دریوزہ گری کی ذلت نہیں اٹھانی پڑتی۔ یہ کتاب ہی تمام ضروریات کے لیے کافی ہے اور صاحبِ قرآن کے متعلق فرمادیا: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ (2) کہ ہم نے آپ کو سب جہانوں کے لیے سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ خوش نصیب ہے وہ قوم جس کی یہ شان ہے اور جس کے نبی کا یہ مقام ہے۔

1۔ سورۂ انبیاء: 106　2۔ سورۂ انبیاء: 107

سُوْرَةُ الْاَنْبِيَاءِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّاثْنَتَا عَشْرَةَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الانبیاء مکی — ۱۱۲ آیتیں — ۷ رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ①

قریب آ گیا ہے لے لوگوں کے لیے ان کے (اعمال کے) حساب کا وقت اور وہ غفلت میں منہ پھیرے ہوئے ہیں۔

لے انسان کی فطرت سعید ہے اس لیے طبعاً وہ نیکی کو پسند کرتا ہے اور حق کو قبول کر کے اس کو اطمینان اور خوشی ہوتی ہے۔ لیکن اگر غلط تربیت، بگڑے ہوئے ماحول یا حالات کے تقاضوں کے پیش نظر وہ راہِ راست سے بھٹک جاتا ہے تو اس کی سعید فطرت بغاوت پر آمادہ ہوتی ہے۔ اس کا ضمیر اسے سرزنش کرتا ہے اور یہ سرزنش بڑی تلخ اور تیز ہوتی ہے۔ پھر یا تو انسان اپنی اصلاح کر لیتا ہے اور اگر ایسا نہیں کر سکتا تو پھر دل سے اٹھنے والی پیہم صدائے احتجاج کو خاموش کرنے کے درپے ہو جاتا ہے اور اس کی طرف سے غفلت برتنے لگتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ آواز خاموش ہو جاتی ہے یا اس آواز کو سننے والے کان بہرے ہو جاتے ہیں۔ اس طرح وہ گناہ میں لذت محسوس کرنے لگتا ہے۔ وہ دوسروں کو اپنے ظلم کی تلوار سے تڑپتے دیکھ کر لطف اندوز ہوتا ہے اور غفلت ونسیان کا پردہ اتنا دبیز ہوتا ہے کہ اس کی آنکھیں انجام کی ہولناکیوں کو بھی نہیں دیکھ سکتیں۔ اس کی غفلت اس کے لیے بڑا سہارا ثابت ہوتی ہے۔ اور وہ بڑے اطمینان سے ہر گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ کیا وہ غفلت اور خود فراموشی اسے ہولناک انجام سے بچا سکتی ہے؟ جب مہلت کی گھڑیاں ختم ہو جائیں گی تو کیا اسے کوئی ایسا گوشہ مل سکے گا، جہاں وہ چھپ جائے اور اس کی کسی کو خبر نہ ہو؟ اس لیے خیر خواہی کا تقاضا یہ نہیں کہ آپ غفلت کی چادر تان کر سو رہے ہوں، خطرات کا گھیرا تنگ ہو رہا ہو اور اس خیال سے آپ کو جھنجھوڑا نہ جائے کہ آپ کی آنکھ کھلے گی اور اپنے ماحول کی سنگینی کا مشاہدہ کر کے آپ پریشان ہوں گے، بلکہ خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کو جگایا جائے، آپ کو جھنجھوڑا جائے اور اگر پھر بھی آپ آنکھ نہ کھولیں تو غفلت کی چادر نوچ کر پھینک دی جائے تاکہ بروقت ہوشیار ہو کر آپ اپنا بچاؤ کر سکیں۔

اس آیت میں کفار کی بعینہٖ یہی حالت بیان کی گئی کہ وہ غفلت کی آغوش میں سر رکھ کر سو گئے ہیں تاکہ انہیں ضمیر کی سرزنش بے چین نہ کر دے تاکہ وہ اپنے اعمال کے بھیانک انجام سے باخبر ہو کر مضطرب نہ ہوں۔ لیکن اس سے کیا حاصل؟ حساب کی گھڑی تو رفتہ رفتہ نزدیک سے نزدیک تر آ رہی ہے۔ مکافاتِ عمل کا قانون حرکت میں آنے والا ہے۔ اے محبوب! ان کو جگاؤ۔ ان خود فراموشوں کو ہوش میں لاؤ۔ ان کی آنکھوں سے غفلت کی پٹی اتار دو کہ یہ اپنی نجات کا بروقت اہتمام کر سکیں۔ اَلْغَفْلَةُ

مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَ

نہیں آتی انکے پاس کوئی تازہ نصیحت ان کے رب کی طرف سے ۲ مگر یہ کہ وہ سنتے ہیں اسے اس حال میں کہ (لہو)

هُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝۲ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ

لعب میں (مگن) ہوتے ہیں۔ غافل ہوتے ہیں ان کے دل ۳ اور (آپ کے خلاف) سرگوشیاں کرتے ہیں ظالم ۴

ظَلَمُوْا ۖ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ

(وہ کہتے ہیں) کیا ہے یہ مگر ایک بشر تمہاری مانند۔ تو کیا تم پیروی کرنے لگے ہو جادو کی حالانکہ تم دیکھ رہے ہو

سَهْوٌ يَّعْتَرِي الْاِنْسَانَ مِنْ قِلَّةِ التَّحَفُّظِ وَالتَّيَقُّظِ۔ (المفردات)(1)

کیونکہ جو وقت گزر چکا ہے اس کی نسبت سے بقیہ وقت کم ہے۔ اس لیے فرمایا کہ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ۔ نیز جس چیز کا ہونا یقینی ہو خواہ وہ دور ہو عقلمند اسے نزدیک ہی سمجھتے ہیں۔ عرب کہتے ہیں۔ ''كُلُّ مَا هُوَ آتٍ قَرِيْبٌ''(2)۔ ہر وہ چیز جس کا آنا یقینی ہو وہ قریب ہے۔

۲ مُحْدَثٍ، ذِكْرٍ کی صفت ہے یعنی جب بھی کوئی نئی سورت یا آیت ان کی ہدایت کے لیے اترتی ہے تو اسے توجہ سے سننے کے لیے بھی آمادہ نہیں ہوتے۔ اس پر سنجیدگی سے غور ہی نہیں کرتے۔ لہو و لعب میں مگن رہتے ہیں۔ اور اگر انہیں خصوصیت سے سنانے کا اہتمام بھی کیا جائے تو وہ سننے کے ساتھ کھیل تماشے کا شغل بھی جاری رکھتے ہیں۔ هُمْ يَلْعَبُوْنَ کا معنی يَسْتَهْزِءُوْنَ (یعنی وہ مذاق کرتے ہیں) کیا گیا ہے۔ اور یہ بڑا مناسب ہے۔ (مظہری)(3)

۳ ان کلمات کی صحیح اہمیت کا پتہ تب چلتا ہے جب لہو کا لغوی مفہوم پیشِ نظر ہو۔ کسی اہم اور ضروری چیز سے توجہ ہٹا کر کسی غیر اہم اور غیر ضروری چیز میں مشغول ہو جانا۔ اَللَّهْوُ مَا يُشْغِلُ الْاِنْسَانَ عَمَّا يَعْنِيْهِ وَيُهِمُّهٗ وَقَوْلُهٗ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ اَيْ سَاهِيَةً مُّشْتَغِلَةً بِمَا لَا يَعْنِيْهَا(4)۔ یعنی یومِ جزا تو انہیں یاد ہی نہیں۔ اس کے متعلق فکر کرنے کا تو ان کے پاس وقت ہی نہیں۔ اسے بھلا کر ان کے دل دنیا کی زیب و زینت میں کھو کر رہ گئے۔

۴ ہدایت کا آفتاب طلوع ہو چکا ہے۔ اس کی روشنی آہستہ آہستہ پھیلتی جا رہی ہے۔ وہ بڑی کوشش کرتے ہیں کہ اپنے آپ کو اس فریب میں مبتلا رکھیں کہ ابھی سویرا نہیں ہوا، ابھی اندھیری رات ہے۔ لیکن کہاں تک؟ آئے دن کوئی نہ کوئی سعادت مند روح دعوتِ حق کو سن کر لبیک کہہ دیتی ہے۔ اسلام کے خلاف ان کے متحدہ محاذ میں جگہ جگہ خطرناک قسم کے رخنے اور شگاف نمودار ہو رہے ہیں۔ اس خطرہ کا تدارک کرنے کے لیے وہ ایک دوسرے سے خفیہ مشورے کرنے لگے ہیں۔ لوگوں کو اسلام سے

1۔ مفردات راغب، ص 609
2۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 426
3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 183 (مفہوم)
4۔ مفردات راغب، ص 49-748

تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۳﴾ قٰلَ رَبِّیۡ یَعۡلَمُ الۡقَوۡلَ فِی السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ ۫

(کہ یہ تمہاری طرح بشر ہے) (نبی کریم نے) فرمایا میرا رب جانتا ہے جو بات کہی جاتی ہے آسمان اور زمین میں ۵

وَ هُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۴﴾ بَلۡ قَالُوۡۤا اَضۡغَاثُ اَحۡلَامٍۭ بَلِ

اور وہی ہر بات سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے وہ کہتے ہیں ۶ بلکہ یہ پریشان خواب ہیں (نہیں) بلکہ

بدظن کرنے کے لیے حیلے تراشے جاتے ہیں اور اعتراض گھڑے جاتے ہیں۔ ان کے نزدیک سنگین قسم کا اعتراض یہ ہے کہ یہ دین سچا دین نہیں کیونکہ اس کا داعی بالکل ہماری طرح بشر ہے۔ کھاتا ہے، پیتا ہے، سوتا ہے، جاگتا ہے۔ معاً ذہن میں یہ خدشہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی نے پوچھ لیا کہ یہ نبی نہیں تو اس سے معجزات کیوں صادر ہوتے ہیں؟ اور اس کا کلام جسے وہ خدا کا کلام کہتا ہے اسے سن کر روح پر جذب وکیف کا عالم کیوں طاری ہو جاتا ہے اور اس کے جلال سے دل کیوں کانپ اٹھتے ہیں؟ اس خلش کا ازالہ وہ یہ کہہ کر کرتے ہیں کہ یہ جادو ہے، کھلا جادو۔ یہ سب معجزے جادو کا کرشمہ ہیں اور اس کلام کی تاثیر بھی سحر کی مرہونِ منت ہے۔ اس لیے ہمیں جان بوجھ کر اس جادو کا اتباع نہیں کرنا چاہیے۔ اَفَتَاۡتُوۡنَ السِّحۡرَ اَیْ تَتَّبِعُوۡنَهٗ۔ (1)

یہاں ذرا ایک نحوی پیچیدگی ہے۔ اس پر بھی غور فرمالیجیے۔ وَ اَسَرُّوا النَّجۡوَی ٭ۖ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا کے فقرہ میں اَسَرُّوا فعل ہے نَجۡوٰی مفعول اور الَّذِیۡنَ فاعل۔ اور نحو کا قاعدہ یہ ہے کہ فاعل اگر اسم ظاہر ہو تو فعل واحد ہوتا ہے۔ اس قاعدے کے مطابق اَسَرَّ النَّجۡوٰی ہونا چاہیے تھا۔ فاعل ظاہر ہونے کے باوجود اَسَرُّوا جمع کا صیغہ کیوں استعمال کیا گیا؟ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اَسَرُّوا میں واؤ ضمیر جمع نہیں بلکہ علامتِ جمع ہے تاکہ اَسَرُّوا کا لفظ سنتے ہی سننے والے کو پتہ چل جائے کہ اس کا ایک فاعل نہیں بلکہ متعدد ہیں۔ دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ واؤ "ضمیرِ جمع" فاعل ہے اور الَّذِیۡنَ فاعل نہیں بلکہ واؤ کا بدل ہے اور واؤ مبدل منہ ہے (2) جیسے ثُمَّ عَمُوۡا وَ صَمُّوۡا کَثِیۡرٌ مِّنۡهُمۡ میں گزر چکا ہے۔ (3)

۵ تم یہ کس سے چھپ چھپ کر سرگوشیاں کر رہے ہو میرے رب سے؟ میرے رب سے تو تمہاری کوئی بات راز نہیں۔ وہ تمہاری زبان پر آنے والی باتوں کو بھی سنتا ہے اور تمہارے دلوں کے وسوسوں کو بھی جانتا ہے۔ (4)

۶ قرآن کے دلائلِ قاہرہ نے کفر وشرک پر ان کے یقین کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ قرآن کی تاثیر اور آفتابِ اسلام کی تابانی ناقابلِ انکار حقیقت بن کر سامنے آگئی ہے۔ اس کا انکار کریں تو کیسے؟ اس کی تاویل کریں تو کیا؟ اس لیے ایک متذبذب آدمی کی طرح ہر لحظہ اپنا موقف تبدیل کرنے پر مجبور ہیں۔ کبھی کہتے ہیں یہ جادو ہے۔ کبھی کہتے ہیں یہ پریشان خوابیں ہیں۔ کبھی کہتے ہیں یہ خدا کا کلام ہرگز نہیں خود گھڑا ہے اور خدا کی طرف منسوب کر دیا ہے تاکہ لوگ مرعوب ہو کر ماننے لگیں۔ کیونکہ ان تاویلوں کی لغویت ان پر عیاں ہے اس لیے کہیں بھی قدم نہیں ٹکتے۔ آخری تان یہاں آکر ٹوٹتی ہے کہ شاعر ہے شاعر! اَیْ هُمۡ مُّتَحَیِّرُوۡنَ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 84-183

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 69-268

3۔ دیکھئے ضیاء القرآن، ج 1، ص 495

4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 184

افۡتَرٰىهُ بَلۡ هُوَ شَاعِرٌ ۚۖ فَلۡيَاۡتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَاۤ اُرۡسِلَ الۡاَوَّلُوۡنَ ۝۵

اس نے خود گھڑ لیا ہے اسے نہیں بلکہ وہ شاعر ہے (اگر وہ سچا نبی ہے) تو لے آئے ہمارے پاس کوئی نشانی جس طرح بھیجے گئے تھے پہلے انبیاء سے

مَاۤ اٰمَنَتۡ قَبۡلَهُمۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ اَهۡلَكۡنٰهَا ۚ اَفَهُمۡ

نہیں ایمان لائی ان سے پہلے کوئی بستی ۸ جسے ہم نے تباہ کیا تھا تو کیا اب یہ لوگ

يُؤۡمِنُوۡنَ ۝۶ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ

ایمان لے آئیں گے۔ اور نہیں رسول بنا کر بھیجا ہم نے (اے حبیب!) آپ سے پہلے مگر مردوں کو ۹ ہم نے وحی بھیجی ان کی

فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝۷ وَمَا جَعَلۡنٰهُمۡ

طرف پس (اے منکرو!) پوچھو اہلِ علم سے اگر تم (خود حقیقتِ حال کو) نہیں جانتے اور نہیں بناتے ہم نے ان انبیاء کے

جَسَدًا لَّا يَاۡكُلُوۡنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوۡا خٰلِدِيۡنَ ۝۸ ثُمَّ

(ایسے) جسم کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ ہی وہ (اس دنیا میں) ہمیشہ رہنے والے تھے۔ پھر ہم نے

لَا یَسۡتَقِرُّوۡنَ عَلٰی شَیۡءٍ۔ قَالُوۡا مَرَّۃً سِحۡرٌ وَّ مَرَّۃً اَضۡغَاثُ اَحۡلَامٍ وَّ مَرَّۃً افۡتَرَاءٌ وَّ مَرَّۃً شَاعِرٌ۔ (قرطبی)(1)

۷ اگر یہ نبی ہوتا تو پہلے انبیاء کی طرح کوئی اپنا معجزہ دکھاتا۔ نہ ہاتھ میں عصا ہے اور نہ آستین میں ید بیضا اور آئے ہیں ہمیں اپنی نبوت کا قائل کرنے۔ بے چارے اپنے مضطرب دلوں کو کس کس طرح طفل تسلیاں دے رہے ہیں۔

۸ اس میں ان کے آخری اعتراض کا جواب ہے۔ یعنی پہلے انبیاء پر بھی ان کے معجزات کا مشاہدہ کرنے کے باوجود ان کی قومیں ایمان نہ لائیں۔ اسی طرح یہ بھی دلائل و بینات کے اجالے میں قبولِ حق سے انکار کر رہے ہیں۔

۹ کفار کے اس شبہ کا ازالہ کیا جا رہا ہے کہ آپ بشر ہیں۔ اس لیے نبی کیسے ہو سکتے ہیں۔ فرمایا: ہماری سنت ہی یہی ہے۔ آج تک بنی نوع انسان کی طرف جتنے انبیاء بھیجے گئے وہ انہی کے ہم جنس تھے۔ کیونکہ افہام و تفہیم کا مقصد اسی طرح پورا ہو سکتا ہے۔ اگر نبی فرشتہ ہوتا تو اس کے آنے کی دو صورتیں تھیں۔ اگر وہ اپنی ملکوتی شکل میں آتا تو تم اس کی ہیبت سے دم توڑ دیتے اور اگر انسانی صورت میں آتا تو پھر تم وہی اعتراض کرتے کہ یہ ہماری طرح بشر ہے۔ تمہیں کون سمجھاتا کہ یہ بشر نہیں فرشتہ ہے؟ اس لیے سنتِ الٰہی یہی ہے کہ انسانوں کی ہدایت کے لیے کسی انسان کو ہی نبی بنا کر مبعوث فرمایا جاتا ہے۔ اگر تمہیں اس میں شک ہے تو اہلِ ذکر سے پوچھ لو۔ اہلِ ذکر سے مراد یا تو کتبِ سابقہ کے علماء ہیں اور یا اس سے مراد اہل اللہ اور عارفین ہیں۔ حضرت سیدنا

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز11، ص270

صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَ مَنْ نَّشَآءُ وَ اَهْلَكْنَا

سچا کر دکھایا انھیں (جو) وعدہ (ہم نے ان سے کیا تھا) ۱؎ پس ہم نے نجات دی انھیں اور ان لوگوں کو جن کو ہم نے

الْمُسْرِفِيْنَ ۝۹ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ

(بچانا) چاہا اور ہم نے ہلاک کر دیا حد سے بڑھنے والوں کو بیشک ہم نے اتاری تمھاری طرف ایک کتاب جس میں تمھارے لیے نصیحت ہے ۱۱؎

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۱۰ۧ وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً

کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے اور کتنی بستیاں ہم نے برباد کر دیں (کیونکہ) وہ ظالم تھیں ۱۲؎

ع ۱

علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا نَحْنُ اَهْلُ الذِّكْرِ۔ (قرطبی)(1)

یعنی ہم اہلِ ذکر ہیں ہم سے پوچھو۔ ہم تمہیں حقائق سے باخبر کریں گے۔

۱۰؎ پہلے انبیاء کے ساتھ ان کی قوموں نے وہی معاملہ کیا جو تم نبی الانبیاء سے کر رہے ہو۔ انہوں نے بھی اپنے انبیاء کو دکھ پہنچانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اور ہم نے اپنے نبیوں کے ساتھ نصرت واعانت کا جو وعدہ فرمایا تھا وہ پورا کیا۔ ان کے دشمن ہلاک ہو گئے اور آخری کامیابی انہی کے حصہ میں آئی۔ (2)

۱۱؎ ذکر کا معنی یہاں عزوشرف بھی کیا گیا ہے۔ وَالْمُرَادُ بِالذِّكْرِ هٰهُنَا الشَّرَفُ (3)۔ اور واقعی اس سے بڑھ کرامتِ محمدیہ کی عزت افزائی کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے صاحب قرآن بنایا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔

۱۲؎ بدکار اور سرکش قوموں پر جب عذاب آتا ہے تو ان کی کیا حالت ہوتی ہے؟ حسرت وندامت سے وہ کس طرح ہونٹ کاٹتے ہیں اور اپنی غفلتوں پر کس طرح پچھتاتے ہیں؟ مزید برآں بعداز وقتِ ندامت کا جو انجام ہوتا ہے ان آیات میں ان کا بڑے مؤثر پیرائے میں ذکر فرما دیا۔

مشکل الفاظ: اَلْقَصْمُ: اَلْكَسْرُ۔ توڑ پھوڑ دینا، ریزہ ریزہ کر دینا۔ يَرْكُضُوْنَ: الرَّكْضُ الْعَدْوُ بِشِدَّةِ الْوَطْأِ۔ تیزی سے دوڑنا۔ یہاں مقصد ہے بھاگ کھڑے ہونا۔ حَصِيْدًا: حَصَدَ کہتے ہیں درانتی سے فصل کاٹنا۔ خٰمِدِيْنَ خُمُوْدٌ سے ہے (4)۔ آگ کا بجھ جانا۔ مراد ہے مر جانا۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 272
2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 186
3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 273
4۔ ایضاً، جز 11، ص 75-274

وَ اَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ ﴿۱۱﴾ فَلَمَّاۤ اَحَسُّوْا بَاْسَنَاۤ اِذَا هُمْ

اور ہم نے پیدا فرما دی ان (کی بربادی) کے بعد ایک دوسری قوم پس جب انھوں نے محسوس کیا ہمارا عذاب تو فوراً انھوں

مِّنْهَا یَرْكُضُوْنَ ﴿۱۲﴾ لَا تَرْكُضُوْا وَ ارْجِعُوْۤا اِلٰى مَاۤ اُتْرِفْتُمْ فِیْهِ

نے وہاں سے بھاگنا شروع کر دیا۔ اب مت بھاگو! اور واپس لوٹو ان آسائشوں کی طرف جو تمھیں دی گئی تھیں

وَ مَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا یٰوَیْلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِیْنَ ﴿۱۴﴾

اور لوٹو اپنے مکانوں کی طرف تاکہ تم سے باز پرس کی جائے۔ کہنے لگے وائے شومئ قسمت! ہم ہی ظالم تھے۔

فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِیْدًا خٰمِدِیْنَ ﴿۱۵﴾

پس وہ یونہی شور و پکار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ہم نے انھیں کٹے ہوئے کھیت (اور) بجھے ہوئے (انگاروں) کی

وَ مَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ ﴿۱۶﴾ لَوْ اَرَدْنَاۤ

طرح کر دیا۔ اور نہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے دل لگی کرتے ہوئے ۱۳؎ اگر ہمیں یہی منظور

۱۳؎ دوسری جاہل قوموں کی طرح اہلِ عرب کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو چکی تھی کہ زندگی یہی کچھ ہے جو وہ گزار رہے ہیں۔ اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا۔ اس میں جس نے زیادہ داد عیش دے لی اور زیادہ سے زیادہ ناموری حاصل کر لی وہی کامیاب ہے۔ اس زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں کہ ہمیں اپنی نیکیوں کی جزا اور اپنی برائیوں کی سزا ملنے والی ہو۔ یہ نظریہ کیونکہ بداہتِ عقل کے خلاف ہے اور شرفِ انسانیت کے منافی ہے اور حکمت اور عدلِ الٰہی کے شایانِ شان نہیں اس لیے قرآنِ حکیم نے متعدد بار اور یہاں بھی اس کی پرزور تردید فرما دی اور بتایا کہ اگر تمہارا یہ نظریہ درست ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ سارا نظامِ عالم ایک کھیل تماشا ہے (جیسے ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ یہ کائنات محض ایشور کی لیلا ہے) اور اس کے خالق نے معاذ اللہ نادان بچوں کی طرح تفریحِ طبع اور دل بہلانے کے لیے اسے پیدا کیا ہے۔ تم اپنے گرد و پیش اس کی حکمت و دانائی کے جوان گنت شاہکار دیکھ رہے ہو کیا وہ اس نظریہ کو جھٹلانے کے لیے کافی نہیں؟ اس کائنات کی تخلیق کا مقصدِ عظیم یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قدرتِ کاملہ پر استدلال کیا جائے اور تاکہ نیکوکار اور بدکار کو اس کے اعمال کا معاوضہ ملے۔ اِنَّمَا خَلَقْنَا هُمَا لِنُجَازِیَ الْمُحْسِنَ وَالْمُسِیْءَ وَلِیُسْتَدَلَّ بِهِمَا عَلَی الْوَحْدَانِیَّةِ وَالْقُدْرَةِ۔ (بحر)(1)

1۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 302

اَنۡ نَّتَّخِذَ لَهۡوًا لَّاتَّخَذۡنٰهُ مِنۡ لَّدُنَّاۤ ٭ۖ اِنۡ كُنَّا فٰعِلِيۡنَ ﴿۱۷﴾ بَلۡ

ہوتا کہ ہم (اس کائنات کو) کھیل تماشا بنائیں تو ہم بنا لیتے اسے خود بخود (ہمیں کون روک سکتا تھا) ۱۴؎ مگر ہم ایسا کرنے والے نہیں ہیں بلکہ ہم تو

نَقۡذِفُ بِالۡحَـقِّ عَلَى الۡبَاطِلِ فَيَدۡمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ‌ ؕ وَ

چوٹ لگاتے ہیں حق سے باطل پر ۱۵؎ پس وہ اسے کچل دیتا ہے اور وہ یکایک ناپید ہو جاتا ہے اور

لَـكُمُ الۡوَيۡلُ مِمَّا تَصِفُوۡنَ‏ ﴿۱۸﴾ وَلَهٗ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ ؕ

(اے باطل پرستو!) تمھارے لیے ہلاکت ہے ان (نازیبا) باتوں کے باعث جو تم بیان کرتے ہو اور اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے

وَمَنۡ عِنۡدَهٗ لَا يَسۡتَكۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسۡتَحۡسِرُوۡنَ‌ ۚ‏ ﴿۱۹﴾

اور جو (فرشتے) ۱۶؎ اسکے نزدیک ہیں وہ ذرا سرکشی نہیں کرتے اسکی عبادت سے اور نہ ہی وہ تھکتے ہیں۔

يُسَبِّحُوۡنَ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفۡتُرُوۡنَ‏ ﴿۲۰﴾ اَمِ اتَّخَذُوۡۤا اٰلِهَةً

وہ (اس کی) پاکی بیان کرتے رہتے ہیں رات دن اور وہ اکتاتے نہیں کیا بنا لیے ہیں انھوں نے خدا (اہل)

۱۴؎ اگر ہماری یہی مرضی ہوتی کہ دنیا اور اس میں بسنے والے انسانوں کو تفریح طبع کا ذریعہ بنائیں تو ہمیں کون روک سکتا تھا؟ لیکن یہ بات ہمارے مقامِ الوہیت اور شانِ حکمت کے خلاف تھی۔ بعض علمائے تفسیر نے لھو کا معنی فرزند و زن بھی کیا ہے۔ اس صورت میں یہود و نصاریٰ کی تردید ہوگی۔ لیکن پہلی آیت سے مناسبت وہی معنی رکھتا ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا ہے (روح المعانی) (1)

۱۵؎ قذف کا معنی دور سے پھینکنا۔ اَلرَّمْیُ الْبَعِیْدُ (2) یَدْمَغُ۔ ایسی ضرب جس سے دماغ پھٹ جائے (3)۔ یعنی ہمارے پیشِ نظر تخلیق کائنات سے صرف ایک چیز ہے۔ وہ یہ کہ حق کا بول بالا ہو اور باطل نامراد و ناکام ہو۔ اس لیے ہم باطل کی طاغوتی قوتوں پر حق کا گرز مارتے ہیں جو اس کا سر کچل کر رکھ دیتا ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے تم اچھی طرح باخبر ہو۔ ورنہ تم اب اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کرلو۔

۱۶؎ کوئی اس کا بیٹا نہیں۔ کوئی اس کا شریک و ہمسر نہیں۔ سب اس کی مخلوق ہیں اور اس کے بندے ہیں۔ جتنا کوئی اس کے قریب ہے اتنا ہی وہ اس کی عظمت و کبریائی سے لرزہ براندام ہے اور اظہارِ عجز میں سرگرداں ہے اور ہر وقت اس کی عبادت اور ذکر میں لگا رہتا ہے۔ مَنْ عِنْدَهٗ سے اکثر مفسرین نے فرشتے مراد لیے ہیں (4)۔ لیکن حضرت ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں۔ هُمُ الْمَلٰئِكَةُ وَالْاَنْبِيَاءُ وَمَنْ فِیْ مَعْنَاهُمْ یعنی فرشتے، انبیاء اور جو ان کے پیروکار ہیں اور عبادت سے مراد یہ ہے کہ ان مقربین سے

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 19
2۔ مفردات راغب، ص 661
3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 11، ص 277
4۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 21

مِنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿٢١﴾ لَوْ كَانَ فِيْهِمَاۤ اٰلِهَةٌ

زمین سے جو مردوں کو زندہ کر سکتے ہیں۔ اگر ہوتے زمین و آسمان میں کوئی اور خدا سوائے اللہ تعالیٰ

اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿٢٢﴾

کے تو یہ دونوں برباد ہو جاتے [۱] پس پاک ہے اللہ تعالیٰ جو عرش کا رب ہے [۲] ان تمام نازیبا باتوں سے جو وہ کرتے ہیں

دوام حضور اور ذکر خفی کا انقطاع ناممکن ہے جس طرح انسان دوسرے کاموں میں مشغول ہونے کے باوجود سانس لیتا رہتا ہے ''وَالْمُرَادُ بِالْعِبَادَةِ الَّتِیْ لَا تَنْقَطِعُ مِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ دَوَامُ الْحُضُوْرِ وَالذِّکْرُ الْخَفِیُّ الَّذِیْ لَا یُمْکِنُ انْقِطَاعُهٗ مِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ بَشَرًا کَانَ اَوْ مَلَکًا کَمَا لَا یُمْکِنُ انْقِطَاعُ التَّنَفُّسِ'' (مظہری)(1) چند الفاظ: يَسْتَحْسِرُوْنَ: اَیْ لَا یَعْیَوْنَ (2)۔ یعنی عبادت کرنے سے تھک نہیں جاتے: يَفْتُرُوْنَ: اَلْاِنْکِسَارُ وَالضُّعْفُ (3) یعنی کمزور اور ماند پڑنا۔ يُنْشِرُوْنَ: زندہ کرنا۔(4)

[۱] اللہ تعالیٰ کی توحید کی یہ ناقابلِ تردید دلیل ہے۔ انسان اس میں جتنا غور و تامل کرے اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی توحید پر اس کا یقین محکم اور ایمان پختہ ہوتا جاتا ہے۔ اور اس کے باوجود اتنی سہل اور عام فہم ہے کہ ایک سادہ لوح دیہاتی بھی اس کو سمجھ سکتا ہے اور اپنے دل کو نورِ یقین سے منور کر سکتا ہے۔ سیدھی سی بات ہے کہ اگر ایک ملک کے دو فرمانروا ہوں جن کے اختیارات مساوی ہوں تو اس ملک میں فتنہ و فساد کے شعلے بھڑکیں گے اور اس کی ساری رونقیں خاکِ سیاہ بن کر رہ جائیں گی۔ اگر ایک ہی لشکر کے دو جنرل ہوں تو وہ فوج کسی میدان میں جم کر نہیں لڑ سکے گی۔ یہ ایسی بات ہے جسے ہر لکھا پڑھا بھی جانتا ہے اور ایک ان پڑھ چرواہا بھی جس کی عمر سیاسی ہنگاموں سے دور، جنگلوں میں بکریاں چراتے گزری ہو۔ اور آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی ملک میں کسی قوم نے اپنے دو ایسے حکمران مقرر کیے ہوں جو قوت و طاقت اور اختیار میں مساوی حیثیت کے مالک ہوں۔ لیکن اگر آپ اس آیت میں مزید غور کریں تو آپ کو اس دلیل کی گہرائی اور گیرائی کا مزید اندازہ ہوگا۔ پہلے آپ یہ سمجھئے کہ الٰہ (خدا) کون ہو سکتا ہے۔ الٰہ وہ ہو سکتا ہے جو واجب الوجود ہو۔ اپنے موجود ہونے میں کسی خالق کا محتاج نہ ہو۔ نیز جو تمام صفاتِ کمال سے متصف ہو اور جملہ نقائص و عیوب سے پاک ہو۔ جو خدا اپنے موجود ہونے میں کسی غیر کا دست نگر ہو اس کو الٰہ کہنا مذاق نہیں تو اور کیا ہے؟ وہ خدا جس میں کئی خوبیاں اور کمالات مفقود ہوں اور جس میں طرح طرح کے عیب پائے جاتے ہوں ایسی ہستی کو بھی خدا کہنا عقل و دانش کی سب سے بڑی توہین ہے۔ اب جب ہم نے عقلِ سلیم کی روشنی میں یہ فیصلہ کر لیا کہ خدا وہ ہے جو واجب الوجود ہو اور تمام کمالات سے متصف اور تمام عیوب سے پاک۔ تو اب ذرا سوچیے کہ اگر ایک سے زائد خدا مان لیے جائیں تو ان کی باہمی حیثیت کیا ہے؟ اگر سارے ناقص ہیں اور کائنات کے پیدا کرنے میں ایک دوسرے کی اعانت کے محتاج ہیں تو ان میں سے ایک بھی اس قابل نہ ہوا کہ اسے خدا کہا جائے۔ کیونکہ جو خود محتاج ہو وہ کسی کی حاجت روائی کیا کرے گا؟ اور اگر ان میں سے ایک کامل قدرت کا مالک ہے اور دوسرے اس کی امداد کے محتاج ہیں تو جو کامل ہے اسے کیا پڑی ہے کہ اس بدیع اور حیران کن نظامِ عالم کی تخلیق میں دوسروں کو شریک کرتا

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 189 — 2۔ ایضاً — 3۔ المنجد فی اللغۃ، ص 567 — 4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 190

لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ﴿٢٣﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ

نہیں پرسش کی جا سکتی اس کام کے متعلق جو وہ کرتا ہے ۱۹؎ اور ان (تمام سے) باز پرس ہو گی۔ کیا انھوں نے بنا لیے ہیں

پھرے جو وہ بلا شرکت غیرے انجام دے سکتا ہے؟ اور اگر سب یکساں قوت، اختیار اور ارادہ کے مالک ہیں تو ان میں باہمی اختلاف کا پیدا ہونا لازمی ہے اور جب ایک خدا دوسرے خدا سے ٹکرائے گا تو کائنات کی دھجیاں اڑ جائیں گی۔ اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ سب نے آپس میں مصالحت کر لی ہے اور باہمی اتفاق سے سارا نظام چل رہا ہے تو کیا حوادثِ عالم کے رو پذیر ہونے میں سب کی قوت صرف ہو رہی ہے یا ایک کی؟ اگر ایک کی صرف ہو رہی ہے تو دوسرے بیکار ہوں گے۔ اور یہ بھی اچھے خدا ہوئے کہ طاقت تو ہے لیکن بخیل کی دولت کی طرح بیکار و بے مصرف اور اگر سب کی قوت و ارادہ سے ہر کام انجام پا رہا ہے تو پھر دریافت طلب امر یہ ہو گا کہ سب علیحدہ علیحدہ اس کام کو کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں کر سکتے تو عاجز و ناتوان ہوئے جو شانِ خداوندی کے خلاف ہے اور اگر ہر ایک کر سکتا ہے اور پھر سب مل کر کرتے ہیں تو یہ بھی قوت و ارادہ کی بے جا نمائش اور ضیاع ہے جو حماقت کی دلیل ہے۔ غرضیکہ اگر الٰہ کا مفہوم ذہن نشین ہو اور پھر اس آیتِ طیبہ میں غور کیا جائے تو عقل و فہم کی دنیا میں شرک کی کوئی گنجائش نہیں رہتی (1)۔ علامہ اسمٰعیل حقی نے کیا خوب لکھا ہے کہ اگر ایک بدن میں دو روح اور ایک نظامِ شمسی میں دوسرا آفتاب نہیں سما سکتا تو اس جہانِ بالا و پست میں بھی اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کے علاوہ اور کوئی دوسرا خدا نہیں سما سکتا۔ (روح البیان) (2)

۱۸؎ عرش جو تدبیرِ کائنات اور تقدیرِ عالم کا سرچشمہ ہے اور اس عالمِ ہست و بود کے لیے شاہی تخت کی مانند ہے جو اس کا مالک ہے، جو اس پر متمکن ہے، اس کا کسی کو شریک ٹھہرانا بہت بڑی حماقت اور نادانی ہے۔

۱۹؎ اعتراض اس پر کیا جاتا ہے جو غلط اور ناروا فیصلہ کرے۔ غلط فیصلہ وہ کرتا ہے جسے حالات کا صحیح علم نہ ہو اور اعتراض کرنا اسے زیب دیتا ہے جس کے علم کا دائرہ وسیع ہو اور واقعات کے وہ گوشے جو پہلے آدمی سے پنہاں تھے اس کے سامنے عیاں ہوں۔ نیز اگر کوئی شخص اپنے اختیارات سے تجاوز کر کے کوئی فعل کرتا ہے تو اس پر گرفت بھی کی جا سکتی ہے کہ تم جب ایسا کرنے کے مجاز نہ تھے تو تم نے ایسا کام کیوں کیا؟ اللہ تعالیٰ کا علم بھی ظاہر و باطن ماضی و مستقبل کو محیط ہے اور اس کے اختیارات بھی بڑے وسیع ہیں۔ کیونکہ ہر چیز کو اسی نے پیدا فرمایا ہے۔ وہی اس کا مالک ہے اور جب ہر مالک کو اپنی ملکیت میں اپنی مرضی کرنے کا اختیار ہے، وہ سیاہ کرے سپید کرے کوئی اس کا ہاتھ نہیں روک سکتا تو پھر اللہ تعالیٰ کو اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں پر مکمل اختیار کیوں نہ ہو؟ ایسی ہستی جو ہمہ دان اور ہمہ بین ہے، جس کے قبضۂ قدرت میں نشیبِ فرش سے فرازِ عرش تک جو کچھ بھی ہے سب کچھ ہے، اس کے کسی فعل پر اعتراض کرنا جہالت کا مظاہرہ کرنے اور اپنی حدود سے تجاوز کرنے کے مترادف ہے۔ آپ اطمینانِ خاطر کے لیے، کشفِ حقیقت کے لیے، معرفتِ حکمت کے لیے تو بارگاہِ الٰہی میں زبانِ سوال کھول سکتے ہیں لیکن اعتراض کا انجام وہی ہوتا ہے جو ابلیس لعین کا ہوا تھا۔ اس نے بھی اعتراض کرتے ہوئے پوچھا تھا ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا (3) اگر وہ اس کی حکمت کے متعلق سوال کرتا تو اس کے ساتھ یہ سلوک نہ ہوتا۔ ہمیں بھی اپنا مقام پہچاننا چاہیے اور کوئی ایسی بات زبان پر نہ لانا چاہیے جو غیرتِ خداوندی کو گوارا نہ ہو۔

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 27-26 2۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 464 3۔ سورۂ بنی اسرائیل: 61

دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِیَ

اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود۔ (اے حبیب!) آپ (انھیں) فرمایئے ۲۰ پیش کرو اپنی دلیل۔ یہ قرآن جو نصیحت ہے میرے ساتھ والوں

اللہ تعالیٰ کے محبوب وحبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر اعتراض کرنا یا گستاخی کرنا غضبِ الٰہی کو بھڑکا دیتا ہے۔ علم وتقدس کے تمام محلات مسمار کر کے رکھ دیئے جاتے ہیں۔ علامہ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک فاضلِ اجلؒ سے مروی ہے کہ وہ ایک مجلس میں تھے تو ایک محجوب اور محرومِ ازلی نے کہا کہ ہوائے نفس سے کسی کو چھٹکارا نہیں خواہ وہ بھی ہو (وہ سے اشارہ حضور علیہ السلام کی طرف کیا) کیونکہ انہوں نے بھی کہا ہے "حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاكُمْ ثَلَاثٌ الطِّیْبُ وَالنِّسَاءُ وَ قُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوةِ (1) یعنی تمہاری دنیا سے تین چیزیں میرے لیے مرغوب کی گئی ہیں۔ خوشبو، نساء اور میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ میں نے اس گستاخ کو کہا: تمہیں خدا سے شرم نہیں آتی؟ حدیث میں (اَحْبَبْتُ یعنی میں پسند کرتا ہوں) کا لفظ نہیں بلکہ (حُبِّبَ میرے لیے مرغوب بنادی گئی ہیں) کا لفظ ہے۔ ہوائے نفس تو تب ہوتی کہ اَحْبَبْتُ کا لفظ ہوتا۔ فرماتے ہیں اس گستاخ کا منہ تو میں نے بند کر دیا لیکن میں اس کی بدزبانی پر بڑا غمگین ہوا کہ اپنے آپ کو امتی کہلانے والا شخص بھی ایسی بات اپنی زبان پر لا سکتا ہے۔ رات کو خواب میں حبیبِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے زیارت کا شرف بخشا اور فرمایا۔

"لَا تَغْتَمَّ فَقَدْ كَفَیْنَاكَ اَمْرَهٗ" غمزدہ نہ ہو ہم نے اس کا کام تمام کر دیا۔ صبح ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ قتل کر دیا گیا ہے۔ (روح البیان)(2)

علامہ مرحوم اگر آج ہوتے اور ان امتیوں کا حال دیکھتے جو اپنے آپ کو بشریت میں حضورؐ کا ہم پلہ ثابت کرنے لیے کس سوقیانہ انداز میں حضورؐ کی ازدواجی زندگی کا ذکر کرتے ہیں تو ان کا کلیجہ پھٹ جاتا۔

شب پرہ می طلبد بدر تمامت نقصان ——— او نداند کہ ابد نورِ تو ظاہر باشد
ہر کہ از روئے جدل برتو سخن میراند ——— بمثل شد اگرش بوعلی، کافر باشد (3)

"چمگادڑ یہ چاہتی ہے کہ آپ کے بدرِ کامل کے نور کو کم کر دے۔ وہ بیوقوف یہ نہیں جانتی کہ آپ کا نور ابد تک درخشاں رہے گا۔ جو بدبخت آپ کی ذات پر زبانِ طعن دراز کرے، وہ عقل وفہم میں بوعلی سینا کی مانند بھی ہو تو وہ دولت ایمان سے محروم ہے۔"

حقیقت تو یہ ہے کہ سرورِ کائنات علیہ التسلیمات والتحیات کی ذاتِ پاک تو بڑی اعلیٰ وارفع ہے۔ اگر کوئی شخص اولیاء ومشائخ پر بھی بے جا اعتراض کرتا ہے تو وہ نعمت وبرکت سے محروم کر دیا جاتا ہے اور علم وعرفان کا دروازہ اس کے لیے بند ہو جاتا ہے۔ (4)

۲۰ دلائلِ توحید بیان فرمانے کے بعد دنیا بھر کے مشرکوں کو چیلنج دیا جارہا ہے کہ اپنے شرک واصنام پرستی پر عقلی یا نقلی کوئی ایک تو ایسی دلیل پیش کریں جو قابلِ غور ہو۔

1۔ سنن نسائی، کتاب عشرۃ النساء، باب حب النساء، ج 2، ص 93 — 2۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 465 — 3۔ ایضاً، ص 466 — 4۔ ایضاً

وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ۗ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ

کے لیے اور دوسری کتب جو نصیحت ہیں میرے پیشروؤں کیلیے (سب موجود ہیں انکا کوئی حوالہ دو) بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انمیں سے اکثر حق کو نہیں جانتے

فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝۲۴ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ

اس لیے وہ (اس سے) منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ اور نہیں بھیجا ۲۱؎ ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر یہ کہ ہم

اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝۲۵ وَقَالُوا اتَّخَذَ

نے وحی بھیجی اس کی طرف کہ بلاشبہ نہیں ہے کوئی خدا بجز میرے پس میری عبادت کیا کرو وہ کہتے ہیں بنا لیا ہے

الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝۲۶ ۙ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ

رحمٰن نے (اپنے لیے) بیٹا سبحان اللہ! (یہ کیونکر ہو سکتا ہے) بلکہ وہ تو اسکے معزز بندے ہیں ۲۲؎ نہیں سبقت کرتے اس سے بات

بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۝۲۷ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ

کرنے میں اور وہ اسی کے حکم پر کاربند ہیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے

وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ

اور جو کچھ انکے پیچھے گزر چکا ہے اور وہ شفاعت نہیں کرینگے۔ مگر اسکے لیے جسے وہ پسند فرمائے اور وہ (اس کی بے نیازی

خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ۝۲۸ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ

کے باعث) اسکے خوف سے ڈر رہے ہیں۔ اور جو ان میں سے یہ کہے کہ میں خدا ہوں اللہ تعالیٰ کے سوا

۲۱؎ توحید کی یہ دعوت جو میرا رسولِ مکرم تمہیں دے رہا ہے یہ کوئی انوکھی دعوت نہیں بلکہ نبوت و رسالت کا سلسلہ جب سے شروع ہوا ہے اور جو حضرات اس منصب پر فائز ہوئے ہیں سب نے اپنے اپنے زمانہ میں اپنے اپنے قبیلوں اور قوموں کو یہی دعوت دی ہے۔ شرائع و احکام میں حالات کے پیشِ نظر تبدیلیاں ہوتی رہیں لیکن عقیدۂ توحید میں سرمو کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ (1)

۲۲؎ عرب کے کئی قبائل مثلاً بنی خزاعہ، فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہا کرتے اور یہود و نصاریٰ عزیر و مسیح کو ابن اللہ کہا کرتے۔ اس بہتانِ صریح کی نفی کی جا رہی ہے کہ یہ محض بکواس ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ان چیزوں کی ضرورت نہیں، بلکہ جنہیں وہ اللہ کے بیٹے اور

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 11، 280

دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٩﴾

تو اسے ہم سزا دیں گے جہنم کی۔ یونہی ہم سزا دیا کرتے ہیں ظالموں کو۔

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا

کیا کبھی غور نہیں کیا ۲۳ کفر وانکار کرنے والوں نے کہ آسمان اور زمین آپس میں

بیٹیاں کہتے ہیں وہ تو اس کے معزز و مکرم بندے ہیں۔ غلط عقیدہ کی تردید کے ساتھ ساتھ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ فرما کر ان کی عزت وشان کو چار چاند لگا دیئے۔(1)

۲۳ اپنی توحید کے دلائل عقلیہ ونقلیہ بیان کرنے کے بعد اپنی قدرت کاملہ کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ ''اَلرَّتْقُ: اَلضَّمُّ وَالْاِلْتِحَامُ'' (2) (مفردات) کسی چیز کا باہم دگر پیوست ہونا اور ایک دوسرے سے ملا ہوا ہونا۔ ''اَلْفَتْقُ: اَلْفَصْلُ بَيْنَ الْمُتَّصِلَيْنِ'' (3) (مفردات) دو جڑی ہوئی چیزوں کو الگ الگ کر دینا۔ ارشاد ربانی ہے کہ زمین و آسمان موجودہ صورت اختیار کرنے سے پہلے ایک دوسرے میں پیوست تھے۔ پھر ہم نے اپنی قدرت سے زمین کو الگ کر دیا اور آسمان کو الگ کر دیا۔ حضرت ابن عباس اور دیگر علمائے تفسیر سے اس آیت کا یہی مفہوم منقول ہے۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَّالضَّحَّاكُ وَعَطَاءٌ وَّقَتَادَةُ كَانَتَا شَيْئًا وَّاحِدًا مُّلْتَزِقَيْنِ فَفَصَلَ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا بِالْهَوَاءِ (4) (قرطبی) یعنی زمین و آسمان شے واحد کی طرح تھے۔ اور ان کے اجزا ایک دوسرے سے جڑے ہوئے، چمٹے ہوئے تھے۔ پھر ہوا کے ذریعہ انہیں علیحدہ علیحدہ کر دیا گیا۔ سینکڑوں صدیوں کی تحقیقات، تجربات اور غور وفکر کے بعد علمائے طبعیین جس نتیجہ پر پہنچے ہیں قرآنِ حکیم نے پہلے ہی اس حقیقت کو چند الفاظ میں ذکر کر دیا تھا۔

ان کی تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے کہ ابتدا میں آفتاب ایک بھڑکتا ہوا شعلہ تھا۔ اس کی حرکت بہت ہی تیز تھی مرورِ دہور میں اس کی حرکت کم ہوتی گئی اور وہ سکڑتا اور چھوٹا ہوتا گیا اور اس سبب سے اس کے مادے میں گاڑھا پن آگیا اور حرکت کی تیزی کے سبب اس میں سے چند ٹکڑے ٹوٹ کر دور دور تک چلے گئے اور اسی کے گرد چکر کھانے لگے۔ اِس وقت تک ظاہر ہوا ہے کہ آفتاب سے گیارہ ٹکڑے ٹوٹے ہوئے ہیں۔ جن سے ہمارا نظامِ شمسی بنا ہے اور زمین بھی انہی سے ایک ہے۔

تخلیقِ عالم کا ذکر کرتے ہوئے مولانا آزاد نے خوب لکھا ہے۔

''موجودہ زمانہ میں اجرام سماویہ کی ابتدائی تخلیق اور کرہ ارضی کی ابتدائی نشوونما کے جو نظریے تسلیم کر لیے گئے ہیں یہ اشارات بظاہر ان کی تائید کرتے ہیں اور اگر ہم چاہیں تو ان بنیادوں پر شرح وتفصیل کی بڑی بڑی عمارتیں اٹھا سکتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسا کرنا صحیح نہ ہوگا۔ یہ نظریے کتنے ہی مستند تسلیم کر لیے گئے ہوں لیکن پھر بھی نظریے ہیں۔ اور نظریات جزم ویقین کے ساتھ حقیقت کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ پھر اس سے کیا فائدہ کہ ان کی روشنی میں قرآن کے مجمل اور محتمل اشارات کی تفسیر کی جائے لیکن کل کو

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 32 2۔ مفرداتِ راغب، ص 341 3۔ ایضاً، ص 623 4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 283

رَتۡقًا فَفَتَقۡنٰهُمَا ؕ وَ جَعَلۡنَا مِنَ الۡمَآءِ کُلَّ شَیۡءٍ حَیٍّ ؕ

ملے ہوئے تھے پھر ہم نے الگ الگ کر دیا انھیں۔ اور ہم نے پیدا فرمائی پانی سے ہر زندہ چیز ۲۴؎

اَفَلَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۳۰﴾ وَ جَعَلۡنَا فِی الۡاَرۡضِ رَوَاسِیَ اَنۡ تَمِیۡدَ

کیا وہ اب بھی ایمان نہیں لاتے۔ اور ہم نے بنا دیئے زمین میں بڑے بڑے پہاڑ ۲۵؎ تاکہ زمین لرزتی نہ

بِہِمۡ ۪ وَ جَعَلۡنَا فِیۡہَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّہُمۡ یَہۡتَدُوۡنَ ﴿۳۱﴾

رہے انکے ساتھ۔ اور بنا دیں ہم نے ان پہاڑوں میں کشادہ راہیں تاکہ وہ (اپنی منزل مقصود کا) راستہ پا سکیں۔ ۲۶؎

کیا کریں گے؟ اگر ان نظریوں کی جگہ دوسرے نظریے پیدا ہو گئے۔ صاف بات یہی ہے کہ یہ معاملہ عالمِ غیب سے تعلق رکھتا ہے جس کی حقیت ہم اپنے علم وادراک کے ذریعہ معلوم نہیں کر سکتے۔ اور قرآن کا مقصود ان اشارات سے تخلیقِ عالم کی شرح و تحقیق نہیں ہے۔ خدا کی قدرت وحکمت کی طرف انسان کی توجہ دلانا ہے''۔ (ترجمان القرآن، جلد نمبر ۲ صفحہ ۱۷۶، ۱۷۵)(1)

رتق اور فتق کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے۔ ''رتق'' سے مراد یہ ہے کہ آسمان کا منہ پہلے بند تھا۔ کوئی بارش نہیں ہوتی تھی اور زمین کا منہ بھی بند تھا۔ کوئی چیز اس میں پیدا نہیں ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے آسمان کا منہ بھی کھلا (فتق) اور بارش برسنے لگی۔ زمین کی مہر بھی ٹوٹی۔ اس میں سے ضروریات کی ہر چیز اگنے لگی (2) وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعۡلَمُ بِالصَّوَابِ۔

۲۴؎ ہر جاندار چیز کی تخلیق پانی سے کی گئی ہے۔ یہی اس کا مادۂ اصلی ہے۔ یا ہر جاندار کی بقا اور نشوونما کا انحصار پانی پر ہے۔ یا یہ کہ مادۂ منویہ جو ہر جاندار کا اصل ہے، وہ پانی ہے۔ بہر حال جس لحاظ سے دیکھو زندگی اور پانی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ مولانا عثمانی لکھتے ہیں: ''عموماً جاندار چیزیں جو تم کو نظر آتی ہیں بالواسطہ و بلاواسطہ پانی سے بنائی گئیں۔ پانی ہی ان کا مادہ ہے۔ الا کوئی ایسی مخلوق جس کی نسبت ثابت ہو جائے کہ اس کی پیدائش میں پانی کو دخل نہیں وہ مستثنیٰ ہو گی۔ لِلۡاَکۡثَرِ حُکۡمُ الۡکُلِّ کے اعتبار سے یہ کلمہ صادق رہے گا''۔ (3)

۲۵؎ پہاڑوں کو سطح زمین پر جما کر زمین کی جس حرکت کا علاج کیا گیا ہے وہ اس کا ڈانواں ڈول ہونا اور ہچکولے کھانا ہے۔ اس سے حرکتِ زمین کی نفی پر استدلال نہیں ہو سکتا۔

۲۶؎ ہم نے اتنے اونچے اونچے پہاڑ پیدا کیے جن کی بلند چوٹیاں آج بھی مہم جو انسانوں کو للکار رہی ہیں۔ لیکن ان پہاڑوں کی تخلیق میں بھی قدم قدم پر تمہیں ہماری حکمت کے جلوے نظر آئیں گے۔ ان کو سنگین دیواروں کی طرح کھڑا نہیں کر دیا گیا کہ ایک طرف سے دوسری طرف آمد و رفت ہی بند ہو جائے بلکہ ان میں ایسی گھاٹیاں اور درے بنا دیئے ہیں جن کے ذریعہ تم ایک طرف

1۔ ترجمان القرآن، ج 2، ص 175   2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 193   3۔ حاشیہ قرآن مجید از علامہ شبیر احمد عثمانی، ص 420

وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚۖ وَّهُمْ عَنْ اٰیٰتِهَا

اور ہم نے بنایا آسمان کو ایک چھت ٢٧ جو (شکست و ریخت سے) محفوظ ہے۔ اور وہ لوگ (اب بھی) اس کی نشانیوں سے روگردانی

مُعْرِضُوْنَ ﴿٣٢﴾ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ

کیے ہوئے ہیں اور وہی ہے جس نے پیدا فرمایا لیل و نہار کو ٢٨ اور مہر و

وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ

ماہ کو۔ سب (اپنے اپنے) مدار میں تیر رہے ہیں ٢٩ اور نہیں مقدر کیا ہم نے کسی انسان کے لیے جو آپ سے

سے دوسری طرف جا سکتے ہو بلکہ بڑی بڑی شاہراہیں بنا سکتے ہو۔ اَلْفَجُّ: اَلطَّرِیْقُ الْوَاسِعُ بَیْنَ الْجَبَلَیْنِ۔ یعنی دو پہاڑوں کے درمیان جو کشادہ راستہ ہوتا ہے اسے فجّ کہتے ہیں۔ فِجَاجٌ اس کی جمع ہے۔(1)

٢٧ کیونکہ آسمان زمین کو اسی طرح ڈھانپے ہوئے ہیں جیسے چھت مکان کو۔ اس لیے فرمایا ہم نے زمین کے لیے آسمان کو بمنزلہ چھت بنایا ہے۔ لیکن یہ ایسی چھت نہیں جو گر پڑے یا اس میں شگاف ہو جائیں بلکہ یہ ہر طرف سے محفوظ اور مستحکم ہے۔(2)

٢٨ پھر مزید کرم یہ فرمایا کہ رات دن کا تسلسل قائم کر دیا۔ اگر ہمیشہ رات کا اندھیرا چھایا رہتا یا ہمیشہ دن ہی ہوتا تو دنیا کی یہ رونقیں نہ ہوتیں۔ یا تمازتِ آفتاب سے زمین جل بھن جاتی یا ساری دنیا قطبِ شمالی کے علاقوں کی طرح برف کے نیچے دبی رہتی۔

٢٩ فلک کیا ہے؟ کیا سماء (آسمان) اور فلک دونوں ایک چیز ہیں؟ کیا شمس وقمر اور دوسرے سیارے ان میں اس طرح جڑے ہوئے ہیں جس طرح لکڑی میں کیل؟

فلاسفہ یعنی قدیم علماء طبعیین کی رائے یہ ہے کہ فلک اور آسمان ایک چیز کے دو نام ہیں اور فلک کی انہوں نے یہ تعریف کی ہے: بِاَنَّهٗ حَیٌّ عَالِمٌ مُّتَحَرِّكٌ بِالْاِرَادَةِ حَرَكَةً مُّسْتَدِیْرَةً وَّلَایَقْبَلُ الْخَرْقَ وَالْاِلْتِئَامَ(3) یعنی فلک زندہ ہے، عالم ہے، اپنے ارادہ سے گول حرکت کرتا ہے، پھٹنے اور جڑنے کو قبول نہیں کرتا۔ کیونکہ فلاسفہ کے نزدیک فلک میں خرق والتئام ممنوع ہے اس لیے انہوں نے یہ کہا کہ سیارے ان میں گڑے ہوئے ہیں۔ وہ متحرک نہیں بلکہ وہ فلک متحرک ہیں جن میں وہ گڑے ہوئے ہیں۔ کیونکہ حرکتیں مختلف ہیں اس لیے انہوں نے افلاک کو متعدد مانا ہے ان کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ افلاک کی تعداد نو ہے۔

فلک کی جو تعریف ان فلاسفہ نے کی ہے علمائے اسلام نے علمِ کلام کی کتابوں میں اس کا بطلان ثابت کیا ہے بلکہ اکثر مفسرین کے نزدیک فلک اور سماء (آسمان) دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں اور سماء افلاک سے اوپر ہے چنانچہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

قَالَ اَكْثَرُ الْمُفَسِّرِیْنَ هُوَ (اَلْفَلَكُ) مَوْجٌ مَّكْفُوْفٌ تَحْتَ السَّمَاءِ یَجْرِیْ فِیْهِ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ۔ کہ فلک ایک موج کا نام ہے

1۔ القاموس المحیط، ص 310   2۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 11، جز 22، ص 166   3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 17، ص 40

جسے اس کے طبقہ میں روک دیا گیا ہے اور وہ آسمان کے نیچے ہے اور شمس وقمر اسی میں محوِ حرکت ہیں۔ اور ضحاک جو مشہور اور مسلم مفسر ہیں۔ ان کا قول ہے کہ فلک کسی ایسی چیز کا نام نہیں جس کا کوئی جسم ہو بلکہ جہاں یہ سیارے گردش کرتے ہیں ان کے مدار کا نام ہے۔ حضرت ابن عباس کا اس باب میں یہی قول مشہور ہے قَالَ الضَّحَاكُ وَهُوَلَيْسَ بِجِسْمٍ وَّاِنَّمَا هُوَ مَدَارُ هٰذِهِ النُّجُوْمِ وَالْمَشْهُوْرُ مَارُوِیَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ۔ فلاسفہ کا یہ قول کہ افلاک کی تعداد نو ہے۔ یہ بھی قطعی اور یقینی نہیں۔ ہوسکتا ہے وہ اس سے بھی زیادہ ہوں۔ وَالْحَقُّ اَنَّهٗ لَا قَاطِعَ عَلٰی نَفْیِ مَا عَدَا ذٰلِكَ۔ (روح المعانی)(1)

امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ اور علامہ ابوحیان اندلسی نے اپنی اپنی تفاسیر میں اسی قول کو ترجیح دی ہے اور پسند فرمایا ہے۔(2)

علامہ ابوعبداللہ الانصاری القرطبی کی عبارت ملاحظہ ہو:۔ وَالْاَصَحُّ اَنَّ السَّیَّارَةَ تَجْرِیْ فِی الْفَلَكِ۔ وَهِیَ سَبْعَةُ اَفْلَاكٍ دُوْنَ السَّمٰوٰتِ الْمُطْبَقَةِ الَّتِیْ هِیَ مَجَالُ الْمَلَائِكَةِ وَاَسْبَابُ الْمَلَكُوْتِ فَالْقَمَرُ فِی الْفَلَكِ الْاَدْنٰی ثُمَّ عَطَارُدُ ثُمَّ الزُّهْرَةُ ثُمَّ الشَّمْسُ ثُمَّ الْمِرِّیْخُ ثُمَّ الْمُشْتَرِیْ ثُمَّ زُحَلُ وَّالثَّامِنُ فَلَكُ الْبُرُوْجِ وَالتَّاسِعُ الْفَلَكُ الْاَعْظَمُ قَالَ ابْنُ زَیْدٍ اَلْاَفْلَاكُ مَجَارِی النُّجُوْمِ وَالشَّمْسِ وَالْقَمَرِ۔ وَقِیْلَ الْفَلَكُ مَوْجٌ مَّكْفُوْفٌ وَّمَجْرَی الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ فِیْهِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ (قرطبی)(3)

یعنی کواکبِ سیارہ فلک میں چلتے ہیں اور یہ آسمانوں سے نیچے ہیں۔ چاند سب سے نچلے فلک میں ہے۔ اس سے اوپر عطارد، پھر زہرہ، پھر سورج، پھر مریخ، پھر مشتری، پھر زحل، آٹھویں کو فلک البروج، نویں کو فلکِ اعظم کہتے ہیں۔ ان سب سے اُوپر سبع سمٰوٰت (سات آسمان) ہیں۔ جو ملائکہ کی جولانگاہ اور اسباب ملکوت کا مخزن ہیں۔ واللہ اعلم۔

یہ حقائق جو صدہا سال پہلے علمائے اسلام اپنی نگاہِ حقیقت بین اور عقلِ رسا سے بے نقاب کر چکے ہیں ان کی روشنی میں اگر جدید علمائے فلکیات کی تحقیقات کا آپ مطالعہ کریں گے تو آپ کو قرآنِ کریم کے کتابِ الٰہی ہونے کا یقین آجائے گا اور علمائے اسلام کی دقتِ نظر اور ان کے علوم کی وسعت کا اعتراف کرنا پڑے گا۔ ہوسکتا ہے جس طرح آج کے سائنس دان اپنے پیشروؤں پر تنقید کر رہے ہیں۔ ان کے شاگرد کل اپنے ان استادوں کی غلطیاں نکالنے لگیں۔ اس لیے کسی مومن کو یہ زیبا نہیں کہ قرآن کی صداقت کو وہ تب تسلیم کرے جب جدید تحقیقات کی سند اسے مل جائے بلکہ اس کا یہ پختہ یقین ہونا چاہیے کہ حق وہ ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے۔ قدیم تحقیقات اور جدید انکشافات کا وہی حصہ درست ہے جس کی تائید قرآن سے ملتی ہے۔ اور جو قرآنِ حکیم کی تصریحات کے خلاف ہے وہ غلط ہے۔ آج نہیں تو کل اس کے علمبردار خود اپنی غلطی کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوجائیں گے۔ اس سے بڑھ کر احساسِ کہتری کا مظاہرہ اور کوئی نہیں ہوسکتا کہ مسلمان قرآنِ مجید کی تصدیق کے لیے قدیم وجدید نظریات کا سہارا ڈھونڈتا پھرے۔ البتہ یہ بھی ضروری ہے کہ قرآنی حقائق کو سمجھنے کے لیے انتہائی کوشش کی جائے ایسا نہ ہو کہ ہم سنے سنائے نظریات کو قرآن کے نظریات تصور کرنے لگیں اور اس بے خبری کے باعث علم ودانش کی دنیا میں اپنی تضحیک کے ساتھ فرقانِ حمید کی توہین کا بھی سبب بنیں۔ (اَلْعِیَاذُ بِاللّٰهِ)

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 17 ص 40 2۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 11، جز 22، ص 69-168 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 286

قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴿۳۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ

پہلے گزرا (اس دنیا میں) ہمیشہ رہنا ۳۰؎ تو اگر آپ انتقال فرما جائیں تو کیا یہ لوگ (یہاں) ہمیشہ رہنے والے ہیں ہر نفس موت (کا مزہ)

ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَ نَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَ الْخَیْرِ فِتْنَةً ؕ وَ اِلَیْنَا

چکھنے والا ہے۔ اور ہم خوب آزماتے ہیں تمہیں برے اور اچھے حالات سے دوچار کر کے اور (آخر کار) تم سب نے ہماری

تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَ اِذَا رَاٰكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا

طرف ہی لوٹ آنا ہے۔ اور جب دیکھتے ہیں آپ کو ۳۱؎ وہ جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے تو آپ سے بس تمسخر کرنے لگتے ہیں۔

هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِیْ یَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَ هُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ

(کہتے ہیں) کیا یہی وہ صاحب ہیں جو (برائی سے) ذکر کیا کرتے ہیں تمہارے خداؤں کا۔ حالانکہ وہ (کفار) رحمٰن کے ذکر سے خود

۳۰؎ کفار نے اشاعتِ اسلام میں ہر قسم کے روڑے اٹکائے۔ لیکن اس کی اشاعت میں روز افزوں اضافہ ہی ہوتا گیا۔ انہوں نے اپنے غم نصیب دلوں کو یہ کہہ کر تسلی دینی شروع کی کہ آخر کہاں تک ایسا ہوتا رہے گا؟ ایک روز تو ان کی زندگی ختم ہو ہی جائے گی۔ اس کے بعد تو ہمیں آرام کا سانس لینا نصیب ہوگا۔ وہ کہا کرتے: نَتَرَبَّصُ بِمُحَمَّدٍ رَیْبَ الْمَنُوْنِ، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور انہیں ان کی حماقت کی طرف توجہ دلائی کہ اگر میرے محبوب نے اس دنیا میں ہمیشہ نہیں رہنا تو کیا تم ابد الآباد تک زندہ رہو گے۔ جب تمہیں بھی ہر زندہ چیز کی طرح موت کا پیالہ پینا ہے تو پھر اس پر بغلیں بجانے کا کیا فائدہ؟ (1)

۳۱؎ کفار کا یہ دستور تھا کہ جب محبوبِ رب العالمین کے پاس سے گزرتے یا حضور کو دیکھتے تو آوازے کستے، مذاق کرتے۔ انہیں خود اپنی حماقت اور بلادتِ طبع کا احساس نہ ہوتا کہ وہ کتنے احمق ہیں جو خداوندِ رحمٰن کا انکار کر رہے ہیں، جس کے دسترخوانِ رحمت پر وہ پل رہے ہیں، جس کی بنائی ہوئی زمین پر وہ چل رہے ہیں۔ جو ایسا کودن ہو کہ اتنی واضح حقیقت کو بھی نہ سمجھ سکے۔ اس کا مذاق اڑانا چاہیے نہ کہ اس ذاتِ والا صفات کا جو نہاں خانۂ تقدیر کے اسرار پر آگاہ ہے۔ اس لیے کفار کا ایسا کرنا حماقت بالائے حماقت ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 287 (مفہوم)

هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿٣٦﴾ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ

(بحیثیت) انکاری ہیں ۔ انسان کی سرشت میں ہی جلد بازی ہے ۳۲؎ میں عنقریب تمھیں (خود ہی) اپنی نشانیاں

فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿٣٧﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ

دکھاؤں گا۔ سو تم مجھ سے جلدی کا مطالبہ نہ کرو۔ اور وہ کہتے ہیں کب پورا ہوگا یہ (قیامت کا) وعدہ؟ (بتاؤ نا) اگر تم

صٰدِقِيْنَ ﴿٣٨﴾ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ

سچے ہو ۔ کاش! جانتے کفار (اس وقت کو) جب وہ نہ روک سکیں گے اپنے

وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٣٩﴾

چہروں سے آگ (کے شعلوں) کو اور نہ اپنی پشتوں سے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ۳۳؎

بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَ

بلکہ وہ آئے گی ان کے پاس ناگہاں ۳۴؎ سو انھیں بدحواس کردیگی پھر وہ نہ اسے رد کرسکیں گے اور

۳۲؎ کسی چیز کو اس کے مقررہ وقت سے پہلے طلب کرنے کو عجلت کہتے ہیں۔ اَلْعَجَلَةُ طَلَبُ الشَّيْءِ وَتَحَرِّيْهِ قَبْلَ اَوَانِهٖ (روح البیان) (1)

انسان کی عجلت پسندی اظہر من الشمس ہے۔ اور اس کے پے در پے ٹھوکریں کھاتے چلے جانے کا یہ بھی ایک بڑا سبب ہے۔ قَالَ اَعْرَابِيٌّ اِيَّاكُمْ وَالْعَجَلَةَ فَاِنَّ الْعَرَبَ تُكَنِّيْهَا اُمَّ النَّدَامَاتِ (2)۔ ایک اعرابی کا قول ہے: خبردار جلد بازی سے بچنا۔ عرب اس کو اُمُّ النَّدَامَاتِ (ساری ندامتوں کی اصل) کہا کرتے ہیں۔ اہلِ عرب کا یہ محاورہ ہے کہ جو وصف کسی میں بہت پایا جائے اس کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ تو اس سے پیدا ہوا ہے، جو بڑا غصیل ہو اسے کہتے ہیں خُلِقَ مِنْ غَضَبٍ اور جو زیادہ کریم ہو اسے کہتے ہیں خُلِقَ مِنْ كَرَمٍ (3)۔ کیونکہ جلد بازی بھی عام لوگوں کا شیوہ ہے اس لیے خُلِقَ مِنْ عَجَلٍ کہا گیا ہے۔

۳۳؎ تم نے خواہ مخواہ جلدی کیوں مچا رکھی ہے۔ جب عذاب الٰہی آئے گا تو تمہیں ہر سمت سے گھیر لے گا۔ اس وقت تم چیخو گے، چلاؤ گے لیکن بے سود۔

۳۴؎ بَغْتَةً: فَجْاَةً اچانک۔ تَبْهَتُهُمْ: تُحَيِّرُهُمْ۔ حیران و ششدر کردینے والا۔ (4)

1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج5،ص480
2۔ ایضاً، ج5،ص481
3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج6،ص196
4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز11،ص290

لَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۴۰﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ

نہ ہی انھیں مزید مہلت دی جائیگی۔ اور بیشک مذاق اڑایا گیا ان رسولوں کا بھی جو آپ سے پہلے تشریف لائے تھے

فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۱﴾ ع

پس نازل ہوا ان لوگوں پر جو تمسخر کیا کرتے تھے ان میں سے وہ عذاب جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے ۳۵

قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ

آپ پوچھیے (اے منکرو!) کون ہے جو نگہبانی کرسکتا ہے تمہاری رات بھر اور دن بھر ۳۶ خدائے رحمٰن سے (اگر وہ تمھیں عذاب دینا چاہے) مگر

عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ

(ان سے کیا پوچھنا) یہ تو اپنے رب کے ذکر سے ہی روگرداں ہیں۔ کیا ان کے اور خدا ہیں جو بچا سکتے ہیں انھیں (عذاب سے) ہمارے

دُوْنِنَا ؕ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا

سوا ۳۷ وہ جھوٹے معبود تو خود اپنی مدد بھی نہیں کرسکتے اور نہ انھیں ہماری تائید

يُصْحَبُوْنَ ﴿۴۳﴾ بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ

میسر ہوگی۔ ۳۸ بلکہ ہم نے (عیش و آرام کا) سامان دیا انھیں اور انکے آباؤ اجداد کو حتیٰ کہ (اسی عیش و آرام میں)

۳۵ حَاقَ: اَحَاطَ وَدَارَ (1)۔ گھیرے میں لے لینا۔ جوہری لکھتے ہیں۔ حَاقَ بِهِمُ الْعَذَابُ اَيْ اَحَاطَ بِهِمْ وَنَزَلَ (2) (الصحاح)

عذاب نے ان کو گھیر لیا۔

۳۶ نادانو! تم جو اپنے رب کریم کی یاد اور اس کے ذکر سے روگردانی کیے ہوئے ہو، اس نے اگر کسی وقت اپنا عذاب نازل کر دیا تو کہاں سر چھپاؤ گے؟ تمہیں کون پناہ دے گا؟

۳۷ تمہیں اگر یہ غلط فہمی ہے کہ تمہارے لات و ہبل اس وقت تمہیں ہمارے عذاب سے بچالیں گے تو اس کو اپنے ذہن سے نکال دو، وہ بیچارے اپنے آپ کو نہیں بچا سکتے چہ جائیکہ تمہیں بچانے پر قادر ہوں۔

۳۸ ان کے بے بس اور کمزور ہونے کے باوجود ان کی امداد کی ایک اور صورت ہو سکتی تھی کہ ہم ان کی پشت پناہی کرتے۔ ہماری تائید اور نصرت ان کے شاملِ حال ہوتی تو وہ اپنی قوت کے بل بوتے پر نہ سہی ہماری تائید و نصرت سے اپنے عقیدت

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 290 2۔ الصحاح، ج 4، ص 1466

الْعُمُرُ ؕ اَفَلَا یَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ

ان پر لمبا عرصہ گزر گیا (اور وہ سرکش ہو گئے) ۳۹ کیا وہ ملاحظہ نہیں کر رہے کہ ہم زمین (کی وسعتوں) کو گھٹاتے چلے جا رہے ہیں اس کی

اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ قُلْ اِنَّمَاۤ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْیِ ۖ٘ وَلَا یَسْمَعُ الصُّمُّ

(اجاڑ دوں) سمتوں سے ۴۰ کیا وہ (ہماری تقدیر پر) غالب آ سکتے ہیں؟ آپ فرما دیجئے میں تمھیں ڈراتا ہوں صرف وحی سے ۴۱ اور نہیں سنا کرتے بہرے

الدُّعَآءَ اِذَا مَا یُنْذَرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ

پکارنے کو جب انھیں (عذاب الٰہی سے) ڈرایا جاتا ہے ۴۲ اور اگر (صرف) چھو جائے انھیں ایک جھونکا تیرے رب کے عذاب کا تو

عَذَابِ رَبِّكَ لَیَقُوْلُنَّ یٰوَیْلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِیْنَ ﴿۴۶﴾ وَنَضَعُ

(سارا نشہ ہرن ہو جائے) یوں کہنے لگیں صد حیف! بیشک ہم ہی ظالم تھے۔ اور ہم رکھ دیں گے

مندوں کی امداد کر سکتے۔ سو اس کی بھی نفی کر دی اور بتا دیا کہ انہیں ہماری تائید و نصرت بھی قطعاً حاصل نہ ہوگی۔ اب وہ بیچارے کسی کی خاک دستگیری کر سکیں گے۔ علامہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اس جملہ کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں یَعْنِیْ وَلَا یَصْحَبُهُمْ مِّنَّا نَصْرٌ كَمَا یَصْحَبُ لِمَنْ یَّشْفَعُ عُصَاةَ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنَ النَّبِیِّیْنَ وَالْمَلَائِكَةِ وَالصَّالِحِیْنَ۔ (1) (مظہری) یعنی انبیاء، ملائکہ اور اولیائے کرام جو گنہگار مومنوں کی شفاعت کریں گے انہیں تو تائیدِ الٰہی اور نصرتِ ربانی حاصل ہوگی لیکن کفار کے جھوٹے خدا اس سے بھی محروم ہوں گے۔

۳۹ ان کی پیہم سرکشی اور انکار کی وجہ بیان کی جا رہی ہے کہ ہم نے عرصۂ دراز سے انہیں اور ان کے آباؤ اجداد کو ہر طرح کی عزت و آسائش سے بہرہ ور رکھا۔ ان کی غلط کاریوں کے باوجود لوگ ان کا احترام کرتے رہے۔ ان کی نافرمانیوں کے باوجود ان کے کاروبار میں ترقی ہوتی رہی۔ اس وجہ سے یہ بات ان کے ذہنوں میں راسخ ہو گئی ہے کہ وہ حق پر ہیں۔ اس لیے وہ کسی داعیٔ حق کی کوئی بات سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

۴۰ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ مہلت کا عرصہ ختم ہونے والا ہے۔ ہم ان کے گرد رفتہ رفتہ حلقہ تنگ کرتے جا رہے ہیں۔ ارد گرد کے علاقوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہوتا جا رہا ہے۔ بہتر ہے کہ وہ اب بھی آنکھیں کھولیں اور حق کو قبول کریں۔

۴۱ آپ فرمائیے: میں تو تمہیں وہی بات کہتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔ اپنی طرف سے کوئی بات بنا کر کرنا میرا دستور نہیں۔ بہتر ہے تم ہی میری مخلصانہ نصیحتوں کو گوشِ ہوش سے سن لو۔ عذاب الٰہی سے بچ جاؤ گے۔ ساتھ ہی فرما دیا: یہ تو بہرے ہیں انہیں کچھ سنائی نہیں دیتا۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 198

الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ؕ وَ

صحیح تولنے والے ترازو ۴۲ قیامت کے دن پس ظلم نہ کیا جائے گا کسی پر ذرہ بھر۔ اور

اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا

اگر (کسی کا کوئی عمل) رائی کے دانے کے برابر بھی ہوگا تو ہم اسے بھی لا حاضر کرینگے۔ اور ہم کافی ہیں

حٰسِبِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً

حساب کرنے والے۔ اور یقیناً ہم نے عطا فرمایا ۴۳ موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) کو فرقان اور روشنی

۴۲ اس پر مفصل بحث ضیاء القرآن جلد دوم سورۃ الاعراف آیت نمبر ۸ کے حاشیہ میں گزر چکی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

اَلْمَوَازِيْنَ موصوف ہے اور اَلْقِسْطَ اس کی صفت ہے۔ موصوف اور صفت میں واحد، جمع میں مطابقت ہونی چاہیے۔ اور یہاں ایسا نہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ اَلْقِسْطُ مصدر ہے اور جب مصدر صفت واقع ہو تو واحد جمع سب کی صفت واقع ہو سکتا ہے۔ وَالْقِسْطُ صِفَةُ الْمَوَازِيْنِ وَ وُحِّدَ لِاَنَّهٗ مَصْدَرٌ يُقَالُ مِيْزَانٌ قِسْطٌ وَ مِيْزَانَانِ قِسْطٌ وَمَوَازِيْنُ قِسْطٌ۔ (قرطبی) (1)

حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جناب میں گزارش کی کہ قیامت کے دن آپ میری شفاعت فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اَنَا فَاعِلٌ میں شفاعت کروں گا۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہاں تلاش کروں؟ فرمایا: پہلے پل صراط پر (جہاں سے میری امت گزر رہی ہوگی) مجھے ڈھونڈنا اور اگر وہاں ملاقات نہ ہوئی تو میزان کے پاس مجھے تلاش کرنا (جہاں امت کے اعمال کا وزن ہو رہا ہوگا) میں نے عرض کی: اگر وہاں بھی شرفِ ملاقات نصیب نہ ہو؟ فرمایا: پھر حوض کے پاس فَاِنِّيْ لَا اُخْطِئُ هٰذِهِ الْمَوَاطِنَ الثَّلَاثَةَ میں ان تین مقامات میں سے کسی ایک پر ضرور ہوں گا۔ (ترمذی، بیہقی) (2)

۴۳ یہاں سے انبیائے کرام کا تذکرہ شروع ہے۔ جن جن کمالات سے انہیں مشرف فرمایا گیا ان کا بیان ہے۔ جن مقاصد کی تکمیل کے لیے وہ تشریف لائے، ان کے لیے جن جن مصائب سے انہیں دو چار ہونا پڑا اور جس صبر و استقامت سے انہوں نے کام لیا، ان کا تذکرہ ہے۔ تاکہ حق کا ہر علمبردار ان کے اسوۂ حسنہ سے صبر و استقامت، ایثار و اخلاص اور للّٰہیت کا سبق حاصل کرے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 294
2۔ جامع ترمذی، ابواب صفۃ القیامہ، ج 2، ص 66

وَذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٨﴾ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ

اور ذکر پرہیزگاروں کے لیے ۴۴ جو ڈرتے رہتے ہیں اپنے رب سے بن دیکھے۔ نیز وہ

مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿٤٩﴾ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ

قیامت سے بھی ترساں رہتے ہیں۔ اور یہ قرآن نصیحت ہے بڑی بابرکت ہم نے (ہی) اسے اتارا

اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿٥٠﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ

ہے تو کیا تم اس کو ماننے سے انکار کرتے ہو اور یقیناً ہم نے مرحمت فرمائی تھی ابراہیم کو ان کی دانائی ۴۵

مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿٥١﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا

اس سے پہلے اور ہم ان کو خوب جانتے تھے۔ ۴۶ یاد کرو جب آپ نے کہا اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہ یہ کیا

۴۴ جو کتاب حضرت موسیٰ کو (اصالۃ) اور حضرت ہارون کو (نیابۃ) دی گئی تھی۔ اس کے اوصاف بیان فرمائے جارہے ہیں کہ وہ فرقان ہے۔ یعنی حق و باطل کو الگ الگ کر دینے والی ہے۔ وہ ضیاء ہے یعنی روشنی ہے جس سے شاہراہِ حیات منور ہو رہی ہے اور پرہیزگاروں کے لیے نصیحت ہے۔ اگلی آیت نے بتادیا کہ متقی کون ہوتا ہے۔(1)

۴۵ حضرت موسیٰ و ہارون کے ذکر کے بعد ابوالانبیاء جد المصطفیٰ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا ذکرِ خیر فرمایا جارہا ہے۔ آپ نے اپنی جان پر کھیل کر اور خطرات کو دعوت دے کر جس جرأت سے توحید کا اعلان کیا، جس حسنِ تدبیر سے جھوٹے خداؤں کی خدائی کا پول کھولا اور ان کے پجاریوں پر ان کی بے بسی کو آشکارا کیا۔ پھر جس استقامت کا مظاہرہ آتش کدہ میں چھلانگ لگاتے وقت کیا۔ ان تمام چیزوں کو اگر پیشِ نظر رکھا جائے تب لَقَدْ اٰتَيْنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ کا مفہوم صحیح طور پر سمجھ آتا ہے۔ گویا رشد وہ بصیرت اور دانش مندی ہے جس سے گمراہ ماحول میں نعرۂ توحید بلند کرنے کی جرأت اور اس کا سلیقہ اور اس راہ میں حائل ہونے والی ساری مصیبتوں کو جھیلنے کا حوصلہ اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکّل کا صحیح جذبہ پیدا ہوتا ہے۔(2)

۴۶ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ہمیں ان عظیم اور نادر صلاحیتوں کا خوب علم تھا جو ان میں ودیعت فرمائی گئی تھیں۔ اسی لیے ان کو اتنی شان بخشی۔ قدرت اپنے عطیات کی تقسیم میں حکمت کو ہمیشہ ملحوظ رکھتی ہے۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج6، ص201 2۔ ایضاً، ج6، ص202

هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۝۵۲ قَالُوْا

مورتیاں ہیں ⁴⁷ جن کی پوجا پاٹ پر تم جمے بیٹھے ہو ۔ وہ بولے پایا ہے ہم نے اپنے

وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ۝۵۳ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ

باپ (دادوں) کو کہ وہ ان کے پجاری تھے ۔ آپ نے فرمایا بلاشبہ مبتلا رہے ہو تم بھی

وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۵۴ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ

اور تمہارے باپ دادا بھی کھلی ہوئی گمراہی میں ۔ انھوں نے پوچھا کیا تم ہمارے پاس کوئی سچی بات لیکر آئے ہو یا (صرف)

مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ۝۵۵ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

دل لگی کر رہے ہو ⁴⁸ آپ نے فرمایا (دل لگی نہیں کر رہا) بلکہ تمہارا رب وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے جس

الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰي ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝۵۶ وَتَاللّٰهِ

نے ان سب کو پیدا فرمایا ہے ⁴⁹ اور میں اس (صداقت) پر گواہی دینے والوں سے ہوں ۔ اور بخدا ! میں

۴۷ بتوں کی تحقیر کے لیے یہ لفظ استعمال کیا۔ وہ صورت جو ہاتھوں سے بنائی جائے اسے تمثال کہتے ہیں۔ بعض کے نزدیک وہ تماثیل مختلف ستاروں کی تھیں جن کی شکلیں انہوں نے اپنے خیال کے مطابق بنالی تھیں۔ بعض کے نزدیک یہ پہلے لوگوں کے مجسمے تھے جن کے متعلق ان کا یہ اعتقاد تھا کہ وہ شانِ الوہیت کے مالک ہیں۔(1)

۴۸ آپ کی ساری قوم عرصۂ دراز سے انہی بتوں کو اپنا معبود، اپنا کارساز اور اپنا حاجت روا سمجھتی آئی تھی۔ اس عقیدہ کی صداقت کے متعلق ان کے دلوں میں ادنیٰ سا شک اور معمولی سا تردد بھی کبھی پیدا نہ ہوا تھا۔ جب انہوں نے آپ کی زبان سے یہ بات سنی کہ تم کھلی گمراہی میں ہو تو وہ حیرت سے آپ کا منہ تکنے لگے۔ اور کہنے لگے: ابراہیم! یہ تم نے کیا بات کہی ہے؟ کیا تم اس کو حق سمجھ کر کہہ رہے ہو یا یوں ہی ہنسی مذاق سے تمہارے منہ سے یہ فقرہ نکل گیا ہے؟

۴۹ آپ نے فرمایا کہ میں نے پورے وثوق سے یہ کہا ہے کہ یہ خدا نہیں۔ خدا تو وہ ہے جس کی یہ شان ہے اور جس کی یہ قدرت ہے۔ میں تو اس کے بغیر کسی کی خدائی ماننے کے لیے تیار نہیں۔

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 17، ص 59

لَاَكِيۡدَنَّ اَصۡنَامَكُمۡ بَعۡدَ اَنۡ تُوَلُّوۡا مُدۡبِرِيۡنَ ﴿۵۷﴾ فَجَعَلَهُمۡ

بندوبست کروں گا تمہارے بتوں کا جب تم چلے جاؤ گے پیٹھ پھیرتے ہوئے ؔ۵۰ پس آپ نے انہیں

جُذٰذًا اِلَّا كَبِيۡرًا لَّهُمۡ لَعَلَّهُمۡ اِلَيۡهِ يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۵۸﴾ قَالُوۡا مَنۡ

ریزہ ریزہ کر ڈالا مگر ان کے بڑے بت کو کچھ نہ کہا تاکہ وہ لوگ (اس افتاد کے بارے میں) اسی کی طرف رجوع کریں ؔ۵۱ وہ بولے کس

فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَاۤ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۵۹﴾ قَالُوۡا سَمِعۡنَا

نے یہ حال کیا ہے ہمارے بتوں کا بیشک وہ ظالموں میں سے ہے (چند آدمیوں نے) کہا ہم نے ایک نوجوان کو سنا

فَتًى يَّذۡكُرُهُمۡ يُقَالُ لَهٗۤ اِبۡرٰهِيۡمُ ﴿۶۰﴾ قَالُوۡا فَاۡتُوۡا بِهٖ عَلٰۤى

ہے کہ وہ ان کا ذکر (برائی سے) کیا کرتا ہے۔ اسے ابراہیم کہا جاتا ہے۔ کہنے لگے تو پھر (پکڑ کر) لاؤ اسے سب

ؔ۵۰ دبی زبان سے آپ نے فرمایا: ابھی میں تمہارے ان خداؤں کی مرمت کرتا ہوں تا کہ ان کی حقیقت تم پر آشکارا ہو جائے۔ جوہری لکھتے ہیں: كُلُّ شَيۡئٍ تُعَالِجُهٗ اَنۡتَ تَكِيۡدُهٗ(1)۔ نیز کسی چیز کے متعلق برا ارادہ کرنے کو بھی کید کہتے ہیں کادَ اَیْ اَرَادَہٗ بِسُوْءٍ (المنجد) (2) یہاں یہ لفظ یہی مفہوم ادا کرنے کے لیے استعمال ہوا ہے۔

ؔ۵۱ ان کا ایک تہوار قریب تھا۔ اس روز سارا شہر پجاریوں سمیت کھلے میدان میں نکل جاتا۔ دن بھر کھیل تفریح میں مشغول رہتے اور شام کے قریب واپس لوٹتے۔ آپ نے خیال فرمایا بڑا زریں موقع ہے۔ سارا بتکدہ خالی ہوگا۔ بغیر کسی مزاحمت کے میں اپنی تدبیر پر عمل کرسکوں گا۔ چنانچہ جب سب لوگ تہوار منانے کے لیے باہر چلے گئے اور بتکدہ خالی ہوگیا تو آپ بھاری کلہاڑا اٹھائے ہوئے آدھمکے۔ وسیع ہال کے درمیان بڑا بت تھا۔ اس کے دونوں طرف ترتیب وار چھوٹے بت رکھے ہوئے تھے۔ سب کے سامنے مٹھائی کے تھال بھرے پڑے تھے۔ آپ نے کسی کا کان کاٹا، کسی کی ناک، کسی کی آنکھ پھوڑی اور کسی کی ٹانگ اور بازو توڑا۔ اور سب مٹھائیاں اٹھا کر بڑے بت کے سامنے ڈھیر کردیں اور کلہاڑا اس کے کندھے پر رکھ دیا اور خود وہاں سے کھسک گئے۔ شام کو جب پجاری واپس پہنچے اور اپنے بتوں کا یہ حال دیکھا تو کہرام مچ گیا۔ ڈھونڈو! پکڑو! کا شور بلند ہوا۔ نمرود کو اطلاع ملی۔ اس نے تلاش شروع کی۔ حضرت ابراہیم کے عقائد سے جو لوگ واقف تھے انہوں نے اندازہ لگایا کہ وہی نوجوان ایسا کرنے کی جرأت کرسکتا ہے۔ ان کی نشاندہی پر نمرود کی پولیس آپ کو گرفتار کرکے لے آئی۔(3)

1۔ الصحاح، ج1، ص530 2۔ المنجد، ص705 3۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج11، جز22، ص183-85

اَعۡیُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمۡ یَشۡهَدُوۡنَ ﴿۶۱﴾ قَالُوۡۤا ءَاَنۡتَ فَعَلۡتَ هٰذَا

لوگوں کے روبرو ۵۲ شاید وہ اس کے متعلق کوئی شہادت دیں ۔ (ابراہیم پکڑ کر لائے گئے تو) لوگوں نے پوچھا اے ابراہیم !

بِاٰلِهَتِنَا یٰۤاِبۡرٰهِیۡمُ ﴿۶۲﴾ قَالَ بَلۡ فَعَلَهٗ ٭ۖ کَبِیۡرُهُمۡ هٰذَا فَسۡـَٔلُوۡهُمۡ

کیا تو نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے ؟ فرمایا بلکہ ان کے اس بڑے نے یہ حرکت کی ہوگی سو ان سے پوچھو ۵۳

اِنۡ کَانُوۡا یَنۡطِقُوۡنَ ﴿۶۳﴾ فَرَجَعُوۡۤا اِلٰۤی اَنۡفُسِهِمۡ فَقَالُوۡۤا اِنَّکُمۡ اَنۡتُمُ

اگر یہ گفتگو کی سکت رکھتے ہوں (لاجواب ہوکر) اپنے دلوں میں غور کرنے لگے ۵۴ پھر بولے بلاشبہ تم ہی زیاں کار

الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۶۴﴾ ثُمَّ نُکِسُوۡا عَلٰی رُءُوۡسِهِمۡ ۚ لَقَدۡ عَلِمۡتَ مَا هٰۤؤُلَآءِ

ستمگار ہو ۔ پھر وہ اوندھے ہو کر (اپنی سابقہ گمراہی کی طرف) پلٹ گئے ۵۵ اور کہنے لگے تم خوب جانتے ہو کہ یہ

۵۲ اور مجمع عام میں آپ سے پوچھ گچھ شروع ہوئی۔

۵۳ آپ نے فرمایا: نادانو! مجھ سے کیا پوچھتے ہو اپنے خداؤں سے پوچھو۔ کس نے ان کا یہ حشر کیا؟ اور یہ صنم اکبر جس کے سامنے مٹھائیوں کے انبار لگے ہوئے ہیں اور جس کے کندھے پر کلہاڑا رکھا ہوا ہے، یہ تو صاف بتا رہا ہے کہ اسی نے چھوٹے خداؤں سے ناراض ہو کر ان کا ستیاناس کر ڈالا۔ مجھ سے کیوں پوچھتے ہو؟ ان سے پوچھو اگر ان میں بولنے کی سکت ہے۔ بتوں کی اس توہین سے ہی وہ بڑے پریشان تھے۔ آپ کے اس الزام نے ان کے ہوش اڑا دیئے۔ بھنا کر رہ گئے۔ بے حس و حرکت گویا جسم میں جان نہیں کاٹو تو لہو نہیں۔

۵۴ آپ کے اس ارشاد نے تمام حجابوں کو تار تار کر دیا جنہوں نے حقیقت کو چھپا رکھا تھا۔ آپ کے اس چرکے نے ایک لحہ کے لیے انہیں خوابِ غفلت سے چونکا دیا۔ ان کے ٹھاکروں کی بے بسی اور ناتوانی ایک ناقابلِ انکار حقیقت بن کر ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور اپنی گمراہی اور ضلالت کا بے ساختہ اعتراف کر لیا۔ آپس میں کہا اِنَّکُمۡ اَنۡتُمُ الظّٰلِمُوۡنَ۔

۵۵ علامہ قرطبی لکھتے ہیں۔ اس کا معنی یہ نہیں کہ شرم و خجالت کے مارے ان کے سر جھک گئے جیسے بعض لوگوں نے سمجھا ہے کیونکہ اگر مدعا یہ ہوتا تو عبارت یوں ہوتی۔ نَکَسُوۡا رُءُوۡسَهُمۡ اور یہاں نُکِسُوۡا عَلٰی رُءُوۡسِهِمۡ ہے اور اس کا معنی ہے اپنی مشرکانہ جہالت اور بتوں کی عبادت کی طرف پھر لوٹنا۔ حضرت ابنِ عباس سے اس کا یہی معنی مروی ہے۔ اَدۡرَکَهُمُ الشِّقَاءُ فَعَادُوۡا اِلٰی کُفۡرِهِمۡ (1)۔ یعنی انہیں ان کی بدبختی نے آلیا اور پھر وہ اپنے کفر کی طرف لوٹ گئے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 302

يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ

بولتے نہیں آپ نے فرمایا (نادانو!) کیا تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان (بے بس بتوں) کی جو نہ تمہیں کچھ

شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿۶۶﴾ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ

فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ تمہیں ضرر پہنچا سکتے ہیں ۵۵ تف ہے تم پر نیز ان بتوں پر جن کو تم پوجتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا کیا

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

تم اتنا بھی نہیں سمجھتے؟ (سب یک زبان ہو کر) بولے جلا ڈالو اس کو اور مدد کرو اپنے خداؤں کی ۵۶ اگر تم کچھ کرنا

فٰعِلِيْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ ۙ وَ

چاہتے ہو (جب آپ کو آتشکدہ میں پھینکا گیا تو) ہم نے حکم دیا اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی کا باعث بن جا ابراہیم

۵۶ آپ نے پھر ایک ضربِ کاری لگادی۔

۵۷ جب دلائلِ ابراہیمی کے سامنے زچ ہو گئے تو تشدد پر اتر آئے جو اہلِ باطل کا ہمیشہ سے دستور ہے۔ تجویز ہوئی کہ آگ جلاؤ۔ جب وہ خوب بھڑک اٹھے تو ابراہیم کو اس میں پھینک دو۔ آگ بھون کر خاکستر کر دے گی۔ ایسے گستاخ کی اس سے کم اور کوئی سزا نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ کئی روز تک ایندھن اکٹھا ہوتا رہا۔ لوگوں نے ایندھن فراہم کرنے میں اپنے مذہبی جوش کا پورا مظاہرہ کیا۔ وہ نذریں مانتے تھے کہ اگر میرا یہ کام ہو گیا تو میں اتنے گٹھے لکڑیوں کے لے آوں گا۔ آخر آگ جلائی گئی۔ جب اس کے شعلے خوب بھڑک اٹھے اور دہکتے ہوئے انگاروں کی تمازت سے پرندے بھی دور بھاگنے لگے تو اب یہ مشکل پیدا ہوئی کہ ابراہیم کو آگ میں کس طرح پھینکا جائے۔ چنانچہ منجنیق بنائی گئی اور حضرت ابراہیم کو قید خانہ سے باہر لایا گیا۔ ان کے دست و بازو باندھے گئے جب انہیں منجنیق میں رکھا جانے لگا تو عالمِ بالا میں قیامت برپا ہو گئی۔ الٰہی! اس بھری دنیا میں صرف ایک ابراہیم ہے جو تیرا نام لیتا ہے۔ اسے یوں دست و بازو باندھ کر آتشکدہ میں پھینکا جا رہا ہے۔ الٰہی! اگر یہ شمع بجھ گئی تو دنیا تاریک ہو جائے گی۔ پھر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی صدائے دلنواز کون بلند کرے گا؟ بارگاہِ الٰہی سے فرشتوں کو اذن ملا جاؤ ابراہیم کی جو امداد تم کر سکتے ہو کرو۔ جب ہوا اور بارش کے ملائکہ نے حاضر ہو کر اپنی خدمات پیش کیں تو آپ نے بڑے استغنا سے فرما دیا مجھے ان خدمات کی ضرورت نہیں۔ مجھے میرا خدا کافی ہے۔ جب منجنیق کو گھما کر آپ کو پھینکا جانے لگا تو جبرائیل آئے۔ عرض کی: خلیل! میں حاضر ہوں۔ کوئی حکم، کوئی ارشاد؟ جواب ملا: اَمَّا اِلَيْكَ فَلَا اے جبرئیل! مجھے تیری اعانت کی ضرورت نہیں۔ جبرئیل نے کہا: خلیل! اپنے ربِ جلیل سے اپنے بچاؤ کی دعا تو مانگو۔ اس پیکرِ تسلیم و رضا نے جواب دیا حَسْبِيْ مِنْ سُؤَالِيْ عِلْمُهٗ بِحَالِيْ جب وہ میرے حال کو جانتا ہے تو مجھے عرض کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس کی قضاء کے سامنے ابراہیم نے اپنا سر جھکا دیا ہے۔ (1)

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 17، ص 68

أَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْأَخْسَرِيْنَ ﴿٧٠﴾ وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا

کے لیے[٥٨] انھوں نے تو ابراہیم کو گزند پہنچانے کا ارادہ کیا لیکن ہم نے انکو ناکام بنا دیا۔ اور ہم نے نجات دی آپ کو اور لوط کو اس

إِلَى الْأَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿٧١﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ إِسْحٰقَ

سرزمین کی طرف (ہجرت کا حکم دیا) جسے ہم نے بابرکت بنایا تھا تمام جہان والوں کے لیے اور ہم نے عطا فرمایا انھیں اسحٰق

وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴿٧٢﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ أَئِمَّةً

(جیسا فرزند) اور یعقوب (جیسا) پوتا۔ اور سب کو ہم نے صالح بنا دیا۔ اور ہم نے بنا دیا انھیں پیشوا (لوگوں

يَّهْدُوْنَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَآ إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَإِقَامَ الصَّلٰوةِ

کے لیے) وہ راہ دکھاتے تھے ہمارے حکم سے اور ہم نے وحی بھیجی ان کی طرف کہ وہ نیک کام کریں اور نماز ادا کریں

وَإِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴿٧٣﴾ وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا

اور زکوٰۃ دیا کریں۔ اور وہ سب ہمارے عبادت گزار تھے۔ اور لوط کو ہم نے حکومت

وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ۭ

اور علم عطا فرمایا[٥٩] اور نجات دی اسے اس گاؤں سے جس کے باشندے بہت رذیل کام کیا کرتے تھے۔

إِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ﴿٧٤﴾ وَأَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ إِنَّهٗ

بے شک وہ لوگ بڑے نابکار (اور) نافرمان تھے۔ اور ہم نے اسے داخل کر لیا اپنے (حریم) رحمت میں۔

٥٨۔ ادھر منجنیق کو گھما کر آپ کو اس آتش کدہ میں پھینکا گیا۔ ادھر دہکتے ہوئے انگاروں اور بھڑکتے ہوئے شعلوں کو حکم ملا: خبردار! اگر میرے خلیل کا ایک بال بھی بیکا ہوا۔ اے آگ! ابراہیم کے لیے ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی کا باعث بن جا۔ ابراہیم آکر آگ میں گرے وہاں گرمی کا نام ونشان تک نہ تھا بلکہ وہاں ٹھنڈک تھی اور ٹھنڈک بھی اتنی جو باعثِ راحت وآرام ہو۔

٥٩۔ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کی مسخ شدہ ذہنیت اور ان کے جرائم کے متعلق آپ کئی جگہ پڑھ چکے ہیں۔ لُوْطًا فعل محذوف کا مفعول ہے(1) اس لیے منصوب ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 306

مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝٧٥ وَنُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ

بیشک وہ نیکو کاروں میں سے تھا۔ اور یاد کرو نوح کو جب انھوں نے (ہمیں) پکارا پیش ازیں، تو ہم نے قبول فرمایا اُن کی

فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝٧٦ وَنَصَرْنٰهُ مِنَ

دعا کو اور بچایا اُنھیں اور اُن کے گھر والوں کو سخت مصیبت سے[٦٠] اور ہم نے اُن کی حمایت کی اس قوم

الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ

کے مقابلہ میں جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا بیشک وہ بڑے ناہنجار لوگ تھے پس ہم نے غرق کر دیا ان

اَجْمَعِيْنَ ۝٧٧ وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِى الْحَرْثِ اِذْ

سب کو۔ اور یاد کرو داؤد و سلیمان (علیہما السلام) کو[٦١] جب وہ فیصلہ کر رہے تھے ایک کھیتی کے جھگڑے کا

نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ۝٧٨

جب رات کے وقت چھوٹ گئیں اس میں ایک قوم کی بکریاں[٦٢] اور ہم اُن کے فیصلہ کا مشاہدہ کر رہے تھے۔

٦٠۔ اَلْكَرْبُ: اَلْغَمُّ الشَّدِيْدُ (1)۔ سخت غم۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم کو کفر و شرک سے باز آنے اور گناہوں سے کنارہ کش ہونے کی دعوت دی اور اتنا طویل عرصہ ان کے مظالم اور اذیت رسانیوں کو صبر و تحمل سے برداشت کرتے رہے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت کے مطابق آپ کی مغرور اور ستم شعار قوم کو غرق کر دیا اور آپ کو اور آپ پر ایمان لانے والوں کو بچا لیا۔ تفصیلات سے آپ پہلے آگاہ ہو چکے ہیں۔

٦١۔ آپ دونوں باپ بیٹا جلیل القدر نبی ہونے کے باوجود اپنے علاقہ کے حکمران بھی تھے۔ اور حکمت و دانش میں بھی بے مثل تھے۔ آج بھی ان کے نام حکیمانہ فہم و فراست کے لیے بطور ضرب المثل ذکر کیے جاتے ہیں۔ ان کے دوسرے محامد و کمالات بیان کرنے سے پہلے ایک واقعہ ذکر کیا گیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرزند ارجمند کو فہم و فراست کی نعمت زیادہ بخشی گئی تھی اور یہ بھی حقیقت میں حضرت داؤد کی عزت افزائی تھی کیونکہ اولاد کی برتری سے جو خوشی ماں باپ کو ہوتی ہے وہ اپنے کمالات کی خوشی سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے۔

٦٢۔ واقعہ کی تفصیل جو کتبِ تفسیر میں مذکور ہے۔ اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

"ایک شخص کی بکریاں رات کے وقت کسی کھیت میں گھس گئیں اور اسے اجاڑ کر رکھ دیا۔ کھیت والا دادرسی کے لیے حضرت

1۔ مفردات راغب، ص 706

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۫ وَّسَخَّرْنَا مَعَ

سو ہم نے سمجھا دیا وہ معاملہ سلیمان کو۔ اور ان سب کو ہم نے بخشا تھا حکم اور علم اور ہم نے فرمانبردار بنا دیا داؤد کا

دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ؕ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿٧٩﴾ وَعَلَّمْنٰهُ

پہاڑوں اور پرندوں کو وہ سب انکے ساتھ مل کر تسبیح کہا کرتے ٦٣ اور (یہ شان) ہم دینے والے تھے ٦٤ اور ہم نے سکھا

داؤد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بکریوں کے مالک کو بھی بلایا گیا۔ دونوں کے بیان سن کر آپ نے فیصلہ کیا کہ بکریاں کھیت والے کو دے دی جائیں تاکہ اس کے نقصان کی تلافی ہو سکے۔ کیونکہ کھیت کا جو نقصان ہوا تھا بکریوں کی قیمت اندازاً اس کے لگ بھگ تھی۔ حضرت سلیمان نے جو ابھی کمسن تھے جب یہ فیصلہ سنا تو کہا کہ اس سے بھی فیصلہ کی ایک بہتر صورت ہو سکتی ہے کہ بکریاں عارضی طور پر کھیت والے کو دے دی جائیں۔ وہ ان کا دودھ پئے اور دوسرے فوائد حاصل کرے اور بکریوں والے کو حکم دیا جائے کہ وہ اس اجڑے ہوئے کھیت کی نگرانی اور حفاظت کرے۔ جب کھیت اپنی اصلی حالت میں آجائے تو کھیت والے کو اس کا کھیت دے دیا جائے اور بکریوں کا مالک اپنی بکریاں لے لے۔ یہ فیصلہ سن کر حضرت داؤد کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ چنانچہ اسی کے مطابق عمل کیا گیا۔'' (1)

٦٣ اب ان اعزازات اور کرامات کا بیان شروع ہو رہا ہے جن سے ہر ایک کو الگ الگ مشرف فرمایا گیا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو آپ کا مطیع بنا دیا۔ جب آپ حمد و تسبیح میں مشغول ہوتے تھے تو پہاڑ اور پرندے بھی آپ کے ساتھ اپنے رب کی حمد و تسبیح کرنے لگتے۔ علامہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ مَعَ کا متعلق ''سَخَّرْنَا'' بھی ہو سکتا ہے اور يُسَبِّحْنَ بھی۔ لفظاً پہلا احتمال قوی ہے اور معناً دوسرا راجح ہے۔ مَعَ مُتَعَلِّقٌ بِسَخَّرْنَا اَوْ يُسَبِّحْنَ وَ الْاَوَّلُ اَقْوٰى لَفْظًا وَّالثَّانِيْ مَعْنًى۔ (مظہری) (2)

چنانچہ میں نے ترجمہ میں معنوی پہلو کو ترجیح دی ہے۔ علامہ قرطبی نے بھی یہی مفہوم بیان کیا ہے۔ سَخَّرْنَا اَيْ جَعَلْنَاهَا بِحَيْثُ تُطِيْعُهٗ اِذَا اَمَرَهَا بِالتَّسْبِيْحِ۔ (3)

پہاڑوں اور پرندوں کی یہ تسبیح کس قسم کی تھی؟ بعض لوگوں نے کہا کہ جب آپ تسبیح کہا کرتے تو پہاڑ گونج اٹھتے اور یہی گونج ان کی تسبیح تھی۔ لیکن علامہ آلوسی اور دیگر علمائے محققین نے تصریح کی ہے کہ پہاڑ زبان قال سے تسبیح کیا کرتے ہیں۔ جس طرح فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے کنکریوں نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھا تھا اور سب لوگوں نے سنا تھا۔ اس تسبیح سے گونج مراد لینا فَلَيْسَ بِشَيْءٍ اَصْلًا یہ کوئی چیز نہیں ہے (4)۔ یہ بالکل لغو بات ہے کیونکہ پھر اس میں حضرت داؤد کی کیا خصوصیت ہوئی؟ کوئی شخص بھی اگر پہاڑ میں بلند آواز سے بولے گا تو اس سے گونج پیدا ہوگی خواہ وہ آواز دینے والا کافر ہی کیوں نہ ہو۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 212
2۔ ایضاً، ج 6، ص 215
3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 320
4۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 76

صَنۡعَةَ لَبُوۡسٍ لَّكُمۡ لِتُحۡصِنَكُمۡ مِّنۡۢ بَاۡسِكُمۡ‌ۚ فَهَلۡ اَنۡتُمۡ

دیا انھیں زرہ بنانے کا ہنر ۶۵ تمہارے فائدہ کے لیے تاکہ وہ زرہ بچائے تمہیں تمہاری زد سے تو کیا تم (اس احسان کا)

شٰكِرُوۡنَ ۝۸۰ وَلِسُلَيۡمٰنَ الرِّيۡحَ عَاصِفَةً تَجۡرِىۡ بِاَمۡرِهٖۤ اِلَى

شکریہ ادا کرنیوالے ہو۔ اور ہم نے سلیمان کے لیے تند و تیز ہوا کو فرمانبردار بنا دیا ۶۶ چلتی تھی وہ ہوا اُن کے حکم سے اس

الۡاَرۡضِ الَّتِىۡ بٰرَكۡنَا فِيۡهَا‌ ؕ وَكُنَّا بِكُلِّ شَىۡءٍ عٰلِمِيۡنَ ۝۸۱ وَ

سرزمین کی طرف جسے ہم نے بابرکت بنا دیا تھا۔ اور ہم ہر چیز کو جاننے والے تھے۔ اور

مِنَ الشَّيٰطِيۡنِ مَنۡ يَّغُوۡصُوۡنَ لَهٗ وَيَعۡمَلُوۡنَ عَمَلًا دُوۡنَ

ہم نے مسخر کر دیئے شیطانوں میں سے جو (سمندروں میں) غوطہ زنی کرتے ان کے لیے اور کیا کرتے طرح طرح کے اور کام ۶۷

۶۴ اس ارشاد سے معترضین کا منہ بند کر دیا کہ تم اس کو تسلیم کرنے سے ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہو۔ یہ کام تو ہم نے کیا، اپنے نبی کو یہ شان ہم نے بخشی۔ کیا تمہیں ہماری قدرت پر یقین نہیں؟

۶۵ دوسرا کمال جو حضرت داؤد کو مرحمت ہوا وہ زرہ سازی کا فن تھا۔ چھوٹے چھوٹے لوہے کے حلقوں سے بن کر زرہ تیار کرنا آپ کی اختراع ہے۔ اس طرح کی بنی ہوئی زرہ مضبوط اور وزن میں ہلکی ہوتی ہے۔(1)

۶۶ اب ان انعامات کا ذکر ہو رہا ہے جو آپ کے فرزند سلیمان علیہ السلام پر کیے گئے۔ پہلا انعام یہ ہے کہ ہوا کو آپ کا تابع فرمان کر دیا گیا۔ آپ کے تخت کو ہوا اپنے کندھوں پر اٹھاتی اور جدھر آپ کی مرضی ہوتی ادھر کو لے اڑتی۔ اس کی سرعتِ رفتار کو دوسری جگہ بیان کیا گیا ہے کہ صبح سے لے کر چاشت کے وقت تک ایک ماہ کی مسافت طے کر لیتی۔ آپ کے وزراء اور امراء بھی آپ کے ہمراہ ہوتے۔ اپنے شاہی فرائض انجام دینے کے بعد اگر آپ چاہتے تو ہوا آپ کو لے کر عصر کے قریب آپ کے پایۂ تخت میں پہنچا دیتی۔ قرآنِ کریم کی آیات کو اگر خارجی وساوس کے بغیر پڑھا جائے تو ان کا یہی مفہوم سمجھ آتا ہے۔(2)

ایک صاحب نے جیوش انسائیکلوپیڈیا کے حوالہ سے یہ بات نقل کی ہے کہ آپ کا ایک زبردست بحری بیڑا تھا۔ جس کے ذریعہ شرق و غرب میں آپ کی تجارت کا جال بچھا ہوا تھا۔ اور اس سے بڑا نفع حاصل ہوتا تھا۔ آپ اپنے محلات اور اپنے پایۂ تخت کی آرائش پر دل کھول کر روپیہ صرف کرتے تھے۔ وہ صاحب کہتے ہیں کہ قرآنِ کریم میں بھی اسی بحری بیڑا کا ذکر ہو رہا ہے۔ قرآنِ کریم کی آیات کے صرف سادہ ترجمہ پر نظر ڈالیے اور پھر فیصلہ کیجیے کہ کیا ان آیات میں اشارۃً یا کنایۃً ہی بحری بیڑے کا تذکرہ آیا ہے۔ جب نہیں تو پھر ایسی تحریفات کو تفسیر کہنے سے شرم آنی چاہیے۔ عصرِ حاضر میں جب ہماری فضا میں ہر وقت ان

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 77
2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 217

ذٰلِكَ ۙ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۲﴾ وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ

اور ہم ہی ان کے نگہبان تھے۔ اور یاد کرو ایوب کو جب پکارا اُنھوں نے اپنے رب کو ۶۸ کہ مجھے پہنچی ہے۔

گنت طیارے اور ہوائی بیڑے مصروفِ پرواز ہیں اور انہیں دیکھ کر ایک عام آدمی کو بھی کسی قسم کی حیرت نہیں ہوتی۔ آج حضرت سلیمان کے اس ہوائی بیڑے کا انکار کرنا انتہائی نامعقولیت ہے۔

۶۷ دوسری مہربانی یہ فرمائی کہ سرکش جنوں کو آپ کا فرمانبردار بنا دیا جو سمندر میں غوطے لگا کر اس کی تہ سے قیمتی موتی نکال کر لاتے اور اس کے علاوہ دیگر جسمانی مشقت کے کام آپ ان سے لیتے۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ سورۂ سبا آیت ۱۳۔ ۱۲ کے حواشی

۶۸ اللہ تعالیٰ کی آزمائش کے کئی انداز ہیں۔ کبھی وہ انعامات واحسانات کا مینہ برسا کر آزماتا ہے اور کبھی آلام ومصائب میں مبتلا کر کے امتحان لیتا ہے۔ پہلے حضرت داؤد و سلیمان کا ذکر فرمایا جنہیں عزت وشاہی جاہ وجلال سے نوازا۔ پہاڑ اور پرندے، ہوا اور شیاطین کو ان کا حلقہ بگوش بنایا۔ اِس کے باوجود وہ شکر وذکر سے کبھی غافل نہ رہے۔ اب اپنے ایک اور بندے کا ذکر ہو رہا ہے جس پر تکالیف وشدائد کی انتہاء ہو گئی لیکن اس کے ہاتھ سے صبر کا دامن نہ چھوٹا ہر حال میں اپنے رب کی حمد وثناء میں سرگرم رہے۔ تاکہ ہر انسان اپنے حالات کے مطابق انبیاء کے اسوۂ حسنہ سے روشنی حاصل کر سکے۔ حضرت ایوب کے نسب، قوم اور زمانہ کے متعلق بہت کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ اگرچہ وثوق سے کوئی بات نہیں کہی جا سکتی لیکن بعض قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کا زمانہ نویں صدی قبل مسیح یا اس سے پہلے کا ہے۔ آپ حضرت اسحٰق کے دوسرے بیٹے عیسو کی نسل سے تھے۔ آپ بڑے دولتمند تھے۔ زرعی زمین کا اندازہ اس سے لگا لیجیے کہ آپ کے پاس کھیتی باڑی کے لیے بیلوں کی پانچ سو جوڑیاں تھیں۔ ہزاروں کی تعداد میں بھیڑ بکریاں تھیں۔ سات بچے اور سات بچیاں تھیں۔ زوجہ محترمہ کا نام رحمت بتایا گیا ہے جو حضرت یوسف کے فرزند افرائین کی لختِ جگر تھیں۔ بڑی حسین وجمیل اور صحت مند تھیں۔ ان گونا گوں انعامات کے باوجود آپ اپنے خالق کی عبادت اور اس کی مخلوق کی خدمت میں ہر طرح سرگرم رہا کرتے۔ مشیتِ الٰہی نے جب آزمانا چاہا، کھیتیاں جل کر راکھ ہو گئیں، مال مویشی میں ایسی وبا پھوٹی کہ ایک بھی زندہ نہ رہا، آپ کے سارے بیٹے اور بیٹیاں اپنے بڑے بھائی کے ہاں مدعو تھے، مکان گرا اور سب لقمۂ اجل بن گئے۔ آپ کے جسم میں آبلے نمودار ہوتے گئے خارش کی وجہ سے انہیں کھجلایا تو انہوں نے ناسوروں کی شکل اختیار کر لی۔ ان میں چھوٹے چھوٹے کیڑے رینگنے لگے، جسم سے پیپ بہنے لگی، سب نیاز مند اپنا سلسلۂ نیاز وعقیدت توڑ کر الگ ہو گئے، سب دوستوں نے نفرت سے آنکھیں پھیر لیں، شہر والوں نے بستی سے نکال دیا کہ اس سے لوگوں میں بیماری پھیلنے کا خطرہ ہے۔ آزمائش کی ان ہوشربا گھڑیوں میں نہ زبان پر حرفِ شکایت آیا اور نہ دل میں کبھی اپنے مالک کا شکوہ کیا۔ کافی عرصہ اسی حالت میں گزر گیا بعض نے سات سال اور بعض نے اس سے بھی زیادہ لکھے ہیں۔ زبان پھر بھی اپنے خالق و مالک کی حمد وثناء میں مصروف رہی۔ آخر یہ التجا زبان پر آہی گئی: اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ۔ الٰہی! مجھے مصیبتوں اور بیماریوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ اس کے بعد یہ عرض نہیں کی کہ میری تکلیفوں اور بیماریوں کو دور فرما دے اور مجھے ان مصیبتوں سے رہائی بخش۔ صرف اتنا ہی عرض کیا اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ تو بڑا رحم کرنے والا ہے۔ گویا یہ کہہ کر سب کچھ ہی کہہ دیا۔ (1)

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 17، ص 80

مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۸۳﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا

سخت تکلیف اور تو ارحم الراحمین ہے (میرے حالِ زار پر بھی رحم فرما) تو ہم نے قبول فرمالی اُس کی فریاد اور ہم نے دور فرمادی

مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّ اٰتَیْنٰهُ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً

جو تکلیف انھیں پہنچ رہی تھی ۶۹ اور ہم نے عطا کئے اُسے اس کے گھر والے نیز اتنے اور ان کے ساتھ

مِّنْ عِنْدِنَا وَ ذِكْرٰى لِلْعٰبِدِیْنَ ﴿۸۴﴾ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِدْرِیْسَ

اپنی رحمت خاص سے اور یہ نصیحت ہے عبادت گزاروں کے لیے ۷۰ اور یاد کرو اسمٰعیل ، ادریس

۶۹ رحمتِ الٰہی جوش میں آئی۔ چشم زدن میں ساری مصیبتیں دور ہوگئیں۔ حسن وشباب پھر لوٹ آیا۔ اجڑا ہوا گھر آباد ہو گیا۔ مال و دولت کی وہی فراوانی ہوگئی۔ بلکہ پہلے سے کئی گنا زیادہ ہر چیز میں برکت و رونق آگئی۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ پہلے بچے بچیوں کو بھی زندہ کر دیا گیا۔ (1)

۷۰ یعنی حضرت ایوب علیہ السلام کے اس قصہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والوں اور اس کی رضا کے طلبگاروں کے لیے بڑی روشن اور واضح نصیحت ہے۔ وہ یاد رکھیں کہ اگر آزمائش کی کسی ایسی وادی میں سے ان کا بھی گزر ہو، جہاں قدم قدم پر مصیبتوں کے اژدھا منہ کھولے بیٹھے ہوں، جہاں بربادیوں اور ویرانیوں کے روح فرسا سناٹے ہوں تو وہ اپنے ربِ کریم کا شکوہ نہ شروع کر دیں، اس کی رحمت سے مایوس نہ ہو جائیں بلکہ سیرتِ ایوب کو سامنے رکھیں اور صبر واستقامت کا دامن تھامے ہوئے قدم آگے بڑھاتے جائیں۔ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا کی نوید انہیں بھی سنائی جائے گی۔

اسی واقعہ کو اگر آپ بائیبل میں پڑھیں گے تو ذِكْرٰى لِلْعٰبِدِیْنَ کی کوئی ادنیٰ سی جھلک بھی آپ کو نظر نہیں آئے گی۔ وہاں آپ کو ایوب نامی ایک ایسے آدمی سے واسطہ پڑے گا جو اپنی پیدائش کے دن پر لعنت بھیج رہا ہے۔ چنانچہ صحیفۂ ایوب باب ۳ میں ہے۔

''اس کے بعد ایوب نے اپنا منہ کھول کر اپنے جنم دن پر لعنت کی اور ایوب کہنے لگا: نابود ہو وہ دن جس میں میں پیدا ہوا اور وہ رات بھی جس میں کہا گیا کہ دیکھو بیٹا ہوا''۔

''وہ دن اندھیر ہو جائے، وہ رات بانجھ ہو جائے اس میں خوشی کی کوئی صدا نہ آئے۔ اس کی شام کے تارے تاریک ہو جائیں''۔ (آیات ۱ تا ۴، ۷، ۹) (2)

پھر وہ اپنی پیدائش پر نفرین بھیجتا ہے۔ چنانچہ اسی باب میں ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 326

2۔ کتاب مقدس (پرانا عہدنامہ)، ایوب، باب 3، آیت 1 تا 4، 7، 9، ص 495

وَذَا الْكِفْلِ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ

اور ذوالکفل (علیہم السلام) کو یہ سب صابروں کے گروہ سے تھے ۔ اور ہم نے داخل فرمایا انھیں اپنی خاص رحمت میں۔

اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ

یقیناً وہ نیک بندوں میں سے تھے ۔ اور یاد کرو ذوالنون کو اسے جب وہ چل دیا غضبناک ہو کر ٢ اور یہ خیال کیا

”میں رحم میں ہی کیوں نہ مر گیا۔ میں نے پیٹ سے نکلتے ہی جان کیوں نہ دے دی۔ یا پوشیدہ اسقاطِ حمل کی مانند میں وجود میں نہ آتا یا ان بچوں کی مانند جنہوں نے روشنی ہی نہ دیکھی“۔ (باب ٣ آیت ١١،١٦)(1) اسی پر بس نہیں بلکہ وہ اپنے خدا سے صرف شکوہ کرتا ہوا نہیں، الجھتا ہوا اور جھگڑتا ہوا سنائی دیتا ہے: ”اے بنی آدم کے ناظر! اگر میں نے گناہ کیا ہے تو تیرا کیا بگاڑتا ہوں تو نے کیوں مجھے اپنا نشانہ بنالیا ہے یہاں تک کہ میں اپنے آپ پر بوجھ ہو جاؤں تو میرا گناہ کیوں نہیں معاف کرتا اور میری بدکاری کیوں نہیں دور کر دیتا“۔ (باب نمبر ٧ آیت ٢١،٢٠)(2)

آگے باب نمبر ١٠ میں وہی ایوب ہمیں اپنے رب سے یہ کہتے ہوئے سنائی دیتا ہے۔

”میری روح میری زندگی سے بیزار ہے۔ میں اپنا شکوہ خوب دل کھول کر کروں گا۔ میں اپنے دل کی تلخی میں بولوں گا۔ میں خدا سے کہوں گا: مجھے ملزم نہ ٹھہراؤ۔ مجھے بتا کہ تو مجھ سے کیوں جھگڑتا ہے؟ کیا تجھے اچھا لگتا ہے کہ اندھیر کرے تو میرے خلاف۔ نئے نئے گواہ لاتا ہے اور اپنا قہر مجھ پر بڑھاتا ہے۔ پس تو نے مجھے رحم سے نکالا ہی کیوں؟ میں جان دے دیتا اور کوئی آنکھ مجھے نہ دیکھ پاتی۔ میں ایسا ہوتا کہ گویا تھا ہی نہیں“۔ (باب نمبر ١٠ آیات ١٩،١٨،١٧،٣،٢،١)(3)

اب آپ خود انصاف فرمائیے کیا ایسے شخص کو جو سراپا احتجاج ہے، جو اپنے رب پر ظالم ہونے کا الزام لگاتا ہے، جو مصائب سے اکتا کر اپنی پیدائش پر لعنتوں کی بوچھاڑ کرتا ہے، کیا اس کی زندگی یا اس کی سیرت میں کوئی ایسی چیز ہے جو ہمارے لیے ہدایت کا باعث ہو؟

اسے اس واقعہ کو سورۂ یونس میں بھی ملاحظہ فرمائیں۔ آپ اہلِ نینوا کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ آپ نے انہیں بہت سمجھایا لیکن ان کی ہٹ دھرمی بڑھتی ہی گئی۔ عرصہ دراز تک جب تبلیغ وارشاد کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا تو آپ ان سے مایوس ہو گئے۔ اس لیے کہ یہ خداوند عالم کو نہیں مانتے اور اس کے احکام پر عمل پیرا نہیں ہوتے۔ آپ کا دل غصہ سے بھر گیا۔ آپ اذنِ الٰہی کے بغیر وہاں سے ہجرت کر گئے۔ راستہ میں دریا تھا۔ کشتی میں سوار ہوئے۔ جب کشتی دریا کے بیچ میں پہنچی تو ہچکولے کھانے لگی۔ ملاحوں نے اپنے خیال کے مطابق کہا کہ کشتی میں ضرور کوئی ایسا آدمی ہے جو اپنے مالک سے بھاگ آیا ہے۔ اور اسی کی نحوست کی وجہ

1۔ کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ)، ایوب، باب 3، آیت 11 تا 16 ص 495 2۔ ایضاً، باب 7، آیت 21-20 ص 499

3۔ ایضاً، باب 10، آیت 1، 2، 3، 17، 18، 19 ص 501

سے کشتی ڈوبنے لگی ہے۔ جب آپ نے یہ سنا تو اٹھ کھڑے ہوئے اور اعتراف کیا کہ وہ میں ہوں۔ چنانچہ آپ کو دریا میں پھینک دیا گیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ کشتی میں سواریاں زیادہ تھیں۔ جب کشتی ڈولنے لگی تو باقی سواریوں کے بچانے کے لیے ایک آدمی کو دریا میں پھینکنا ناگزیر معلوم ہوا۔ تین بار قرعہ اندازی کی گئی۔ ہر بار آپ کا ہی نام نکلا۔ آپ نے دریا میں چھلانگ لگادی۔ حکمِ الٰہی سے وہاں ایک بڑی مچھلی منہ کھولے کھڑی تھی۔ اس نے فوراً آپ کو نگل لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے مچھلی یہ تمہاری خوراک نہیں بلکہ ہم نے تیرے شکم کو اس کے لیے قید خانہ بنایا ہے۔ خبردار! اسے کوئی گزند نہ پہنچے۔ جب آپ کو مچھلی نے نگل لیا تو اس وقت آپ نے اپنے مولیٰ کریم کو ان پیارے الفاظ سے پکارا۔ اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور اس کی وحدانیت اور سبوحیت کا اقرار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی التجا کو قبول فرمایا۔ مچھلی نے کنارے پر آکر آپ کو اگل دیا۔ یہ دعائیہ کلمات بارگاہِ الٰہی میں اتنے مقبول ہوئے کہ فرمایا کہ ہم اہلِ ایمان کو غم واندوہ کے اندھیروں سے یونہی نجات دیتے ہیں (1)۔ امام احمد، ترمذی اور دیگر محدثین سے منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”دَعْوَةُ ذِی النُّوْنِ اِذْ دَعَا رَبَّهٗ وَهُوَ فِیْ بَطْنِ الْحُوْتِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ﳓ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ، لَمْ یَدْعُ بِهَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ فِیْ شَیْءٍ اِلَّا اسْتَجَابَ لَهٗ“۔(2)

یعنی حضرت ذوالنون کی وہ دعا جو مچھلی کے شکم میں انہوں نے کی تھی جو مسلمان جس مشکل میں ان الفاظ سے دعا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمائے گا۔ حاکم نے ایک اور ارشاد نبوی اس طرح نقل کیا ہے:

اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِشَیْءٍ اِذَا نَزَلَ بِاَحَدٍ مِنْكُمْ كَرْبٌ اَوْ بَلَاءٌ فَدَعَا بِهٖ اِلَّا فَرَّجَ اللهُ عَنْهُ قِیْلَ بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللهِ۔(3)

حضور نے اپنے صحابہ سے پوچھا کیا میں تمہیں ایک ایسی چیز نہ بتادوں کہ جب تمہیں کوئی غم اور مصیبت لاحق ہو اور تم اس سے بارگاہِ الٰہی میں التجا کرو تو اللہ تعالیٰ تمہاری مشکل آسان فرمادے؟ صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ضرور ارشاد فرمائیے۔ تو حضورؐ نے یہی دعا ارشاد فرمائی۔ حضرت شاہ عبدالعزیز نے اپنے والد بزرگوار حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہما سے قضائے حاجات کے لیے نفل پڑھنا بیان فرمایا ہے۔ ناظرین کے فائدہ کے لیے ان کی ترتیب بھی لکھی جاتی ہے:

”مجھ کو میرے والد مرشد نے اجازت فرمائی ہے کہ انسان حاجاتِ مشکلہ کے برآنے کے واسطے چار رکعتیں پڑھے۔ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ﳓ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﱇ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَ نَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَ كَذٰلِكَ نُـْۨجِی الْمُؤْمِنِیْنَ کو سو بار پڑھے۔ دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد رَبِّ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ سو بار پڑھے۔ تیسری رکعت میں فاتحہ کے بعد وَ اُفَوِّضُ اَمْرِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ سو بار۔ چوتھی رکعت میں بعد فاتحہ کے قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ سو بار۔ پھر سلام پھیر کر سو بار یہ کہے رَبِّ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ۔

شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ یہ چاروں آیتیں

1۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج3، ص92-191
2۔ مشکوٰۃ المصابیح، باب ثواب التسبیح والتحمید، ص200، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی
3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج6، ص234، مستدرک للحاکم، کتاب الدعاء، ج1، ص685، رقم الحدیث 1864

اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ

کہ ہم اس پر کوئی گرفت نہیں کریں گے ۳؎ پھر اس نے پکارا (تہ در تہ) اندھیروں میں کہ کوئی معبود نہیں سوا تیرے

سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّي كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٨٧﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ

پاک ہے تو بیشک میں ہی قصور واروں سے ہوں۔ پس ہم نے انکی پکار کو قبول فرمالیا اور نجات بخشی

مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨٨﴾ وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ

انھیں غم (واندوہ) سے اور یونہی ہم نجات دیا کرتے ہیں مومنوں کو۔ اور یاد کرو زکریا کو جب انھوں نے پکارا اپنے رب کو

رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿٨٩﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۡ

کہ اے میرے پروردگار! مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب وارثوں سے بہتر ہے ۴؎ تو ہم نے اسکی دعا کو قبول فرمایا

وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ

اور اسے یحییٰ (جیسا فرزند) عطا فرمایا اور ہم نے تندرست کر دیا انکی خاطر انکی اہلیہ کو۔ بیشک وہ بہت سبک رو تھے

اسمِ اعظم ہیں کہ ان کے وسیلے سے جو سوال کیا جائے اور جو دعا کی جائے قبول ہوتی ہے۔

۲؎ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ناراض ہو کر چل دیے بلکہ اللہ تعالیٰ کے لیے وہ اپنی قوم سے ناراض ہوئے کہ وہ کیوں ایمان نہیں لاتے اور اتباعِ حق سے کیوں دور بھاگتے ہیں۔(1)

۳؎ اس کا یہ معنی نہیں کہ آپ نے یہ خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ مجھے پکڑ نہیں سکتا جیسے بعض مترجمین نے لکھا ہے بلکہ اس کا معنی ہے لَنْ نُّضَيِّقَ عَلَيْهِ ہم اس معاملہ میں اس پر سختی نہیں کریں گے۔ یہ قدرٌ سے ماخوذ ہے جس کا معنی حکم کرنا ہے نہ قدرت سے۔

قِيْلَ هُوَ مِنَ الْقَدْرِ الَّذِيْ هُوَ الْقَضَاءُ وَالْحُكْمُ اَيْ فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْضِيَ عَلَيْهِ بِالْعُقُوْبَةِ قَالَهٗ قَتَادَةُ وَ مُجَاهِدٌ وَالْفَرَّاءُ۔ مَاخُوْذٌ مِّنَ الْقَدْرِ دُوْنَ الْقُدْرَةِ۔ (قرطبی)(2)

۴؎ حضرت زکریا اور ان کی دعا کا تذکرہ سورۂ مریم میں ابھی ابھی گزرا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ضیاء القرآن سورۂ مریم آیات ۱۶ تا ۳۴

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 17 ص 83
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11 ص 32-331

فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿٩٠﴾

نیکیاں کرنے میں اور پکارا کرتے تھے ہمیں بڑی امید اور خوف سے اور وہ ہمارے سامنے بڑا عجز و نیاز کیا کرتے تھے۔

وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا

اور یاد کرو اس خاتون کو جس نے محفوظ رکھا اپنی عصمت کو پس ہم نے پھونک دیا اس میں اپنی روح سے اور ہم نے بنا دیا اسے

وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٩١﴾ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا

اور اسکے بیٹے کو (اپنی قدرت کی) نشانی سارے جہان والوں کے لیے [۵] (اے ان انبیاء کو ماننے والو!) یہی (توحید) تمہارا دین ہے

رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿٩٢﴾ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ؕ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿٩٣﴾

جو ایک دین ہے [۶] اور میں تمہارا پروردگار ہوں پس میری بندگی کیا کرو۔ مگر لوگوں نے پارہ پارہ کر ڈالا اپنے دین کو آپس میں (آخر کار) سب ہماری طرف [۸]

ع ۶ ۱۸

۷۵ اس سے بھی صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بن باپ ہوئی تھی۔

۷۶ اس سے پہلے متعدد انبیاء کا ذکر ہوا جو مختلف اوقات میں مختلف قوموں کی طرف بھیجے گئے تھے۔ اس سے یہ وہم ہوسکتا تھا کہ سب نے الگ الگ عقائد کی تبلیغ کی اور جدا جدا نظریات پر اپنی امت کو اکٹھا کیا۔ اس آیت سے اس وہم کا ازالہ کر دیا اور بتایا کہ تمام انبیاء کرام نے ایک ہی عقیدہ کی تبلیغ کی اور ایک دین کے پرچم کے نیچے ہی سب کو جمع کرنے کی کوشش فرمائی اور وہ عقیدہ توحید ہے۔ آدم علیہ السلام سے لے کر سرورِ انبیاء علیہ اطیب التحیۃ والثناء سب نے اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دی۔ بنیادی عقائد میں کسی قسم کا بھی ان میں اختلاف نہ تھا۔ یہاں اُمَّةً کا معنی دین ہے۔ فَالْاُمَّةُ هُنَا بِمَعْنَى الدِّيْنِ۔ (قرطبی) (1)

۷۷ لیکن ہر قوم نے اپنے رسولوں کی ہدایت سے سرتابی کی اور اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کو اپنا دین بنالیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اولادِ آدم بے شمار گروہوں میں بٹ گئی اور انسانی وحدت پارہ پارہ ہو کر رہ گئی۔ عقائد اور نظریات کے ان من گھڑت اختلافات نے اتنی شدت اختیار کی کہ بارہا خونِ انسانی کے دریا بہائے گئے۔ آباد بستیوں کو کھنڈر بنا کر رکھ دیا گیا۔

۷۸ آج تو تم جو جی میں آتا ہے کر گزرتے ہو اور کسی مخلص اور خیر اندیش راہ نما کی بات سننے کے لیے تیار نہیں ہو لیکن قیامت کا دن آنے والا ہے جب تم ہمارے روبرو حاضر کیے جاؤ گے اور ہر چیز کی حقیقت عیاں ہو جائے گی۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 338

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ

پس جو شخص کرتا رہا کوئی نیک کام بشرطیکہ وہ مومن ہو تو رائیگاں نہیں جانے دیا جائیگا اسکی کوشش کو ۷۹ اور ہم اس

وَ اِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾ وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۹۵﴾

کے لیے (اسکے عملوں کو) لکھنے والے ہیں اور ناممکن ہے اس بستی کے لیے جس کو ہم نے برباد کر دیا کہ اسکے باشندے پھر لوٹ کر آئیں ۸۰

حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ

یہاں تک کہ جب کھول دیئے جائیں گے یاجوج اور ماجوج ۸۱ اور وہ ہر بلندی سے بڑی تیزی کے ساتھ نیچے اترنے لگیں

يَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ

گے۔ (تب معلوم ہو گا کہ) قریب آگیا ہے سچا وعدہ تو اس وقت تاڑے لگ جائیں گی۔ نظریں ان لوگوں کی

۷۹۔ کتنی پیاری آیت ہے۔ کتنا حوصلہ افزا ارشاد ہے جو شخص بھی عملِ صالح کرے گا، اس سے قطع نظر کہ اس کی رگوں میں کس کا خون ہے، وہ کس قبیلہ کا فرد ہے، اس کی رنگت گوری ہے یا کالی، وہ دولت مند ہے یا مفلس، وہ کس ملک کا باشندہ ہے، وہ مرد ہے یا عورت، جو شخص بھی کوئی نیک کام کرے گا اس کی مساعی کو ڈھانپ نہیں دیا جائے گا، اس کی جدوجہد رائیگاں نہیں جائے گی بلکہ اس کے اعمالِ حسنہ کو شرفِ قبولیت بخشا جائے گا۔ نیکی کرنے والے کو ضرور اس کا اجر ملے گا۔ صرف ایک شرط ہے کہ وہ مومن ہو۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر محکم یقین رکھتا ہو۔ اگر یہ نہیں تو اس کا کوئی عمل بھی مقبول نہیں ہوگا خواہ وہ کتنا نفع بخش اور عمدہ ہو۔ کیونکہ وہ باغی ہے اللہ تعالیٰ کے ملک میں رہ کر اس کی الوہیت اور اس کی سلطانی کا منکر ہے اور دنیا کے کسی ملک کے قانون اور آئین میں باغی کے لیے کوئی گنجائش نہیں خواہ وہ اپنے علم و فضل، زہد و تقویٰ اور انکشافات و ایجادات میں یگانہ روزگار ہی کیوں نہ ہو۔

۸۰۔ یہاں حَرٰمٌ بمعنی ممنوع ہے قَالَ الرَّاغِبُ: اَلْحَرَامُ: اَلْمَمْنُوْعُ۔ (1)

۸۱۔ یاجوج اور ماجوج کے متعلق سورۂ کہف میں تفصیلی بحث گزر چکی ہے۔ ملاحظہ ہو سورۂ کہف، آیت نمبر ۹۴۔ حَدَبٍ: کہتے ہیں اونچی جگہ کو۔ اَلْحَدَبُ: مَا ارْتَفَعَ مِنَ الْاَرْضِ وَالْجَمْعُ حِدَابٌ۔ يَنْسِلُوْنَ: نَسَلَانُ الذِّئْبِ سے ماخوذ ہے۔ بھیڑیے کی سرعتِ رفتار کو نَسَلَانُ الذِّئْبِ کہتے ہیں (2)۔ مقصد یہ ہے کہ جب وہ بند ٹوٹ جائے گا جو یاجوج ماجوج کو روکے ہوئے ہے تو وہ بلندیوں سے بڑی تیزی کے ساتھ اترتے چلے آئیں گے اور میدانی علاقوں میں پہنچ کر کشت و خون کا بازار گرم کر دیں گے قَالَ

1۔ مفرداتِ راغب، ص 229 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 341

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا

جنھوں نے کفر کیا تھا (کہیں گے) صد حیف! ہم تو غافل رہے اس امر سے بلکہ ہم تو ظالم تھے۔

ظٰلِمِيْنَ ﴿٩٧﴾ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۭ

(اے مشرکو!) تم اور جن بتوں کی تم عبادت کیا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سب جہنم کا ایندھن ہوں گے ۸۲

اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿٩٨﴾ لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَاۗءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ۭ وَ

تم اس میں داخل ہونے والے ہو، (سوچو!) اگر یہ خدا ہوتے تو نہ داخل ہوتے جہنم میں، اور (جھوٹے

كُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٩٩﴾ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿١٠٠﴾

خدا اور ان کے پجاری) سب اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہ جہنم میں (شدتِ عذاب سے) چیخیں گے ۸۳ اور وہ اس میں اور کچھ نہ سن سکیں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰۗىِٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿١٠١﴾ ۙ

بلاشبہ وہ لوگ جن کے لیے مقدر ہو چکی ہے ہماری طرف سے بھلائی ۸۴ تو وہی اس جہنم سے دور رکھے جائیں گے۔

الزُّجَاجُ وَالنَّسَلَانُ مَشْيَةُ الذِّئْبِ اِذَا اَسْرَعَ۔ (1)

۸۲۔ یہاں خطاب مشرکینِ مکہ سے ہے کہ تمہیں اور تمہارے پتھر کے گھڑے ہوئے ان خداؤں کو جہنم کا ایندھن بنا دیا جائے گا۔ مَا غیر ذوی العقول کے لیے ہے اس لیے اس میں فرشتے، عزیر اور عیسیٰؑ داخل نہیں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو عبداللہ بن الزبعری نے اعتراض کیا کہ پھر تو صرف ہمارے بت ہی نہیں بلکہ عیسیٰ اور عزیر بھی اس آیت کا مصداق بنیں گے کیونکہ عیسائی اور یہودی ان کی بھی عبادت کیا کرتے ہیں۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نَعَمْ كُلُّ مَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّعْبَدَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَهُوَ مَعَ مَنْ عَبَدَهٗ۔ "ہاں ہر وہ آدمی جس نے یہ پسند کیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اس کی بھی پوجا کی جائے اسے بھی اپنے پجاریوں کے ساتھ دوزخ میں پھینک دیا جائے گا (2)" حَصَبُ کی وضاحت کرتے ہوئے ابو عبیدہ لغوی کہتے ہیں۔ ہر وہ چیز جو آگ بھڑکانے کے کام آئے اسے حَصَبٌ کہتے ہیں۔ حَصَبٌ: حَطَبٌ (ایندھن) کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ (3)

۸۳۔ جن کی یہ درگت بننے والی ہو کیا وہ اس قابل ہیں کہ انہیں خدا اور معبود تسلیم کیا جائے۔

۸۴۔ حُسْنٰی سے مراد سعادتِ ازلی اور توفیقِ اطاعت ہے اَلْحُسْنٰى: هِيَ السَّعَادَةُ وَقِيْلَ: التَّوْفِيْقُ لِلطَّاعَةِ۔ (روح المعانی) (4) حضرت نعمان بن بشیر سے مروی ہے کہ سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے منبر پر یہ آیت تلاوت کی اور فرمایا کہ میں، ابوبکر،

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 237
2۔ سیرت ابن ہشام، ج 1، ص 383، مطبوعہ مطبعۃ حجازی بالقاہرہ
3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 11، ص 344
4۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 97

لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ

وہ اس کی آہٹ بھی نہ سنیں گے اور وہ ان (نعمتوں) میں جن کی خواہش انھوں نے کی تھی ہمیشہ رہیں

خٰلِدُوْنَ ۝۱۰۲ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۭ

گے۔ نہ غمناک کرے گی انھیں وہ بڑی گھبراہٹ ۸۵ اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے (انھیں بتائیں گے)

هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝۱۰۳ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاۗءَ

یہی وہ تمھارا دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا (یاد کرو) جس دن ہم لپیٹ دیں گے آسمان کو جیسے لپیٹ دیے جاتے

كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۭ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۭ وَعْدًا

ہیں طومار میں کاغذات۔ جیسے ہم نے آغاز کیا تھا ابتدائے آفرینش کا اسی طرح ہم اسے لوٹائیں گے۔ یہ وعدہ (پورا

عَلَيْنَا ۭ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝۱۰۴ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ

کرنا) ہم پر لازم ہے بیشک ہم (ایسا) کرنے والے ہیں اور بے شک ہم نے لکھ دیا ہے زبور میں ۸۶ پند و موعظت کے (بیان

عمر، عثمان، طلحہ، زبیر، سعد، سعید، عبدالرحمٰن اور ابوعبیدہ بن جراح ان خوش نصیبوں میں سے ہیں جن کو یہ مژدہ سنایا جا رہا ہے۔(1)

۸۵ جب حضرت اسرافیل صور پھونکیں گے سب مخلوق ہڑبڑا کر قبروں سے اٹھے گی۔ سب لوگ حیران و پریشان ہوں گے۔ مگر پاک ہستیوں کو اس روز بھی کسی گھبراہٹ اور بے چینی کا سامنا نہیں ہوگا۔ فرشتے ان کے استقبال کے لیے وہاں پہلے سے ہی موجود ہوں گے اور انہیں یہ مژدۂ جانفزا سنائیں گے کہ وہ روزِ سعید جس کے لیے تم عمر بھر عبادت و طاعت میں مصروف رہے وہ آ گیا ہے۔ آج تمہاری مشتاق نگاہوں اور بیتاب دلوں کی تسکین کا سامان کیا جائے گا۔ سبحان اللہ! کتنا کریم ہے خداوند عالم اور کتنے بلند اقبال ہیں اس کے وہ بندے جن کے ساتھ روزِ محشر ایسا سلوک کیا جائے گا۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ بِجَاہِ نَبِیِّکَ الْمُکَرَّمِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ۔

۸۶ زبور اس آسمانی صحیفہ کا نام ہے جو حضرت داؤد پر نازل ہوا۔ اَلذِّکْر سے مراد تورات ہے۔ یعنی ہم نے اس حقیقت کو جس کا بیان ابھی آتا ہے زبور میں بھی لکھا اور اس سے پہلے تورات میں بھی۔ بعض حضرات نے زبور سے سارے آسمانی صحیفے مراد لیے ہیں اور اَلذِّکْر کا معنی لوحِ محفوظ کیا ہے۔ یعنی قدرت کا یہ فیصلہ سب آسمانی کتابوں میں بھی مذکور ہے اور اس سے پہلے لوحِ محفوظ میں بھی یہ لکھا جا چکا ہے۔ بعض نے اَلذِّکْر سے مراد قرآنِ پاک لیا ہے۔(2)

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 97　　2۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 201

الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ فِيْ

کے بعد کہ بلاشبہ زمین کے وارث تو میرے نیک بندے ہوں گے ۸۷۔ یقیناً اس قرآن میں کفایت

هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً

ہے اس قوم کی (فلاح دارین) کے لیے جو عبادت گزار ہے ۸۸۔ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو، مگر سراپا رحمت بنا کر سارے

۸۷۔ جس زمین کی وراثت کا وعدہ صالحین کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اس سے مراد جنت کی سرزمین ہے (1)۔ جس طرح دوسری آیات میں اس کو واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ۔ (2) کہ ''جب متقی لوگ گروہ در گروہ جنت میں داخل ہوں گے تو کہیں گے کہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہمارے ساتھ جو وعدہ کیا تھا اسے سچ کر دکھایا اور ہمیں زمین کا وارث بنایا۔ اب ہم جنت میں جہاں چاہیں اپنی جگہ بنا سکتے ہیں۔ پس نیک کام کرنے والوں کے لیے بہترین اجر ہے۔''

باقی رہی دنیوی بادشاہی وحکومت تو وہ کبھی صالحین اور کبھی فاسقین کو دے دی جاتی ہے جس کا ذکر دوسری آیت میں ہے۔ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ۔ زیر بحث آیت کو سامنے رکھ کر بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ فلاح وتقویٰ کا قرآنی معیار حکومت کا ہونا اور نہ ہونا ہے۔ ان کا یہ قول قرآنِ کریم کی صدہا تصریحات کے خلاف ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ بڑے بڑے ظالم، خونخوار اور نااہل لوگ تختِ شاہی پر متمکن رہے جن کے مظالم اور نااہلی سے ان کی اپنی قوم نالاں رہی۔ حصولِ حکومت کو صلاحیت کا معیار قرار دینے والے کیا ایسے فرمانرواؤں کو بھی صالح ہونے کی سند دیں گے؟ کیا ہٹلر کا نام اس کے اپنے ہم وطنوں میں آج ایک گالی بن کر نہیں رہ گیا؟ زندگی میں سٹالن کی پوجا کرنے والوں نے اس کے مرنے کے بعد اپنے ہاتھوں سے اس کی ہڈیاں کریملن کے مقبرہ سے نکال کر باہر نہیں پھینک دیں؟ اگر دنیوی حکمرانی اور مادی ترقی کو ہی آپ صالحیت کا معیار قرار دیں گے تو قرآنِ کریم کی بے شمار آیات کی تحریف کے مرتکب ہونے کے ساتھ آپ تاریخ کی عدالت میں بھی ایک مجرم قرار دیئے جائیں گے۔ آپ نے ہر اس شخص کو قرآنی اصطلاح میں صالح کہہ دیا جس نے کسی طرح زمامِ اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لی۔ خواہ اس نے تمدن وحضارت کے سب روشن چراغ بجھا دیئے ہوں، خواہ اس کی فتوحات سے کاروانِ انسانیت کی ترقی رک گئی ہو، خواہ اس کی خونخواریوں اور سفاکیوں کی وجہ سے عالمِ انسانیت پر بربریت، وحشت اور جہالت کی شبِ دیجور چھا گئی ہو۔

۸۸۔ صحاح میں ہے اَلْبَلَاغُ: اَلْكِفَايَةُ (3) یعنی اس فرقانِ حمید میں جو احکام اور ارشادات ہیں وہ انسان کو منزلِ مقصود تک پہنچانے کے لیے کافی ہیں۔ ان پر عمل کرنے والا دارین کی سعادتوں سے بہرہ ور ہو جاتا ہے۔ اس پر ایمان لانے کے بعد مومن کو کسی دوسرے نظامِ حیات سے دریوزہ گری کی شرمندگی اٹھانی نہیں پڑتی، یعنی مَنِ اتَّعَظَ بِهَا بَلَغَ مَا يَرْجُوْ مِنَ الثَّوَابِ۔ (مظہری) (4)

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 9، جز 17، ص 104-103
2۔ سورۃ الزمر: 74
3۔ الصحاح، ج 4، ص 1316
4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 244

لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ

جہانوں کے لیے ۸۹۔ فرما دیجئے کہ میرے پاس تو صرف یہ وحی آئی ہے کہ تمہارا خدا (وہی ہے جو) ایک خدا ہے۔ ۹۰

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ اَلْبَلَاغُ: اَلْكِفَايَةُ وَمَا تُبْلَغُ بِهِ الْبُغْيَةُ۔ (کبیر)(1)

۸۹۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوبِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو جن کمالاتِ صوری ومعنوی، خلقی، وہبی وکسبی سے مشرف فرمایا وہ بلاشک و شبہ بے مثال اور بے نظیر ہیں اور ان کمالات کو قرآنِ کریم کی آیاتِ طیبہ میں جس انداز سے بیان فرمایا اس کا بھی جواب نہیں۔ ان آیات کو پڑھ کر اگر ایک طرف عبد محبوب کے مرتبۂ کمال کا پتہ چلتا ہے تو دوسری طرف ان کمالات کے بخشنے والے کی شانِ کریمی اور ادائے بندہ نوازی دیکھ کر بے ساختہ دل وزبان سے سبحان اللہ! سبحان اللہ! کی صدا بلند ہوتی ہے۔ لیکن اس آیت کریمہ میں جو جامعیت ہے اس نے اس کو دیگر آیات سے ممتاز کر دیا ہے۔ جو کمالات اور صفاتِ عالیہ متفرق اور منتشر تھیں ان سب کو یہاں یکجا کر دیا ہے۔ اس آئینہ میں حسنِ محمدی اور جمالِ احمدی کی ساری رعنائیاں اور دلربائیاں بکمال لطافت جلوہ نما ہیں۔

ارشاد ہے: اے محبوب! جو کتابِ مجید، دینِ حنیف، شریعتِ بیضاء، خلقِ عظیم، دلائلِ قاہرہ، حجج باہرہ، آیاتِ بینات اور معجزاتِ ساطعات غرضیکہ جن ظاہری اور باطنی، جسمانی اور روحانی نعمتوں سے مالا مال کر کے ہم نے آپ کو مبعوث فرمایا ہے اس کی غرض وغایت یہ ہے کہ آپ سارے جہانوں کے لیے، سارے جہان والوں کے لیے، اپنوں اور بیگانوں کے لیے، دوستوں اور دشمنوں کے لیے سراپا رحمت بن کر ظہور فرماویں۔

لغت میں رحمت دو چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ اَلرَّحْمَةُ: اَلرِّقَّةُ وَالتَّعَطُّفُ۔ (الصحاح)(2)

یعنی رحمت رقت اور احسان ومہربانی کے مجموعے کا نام ہے۔ علامہ راغب اصفہانی کی تشریح ملاحظہ ہو: اَلرَّحْمَةُ: رِقَّةٌ تَقْتَضِي الْاِحْسَانَ اِلَى الْمَرْحُوْمِ(3)۔ یعنی رحمت اس رقت کو کہتے ہیں جو اس شخص پر احسان کرنے کا تقاضا کرے جس پر رحمت کی جارہی ہے۔ پھر فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت میں رقت نہیں کیونکہ وہ اس سے پاک ہے۔ بلکہ صرف تعطف اور احسان ہے اور کہیں صرف رقت ہوتی ہے اور یارائے احسان نہیں ہوتا۔ (المفردات)

لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو رحمتِ جامعہ یعنی رحمت کے دونوں مفہوموں سے نوازا ہے۔ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ (4) (جس سے تمہیں تکلیف ہوتی ہے وہ چیز میرے محبوب کو بڑی شاق گزرتی ہے) میں رقت کا اظہار ہے اور بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (5) میں شانِ تعطّف واحسان کا۔ یعنی ہر دردمند کے درد کا احساس بھی ہے اور ہر درد کا درماں بھی ہے۔ کسی غم زدہ اور دکھ درد کے مارے کو دیکھ کر غایتِ رأفت سے آنکھیں اشک بار ہو جاتی ہیں اور نوکِ مژگانِ پاک پر در یتیم سے ارجمند تر اور تابندہ تر آنسوؤں کے موتی سراپا التجا بن کر بارگاہِ رب العالمین میں گرتے ہیں تو مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں، غم واندوہ کی کالی گھٹائیں کافور ہو جاتی ہیں۔

آپ خود غور فرمائیے کہ جن افراد نے یا جن قوموں نے حضورؐ کے دامنِ رحمت کو تھاما، حضورؐ کے لائے ہوئے دین کو صدقِ

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 11، جز 22، ص 231   2۔ الصحاح، ج 5، ص 1929   3۔ مفردات راغب، ص 347
4۔ سورۃ التوبہ: 128   5۔ ایضاً

دل سے قبول کیا اور حضورؐ کے پیش کردہ نظامِ حیات کو اپنی عملی زندگی میں اپنایا وہ لوگ کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ گمراہ تھے لیکن اس نورِ مبین سے اکتسابِ نور کرنے کے بعد ظلمت کدۂ عالم میں ہدایت کے چراغ روشن کر گئے۔ جاہل تھے لیکن اس چشمۂ علم وعرفان سے سیراب ہونے کے بعد دنیا کے جس جس گوشہ میں گئے علم وحکمت کے چمن کھلاتے گئے۔ گنوار اور اجڈ تھے لیکن پاکیزہ تہذیب وتمدن کے بانی بن گئے۔ جہانگیری وجہانبانی کا ایک اچھوتا تصور دنیا کے سامنے پیش کیا جس میں کسی ایسے بادشاہ کی گنجائش نہیں جو مطلق العنان ہو، جو قانون کی گرفت سے بالاتر ہو، جو سب کا محاسبہ کر سکے لیکن اس سے باز پرس کرنے کی کسی کو اجازت نہ ہو۔ بلکہ جو قوم وملک کا سربراہ ہوگا اسے خلیفہ کہا جائے گا۔ جس کا معنی نائب ہے اور نائب وہ ہوتا ہے جسے کسی نے مقرر کیا ہو اور جس پر لازم ہو کہ وہ جو کچھ کرے گا اپنے مقرر کرنے والے کی منشا اور ہدایت کے مطابق کرے گا۔ ان رحمتوں سے وہ افراد اور قومیں سرشار ہوئیں جنہوں نے حضورؐ کی رسالت کو تسلیم کیا اور حضورؐ کے لائے ہوئے دین پر ایمان لانے کا شرف حاصل کیا۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

لیکن جو لوگ اپنی کج فہمی کے باعث یا بے جا تعصبات میں مبتلا ہو کر اس چشمۂ حیواں سے براہِ راست اور بلاواسطہ سیر کام نہ ہوئے وہ بھی اس فیضان سے دانستہ یا نادانستہ فیضیاب ہوتے رہے۔ آفتاب کی شعاعیں ہر وادی وکوہسار کو روشن کرتی رہیں حتیٰ کہ وہ مذاہب جن کی بنیاد ہی اصنام پرستی اور شرک پر تھی وہ بھی اپنے مشرکانہ عقائد میں ترمیم کرنے پر مجبور ہو گئے۔ چنانچہ ہندوستان میں آریہ سماج اور عیسائی دنیا میں پروٹسٹنٹ نظریات کا فروغ اس دعویٰ کی صداقت پر شاہدِ عادل ہیں۔ ملوکیت اور ڈکٹیٹرشپ کے نظام ہائے حکومت کی جگہ جمہوری اور شورائی طرزِ حکومت کی مقبولیت اسلام کے پیش کردہ نظریۂ سیاست کی فتح نہیں تو اور کیا ہے؟ اور پھر یہ رحمت کیا کم ہے کہ اپنے فسق وفجور اور کفر وشرک کے باوجود پہلی قوموں کی طرح ان پر فوری عذاب نازل کر کے انہیں نیست ونابود نہیں کر دیا گیا۔

یہ تو عالمِ ناسوت میں حضور کی گوناگوں رحمتوں کا ظہور ہے۔ لیکن صرف یہاں ہی نہیں بلکہ عالمِ ملکوت میں بھی حضورؐ کی رحمت کا پرچم لہرا رہا ہے اور حضورؐ کا دستِ شفقت گل افشانی کر رہا ہے۔ وہاں رحمتِ محمدی کے ظہور میں جو بانکپن ہے اور بحرِ کرم میں جو مٹھاس اور روانی ہے اس کا حال تو فقط وہ نفوسِ قدسیہ ہی جانتے ہیں جنہیں اس عالم کی سیاحت ارزانی ہوئی ہو۔

غرضیکہ یہ وہ آفتاب ہے جس کی تابانیوں سے صرف عالمِ رنگ وبو ہی روشن نہیں بلکہ وہ جہانِ لطیف بھی درخشاں ہے جو رنگ وبو، کم وکیف، بالا وپست کے تعینات سے ماوراء ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ وہاں اس آفتاب کی نور افشانی کا رنگ ہی نرالا ہے جو نہ زبان پر لایا جا سکے اور نہ قلم سے لکھا جا سکے۔ اس رحمتِ عامہ کی برکتوں سے عقل بھی بہرہ ور ہے اور دل کی دنیا بھی شادکام ہے۔

ترجمانِ حقیقت شاعرِ مشرق نے کیا خوب کہا ہے۔

تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے — عقل غیاب وجستجو، عشق حضور واضطراب
شوکتِ سنجر وسلیم تیرے جلال کی نمود — فقرِ جنید وبایزید تیرا جمال بے نقاب (1)

حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی شانِ رحمت سے نقاب سرکاتے ہوئے فرمایا: اِنَّمَا اَنَا رَحْمَۃٌ مُّھْدَاۃٌ (2)۔ یعنی میں وہ رحمت ہوں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو بطورِ تحفہ عطا فرمائی۔

1۔ کلیاتِ اقبال، بالِ جبریل، ص 540
2۔ سنن دارمی، مقدمہ، ج 1، ص 17، مطبوعہ دار المحاسن للطباعۃ، قاہرہ

ایک مرتبہ کفار کے لیے جب بددعا کرنے کی التجا کی گئی تو حضور نے فرمایا: اِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً وَّلَمْ اُبْعَثْ عَذَابًا (1)۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے عذاب بنا کر نہیں بھیجا بلکہ سراپا رحمت بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

وَكَوْنُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحْمَةً لِّلْجَمِيْعِ بِاعْتِبَارِ اَنَّهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَاسِطَةُ الْفَيْضِ الْاِلٰهِيِّ عَلَى الْمُمْكِنَاتِ عَلٰى حَسْبِ الْقَوَابِلِ وَلِذَا كَانَ نُوْرُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اَوَّلَ الْمَخْلُوْقَاتِ وَفِي الْخَبَرِ ''اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ تَعَالٰى نُوْرَ نَبِيِّكَ يَا جَابِرُ'' وَجَاءَ ''اللّٰهُ تَعَالَى الْمُعْطِيْ وَاَنَا الْقَاسِمُ'' وَلِلصُّوْفِيَةِ قُدِّسَتْ اَسْرَارُهُمْ فِيْ هٰذَا الْفَصْلِ كَلَامٌ فَوْقَ ذٰلِكَ۔ (روح المعانی) (2)

یعنی ''حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تمام کائنات کے لیے رحمت ہونا اس اعتبار سے ہے کہ عالم امکان کی ہر چیز کو حسبِ استعداد جو فیضِ الٰہی ملتا ہے وہ حضور کے واسطہ سے ہی ملتا ہے اسی لیے حضورؐ کا نور تمام مخلوقات سے پہلے پیدا فرمایا گیا۔ حدیث شریف میں ہے کہ اے جابر! سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تیرے نبی کے نور کو پیدا فرمایا۔ اور دوسری حدیث میں ہے: اللہ تعالیٰ دینے والا ہے اور میں (اس کی رحمت کے خزانوں کو) بانٹنے والا ہوں۔ اور صوفیائے کرام قدست اسرارہم نے اس ضمن میں جو اسرار و معارف بیان کیے ہیں وہ اس سے بلند ہیں جو ہم نے بیان کیے ہیں''۔

حضرت علامہ اقبال نے حاملِ لواء الحمد اور صاحب مقام محمود کی مدح سرائی میں جب یوں گل فشانی کی ہوگی تو کیا عجیب سماں ہوگا۔

وہ دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل جس نے   غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سیناء
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر   وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ (3)

وَنَسْاَلُ اللّٰهَ تَعَالٰى اَنْ يَّجْعَلَ حَظَّنَا مِنْ رَّحْمَتِهِ الْحَظَّ الْوَافِرَ وَاَنْ يُّيَسِّرَ لَنَا اُمُوْرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ بِلُطْفِهِ الْمُتَوَاتِرِ۔ (4) (روح المعانی) الٰہی! ہمیں اپنے محبوب کی رحمت سے حظِ وافر عطا فرما اور حضورؐ کے لطفِ پیہم سے ہمارے دنیوی اور اخروی کاموں کو آسان فرما۔ آمین ثم آمین وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

۹۰۔ رحمۃ للعالمینی کا اہم اور مبارک ترین پہلو یہ ہے کہ کفر و شرک میں ڈوبی ہوئی دنیا کو پھر نورِ توحید سے جگمگا دیا۔ بندے کا تعلق اپنے رب سے جوڑ دیا۔ اس کا دل جو دنیا بھر کی خواہشات کا کباڑ خانہ بنا ہوا تھا اسے تمام آلائشوں سے پاک کیا اور اللہ تعالیٰ کی محبت کا روشن چراغ اس میں رکھا۔ انسانیت کا کارواں اپنی منزل کی تلاش میں صدیوں سے بھٹک رہا تھا اسے اپنی منزل کا پتہ بھی دیا اور وہ راہ بھی بتائی جو اسے منزل تک لے جاسکتی تھی۔ صرف اسی پر بس نہیں بلکہ مسافر کے دل میں منزل کا اتنا شوق پیدا کر دیا کہ وہ ہر طرف سے پہلو بچا کر اپنی منزل کی طرف بے تابانہ وار گامزن ہوگیا۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 244
2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 105
3۔ کلیات اقبال، بال جبریل، ص 447
4۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 109

فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰی

پس کیا تم اسلام لانے کے لیے تیار ہو۔ اگر وہ پھر بھی روگردانی کریں تو آپ فرما دیجیے کہ میں نے آگاہ کر دیا ہے تمھیں

سَوَآءٍ ؕ وَاِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ اِنَّهٗ

پوری طرح ۹۱ اور میں نہیں سمجھتا کہ قریب ہے یا بعید جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے ۹۲ بیشک اللہ تعالیٰ

یَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَیَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنْ

جانتا ہے جو بات تم بلند آواز سے کہتے ہو اور جانتا ہے جو تم (اپنے دل میں) چھپاتے ہو۔ اور میں کیا جانوں (اس

اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ

ڈھیل سے) شاید تمھارا امتحان لینا اور ایک وقت تک تمھیں لطف اندوز کرنا مطلوب ہو۔ آپ نے عرض کی

۹۱ اگر اس کے باوجود بھی وہ سرکشی اور نافرمانی سے باز نہ آئیں تو آپ فرما دیجیے کہ میں نے تم سب کو علی الاعلان بتا دیا، کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب آنے والا ہے۔ اب بھی اگر تم نے اس عذاب سے بچنے کے لیے کوئی انتظام نہ کیا تو تمہاری اپنی بدقسمتی ہوگی۔

۹۲ حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''بے خدا کے بتائے'' یعنی یہ بات عقل وقیاس سے جاننے کی نہیں ہے۔ یہاں درایت کی نفی فرمائی گئی۔ درایت کہتے ہیں اندازے اور قیاس سے جاننے کو۔ جیسا مفرداتِ راغب اور ردالمحتار میں ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے واسطے لفظ درایت استعمال نہیں کیا جاتا اور قرآنِ کریم کے اطلاقات اس پر دلالت کرتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ۔ لہٰذا یہاں بے تعلیمِ الٰہی محض اپنے عقل وقیاس سے جاننے کی نفی ہے نہ کہ مطلق علم کی۔ (خزائن العرفان)(1)

علامہ راغب نے درایت کا معنی بتاتے ہوئے لکھا ہے۔ اَلدِّرَايَةُ: اَلْمَعْرِفَةُ الْمُدْرِكَةُ بِضَرْبٍ مِّنَ الْخَتْلِ (2)۔ یعنی غور و فکر سے جو معرفت اور علم حاصل ہوتا ہے اس کو درایت کہتے ہیں۔

1۔ خزائن العرفان، زیر آیت ہذا، ص 595

2۔ مفرداتِ راغب، ص 312

رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ۗ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى

میرے رب فیصلہ فرما دے (ہمارے درمیان) حق کے ساتھ ۹۳ اور (اے کفار!) ہمارا ربّ ہے جو رحمٰن ہے اسی سے مدد طلب کی

مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

جاتی ہے ان باتوں پر جو تم کرتے ہو۔ ۹۴

النصف ۱۹ ع ۷

۹۳ آخر میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دعا عرض کرتے ہیں کہ الٰہی! اب ایسا قطعی فیصلہ فرما کہ حق کے متعلق ان کے ذہن میں جتنے وسوسے اور جس قسم کے شبہات ہیں وہ دور ہو جائیں اور میری دعوت کے سچے ہونے میں انہیں کوئی تردد نہ رہے۔

۹۴ قوت و طاقت میں کفار زیادہ ہیں۔ وسائل کی ان کے پاس کمی نہیں۔ زبانیں ان کی قینچی کی طرح تیز چلتی ہیں۔ جھوٹ بولنے اور افتراء باندھنے سے انہیں شرم نہیں آتی۔ ضمیر کی ملامت کا انہیں اندیشہ نہیں۔ ایسے بیباک خدا ناترس اور طاقت کے نشے میں مخمور دشمن پر غلبہ پانے کی ایک ہی صورت ہے کہ خداوندِ رحمٰن کی تائید اور نصرت پشت پناہی فرمائے۔ اس لیے آخر میں اپنے کاموں کو اسی کے سپرد کر دیا۔

تعارف سورۃ الحج

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: کیونکہ اس سورت میں حج کے اعلانِ عام اور اس سے متعلقہ چند احکام کا ذکر ہے اس مناسبت سے اس سورت کو سورۃ الحج کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس سورت میں 10 رکوع، 78 آیتیں، 1291 کلمات اور 5075 حروف ہیں۔

زمانۂ نزول: بعض علمائے تفسیر نے اسے مکی سورتوں میں شمار کیا ہے اور بعض نے اسے مدنی کہا ہے۔ اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں وہ خصوصیات بھی پائی جاتی ہیں جو مکی سورتوں کا طرۂ امتیاز ہیں اور وہ خصوصیات بھی جو مدنی سورتوں کا خاصہ ہیں، لیکن جمہور علماء کے نزدیک اس سورت میں وہ آیات بھی ہیں جو مکی زندگی کے آخری دور میں نازل ہوئیں اور وہ آیات بھی جو مدنی زندگی کے آغاز میں نازل ہوئیں۔ چنانچہ علامہ قرطبی مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وَقَالَ الْجُمْهُوْرُ السُّوْرَةُ مُخْتَلِطَةٌ مِنْهَا مَكِّيٌّ وَمِنْهَا مَدَنِيٌّ وَهٰذَا هُوَالْاَصَحُّ۔ یعنی جمہور کی رائے یہ ہے کہ یہ سورت مکی آیات اور مدنی آیات کا مجموعہ ہے اور جمہور کا قول ہی صحیح ہے۔ علامہ آلوسی نے بھی اسی قول کی تصویب کی ہے۔ (1)

مضامین: ۱۔ کفار کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لیے قیامت کی ہولناکیاں بیان کی گئیں اور انہیں سمجھایا گیا کہ اس سے پیشتر کہ وہ فیصلہ کن گھڑی آجائے تم چشمِ ہوش وا کرو اور اس دعوتِ توحید کو صدقِ دل سے قبول کرلو۔ کیونکہ کفار وقوعِ قیامت کو خلافِ عقل قرار دیا کرتے اور اس کو تسلیم کرنے سے صاف انکار کیا کرتے، اس لیے ایسے شواہد پیش کیے گئے جن سے وقوعِ قیامت کے متعلق دل میں یقین پیدا ہوجاتا ہے۔

۲۔ مسلمان تیرہ چودہ سال تک کفار کے بے پناہ مظالم خاموشی سے برداشت کرتے رہے۔ اب مسلمانوں کو اپنی حفاظت کیلئے قوت استعمال کرنے کی اجازت دی جارہی ہے اور انہیں یقین دلایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت ان کے شاملِ حال ہو گی، اس لیے وہ ظاہری وسائل کی کمی سے پریشان نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت پر پورا بھروسہ کریں۔

اس ضمن میں دنیا کی مختلف قوموں میں طاقت کا توازن برقرار رکھنے کا ازلی قانون اور اس کی حکمت بھی بیان کردی کہ اگر ساری قوت اور وسائل کسی ایک قوم کے قبضہ میں آجائیں تو دنیا کا امن وسکون درہم برہم ہوجائے۔ کمزور قوموں کی جان، مال اور آبرو محفوظ نہ رہے حتیٰ کہ مذہبی عبادت گاہوں کا احترام بھی ختم ہوجائے اور ان کی اینٹ سے اینٹ بجادی جائے، اس لیے قدرت کا یہ اٹل اصول ہے کہ وہ اقوامِ عالم میں طاقت کا توازن برقرار رکھتی ہے۔

(۳) جابجا توحید کے روشن دلائل بھی پیش کردیئے اور اصنام واوثان کی بے بسی کو بھی آشکارا کردیا تاکہ جو لوگ انہیں خدا سمجھے

1۔ تفسیر قرطبی، جز12، ص1، مطبعۃ دار الکتب، المصریۃ

بیٹھے ہیں انہیں ان کی بے بسی کا علم ہو جائے کہ انہیں اتنی طاقت بھی نہیں کہ وہ سب مل کر مکھی جیسی حقیر چیز بنا سکیں اور وہ اتنے کمزور ہیں کہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے تو وہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور نہ اس سے چھینی ہوئی چیز واپس لے سکتے ہیں۔

(۴) آخر میں بڑے پیارے انداز سے امتِ مسلمہ کو اس حقیقت سے آگاہ کیا گیا کہ حق کا علم سربلند رکھنے کے لیے اور توحید کی شمع فروزاں رکھنے کے لیے دنیا کی ساری قوموں سے تمہیں منتخب کیا گیا ہے (**هُوَ اجْتَبٰىكُمْ**) (1) اس لیے اب تمہارا فرض ہے کہ تم ہر قیمت پر اس پرچم کو سربلند رکھو اور اس شمع کو فروزاں رکھو۔ اس عزت و افتخار کو جو تمہیں بارگاہِ الٰہی سے مرحمت ہوا ہے برقرار رکھنے کے لیے ہر امکانی کوشش کو صرف کرو۔ نیز اپنے اعمال اور کردار کو اتنا بے داغ رکھو اور ظاہر و باطن کو اتنا پاکیزہ رکھو کہ اگر کوئی شخص تم سے تمہاری پیش کردہ دعوت کی صداقت کی کوئی دلیل طلب کرے یا کوئی گواہ مانگے تو تمہاری سیرت اور تمہارا کردار بطور دلیل اور بطور گواہ پیش کیا جا سکے۔

آخر میں پھر انہیں اپنی کارسازی اور نصرت کا یقین دلانے کے لیے ارشاد فرمایا: **هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ**۔ (2) وہ قوم جس کے سامنے کوئی عظیم مقصد ہوا کرتا ہے اس کے وقت میں اتنی گنجائش نہیں ہوتی کہ اسے بیکار مشغلوں میں صرف کیا جائے۔ اس لیے مسلمانوں کو اس بات کی طرف بھی متنبہ کیا کہ باطل پرست لوگ اور وہ افراد جن کے پیشِ نظر زندگی کا کوئی بلند مقصد نہیں، وہ تمہیں بے ہودہ مباحثوں اور مناظروں میں الجھانے کی پوری کوشش کریں گے تاکہ تم ان بے مقصد مباحث میں الجھ کر اپنے مقصد سے غافل ہو جاؤ لیکن اے فرزندانِ اسلام! تم ان کے دامِ فریب میں نہ پھنسنا اور اگر وہ زیادہ مُصر ہوں تو یہ کہہ کر آگے بڑھ جانا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے حالات کو خوب جانتا ہے۔ **وَ اِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ**۔ (3) ان مباحث کے علاوہ علم و حکمت کے کئی نوادرات اس سورت کا مطالعہ کرتے ہوئے آپ کو دستیاب ہوں گے۔

بارگاہِ الٰہی میں ہماری یہ عاجزانہ التجا ہے کہ وہ ہمیں اس چشمۂ حیواں سے سیراب ہونے کی توفیق بخشے اور ہمیں یہ ہمت دے کہ قرآنِ کریم کے نورِ مبین سے نہ صرف اپنی زندگیوں کو ہی منور کریں بلکہ ظن و تخمین اور وہم و گمان کے ریگستانوں میں بھٹکنے والی قوموں کو بھی ان کی منزل کا پتہ بتا سکیں۔

1۔ سورۃ الحج: 78 2۔ ایضاً 3۔ سورۃ الحج: 68

سُوْرَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّعَشْرُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الحج مدنی ۷۸ آیتیں ۱۰ رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ①

اے لوگو! ڈرو اپنے پروردگار (کی ناراضگی) سے[1] بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی سخت چیز ہے۔[2]

۱۔ قرآنِ کریم نے اعمال واخلاق کی اصلاح اور درستی کے لیے جو دستور پیش کیا ہے اس کی بنیاد اس عقیدہ پر رکھی ہے کہ ہر شخص سے اس کے اعمال کے بارے میں قیامت کے دن باز پرس کی جائے گی۔ آج اگر وہ اپنے منصب یا دولت کی وجہ سے قانون کی زد سے بچا رہتا ہے تو اسے یہ بات ایک لحہ کے لیے بھی فراموش نہ کرنی چاہیے کہ ایک دن وہ آنے والا ہے جب اس کی دولت اور اس کا منصب اس سے چھین لیا جائے گا۔ وہ ہوگا اور اس کے اعمال اور احکم الحاکمین کی عدالت ہوگی۔ دلوں میں اس عقیدہ کو راسخ کرنے کیلئے قرآنِ کریم میں بار بار سعی بلیغ کی گئی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ جس معاشرہ میں یہ عقیدہ راسخ ہو جاتا ہے وہاں ظلم اور فسق وفجور کا قدم نہیں جم سکتا۔ اسی احساس کو تقویت دینے کیلئے اس سورت کا آغاز ان آیات سے کیا جا رہا ہے۔

۲۔ وقوعِ قیامت کے ہولناک مناظر کو مختلف انداز میں مختلف مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ یہاں بھی اس خوف ودہشت کا ذکر ہو رہا ہے جس سے انسان اس وقت دوچار ہوگا جب اس نظامِ عالم کو درہم برہم کر دیا جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہ کی طویل حدیث کے چند اقتباسات ملاحظہ فرمایئے آیت کا مفہوم بالکل واضح ہو جائے گا۔ حضور کریمؐ نے ارشاد فرمایا:۔۔۔ کہ اسرافیل تین مرتبہ صور پھونکیں گے اَلْاُوْلٰی نَفْخَةُ الْفَزَعِ وَالثَّانِيَةُ نَفْخَةُ الصَّعْقِ وَالثَّالِثَةُ نَفْخَةُ الْقِيَامِ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ(1)۔ (یعنی جب پہلی دفعہ صور پھونکا جائے گا تو ساری کائنات کے درہم برہم ہونے کی وجہ سے گھبراہٹ اور پریشانی طاری ہو جائے گی۔ دوسری مرتبہ ساری کائنات موت کی نیند سو جائے گی اور جب تیسری مرتبہ صور پھونکیں گے تو سب اپنی قبروں سے اٹھ کر بارگاہِ رب العالمین میں حاضر ہو جائیں گے) جب پہلی مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو زمین جھٹکے کھانے لگے گی اور جس طرح کشتی سمندر میں ہچکولے کھاتی ہے اور چاروں طرف سے موجیں اسے تھپیڑے مارتی ہیں یا جس طرح کوئی لٹکی ہوئی قندیل آندھی میں حرکت کرتی ہے فَتَكُوْنُ الْاَرْضُ كَالسَّفِيْنَةِ الْمُوْبَقَةِ فِي الْبَحْرِ تَضْرِبُهَا الْاَمْوَاجُ تَكْفَؤُهَا بِاَهْلِهَا وَكَالْقِنْدِيْلِ الْمُعَلَّقِ بِالْعَرْشِ تُرَجِّحُهُ الْاَرْوَاحُ(2)۔ اس وقت جو مائیں بچوں کو دودھ پلا رہی ہوں گی انہیں اپنے بچے بھول جائیں گے جو عورتیں حاملہ ہوں گی خوف کے مارے ان کے حمل ساقط ہو جائیں گے اور بچے بوڑھے ہو جائیں گے۔ (ابن کثیر)

1۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 203۔ تفسیر الطبری، ج 17، ص 85، بالمطبعۃ الکبریٰ الامیریہ، مصر 2۔ ایضاً

يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ

جس روز تم اس (کی ہولناکیوں) کو دیکھو گے تو غافل ہو جائیگی ہر دودھ پلانیوالی (ماں) اس (لختِ جگر) سے جس کو اس نے دودھ

كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ

پلایا، اور گرادے گی ہر حاملہ اپنے حمل کو اور تجھے نظر آئیں گے لوگ جیسے وہ نشہ میں مست ہوں حالانکہ وہ نشہ

بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ۝٢ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ

میں مست نہیں ہوں گے بلکہ عذاب الٰہی بڑا سخت ہوگا (وہ اسکی ہیبت سے حواس باختہ ہونگے) اور بعض ایسے لوگ ہیں جو جھگڑتے ہیں

فِى اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۝٣ كُتِبَ عَلَيْهِ

اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم کے بغیر [۳] اور پیروی کرتے ہیں ہر سرکش شیطان کی۔ جس کے مقدر میں لکھا جاچکا ہے کہ

اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝٤

جو اس کو دوست بنائے گا تو وہ اسے گمراہ کر کے رہے گا اور راہ دکھائے گا اسے بھڑکتی ہوئی آگ کے عذاب کی طرف [۴]

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ ان آیات میں جس زلزلہ کی ہولناکیوں کا تذکرہ ہے وہ اسوقت ہوگا جب پہلی مرتبہ صور پھونکا جائے گا۔ هِيَ الزَّلْزَلَةُ الْمَعْرُوْفَةُ الَّتِيْ هِيَ اِحْدٰى شَرَائِطِ السَّاعَةِ الَّتِيْ تَكُوْنُ فِي الدُّنْيَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ هٰذَا قَوْلُ الْجُمْهُوْرِ (قرطبی) (1) کہتے ہیں کہ یہ زلزلہ پندرہ رمضان کو آئے گا اور اس کے بعد سورج مغرب سے طلوع ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۳۔ نضر بن حارث حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتراض کرنے میں پیش پیش رہا کرتا تھا۔ عقیدۂ قیامت کے متعلق تو اس کی ہرزہ سرائی حد سے بڑھ گئی تھی۔ مردوں کی بوسیدہ ہڈیاں ہاتھ میں لے کر وہ لوگوں کے سامنے کھڑا ہو جاتا اور کہتا کہ قرآن کہتا ہے کہ یہ ہڈیاں پھر زندہ کی جائیں گی۔ تم خود سوچو کبھی ایسا ہونا ممکن ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس کی یہ حجت بازیاں اور اعتراضات علمی دلائل پر موقوف نہیں بلکہ شیطان مردود کی وسوسہ اندازیاں ہیں جن کو اس نے پلے باندھ رکھا ہے (2)۔ اَلْمَرِيْدُ وَالْمَارِدُ: اَلْعَاتِيْ یعنی سرکش۔ (1)

۴۔ شیطان کی نافرمانی اور پیہم سرکشی کے باعث یہ شقاوت اس کی لوحِ تقدیر پر ثبت کر دی گئی ہے کہ جو شخص اس کو اپنا دوست بنائے گا یہ اس کو راہِ راست سے بہکا دے گا اور اسے لے جا کر دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں پھینک دے گا۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 3 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 253 3۔ الصحاح، ج 1، ص 535

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ

اے لوگو! اگر تمہیں کچھ شک ہو (روز محشر) جی اٹھنے میں تو ذرا اس امر میں غور کرو کہ

مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ

ہم نے ہی پیدا کیا تھا تمہیں مٹی سے پھر نطفہ سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر گوشت کے ٹکڑے سے بعض

مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۭ وَنُقِرُّ فِى الْاَرْحَامِ مَا

کی تخلیق مکمل ہوتی ہے اور بعض کی نامکمل تاکہ ہم ظاہر فرمادیں تمہارے لیے (اپنی قدرت کا کمال) اور ہم قرار بخشتے ہیں رحموں میں جسے ہم

۵۔ سب انسانوں کی، مٹی سے پیدا کیے جانے کی وجہ یا تو یہ ہے کہ آدمؑ جو ابوالبشر ہیں ان کی تخلیق مٹی سے ہوئی یا یہ کہ مادۂ منویہ جن غذاؤں سے بنتا ہے وہ سب زمین سے اگتی ہیں۔ جب رحم میں نطفہ قرار پکڑتا ہے تو کچھ عرصہ کے بعد اس میں تدریجی تبدیلیاں ہونے لگتی ہیں۔ پہلے وہ خون کی طرح گاڑھا اور سرخ ہو جاتا ہے، اسے علقہ کہا گیا۔ پھر وہ گوشت کی شکل اختیار کرتا ہے اسے مضغہ فرمایا۔ اس کے بعد مدتِ حمل پوری کرنے کے بعد صحیح وسلامت پیدا ہوتا ہے یا وہ اس سے پہلے ہی گر جاتا ہے۔ غیر مخلقۃ کا مفہوم اکثر علماء نے یہی بیان کیا ہے لیکن بعض کے نزدیک اس سے مراد وہ بچہ ہے جو ناقص الاعضا پیدا ہوتا ہے (1)۔

امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ اَنَّ اَحَدَكُمْ يُجْمَعُ خَلْقُهٗ فِىْ بَطْنِ اُمِّهٖ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا ثُمَّ يَكُوْنُ فِىْ ذٰلِكَ عَلَقَةً مِّثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ مُضْغَةً مِّثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يُرْسَلُ الْمَلَكُ فَيَنْفُخُ فِيْهِ الرُّوْحَ وَيُؤْمَرُ بِاَرْبَعِ كَلِمَاتٍ يُكْتَبُ رِزْقُهٗ وَاَجَلُهٗ وَعَمَلُهٗ وَشَقِيٌّ اَوْ سَعِيْدٌ۔ (2)

یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمایا اور آپ سچے ہیں کہ تم میں سے ہر شخص پیدائش کے وقت اپنی ماں کے شکم میں چالیس دن تک رہتا ہے پھر وہ علقہ بن جاتا ہے۔ پھر چالیس دن گزرنے کے بعد وہ مضغہ ہوتا ہے۔ پھر چالیس دن گزرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتے ہیں جو اس میں روح پھونکتا ہے اور اس کو چار چیزیں لکھنے کا امر ہوتا ہے۔ وہ یہ ہیں: اس کا رزق، اس کی موت کا وقت، اس کے اعمال اور یہ کہ وہ بدبخت ہے یا نیک بخت ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے آگاہ کرنے سے فرشتہ کو مَا فِي الْاَرْحَامِ (جو کچھ رحم میں ہے) کا بھی علم حاصل ہوتا ہے اور اس کی موت کے وقت کا بھی پتہ چلتا ہے۔ آیت میں جس چیز کی نفی ہے کہ مَا فِي الْاَرْحَامِ کو کوئی نہیں جانتا اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مطلع کرنے کے بغیر کوئی نہیں جان سکتا۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 254　　2۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکۃ، ج 1، ص 456

نَشَآءُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ۚ

چاہتے ہیں ایک مقررہ میعاد تک پھر ہم نکالتے ہیں تمھیں بچہ بنا کر پھر (پرورش کرتے ہیں تمھاری) تاکہ تم پہنچ جاؤ

وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰى وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَیْلَا

اپنے شباب کو اور تم میں سے کچھ (پہلے) فوت ہو جاتے ہیں اور تم میں سے بعض کو پہنچا دیا جاتا ہے نکمی عمر تک تاکہ وہ کچھ نہ جانے

یَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَیْـًٔا ؕ وَ تَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَاۤ

ہر چیز کو جاننے کے بعد ۶ اور تو دیکھتا ہے کہ زمین خشک پڑی ہے ۷ پھر جب ہم اتارتے ہیں۔

۶ اس کے بعد پیدائش سے موت تک انسانی زندگی جن مرحلوں سے گزرتی ہے اُن کو بیان فرما دیا۔ استقرارِ حمل سے لے کر آخری دم تک انسان جن مرحلوں سے تدریجاً گزرتا ہے اور ہر مرحلہ میں نازک سے نازک جو تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ پھر ان کے نئے نئے جتنے تقاضے ہوتے ہیں اور جس فیاضی اور حکمت سے ان کو پورا کیا جاتا ہے اگر انسان فقط اسی میں غور کرے تو بے اختیار ہو کر کہہ اٹھے کہ علیم وحکیم ہے وہ خالق جس نے انسان کو پیدا کیا اور وحدہٗ لاشریک ہے وہ ذاتِ والا صفات جس کی حکمت اور جس کے علم کے جلوے انسانی زندگی کے ہر موڑ پر چشمِ بینا کو نظر آتے ہیں۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کا معدہ بڑا لطیف ہوتا ہے وہ کسی ثقیل چیز کو ہضم کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ تو اس وقت ماں کا دودھ بھی پتلا اور زود ہضم ہوتا ہے۔ جس نسبت سے معدہ میں ہاضمہ کی قوت بڑھتی ہے بعینہٖ اسی نسبت سے ماں کا دودھ بھی گاڑھا ہونے لگتا ہے اور اس کی دھنیت (چکناہٹ) میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ جب بچے کے دانت نکل آتے ہیں اور اس کا معدہ طاقت ور ہو جاتا ہے تو طبیعت خود بخود روٹی وغیرہ کی طرف مائل ہونے لگتی ہے۔ غرضیکہ زندگی کے کسی دور کا آپ مطالعہ فرمائیں اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی حکمت کے چراغ ہر جگہ آپ کو جگمگاتے نظر آئیں گے۔

تو جو ذات ایک قطرۂ آب سے انسان کو پیدا کر سکتی ہے اور اس کے سفینۂ حیات کو زندگی کے متلاطم سمندر سے گزار کر موت کے ساحل پر لنگر انداز کر دیتی ہے، اس کے لیے کیا مشکل ہے کہ پھر وہ تمہیں زندہ کر دے۔

اَرْذَلِ الْعُمُرِ سے مراد زندگی کا وہ دور ہے جب بڑھاپے کی وجہ سے عقل وفہم کی قوتیں بیکار ہو کر رہ جاتی ہیں، غور وفکر کی صلاحیتیں سلب ہو جاتی ہیں، یادداشت کا خزانہ خالی ہو جاتا ہے، یوں معلوم ہونے لگتا ہے گویا اس نے کسی مکتب میں قدم تک نہیں رکھا۔ وہ شخص جو کبھی وقار ومتانت کا پیکر ہوا کرتا تھا اب ایسی حرکتیں کرنے لگتا ہے کہ بے اختیار ہنسی آ جاتی ہے۔

اَرْذَلِ الْعُمُرِ: لِلْعُمْرِ، اَخَسُّهٗ وَاَدْوَنُهٗ وَهُوَ الْهَرَمُ وَالْخَرَفُ حَتّٰى لَا يَعْقِلُ (قرطبی)(1)

۷ یہاں سے قیامت کے وقوع پذیر ہونے کی دوسری دلیل بیان کی جارہی ہے۔

هَامِدَةً: يَابِسَةً لَا تُنْبِتُ شَيْئًا (2)۔ خشک زمین جبکہ اس میں کوئی چیز نہ اگ سکے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 12 2۔ ایضاً

اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡهَا الۡمَآءَ اهۡتَزَّتۡ وَرَبَتۡ وَاَنۡۢبَتَتۡ مِنۡ كُلِّ زَوۡجٍ

اس پر (بارش کا) پانی تو وہ تر و تازہ ہو جاتی ہے اور پھولتی ہے اور اگاتی ہے ہر خوشنما جوڑے کو۔

بَهِيۡجٍ ۝۵ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحۡيِ الۡمَوۡتٰى وَاَنَّهٗ

یہ (رنگا رنگیاں اس کی دلیل ہیں) کہ اللہ تعالیٰ ہی برحق ہے ؎ اور وہی زندہ کرتا ہے مُردوں کو اور بلاشبہ

عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ۝۶ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيۡبَ فِيۡهَا

وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ اور یقیناً قیامت آنے والی ہے اس میں ذرا شک نہیں ؎

وَاَنَّ اللّٰهَ يَبۡعَثُ مَنۡ فِى الۡقُبُوۡرِ ۝۷ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يُّجَادِلُ

اور اللہ تعالیٰ زندہ کر کے اٹھائیگا ان (مُردوں) کو جو قبروں میں ہیں۔ اور انسانوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو جھگڑا کرتے ہیں۔

فِى اللّٰهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيۡرٍ ۝۸ ثَانِىَ عِطۡفِهٖ

اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم کے اور بغیر کسی دلیل کے اور بغیر کسی روشن کتاب کے۔ ؎ (تکبر سے) گردن مروڑتے ہوئے

۸ جب انسان قدرت کی ان اعجاز آفرینیوں کو دیکھتا ہے تو اسے یقین آجاتا ہے کہ یہ کائنات خود بخود بغیر خالق کے معرضِ وجود میں نہیں آگئی اور اس کا خالق علمِ محیط اور حکمتِ بالغہ کی صفاتِ عالیہ سے متصف ہے نیز اس میں بھی شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ جس کی قدرت کا یہ عالم ہے اس کے لیے ہر چیز کو فنا کر کے دوبارہ پیدا کرنا قطعاً مشکل نہیں۔

۹ اس ارشاد سے پھر بتا دیا کہ قیامت ضرور آئے گی۔ تم شیطان کی وسوسہ انگیزیوں سے دھوکہ کھا کر اس یومِ حساب کا انکار نہ کرنا ورنہ کفِ افسوس ملوگے اور ندامت سے ہونٹ کاٹو گے۔

۱۰ ایسا احمق کہ جس میں فہم و فراست کا نشان تک نہیں، جس نے کسی جاننے والے سے پوچھ کر بھی اپنی جہالت کو دور نہیں کیا اور جس بدنصیب نے کسی صحیفۂ آسمانی کا مطالعہ کرنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کی، وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں اس کے رسول سے جھگڑتا ہے اور غرور و نخوت سے اکڑ اکڑ کر چلتا ہے، اس نے اپنا ستیاناس تو کر لیا اب دوسروں کا بیڑہ غرق کرنے کے لیے صبح و شام کوشاں ہے۔ ایسے جاہل، کج فہم اور مغرور کا انجام بڑا عبرت ناک ہوگا۔ ثَانِىَ عِطۡفِهٖ: لَوٰى عُنُقَهٗ مَرَحًا وَ تَعَظُّمًا (قرطبی)(1) غرور و نخوت سے اپنی گردن کو مروڑنا۔ اَىۡ بِلَا عَقۡلٍ صَحِيۡحٍ وَّلَا نَقۡلٍ صَرِيۡحٍ بَلۡ بِمُجَرَّدِ الرَّأۡىِ وَالۡهَوٰى (ابن کثیر)(2)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 12 2۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 208

لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ

تاکہ بہکادے (دوسروں کو بھی) اللہ تعالیٰ کی راہ سے اس کے لیے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور ہم چکھائیں گے اسے

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَ

قیامت کے دن جلانے والی آگ کا عذاب۔ (اس روز اسے بتایا جائیگا کہ) یہ سزا ہے اس کی جو تیرے دونوں ہاتھوں

اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ

نے آگے بھیجا اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں اور لوگوں میں سے وہ بھی ہے جو عبادت کرتا ہے

اللّٰهَ عَلٰي حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ

اللہ تعالیٰ کی کنارہ پر (کھڑے کھڑے) ؎ پھر اگر پہنچے اسے بھلائی (اس عبادت سے) تو مطمئن ہو جاتا ہے اس سے اور اگر پہنچے اسے کوئی

؎ ہر چیز کے کنارے اور دہانے کو حرف کہتے ہیں۔ حَرْفُ كُلِّ شَيْءٍ طَرْفُهٗ وَ شَفِيْرُهٗ وَحَدُّهٗ۔ (قرطبی)(1) اس آیت میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا بیان فرما رہے ہیں جو حق کو اس لیے قبول نہیں کرتے کہ یہ حق ہے اور اللہ تعالیٰ کی اس لیے عبادت نہیں کرتے کہ وہ ہمارا معبود اور خالق ہے بلکہ اس لیے کہ انہیں دنیوی منفعت حاصل ہوگی، ان کا کاروبار چمکے گا، ان کی عزت اور ناموری میں اضافہ ہوگا۔ اگر اسلام کو قبول کرنے کے بعد ان کی یہ امید پوری ہوتی ہے تو بڑے خوش ہوتے ہیں اور اسلام کی صداقت اور سچائی کا اظہار بڑے جوش وخروش سے کرتے ہیں۔ لیکن اگر ان کی یہ امیدیں برنہیں آتیں بلکہ الٹا تکلیف اور نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو یادِ الٰہی کا سلسلہ ہی منقطع کر دیتے ہیں اور اس دین کا دامن ہی چھوڑ دیتے ہیں اور پھر باطل کی طرف یہ شور مچاتے ہوئے بھاگے چلے جاتے ہیں کہ بس دیکھ لیا، یہ دین، اس کی نحوست سے کاروبار ٹھس ہو کر رہ گیا، جو عزت و وقار پہلے تھا اس کا بھی جنازہ نکل گیا۔ ہم تو ایسے دین سے باز آئے۔

کتبِ تفسیر میں جہاں اس آیت کا شانِ نزول بیان کیا گیا ہے وہاں یہ واقعہ مرقوم ہے کہ ایک یہودی مسلمان ہوا۔ اتفاق سے کچھ عرصہ بعد اس کی بینائی جاتی رہی پھر اس کا زبردست مالی نقصان ہو گیا، ساتھ ہی اس کا ایک لڑکا تھا وہ بھی مر گیا۔ اس نے سوچا کہ یہ سب اسلام کی نحوست کے باعث ہوا ہے۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا۔ اَقِلْنِيْ: جو بیعت اسلام میں نے آپ کے ہاتھ پر کی ہے مجھے اس سے آزاد کر دیجیے۔ حضور نے فرمایا: اِنَّ الْاِسْلَامَ لَا يُقَالُ اسلام کی بیعت واپس نہیں کی جا سکتی۔ کہنے لگا: مجھے تو آپ کے اس دین سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا اور نہ اس میں کوئی خوبی نظر آئی۔ میں اندھا ہو گیا، مال برباد ہوا، بیٹا تھا وہ مر گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے یہودی! اسلام مردوں کو گلاتا ہے اور صاف کرتا ہے جس طرح آگ لوہے، سونے اور چاندی کے میل کچیل کو صاف کرتی ہے یا يَهُوْدِيُّ! اِنَّ الْاِسْلَامَ يَسْبُكُ الرِّجَالَ كَمَا يَسْبُكُ النَّارُ خُبْثَ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 17

فِتْنَةُ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ

آزمائش تو فوراً (دین سے) منہ موڑ لیتا ہے۔ اس شخص نے برباد کردی اپنی دنیا اور آخرت ۱۲ یہی تو

الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۱﴾ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا

کھلا ہوا خسارہ ہے۔ وہ عبادت کرتا ہے ۱۳ اللہ تعالیٰ کے سوا اس کی جو نہ ضرر پہنچا سکتا ہے اسے اور نہ

لَا يَنْفَعُهٗ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۲﴾ ۚ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ

نفع پہنچا سکتا ہے اسے یہی تو انتہائی گمراہی ہے۔ وہ پوجتا ہے اسے جس کی ضرر رسانی زیادہ

اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ۭ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ﴿۱۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ

قریب ہے اس کی نفع رسانی سے ۱۴ یہ بہت برا دوست ہے اور بہت برا ساتھی ہے ۱۵ بیشک اللہ تعالیٰ

الْحَدِيْدِ وَالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ۔ (ابن مردویہ)(1)

۱۲ انسان کو چاہیے کہ اسلام کو حق سمجھ کر قبول کرے پھر اس راہ کے کانٹوں کو دیکھ کر گھبرا نہ جائے بلکہ ان کو پھولوں سے بھی زیادہ عزیز جانے۔ کیونکہ یہ منزل محبوب کے کانٹے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ اسے دینِ حق کو سربلند کرنے کے لیے اپنی دولت خرچ کرنے کی توفیق دے تو اسے اپنی سعادت اور ارجمندی یقین کرے۔ اگر پرچمِ اسلام کو اونچا، بہت اونچا لہرانے کے لیے جان دینے کا موقع ملے تو مسکراتا ہوا، خوشی سے اٹھلاتا ہوا حضرت خبیب کی طرح تختۂ دار کی طرف بڑھے۔ کیونکہ موت اس کے لیے ہلاکت و فنا کا پیغام لے کر نہیں آئی بلکہ حیاتِ جاوید کی نوید، نہیں بلکہ وصالِ حبیب کا مژدہ لے کر آئی ہے۔ اَلْمَوْتُ جِسْرٌ يُّوْصِلُ الْحَبِيْبَ اِلَى الْحَبِيْبِ موت ایک پل ہے جو یار کو یار سے ملاتی ہے۔ اگر یہ نظریہ ہو تو پھر حق کو قبول کرے ورنہ حق کا دامن پکڑ کر نہ اپنے آپ کو رسوا کرے اور نہ حق کو بدنام۔

۱۳ مشرکینِ مکہ کا ذکر ہے کہ وہ ان بتوں کی پوجا کرتے ہیں جو نہ انہیں نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔ يَعْبُدُ الصَّنَمَ الَّذِىْ لَا يَنْفَعُ وَلَا يَضُرُّ۔ (قرطبی)(2)

۱۴ علامہ عثمانی لکھتے ہیں: ''یعنی بتوں سے نفع کی تو امید موہوم ہے (بت پرستوں کے زعم کے مطابق) لیکن ان کو پوجنے کا جو ضرر ہے وہ قطعی اور یقینی ہے۔ اس لیے فائدہ کا سوال تو بعد کو دیکھا جائے گا۔ نقصان ابھی ہاتھوں ہاتھ پہنچ گیا''۔(3)

۱۵ قیامت کے دن جب شرک و بت پرستی کی سزا انہیں سنائی جائے گی تو کہہ اٹھیں گے: یہ بت جن کی امداد پر ہم تکیہ کیے رہے

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 9، جز 17، ص 124 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 18 3۔ حاشیہ قرآن مجید از علامہ عثمانی، ص 431

يُدۡخِلُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ

داخل کریگا ١٦ انھیں جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے باغات میں رواں ہیں جن کے

تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفۡعَلُ مَا يُرِيۡدُ ﴿۱۴﴾ مَنۡ كَانَ يَظُنُّ

نیچے نہریں۔ بیشک اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو چاہتا ہے اور جو شخص یہ خیال کیے بیٹھا ہے کہ

اَنۡ لَّنۡ يَّنۡصُرَهُ اللّٰهُ فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ فَلۡيَمۡدُدۡ بِسَبَبٍ اِلَى

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کی مدد نہیں کرے گا نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں ١٧ تو اسے چاہیے کہ لٹک جائے ایک رسی کے

کتنے نکمے نکلے۔ مَوْلٰی: دوست اور مددگار۔ عَشِیْرٌ: ساتھی۔ یَعْنِی الْوَثَنَ (مظہری)(1)۔ مجاہد: یَعْنِی الْوَثَنَ (قرطبی)(2) یعنی وہ اپنے بتوں کے متعلق یوں اظہار افسوس کریں گے۔

١٦ گمراہوں کے احوال اور ان کا مآل بیان کرنے کے بعد اب اپنے بندوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے اور جو نوازشات ان پر کی جانے والی ہیں ان سے انہیں آگاہ کیا جا رہا ہے۔

١٧ لَّنۡ يَّنۡصُرَهُ کی ضمیر کا مرجع حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اہل عرب مسلمانوں کی تنگدستی اور کمزوری کو دیکھتے تو خیال کرتے کہ ایسے ناداروں اور کمزوروں کے ساتھ مل کر ہمیں کیا حاصل ہو گا؟ خواہ مخواہ اہل مکہ کے ساتھ اپنے دیرینہ خاندانی مراسم کو مجروح کیوں کریں؟ اس نبی کی مدد نہ آج تک اس کے خدا نے کی ہے اور نہ ایسے قرائن موجود ہیں جن سے یہ پتہ چلے کہ آئندہ ان کی وہ مدد کرے گا اور ان کی مفلوک الحالی اور بے بسی دور ہو جائے گی۔

انہیں بتایا جا رہا ہے کہ یہ محض تمہاری غلط فہمی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی مدد کرے گا اور ضرور کرے گا، تم دیکھو گے کہ ہر طرف اسی کے نام کا ڈنکا بج رہا ہو گا اور اس کے قدموں میں سونے اور چاندی کے ڈھیر لگے ہوں گے اور جسے یہ بات گوارا نہ ہو اس کے لیے ایک ہی راستہ ہے کہ وہ اپنے گلے میں رسے کا پھندا ڈالے اور چھت سے لٹک جائے اور پھر اس رسہ کو کاٹ دے تاکہ تڑپ تڑپ کر مر جائے۔ میرے محبوب کے لیے حسد کی جو آگ تمہارے دلوں میں بھڑک رہی ہے اس کو فرو کرنے کا یہی ایک طریقہ ہے۔

جمہور مفسرین نے آیت کے اسی مفہوم کو پسند کیا ہے، لیکن بعض کی رائے ہے کہ يَنۡصُرَهُ کا معنی يَرۡزُقُ: رزق دینا ہے(3) اور ہٗ ضمیر کا مرجع عام آدمی ہیں۔ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ جو شخص فقر و فاقہ کی سختیاں جھیل رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مایوس ہو چکا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے کبھی فراخ روزی نہیں دے گا، ایسے آدمی کے لیے بہتر ہے کہ وہ سسک سسک کر جان نہ دے بلکہ ابھی گلے میں رسہ ڈال کر اپنے آپ کو چھت سے لٹکا کر خودکشی کر لے، لیکن آیت کے سیاق و سباق کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج6، ص258　2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز12، ص20　3۔ ایضاً، ج12، ص21

السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ﴿۱۵﴾

ذریعہ چھت سے پھر گلے میں پھندا ڈال کر) اسے کاٹ دے پھر دیکھے آیا دور کر دیا ہے اس کی (خودکشی کی) تدبیر نے اسکے غم و غصہ کو

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ﴿۱۶﴾

اور اسی طرح ہم نے اتارا ہے اس کتاب کو روشن دلیلوں ۱۸ کیساتھ۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى

بیشک اہل ایمان، یہودی ستارہ پرست، عیسائی،

وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ

آتش پرست اور مشرک، ضرور فیصلہ فرمائے گا اللہ تعالیٰ ان سب (گروہوں)

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۷﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ

کے درمیان قیامت کے دن ۱۹ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مشاہدہ فرما رہا ہے۔ کیا تم ملاحظہ نہیں کر رہے

اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ

کہ اللہ تعالیٰ کو ہی سجدہ کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے ۲۰ نیز آفتاب

پہلا مفہوم ہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ سَبَبٌ: حَبْلٌ۔ رسی۔ اَلسَّمَاءُ اَیْ سَمَاءُ بَیْتِهٖ اَیْ سَقْفُ بَیْتِهٖ۔ گھر کی چھت (مظہری) (1)

۱۸ یعنی ایسے دلائل نازل فرمائے جن سے عقیدۂ توحید، عقیدۂ قیامت اور رسالتِ محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ (2)

۱۹ یعنی وہ سب کے اعمال، احوال، نظریات اور عقائد پر آگاہ ہے۔ وہ اپنے کامل علم کے مطابق سب کے درمیان فیصلہ فرما دے گا۔

۲۰ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کو بڑے پر جلال اسلوب میں بیان فرمایا جا رہا ہے کہ ہر چیز زمین و آسمان، شمس و قمر، دشت و جبل، چوپائے اور انسان سب اس کے سامنے سربسجود ہیں۔ تکوینی لحاظ سے کائنات کی ہر چیز خواہ شعور و ادراک سے متصف ہو یا محروم احکامِ تکوینیہ کے سامنے سرافگندہ ہے۔ اس لحاظ سے کافر اور مومن، فاسق و متقی سب داخل ہیں کیونکہ انہیں بھی اللہ تعالیٰ کے احکامِ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 259 2۔ ایضاً، ج 6، ص 260

وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ

مہتاب، ستارے، پہاڑ، درخت اور چوپائے اور بہت سے

مِّنَ النَّاسِ ۭ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۭ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ

انسان بھی (اسی کو سجدہ کرتے ہیں) اور بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جن پر عذاب مقرر ہو چکا ہے اور (دیکھو) جس کو ذلیل کرے اللہ تعالیٰ

فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۩ ﴿۱۸﴾ هٰذٰنِ خَصْمٰنِ

السجدۃ

تو کوئی اسے عزت دینے والا نہیں ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ یہ دو فریق ہیں ۲۱

تکوینیہ کے سامنے دم مارنے کی مجال نہیں۔ ان کی پیدائش، ان کی موت، ان کا مرض، ان کی صحت غرضیکہ ہر چیز امر الٰہی سے معرض وجود میں آرہی ہے، لیکن اس عالم کی وہ مخلوق جو عقل وفہم کی نعمت سے مشرف کی گئی ہے۔ اسے اس تکوینی خضوع کے علاوہ اختیاری سجدہ کرنے کا بھی مکلف کیا گیا ہے اور اس اختیاری سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے کفار وفساق کو سزا ملے گی۔ لیکن علمائے متقدمین اور محدثین کی رائے میں کائنات کی ہر چیز اختیاری سجدہ کررہی ہے۔ کیونکہ جمادات ہمارے لحاظ سے مردہ و بے جان ہیں۔ لیکن انہیں ایسی زندگی دی گئی ہے جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی اختیاری طور پر اطاعت کر رہی ہیں اور اس کی حمد وثناء میں زمزمہ سنج ہیں (1)۔ ارشادِ الٰہی ہے: وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ (2) کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کر رہی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔ اور حدیث شریف میں ہے قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْجَبَلَ يُنَادِي الْجَبَلَ يَا فُلَانُ! هَلْ مَرَّبِكَ اَحَدٌ يَذْكُرُ اللّٰهَ (رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ مِنْ حَدِيْثِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ) (3) یعنی حضور نے فرمایا کہ ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ سے پوچھتا ہے کہ اے فلاں پہاڑ! کیا آج تیرے ہاں کسی ایسے بندے کا گزر ہوا جو یادِ الٰہی میں مشغول تھا؟ نیز مسلم شریف میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں ان پتھروں کو جانتا ہوں کہ جب میں ان کے پاس سے گزرتا ہوں تو وہ میری جناب میں درود وسلام پیش کرتے ہیں (4)۔ وَقَالَ الْبَغَوِيُّ هٰذَا مَذْهَبٌ حَسَنٌ مُّوَافِقٌ لِقَوْلِ اَهْلِ السُّنَّةِ۔ (مظہری) (5)

علامہ بغوی کہتے ہیں کہ یہ رائے ہی اہلِ سنت کے اقوال کے موافق ہے اور یہی پسندیدہ مذہب ہے۔

۲۱ ان دو گروہوں سے کون لوگ مراد ہیں؟ اس کے متعلق امام مسلم نے حضرت ابوذر سے یہ حدیث روایت کی ہے اور اسی حدیث سے انہوں نے اپنی جلیل المرتبت کتاب کو ختم کیا۔ قیس بن عباد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذر کو قسم اٹھا کر یہ کہتے سنا کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے میدانِ بدر میں ایک دوسرے کو دعوتِ مبارزت دی۔ اسلام کی

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 261
2۔ سورۂ بنی اسرائیل: 44
3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 261۔ المعجم الکبیر للطبرانی، ج 9، ص 103، رقم الحدیث 8542، طبعۃ العراق
4۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فضل نسب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج 2، ص 245
5۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 261

اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ۫ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ

جو جھگڑ رہے ہیں اپنے رب کے بارے میں تو وہ لوگ جنھوں نے کفر اختیار کیا تیار کر دیئے گئے ہیں ان کے لیے کپڑے

نَّارٍ ۭ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ﴿۱۹﴾ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ

آتشِ جہنم سے۔ انڈیلا جائیگا انکے سروں پر کھولتا ہوا پانی۔ گل جائیگا اس کھولتے پانی سے

طرف سے حضرت حمزہ، علی اور عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہم تھے۔ اور کفر کی طرف سے ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہ اور شیبہ اور عتبہ کا لڑکا ولید۔ وَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ خَتَمَ مُسْلِمٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ كِتَابَهٗ۔ (قرطبی)(1)

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ بدر کے دن عتبہ، اپنے بھائی شیبہ اور اپنے بیٹے ولید کو لے کر میدانِ جنگ میں نکلا اور مسلمانوں کو للکارا۔ انصار کے تین نوجوان ان کے مقابلہ کے لیے نکلے۔ عتبہ نے پوچھا: تم کون ہو؟ انہوں نے اپنا نام ونسب بتایا تو عتبہ نے نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نام لے کر کہا: اَخْرِجْ اِلَيْنَا اَكْفَاءَنَا مِنْ قَوْمِنَا۔ ہمارے مقابلے میں ان کو بھیجو جو نسب اور قوت میں ہمارے ہم پلہ ہوں۔ حضور نے ارشاد فرمایا: قُمْ يَا عُبَيْدَةُ بْنَ الْحَارِثِ يَا حَمْزَةُ بْنَ الْمُطَّلِبِ يَا عَلِيُّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ۔ تعمیل حکم میں تینوں بجلی کی سرعت کے ساتھ میدان میں جا کھڑے ہوئے۔ حضرت عبیدہ نے عتبہ کو حضرت حمزہ نے شیبہ اور سیدنا علی نے ولید کو للکارا۔ حضرت حمزہ اور حضرت علی نے اپنے اپنے حریفوں کو چشم زدن میں ڈھیر کر دیا۔ لیکن حضرت عبیدہ اور عتبہ کے درمیان جنگ جاری رہی۔ دونوں ایک دوسرے کے وار سے سخت زخمی ہو گئے۔ حضرت حمزہ اور سیدنا علی اپنی خارہ شگاف تلواروں کو لہراتے ہوئے عتبہ پر ٹوٹ پڑے اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ حضرت عبیدہ کی ٹانگ کٹ کر الگ ہو گئی تھی اور اس کا گودا باہر بہ رہا تھا۔ اسی حالت میں انہیں اٹھا کر بارگاہ محبوب رب العالمین میں لے آئے۔ آپ نے اپنے آقا ومولا کو دیکھ کر عرض کیا۔ اَلَسْتُ شَهِيْدًا۔ کیا میں نعمتِ شہادت سے سرفراز نہیں ہوں؟ حضورؐ نے فرمایا: بَلٰى۔ بے شک تجھے شہادت کی سعادت ارزانی ہوئی۔ زندگی کے آخری لمحوں میں جوشِ عشق کا یہ عالم ہے کہ کسی بات کو یاد نہ کیا۔ صرف یہ کہا کہ اگر آج ابو طالب زندہ ہوتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ ان کے ان شعروں کا مصداق میں ہوں۔(2)

كَذَبْتُمْ وَبَيْتِ اللّٰهِ يُبْزٰى مُحَمَّدٌ وَلَمَّا نُطَاعِنْ دُوْنَهٗ وَنُنَاضِلِ

وَنُسْلِمُهٗ حَتّٰى نُصَرَّعَ حَوْلَهٗ وَنَذْهَلَ عَنْ اَبْنَائِنَا وَالْحَلَائِلِ(3)

”اللہ تعالیٰ کے گھر کی قسم! اے مشرکین! تم جھوٹ کہتے ہو کہ حضورؐ کو یونہی مغلوب کر لیا جائے گا اور ہم حضورؐ کی طرف سے تمہارے ساتھ جنگ نہیں کریں گے۔ ہم اسی وقت حضورؐ کو تمہارے حوالے کر سکتے ہیں جبکہ ہماری لاشیں حضورؐ کے ارد گرد گری پڑی ہوں اور ہم اپنے فرزند وزن سے غافل ہو گئے ہوں۔“ اللہ تعالیٰ ان محبانِ پاکباز کے صدقے ہمیں بھی یہی عشق، یہی شجاعت، اور یہی جذبہ ایثار مرحمت فرماوے اور شہادت کی اسی نعمت سے مالا مال فرمائے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین۔ اِنَّكَ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 25۔ صحیح مسلم، کتاب التفسیر، ج 2، ص 422 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 263 3۔ ایضاً

بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ﴿٢٠﴾ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ﴿٢١﴾ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا

جو کچھ انکے شکموں میں ہے اور انکی چمڑیاں بھی گل جائینگی اور ان (کو مارنے) کے لیے گرز ہونگے لوہے کے ٢٢ جب بھی ارادہ کرینگے

اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ

اس سے نکلنے کا فرطِ رنج والم کے باعث تو انھیں لوٹا دیا جائیگا اس میں اور (کہا جائیگا) کہ چکھو جلتی ہوئی آگ کا

الْحَرِيْقِ ﴿٢٢﴾ ع اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

عذاب۔ یقیناً اللہ تعالیٰ داخل کریگا ان لوگوں کو جو ایمان بھی لے آئے اور عمل بھی نیک کرتے رہے ٢٣

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ

جنتوں میں بہتی ہیں جن کے نیچے ندیاں انھیں پہنائے جائیں گے جنت میں سونے کے

ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۭ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿٢٣﴾ وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ

کنگن اور موتیوں کے ہار۔ اور ان کی پوشاک وہاں ریشمی ہوگی۔ اور ان کی رہنمائی کی گئی تھی پاکیزہ

مِنَ الْقَوْلِ ښ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿٢٤﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

قول کی طرف ٢٤ اور دکھایا گیا تھا انھیں راستہ اللہ تعالیٰ کا جو تعریف کیا گیا ہے۔ بیشک وہ لوگ جنھوں نے کفر اختیار کیا

اَكْرَمُ الْاَكْرَمِيْنَ وَخَيْرُ الْمَسْئُوْلِيْنَ۔ لَا يَرُدُّ سَائِلٌ مِّنْ حَضْرَتِكَ السَّنِيَّةِ خَائِبًا وَسَمِعْنَا مِنْ حَبِيْبِكَ وَهُوَ يُخْبِرُنَا عَنْكَ بِاَنَّكَ حَيِيٌّ كَرِيْمٌ تَسْتَحْيِ اَنْ تَرُدَّ يَدَ عَبْدِكَ صِفْرًا۔

خَصْمٰنِ سے اہلِ باطل بھی مراد لیے جا سکتے ہیں۔

٢٢ الٰہی! اپنے ہر قسم کے عذابوں سے بچا۔ تیری نگاہِ لطف و کرم میں ہی اگر کمی ہو جائے تو ہم سوختہ دلوں کے لیے قیامت سے کم نہیں چہ جائیکہ تو ناراض ہو۔ ٢٣ اب اپنے مقبولوں پر اپنے احسانات خسروانہ کا بیان ہو رہا ہے۔

٢٤ ان عنایاتِ بے غایات کی وجہ بیان فرمائی جا رہی ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ قول کی طرف اپنے بندوں کی راہنمائی فرمائی اور انہیں اس راستہ پر گامزن ہونے کی توفیق بخشی جو سیدھا اس خداوندِ عالم کی طرف لے جاتا ہے جو ہر قسم کی تعریف اور ستائش کا حقدار ہے۔ اَللّٰهُمَّ اَدْخِلْنَا فِيْهِمْ بِجَاهِهِمْ عِنْدَكَ۔

وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ

اور (دوسروں کو) روکتے ہیں ۲۵ اللہ تعالیٰ کی راہ سے اور مسجد حرام سے ۲۶ جسے ہم نے (بلا امتیاز)

لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨالْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ؕ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ

سب لوگوں کے لیے (مرکز ہدایت) بنایا ہے یکساں ہیں اسمیں وہاں کے رہنے والے اور پردیسی! اور جو ارادہ کرے اس میں زیادتی

بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۵﴾ وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ

کا ناحق ۲۷ تو ہم اسے چکھائیں گے دردناک عذاب۔ اور یاد کرو جب ہم نے مقرر کردی ابراہیم ؑ کے لیے ۲۸ اس گھر

۲۵ اب پھر مشرکین وکفار کی کارستانیوں کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے کہ وہ بد بخت خود تو گمراہ تھے لیکن وہ یہ بھی برداشت نہیں کر سکتے کہ کوئی اور اس دینِ حق کو قبول کرے۔ اسلام کی شاہراہ پر ایک رکاوٹ بن کر کھڑے ہو گئے ہیں جو خوشی سے اس راہ پر چلنا چاہے اسے بھی سختی سے روک دیتے ہیں۔

۲۶ مسجدِ حرام اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔ اس پر کسی کی اجارہ داری نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہر بندہ بے روک ٹوک وہاں اپنے خداوند کریم کی یاد، اس کا ذکر اور اس کی عبادت کر سکتا ہے۔ کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ حج اور عمرہ کرنے کی غرض سے آنے والوں کو روکے، طواف کرنے اور دیگر مناسک ادا کرنے میں مزاحمت کرے۔ یہ اس خدا کا گھر ہے جو رب المشرقین والمغربین ہے۔ اس کے دروازے جس طرح مکہ کے رہنے والوں کے لیے کھلے ہیں اسی طرح دنیا کے ہر گوشہ سے آنے والوں کے لیے بھی کشادہ ہیں۔ یہاں مکی اور غریب الدیار مسافر میں کوئی امتیاز نہیں۔ سب کے حقوق یہاں یکساں ہیں۔

گویا عالمِ اسلامی کے ہر خطہ میں رہنے والے کو یہاں شہری حقوق حاصل ہیں۔

عَاكِفٌ کا معنی ہے مقیم اور بَادٍ کا معنی ہے پردیسی، جنگل اور صحرا سے آنے والا۔ (1)

اس آیت سے اکثر علمائے اسلام نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ حرم مکہ، اس کی زمین اور اس پر بنے ہوئے مکانات سب وقف کے حکم میں ہیں۔ نہ انہیں کوئی بیچ سکتا ہے اور نہ ان کا کرایہ وصول کر سکتا ہے (2)۔ اس مسئلہ پر یہاں تفصیل سے بحث نہیں کی جا سکتی۔ جو لوگ اس کی تفصیل جاننا چاہتے ہیں وہ کتبِ فقہ اور تفسیر کی طرف رجوع کریں۔

۲۷ گناہ ہر جگہ معیوب ہے۔ اور ظلم وشرک ہر جگہ قبیح ہے لیکن حرمِ کعبہ میں معیوب ترین اور قبیح ترین ہے۔ وہاں اگر کوئی اس کا ارتکاب کرے گا تو وہ زیادہ سزا کا مستحق ہے۔

۲۸ حضرت خلیل علیہ السلام کو جب تعمیر کعبہ کا حکم ملا تو انہیں یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ کونسی وہ مخصوص جگہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ کا یہ گھر تعمیر کیا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس مخصوص جگہ پر مطلع فرمادیا اور آپ اپنے فرزندِ ارجمند اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج6، ص269 2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز17، ص138

الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّ طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ

کے (تعمیر کرنے) کی جگہ اور حکم دیا کہ شریک نہ ٹھہرانا میرے ساتھ کسی چیز کو ۲۹ اور صاف ستھرا رکھنا میرے گھر کو طواف کرنے والوں

الْقَآئِمِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾ وَ اَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ

قیام کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے۔ اور اعلان عام کردو لوگوں میں حج کا ۳۰ وہ آئیں گے

رِجَالًا وَّ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿۲۷﴾

آپ کے پاس پاپیادہ اور ہر دُبلی اونٹنی پر سوار ہو کر جو آتی ہیں ہر دُور دراز راستہ سے۔

تعمیر کعبہ میں مشغول ہو گئے۔

بَوَّأْنَا اَیْ عَیَّنَّا۔ (مظہری)(1)

۲۹ تعمیر کعبہ کے ساتھ ایک حکم یہ دیا گیا کہ یہاں شرک کرنے کی قطعاً ممانعت کردی جائے۔ یہ گھر صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کے لیے بنایا جارہا ہے۔ یہاں کسی جھوٹے خدا کی عبادت کو ہرگز ہرگز روا نہیں رکھا جاسکتا۔ نیز یہ بھی ارشاد فرمایا کہ یہ میرا گھر کیونکہ میرے انوار کی تجلی گاہ ہے اس لیے اس کی ظاہری صفائی کا بھی پورا اہتمام کیا جائے۔ فرش آئینہ کی طرح چمک رہا ہو۔ دیواریں صاف اور اجلی ہوں تاکہ میری یاد کرنے والے جب یہاں آئیں تو روحانی پاکیزگی کے ساتھ ظاہری نظافت سے ان کی طبیعتوں میں نشاط ہو اور ان کے ذوق و شوق میں اضافہ ہو۔ اسی سے مساجد کی صفائی اور ان کو ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک رکھنے کا حکم ثابت ہوتا ہے۔

۳۰ حضرت ابراہیم جب کعبہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو حکم ملا: اے ابراہیم! اب اعلان کردو کہ خدا کا گھر تیار ہو گیا ہے۔ خدا کے بندو! آؤ اور فریضۂ حج ادا کرو۔ انہوں نے عرض کی: الٰہی! میری آواز کہاں تک پہنچے گی۔ فرمایا: وَ اَذِّنْ وَعَلَیَّ الْاِبْلَاغُ۔ تم اعلان کرو اس آواز کو پہنچانا میرا کام ہے۔ چنانچہ آپ جبل ابی قبیس پر تشریف لے گئے اور حج کا اعلان فرمادیا۔ جو لوگ ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے انہوں نے بھی اس اعلان کو سن کر لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ کہا۔ جس نے دعوت ابراہیمی پر لَبَّیْکَ کہی اسے ہی حج کی سعادت نصیب ہوگی۔ اور جتنی بار جس نے لبیک کہی اتنی بار وہ حج کرے گا(2)۔ رِجَالًا: رَاجِلٌ کی جمع ہے۔ پیدل۔ اَلضَّامِرُ: اَلْبَعِیْرُ الْمَھْزُوْلُ الَّذِیْ اَتْعَبَهُ السَّفَرُ(3)۔ وہ دبلا پتلا اونٹ جس کو سفر نے درماندہ کردیا ہو۔ عمیق کا معنی یہاں گہرا نہیں بلکہ بعید ہے۔

اَلْعَمِیْقُ مَعْنَاهُ الْبَعِیْدُ۔(4)

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج6، ص274
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز12، ص38
3۔ ایضاً، جز12، ص39-38
4۔ ایضاً، جز12، ص40

نقشہ خانہ کعبہ

باب الزیارہ
باب السلام
باب النبی
باب الصفا
باب عمرہ
باب ابراہیم
باب الوداع
مطاف
مطاف
مطاف
مطاف
حطیم
رکن شامی
رکن عراقی
خانہ کعبہ
باب کعبہ
ملتزم
حجر اسود
رکن یمانی
مقام ابراہیم
زمزم
شمال
مروہ
صفا
صفا اور مروہ کے درمیان سعی کا راستہ

لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَ يَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْۤ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ

(اعلان کیجیے) تاکہ وہ حاضر ہوں اپنے (دینی دنیوی) فائدوں کیلئے ۳۱؎ اور ذکر کریں اللہ تعالیٰ کے نام کا مقررہ دنوں میں ۳۲؎

عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا

ان بے زبان چوپائیوں پر (ذبح کے وقت) جو اللہ تعالیٰ نے انھیں عطا فرمائے ہیں۔ پس خود بھی کھاؤ ان سے ۳۳؎ اور کھلاؤ

۳۱؎ حج کرنے کی حکمت بیان فرما دی کہ یہاں آئیں گے تو دینی اور روحانی برکتوں کے ساتھ ساتھ دنیاوی نعمتوں سے بھی مالا مال کر کے واپس بھیجے جائیں گے۔ دینی برکت تو یہ ہے جس کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان الفاظ میں اظہار فرمایا ہے: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ حَجَّ لِلّٰہِ فَلَمْ یَرْفُثْ وَلَمْ یَفْسُقْ رَجَعَ کَیَوْمٍ وَّلَدَتْہُ اُمُّہٗ۔ (1)

یعنی جس نے اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لیے حج کیا اور اس اثناء میں فحش کلامی اور برائی سے بچا رہا وہ جب لوٹے گا تو گناہوں سے اس طرح پاک ہوگا جس طرح اُس دن پاک تھا جب اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔ اور دنیوی منفعت یہ ہے کہ لوگ کاروبار کرتے ہیں، خوب نفع حاصل کرتے ہیں اور دور دراز ملکوں سے آنے والے لوگ اپنی ضروریات کی چیزیں خرید کر لے جاتے ہیں۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں: اَلْمُرَادُ بِھَا التِّجَارَۃُ۔ مجاہد کا قول ہے: اَلتِّجَارَۃُ وَمَا یَرْضَی اللّٰہُ بِہٖ مِنْ اَمْرِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ (2)۔ تجارت اور دنیا اور آخرت کا ہر وہ کام جو اللہ تعالیٰ کی رضا کا باعث ہو۔

اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو حج دنیائے اسلام کی ایک عالمی کانفرنس بھی ہے۔ ذکر و عبادت، حج و قربانی کے علاوہ دنیائے اسلام کے تمام مسائل پر غور و فکر کرنے کا ایک زریں موقع ہے۔ خلفائے راشدین کے زمانے میں ایامِ حج میں مملکتِ اسلامیہ کے تمام صوبوں کے گورنر اور دیگر اعلیٰ حکام مکہ میں جمع ہوتے بلکہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ خاص اہتمام سے ان کو بلاتے۔ ہر ملک کے حالات سنتے اور مقامی مشکلات کو دور کرنے کے لیے مشورے کرتے۔ اگر کسی علاقہ کے لوگوں کو اپنے افسرانِ اعلیٰ سے کوئی شکایت ہوتی تو وہ برملا اس کا اظہار کرتے اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ اور دیگر خلفاء ان کا موثر تدارک کرتے۔ لیکن افسوس کہ بعد میں مسلمانوں نے حج کی اس عالمی اہمیت کو فراموش کر دیا۔

۳۲؎ "جانے ہوئے دنوں" سے ذی الحجہ کا عشرہ مراد ہے۔ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، ابنِ عباس، حسن و قتادہ رضی اللہ عنہم کا قول ہے اور یہی مذہب ہے ہمارے امامِ اعظم حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا۔ اور صاحبین کے نزدیک "جانے ہوئے دنوں" سے ایامِ نحر مراد ہیں۔ یہ قول ہے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کا اور ہر تقدیر پر یہاں ان دنوں سے خاص روزِ عید مراد ہے"۔ (خزائن العرفان) (3)

۳۳؎ کفار حج کے موقع پر جو جانور ذبح کرتے تھے ان کا گوشت خود نہیں کھاتے تھے (4)۔ مسلمانوں کو اجازت دی جا رہی ہے کہ تم خود بھی کھاؤ اور جو غریب و مسکین ہیں ان کو بھی کھلاؤ۔ البتہ جو جانور بطورِ کفارہ ذبح کیے جائیں گے ان کا کھانا کفارہ دینے

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج6، ص276۔ صحیح بخاری، ابواب العمرۃ، باب قول اللہ تعالیٰ ولا فسوق ولا جدال الخ، ج1، ص245
2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج6، ص77-276 3۔ خزائن العرفان، زیر آیت ہذا، ص603 4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج6، ص278

الْبَآئِسَ الْفَقِیْرَ ﴿۲۸﴾ ثُمَّ لْیَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْیُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ

مصیبت زدہ محتاج کو۔ پھر چاہیے کہ دور کریں ۳۴ اپنی میل کچیل اور پوری کریں اپنی نذریں

وَلْیَطَّوَّفُوْا بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ یُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ

اور طواف کریں ۳۵ ایسے گھر کا جو بہت قدیم ہے۔ ان احکام کو یاد رکھو ۳۶ اور جو شخص تعظیم کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کی

فَهُوَ خَیْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا یُتْلٰى

۳۷ تو یہ بہتر ہے اسکے لیے اسکے رب کے ہاں۔ اور حلال کیے گئے تمہارے لیے جانور بجز انکے جن کی حرمت پڑھی

عَلَیْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ

گئی تم پر ۳۸ پس پرہیز کرو بتوں کی نجاست سے ۳۹ اور بچو جھوٹی بات

والے کے لیے جائز نہیں۔(1)

۳۴ حالتِ احرام میں حجامت کرنے، خوشبو اور تیل لگانے اور بلا ضرورت غسل کرنے کی ممانعت ہے۔ جس کی وجہ سے حجامت بڑھ جاتی ہے۔ بال پراگندہ ہوجاتے ہیں۔ جسم پر میل کی تہیں جم جاتی ہیں۔ ارشاد ہے کہ جب تم جانور ذبح کر چکو تو اب تم حجامت بناؤ، غسل کرو، کپڑے بدلو اور میل کچیل کو دور کرو۔(2) ۳۵ اس سے مراد طوافِ زیارت ہے۔(3)

۳۶ اس کی ترکیب کی کئی صورتیں ہیں۔ سب سے آسان اور واضح یہ صورت ہے کہ یہ مفعول ہے فعلِ محذوف کا۔ تقدیرِ کلام یوں ہوگی۔ اِحْفَظْ ذٰلِكَ وَ ذٰلِكَ اِشَارَةٌ اِلٰی مَا سَبَقَ مِنَ الْاَحْکَامِ (مظہری)(4) ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے۔

۳۷ اللہ تعالیٰ کی محترم چیزوں کی جو تعظیم کرتا ہے اور انہیں مقررہ آداب وشرائط کے ساتھ بجالاتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ اس کا اجر عطا فرمائے گا اور اس کی یہ مشقت اس کے لیے باعث خیر وبرکت ہوگی۔

۳۸ کفار نے بہت سے جانوروں کو اپنے من گھڑت قانون سے حرام قرار دے دیا تھا۔ جیسے بحیرہ، سائبہ وغیرہ(5)۔ مسلمانوں کو بتایا جارہا ہے کہ یہ سب کفار کے من گھڑت مسئلے ہیں۔ حرام وہی جانور ہیں جن کا پہلے ذکر گزر چکا ہے۔ ان کے علاوہ سب حلال ہیں۔ تم انہیں مزے سے کھا سکتے ہو۔

۳۹ مسلمانوں کو حکم دیا جارہا ہے کہ یہ بت جن کو مشرکین نے اپنا معبود بنایا ہوا ہے یہ تو سراسر نجاست اور غلاظت ہیں۔ ان سے دور بھاگو اور ہر قسم کی جھوٹی باتوں سے اجتناب کرو۔ کذب بیانی، جھوٹی شہادت، کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک کہنا، فرشتوں کو اللہ

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج12، جز23، ص30 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز12، ص50 3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج6، 306

4۔ ایضاً، ج6، ص317 (مفہوم) 5۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، جز6، ص30

الزُّوْرِ ﴿۳۰﴾ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ

سے ۔ یکسر مائل ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف، نہ شریک ٹھیراتے ہوئے اللہ کیساتھ ۴۰؂ اور جو شریک ٹھیراتا ہے اللہ تعالیٰ

فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ

کیساتھ ۴۱؂ تو اس کی حالت ایسی ہے گویا وہ گرا ہو آسمان سے پس اُچک لیا ہو اسے کسی پرندنے یا پھینک دیا ہو اسے ہوانے

مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿۳۱﴾ ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ

کسی دور جگہ میں۔ حقیقت یہ ہے اور جو ادب و احترام کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا تو بیہ (احترام) اس وجہ سے

تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ

ہے کہ دلوں میں تقویٰ ہے ۴۲؂ تمہارے لیے مویشیوں میں طرح طرح کے فائدے ہیں ۴۳؂ ایک معین مدت تک پھر

تعالیٰ کی بیٹیاں کہنا یہ سب قولِ زور میں شامل ہیں۔(1)

۴۰؂ شرک سے منہ موڑ کر کمال یکسوئی سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ، نہ ذات میں اور نہ صفات میں۔ اس کی ذات واجب الوجود ہے۔ اس کی صفات قدیم اور ذاتی ہیں۔ باقی جہاں کہیں بھی کوئی خوبی یا کمال ہے کسی کا اپنا نہیں، سب اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ کا عطا فرمایا ہوا ہے۔ وجود، علم، اختیار، سمع و بصر، غرضیکہ جو کچھ اور جتنا کچھ کسی کے پاس ہے، وہ بخششِ خداوندی ہے۔ جب اس کے سوا ہر چیز اپنی تمام صفاتِ کمال حتیٰ کہ اپنے وجود میں بھی اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے تو وہ اس کی شریک کیسے ہو سکتی ہے؟ ان سراپا احتیاج اشیاء کو خدا سمجھنا سب سے بڑی حماقت اور نادانی ہے۔

۴۱؂ جو بدبخت کسی کو کسی حیثیت سے خدا کا شریک ٹھہراتا ہے وہ تباہ و برباد ہو کر رہے گا۔ اس کی مثال یوں سمجھو گویا اس کو آسمان کی بے اندازہ بلندی سے نیچے پھینک دیا گیا ہو۔ کیا ایسے شخص کے بچنے کا کوئی امکان ہے؟ ہرگز نہیں۔ یا تو کوئی شکاری پرندہ اسے ہوا ہی میں دبوچ کر اس کو اپنا نوالہ بنا لے گا ورنہ اتنی بلندی سے جب زمین پر گرے گا تو اس کی ہڈیاں چور چور ہو جائیں گی۔ اور اس کا گوشت ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔ دونوں صورتوں میں اس کی ہلاکت یقینی ہے۔ (اَلْعِيَاذُ بِاللّٰهِ)

۴۲؂ امام ابن جریر لفظ شعائر کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ شَعِيْرَةٌ بروزن فَعِيْلَةٌ کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے وہ علامت جس سے کسی چیز کی پہچان ہو سکے۔ وَ شَعَائِرُهُ الَّتِيْ جَعَلَهَا اَمَارَاتٍ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ(2): یعنی جن چیزوں سے حق اور باطل کی شناخت ہو سکے ان کو شَعَائِرُ اللّٰهِ کہتے ہیں۔

قرآنِ کریم میں صفا و مروہ کی پہاڑیوں، قربانی کے جانوروں کو اللہ تعالیٰ کے نشان کہا گیا ہے اور ان کی تعظیم و تکریم کا حکم دیا

1۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج 17 ص 112 2۔ تفسیر طبری، سورۂ مائدہ، ج 6 ص 36

مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا

انکے ذبح کرنے کا مقام ۴۴ بیت عتیق کے قریب ہے۔ اور ہر امت کے لیے ہم نے مقرر فرمائی ہے ایک قربانی ۴۵ تاکہ

گیا ہے۔ جب یہ چیزیں شَعَائِرُاللهِ ہیں تو مدینہ طیبہ اور اس کے گلی کوچے، اولیائے کرام اور ان کے آثار اور ان کے مزارات پر انوار کیوں شعائر الله میں داخل نہیں؟ شرک کی مذمت کے بعد شعائر اللہ کی تعظیم وتکریم کا حکم دیا جا رہا ہے اور اس کو دل کے تقویٰ کی علامت قرار دیا جا رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ محبوبانِ الٰہی اور ان کے آثار کی تعظیم واحترام شرک نہیں تا کہ قبیح اور مذموم ہو۔ (جس طرح آج کل بعض لوگ خیال کرتے ہیں) بلکہ جذبہ خدا ترسی کی نشانی ہے اور اللہ تعالیٰ سے دلی لگاؤ کی دلیل ہے۔ کیونکہ جس سے محبت ہوتی ہے اس کا جس چیز سے تعلق ہوتا ہے وہ بھی پیاری لگتی ہے۔ عبادت اور تعظیم میں فرق نہ کرنا اور تعظیم کو عبادت شمار کرنا اور اُسے شرک کہنا قرآن فہمی کا کوئی اچھا مظاہرہ نہیں ہے۔

۴۳ یہ مویشی جو ہم نے پیدا کیے ہیں ان سے تم طرح طرح کے فائدے حاصل کرتے ہو۔ ان پر سوار ہوتے ہو، ان کا گوشت کھاتے ہو، ان کا دودھ پیتے ہو، ان کی اون اور کھال سے نفع اٹھاتے ہو اور اس کی تمہیں اجازت ہے لیکن ان سے ان فوائد کا حصول ایک مقررہ حد تک درست ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب تم ان کو حرم شریف میں قربانی دینے کے لیے معین کر دو اس کے بعد تم ان سے یہ منافع حاصل نہیں کر سکتے۔ البتہ شدتِ ضرورت کے پیشِ نظر جبکہ اس کے بغیر کوئی چارہ نہ رہے تو پھر ان سے استفادہ کی اجازت ہے(1)۔ قَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ لَا يَجُوْزُ رُكُوْبُهَا وَلَا الْحَمْلُ عَلَيْهَا وَلَا شُرْبُ لَبَنِهَا اِلَّا لِضُرُوْرَةٍ۔ امام صاحب نے فرمایا کہ قربانی کے جانوروں پر سوار ہونا، بوجھ لادنا اور ان کا دودھ پینا بجز اشد ضرورت کے جائز نہیں۔ (مظہری)(2)

۴۴ مَحِلُّهَآ: مَنْحَرُهَا۔ ان کے ذبح کرنے کی جگہ۔ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ، كَائِنٌ کے ساتھ متعلق ہو کر مَحِلُّهَآ کا حال ہے۔ یعنی جو جانور تم حج کے موقع پر بطورِ ہدی اپنے ہمراہ لے آؤ ان کو ذبح کرنے کی جگہ حرم شریف ہے۔(3)

۴۵ اے امتِ محمدیہ! جانوروں کی قربانی کا حکم صرف تمہیں ہی نہیں دیا گیا بلکہ تم سے پہلے جتنی ہدایت یافتہ امتیں گزری ہیں ان سب کو یہ حکم دیا گیا تھا۔ مَنْسَكٌ کا معنی مجاہد نے یہ کیا ہے: اَلذَّبْحُ وَاِرَاقَةُ الدَّمِ۔ ذبح کرنا اور خون بہانا۔ جب کوئی شخص ذبح کرتا ہے تو کہا جاتا ہے: نَسَكَ يَنْسُكُ نَسْكًا۔ اور جو جانور ذبح کیا جائے اس کو نَسِيْكَةٌ کہتے ہیں۔ اس کی جمع نُسُكٌ ہے(4)۔ اس ارشادِ ربانی سے ان لوگوں کی غلطی بھی آشکارا ہو گئی جو حج کے موقع پر منیٰ میں قربانی دینے کے تو قائل ہیں لیکن عید الاضحیٰ کے موقع پر تمام مسلمان جو قربانیاں دیتے ہیں اس کو اسراف اور اضاعتِ مال کہتے ہیں۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مدینہ طیبہ کے دس سالہ قیام میں ہر سال مدینہ طیبہ میں قربانی دی اور صحابہ کرام کو قربانی دینے کا حکم دیا اور اس کے احکام سے آگاہ کیا اور آج تک امتِ مسلمہ کا ہر جگہ اور ہر زمانہ میں اس پر عمل رہا ہے۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 319 2۔ ایضاً، ص 320 3۔ ایضاً، ص 21-320 4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 12، ص 58

اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ

وہ ذکر کریں اللہ تعالیٰ کا اسم (پاک) ان بے زبان جانوروں پر ذبح کے وقت جو اللہ تعالیٰ نے انھیں عطا فرمائے ہیں ۴۶ پس تمہارا خدا خدائے

وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا ؕ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ

واحد ہے تو اسی کے آگے سر جھکادو ۴۷ اور (اے محبوب) مژدہ سنائیے تواضع کرنیوالوں کو ۴۸ وہ لوگ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا

وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي

جاتا ہے تو ان کے دل ڈرنے لگتے ہیں اور جو صبر کرنے والے ہیں ان (مصائب و آلام) پر جو پہنچتے ہیں انھیں اور جو صحیح ادا کرنیوالے

الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ

ہیں نماز کو اور ان چیزوں سے جو ہم نے انھیں عطا فرمائی ہیں وہ خرچ کرتے ہیں اور قربانی کے فربہ جانوروں ۴۹ کو ہم نے بنایا ہے

۴۶ اور قربانی دینے کا مقصد یہ ہے کہ جب تم مویشیوں کو ذبح کرو تو ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لو۔ بَهِيْمَةٌ کہتے ہیں بے زبان کو اور پھر انعام کی قید اس لیے لگا دی کہ وہ جانور نکل جائیں جو بهیمہ (بے زبان) تو ہیں لیکن انعام نہیں۔ جیسے گھوڑے، خچر، گدھے وغیرہ۔(1)

۴۷ قوانینِ شریعت میں باہمی اختلاف کے باوجود ہر امت اس عقیدہ میں یک دل اور یک زبان ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ اس لیے اس کے پیدا کیے ہوئے جانور جب ذبح کرنے لگو تو صرف اسی کا نامِ پاک لے کر ذبح کرو اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے سامنے اپنی گردنیں جھکا دو۔

۴۸ پست اور نشیبی زمین کو عربی میں اَلْخَبْتُ کہتے ہیں۔ اَلْخَبْتُ مَا انْخَفَضَ مِنَ الْاَرْضِ۔ مُخْبِتٌ سے مراد وہ مومن ہے جو متواضع اور منکسر المزاج ہو(2)۔ غرور و تکبر کی اسے ہوا تک نہ لگی ہو۔ قرآنی اصطلاح میں مخبت کا جو مفہوم ہے اس کی وضاحت اگلی آیت میں کر دی گئی ہے۔ اور جو لوگ ان صفاتِ حسنہ سے متصف ہیں ان کو خوشخبری سنانے کا حکم دیا جا رہا ہے۔

۴۹ اس آیت میں چند الفاظ تشریح طلب ہیں۔ بُدْنٌ وَ بُدُنٌ جمع ہے اور اس کا واحد بَدَنَةٌ ہے۔ جس طرح ثُمْرٌ و ثُمُرٌ جمع ہے اور اس کا واحد ثَمَرَةٌ ہے۔ یہ بَدَانَةٌ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے موٹا تازہ ہونا۔ اَلْبَدَانَةُ: السِّمَنُ۔ اس کا اطلاق صرف اونٹ پر ہوتا ہے یا گائے پر بھی۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اس کا مصداق صرف اونٹ ہیں اور حضرت امام صاحب کے نزدیک اونٹ اور گائے دونوں پر اس کا اطلاق ہوتا رہتا ہے(3)۔ یہاں ذبح کا جو طریقہ بیان ہو رہا ہے وہ اونٹ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لیے یہاں بُدْن سے مراد صرف اونٹ ہیں۔ صَوَآفَّ: صاحبِ قاموس اس کی تشریح کرتے ہوئے

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج6، ص322 — 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز12، ص58 — 3۔ ایضاً، ج12، ص61-60

مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ

تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے تمہارے لیے ان میں بھلائی ہے پس لو اللہ تعالیٰ کا نام ان پر اس حال میں کہ ان کا ایک پاؤں

فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۭ

بندھا ہوا اور زمین پر کھڑے ہوں۔ پس جب وہ گر پڑیں کسی پہلو پر تو خود بھی کھاؤ اس سے نیز کھلاؤ قناعت کرنیوالے فقیر کو اور بھیک مانگنے

كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٣٦﴾ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا

والے کو۔ اس طرح ہم نے فرمانبردار بنا دیا ان جانوروں کو تمہارے لیے تاکہ تم (اس احسان کا) شکریہ ادا کرو۔ ہرگز نہیں پہنچتے اللہ تعالیٰ کو انکے گوشت

لکھتے ہیں: وہ اونٹ جس کا بایاں ہاتھ باندھ دیا جائے اور وہ اپنے دونوں پاؤں اور دائیں ہاتھ کے سہارے کھڑا ہو، اس کو صواف کہتے ہیں (1)۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اونٹ ذبح (نحر) کرنے کا یہی طریقہ منقول ہے کہ اونٹ کو اس طرح کھڑا کر کے اس کے حلقوم میں زور سے تیز نیزہ مارا جاتا ہے جس سے خون کا فوارہ بہہ نکلتا ہے (2)۔ وَجَبَتْ۔ اس کا معنی گرنا۔ جب سورج غروب ہو جائے تو عرب کہتے ہیں وَجَبَتِ الشَّمْسُ۔ جب دیوار گر پڑے تو کہتے ہیں وَجَبَ الْحَائِطُ۔ (قرطبی) (3)

اَلْقَانِعُ: اَلْجَالِسُ فِيْ بَيْتِهِ الْمُتَعَفِّفُ يَقْنَعُ بِمَا يُعْطٰى وَلَا يَسْاَلُ (4)۔ وہ فقیر جو گھر میں بیٹھا ہے اور کسی کے آگے دستِ سوال دراز نہ کرے۔ اَلْمُعْتَرُّ: اَلَّذِيْ يَسْاَلُ۔ وہ فقیر جو بھیک مانگے۔ الفاظ کی تشریح کے بعد اب آیت کے مفہوم کی طرف توجہ فرمائیے۔ قربانی کے یہ گرانڈیل جانور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے بعض نشانیاں ہیں۔ ان میں تمہارے لیے دینی اور دنیوی فائدے ہیں۔ اونٹوں کو جب ذبح (نحر) کرنے لگو تو ان کو اس طرح کھڑا کرو اور پھر ان پر اللہ تعالیٰ کا نام لو۔ نحر کے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ کلمات پڑھا کرتے تھے۔ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ عَلٰى مِلَّةِ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦٢﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ (5)۔ اور بعض احادیث میں صرف اتنے الفاظ ہیں۔ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ (6)۔ اور جب تم انہیں ذبح کر چکو اور روح نکل جائے اور وہ ٹھنڈے ہو جائیں تو پھر تمہیں اجازت ہے کہ ان کا گوشت پکا کر تم خود بھی کھاؤ اور ان مسکینوں کو بھی کھلاؤ جو قناعت کی چادر اوڑھے اپنے گھروں میں بیٹھے ہیں۔ نہ کسی سے اپنا حال کہتے ہیں اور نہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہیں۔ نیز ان سائلوں کو بھی دو جو تمہارے پاس آ کر مانگتے ہیں۔

۵۰۔ ذرا غور کرو جب تم ذبح کرنے لگتے ہو تو یہ جانور خاموش کھڑے رہتے ہیں۔ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ تم ان کی گردن

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج6، ص323
2۔ صحیح بخاری، کتاب المناسک، باب نحر الابل المقیدۃ و باب نحر البدن قائمۃ، ج1، ص231
3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز12، ص63
4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج6، ص324
5۔ سنن ابو داؤد، کتاب الضحایا، باب ما یستحب من الضحایا، ج2، ص30
6۔ دیکھئے سنن کبریٰ از بیہقی، کتاب الضحایا، ج9، 287، دار الفکر، بیروت

وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۭ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ

اور نہ ان کے خون ۵۱؎ البتہ پہنچتا ہے اس کے حضور تک تقویٰ تمہاری طرف سے یوں اس نے فرمانبردار بنا دیا ہے

لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ۭ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ

انھیں تمہارے لیے تاکہ تم بڑائی بیان کرو اللہ تعالیٰ کی اس نعمت پر کہ اس نے تم کو ہدایت دی۔ اور اے حبیب! خوشخبری دیجیے احسان کرنیوالوں کو یقیناً

يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۸﴾ ع

اللہ تعالیٰ حفاظت کرتا ہے اہل ایمان کی (کفار کے مکر و فریب سے) ۵۲؎ بیشک اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا کسی دھوکہ باز احسان فراموش کو۔

پر چھری چلانے والے ہو یا نیزے سے ان کے حلقوم کو پھاڑنے والے ہو لیکن وہ بھاگ نہیں جاتے، تم پر حملہ نہیں کر دیتے۔ کس کی قدرت نے انہیں تمہارا مطیع کر دیا ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے ورنہ اونٹ جیسا قوی اور سرکش جانور تم کو اپنی چھاتی کے نیچے دبا کر اگر مسل دے یا گائے اپنا سینگ تمہارے پیٹ میں گھونپ دے تو تم کیا کر سکتے ہو؟ ان انعاماتِ الٰہیہ سے تمہیں سرفراز کرنے کا مدعا یہ ہے کہ تم اس کے شکر گزار بندے بن جاؤ۔

۵۱؎ کفار جب قربانی کے جانور ذبح کرتے تو ان کا خون کعبے کی دیواروں پر مل دیتے اور گوشت اپنے بتوں کے پاس لا کر رکھ دیتے اور خیال کرتے کہ جب تک ایسا نہ کیا جائے ہماری قربانی مقبول نہیں ہوتی۔ اس آیت میں مسلمانوں کو یہ بتا دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے قربانی کے جانوروں کے گوشت اور خون کی ضرورت نہیں کہ تم اسے اٹھاؤ اور کعبہ کی دیواروں پر مل کر انہیں آلودہ کر دو۔ اس کی جناب میں تو تمہارا اخلاص اور تقویٰ شرفِ قبولیت حاصل کرے گا۔ تمہارے دل میں جتنا خلوص زیادہ ہوگا، تمہارے عمل پر تقویٰ کا رنگ جتنا زیادہ ہوگا اتنی ہی اس کی مقبولیت زیادہ ہوگی۔(1)

۵۲؎ امام راغب اصفہانی یُدٰفِعُ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر دَفَعَ کا صلہ اِلٰی ہوگا تو اس کا معنی کسی کو کوئی چیز دینا ہوگا جس طرح ارشادِ باری ہے۔ "فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ" یعنی ان کو ان کے مال دے دو اور اگر اس کا صلہ "عَنْ" ہوگا تو اس میں حمایت اور نصرت کا مفہوم پایا جائے گا۔ وَاِذَا عُدِّیَ بِعَنِ اقْتَضٰی مَعْنَی الْحِمَایَةِ۔ نَحْوُ اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا(2) الخ منجد میں ہے دَافَعَ عَنْهُ حَامٰی عَنْهُ وَانْتَصَرَ لَهٗ۔(3)

یہاں کیونکہ صلہ "عَنْ" ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کفار کے مقابلہ میں جب اہلِ ایمان سینہ سپر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت ان کے شاملِ حال ہوگی اور ان کا دفاع کرے گی۔

اس میں جہاں اہلِ ایمان کے لیے یہ بشارت ہے کہ تم دشمن کی قوت اور وسائل سے ہراساں مت ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارا ناصر اور نگہبان ہے۔ وہاں اس امر کی طرف بھی متوجہ کیا جا رہا ہے کہ تمہیں خود معرکہ حق و باطل میں شریک ہونا پڑے گا تب تم

1۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج3، ص244 2۔ مفرداتِ راغب، ص316 3۔ المنجد، ص218

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ

اذن دے دیا گیا ہے (جہاد کا) ۵۳؎ ان (مظلوموں) کو جن سے جنگ کیجاتی ہے اس بنا پر کہ ان پر ظلم کیا گیا اور بیشک اللہ تعالیٰ ان کی نصرت پر ۵۴؎ پوری

نصرتِ خداوندی کے مستحق ہو گے۔ ایسا نہیں کہ تم گھروں میں آرام سے بیٹھے رہو اور خود بخود ہی معرکے سر ہوتے رہیں اور حق کا بول بالا ہوتا رہے۔

۵۳؎ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صفا کی پہاڑی پر کھڑے ہو کر جب مشرکینِ مکہ کو توحید کی دعوت دی تو ان کی آتشِ غضب بھڑک اٹھی، مخالفت کا طوفان برپا ہو گیا۔ وہی زبانیں جو صادق وامین کہتے کہتے نہ تھکتی تھیں اب شاعر، مجنوں اور مفتری جیسے ناروا الزام لگانے میں بیباک ہو گئیں۔ جو شخص اسلام قبول کرتا اس پر بھی مظالم کی انتہا کر دی جاتی۔ صرف بلال کو ہی دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹایا نہیں جاتا تھا، صرف یاسر اور ان کی اہلیہ سمیہ کو ہی برچھے مار مار کر گھائل نہیں کیا جاتا تھا، ان کے جور و جفا کے تیر فقط نادار اور بے یار و مددگار لوگوں کے سینوں کو چھلنی نہیں کیا کرتے تھے بلکہ معزز اور متموّل خاندانوں کے چشم و چراغ بھی اگر اسلام قبول کرتے تو وہ بھی ان کے ظلم و تعدّی سے محفوظ نہ رہتے۔ حضرت عثمان کو آپ کا چچا کچے چمڑے میں کس کر باندھ دیتا اور چلچلاتی دھوپ میں پھینک دیتا۔ دھوپ، پسینہ اور تعفّن کے مارے جان نکلنے لگتی۔ حضرت ابو بکر کو ایک دفعہ اتنی زد و کوب کی گئی کہ آپ لہولہان ہو گئے اور پہروں بے ہوش پڑے رہے۔ جسمانی اذیت رسانیوں کے علاوہ بات بات پر مذاق، ہر آیت پر اعتراض، ہر حکمِ شریعت پر آوازے کسے جاتے۔ غرضیکہ کفر کے ترکشِ جور و جفا میں جتنے تیر تھے سب چلائے گئے۔ باطل کے اسلحہ خانہ میں جس جس قسم کا اسلحہ تھا سب ہی آزمایا گیا۔ ان دلآزاریوں، ستم شعاریوں اور مجروح دلوں پر نمک پاشیوں کا سلسلہ سال دو سال تک نہیں پورے تیرہ سال شدت سے جاری رہا۔ اس کے باوجود مظلوموں کو ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہ تھی۔ انہیں ان کے رب کا یہ حکم تھا کہ صبر اور ضبط سے کام لیں اور کسی طرح کی جوابی یا انتقامی کاروائی نہ کریں۔ نبوت کے تیرھویں سال ہجرت کی اجازت ملی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور صحابۂ کرام مکہ سے ڈھائی تین سو میل دور یثرب نامی ایک بستی میں جمع ہو گئے۔ لیکن کفارِ مکہ کی آتشِ غضب اب بھی سرد نہ ہوئی۔ یہاں بھی مسلمانوں کو چین کا سانس نہ لینے دیا۔ دس دس بیس بیس کافروں کے جتھے آتے۔ مدینہ طیبہ کی چراگاہوں میں اگر کسی مسلمان کے مویشی چر رہے ہوتے تو انہیں لے اڑتے۔ اکّا دُکّا مسلمان مل جاتا تو اسے بھی قتل کرنے سے باز نہ آتے۔

چودہ پندرہ سال تک صبر وضبط سے مظالم برداشت کرنے والوں کو آج اجازت دی جا رہی ہے کہ تم اپنی مدافعت کے لیے تلوار اٹھا سکتے ہو۔ کفر کے ظلم کی انتہا ہو گئی ہے۔ باطل کی جفا کیشیاں حد سے بڑھ گئی ہیں۔ اب اٹھو، ان سرکشوں اور مئے پندار سے مدہوش کافروں کو بتا دو کہ اسلام کا چراغ اس لیے روشن نہیں ہوا کہ تم پھونکیں مار کر اسے بجھا دو۔ حق کا پرچم اس لیے بلند نہیں ہوا کہ تم بڑھ کر اسے گرا دو۔ یہ چراغ اس وقت تک فروزاں رہے گا جب تک چرخِ نیوفری پر مہر و ماہ چمک رہے ہیں۔ یہ پرچم اس وقت تک لہراتا رہیگا جب تک نظامِ کائنات موجود ہے۔ ان حالات میں اور ان مقاصد کے لیے جہاد کی اجازت ملی۔ اب بھی اگر کوئی کوتاہ نظر اسلام کے جہاد کو دوسری قوموں کی خونریزیوں اور قتل و غارت کا مترادف قرار دے تو یہ اس کی اپنی نادانی کی دلیل ہے۔

۵۴؎ بتا دیا گیا کہ اگرچہ تعداد میں اب بھی تم کفار کے مقابلے میں تھوڑے ہو، اسباب و وسائل کے لحاظ سے بھی تمہیں ان سے کوئی

لَقَدِيْرٌ ۝٣٩ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا

طرح قادر ہے۔ وہ (مظلوم) جن کو نکال دیا گیا تھا ان کے گھروں سے ناحق ۵۵ صرف اتنی بات پر کہ انھوں نے

رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ

کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے! اور اگر اللہ تعالیٰ بچاؤ نہ کرتا لوگوں کا ۵۶ انھیں ایک دوسرے سے ٹکرا کر تو (طاقتوروں کی غارتگری سے)

صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ

منہدم ہو جاتیں خانقاہیں اور گرجے اور کلیسے اور مسجدیں جن میں اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کثرت سے کیا جاتا ہے۔

نسبت نہیں لیکن فکر واندیشہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت تمہارے شاملِ حال ہے۔ دنیا کی کوئی قوت تمہیں مٹا نہیں سکتی۔ یہ ارشاد کتنا حوصلہ افزا ہے۔ یہ سن کر مسلمانوں کے دلوں میں اپنی کمزوری اور بے سروسامانی کا احساس ختم ہو کر رہ گیا ہوگا۔ ان کے جذبہ جاں نثاری کو نئی زندگی اور نیا ولولہ نصیب ہوا ہوگا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ آج بھی مومن کے پاس سب سے بڑا اسہارا یہی وعدہ ہے۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی (1)

۵۵ مظالم کی طویل فہرست سے ایک ظلم کا ذکر فرمادیا کہ انہیں بلاوجہ ان کے گھروں سے نکال دیا گیا۔ یہ چور نہ تھے۔ کسی کے قتل ناحق کا ان پر الزام نہ تھا۔ ان کا دامنِ عفت کسی گناہ سے داغدار نہ تھا۔ ہاں ان کا ایک جرم تھا، ان کا ایک قصور تھا جس کی انہیں یہ سزا دی گئی کہ وہ یہ کہا کرتے: رَبُّنَا اللّٰهُ کہ اللہ تعالیٰ ہمارا پروردگار ہے۔ اس کے بغیر ہم کسی لات ومنات کو اپنا معبود ماننے کے لیے تیار نہیں۔

۵۶ ربانی سیاست کا ایک عالمی اصول بیان فرمایا جا رہا ہے کہ طاقت کا توازن برقرار رکھنے میں ہی تمام بنی نوع انسان کا بھلا ہے۔ اگر قوت وطاقت ایک قوم کے ہاتھ میں دے دی جائے تو دنیا کے امن وسلامتی کا جنازہ نکل جائے۔ طاقتور ہاتھ کمزور اور بے بس قوموں پر بے دریغ ظلم ڈھاتا رہے گا۔ اور اسے کوئی ٹوکنے والا بھی نہیں ہوگا۔ ان کے شہر اور بستیاں کھنڈر بنا دیئے جائیں گے۔ ان کے باغ اور کھیت اجاڑ دیئے جائیں گے۔ ان کی عصمتیں اور آبروئیں پامال کی جاتی رہیں گی اور کوئی اف تک نہ کر سکے گا۔ صرف یہی نہیں بلکہ لوگوں کے مذہبی عبادت خانے جو ان کی عقیدت اور محبت کا مرکز ہیں ان کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی جائیگی اور کوئی دم نہیں مار سکے گا۔ اس لیے حکمتِ خداوندی کو یہ گوارا نہیں کہ صرف ایک قوم کو دنیا بھر کی زمامِ اقتدار سونپ دی جائے بلکہ قدرت ہمیشہ طاقت کا توازن برقرار رکھنے کا اہتمام فرماتی رہی ہے اور فرما رہی ہے۔ اگر مسلمانوں پر اب بھی خاموشی سے مظالم برداشت کرنے کی پابندی عائد رہے اور انہیں کفر کی للکار کا جواب دینے کی اجازت نہ ہو تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ طاقت کا

1۔ کلیاتِ اقبال (اردو)، بال جبریل، ص 457

وَلَيَنۡصُرَنَّ اللّٰهُ مَنۡ يَّنۡصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِىٌّ عَزِيۡزٌ ۞ الَّذِيۡنَ

اور اللہ تعالیٰ ضرور مدد فرمائیگا اسکی جو اس (کے دین) کی مدد کریگا۔ ۵۷ یقیناً اللہ تعالیٰ قوت والا (اور) سب پر غالب ہے۔ وہ لوگ کہ اگر ہم

اِنۡ مَّكَّنّٰهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوۡا

انہیں اقتدار بخشیں ۵۸ زمین میں تو وہ صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز کو اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور حکم کرتے ہیں

توازن بگڑ جائے گا۔ کفر کی طاغوتی قوتیں حق کا نام ونشان بھی نہ چھوڑیں گی اس لیے مظلوم مسلمانوں کو اپنے دفاع کی اجازت دینا ربانی سیاست کے عالمی اصول کے عین مطابق ہے تاکہ وہ اپنے تحفظ کے ساتھ اسلام کے پرچم کو بھی بلند رکھیں تاکہ اس کے سایۂ عاطفت میں جتنی قومیں بھی پناہ لیں سب کی جان، مال اور آبرو اور ان کے مذہبی عبادت خانوں کا تحفظ کیا جاسکے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اسلامی جہاد کے پیشِ نظر صرف مسلمانوں کا تحفظ ہی مقصود نہیں اور صرف مساجد کی آبادی ہی مطلوب نہیں بلکہ جو قوم اس کے دامن میں پناہ لے گی اسلامی حکومت سب کے تحفظ کی ذمہ دار ہوگی۔

صَوَامِعُ: صَوْمَعَةٌ کا واحد ہے۔ تارک الدنیا، راہبوں کی عبادت کے حجرے۔ (1)

بِيَعٌ: بِيْعَةٌ کی جمع ہے۔ عیسائیوں کے گرجے۔ (2)

صَلَوَاتٌ: یہودیوں کے عبادتخانے۔ عبرانی زبان میں انہیں صَلُوْتَہ کہا جاتا ہے اور ممکن ہے اسی سے صَلَوٰتٌ ماخوذ ہو۔ (3)

۵۷ اللہ تعالیٰ کی مدد کس کے شامل حال ہوتی ہے؟ اس کا قاعدہ بیان فرمادیا جو اس کے نام کو بلند کرتا ہے، جو اس کے دین کی اشاعت کرتا ہے، جو شمعِ توحید کو ہاتھ میں لے کر طوفانوں، آندھیوں سے الجھتا ہوا آگے بڑھتا جاتا ہے تاکہ دلوں کے ظلمت کدوں کو منور کردے، کفر وشرک کے اندھیروں نے جہاں صدیوں سے خیمے گاڑ رکھے ہیں وہاں حق کا اجالا ہوجائے۔ اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت کے مستحق یہی عالی ظرف لوگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ اٹل قانون ہے۔ پہلے بھی ایسا ہی ہوتا رہا، اب بھی ایسا ہی ہو رہا ہے اور آئندہ بھی ایسا ہوتا رہے گا۔ جس کے دل میں اس کے متعلق کھٹک ہو وہ آگے بڑھے اور خود تجربہ کرکے دیکھ لے۔

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست (4)

۵۸ وہ کون لوگ ہیں جن کے تحفظ کا قدرت خود ذمہ لے رہی ہے اور جن کو اپنی نصرت کے مژدہ سے خورسند کیا جارہا ہے؟ یہاں انہی کا تعارف کرایا جارہا ہے کہ ان کی حکومت اور ان کا اقتدار منفرد نوعیت کا ہے۔ جب یہ مسندِ حکومت پر بیٹھتے ہیں تو اپنے رب کی یاد سے غافل نہیں ہوتے۔ جب ملک کے خزانوں کی کنجیاں ان کے ہاتھ میں ہوتی ہیں تو وہ ان خزانوں کو اپنے ذاتی آرام وآسائش اور عیش وعشرت میں صرف نہیں کرتے۔ ان کے اقتدار کے جھنڈے کے نیچے بدکاری اور فسق وفجور پروان نہیں چڑھتا۔ بلکہ زمامِ حکومت ہاتھ میں لینے کے باوجود ان کا سرنیاز اپنے پروردگار کے حضور میں انتہائی عجز وتذلّل سے جھکا رہتا ہے۔ ان کی دولت غریبوں اور مسکینوں کی ضروریات کی کفیل ہوتی ہے۔ جہاں ان کے مبارک قدم پہنچتے ہیں وہاں نیکی اور تقویٰ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 12، ص 71 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ دیوان حافظ (فارسی) ص 40، مطبوعہ در مطبع صفدری واقع بندر

بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾ وَاِنْ

(لوگوں کو) نیکی کا اور روکتے ہیں (انھیں) برائی سے۔ اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہے سارے کاموں کا انجام۔ اور اگر یہ کفار

یُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ﴿۴۲﴾ وَ

آپ کو جھٹلاتے ہیں (تو کیا تعجب ہے) پس جھٹلایا تھا ان سے پہلے ۵۹ قوم نوح نے اور عاد و ثمود نے۔ اور

قَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ﴿۴۳﴾ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى

قوم ابراہیم نے اور قوم لوط نے اور مدین کے رہنے والوں نے (اپنے اپنے نبیوں کو) اور جھٹلائے گئے موسیٰ

فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۴﴾ فَكَاَيِّنْ

بھی۔ تو (کچھ عرصہ) میں نے مہلت دی ان کفار کو (جب وہ باز نہ آئے) تو میں نے انھیں پکڑا۔ (خود ہی بتاؤ) کتنا خوفناک تھا میرا عذاب! پس

مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِىَ ظَالِمَةٌ فَهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا

کتنی بستیاں ہیں ۶۰ جنھیں ہم نے تہ و بالا کر ڈالا کیونکہ وہ ظالم تھیں تو اب وہ گری پڑی ہیں اپنی چھتوں پر

وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴿۴۵﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ

اور کتنے کنویں ہیں جو بیکار ہو چکے ہیں ۶۱ اور کتنے چونے سے بنے ہوئے مضبوط محل ہیں (جو ویران پڑے ہیں)۔ کیا انھوں نے سیر و سیاحت

کے چمنستان لہلہانے لگتے ہیں۔ غور فرمائیے اسلامی حکومت کی برکات کا کتنا واضح اور حسین بیان ہے۔ اسلامی رہنماؤں کے فرائض کی کیسی جامع فہرست ہے اور ان کے لیے کتنا جامع دستور العمل ہے۔ ایسے جامع، واضح اور یُمن و برکت سے لبریز دستور العمل کی موجودگی میں اگر ہمارے سربراہوں کو کسی نئے دستور کی تلاش ہو تو یہ ان کی اپنی سمجھ کا قصور ہے۔ قرآن نازل کرنے والے نے بتانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

۵۹۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دے رہے ہیں۔

۶۰۔ یہ مبتدا ہے اور مرفوع ہے یا فعلِ محذوف کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اَهْلَكْنٰهَا اس فعل کا مفسر ہے۔ (1)

۶۱۔ مُعَطَّلٌ: بے کار، بے مصرف۔ وہ کنواں جہاں سے لوگوں نے پانی بھرنا بند کر دیا ہو۔ مَشِيْدٌ: وہ عمارت جو چونے سے چنی گئی ہو اور چونے سے پلستر کی گئی ہو۔ اس سے مراد ہے مضبوط اور شاندار۔ اَیْ مُجَصَّصٌ مِنَ الشَّيْدِ وَهُوَ الْجَصُّ۔ (مظہری) (2)

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 331 2۔ ایضاً، ج 6، ص 332

فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ

نہیں کی زمین میں تاکہ (ان کھنڈرات کو دیکھ کر) انکے دل ایسے ہو جاتے جن سے وہ (حق کو) سمجھ سکتے اور کان ایسے ہو جاتے جن سے یہ نصیحت

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي

سُن سکتے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں

الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ط

ہوتے ہیں ۶۲ یہ لوگ جلدی مانگ رہے ہیں آپ سے عذاب۔ (یہ تسلی رکھیں) اللہ تعالیٰ خلاف ورزی نہیں کریگا

وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۴۷﴾ وَكَاَيِّنْ

اپنے وعدے کی۔ اور بیشک ایک دن تیرے رب کے ہاں ۶۳ ایک ہزار سال کی طرح ہوتا ہے جس حساب سے تم گنتی کرتے ہو۔ اور کتنی

مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ

بستیاں تھیں ۶۴ جنھیں میں نے اکانی عرصہ ڈھیل دی حالانکہ وہ ظالم تھیں پھر (بھی جب وہ باز نہ آئے) تو میں نے انھیں

الْمَصِيْرُ ﴿۴۸﴾ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴۹﴾ ج

پکڑ لیا اور میری طرف ہی (سب کو) لوٹنا ہے (اے حبیب!) آپ فرمائیے اے لوگو! بس میں تو تمھیں (عذاب الٰہی سے) کھلا ڈرانے والا ہوں۔

۶۲ کتنی بڑی حقیقت کا اظہار ہے! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔ شَرُّ الْعَمٰى عَمَى الْقَلْبِ (1)۔ دل کا اندھا ہونا سب سے برا اندھا پن ہے۔

۶۳ جو قوم بدکاریوں سے باز نہیں آتی اسے ان کے انجام سے ضرور دوچار ہونا پڑتا ہے لیکن اعمال کی کھیتی ایسی نہیں کہ صبح بوئی اور شام کو کاٹ لی۔ اس کے لیے مناسب عرصہ درکار ہوتا ہے۔ قومیں اپنے عروج و زوال کی منزلیں دنوں اور مہینوں میں طے نہیں کیا کرتیں بلکہ اس کے لیے صدہا سال درکار ہوتے ہیں۔ ہزار سال کی مدت اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک دن کے برابر ہے۔ اس لیے تمہارے خیال سے اگر نزول عذاب میں تاخیر ہو گئی ہے تو میرے رسول کی تکذیب نہ کرو کہ تمہیں مزید مہلت مل گئی ہے۔

۶۴ پہلے بھی بدکار قوموں پر فوراً عذاب نہیں اترا بلکہ انہیں طویل مہلت دی گئی تھی۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 333

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ

سو جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیے تو ان کے لیے مغفرت بھی ہے اور باعزت روزی بھی۔

كَرِيْمٌ ۝٥٠ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

اور جو لوگ کوشش کرتے رہے ہماری آیتوں (کی تردید) میں اس خیال سے کہ وہ ہمیں ہرا دینگے یہی لوگ

الْجَحِيْمِ ۝٥١ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ

دوزخی ہیں۔ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول ۶۵ اور نہ کوئی نبی مگر

۶۵۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتا رہے ہیں کہ آپ سے پہلے ہم نے جتنے رسول اور نبی مبعوث فرمائے ان کے ساتھ یہ معاملہ ہوا کہ جب انہوں نے ہماری آیتیں لوگوں کو پڑھ کر سنائیں تو شیطان نے ان لوگوں کے دلوں میں ان آیات کے بارے میں طرح طرح کے شکوک وشبہات پیدا کر دیئے۔ بجائے اس کے کہ وہ ان آیات کو قبول کرتے الٹا ان کے خلاف محاذ قائم کر لیا اور اعتراضات کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ یہ مفہوم متعدد دوسری آیتوں میں بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ (1) کہ شیطان اپنے چیلوں کے دلوں میں طرح طرح کے وسوسے ڈالتے ہیں تاکہ وہ تمہارے ساتھ بحث مباحثہ شروع کر دیں۔ دوسری آیت میں ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا۔ (2) یعنی اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے سرکش انسانوں اور جنوں کو دشمن بنا دیا اور وہ لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے ایسی باتیں سکھاتے ہیں جو بظاہر بڑی دلکش ہوتی ہیں۔

پہلے شیاطین جن وانس نے جو سلوک اپنے ہادیوں کے ساتھ کیا تھا بعینہٖ وہی رویہ مکہ کے مشرکین نے اختیار کیا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ (تم پر مردار حرام کیے گئے) تو مشرکین اسے لے اڑے اور اس پر یہ اعتراض جڑ دیا کہ دیکھو جی جسے خود مارتے ہیں اس کو تو حلال اور پاک کہہ رہے ہیں اور جسے خدا نے مارا وہ ان کے نزدیک حرام اور پلید ہے۔ جب سود کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو ان کی زبانیں قینچی کی طرح چلنے لگیں کہ ذرا انصاف سے تو دیکھو کہ بیع تو ان کے لیے حلال ہے اور سود حرام۔ حالانکہ دونوں میں نفع ہے۔ یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ دو ایک جیسی چیزوں میں سے ایک کو حرام اور دوسری کو حلال کر دیا جائے؟ اسی قسم کے متعدد واقعات ہیں جن کے متعلق شیطان ان کو بھڑکاتا اور وہ اسلام کے خلاف بڑے جوش وخروش سے پراپیگنڈا کی ایک نئی مہم کھڑی کر دیتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنی حکمتِ کاملہ سے اور دلائلِ قاہرہ سے باطل کا پول کھول دیتا اور حق کی روشنی پھر ہر طرف پھیل جاتی۔ آیت کا یہ مفہوم اتنا واضح اور دوسری آیات کے عین مطابق ہے کہ کسی قسم کا تذبذب باقی نہیں

1۔ سورۃ الانعام: 121
2۔ سورۃ الانعام: 112

رہتا۔ لیکن بعض کتابوں میں ایک روایت کے درج ہو جانے سے اس آیت کا مطلب کچھ سے کچھ کر دیا گیا۔ جس سے صرف اپنوں کے دلوں میں اضطراب کی لہر پیدا نہیں ہوئی بلکہ دشمنانِ اسلام کو قرآن، صاحبِ قرآن اور دینِ اسلام کی صداقت پر حملہ کرنے کے لیے ایک مہلک ہتھیار مل گیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ آیت کی اس واضح اور صاف تشریح پر ہی یہ فقیر اکتفا کرتا اور اس روایت کی طرف التفات کیے بغیر آگے بڑھ جاتا لیکن کیونکہ یہ روایت ہماری کتابوں میں راہ پا گئی ہے اور دشمنانِ اسلام نے اس سے فائدہ اٹھا کر اسلام کے خلاف طوفان برپا کر رکھا ہے اب اس سے تعرض نہ کرنا بھی ادائے فرض میں کوتاہی کے مترادف ہے۔ اس لیے بادلِ نخواستہ وہ روایت نقل کر رہا ہوں۔ اس کے بعد علماء محققین نے جس طرح اس کے پرخچے اڑائے ہیں ان کا بالاجمال ذکر کروں گا تاکہ کسی طالبِ حق کے لیے تردّد وتذبذب کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ۔

کہا یہ گیا ہے کہ اس آیت کی شانِ نزول یہ ہے کہ ایک روز حرم شریف میں کفار ومشرکین کے ایک اجتماع میں حضورؐ نے سورۂ نجم کی تلاوت فرمائی۔ جب یہاں پہنچے۔ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۱۹ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ۲۰ تو شیطان نے العیاذ باللہ زبان پر یہ الفاظ جاری کر دیئے تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى ۔ یعنی یہ بت مرغانِ بلند پرواز ہیں اور ان کی شفاعت کی امید کی جاسکتی ہے۔ یہ سن کر مشرکین کی خوشی کی حد نہ رہی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نور کا اسمِ گرامی لے کر کہنے لگے کہ وہ اپنے پرانے دین کی طرف لوٹ آیا ہے۔ آج اس کی اور ہماری عداوت ختم ہوگئی۔ اور جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سورۂ نجم کی سجدہ والی آیات پڑھیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی سجدہ کیا اور مشرکین نے بھی سجدہ کیا۔ اس کے بعد جبرئیل آئے اور آپ کو کہا کہ میں نے آپ کو یہ سورت اس طرح وحی نہیں کی تھی جس طرح آپ نے پڑھی۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو از حد رنج وغم ہوا۔ اس رنج وغم کو دور کرنے کے لیے یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ غم نہ کریں۔ پہلے بھی جتنے رسول اور نبی گزرے ہیں سب کے ساتھ ایسا ہوا ہے۔ (1)

ایک معمولی سمجھ بوجھ کا انسان جسے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقام کا کچھ بھی علم ہے وہ تو اس روایت کو سنتے ہی کہہ دے گا کہ یہ جھوٹ کا پلندا ہے۔ اور دشمنانِ اسلام کی سازش ہے لیکن آیئے علمائے محققین کے ارشادات کی روشنی میں اس کا جائزہ لیں۔ سب سے پہلے میں علامہ ابوحیان غرناطی کے جواب کا خلاصہ پیش کرتا ہوں کیونکہ وہ جامع ہونے کے ساتھ مختصر بھی ہے۔ ابتدا میں انہوں نے اس آیت کا وہی مطلب بیان کیا ہے جو میں اوپر لکھ آیا ہوں۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اس آیت میں کوئی ایسی چیز مذکور نہیں جو رحمتِ عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف منسوب کی جاسکے بلکہ اس میں صرف پہلے رسولوں اور نبیوں کا ذکر ہے اس لیے اس آیت سے یہ اخذ کرنا کہ حضورؐ سے کوئی فعل سرزد ہوا اور اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی سرے سے ہی غلط ہے۔ ابنِ عطیہ، زمخشری اور چند دوسرے لوگوں نے اپنی تفسیروں میں جو روایت یہاں نقل کی ہے یہ بات تو ایک معمولی مسلمان سے بھی سرزد نہیں ہوسکتی، چہ جائیکہ اس کو اس ذاتِ پاک کی طرف منسوب کیا جائے جو ہر قسم کی غلطی اور خطا سے معصوم ہے۔ نیز اس روایت کے متعلق سیرت کے معتبر ترین سوانح نگار امام محمد بن اسحاق سے جب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا هٰذَا مِنْ وَّضْعِ الزَّنَادِقَةِ۔ کہ یہ روایت زندیقوں کی گھڑی ہوئی ہے اور اس کے ردّ میں انہوں نے پوری ایک کتاب تصنیف فرمائی۔ امام بیہقی کہتے ہیں: هٰذِهِ الْقِصَّةُ غَيْرُ ثَابِتَةٍ مِّنْ جِهَةِ النَّقْلِ۔ یہ قصہ صحیح نقل سے ثابت ہی نہیں ہے اور جن راویوں نے اسے نقل کیا ہے

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 12، جز 23، ص 51-50

سب مطعون ہیں۔ صحاحِ ستہ اور دیگر حدیث کی مشہور کتابوں میں اس کا نام ونشان تک نہیں۔ فَوَجَبَ اِطِّرَاحُهٗ اس لیے اس کوڑی چیز کی طرح پھینک دینا ضروری ہے۔ ابوحیان فرماتے ہیں کہ اسی لیے میں نے اپنی تفسیر کو اس کے بیان سے آلودہ نہیں کیا۔ مجھے ان لوگوں پر حیرت ہے کہ انہوں نے اپنی تالیفات میں اس واقعہ کو لکھنے کی کیسے جسارت کی حالانکہ قرآن کریم کی ان آیات کی وہ تلاوت کرتے ہیں، اسی سورۂ والنجم کے آغاز میں ہے وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۙ﴿۱﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۚ﴿۲﴾ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ؕ﴿۳﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴿۴﴾ (1) یعنی میرا محبوب نہ گمراہ ہوا، نہ بھٹکا۔ وہ تو اپنی خواہش سے بات بھی نہیں کرتا۔ وہ وہی بات کہتا ہے جو اس کی طرف وحی کی جاتی ہے۔ ان روشن آیات کی موجودگی میں یہ کیسے تصور کیا جاسکتا ہے کہ اسی سورت میں ایسے قبیح کلمات زبانِ پاک سے نکلے ہوں۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا: قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ۔ (2) یعنی آپ کہہ دیجیے کہ میری یہ مجال نہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کے کلام میں اپنی مرضی سے ردّ وبدل کردوں۔ میں تو صرف وحی کا اتباع کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں یہ اعلان کردیا۔ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۙ﴿۴۴﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۙ﴿۴۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿۴۶﴾ ۖ۔ اور اگر وہ ہم پر ایک بات بھی اپنی طرف سے بنا کر کہتے تو ضرور ہم ان سے بقوت بدلہ لیتے۔ پھر ان کی رگِ دل کاٹ دیتے۔ کیا اس ارشاد کے بعد اس چیز کا گمان بھی کیا جاسکتا ہے۔ (ان کے علاوہ کئی اور آیات بھی انہوں نے پیش کی ہیں) پھر لکھتے ہیں: یہ وہ قرآنی نصوص قطعیہ ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عصمت پر دلالت کرتی ہیں۔ پھر فرماتے ہیں: عقلی طور پر بھی یہ روایت من گھڑت ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہونا ممکن ہوتا تو تمام احکام، آیات اور سارا دین مشکوک ہوجاتا۔ (مُلَخَّصًا البحر المحیط) (3)

امام فخر الدین رازی نے بھی زور شور سے اس روایت کا رد کیا ہے۔ لکھتے ہیں: اگرچہ سطحی قسم کے لوگوں نے اس روایت کو لکھا ہے لیکن علمائے محققین کا اس کے متعلق یہ فیصلہ ہے: هٰذِهِ الرِّوَايَةُ بَاطِلَةٌ مَّوْضُوْعَةٌ۔ یہ روایت جھوٹی ہے، گھڑی ہوئی ہے۔ وَاحْتَجُّوْا عَلَيْهِ بِالْقُرْاٰنِ وَالسُّنَّةِ وَالْمَعْقُوْلِ اور اس کے بطلان اور موضوع ہونے پر ان علماء نے قرآن وسنت اور عقلی دلائل پیش کیے ہیں اور اس کے بعد امام موصوف نے مرقومہ بالا آیات ذکر کی ہیں اور امام محمد بن اسحاق کا قول نقل کیا ہے کہ یہ قصہ زندیقوں کا گھڑا ہوا ہے۔ عقلی دلائل پیش کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: جو شخص کہتا ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بتوں کے بارے میں تعریفی جملے کہے وہ کافر ہے۔ کیونکہ اس طرح تو حضورؐ کی بعثت کا مقصد ہی فوت ہوجاتا ہے۔ نیز شریعت، قرآن اور دینِ اسلام کی کسی بات پر یقین نہیں رہتا۔ پھر فرماتے ہیں ان دلائل سے روزِ روشن کی طرح واضح ہوگیا: اِنَّ هٰذِهِ الْقِصَّةَ مَوْضُوْعَةٌ۔ یہ قصہ موضوع ہے۔ اس کے حق میں زیادہ سے زیادہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ بعض مفسروں نے اسے لکھا ہے تو اس کا جواب یہ ہے خَبْرُ الْوَاحِدِ لَا يُعَارِضُ الدَّلَائِلَ النَّقْلِيَّةَ وَالْعَقْلِيَّةَ الْمُتَوَاتِرَةَ کہ یہ خبر واحد ہے اور دلائلِ عقلیہ اور نقلیہ جو حدِ تواتر کو پہنچے ہوئے ہیں ان کے سامنے اس کی کوئی وقعت نہیں ہے۔

اس روایت کے ناقلین نے اس کی جو مختلف تاویلیں کی ہیں امام موصوف نے ان کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دی ہیں اور فرمایا ہے کہ اس روایت کی کوئی تاویل درست نہیں۔ اس کا کوئی صحیح محمل اور مصداق تلاش نہیں کیا جاسکتا۔ یہ روایت اپنی تمام تاویلات،

1۔ سورۃ النجم: 1 تا 4 ۔ 2۔ سورۂ یونس: 15 ۔ 3۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 82-381

احتمالات اور اختلافِ الفاظ کے ساتھ مسترد کر دینے کے قابل ہے۔ فَجَزَاهُ اللهُ عَنِ الْاِسْلَامِ وَعَنِ الْمُسْلِمِيْنَ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ (تفسیر کبیر ملخص)۔(1)

علامہ ابوعبداللہ القرطبی نے بھی احکام القرآن میں اس روایت کی خوب تردید کی ہے اور ہر سلسلہء روایت پر بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں: فِیْ ذٰلِكَ رِوَايَاتٌ كَثِيْرَةٌ كُلُّهَا بَاطِلٌ لَّا اَصْلَ لَهٗ (2) کہ سب کی سب باطل ہیں۔ ان کا کوئی ثبوت نہیں۔ اور کیونکہ یہ روایت ضعیف ہے اس لیے اس کی تاویل کرنے کی بھی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ وَضُعْفُ الْحَدِيْثِ مُغْنٍ عَنْ كُلِّ تَأْوِيْلٍ (3)۔ آخر میں فرماتے ہیں کہ اگر اس روایت کی کوئی سند صحیح بھی ثابت ہو جائے تو بھی وہ ضعیف اور ناقابلِ اعتبار ہوگی کیونکہ آیاتِ قرآنی کے صراحۃً مخالف ہے اور اب تو یہ آیاتِ قرآنی کے بھی خلاف ہے اور اس کی کوئی صحیح سند بھی نہیں ہے۔ ان حالات میں اہلِ نظر کے لیے یہ کب قابلِ التفات ہو سکتی ہے۔ وَهٰذَا ضِدُّ مَفْهُوْمِ الْاٰيَةِ وَهِيَ تُضَعِّفُ الْحَدِيْثَ لَوْصَحَّ فَكَيْفَ وَلَا صِحَّةَ لَهٗ (4)۔ علامہ قرطبی نے قاضی عیاض کا یہ قول نقل کیا ہے:۔

اِنَّ الْاُمَّةَ اَجْمَعَتْ فِيْ مَا طَرِيْقُهُ الْبَلَاغُ اَنَّهٗ مَعْصُوْمٌ فِيْهِ مِنَ الْاِخْبَارِ عَنْ شَيْءٍ بِخِلَافِ مَا هُوَ عَلَيْهِ لَا قَصْدًا وَّلَا عَمَدًا وَّلَا سَهْوًا وَّلَا غَلَطًا (5) یعنی امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ تبلیغِ کلامِ الٰہی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہرگز غلطی نہیں ہوسکتی نہ قصداً نہ عمداً نہ سہواً اور نہ غلطاً۔ اس میں نبی ہر طرح معصوم ہیں۔

علامہ آلوسی نے دیگر اقوال کے ساتھ امام ابو منصور ماتریدی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے:

وَذَكَرَ الشَّيْخُ اَبُوْالْمَنْصُوْرِ الْمَاتُرِيْدِيُّ فِيْ كِتَابِ "قَصَصِ الْاَتْقِيَاءِ" اَلصَّوَابُ اَنَّ قَوْلَهٗ تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى مِنْ جُمْلَةِ اِيْحَاءِ الشَّيْطَانِ اِلٰى اَوْلِيَاءِهٖ مِنَ الزَّنَادِقَةِ ...... وَحَضْرَةُ الرِّسَالَةِ بَرِيْئَةٌ مِّنْ مِثْلِ هٰذِهِ الرِّوَايَةِ۔ (روح المعانی)(6)

یعنی تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى والی بات یہ ان باتوں میں سے ایک بات ہے جو شیطان اپنے زندیق پیروکاروں کے دلوں میں ڈالتا ہے تاکہ لوگوں کو اسلام سے برگشتہ کریں۔ جناب رسالتماب اس قسم کی روایتوں سے مبرّا اور منزّہ ہیں۔ قاضی ابوبکر ابن العربی الاندلسی جب اس آیت کی تفسیر کرنے لگے ہیں تو اس روایت کا ذکر کر کے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غصہ سے ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا ہے اور دل بے چین اور بے قرار ہوگیا ہے۔ اپنی سابقہ روش کے بالکل برعکس، اس روایت کو باطل کرنے کے لیے ایک مستقل فصل لکھی ہے جس کا عنوان ہے: تَنْبِيْهُ الْغَبِيِّ عَلٰى مِقْدَارِ النَّبِيِّ، اور لکھتے ہیں وَنَرْجُوْبِهٖ عِنْدَ اللهِ الْجَزَاءَ الْاَوْفٰى فِيْ مَقَامِ الزُّلْفٰى (7)۔ کہ اس فصل کے لکھنے سے مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقامِ قرب میں مجھے عظیم جزا دے گا۔ تنگیٔ داماں کی شکایت نہ ہوتی تو آپ کی اس فصل کا پورا ترجمہ یہاں درج کرتا۔ اہلِ علم سے درخواست ہے کہ وہ ضرور اس فصل کا مطالعہ کریں۔

نیز یہ امر بھی غور طلب ہے کہ یہ آیت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ اور سورۂ نجم کا نزول اور یہ قصہ جو گھڑا گیا ہے اس کا وقوع ہجرت سے پہلے کئی سال مکہ مکرمہ میں ہوا تو عجیب بات یہ ہے کہ حضور کو نعوذ باللہ ایسا کرنے سے جو حزن و ملال ہوا اس کو دور کرنے کے لیے اتنے عرصہ دراز تک کوئی آیت نازل نہ ہوئی اور کئی سالوں کے بعد اللہ تعالیٰ کو خیال آیا کہ اپنے رسول کو مطمئن کرے اور

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج12، جز23، ص52-51 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز12، ص83 3۔ ایضاً، ج12، ص84 4۔ ایضاً
5۔ ایضاً، ج12، ص82 6۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز17، ص117 7۔ احکام القرآن از ابن عربی، ج3، ص1300

إِذَا تَمَنّٰٓى أَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ أُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي

اسکے ساتھ یہ ہوا کہ جب اس نے کچھ پڑھا تو ڈال دیئے شیطان نے اسکے پڑھنے میں ﴿شکوک﴾، پس مٹا دیتا ہے اللہ تعالیٰ جو دخل اندازی

الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٥٢﴾ لِّيَجْعَلَ

شیطان کرتا ہے ٦٦ پھر پختہ کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بہت دانا ہے۔ یہ سب

مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ

اس لیے تاکہ اللہ تعالیٰ بنا دے جو وسوسہ ڈالتا ہے شیطان ٦٧ ایک آزمائش ان لوگوں کیلیے جنکے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل

قُلُوْبُهُمْ ۗ وَإِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ﴿٥٣﴾ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ

بہت سخت ہیں۔ اور بلاشبہ ظالم لوگ مخالفت میں بہت دور نکل جاتے ہیں۔ نیز اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ جان لیں

یہ آیت نازل کی۔ کیا ایسی بے تکی بات کوئی صاحبِ عقلِ سلیم تسلیم کر سکتا ہے۔ مزید برآں یہ حدیثِ متواتر ہے کہ شیطان خواب میں بھی حضور ﷺ کی شکل میں کسی کو دکھائی نہیں دے سکتا تا کہ مسلمانوں کو حضور ﷺ کی شکل میں دھوکہ دے سکے تو اس کی کیا مجال کہ سرچشمۂ ہدایت کو وہ گدلا سکے۔

"قَدْ صَحَّ بَلْ تَوَاتَرَ قَوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَّاٰنِيْ فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِيْ حَقًّا فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ بِيْ" ۔(1)

اصل واقعہ جو صحیحین اور دیگر کتبِ حدیث میں ہے وہ صرف اتنا ہے کہ حضور ؐ نے مجمعِ عام میں یہ سورت پڑھی اور اس میں آیتِ سجدہ آنے کی وجہ سے آخر میں سجدہ کیا تو تمام حاضرین جن میں کفار بھی تھے سب سجدہ میں گر پڑے اور ایسا ہونا عین ممکن ہے۔ کیونکہ کلامِ الٰہی ہو اور زبانِ حبیبِ کبریاء اس کی تلاوت کر رہی ہو تو کیوں نہ کفار بے ساختہ سجدے میں گر پڑیں (2)۔ بس اتنی بات تھی جس کو زنادقہ کی وضع و تحریف نے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَنَا مِنْ اُمَّةِ رَسُوْلِهِ الْمُكَرَّمِ وَنَبِيِّهِ الْمُعَظَّمِ الَّذِيْ عَصَمَهٗ مِنْ وَّسَاوِسِ الشَّيْطَانِ وَهَمَزَاتِهٖ وَجَعَلَهٗ دَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا۔

٦٦ آیاتِ قرآنی یا احکامِ شرعی کے متعلق شیطان لوگوں کے دلوں میں جو وسوسہ اندازی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے اس کا ازالہ فرما دیتا ہے اور لوگوں کے دلوں کا یقین پھر تازہ ہو جاتا ہے۔

٦٧ یعنی آیاتِ قرآنی کے متعلق شیطان کی وسوسہ اندازیوں سے وہی لوگ آزمائش میں مبتلا ہوتے ہیں جن کے دلوں میں کفر و نفاق کی بیماری ہوتی ہے اور جن کے قلوب کی سنگلاخ زمین میں ہدایت کا پاکیزہ درخت اگ نہیں سکتا۔ ایسے ہی لوگ ان شبہات کے باعث خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کی گمراہی کا باعث بنتے ہیں۔ (اَلْعِيَاذُ بِاللّٰهِ)

1۔ صحیح بخاری، کتاب التعبیر، باب من رأی النبی فی المنام، ج2، ص1036، صحیح مسلم، کتاب الرؤیا، ج2، ص242
2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز17، ص183

أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ

وہ لوگ جنھیں علم بخشا گیا ۶۸ کہ کتاب حق ہے آپکے رب کی طرف سے۔ تاکہ ایمان لائیں اسکے ساتھ اور جھک جائیں

قُلُوْبُهُمْ ۗ وَإِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٥٤﴾

اس (کی سچائی) کے آگے انکے دل اور بیشک اللہ تعالیٰ ہدایت دینے والا ہے ایمان والوں کو راہ راست کی طرف۔

وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ

اور ہمیشہ شک میں مبتلا رہیں گے کفار ۶۹ اس کے بارے میں یہاں تک کہ آجائے ان پر قیامت

بَغْتَةً أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿٥٥﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۗ

اچانک یا آجائے ان پر عذاب منحوس دن کا۔ حکمرانی اس روز اللہ تعالیٰ کی ہی ہوگی۔

يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۗ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ

۷۰ وہی فیصلہ فرمائے گا لوگوں کے درمیان۔ پس جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے تو وہ نعمت (و احسان)

۶۸ اہلِ علم وفہم ان وسوسوں کا شکار نہیں ہوتے۔ آیاتِ ربانی میں ہدایت کا جو نور درخشاں ہوتا ہے اس سے ان کے دل روشن ہو جاتے ہیں۔ وہ سچے دل سے اس پر ایمان لاتے ہیں اور ان کا خضوع وخشوع اور زیادہ بڑھ جاتا ہے۔

۶۹ کفار ساری عمر شک وشبہ کی دلدل میں دھنسے رہیں گے اور آنکھیں اس وقت کھلیں گی جب عذابِ الٰہی آکر دبوچ لے گا، یا قیامت آجائیگی۔ عَقِيْمٍ اس کو کہتے ہیں جس کی اولاد نہ ہو۔ وہ دن جس کے بعد رات نہ آئے اور نہ اس کے بعد کوئی نیا دن طلوع ہو اس کو بھی اس لحاظ سے عَقِيْمٍ کہہ دیتے ہیں۔ جب کسی قوم پر تباہی نازل ہوتی ہے تو اس کی زندگی کا وہ ایسا دن ہوتا ہے جس کے بعد اس کے لیے گردشِ لیل ونہار کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس کو بھی عقیم کہا گیا وَكَانَ عَقِيْمًا مِنْ كُلِّ خَيْرٍ۔ (قرطبی)

يَوْمٍ عَقِيْمٍ سے مراد روزِ قیامت بھی لیا گیا ہے۔ قَالَ ضَحَّاكٌ: عَذَابُ يَوْمٍ لَّا لَيْلَةَ لَهٗ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ۔ (1)

۷۰ بادشاہی اور حکمرانی تو آج بھی اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اس کے حکم کے بغیر کوئی پتا حرکت نہیں کرتا۔ کوئی ذرّہ اپنی جگہ سے سرک نہیں سکتا۔ لیکن آج کئی ایسے غلط اندیش اور مے پندار سے مست لوگ ہیں جو اپنی شاہی وسلطانی کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن قیامت کے روز سب جھوٹے شہنشاہوں کی زبانیں گنگی ہو جائینگی۔ ہونٹ سل جائیں گے۔ دل خوف کی شدت سے ڈوب رہے ہوں گے۔ سب پر آشکارا ہو جائے گا کہ سارے جہان کا حاکم اور فرمانروا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ وہی نیکوں کو ان کی نیکیوں کا اجر

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 12، ص 87

النَّعِيمِ ﴿٥٦﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ

کے باغوں میں (قیام پذیر ہونگے) ۱؎ اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو یہ وہ بدنصیب ہیں جن کیلئے رسوا کن عذاب

مُّهِينٌ ﴿٥٧﴾ وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوا اَوْ مَاتُوا

ہوگا اور جن لوگوں نے ہجرت کی راہ خدا میں ۲؎ پھر (دوران جہاد میں) قتل کر دیئے گئے یا طبعی طور پر

لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِينَ ﴿٥٨﴾

فوت ہوئے تو ضرور عطا فرمائیگا انھیں اللہ تعالیٰ بہترین رزق اور بیشک اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے

لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿٥٩﴾

وہ ضرور داخل کریگا انھیں ایسی جگہ جسے وہ پسند کریں گے ۳؎ اور یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، بڑا بردبار ہے۔

اور نافرمانوں کو ان کی نافرمانیوں کی سزا دے گا۔

۱؎ ان دو آیتوں میں سے پہلی آیت میں مومنین کے اجر کا ذکر ہے اور دوسری میں کفار کی سزا کا۔ یہاں ایک چیز غور طلب ہے فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مبتدا ہے فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ خبر ہے۔ اسی طرح وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا مبتدا ہے فَاُولٰٓئِكَ خبر ہے۔ پہلی خبر پر ''ف'' داخل نہیں ہے لیکن دوسری خبر پر ''ف'' داخل ہے۔ اس میں اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ اہلِ ایمان کا جنت میں جانا محض فضلِ الٰہی ہے لیکن کافروں کے دوزخ میں جانے کی وجہ ان کے اعمال ہیں (1)۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا لَنْ يُّنْجِيَ اَحَدًا عَمَلُهٗ قَالُوْا وَلَا اَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ يَّتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ (2) ''یعنی کسی کو اس کا عمل نجات نہیں دے گا۔ صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ کو بھی؟ حضور نے فرمایا مجھے بھی۔ مگر یہ کہ مجھے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور فضل سے ڈھانپ لے۔''

۲؎ پہلے عام مومنین پر جو مہربانی فرمائی جانے والی ہے اس کا ذکر ہوا۔ اب خصوصیت کے ساتھ ان مبارک ہستیوں اور نفوسِ قدسیہ کی عزت افزائی کا بیان ہو رہا ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنے خویش و اقارب اور مال و وطن کو چھوڑ دیا اور اسی حالت میں ان کی وفات ہوئی خواہ وہ میدانِ جنگ میں کفار کے ہاتھوں شہید ہوئے یا ویسے طبعی موت سے دوچار ہوئے۔ ان کے متعلق فرمایا کہ انہیں ہر حال میں عمدہ رزق دیا جائے گا۔ اس سے مراد وہ رزق ہے جو عالمِ برزخ میں انہیں ملے گا۔ وَالْمُرَادُ بِهٖ عِنْدَ بَعْضٍ مَا يَكُوْنُ لِلشُّهَدَاءِ فِي الْبَرْزَخِ مِنَ الرِّزْقِ۔ (روح المعانی) (3)

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج6، ص342
2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج6، ص342، سنن دارمی، کتاب الرقائق، ج2، ص215
3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز17، ص187

ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ

ان باتوں کو یاد رکھو! اور جس نے بدلا لیا اتنا قدر جتنی تکلیف اسے دی گئی تھی پھر (مزید) زیادتی کی گئی اس پر تو

لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿٦٠﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ

اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مدد فرمائیگا[٤٧] بیشک اللہ تعالیٰ بہت معاف فرمانیوالا بہت بخشنے والا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ[٧٥] اللہ تعالیٰ ہی داخل

الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ

کرتا ہے رات (کے کچھ حصّہ) کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن (کے کچھ حصّہ) کو رات میں اور اللہ تعالیٰ سب باتیں سننے والا سب کچھ

بَصِيْرٌ ﴿٦١﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ

دیکھنے والا ہے۔ نیز اسکی یہ وجہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو خدائے برحق ہے[٧٦] اور جسے وہ پوجتے ہیں اس کے

دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿٦٢﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ

علاوہ وہ سراسر باطل ہے اور اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سب سے بلند (اور) سب سے بڑا ہے۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ

اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۡ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ۭ

[٧٧] اللہ تعالیٰ نے اتارا آسمان سے پانی تو ہو جاتی ہے (خشک) زمین سرسبز و شاداب۔

[٧٣] اس سے مراد جنت ہے۔ وہاں یہ جو چاہیں گے انہیں ملے گا اَیِ الْجَنَّةَ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ مَالَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ بِبَالِ الْبَشَرِ۔ (مظہری) (1)

یعنی "اس سے مراد جنت ہے کیونکہ اس میں انہیں وہ نعمتیں ملیں گی جنہیں نہ آج تک کسی آنکھ نے دیکھا نہ کانوں نے سنا اور نہ کسی انسان نے ان کا تصور کیا۔" [٧٤] اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ مظلوم اور کمزور کی مدد فرماتا ہے اور مسلمان چونکہ مظلوم اور کمزور ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ ان کی امداد فرمائے گا۔ اور آخر کار وہی کامیاب اور کامران ہوں گے۔

[٧٥] یہاں پہلی بات کی وجہ بیان فرمادی کہ اللہ تعالیٰ اتنی قدرت کا مالک ہے کہ اپنی قدرت سے حکمت کے مطابق دن کا حصہ رات میں اور رات کا حصہ دن میں داخل کرتا ہے اور جو ایسا کام کرنے کی طاقت رکھتا ہو جسے کوئی بشر اور کوئی فرشتہ نہیں کرسکتا وہ جس کی نصرت فرمائے گا اس کے کامیاب ہونے میں کیسے شک ہوسکتا ہے؟

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 343

إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ﴿٦٣﴾ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ

بیشک اللہ تعالیٰ ہمیشہ لطف فرمانیوالا ہر چیز سے باخبر ہے۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ۷۵

وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٦٤﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا

اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سب سے بے پرواہ اور ہر تعریف کا مستحق ہے کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمانبردار بنا دیا ہے تمہارے

فِي الْأَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۖ وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ

لیے ہر چیز کو جو زمین میں ہے ۷۹ اور کشتی کو بھی کہ چلتی ہے سمندر میں اسکے حکم سے۔ اور اس نے روکا ہوا ہے آسمان کو

أَنْ تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ

کہ گر نہ پڑے زمین پر بجز اسکے فرمان کے۔ بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ بڑی مہربانی فرمانیوالا

رَحِيمٌ ﴿٦٥﴾ وَهُوَ الَّذِي أَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ۗ

ہمیشہ رحم کرنیوالا ہے۔ اور وہی ہے جس نے تمہیں زندگی دی ۸۰ پھر مارے گا تمہیں پھر زندہ کرے گا تمہیں۔

۷۶ مومنوں کی نصرت کی دوسری وجہ بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ حق ہے اس کا دین حق ہے اور اس کی عبادت کرنا حق ہے اور مومن جو خدائے برحق پر ایمان لائے ہیں، اسی کے دینِ حق کی پیروی کرتے ہیں اور اسی کی عبادت کرتے ہیں وہی اس بات کے مستحق ہیں کہ خدائے برحق ان کی اعانت فرمائے۔ باقی رہے کافر و مشرک وہ بتوں کے پجاری ہیں۔ ان کے بت بھی جھوٹے اور ان کا مذہب بھی باطل۔ اس لیے باطل اور باطل پرستوں کی اعانت خداوند کریم نہیں کرے گا اور وہ یقیناً خاسر و نامراد ہوں گے۔

۷۷ اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کی ایک روشن دلیل کی طرف مخاطب کو متوجہ کیا جا رہا ہے۔

۷۸ ہر چیز جہاں کہیں بھی ہے، پیدا بھی اس کو اسی نے کیا ہے اور اس کی بقا کا بھی وہی اہتمام کرتا ہے۔

۷۹ اپنی قدرت و حکومت بیان کرنے کے بعد اب اپنے انعامات و احسانات کا ذکر فرمایا کہ دیکھو ہم نے تم پر کتنے احسانات فرمائے ہیں۔ ہماری شفقت اور بے پایاں رحمت کا تم بآسانی اندازہ لگا سکتے ہو۔

۸۰ اگر یہ سب کچھ ہوتا۔ گلشنِ عالم کی یہ ساری رونقیں ہوتیں لیکن تمہیں پیدا نہ کیا جاتا تو تم ان سے کیسے لطف اندوز ہو سکتے۔ تم پر اس نے مزید کرم فرمایا کہ تمہیں زندگی کی نعمت مرحمت فرمائی تاکہ تم ان گوناگوں احسانات سے مستفیض ہو سکو۔ لیکن یہ زندگی جس کی دلآویزیوں نے تمہیں مخمور کر دیا ہے فانی ہے۔ کچھ عرصہ بعد تمہیں موت کا ذائقہ چکھنا ہوگا۔ اس کے بعد پھر تمہیں زندہ کیا جائے گا اور وہ زندگی ابدی ہوگی۔ عقلمند وہ شخص ہوا کرتا ہے جو دور اندیش ہو۔ اپنے مستقبل کو درخشاں بنانے کے لیے کوشاں ہو۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ﴿٦٦﴾ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ

بیشک انسان بڑا ناشکرا ہے ۸۱؎ ہر امت کے لیے ہم نے مقرر کر دیا ہے عبادت کا طریقہ ۸۲؎ جس کے مطابق وہ

فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى

عبادت کرتے ہیں۔ تو انھیں چاہیے کہ وہ نہ جھگڑا کریں آپ سے اس معاملہ میں۔ آپ بلاتے رہیے انھیں اپنے رب کی طرف (اے محبوب!) آپ بیشک

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٦٧﴾ وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٦٨﴾

سیدھی راہ پر گامزن ہیں! اور اگر وہ (پھر بھی) آپ سے جھگڑا کریں ۸۳؎ تو آپ صرف اتنا فرما دیجیے کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم کر رہے ہو۔

اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿٦٩﴾

اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا تمھارے درمیان قیامت کے دن ان امور کے بارے میں جن میں تم اختلاف کرتے رہتے ہو۔

جو امروز کے ہنگاموں میں ایسا کھو جائے کہ فردا کا اسے ہوش ہی نہ رہے اسے کوئی دانا نہیں کہتا۔

۸۱؎ یہ احسانات جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے ان کے پیشِ نظر فطرتِ سلیمہ کا تقاضا تو یہ تھا کہ ایسے منعم اور محسن کی چوکھٹ پر ہمیشہ سرِ نیاز جھکا رہے اور زبانِ دل ہمیشہ اس کا شکر اور اس کی ثناء کرتی رہے لیکن حضرت انسان کی ناشکر گزاریاں اور احسان فراموشیاں قابلِ دید ہیں۔

۸۲؎ آج تک جو رسول بھی بھیجا گیا اسے اس کی قوم کے مخصوص حالات کے پیشِ نظر ایک نظام شریعت (منسک) عطا کیا گیا۔ اپنی اسی حکیمانہ قدیم سنت کے مطابق آپ کو بھی شریعت کا ایک ایسا دستور عطا فرمایا جو عصرِ حاضر کی ضروریات کو پورا کر سکتا ہے۔ اور اسلام کے عالمی اور ابدی دین ہونے کے تقاضوں سے باحسن الوجوہ عہدہ برا ہو سکتا ہے۔ اس لیے کسی سمجھ دار آدمی کو مناسب نہیں کہ احکامِ شریعت کے اختلاف کو وجہِ نزاع بنا کر مخالفت کا طوفان برپا کرے۔ اے حبیب مکرم! آپ اپنا فرض ادا کرتے رہیے اور کسی کی فساد انگیزی کی پرواہ نہ کیجیے، کوئی مفسد اپنی غوغا آرائی سے آپ کو گزند نہیں پہنچا سکتا۔

۸۳؎ اگر اس کے باوجود بھی خواہ مخواہ کوئی الجھتا ہے تو آپ اپنا قیمتی وقت اس کو خاموش کرنے میں صرف نہ فرمائیں بلکہ اسے کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کرتوتوں سے خوب واقف ہے۔ قیامت کا دن آنے دو وہ خود فیصلہ فرمائے گا اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں: فِیْ هٰذِهِ الْاٰیَةِ اَدَبٌ حَسَنٌ عَلَّمَهُ اللّٰهُ عِبَادَهٗ فِی الرَّدِّ عَلٰی مَنْ جَادَلَ تَعَنُّتًا وَّمِرَاءً اَنْ لَّا یُجَابَ وَلَا یُنَاظَرَ وَیُدْفَعَ بِهٰذَا الْقَوْلِ الَّذِیْ عَلَّمَهُ اللّٰهُ لِنَبِیِّهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ (1)۔ یعنی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بڑا عمدہ ادب سکھایا ہے کہ جو شخص محض تعصب اور جھگڑا کرنے کے شوق میں تم سے مناظرہ کرنا چاہے اسے کوئی

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 94

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّ

کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے ۸۴ یہ سب کچھ

ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۷۰﴾ وَ يَعْبُدُوْنَ

ایک کتاب میں (لکھا ہوا) ہے۔ بیشک (بلندی و پستی کی ہر چیز کو جان لینا) اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔ اور وہ پوجتے ہیں

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ مَا لَيْسَ لَهُمْ

۸۵ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کو نہیں اتاری جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کوئی سند۔ اور انھیں خود بھی انکے بارے میں کوئی

بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۷۱﴾ وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ

علم نہیں۔ اور نہیں ہوگا ظلم و ستم کرنے والوں کا کوئی مددگار۔ اور جب تلاوت کی جاتی ہیں انکے سامنے

اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ يَكَادُوْنَ

ہماری آیتیں صاف صاف، تو آپ پہچان لیتے ہیں کفار کے چہروں پر ناپسندیدگی کے آثار۔ ۸۶ یوں پتہ چلتا ہے کہ وہ

جواب نہ دو اور نہ اس کے ساتھ مناظرہ کرو۔ اس کی تمام غوغا آرائیوں کے جواب میں صرف یہ بات کہہ دو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبِ مکرم کو سکھائی ہے۔

۸۴ جب وہ سب کچھ جانتا ہے تو ان معاندین کے احوال اور بدنیتی اس سے کیسے مخفی رہ سکتی ہے۔

۸۵ کفار و مشرکین جن بتوں کو اپنا خدا مانتے ہیں اور ان کی پوجا کیا کرتے ہیں اس کے لیے ان کے پاس نہ کوئی نقلی دلیل ہے، نہ عقلی۔ پھر ایسے ظالموں اور جفاکاروں کی کون مدد کرسکتا ہے۔

۸۶ آیاتِ قرآنی کی جب تلاوت کی جاتی ہے تو اہلِ ایمان خوش ہوتے ہیں اور کلامِ الٰہی کی مٹھاس اور شیرینی ان کے رگ و پے میں سما جاتی ہے۔ لیکن یہ لوگ جنہوں نے کفر و شرک کے باعث اپنے ذوقِ سلیم کا گلا گھونٹ کر رکھ دیا ہے جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیاتِ بینات پڑھی جاتی ہیں تو ان کے چہروں پر ناگواری اور ناپسندی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں اور اگر ان کا بس چلے تو پڑھنے والے پر حملہ کر کے اس کی تکا بوٹی کر دیں۔

اَلْمُنْكَرُ: اَلْغَضَبُ وَالْعُبُوْسُ۔ ناراضگی اور ناگواری۔ يَسْطُوْنَ: اَيْ يَبْطِشُوْنَ شِدَّةَ الْبَطْشِ۔(1)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج12، ص95

يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؕ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ

عنقریب جھپٹ پڑینگے ان لوگوں پر جو پڑھتے ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں۔ آپ فرمائیے (اے چیں بہ جبیں ہونے والو!) کیا میں آگاہ

مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَبِئْسَ

کردوں تمہیں اس سے بھی تکلیف دہ چیز پر ۸۷۔ دوزخ کی آگ! وعدہ کیا ہے اس آگ کا اللہ تعالیٰ نے کفار سے۔ اور دوزخ بہت

الْمَصِيْرُ ۝۷۲ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ

بُرا ٹھکانا ہے۔ اے لوگو! ۸۸ ایک مثال بیان کی جارہی ہے پس غور سے سنو اسے! بیشک جن

الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا

معبودوں کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر یہ تو مکھی بھی پیدا نہیں کرسکتے اگرچہ وہ سب جمع ہو جائیں

۸۷۔ یعنی قرآنِ کریم کی آیات سن کر تمہارا دل ڈوبنے لگتا ہے۔ تمہاری طبیعت میں قلق اور اضطراب کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ تمہاری پیشانی پر بل پڑنے لگتے ہیں۔ کچھ دیر بعد تمہیں ایک ایسی چیز سے پالا پڑنے والا ہے جو تمہارے لیے ان سے بھی کہیں زیادہ خطرناک اور ہوشربا ہوگی۔ وہ دوزخ کی آگ ہے۔ جس کی آنچ کو ہر لحظہ تیز کیا جارہا ہے۔ جس کے شعلے تمہیں بھسم کرنے کے لیے ماہیِ بے آب کی طرح بیتاب ہیں۔ اگر تم نے عقل وفہم کی خداداد قوتوں سے کام لے کر حق کو قبول نہ کیا تو یاد رکھو تمہارا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔

۸۸۔ پہلی آیت میں یہ بتایا گیا کہ مشرکین جن معبودوں کی عبادت کرتے ہیں اس کے لیے ان کے پاس نہ کوئی نقلی دلیل ہے نہ عقلی۔ یہ محض ان کی جہالت اور حماقت کا نتیجہ ہے۔ اب ان کے اس فعل کی قباحت کو ایک مثال دے کر واضح کیا جارہا ہے تاکہ ان پر ان کی اپنی حماقت اور جہالت آشکارا ہوجائے اور وہ اس سے باز آجائیں۔ انہیں بتایا جارہا ہے کہ جن بے جان بتوں کو تم نے اپنا کارساز اور حاجت روا سمجھ رکھا ہے ان کی حقیقت پر بھی کبھی تم نے غور کیا۔ کائنات کی خوبصورت، مفید اور بڑی بڑی چیزوں کو تم رہنے دو۔ انہیں کہو کہ وہ سب مل کر ایک مکھی ہی بنادیں جو بالکل حقیر اور کمزور سی چیز ہے۔ پھر فرمایا مکھی بنانا تو کجا ان بچاروں میں تو اتنی طاقت بھی نہیں کہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے تو وہ اس سے واپس لے سکیں۔ جن معبودوں کی بے بسی کا یہ عالم ہے انسان جو اشرف المخلوقات ہے اور جسے ایجاد واختراع کی حیران کن صلاحیتیں بخشی گئی ہیں وہ اگر انہیں اپنا معبود بنالے تو دنیا میں اس سے بڑی حماقت اور ظلم نہیں ہوسکتا۔ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ سے مراد وہ بت ہیں جن کی وہ پرستش کیا کرتے تھے اَلْمُرَادُ الْاَوْثَانُ الَّذِيْنَ عَبَدُوْهُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

علامہ پانی پتی لکھتے ہیں اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَهَا اَيُّهَا الْكُفَّارُ اٰلِهَةً كَائِنَةً مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَهِيَ الْاَصْنَامُ۔ (1)

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج6، ص348

لَهٗ ؕ وَ اِنۡ يَّسۡلُبۡهُمُ الذُّبَابُ شَيۡـًٔا لَّا يَسۡتَـنۡقِذُوۡهُ مِنۡهُ ؕ ضَعُفَ

اس (معمولی سے) کام کے لیے اور اگر چھین لے ان سے مکھی بھی کوئی چیز تو وہ نہیں چھڑا سکتے اسے اس مکھی سے (آہ!) کتنا بے بس ہے

الطَّالِبُ وَالۡمَطۡلُوۡبُ ﴿۷۳﴾ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدۡرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

ایسا طالب اور کتنا بے بس ہے ایسا مطلوب ۸۹؎ نہ قدر پہچانی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی جیسے اس کی قدر پہچاننے کا حق تھا ۹۰؎ بیشک

لَقَوِىٌّ عَزِيۡزٌ ﴿۷۴﴾ اَللّٰهُ يَصۡطَفِىۡ مِنَ الۡمَلٰۤـئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ

اللہ تعالیٰ بڑا طاقتور (اور) سب پر غالب ہے۔ اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے فرشتوں سے بعض پیغام پہنچانے والے اور انسانوں سے بھی

النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌۢ بَصِيۡرٌ ﴿۷۵﴾ يَعۡلَمُ مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَ

بعض کو رسول ۹۱؎ بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور

مَا خَلۡفَهُمۡ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۷۶﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا

جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹائے جائیں گے سارے معاملات۔ اے ایمان والو!

ارۡكَعُوۡا وَاسۡجُدُوۡا وَاعۡبُدُوۡا رَبَّكُمۡ وَافۡعَلُوا الۡخَيۡرَ لَعَلَّكُمۡ

رکوع کرو اور سجدہ کرو اور عبادت کرو ۹۲؎ اپنے پروردگار کی اور (ہمیشہ) مفید کام کیا کرو تاکہ تم (دین و دنیا میں)

۸۹؎ طالب سے مراد بتوں کے پجاری اور مطلوب سے مراد بت۔ اَلطَّالِبُ عَابِدُ الصَّنَمِ وَالْمَطْلُوْبُ الصَّنَمُ (مظہری۔ قرطبی وغیرہما)(1)

۹۰؎ ان نالائقوں نے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی شانِ کبریائی کا صحیح اندازہ نہیں لگایا ورنہ وہ ایسی کھلی حماقت کا ارتکاب نہ کرتے۔

۹۱؎ بیانِ توحید کے بعد اب رسالت کا اثبات کیا جارہا ہے۔ ولید وغیرہ کہا کرتے تھے کہ اگر انسانوں میں سے کسی کو رسول بنانا تھا تو ہم جو رؤساء قریش ہیں ہمیں بنایا ہوتا۔ ارشاد ہے کہ یہ انتخاب اللہ تعالیٰ خود کرتا ہے۔ تمہاری پسند اور ناپسند کو دخل نہیں۔ تم نہیں جان سکتے کہ کون اس بارِ امانت کو اٹھانے کی اہلیت رکھتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر جو سمیع بھی ہے اور بصیر بھی تمہارا معترض ہونا تمہاری کج فہمی کی انتہا ہے۔(2)

۹۲؎ پہلے کفار کی حماقتوں کا ذکر ہوا۔ اب اس اللہ تعالیٰ کی بندگی کا حکم دیا جارہا ہے جو خداوندِ برحق ہے، جو قادرِ مطلق ہے، جس کی

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 349۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 97 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 98

تُفْلِحُونَ ۞ وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۚ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ

کامیاب ہو جاؤ۔ اور سر توڑ کوشش کرو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جس طرح کوشش کرنے کا حق ہے ۹۳ اس نے چن لیا ہے تمہیں ۹۴

عظمت و کبریائی کی شہادت آسمان کی بلندیاں، زمین کی پستیاں، پہاڑوں کا سکون اور دریاؤں کی روانیاں، عندلیبوں کے نالے اور پھولوں کی مسکراہٹیں، کانٹوں کی چبھن اور کلیوں کی پھبن، غرضیکہ ہر چیز اپنی اپنی ہمت، صلاحیت کے مطابق دے رہی ہے۔ اس کی ایسی بندگی کا حکم دیا جا رہا ہے جو صرف زبان تک محدود نہ ہو، جو رکوع و سجود میں مقیّد نہ ہو، جو مساجد و عبادت گاہوں کے دروازوں پر آ کر ختم نہ ہو جائے بلکہ ایسی بندگی جس کا زندگی کے ساتھ ہمہ وقتی تعلق ہے۔ زندگی کا قافلہ جس راہ پر گامزن رہے، غم و اندوہ کے جتنے عمیق کھڈوں سے گزرے، خوشی و مسرت کے جتنے چمن راہ میں آئیں ہر ہر جگہ، ہر ہر قدم پر بندگی کا نشان زندگی کی جبین پر تابندہ رہے۔

رکوع و سجود سے ادائے نماز کا حکم ملا۔ وَاعْبُدُوا سے اس کے تمام احکام بجالانے کی تاکید ہوئی۔ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ سے ایسے کام کرنے کا فرمان صادر ہوا جو اس کے لیے، اس کی قوم و ملت کے لیے، سارے نوع انسانی کے لیے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق کے لیے اپنے دامن میں خیر و نفع کی نعمت سمیٹے ہوں۔ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ: اَلظَّاهِرُ اَنَّهٗ يَعُمُّ الْاَفْعَالَ كُلَّهَا يَعْنِي اخْتَارُوْا مَا هُوَ خَيْرٌ وَّ اَصْلَحُ فِيْ مَا تَاْتُوْنَ بِهٖ وَتَذَرُوْنَهٗ۔ (مظہری) (1)

۹۳ اس آیت سے اس سورت کا اختتام ہو رہا ہے۔ اس کی جامعیت اور معنویت کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہر مومن کو یہ از بر ہو اور وہ اسے اپنے لیے مشعل راہ بنائے۔ بڑے غور و تامل سے اس کا ایک ایک فقرہ پڑھیے اور کلمات کی اوٹ میں جو معانی اور معارف مستور ہیں ان سے پردہ سرکانے کی کوشش کیجیے۔ دیکھئے پھر کیا نظر آتا ہے۔ آغاز اس حکم سے فرمایا وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ۔ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اس طرح جہاد کرو جس طرح جہاد کرنے کا حق ہے۔ لفظ جہاد کی تشریح کرتے ہوئے علامہ راغب لکھتے ہیں۔ اَلْجِهَادُ وَالْمُجَاهَدَةُ اسْتِفْرَاغُ الْوُسْعِ فِيْ مُدَافَعَةِ الْعَدُوِّ۔ دشمن کا مقابلہ کرنے میں اپنی ہر امکانی قوت صرف کر دینے کو جہاد اور مجاہدہ کہتے ہیں۔ پھر لکھتے ہیں جہاد کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ مُجَاهَدَةُ الْعَدُوِّ الظَّاهِرِ۔ ظاہری دشمن سے جہاد۔ ۲۔ وَمُجَاهَدَةُ الشَّيْطَانِ۔ اور شیطان سے جہاد۔

۳۔ وَمُجَاهَدَةُ النَّفْسِ۔ اور اپنے نفس کے خلاف جہاد اور اس آیت میں تینوں قسم کے جہاد داخل ہیں۔ (2)

ارشادِ نبوی ہے۔ جَاهِدُوا اَهْوَائَكُمْ كَمَا تُجَاهِدُوْنَ اَعْدَاءَكُمْ (3)۔ اپنے ظاہری دشمنوں سے تم جس طرح جہاد کرتے ہو اسی طرح اپنی نفسانی خواہشات کے خلاف بھی جہاد کرو۔ آخر میں لکھتے ہیں کہ جہاد ہاتھ سے بھی ہوتا ہے اور زبان سے بھی۔ جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔: جَاهِدُوا الْكُفَّارَ بِاَيْدِيْكُمْ وَاَلْسِنَتِكُمْ۔ کفار کا مقابلہ زورِ بازو کے ساتھ بھی کرو اور زبان سے بھی۔ (مفردات) (4)

گویا دشمن کے مقابلہ میں سر دھڑ کی بازی لگا دینا لفظ جہاد کے مفہوم میں داخل ہے۔ امکانی وسائل مہیا کرنے میں، جنگی

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج6، ص350
2۔ مفرداتِ راغب، ص208
3۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج6، ص64
4۔ مفرداتِ راغب، ص208

تدابیر میں، صبر واستقامت کا مظاہرہ کرنے میں، اگر کسی قسم کی غفلت برتی جائے گی تو گویا ایسی ادھوری کوشش کو قرآنی اصطلاح میں جہاد کا نام دینا زیادتی ہوگی۔ جَاهِدُوْا کا یہ معنی ذہن نشین کرنے کے بعد آگے بڑھیے۔ ارشاد ہے: فِي اللّٰهِ یعنی تمہاری یہ ساری تگ ودو، یہ عدیم النظیر جانثاری اور فدائیت، یہ بے مثال صبر واستقامت کسی ذاتی یا دنیوی مقصد کی تکمیل کے لیے نہ ہو بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے نام کو بلند کرنے کے لیے ہونی چاہیے۔ یہی وہ خصوصیت ہے جس کے باعث امتِ مسلمہ کی جنگ دوسری قوموں کی جنگوں سے غایت ومقصد کے اعتبار سے بالکل ممتاز ہوجاتی ہے۔ خود مسلمان بھی اگر اس مقصد کے علاوہ کسی اور مقصد کے لیے آمادۂ پیکار ہوں گے تو اسے قرآنی اصطلاح میں جہاد نہیں کہا جائے گا۔

پھر فرمایا حَقَّ جِهَادِهٖ کہ جہاد کرو تو پھر اس کا حق ادا کرو۔ اللہ تعالیٰ کا نام بلند کرنے کے لیے خون کے دریا بہتے ہیں تو انہیں خوب بہنے دو۔ اگر کشتوں کے پشتے لگ رہے ہیں تو ذرا پروانہ کرو۔ رنگ رنگیلی جوانیاں قربان ہو رہی ہیں تو انہیں بلا تامل قربان ہونے دو۔ جب تک تمہاری جان میں جان ہے اسلام کا پرچم سرنگوں نہ ہونے پائے۔ حضرت جعفر کی طرح ایک ہاتھ کٹ گیا ہے تو جھٹ دوسرے ہاتھ میں جھنڈا تھام لو اور اگر دوسرا بازو بھی کٹ گیا ہے تو اپنے دانتوں سے پکڑ لو۔ تمہارا جسم اگر تیر وسناں کے چرکوں سے چھلنی ہوگیا ہے تو کیا ہوا۔ اسلام کی عظمت وناموس کو اگر تم نے اپنی جان دے کر بچا لیا تو تم سے زیادہ سرخرو اور کون ہوگا۔

جس قوتِ ارادی، عزم اور قربانی کی ضرورت ایمان کے ظاہری دشمنوں کے مقابلہ کے لیے ہے۔ اسی طرح شیطان اور نفس کا مقابلہ کرنے کے لیے بھی ان صفات کا مظاہرہ ضروری ہے بلکہ یہاں پہلے سے بھی چوکس اور ہوشیار ہونے کی ضرورت ہے۔ وہ دشمن تھا اور دشمن کا لباس پہن کر آیا تھا۔ یہ ایسے دشمن ہیں جو اپنے آپ کو مخلص ترین دوست ظاہر کرتے ہیں۔ ان کی چالیں بڑی باریک ہوتی ہیں۔ ان کا دامِ فریب تب نظر آتا ہے جب انسان اس میں پھنس کر پھڑ پھڑانے لگتا ہے۔

۹۴ ؎ تمہیں کیوں اس دینِ حق کے لیے سربکف اور کفن بدوش ہو کر باطل سے ٹکرانے کا حکم دیا جا رہا ہے؟ بڑے محبت بھرے اور کریمانہ انداز میں اس کی وجہ بیان فرما دی کہ اقوامِ عالم کی بھری انجمن سے اے غلامانِ مصطفیٰ! قدرت کی نگاہ نے تمہیں چنا ہے۔ حق کی پاسبانی کا فخر تمہیں بخشا ہے۔ مکارمِ اخلاق کی تکمیل کی خدمت تمہیں سونپی ہے۔ اس صحیفۂ رشد وہدایت کا امین تمہیں بنایا گیا ہے۔ غور کرو! تم پر کتنا کرم فرمایا ہے اس کریم نے۔ تمہیں کتنا بڑا اعزاز بخشا ہے اس عزیز وقدیر نے۔ اب اگر تم نے اس دین کی نشر واشاعت کا فریضہ ادا کرنے میں کوتاہی کی اور ان رکاوٹوں کو نہ ہٹایا جو اس کا راستہ روکے کھڑی ہیں۔ اگر تم نے ان حجابات کو تار تار نہ کیا جو اس کی روشنی کو پھیلنے نہیں دیتے تو پھر تم سے بڑھ کر احسان فراموش کوئی نہیں ہوگا۔ خود ہی فیصلہ کرو اگر تم نے اس نورِ ہدایت کو عام نہ کیا تو انسانیت کی یہ شبِ دیجور کیسے سحر آشنا ہوگی؟ اگر تم نے آگے بڑھ کر ظالم کے ہاتھ سے ظلم کی تلوار نہ چھین لی تو ستم رسیدہ انسانوں کی پھر کون دادرسی کرے گا؟ اگر تم نے اس دستور العمل کے فیوض وبرکات سے لوگوں کو آگاہ نہ کیا تو انہیں رشد وہدایت کی دولت کہاں سے ملے گی؟ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ: اس نے تمہیں اقوامِ عالم سے اس عظیم مقصد کی تکمیل کے لیے چنا ہے۔ تمہیں اس کا ضرور پاس ہونا چاہیے۔ تمہیں اپنی لاج ضرور رکھنی چاہیے۔

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ط مِلَّةَ اَبِيْكُمْ

(حق کی پاسبانی اور اشاعت کے لیے) اور نہیں روا رکھی اس نے تم پر دین کے معاملہ میں کوئی تنگی ۹۵ پیروی کرو اپنے باپ ابراہیم

اِبْرٰهِيْمَ ط هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا

کے دین کی ۹۶ اسی نے تمہارا نام مسلم (سر اطاعت خم کرنے والا) رکھا ہے اس سے پہلے اور اس قرآن میں بھی تمہارا

لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى

یہی نام ہے تاکہ ہوجائے رسول (کریم) گواہ ۹۷ تم پر اور تم گواہ ہو جاؤ

۹۵ یہ ایسا دین نہیں جس پر عمل کر کے تم مصیبت کا شکار ہو جاؤ۔ جس کو قبول کرنے کے بعد تمہاری مادی، علمی اور روحانی ترقی کی راہیں مسدود ہو جائیں۔ تم کسی میدان میں، دنیا کی کسی قوم سے مات کھا جاؤ۔ یہ دین ہر قسم کی ایسی رکاوٹوں سے پاک ہے۔ اسے سمجھنا آسان ہے۔ اس پر عمل کرنا آسان ہے اور جو ملت اس پر عمل کرتی ہے وہ سارے جہان کے لیے فیوض و برکات کا منبع بن جاتی ہے۔ اس لیے اس تشویش کو اپنے دل سے نکال دو کہ اس دین کو اپنا کر تم مشکلات میں گھر جاؤ گے۔ ترقی کی دوڑ میں دوسری قومیں تم سے بازی لے جائیں گی۔

۹۶ یہ دین کوئی نیا دین نہیں۔ یہ تمہارے اسی باپ ابراہیم کا دین ہے جس کی عظمت کے گیت تم گاتے ہو۔ جس کی زندگی کو ایک مثالی زندگی یقین کرتے ہو۔ جس کی ذات والاصفات کی طرف اپنے آپ کو منسوب کر کے تم صد عز و افتخار محسوس کرتے ہو۔ اسی نے تمہیں مسلم کا معزز و محترم لقب عطا فرمایا ہے۔

۹۷ ملتِ ابراہیمی کے برحق، سراپا یمن و برکت اور سب اقوام عالم کے لیے آیۂ رحمت ہونے پر اگر تمہیں کسی دلیل کی ضرورت ہو، اگر کسی کو کوئی گواہ درکار ہو تو یہ دیکھو میرا رسولِ مکرم، میرا حبیبِ معظم کھڑا ہے۔ اس کی کتابِ زیست کا ہر ورق اس دین و ملت کی حقانیت و صداقت کی گواہی دے رہا ہے۔ اس کی راتوں کا سوز و گداز اس کے دنوں کی مصروفیتیں، اس کا ہر بول، اس کا ہر فعل، اپنے دوستوں کے ساتھ اس کا برتاؤ، اپنے دشمنوں کے ساتھ اس کا سلوک، اس کی جنگیں اور اس کی صلحیں، اس کی مکی زندگی، غرضیکہ تم اسے جس پہلو سے دیکھنا چاہو دیکھو۔ جس کسوٹی پر پرکھنا چاہو خوب پرکھو۔ اگر تمہاری چشمِ دل نورِ حق کو پہچاننے کی صلاحیت رکھتی ہے تو تم بے اختیار کہہ اٹھو گے کہ اس سے سچا گواہ آج تک چشمِ فلک پیر نے نہیں دیکھا۔ تمہارا دل مان جائے گا کہ جس کی گواہی یہ دے رہا ہے اُس کے برحق ہونے میں ذرا تامُّل نہیں کیا جا سکتا۔

النَّاسِ ۚ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ هُوَ

لوگوں پر ۹۸ پس (اے دینِ حق کے علمبردارو!) صحیح صحیح ادا کیا کرو نماز اور دیا کرو زکوٰۃ ۹۹ اور مضبوط پکڑ لو اللہ تعالیٰ (کے دامنِ رحمت) کو

۹۸ اور ایسے سچے گواہ کی گواہی قبول کر کے ایمان لانے والو! مسلم کے محترم ومعزز لقب سے سرفراز ہونے والو! بزمِ عالم میں تمہارا مقام بھی یہ ہے کہ تم اپنی گفتار، اپنے کردار، اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی اس طرح بسر کرو کہ تم اس دین کے برحق ہونے کی ایسی گواہی دے سکو جسے تسلیم کرنے کے بغیر کسی کو چارۂ کار نہ ہو۔ لوگ تمہیں دیکھ کر، تم سے مل کر اور تم سے معاملہ کر کے یہ یقین کر لیں کہ جس دین کے تم پیروکار ہو وہی سچا دین ہے۔ جس نظامِ حیات کے تم نقیب ہو سارے جہان کی فلاح وسلامتی کا صرف یہی ضامن ہو سکتا ہے۔

اس بات پر تاریخ شاہد ہے کہ جب تک مسلمان اس شہادت کی ذمہ داریوں کو انجام دیتا رہا لوگ پروانوں کی طرح شمعِ اسلام پر نثار ہوتے رہے۔ ایک مردِ حق آگاہ بھی اگر کسی ظلمت کدہ میں پہنچ گیا تو اس کے رخِ انور کی تابانیوں سے وہاں ہر طرف اجالا ہو گیا۔ ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں لوگ اپنے آبائی عقائد ونظریات کے زنار توڑ توڑ کر مشرف باسلام ہوتے رہے۔ اشاعتِ اسلام کی تاریخ کا مطالعہ کرو تمہیں پتہ چلے گا کہ امتِ محمدیہ عَلٰی صَاحِبِهَا اَفْضَلُ الصَّلَوَاتِ وَ اَطْهَرُ التَّحِيَّاتِ کے ان افراد نے ہر جگہ ہدایت کے یہ چراغ روشن کیے جن کا ظاہر وباطن نورِ توحید سے جگمگا رہا تھا۔ جو کام سلطان محمود غزنوی کے حملوں اور شہاب الدین کی فتوحات سے نہ ہو سکا وہ کام ان خرقہ پوش صوفیوں نے کیا۔ اس خوبی اور اس شان سے کیا کہ صدیاں گزر جانے کے باوجود ان کی روحانی تسخیرات کی ضیا پاشیوں میں کمی نہیں ہوئی۔ لاہور، اجمیر، دہلی، اورنگ آباد، گجرات، سلہٹ، چٹا گانگ، گنگوہ، ملتان، پاک پٹن میں کس نے برسرِ اقتدار باطل کو شکست فاش دی اور اسلام کا پرچم لہرایا اور اس طرح لہرایا کہ آج بھی لہرا رہا ہے اور قیامت تک لہراتا رہے گا؟ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

یہ ہستیاں اپنے ساتھ دولت کے خزانے نہیں لائی تھیں۔ لشکرِ جرار ان کے ہم رکاب نہ تھے۔ فنِ مناظرہ میں بھی مہارت کا انہیں دعویٰ نہ تھا۔ ان کے پاس اپنی زندگی کی کھلی کتاب تھی جس کی ہر سطر سے نورِ عرفان کے چشمے ابل رہے تھے۔ ان کے پاس اپنی دلربا سیرت اور بے داغ کردار تھا جو پکار پکار کر اسلام کی حقانیت کی گواہی دے رہا تھا۔ ان کی صداقت کی دلیل ان کے نورانی چہرے تھے جو مہرِ درخشاں کو شرمسار کر رہے تھے۔ کسی مخالف میں یہ ہمت نہ تھی کہ وہ ان کی گواہی کو مشکوک ثابت کر سکے۔ اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ جو دل حق قبول کرنے کی استعداد رکھتے تھے وہ دوڑ کر آئے اور دامنِ اسلام سے وابستہ ہو گئے۔

آج بھی دینِ اسلام کو اپنی برتری اور افادیت ثابت کرنے کے لیے ایسے ہی گواہوں کی ضرورت ہے جو اپنے عمل سے، اپنے اخلاق سے، اپنی روحانی بلندی اور وسعتِ علم سے اس کے برحق ہونے کی ایسی شہادت دینے کی اہلیت رکھتے ہوں کہ کوئی انہیں جھٹلا نہ سکے۔ ورنہ جو تبلیغ آج ہم کر رہے ہیں وہ بیگانوں کو تو کیا اپنوں کو بھی اسلام سے متنفر کر رہی ہے۔ چاک گریبانوں کو رفو کرنا تو کجا ہمارے مبلغین ان چاکوں کو اور زیادہ وسیع کر رہے ہیں۔ محبت وپیار کا درس دے کر ملت کے پراگندہ شیرازہ کو یکجا کرنا

مَوْلٰكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۷۸﴾

وہی تمہارا کارساز ہے۔ پس وہ بہترین کارساز ہے اور بہترین مدد فرمانے والا ہے۔

تو بڑی بات ہے جہاں ان کے سبز قدم پہنچے وہاں فتنہ وفساد کے شعلے بھڑک اٹھتے ہیں۔ آج ہاتھوں میں سوئی نہیں قینچی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حالِ زار پر رحم فرمائے۔

یہ تو ہوئی اس دنیا میں شہادت اور ایک شہادت حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت قیامت کے دن دے گی۔ اسی شہادت سے انبیائے سابقین اس الزام سے بری کیے جائیں گے جو ان کی امتیں ان پر لگائیں گی۔ کہ الٰہی! ان تیرے نبیوں نے ہمیں تیرا کوئی پیغام نہیں پہنچایا اور نہ انہوں نے ہمیں دعوتِ توحید دی۔ ورنہ ہم کبھی کفر وشرک میں مبتلا نہ رہتے۔ اس وقت غلامانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آگے بڑھیں گے اور گواہی دیں گے۔ یا اللہ! تیرے رسولوں اور نبیوں نے اپنا فرض پوری طرح ادا کیا۔ قصور انہی لوگوں کا ہے جو آج بڑے سلیم الطبع بنے بیٹھے ہیں۔ اس کی مزید وضاحت کے لیے ضیاء القرآن جلد اوّل سورۂ بقرۃ آیت نمبر ۱۴۳، اور سورۃ النساء آیت نمبر ۴۱ کے حاشیے ملاحظہ فرمائیے۔

۹۹ آخر میں پھر نماز وزکوٰۃ کی پابندی کا حکم دیا تاکہ اس میں سستی واقع نہ ہو۔ کیونکہ اسلامی برکات کا سرچشمہ یہی عبادات ہیں۔ اسی سے انسان میں نیکی کی خفتہ صلاحیتیں بیدار ہوتی ہیں اور مذموم صفات سے نفس کا تزکیہ ہوتا ہے۔

۱۰۰ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے دامنِ رحمت کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔ دشمن کتنا قوی ہو، مشکلات کتنی ہوشربا ہوں، ماحول کتنا ناساز ہو، پرواہ نہ کرو۔ عزم، حوصلہ اور اخلاص سے قدم آگے بڑھاتے چلے جاؤ کیونکہ

هُوَ مَوْلٰكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ

تعارف سُورۃ المؤمنون

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس سورت کا نام المومنون ہے جو پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔

نزول: یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی (1)۔ اس میں چھ رکوع، ایک سو اٹھارہ آیتیں اور ایک ہزار آٹھ سو چالیس کلمات اور چار ہزار آٹھ سو دو حروف ہیں۔

مضامین: (۱) اس سورت کا افتتاح امتِ مسلمہ کے ان افراد کی صفاتِ حمیدہ سے کیا گیا جو نورِ اسلام سے اپنے دلوں کو منور کرتے ہیں اور اپنے اعمال اور جذبات کو قرآن کے پیش کیے ہوئے قالب میں ڈھال دیتے ہیں۔ فرمایا: اسی قسم کے لوگوں کے سر پر فلاح دارین کا تاج رکھا جائے گا۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے فردوسِ بریں کی ابدی نعمتیں چشم براہ ہیں۔

(۲) حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعوت پر کفار کو سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ آپ توحید اور قیامت پر ایمان لانے کا حکم دیتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں ان کے خیال کے مطابق عقل، تجربہ اور مشاہدہ کے سراسر خلاف تھیں۔ اس لیے وہ کسی قیمت پر انہیں ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔

چنانچہ اس سورت میں اسلام کے ان دو بنیادی عقیدوں کے متعلق ان کی غلط فہمیوں کو دور کیا گیا ہے۔ ان کے سامنے انفسی اور آفاقی ہر قسم کے دلائل پیش کیے گئے ہیں۔ انہیں کہا گیا ہے کہ ذرا اپنی پیدائش پر غور کرو۔ کہاں پانی کی ایک بوند میں ایک گمنام جرثومہ اور کہاں یہ حضرت انسان؟ یہ کس کی قدرت کا کرشمہ ہے، یہ اعجاز آفرینی کس کی حکمت کی جلوہ گری ہے؟ ذرا آنکھیں کھول کر آسمان کی بلندیوں کی طرف دیکھو۔ وہاں کس کی قدرت کے جلوے نظر آ رہے ہیں؟ پانی جو ہر قسم کی زندگی کا سرچشمہ ہے اس کی بہم رسانی کا انتظام کس عمدگی سے کر دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ پہاڑوں کی وہ بلند چوٹیاں جہاں تم کسی طرح پانی نہیں لے جاسکتے تھے وہاں اس نے میٹھے اور ٹھنڈے پانی کے چشمے جاری کر دیئے ہیں۔ غرضیکہ اس کی بنائی ہوئی جس چیز میں تم تدبر کرو گے تمہیں اس کے خالق کی قدرت، حکمت اور علمِ محیط کا اندازہ ہو جائے گا۔

جب ان صفاتِ کمال سے وہی متصف ہے تو پھر کتنی نادانی ہے کہ اس کا شریک ایسی چیزوں کو بنایا جائے جو ان صفات سے قطعاً عاری ہیں اور نہ وہ کسی کو ضرر پہنچا سکتی ہیں اور نہ نفع۔

نیز غور کرو ایسی قدرت والے ہمہ دان، ہمہ بین کے لیے کیا مشکل ہے کہ وہ تمہیں مرنے کے بعد پھر زندہ کر دے۔

(۳) اس کے بعد چند انبیاء کرام کے احوال بیان فرمائے اور ان کی قوموں نے ان کے ساتھ جو ناروا سلوک کیا اور ان کا جو انجام

1۔ تفسیر روح المعانی، ج 9، جز 18، ص 2، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت

ہوا ان کو بیان فرمایا۔ تاکہ حضورِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل کو اطمینان ہو اور وہ کفار تباہ ہونے والی قوموں سے عبرت حاصل کریں۔

(۴) مشرکین آکر یہ کہتے کہ اگر آپ ہماری فلاں فلاں بات مان لیں اور ہماری رائے کے مطابق فلاں فلاں آیت میں ردّ و بدل کر دیں یا یہ مفلوک الحال اور گھٹیا قسم کے لوگ جو ہر وقت آپ کے ارد گرد حلقہ باندھے بیٹھے رہتے ہیں، ان کو اپنی مجلس سے نکال دیں یا کم از کم جس وقت ہم حاضر ہونا چاہیں ان کو یہاں سے چلے جانے کا حکم دے دیں، تو ہم آپ کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں۔ شاید انہوں نے یہ خیال کیا ہو کہ اسلام کو ہماری اور ہمارے تعاون کی اشد ضرورت ہے۔ اس کے لیے ہم جیسی بھی نامعقول شرط پیش کریں گے وہ مان لی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس خوش فہمی کا یہ کہہ کر ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا کہ حق، باطل کے مشورے قبول نہیں کر سکتا۔ اگر ایسا ہو جائے اور تمہاری رائے کے مطابق اس میں تبدیلیاں گوارا کر لی جائیں تو دنیا کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا اور قیامت برپا ہو جائے گی۔ اس لیے اس خیال کو ہمیشہ کے لیے اپنے دل سے نکال دو۔ آخر میں شرک کی قباحت پر آگاہ کرنے کے لیے ان سے چند ایسے دندان شکن سوالات پوچھے جن کا جواب انہیں بھی لِلّٰہِ کے بغیر کوئی نہ بن آیا۔ انہیں بھی طوعاً او کرہاً یہ اعتراف کرنا پڑا کہ ہر چیز کا خالق، مالک اور حکمران اللہ تعالیٰ ہے۔

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْنَ مَكِّيَّةٌ وَّ هِيَ مِائَةٌ وَّ ثَمَانَ عَشَرَةَ اٰيَةً وَّ سِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ المومنون مکی ہے اس کی ۱۱۸ آیتیں اور ۶ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝۲

بیشک دونوں جہان میں بامراد ہو گئے ایمان والے [1] وہ ایمان والے جو اپنی نماز میں عجز و نیاز کرتے ہیں [2]

[1] قرآن مجید کے آغوشِ تربیت میں پرورش پانے والا انسان جن خوبیوں اور اوصاف کا حامل ہوتا ہے ان کے بیان سے اس سورت کا افتتاح ہو رہا ہے۔ آپ خود انصاف فرمائیے کہ جو شخص بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہو تو ادب و نیاز کا پیکر بن جائے اس کا ہر لمحہ سنجیدہ اور مفید مصروفیات میں ایسا گھرا ہوا ہو کہ اسے بیکار اور بیہودہ مشاغل میں شرکت کی فرصت ہی نہ ملے، جو اپنے مال و اخلاق کے تزکیہ میں ہر وقت مشغول ہو، جو اپنی نفسانی اور شہوانی خواہشات کی تکمیل میں بے راہ روی کا شکار نہ ہو، جس امانت کی حفاظت اور جو دینی و ملی ذمہ داری اسے سونپی جائے اس میں وہ خیانت کا مرتکب نہ ہو اور جو عہد و پیمان وہ خود کرے اس کو وہ ہر قیمت پر نبھائے۔ جو شخص ایسی خوبیوں کا مالک ہو اس کے سر پر اگر فلاحِ دارین کا تاج نہیں رکھا جائے گا تو کس کے سر پر رکھا جائے گا؟ فردوس بریں کی بہاریں اگر اس کے لیے چشم براہ نہ ہوں گی تو اور کس کے لیے ہوں گی؟ اسلام اپنے ماننے والوں کو سیرت کے اسی سانچے میں ڈھالنا چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا محبوب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بگڑے ہوئے اور عملی، اخلاقی اور نظریاتی پستیوں میں گرے ہوئے افراد کو ان بلندیوں تک پہنچانے کے لیے تشریف لایا تاکہ ایسے سلجھے ہوئے افراد سے ایک ایسی ملت معرضِ وجود میں آجائے جو تمام عالمِ انسانی کو فوز و فلاح کا راستہ دکھا سکے۔

سورۂ بقرہ کی ابتدا میں لفظ فلاح کی تحقیق کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ فلاح کسی جزوی اور ادھوری کامیابی کا نام نہیں بلکہ یہ لفظ دنیا و آخرت میں مکمل کامیابی پر دلالت کرتا ہے۔ ''لَيْسَ فِيْ كَلَامِ الْعَرَبِ كُلِّهٖ اَجْمَعُ مِنْ لَّفْظَةِ الْفَلَاحِ لِخَيْرَيِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (تاج العروس) (1) یعنی ساری لغتِ عرب میں لفظ فلاح سے جامع کوئی ایسا لفظ نہیں جو دنیا اور آخرت کی بھلائیوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہو۔

آیت میں قَدْ اَفْلَحَ کا ترجمہ اسی لغوی تحقیق کے مطابق کیا گیا ہے۔

[2] علمائے حق نے خشوع کا یہ مفہوم بیان کیا ہے: اَلْخُشُوْعُ فِي الصَّلٰوةِ هُوَ جَمْعُ الْهِمَّةِ لَهَا وَالْاِعْرَاضُ عَمَّا سِوَاهُ وَالتَّدَبُّرُ فِيْمَا يَجْرِيْ عَلٰى لِسَانِهٖ مِنَ الْقِرَاءَةِ وَالذِّكْرِ (مظہری) (2)۔ یعنی نماز میں خشوع کا یہ مطلب ہے کہ انسان اپنی ساری توجہ نماز میں

1۔ تاج العروس، ج 2، ص 199 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 362

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝٣ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ

اور وہ جو ہر بیہودہ امر سے منہ پھیرے ہوتے ہیں ۳؎ اور وہ جو زکوٰۃ ادا

فٰعِلُوْنَ ۝٤ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝٥ اِلَّا عَلٰٓى

کرتے ہیں ۴؎ اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں ۵؎ بجز اپنی

مرکوز کردے، اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے منہ پھیر لے، اور وہ اپنی زبان سے جو تلاوت اور ذکر کرتا ہے ان کے معانی میں غور و تدبر کرے۔ اس کے علاوہ اس کے ظاہری آداب بھی ہیں کہ نگاہ سجدہ گاہ پر مرکوز رہے، دائیں بائیں مڑکر نہ دیکھے، آگے پیچھے جسم کو حرکت نہ دے، اپنی انگلیاں نہ چٹخائے، اپنے کپڑوں کو نہ سمیٹتا رہے۔ سجدہ میں جائے تو اپنے سجدہ کی جگہ کو ہاتھوں سے صاف نہ کرتا رہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو نماز میں ڈاڑھی سے کھیلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: لَوْ خَشَعَ قَلْبُ هٰذَا لَخَشَعَتْ جَوَارِحُهٗ (1)۔ یعنی اگر اس شخص کے دل میں عجز و نیاز ہوتا تو اس کے ظاہری اعضاء بھی اظہارِ عجز کرتے۔

۳؎ لغو سے مراد ہر وہ قول اور فعل ہے جو فضول اور بے فائدہ ہو۔ اَللَّغْوُ: مَا لَا يُعْتَدُّ بِهٖ مِنْ كَلَامٍ وَّغَيْرِهٖ (المنجد) (2) مومن کا تو ہر لمحہ بڑا قیمتی ہے۔ اس کے کندھوں پر تو ذمہ داریوں کا بارِ گراں ہے۔ اس کو فرصت ہی کہاں کہ وہ بیکار اور فضول کاموں میں شرکت کر سکے؟ علماء نے تصریح کی ہے کہ ایسی سیر و تفریح جو جسمانی صحت یا روح و قلب کی تازگی کا باعث ہو وہ اس میں داخل نہیں۔ مُعْرِضُوْنَ کے لفظ سے اس امر کی طرف اشارہ کر دیا کہ لغویات کا ارتکاب تو کجا، مومن تو ادھر کا رخ ہی نہیں کرتے۔

۴؎ زکوٰۃ سے مراد اپنے مال سے مقررہ شرح کے مطابق حصہ نکال کر قرآن کریم میں بیان شدہ مصرفوں پر خرچ کرنا۔ اب آیت کا معنی یہ ہوگا کہ وہ مومن جو غنی ہیں وہ خدا کے دیئے ہوئے رزق سے اس کے حکم کے مطابق زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ لیکن بعض علماء نے یہاں لفظ زکوٰۃ سے اس کا لغوی معنی (پاکیزگی) مراد لیا ہے۔ ان کی توجیہ کے مطابق آیت کا معنی یہ ہوگا کہ مومن ایسے اعمالِ صالحہ کرتے ہیں جو روح و قلب کے تزکیہ کا باعث بنتے ہیں اور وہ ایسی آلائشوں سے اپنے آپ کو پاک رکھتے ہیں جن سے دل کا آئینہ غبار آلود ہو جاتا ہے اور روح کی پاکیزگی مکدّر ہو جاتی ہے۔ وَقِيْلَ الزَّكٰوةُ هٰهُنَا هُوَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ اَیْ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلْعَمَلِ الصَّالِحِ فَاعِلُوْنَ۔ (مظہری) (3)

۵؎ یعنی ایسا بھی نہیں کہ نفسانی خواہشات کی تکمیل کلیۃً ممنوع ہو اور مسلمان جوگیوں، راہبوں اور سنیاسیوں کی طرح شادیوں ہی سے کنارہ کش ہو جائیں اور ایسا بھی نہیں کہ مست ہاتھی کی طرح لوگوں کی آبروئیں برباد کرتے رہیں اور انسانی معاشرہ کو لاعلاج بیماریوں کے تحفے دیتے رہیں اور نئی نئی الجھنیں پیدا کر کے سوسائٹی کے امن اور اس کی سلامتی کو زیر و زبر کرتے رہیں۔

اسلام میں نفسانی خواہش کی تکمیل کے دو طریقے ہی روا ہیں: اپنی منکوحہ بیوی اور مملوکہ کنیز۔ اس کے علاوہ اور سارے

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 363۔ کنز العمال، ج 3، ص 146، رقم الحدیث 5891
2۔ المنجد، ص 726
3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 364

اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ

بیویوں کے اور ان کنیزوں کے جو ان کے ہاتھوں کی ملکیت ہیں تو بیشک انھیں ملامت نہ کی جائے گی اور جس نے

طریقے شریعت نے حرام کر دیئے ہیں۔

اہل تشیع متعہ کو مباح سمجھتے ہیں، نہ صرف مباح بلکہ اس کے فضائل بیان کرنے میں بڑی مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں۔ اس آیت کی موجودگی میں مزید کسی بحث و تمحیص کی ضرورت نہیں۔ میں فقط ان صاحبان کی غیرتِ ایمانی، اور حمیتِ انسانی سے اتنا پوچھنے کی اجازت طلب کرتا ہوں کہ کیا وہ اپنی بچیوں، اپنی بہنوں کے لیے یہ امر پسند کرتے ہیں کہ انہیں کوئی متعہ کا پیغام دے یا وہ متعہ کرتی پھریں۔ اگر وہ اس کے تصور سے بھی لرز جاتے ہیں تو پھر وہ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیّہ کی بچیوں کے لیے یہ کیسے برداشت کر سکتے ہیں کہ ان کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے۔ کیا شریعت اسلامیہ میں امیر و غریب، شاہ و گدا کے لیے الگ الگ قوانین ہیں؟ کیا سوسائٹی کے مختلف طبقات کے لیے عزت و کرامت کے الگ الگ معیار مقرر ہیں؟ ایک فعل جو ایک خاندان کے لیے باعث ننگ و عار ہے کیا کسی دوسرے خاندان کے لیے باعث عز و وقار ہو سکتا ہے؟ خدارا کچھ تو انصاف کرو۔

علامہ ابنِ قدامہ نے المُغنی میں اس مسئلہ پر عالمانہ بحث کی ہے جس کا خلاصہ انہی کے الفاظ میں ناظرینِ کرام کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

''وَمِمَّنْ رَّوٰی تَحْرِیْمَھَا عُمَرُ وَ عَلِیٌّ وَّ ابْنُ عُمَرَ وَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ وَّ ابْنُ زُبَیْرٍ۔ قَالَ ابْنُ عَبْدِالْبَرِّ وَ عَلٰی تَحْرِیْمِ الْمُتْعَۃِ مَالِکٌ وَّ اَھْلُ الْمَدِیْنَۃِ وَ اَبُوْ حَنِیْفَۃَ فِیْ اَھْلِ الْکُوْفَۃِ۔ وَالْاَوْزَاعِیُّ فِیْ اَھْلِ الشَّامِ وَاللَّیْثُ فِیْ اَھْلِ مِصْرَ۔ وَالشَّافِعِیُّ وَسَائِرُ اَصْحَابِ الْاٰثَارِ''۔(1)

ترجمہ: صحابہ کرام میں سے مندرجہ ذیل جلیل القدر ہستیاں متعہ کی حُرمت کی قائل تھیں: حضرات عمر، علی، ابن عمر، ابن مسعود، ابن زبیر رضی اللہ عنہم۔ ابن عبد البر کہتے ہیں کہ ائمہ مجتہدین میں سے مندرجہ ذیل لوگ مُتعہ کو حرام کہتے ہیں۔ امام مالک اور اہل مدینہ۔ امام ابوحنیفہ اہل کوفہ میں سے۔ اہل شام میں اوزاعی۔ اہل مصر میں سے لیث۔ نیز امام شافعی اور دیگر اصحاب آثار بھی متعہ کو حرام قرار دیا کرتے تھے۔

(المغنی لابن قدامہ، کتاب النکاح)

متعہ کے جواز کے قائل حضرت ابن عباس کے قول کو خوب اُچھالتے ہیں۔ حقیقت میں یہ آپ پر بہت بڑا بہتان ہے۔ آپ نے کبھی اس کی مطلق اباحت کا قول نہیں کیا، بلکہ آپ شدید قسم کی اضطراری حالت میں اس کے جواز کے قائل تھے۔ چنانچہ جب آپ سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ غصہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا اِنَّ الْمُتْعَۃَ کَالْمَیْتَۃِ وَالدَّمِ وَلَحْمِ الْخِنْزِیْرِ(2)۔ یعنی متعہ مردار جانور، ناپاک خون اور خنزیر کے گوشت کی مانند ہے۔ اس قول سے حضرت ابن عباس کی رائے کی

1۔ المغنی از موفق الدین بن قدامہ الحنبلی، کتاب النکاح، ج 6، ص 644، مطبوعہ دار المنار، مصر

2۔ ایضاً، ج 6، ص 645

ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ﴿۷﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ

خواہش کی اِن دو کے ماسوا تو یہی لوگ حد سے بہت زیادہ تجاوز کرنے والے ہیں نیز وہ (مومن بامُراد ہیں) جو اپنی امانتوں

وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۙ﴿۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹﴾ اُولٰٓئِكَ

اور اپنے وعدوں کی پاسداری کرنیوالے ہیں۶ اور وہ جو اپنی نمازوں کی پوری حفاظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ

هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۙ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ۗ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾

وارث ہیں ۷ جو وارث بنیں گے فردوسِ (بریں) کے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

حقیقت آپ پر واضح ہوگئی ہوگی۔ صحیح بات یہ ہے کہ آپ نے اس قول سے بھی رجوع کرلیا تھا۔ اور اگر بفرضِ محال یہ مان بھی لیا جائے کہ حضرت ابنِ عباس کا یہ مذہب تھا اور آپ نے اس سے رجوع بھی نہیں کیا تو پھر بھی ہم پر اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرمان کی تعمیل واجب ہے نہ کسی اور کی۔

اس مسئلہ کی تحقیق کرتے ہوئے جب میری نظر شیعہ کی مشہور کتاب تہذیب الاحکام جلد ۷ صفحہ ۲۷۱ مطبوعہ نجف اشرف باب تفصیل احکام النکاح جس کے مصنف شیخ الطائفہ ابوجعفر الطوسی ہیں، کی اس عبارت پر پڑی وَلَا بَأْسَ بِالتَّمَتُّعِ بِالْهَاشِمِيَّةِ (1) (کہ خاندان نبوت کی خواتین کے ساتھ بھی متعہ کرنے میں حرج نہیں) تو نہ پوچھیے مجھ پر کیا گزری۔ میرا سر چکرانے لگا اور آنکھوں میں خون اتر آیا اور میں اپنے آپ سے پوچھنے لگا: کیا یہ مذہب ان لوگوں کا ہے جو اہلِ بیت پاک کی محبت اور تعظیم و تکریم کو اپنا دین وایمان بتاتے ہیں؟ کیا اس دعویٰ محبت کی یہ حقیقت ہے؟ کیا تعظیم و تکریم کے مدعی اتنی گستاخی کے جواز کا فتویٰ دے سکتے ہیں؟ اَلْعِيَاذُ بِاللّٰهِ، اَلْعِيَاذُ بِاللّٰهِ تَعَالٰى۔

۶ امانت اور عہد کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ قرطبی لکھتے ہیں: وَالْاَمَانَةُ وَالْعَهْدُ يَجْمَعُ كُلَّ مَا يَحْمِلُهُ الْاِنْسَانُ مِنْ اَمْرِ دِيْنِهٖ وَ دُنْيَاهُ قَوْلًا وَّ فِعْلًا وَّ هٰذَا يَعُمُّ مُعَاشَرَةَ النَّاسِ وَ الْمَوَاعِيْدَ وَغَيْرَ ذٰلِكَ (2) یعنی ہر قسم کی ذمہ داری جو انسان اپنے ذمہ لیتا ہے خواہ اس کا تعلق دین سے ہو یا دنیا سے، گفتار سے ہو یا کردار سے، اس کا پورا کرنا مسلمان کی امتیازی شان ہے۔ ملت اسلامیہ کا ہر فرد فقیر ہو یا امیر، وزیر اور صدر ہو یا کلرک اور چوبدار، اسلامی معاشرہ کا ایک ذمہ دار فرد ہونے کی حیثیت سے جو فرائض اس پر عائد ہوتے ہیں اور جو عہد و پیمان وہ کسی سے کرتا ہے ان سب کو بخوبی انجام دینا مومن کی خصوصی صفات میں سے ایک اہم صفت ہے۔ چنانچہ ایک صحیح حدیث میں حضور نے عہد شکنی اور امانت میں خیانت کو منافق کی علامت قرار دیا ہے۔ (3)

۷ تمام اخلاق حسنہ اور صفات عالیہ سے موصوف ہونے والے افراد کا ذکر کرنے کے بعد یہ فرمادیا کہ یہی وہ خوش نصیب ہیں

1۔ تہذیب الاحکام، ج 7، ص 271، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ النجف الاشرف 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 107

3۔ یہ حدیث پاک اس حوالہ پر ہے (سنن نسائی، ج 2، ص 270، کتاب الایمان وشرائعہ باب علامۃ المنافق، مطبع مجتبائی، پاکستان

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ

اور بیشک ہم نے پیدا کیا انسان کو مٹی کے جوہر سے ۸ پھر ہم نے رکھا اُسے

نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ

پانی کی بوند بنا کر ایک محفوظ مقام میں پھر ہم نے بنا دیا نطفہ کو خون کا لوتھڑا پھر ہم نے بنا دیا اس

مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ

لوتھڑے کو گوشت کی بوٹی، پھر ہم نے پیدا کر دیں اس بوٹی سے ہڈیاں، پھر ہم نے پہنا دیا ان ہڈیوں کو گوشت۔ پھر

اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ ﴿۱۴﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ

دُروح پھونک کر، ہم نے اسے دوسری مخلوق بنا دیا ۹ پس بڑا بابرکت ہے اللہ جو سب سے بہتر بنانے والا ہے۔ پھر یقیناً تم

جو جنت الفردوس کے وارث ہیں۔ اس آیت کی ترکیب میں مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہیں اور درمیان میں ھُمْ ضمیر مذکور ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ جنت الفردوس کی وراثت انہی لوگوں کا حصہ ہے۔ ملتِ اسلامیہ کے وہ افراد جو مسلمان ہونے کے بلند بانگ دعوے کرنے کے باوجود ان ذمہ داریوں کے قریب تک نہیں پھٹکتے ان کے لیے یہ لمحہ فکریہ ہے۔

۸۔ مٹی کے خمیر سے جو جوہر نکلا اس سے آدم علیہ السلام کا جسمِ پاک تیار ہوا۔ پھر آپ سے جو انسانی نسل چلی اس کے لیے نطفہ اصل قرار پایا جو ان غذاؤں سے پیدا ہوتا ہے جو زمین سے اگتی ہیں۔ اس لیے جنس انسانی کی تخلیق کے متعلق یہ فرمایا کہ اسے مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ یہ مختلف تبدیلیاں جو شکمِ مادر میں تدریجاً رونما ہوتی ہیں ان سے کسی حد تک عرب کے بادیہ نشین بھی باخبر تھے لیکن علم وانکشاف کا سلسلہ جوں جوں بڑھ رہا ہے ان تطوّرات کے پردوں میں قلمِ قدرت کی اعجاز آفرینیاں اور نقش آرائیاں جو آج تک نگاہوں سے پوشیدہ تھیں عیاں ہو کر اللہ تعالیٰ کے علم وحکمت کی ناقابلِ تردید گواہی دے رہی ہیں۔ (1)

۹۔ وہ پانی کی بوند رحمِ مادر میں قرار پکڑنے کے بعد مختلف تطوّرات اور تبدیلیوں کے مرحلوں سے گزرتی ہے جن کا ذکر تفصیلاً ہوا ہے۔ لیکن اب تک انسان اور دیگر حیوانات کے جنین یکساں قسم کے تھے۔ جو تبدیلیاں یکے بعد دیگرے یہاں وقوع پذیر ہوتی ہیں بعینہٖ یہ تبدیلیاں ان کے نطفوں میں بھی ظاہر ہوتی ہیں۔ لیکن ایک منزل پر پہنچ کر یکایک مصورِ فطرت نے اپنے موقلم سے کوئی ایسی رنگ آمیزی کر دی کہ اسے دیگر حیوانی جنینوں سے بالکل ممتاز کر کے رکھ دیا۔ پہلے وہ بے جان تھا، اب زندگی کی لہر دوڑ گئی ہے۔ لیکن یہاں صرف روحِ حیوانی کی آفرینش سے حیاتِ حیوانی کا آغاز نہیں ہوا بلکہ نفسِ ناطقہ نے اسے بالکل ایک جدید قسم کی مخلوق کا روپ بخش دیا ہے۔ عقل وفہم کی قوتیں، غور وفکر کی صلاحیتیں، تسخیرِ کائنات کے حوصلے اور حکمرانی کی امنگیں سب کچھ اس عمدگی سے یہاں یکجا

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 68-367

بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَلَقَدْ

ان مرحلوں سے گزرنے کے بعد مرنے والے ہو ۱۰؎ پھر بلاشبہ تمہیں روز قیامت (قبروں سے) اٹھایا جائے گا اور بے شک

خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾

ہم نے تمہارے اوپر سات راستے بنا دیئے ۱۱؎ اور ہم اپنی مخلوق (کی مصلحتوں) سے بے خبر نہ تھے ۱۲؎

جمع کر دی گئی ہیں جسے دیکھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے۔ اور یہ راز سمجھ نہیں سکتا کہ ابتدائی مرحلوں میں بالکل یکساں ہونے کے باوجود کس طرح ایک کا رخ ایک طرف اور دوسرے کا رخ ایک بالکل ہی نئی منزل کی طرف موڑ دیا گیا۔ اور پھر اس منزل کو پالینے کے لیے جن قابلیتوں، صلاحیتوں، اعضاء اور وسائل کی ضرورت تھی وہ سب مہیا کر دیئے گئے ہیں تو زبان پر بے ساختہ آکر رہتا ہے فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۔ امام رازیؒ لکھتے ہیں: اَیْ خَلَقًا مُّبَایِنًا لِّلْخَلْقِ الْاَوَّلِ مُبَایَنَةً مَا بَعْدَهَا۔۔۔۔ وَ اَوْدَعَ بَاطِنَهٗ وَ ظَاهِرَهٗ بَلْ كُلَّ عُضْوٍ مِّنْ اَعْضَائِهٖ۔۔۔۔ عَجَائِبَ فِطْرَةٍ وَّ غَرَائِبَ حِكْمَةٍ لَّا يُحِيْطُ بِهَا وَصْفُ الْوَاصِفِيْنَ۔ (کبیر)(1)

اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ: ظاہر الفاظ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ پیدا کرنے والے تو بہت سے ہیں البتہ سب سے بہتر پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ حالانکہ صرف وہی خالق ہے اور کسی کو تخلیق کائنات میں حصہ دار بنانا قطعاً توحید کے منافی ہے۔ علمائے کرام نے اس شبہ کا ازالہ اس طرح فرمایا ہے کہ خلق کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ کسی چیز کو کسی موجود مادے اور سابقہ مثال کے بغیر پیدا کرنا، اِبْدَاعُ الشَّیْءِ مِنْ غَیْرِ اَصْلٍ وَّلَا احْتِذَاءٍ (مفردات)(2)۔ اس معنی کے لحاظ سے یہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جو کسی میں نہیں پائی جاسکتی۔ اس کا دوسرا معنی سابقہ مادہ سے کسی چیز کو کسی موجودہ مثال کے مطابق بنا لینا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں میں بھی پایا جا سکتا ہے۔ اس آیت میں یہ لفظ اپنے دوسرے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

۱۰؎ زندگی کا آغاز جہاں سے اور جیسے ہوا وہ تم نے سن لیا۔ پھر جہاں اس زندگی کا خاتمہ ہوگا اس کا بھی ہر روز تم مشاہدہ کرتے رہتے ہو لیکن حقیقت میں یہ زندگی کا خاتمہ نہیں بلکہ زندگی کے پہلے مختلف قسم کے مرحلوں کی طرح یہ بھی ایک نیا مرحلہ ہے۔ تمہیں ضرور قیامت کے روز اپنے اعمال کی جوابدہی کے لیے قبروں سے زندہ کر کے اٹھایا جائے گا اور تمہیں ان اعمال کے مطابق جزا یا سزا دی جائے گی جو تم نے اس دنیوی زندگی میں کیے۔

۱۱؎ انسان کے آغاز اور اس کے انجام کار کا ذکر کرنے کے بعد اب اپنے اُن انعامات کا ذکر ہو رہا ہے جو مولائے کریم نے انسان کی بقاو نشوونما اور اسے آرام و آسائش پہنچانے کے لیے کیے ہیں۔ عرب جب کسی چیز کو دوسری چیز کے اوپر رکھتے ہیں تو کہتے ہیں طَارَقْتُ الشَّیْءَ اَیْ جَعَلْتُ بَعْضَهٗ عَلٰی بَعْضٍ (3) اور اگر ایک کپڑے کو دوسرے کپڑے کے اوپر پہنیں تو کہتے ہیں طَارَقَ بَیْنَ ثَوْبَیْنِ اَیْ لَبِسَ اَحَدَهُمَا عَلَی الْاٰخَرِ (4)۔ خلیل اور فراء نے اس کا یہی معنی کیا ہے (5)۔ کیونکہ آسمان بھی ایک

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 12، جز 23، ص 86-85 2۔ مفردات راغب، ص 296 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 111
4۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 400 5۔ ایضاً

وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِی الْاَرْضِ ۖۗ وَ اِنَّا

اور ہم نے اُتارا آسمان سے پانی اندازہ کے مطابق ؁۱۳ پھر ہم نے ٹھیرا لیا اسے زمین میں اور یقیناً ہم

عَلٰى ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ۟ۚ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ

اسے بالکل ناپید کرنے پر پوری طرح قادر ہیں ؁۱۴ پھر ہم نے اُگائے تمہارے لیے اس پانی سے باغات کھجوروں

دوسرے کے اوپر ہیں اس لیے انہیں طرائق فرمایا۔ اور اگر یہ طریق کی جمع ہو تو اس کا مطلب ہوگا کہ ہم نے سیاراتِ سبعہ کے لیے سات مداریں مقرر کر دی ہیں جن کے اوپر وہ مصروف حرکت رہتے ہیں۔

؁۱۲ یعنی ہم نے آسمانوں کی تخلیق، علم و حکمت کے بغیر نہیں کی کہ بس یوں ہی اوٹ پٹانگ بنا کر انہیں کھڑا کر دیا گیا ہو بلکہ ان میں ہماری حکمت، قدرت اور علمِ محیط کے آثار و شواہد ہر جگہ چشمِ بینا کو نظر آ رہے ہیں۔ اس کا یہ مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے کہ کائنات کو پیدا کر کے ہم ان کی ضروریات سے غافل نہیں ہو گئے بلکہ چھوٹی بڑی ہر چیز کے لیے تمام ایسے وسائل اور اسباب ہم نے مہیا کر دیئے ہیں جو اس کی بقا اور نشوونما کے لیے ضروری ہیں اور جو اسے اس کے مقررہ وقت تک زندہ و سلامت رکھنے کے ضامن ہیں۔ اَیْ فِی الْقِیَامِ بِمَصَالِحِهٖ وَحِفْظِهٖ وَهُوَ مَعْنَی الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ۔ (1)

؁۱۳ یہاں سے اپنے دوسرے انعام کا ذکر ہے کہ ہم تمہاری ضروریات کے مطابق بارش برساتے ہیں۔ اس سے تمہاری کھیتیاں سیراب ہو جاتی ہیں، تمہارے پینے کے لیے تالابوں میں پانی جمع ہو جاتا ہے۔ لیکن جو تمہاری وقتی ضروریات سے بچ جاتا ہے وہ ضائع نہیں ہوتا بلکہ ہم اس کو اپنے مخفی ذخیروں میں جمع کر لیتے ہیں اور تم ہر وقت ان سے مستفید ہوتے رہتے ہو۔ یہ کنویں، یہ ٹیوب ویل، یہ دریا، یہ چشمے جن سے تم اپنی ضروریات پوری کرتے ہو ان میں ہمارے انہی مخفی آبی ذخیروں سے ہی تو پانی آ رہا ہے۔ میدانوں اور صحراؤں کو تو رہنے دو ذرا پہاڑوں کی بلند چوٹیوں پر جا کر دیکھو ہم نے کس طرح پانی کی بہم رسانی کا وہاں مکمل انتظام کر رکھا ہے۔ وہاں تم کنواں کھود کر یا ٹیوب ویل لگا کر زمین کے شکم سے پانی نہیں نکال سکتے، کوئی نہر جاری نہیں کر سکتے۔ اگر اس کائنات کا خالق علیم و قدیر نہ ہوتا تو وہاں پانی مفقود ہوتا اور پانی کی عدم موجودگی کی وجہ سے وہاں انسانی، حیوانی اور نباتاتی زندگی کا نام و نشان تک نہ ہوتا۔ یہ ہماری حکمت اور علم کا کتنا بڑا کرشمہ ہے کہ پانی جو ہمیشہ نشیب و پستی کی طرف بہتا ہے، ہزاروں فٹ کی بلندی پر ہماری واٹر سپلائی سکیم کے ماتحت نصب کیے ہوئے فواروں سے کس زور شور اور کثرت سے ابل رہا ہے کہ وہاں کی ضروریات پوری ہونے کے بعد وہ دریاؤں کی شکل اختیار کر کے میدانی علاقوں میں بہتا ہوا آ نکلتا ہے اور جہاں جہاں سے یہ دریا گزرتے ہیں لاکھوں ایکڑ رقبہ سیراب ہوتا جاتا ہے۔

؁۱۴ یہ نہ سمجھو کہ نظامِ عالم کو پیدا کرنے کے بعد اب ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ جو بن گیا سو بن گیا۔ اب اس میں ہم اپنے اختیار سے کوئی رد و بدل نہیں کر سکتے۔ اگر تمہاری نگاہ حقیقت آشنا ہے تو تمہیں صاف نظر آ جائے گا کہ ہماری قدرت اور ہماری

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 111

وَّ اَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ شَجَرَةً

اور انگوروں کے تمھارے لیے ان میں بہت سے پھل ہیں اور ان میں سے تم کھاتے بھی ہو، نیز پیدا کیا ایک

تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَ صِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿۲۰﴾

درخت جو اُگتا ہے طورِ سینا میں ۱۵؎ وہ اُگتا ہے تیل لیے ہوئے اور سالن لیے ہوئے کھانیوالوں کے لیے

وَ اِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَ لَكُمْ

اور بیشک تمھارے لیے جانوروں میں بھی غور و فکر کا مقام ہے ۱۶؎ ہم پلاتے ہیں تمھیں اس (دودھ) سے جو انکے شکموں میں ہے

فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَ عَلَيْهَا وَ عَلَى الْفُلْكِ

اور تمھارے لیے ان میں طرح طرح کے بہت فائدے ہیں اور انھیں (کے گوشت) سے تم کھاتے ہو۔ اور ان پر اور کشتیوں پر تمھیں سوار

حکیمانہ تدبیر آج بھی کائنات کی زلفِ برہم اور گیسوئے پریشاں کو درست کر رہی ہے۔ اگر ہم چاہیں تو پانی کو اس طرح ناپید کر دیں کہ تم اس کی ایک ایک بوند کے لیے ترس جاؤ اور تمہاری آب رسانی کی ساری سکیمیں دھری کی دھری رہ جائیں۔

۱۵؎ اس سے مراد زیتون کا درخت ہے (1) کیونکہ طور کے علاقہ میں وہ بکثرت پیدا ہوتا ہے اور اس خطہ کی اہم پیداوار شمار کیا جاتا ہے۔ اس لیے اس کی نسبت وادیٔ طور کی طرف کرتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ یہ علاقہ اس درخت کا وطنِ اصلی ہو اور یہاں سے لے جا کر اس کی کاشت دوسرے علاقوں میں کی گئی ہو۔ صِبْغ کہتے ہیں اُس چیز کو جو سالن کے طور پر استعمال کی جائے۔ کیونکہ اس کا اصلی معنی رنگنا ہے اور جب لقمہ سالن میں ڈالا جاتا ہے تو وہ اس سے رنگین ہو جاتا ہے۔ كُلُّ اِدَامٍ يُؤْتَدَمُ بِهٖ فَهُوَ صِبْغٌ۔ (2)

۱۶؎ اس آیت میں اپنی ایک اور نعمت کا ذکر فرمایا کہ مویشیوں کے شکم میں تو خون، گوبر، پیشاب کئی گندی گندی چیزیں ہوتی ہیں۔ یہ کس کی حکمت کی جلوہ نمائی ہے کہ اس میں سے تمہارے پینے کے لیے وہ ایک ایسی چیز نکالتا ہے جو اپنے رنگ، ذائقہ، بُو، تاثیر میں کسی طرح کی مشابہت ان چیزوں سے نہیں رکھتی۔ پھر اس دودھ کے پینے سے صرف تمہاری پیاس ہی نہیں بجھتی بلکہ اس میں اتنی غذائیت رکھ دی ہے جو کسی اور غذا میں اس افراط اور عمدگی سے موجود نہیں۔ اور مویشیوں سے تمہیں صرف یہی فائدہ حاصل نہیں بلکہ تم ان سے کثیر التعداد گوناگوں منفعتیں حاصل کرتے ہو۔ پھر بھی اگر تم اپنے مُنعمِ حقیقی کا شکر یہ ادا نہ کرو تو یہ بے انصافی کی حد ہوگی۔ آیت میں عِبْرَةً کا لفظ تشریح طلب ہے۔ علامہ راغب اصفہانی نے اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے: اَلْعِبْرَةُ مُخْتَصَّةٌ بِالْحَالَةِ الَّتِيْ يُتَوَصَّلُ بِهَا مِنْ مَّعْرِفَةِ الْمُشَاهَدِ اِلٰى مَا لَيْسَ بِمُشَاهَدٍ (مفردات) (3) یعنی مشاہد کی معرفت سے غیر مشاہد تک پہنچنا۔ اسی لیے اس کا ترجمہ غور و فکر سے کیا گیا ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 114 2۔ ایضاً، جز 12، ص 116 3۔ مفردات راغب، ص 543

تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا

کیا جاتا ہے۔ اور ہم نے بھیجا نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف ١٧؎ تو آپ نے فرمایا اے میری قوم!

اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، نہیں ہے تمہارا کوئی خدا اس کے بغیر۔ کیا تم (بت پرستی کے انجام سے) نہیں ڈرتے تو کہنے لگے ١٨؎ وہ سردار

كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ

جنہوں نے کفر اختیار کیا تھا ان کی قوم سے کہ نہیں ہے یہ مگر بشر تمہارے جیسا یہ چاہتا ہے کہ اپنی بزرگی جتلائے

١٧؎ یہاں سے پھر بعض جلیل القدر پیغمبروں کا تذکرہ شروع ہے۔ جو پیغام انہوں نے اپنی اپنی قوم کو پہنچایا، ان قوموں کی مسخ شدہ ذہنیت پر اس دعوت کا جو نا موافق اثر ہوا، جو جو اعتراضات انہوں نے اپنے مخلص اور بے لوث رہنماؤں پر کیے اور جن الزامات سے انہیں متہم کیا، اور پھر انہیں پیہم سرکشی کی جو عبرتناک سزا ملی، ان تمام امور کو بیان فرمایا گیا۔ مقصد کفارِ مکہ کو خوابِ غفلت سے جھنجوڑنا ہے، اور انہیں بتانا ہے کہ اپنی اس باغیانہ روش سے باز آجاؤ ورنہ تمہارا انجام بھی ایسا ہی ہولناک ہوگا۔

١٨؎ ہمیشہ اہلِ ثروت اور اصحابِ اقتدار، صالحین کی مخالفت میں پیش پیش ہوتے ہیں۔ کیونکہ انہیں کا وجود ساری خرابیوں اور فسادات کا منبع ہوتا ہے اور اصلاح کی براہ راست زد بھی ان کے اقتدار اور ان کے مفاد پر پڑتی ہے۔ اس لیے وہ عوام کے دلوں میں طرح طرح کے شبہات ڈال کر انہیں اہلِ حق سے برگشتہ کرنے کی سرتوڑ کوشش کرتے ہیں۔ انبیاء کے خلاف سب سے پہلے وہ یہ ہتھیار استعمال کرتے ہیں کہ یہ بشر ہے، یہ ہماری طرح کا انسان ہے۔ بھلا یہ بھی کبھی نبوت کے منصبِ عالی پر فائز ہو سکتا ہے؟ یہ ہتھیار اکثر کارگر ثابت ہوا۔ کیونکہ جس انسان سے وہ متعارف تھے، جس انسان کے کردار سے وہ واقف تھے اور جس انسانیت کی نمائندگی ان کے یہ رؤساء اور سردارانِ قوم کر رہے تھے وہ تو ساری بدمعاشیوں، سفاکیوں، دھوکہ بازیوں کا پلندہ تھی۔ سنگدل، بے رحم، لالچی، عیاش اور بدکار۔ یہی تو وہ انسان تھا جسے وہ صبح و شام اپنے گرد و پیش دیکھنے کے عادی تھے۔ ایسا انسان نبی بن جائے ناممکن ہے، ایسا انسان خدا کی طرف سے اس کا پیغام پہنچانے کے لیے منتخب ہو، قطعاً غلط۔ وہ بیچارے مجبور تھے۔ صالح انسان، نیک انسان، پاکباز انسان ان کے معاشرہ میں تھا کہاں؟ کہ وہ اسے دیکھتے اور یہ سمجھتے کہ انسان ایسے بھی ہوتے ہیں۔ انسان کی اس عظمت سے وہ یکسر نا آشنا تھے جو عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ (1) کی وجہ سے اسے مرحمت ہوئی ہے۔ وہ انسان کی ان بے پناہ خوبیوں اور بے اندازہ کمالات سے قطعاً بے خبر تھے جو نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ (2) کی برکت سے انسان کو بخشی گئی ہیں۔ اس لیے جب کوئی نبی کسی قوم کو دعوتِ حق دیتا تو اس قوم کے رئیس اپنے عوام کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کراتے کہ یہ تو انسان

1۔ سورۃ البقرہ: 31 2۔ سورۃ الحجر: 29

عَلَيْكُمْ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰۗىِٕكَةً ښ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَاۗىِٕنَا

تم پر قلہ اور اگر اللہ تعالیٰ (رسول بھیجنا) چاہتا تو وہ اتارتا فرشتوں کو ہم نے نہیں سنی یہ بات (جو نوح کہتا ہے) اپنے

الْاَوَّلِيْنَ ۝ۚ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى

پہلے آباو اجداد میں نہیں ہے یہ مگر ایک شخص جسے جنون کا مرض ہو گیا ہے ۲۰؎ سو انتظار کرو اس کے انجام کا کچھ

حِيْنٍ ۝ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ۝ فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ

عرصہ آپ نے عرض کی اے رب! (اب) تو ہی میری مدد فرما کیونکہ انہوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔ تو ہم نے وحی بھیجی ان کی طرف

اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَاۗءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ

کہ بناؤ ایک کشتی ہماری نگاہوں کے سامنے اور ہمارے حکم کے مطابق پھر جب آ جائے ہمارا عذاب اور (پانی) ابل پڑے تنور سے

ہے، یہ تو تمہاری طرح بشر ہے۔ لوگ خود بخود اس نبی کی دعوت کو حقارت سے ٹھکرا دیتے۔ اس زمانہ کے لوگ اس گمراہی میں مبتلا تھے کہ بشر نبی نہیں ہوسکتا۔ اور آج کل کے بعض لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ نبی ہماری طرح کا ہی بشر ہوتا ہے اور بس۔ یہ فکری لغزش اپنے نتائج کے لحاظ سے کچھ کم خطرناک نہیں۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْعَثَرَاتِ كُلِّهَا، جَلِيْلِهَا وَصَغِيْرِهَا۔

۱۹؎ دوسرا ہتھیار جو اہلِ غرض اور دنیا پرست سردار ان بے غرض اور خدا پرست ہستیوں کے خلاف استعمال کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ خود بڑا بننا چاہتے ہیں، انہیں اقتدار کی ہوس ہے۔ اصلاح و ہدایت کی یہ تحریکیں محض پھندے ہیں۔ ممکن ہے وہ انبیاء اور دیگر مصلحین کی نیکی اور تقویٰ کے دل سے قائل ہوں، لیکن اپنی دنیاوی جاہ و حشمت کے تحفظ کے لیے وہ ایسا بے بنیاد الزام لگاتے ہوں۔ اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ وہ انہیں اپنے آپ پر قیاس کر کے اپنے جیسا خود غرض اور اقتدار و حکومت کا بھوکا یقین کرتے ہوں۔ وجہ کوئی بھی ہو، اہلِ غرض کا یہ دیرینہ حربہ ہے جو وہ اہلِ حق کے خلاف استعمال کرتے رہے ہیں اور اب بھی کرتے ہیں اور شاید اس وقت تک کرتے رہیں گے جب تک عوام کی وہ آنکھ پوری طرح نہ کھل جائے جو نیک و بد، مصلح و مفسد، مخلص اور خود غرض میں امتیاز کر سکتی ہے۔

۲۰؎ وہ کہتے ہیں یہ عجیب و غریب باتیں جو آج تک نہ ہم نے سنیں اور نہ ہمارے آباؤ اجداد نے سنیں، یقیناً کسی جناتی اثر کا نتیجہ ہیں۔ ورنہ جس کے ہوش و حواس درست ہوں وہ بھی کبھی ایسی بے بنیاد باتیں کرتا ہے؟ ساتھ ہی وہ اپنے عوام کو کہتے کہ تم ان کی چکنی چپڑی باتوں میں نہ آجانا۔ کچھ دیر انتظار کرو۔ حقیقتِ حال خود بخود واضح ہو جائے گی۔

فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ

تو داخل کر لو اس میں ہر جوڑے میں سے دو دو اور اپنے گھر والوں کو بجز ان کے جن

عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ

کے بارے میں پہلے فیصلہ ہو چکا ہے ان میں سے، اور گفتگو نہ کرنا میرے ساتھ ان کے متعلق جنہوں نے ظلم کیا، وہ تو ضرور

مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ

غرق کیے جائیں گے۔ پھر جب اچھی طرح بیٹھ جائیں آپ اور آپ کے ساتھی کشتی کے عرشہ پر ۲۱ تو کہنا

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۸﴾ وَقُلْ رَّبِّ

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے ہمیں نجات دی ظالم قوم (کے جور و ستم) سے۔ اور یہ بھی عرض کرنا کہ اے

اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

میرے رب! اُتار مجھے بابرکت ۲۲ منزل پر اور تو ہی سب سے بہتر اتارنے والا ہے بیشک اس قصہ میں ہماری قدرت

۲۱ حضرت نوح علیہ السلام نے جب اپنی قوم کی دلآزاریوں سے تنگ آکر بارگاہِ الٰہی میں فریاد کی تو آپ کو حکم ملا کہ ہماری نگاہوں کے سامنے اور ہماری ہدایت کے مطابق کشتی بناؤ۔ اور جب تنور سے پانی ابلنے لگے تو سمجھ لینا کہ عذابِ الٰہی آن پہنچا ہے۔ اس وقت خود بھی اُس میں سوار ہو جانا اور اپنے گھر والوں کو بھی سوار کر لینا، اور ہر جانور کا جوڑا جوڑا بھی اس کشتی میں داخل کر لینا۔ لیکن خاندان کے اُن لوگوں کے متعلق میری جناب میں عرض نہ کرنا جن کے متعلق قطعی فیصلہ ہو چکا ہے۔ پھر فرمایا: جب تم اور تمہارے ساتھی آرام سے کشتی میں بیٹھ جاؤ اور طوفان کا پانی ہر طرف پھیلنے لگے اور اس کی سطح ہر لحظہ بلند ہوتی جائے جس میں ان کی آبادی ڈوبنے لگے تو اس وقت تم اپنے رب کریم کی حمد و ثنا شروع کر دینا جس نے اُس ظالم قوم سے تمہیں نجات دی جو صبح و شام تمہیں اذیتیں پہنچاتی اور مذاق کیا کرتی تھی۔

۲۲ کتنی پیاری دعا ہے۔ پہلا حکم کشتی میں بیٹھنے کا تھا اور یہ حکم کشتی سے اترنے کے وقت کے لیے ہے کہ جب صحیح و سلامت اترنے لگو تو یہ دعا مانگو: مُّبٰرَكًا: یعنی دونوں جہانوں میں خیر و برکت کا باعث ہو (1)۔ گھر میں داخل ہوتے وقت بھی اور ہر نئی جگہ

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 9، جز 18، ص 28

وَ اِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۳۱﴾ج

کی نشانیاں ہیں اور ہم ضرور (اپنے بندوں کو) آزمانے والے ہیں۔ پھر ہم نے پیدا فرما دی ان کے (غرق ہونے کے) بعد ۲۳؎ ایک دوسری جماعت

فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ

پھر ہم نے ۲۴؎ بھیجا ان میں ایک رسول اُن میں سے (اس نے انھیں کہا) کہ عبادت کرو اللہ کی، نہیں ہے تمہارا کوئی خدا

غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾ع وَ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ

اس کے سوا، کیا تم (شرک کے انجام سے) نہیں ڈرتے ہو۔ تو بولے ان کی قوم کے سردار جنھوں نے کفر کیا تھا اور جنھوں نے

كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَ اَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَاۤ اِلَّا

جھٹلایا تھا قیامت کی حاضری کو اور ہم نے خوشحال بنا دیا تھا انھیں دُنیوی زندگی میں۔ (اے لوگو!) نہیں ہے یہ مگر

بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَ يَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾ صلے

ایک بشر تمہاری مانند، یہ کھاتا ہے وہی خوراک جو تم کھاتے ہو اور پیتا ہے اس سے جو تم پیتے ہو۔

وَ لَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ ۙ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ۙ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ

اور اگر تم پیروی کرنے لگے اپنے جیسے بشر کی تو تم تب نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے۔ کیا وہ تم سے یہ وعدہ کرتا ہے

اِذَا مِتُّمْ وَ كُنْتُمْ تُرَابًا وَّ عِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾ صلے هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ

کہ تم جب مرجاؤ گے اور (مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تمھیں (پھر قبروں سے) نکالا جائیگا۔ یہ بات عقل سے بعید ہے بالکل بعید

اترتے وقت بھی یہ دعا پڑھنی چاہیے۔ حضرت سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ جب مسجد میں تشریف لے جاتے تو یہ دعا پڑھا کرتے۔(1)

۲۳؎ اس سے مراد قومِ عاد یا قومِ ثمود ہے۔(2)

۲۴؎ بالکل وہی دعوت ہے۔ قوم کے رئیسوں کا وہی ردِّ عمل ہے اور وہی اعتراضات وشبہات ہیں جن کا ذکر ابھی گزرا۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 12 ص 120 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6 ص 379

لِمَا تُوعَدُونَ ﴿٣٦﴾ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَ نَحْيَا وَمَا

جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ نہیں ہے کوئی اور زندگی سوائے ۲۵ ہماری اس دنیوی زندگی کے یہی ہمارا مرنا ہے اور یہی

نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿٣٧﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّ

ہمارا جینا۔ اور ہمیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائیگا۔ وہ نہیں مگر ایسا شخص جس نے بہتان لگایا ہے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا اور

۲۵ انسانی زندگی کے متعلق یہ عقیدہ ان کے ذہنوں میں راسخ ہو چکا تھا کہ بس یہی دنیاوی زندگی ہے جو ہم نے اس جہان میں بسر کرنی ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی زندگی نہیں۔ اس غلط فہمی میں مبتلا ہونے کے باعث وہ اپنی ساری جدوجہد اس زندگی کو آرام دہ اور باوقار بنانے کے لیے اور زیادہ سے زیادہ مال وجاہ حاصل کرنے کے لیے صرف کر دیتے تھے۔ لیکن انسانی زندگی کے متعلق ان کا یہ تصور سراسر غلط تھا۔ یہ دنیا دار العمل ہے، دار الجزا نہیں۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی بدکار ہوتے ہوئے عزت و آرام کی زندگی بسر کرتا ہے اور دوسرا آدمی نیک، مخلص اور اپنی قوم کا بلکہ نوع انسانی کا سچا بہی خواہ ہونے کے باوجود عمر بھر طرح طرح کی مصیبتوں اور آزمائشوں میں مبتلا رہتا ہے۔ اگر موت ہی انسانی زندگی کے قافلہ کی آخری منزل ہوتی تو اس سے بڑی بے انصافی اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ انسان جو نیک اور مخلص ہے، وہ عمر بھر کانٹوں پر لوٹتا رہے اور جو بدمعاش اور سفاک ہے، وہ دادِ عیش دیتا رہے۔ اس صورت میں ان اخلاقی قدروں کو جن سے انسانی عظمت وابستہ ہے کون اپنائے گا؟ بلکہ کون انہیں اچھا جانے گا؟ وہ جانباز جو اپنی جوانی اور شباب کی رنگینیوں کو اپنی قوم اور وطن کی آزادی پر قربان کر دیتا ہے اس سے تو وہ غدار اچھا جس نے اگرچہ اپنی قوم کی عزت کا سودا دشمن سے کیا لیکن اپنی زندگی آن بان سے گزاری، اور اپنی اولاد کے لیے ڈھیروں سونا چھوڑ گیا۔ محض یہ کہہ دینا کہ نیک کام کرنے والے کا نیک نام باقی رہ جاتا ہے اور اس کے ذکر سے تاریخ کے صفحات مزیّن ہوتے ہیں، اور یہی اس کی جانبازی کا صلہ ہے، یہ کہنا بھی بہت بڑی زیادتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جو عادل اور حکیم ہے، کم از کم اس کی فرمانروائی میں ایسی دھاندلی قطعاً قابلِ برداشت نہیں۔ اس لیے اس کی حکمت کا یہ تقاضا ہے کہ اس فانی زندگی کے بعد ایک باقی زندگی بھی ہو۔ جہاں عدل وانصاف کے سارے تقاضے پورے کیے جائیں۔ نیک اور مخلص لوگوں کو ان کی مخلصانہ جدوجہد کا پورا پورا صلہ دیا جائے اور بدکاروں کو اُن کے کرتوتوں کی پوری سزا ملے۔

اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ عادل ہے تو اس دنیا میں ہی عدل کا ظہور کیوں نہیں ہوتا؟ تو اس کے متعلق مختصراً عرض یہ ہے کہ ہماری اس دنیوی زندگی کا دائرہ اتنا محدود ہے کہ اس میں عدل کے سارے تقاضے پوری صورت میں نمودار نہیں ہو سکتے اور بعض گراں بہا اعمال ایسے بھی ہیں جن کا معاوضہ اس دنیا میں نہیں دیا سکتا۔ آپ اس نوجوان کو کیا معاوضہ دے سکتے ہیں جس نے اپنی جان حق کو سربلند کرنے کے لیے قربان کر دی ہو؟ انسان اس مسئلہ میں جتنا غور کرتا چلا جائے اس کا عقیدہ آخرت کی زندگی پر زیادہ مستحکم اور استوار ہوتا چلا جائے گا۔

مَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۳۹﴾ قَالَ عَمَّا

ہم تو قطعاً اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اس پیغمبر نے کہا میرے رب! اب تو میری مدد فرما کیونکہ انھوں نے ۲۶ تو مجھے جھٹلا

قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ

دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا عنقریب ہی یہ لوگ اپنے کیے پر نادم ہو جائیں گے۔ تو آ پکڑا انھیں حقیقی چنگھاڑ نے تو ہم نے انھیں خس و خاشاک

غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا

بنا دیا تو برباد ہو جائے وہ قوم جو ستم شعار ہے پھر ہم نے پیدا فرمائیں ان (کی بربادی) کے بعد کئی قومیں۔

اٰخَرِيْنَ ﴿۴۲﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ ثُمَّ

آگے نہیں بڑھ سکتی کوئی قوم اپنی مقررہ میعاد سے اور نہ وہ لوگ پیچھے رہ سکتے ہیں۔ پھر

اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا

ہم بھیجتے رہے اپنے رسول یکے بعد دیگرے ۲۷ جب کبھی کسی اُمت کے پاس اُس کا رسول آیا تو انھوں نے اُسے جھٹلایا پس

۲۶ جب اس قوم کی بدکاریاں حد سے تجاوز کر گئیں اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کو ان کی ہدایت کی کوئی امید نہ رہی تو بددعا کے لیے ہاتھ اٹھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہمیشہ کے لیے برباد کر دیئے گئے۔ غُثَآءً اس خس و خاشاک کو کہتے ہیں جو پانی کی سطح پر تیرتی جاتی ہے۔ غُثَاءُ السَّيْلِ وَهُوَ حَمِيْلُهٗ (مظہری)(1)۔ علامہ قرطبی اس کی تشریح میں لکھتے ہیں: هُوَ مَا يَحْمِلُهٗ مِنْ بَالِي الشَّجَرِ مِنَ الْحَشِيْشِ وَ الْقَصَبِ مِمَّا يَبِسَ وَ تَفَتَّتَ (2)۔ یعنی بوسیدہ ٹہنیاں، خشک گھاس اور سرکنڈے وغیرہ۔

۲۷ اس قوم کے تباہ و برباد ہونے کے بعد بزمِ ہستی کو آباد کرنے کے لیے دوسری قوموں کو موقع دیا گیا۔ انہیں زندگی کی سہولتیں اور وسائل بہم پہنچائے گئے، انہیں گمراہی سے بچانے اور راہ راست پر ثابت قدم رکھنے کے لیے انبیاء کرام کی تشریف آوری کا سلسلہ جاری رہا لیکن بعد میں آنے والی قوموں نے بھی اپنے رسولوں کے ساتھ وہی سلوک کیا جو ان کے پیش رؤوں نے کیا تھا۔ انہوں نے نہ اپنے مخلص انبیاء کی نصیحت کو گوشِ ہوش سے سنا اور نہ سابقہ اُمتوں کے ہولناک انجام سے عبرت حاصل کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بھی مکافاۃِ عمل کے قانون کی زد میں آ گئے اور صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر دیئے گئے۔ چند الفاظ کی تشریح: تَتْرَا: يَتْبَعُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا (3) (یکے بعد دیگرے)۔ اَحَادِيْثُ جمع ہے۔ اس کا واحد اُحْدُوْثَةٌ ہے۔ اور اس کا معنیٰ ہے قصّے کہانیاں۔ مَا يُتَحَدَّثُ بِهٖ۔(4)

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج6، ص381 2۔ تفسیر قرطبی زیر آیت ہذا، جز12، ص124 3۔ ایضاً، جز12، ص125 4۔ ایضاً

بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾

ہم بھی ایک کے بعد دوسرے کو ہلاک کرتے گئے اور ہم نے (ان جابر) قوموں کو افسانے بنا دیا پس خدا کی پھٹکار ہو ایسی قوم پر جو

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾

ایمان نہیں لاتی پھر ہم نے بھیجا موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیاں اور واضح دلیل دے کر

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ۚ﴿۴۶﴾ فَقَالُوْٓا

فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف تو انہوں نے بھی غرور و تکبر کیا اور وہ لوگ بڑے سرکش تھے۔ تو انہوں نے کہا ۲۸

اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ۚ﴿۴۷﴾ فَكَذَّبُوْهُمَا

کیا ہم ایمان لے آئیں ان دو آدمیوں پر جو ہماری مانند ہیں، حالانکہ ان کی قوم ہماری غلام ہے پس انھوں نے ان دونوں کو

فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ

جھٹلایا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ بھی برباد ہونے والوں میں شامل ہو گئے۔ اور بیشک ہم نے عطا فرمائی موسیٰ کو کتاب تاکہ (ان کی قوم)

يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى

ہدایت یافتہ ہو جائے۔ اور ہم نے بنا دیا ۲۹ مریم کے فرزند اور اس کی ماں (مریم) کو (اپنی قدرت کی) نشانی اور انھیں

۲۸۔ جب موسیٰ اور ہارون علیہما السلام فرعون اور اس کے درباریوں کو دعوتِ ایمان دینے کے لیے تشریف لے گئے تو انہوں نے ان کے خلاف وہ ہتھیار استعمال کیے جو پہلے متکبروں نے استعمال کیے تھے۔ جن کے بارے میں ابھی آپ پڑھ آئے ہیں۔ یعنی یہ دونوں ہماری طرح بشر ہیں۔ ان کی قوم ہماری غلام ہے۔ ان کو اگر ہم نبی مانیں تو انہیں اپنا سردار اور حاکم تسلیم کرنا پڑے گا۔

۲۹۔ امام رازیؒ لکھتے ہیں کہ چاہیے یہ تھا کہ عبارت یوں ہوتی "وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ اٰيَتَيْنِ" (1)۔ لیکن تثنیہ کے بجائے واحد استعمال کر کے آپ کی بن باپ ولادت کی طرف اشارہ کر دیا۔

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 12، جز 23، ص 104

رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴿٥٠﴾ يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ

بسایا ایک بلند مقام پر جو رہائش کے قابل تھا اور یہاں چشمے جاری تھے۔ اے (میرے) پیغمبرو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ ۳۰

وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ﴿٥١﴾ وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ

اور اچھے کام کرو۔ بیشک میں جو اعمال تم کر رہے ہو ان سے خوب واقف ہوں۔ اور یہی تمہارا دین ہے (اور) وہ

اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿٥٢﴾ فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ

ایک ہی ہے ۳۱ اور میں تم سب کا پروردگار ہوں سو تم ڈرا کرو مجھ سے لیکن کاٹ کر رکھ دیا انھوں نے اپنی دینی وحدت کو باہمی ۳۲

زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿٥٣﴾ فَذَرْهُمْ فِیْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰی

اختلاف سے پارہ پارہ۔ ہر گروہ اپنے نظریات پر مسرور ہے۔ پس (اے محبوب!) رہنے دو انھیں اپنی مدہوشی

۳۰۔ ایک روز نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! اللہ پاک ہے اور پاکیزہ چیز کو ہی پسند فرماتا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے مومنین کو اسی بات کا حکم دیا ہے جس کا حکم اس نے اپنے رسولوں کو دیا تھا۔ اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ۔ (1) "اے ایمان والو! پاکیزہ طیب چیزیں کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا فرمائی ہیں۔" پھر ارشاد فرمایا: ایک آدمی دور دراز کا سفر کرتا ہے، اُس کے بال پراگندہ اور غبار آلود ہیں، وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتا ہے۔ یارب! یارب! کہتا ہے۔ حالانکہ اُس نے جو کھایا ہے وہ بھی حرام ہے، جو اُس نے پیا ہے وہ بھی حرام، جو اُس نے پہنا ہوا ہے وہ بھی حرام اور اس کی خوراک بھی حرام مال سے ہے۔ فَاَنّٰی یُسْتَجَابُ ذٰلِكَ؟ (تو ایسے حرام خور آدمی کی دعا کیسے قبول ہوگی؟) رَوَاهُ مُسْلِمٌ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ (2)۔ اس ارشاد گرامی سے معلوم ہوا کہ قبولیت دعا کے لیے رزقِ حلال ایک بنیادی شرط ہے۔ کاملینِ امت نے فرمایا ہے کہ اکلِ حلال (حلال روزی) اور صدقِ مقال (سچی بات) کا نام ہی ولایت ہے۔

۳۱۔ اُمّت کا لفظ آیت میں دین اور ملت کے معنیٰ میں مستعمل ہوا ہے۔ اَلْاُمَّةُ هُنَا الدِّیْنُ۔ (قرطبی) (3)۔ بتایا یہ جا رہا ہے کہ ہر نبی نے اپنے اپنے وقت میں ایک ہی دین کی طرف لوگوں کو دعوت دی۔ اور اسی دین کا داعیٔ اکمل بن کر میرا یہ برگزیدہ بندہ محمد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء تشریف لایا ہے۔ اس لیے تمہارا فرض ہے کہ تم اس کی دعوت کو صدقِ دل سے قبول کرلو۔ اور سارے اختلافات کو ختم کر کے اس دینِ توحید کے پرچم تلے متحد ہو جاؤ۔ اپنے رب کی معرفت حاصل کرو اور اس کی ناراضگی سے ڈرتے رہو۔

۳۲۔ انسانی اتحاد کی اس مخلصانہ دعوت کی طرف اُن لوگوں نے توجہ نہ دی اور اپنی ذاتی، قبائلی، قومی اور ملکی محدود مصلحتوں اور

1۔ سورۃ البقرہ: 172
2۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، باب بیان ان اسم الصدقہ یقع علی کل نوع من المعروف، ج 1، ص 326، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی
3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 12، ص 129

حِيْنٍ ﴿۵۴﴾ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۵۵﴾ نُسَارِعُ

میں ۳۳ کچھ وقت تک۔ کیا یہ تفرقہ باز خیال کرتے ہیں کہ ہم جو ان کی مدد کر رہے ہیں ۳۴ مال و اولاد کی کثرت سے تو ہم جلدی کر

لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ

رہے ہیں انھیں بھلائیاں پہنچانے میں (یوں نہیں) بلکہ وہ (حقیقت حال سے) بے خبر ہیں بیشک وہ لوگ جو اپنے رب کے

مفادات پر انسانی اتحاد کو قربان کر دیا۔ اس طرح ایک آدم علیہ السلام کی اولاد، ایک دین کے پیروکار مختلف متحارب گروہوں میں بٹ کر رہ گئے۔ اور ہر گروہ نے اپنے نظریات کو ہی حق یقین کر لیا۔

۳۳۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دے رہے ہیں کہ ان کوتاہ اندیش اور خود غرض لوگوں کو کچھ عرصہ اسی غفلت میں رہنے دو۔ آپ نے انہیں سمجھانے کا حق ادا کر دیا۔ لیکن ان کے عناد اور تعصب میں ذرا فرق نہیں ہوا۔ جب عذاب انہیں چاروں طرف سے گھیر لے گا تب ان کی آنکھیں کھلیں گی۔ لفظ غمرۃ کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں: وَالْغَمْرَةُ فِي اللُّغَةِ مَا يَغْمُرُكَ وَيَعْلُوْكَ وَمِنْهُ الْغِمْرُ الْحِقْدُ لِاَنَّهُ يُغَطِّي الْقَلْبَ۔ وَالْغَمْرُ الْمَاءُ الْكَثِيْرُ لِاَنَّهُ يُغَطِّي الْاَرْضَ الْمُرَادُ هُنَا الْحَيْرَةُ وَالْغَفْلَةُ وَالضَّلَالَةُ (1)۔ یعنی لغت میں غمرۃ اس چیز کو کہتے ہیں جو تجھے ڈھانپ لے اور تیرے سر سے بھی بلند ہو جائے۔ اسی لیے حسد کو غِمر کہا جاتا ہے کیونکہ وہ دل کو ڈھانپ لیتا ہے اور کثیر پانی کو بھی غمر کہتے ہیں کیونکہ وہ سطح زمین پر پھیل کر اس کو چھپا دیتا ہے۔ یہاں اس لفظ سے مراد حیرت، غفلت اور ضلالت ہے جس میں وہ لوگ مبتلا تھے۔

۳۴۔ کئی دفعہ بعض حکمتوں کے پیش نظر گمراہ اور بدکردار لوگوں کی باگ ڈھیلی چھوڑ دی جاتی ہے۔ گمراہی اور بدکاری کے باوجود ان کا کاروبار خوب چمکتا ہے۔ جاہ و مال میں اضافہ ہوتا ہے، رہنے کے لیے خوشنما بنگلے، سواری کے لیے بہترین کاریں میسر آ جاتی ہیں تو وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ شاید وہ بڑے اچھے کام کر رہے ہیں اسی لیے تو اللہ تعالیٰ ان پر اتنا مہربان ہے۔ ان کی اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے فرمایا جا رہا ہے کہ یہ لوگ حقیقتِ حال سے بے خبر ہیں۔ یہ دولت کی کثرت، اور جاہ و جلال میں ترقی محض اس لیے ہے کہ ان کو ایک طویل اور کٹھن آزمائش میں مبتلا کر دیا جائے۔ اگر انہیں کچھ عقل ہوتی تو وہ اپنے دامن پر گناہوں کے بدنما داغ دیکھ کر شرما جاتے، ان کے وہ ہاتھ جو بے گناہوں کے خون سے رنگین ہیں کیا انہیں بتا نہیں رہے کہ تم مجرم ہو۔ تم ظالم اور سفاک ہو۔ تم اس قابل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی چشم لطف و احسان تمہاری طرف مائل ہو۔ دولت کی قلت جس طرح خدا تعالیٰ کی ناراضگی کی دلیل نہیں اسی طرح دولت کی کثرت اس کی رضامندی کی دلیل نہیں۔ اصل چیز عقیدہ اور عمل کی صحت ہے۔ علمائے کرام نے یہ تصریح کی ہے کہ اگر کسی نیک آدمی پر اللہ تعالیٰ انعامات کے دروازے کھول دے اور اس سے خرقِ عادت چیزیں ظہور پذیر ہوں تو اسے کرامت کہا جاتا ہے اور اگر کسی بدعقیدہ اور شریعت کے نافرمان سے کوئی عجیب و غریب بات

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 130

خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۸﴾

خوف سے ڈر رہے ہیں ۵۳ اور وہ جو اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّ

اور وہ جو اپنے رب کے ساتھ (کسی کو) شریک نہیں بناتے اور وہ جو دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اس

قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿۶۰﴾ اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ

حال میں کہ اُن کے دل ڈر رہے ہیں (اِس خیال سے) کہ وہ (ایک دن) اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں یہی لوگ جلدی کرتے ہیں

ظاہر ہو تو اسے استدراج کہا جاتا ہے۔ جس سے وہ خود بھی آہستہ آہستہ گمراہی کی پستیوں میں گرتا جاتا ہے اور اپنے ثنا خوانوں کو بھی فتنہ و ابتلاء میں مبتلا کر دیتا ہے۔

۵۳ پہلے کفار کے نظریات، ان کے حالات اور ان کی خوش فہمیوں کا تذکرہ ہوا کہ وہ کس طرح اپنی گمراہی پر نازاں ہیں، کس طرح دنیا کی نعمتوں کو خدا کا انعام سمجھ کر اپنی راست روی کا یقین کر بیٹھے ہیں، کس طرح اہل ایمان کی عسرتوں، تکلیفوں اور مصیبتوں کو اس بات کی دلیل ٹھہرا رہے ہیں کہ یہ لوگ راہِ راست سے بھٹک گئے ہیں اسی لیے تو ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ کفار کے تذکرہ کے بعد اب اہلِ حق کی خصوصیات کو نمایاں فرمایا جا رہا ہے کہ یہ لوگ سراپا عجز و نیاز اور اطاعت و انقیاد ہیں۔ اس کے باوجود انہیں اپنی کوتاہیوں کا احساس چین نہیں لینے دیتا۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا جب خیال آتا ہے تو لرز جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا جو حکم اس کا نبی انہیں بتاتا ہے بلا چون و چرا اسی کو قبول کر لیتے ہیں۔ اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے اور وہ مال و دولت جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائی ہے اس سے اس کی راہ میں کھلے دل سے خرچ کرتے ہیں۔ لیکن بایں ہمہ یہ گھمنڈ کبھی دل میں پیدا نہیں ہوا کہ ہم نے راہِ خدا میں اتنا خرچ کر دیا، اور نہ کسی پر احسان جتلاتے ہیں۔ بلکہ ان کو ہمیشہ یہ احساس بے چین کیے رکھتا ہے کہ جو ہم نے دیا ہے وہ اس مالک نے قبول بھی کیا ہے یا نہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بارگاہِ رسالت میں وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا کے متعلق گزارش کی: أَهُمُ الَّذِيْنَ يَشْرَبُوْنَ الْخَمْرَ وَيَسْرِقُوْنَ۔ کیا یہ وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے ہیں اور چوری کرتے ہیں، اس وجہ سے ان کے دل خوف سے کانپتے رہتے ہیں؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: ''لَا يَا بِنْتَ الصِّدِّيْقِ! وَلٰكِنَّهُمُ الَّذِيْنَ يَصُوْمُوْنَ وَيُصَلُّوْنَ وَيَتَصَدَّقُوْنَ وَهُمْ يَخَافُوْنَ اَنْ لَّا يُقْبَلَ مِنْهُمْ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ۔ (قرطبی)(1)

''اے صدیق کی لختِ جگر! ایسا نہیں ہے بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں، صدقہ دیتے ہیں اور اس کے باوجود ڈرتے رہتے ہیں کہ شاید ان کے یہ اعمال بارگاہِ الٰہی میں منظور نہ ہوں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو نیکیوں میں سبک رفتار ہیں۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 132۔ جامع ترمذی، ابواب التفسیر، ومن سورۃ المؤمنین، ج 1، ص 147

فِی الْخَیْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا

بھلائیاں کرنے میں ۳۶ اور وہ بھلائیوں کی طرف سبقت لے جانیوالے ہیں۔ اور ہم تکلیف نہیں دیتے کسی شخص کو مگر جتنی اس کی طاقت

وَلَدَیْنَا كِتٰبٌ یَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ بَلْ قُلُوْبُهُمْ

ہے اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو سچ بولتی ہے اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ ان کے دل مدہوش

فِیْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا

ہیں ۳۷ اس (خوفناک حقیقت) سے اور ان کے اعمال مومنوں کے اعمال سے مختلف ہیں۔ یہ (نابکار) ان بُرے کاموں کو

عٰمِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِیْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ یَجْـَٔرُوْنَ ﴿۶۴﴾

ہی کرنے والے ہیں۔ یہاں تک کہ جب ہم پکڑیں گے ان کے خوشحال لوگوں کو عذاب سے، اُس وقت وہ چلّائیں گے ۳۸

لَا تَجْـَٔرُوا الْیَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَدْ كَانَتْ اٰیٰتِیْ تُتْلٰی

(ظالمو!) آج نہ چلّاؤ ۳۹ تمہاری ہماری طرف سے اب کوئی مدد نہ کی جائیگی۔ وہ وقت یاد کرو جب ہماری آیتیں تمہارے

عَلَیْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰۤی اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿۶۶﴾ مُسْتَكْبِرِیْنَ بِهٖ سٰمِرًا

سامنے پڑھی جاتی تھیں اور تم اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ جایا کرتے تھے ۴۰ غرور و تکبر کرتے ہوئے دیکھ صحن حرم میں،

۳۶ دوسرے لوگوں کو تو یہ جلدی ہے کہ مال و دولت سمیٹنے میں وہ کسی سے پیچھے نہ رہ جائیں لیکن یہ اللہ تعالیٰ کے بندے صبح و شام اس فکر میں گھلے جارہے ہیں کہ کہیں اعمالِ صالحہ میں کوئی اُن سے آگے نہ بڑھ جائے۔ ع ببین تفاوتِ راہ از کجاست تا بکجا

۳۷ یہاں سے پھر بدکاروں اور نابکاروں کا ذکر شروع ہے۔

۳۸ انتہائی عجز و درماندگی کی حالت میں چیخنے چلانے کو جُؤارٌ کہتے ہیں۔ اَصْلُ الْجُؤَارِ رَفْعُ الصَّوْتِ بِالتَّضَرُّعِ۔ (قرطبی) (1)

۳۹ انہیں کہا جائے گا: آج کیوں چیخ چیخ کر آسمان سر پر اُٹھاتے ہو؟ یہ واویلا بے سود ہے، اب تم پر قطعاً رحم نہیں کیا جائے گا اور نہ عذاب کی اس دہکتی ہوئی بھٹی سے تمہیں چھٹکارا دلایا جائے گا۔ ع

ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا (2)

۴۰ جب توبہ کرنے کا وقت تھا، جب شرک و کفر سے بیزاری کا اعلان کرنے کی تمہیں بار بار دعوت دی جاتی تھی، تمہیں یاد ہے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 12 ص 135
2۔ دیوانِ غالب، ص 17، مطبوعہ اسلامی کتب خانہ، لاہور

تَهۡجُرُوۡنَ ﴿٦٧﴾ اَفَلَمۡ يَدَّبَّرُوا الۡقَوۡلَ اَمۡ جَآءَهُمۡ مَّا لَمۡ يَاۡتِ اٰبَآءَهُمُ

تم داستان سرائی کیا کرتے تھے اور قرآن کی شان میں بکواس کیا کرتے تھے ۱۴۱ کیا انھوں نے کبھی تدبر نہ کیا قرآن میں ؟ یا آئی تھی اُن کے

الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿٦٨﴾ اَمۡ لَمۡ يَعۡرِفُوۡا رَسُوۡلَهُمۡ فَهُمۡ لَهٗ مُنۡكِرُوۡنَ ﴿٦٩﴾ اَمۡ

پاس ایسی چیز جو نہ آئی تھی اُنکے پہلے آباؤ اجداد کے پاس یا انھوں نے اپنے رسُول (مکرّم) کو نہ پہچانا تھا ۱۴۲ اِس لیے وہ اس کے منکر بنے

اس وقت تمہارا کیا رویہ ہوا کرتا تھا؟ تم ایسی محفلوں میں شرکت کرنا ہی اپنے لیے کسر شان سمجھتے تھے اور دور سے ہی واپس لوٹ آیا کرتے تھے۔

۱۴۱ تمہارے غرور ونخوت کا کوئی ٹھکانا ہی نہ تھا۔ ذرا یاد کرو نا اُن چاندنی راتوں کو جب صحنِ حرم میں تمہاری محفلیں جمتی تھیں اور تم وہاں مزے لے لے کر دنیا بھر کے قصے اور افسانے بیان کیا کرتے تھے اور قرآنِ کریم اور میرے رسولِ مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شانِ اقدس میں طرح طرح کی گستاخیاں کیا کرتے تھے۔

سٰمِرًا حال ہے(1)، چاہیے تو یہ تھا کہ سَامِرِیْنَ ہوتا تاکہ ذوالحال سے مطابقت ہوتی۔ لیکن یہ اسم مفرد ہے اور جمع کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ وَهُوَ اسْمٌ مُفْرَدٌ بِمَعْنَى الْجَمْعِ۔ جس طرح ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا میں طفل مفرد ہے، لیکن اس کا معنی اطفال ہے۔ يُقَالُ قَوْمٌ سَمْرٌ وَّ سُمَّرٌ وَّ سَامِرٌ۔ وَمَعْنَاهُ سَهَرُ اللَّيْلِ۔ مَاخُوْذٌ مِنَ السَّمَرِ وَهُوَ مَا يَقَعُ عَلَى الْاَشْجَارِ مِنْ ضَوْءِ الْقَمَرِ۔(2) چاند کی چاندنی جو درختوں کی شاخوں اور پتوں پر پڑتی ہے اسے سَمَرٌ کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ قصہ گوئی کی محفلیں عموماً چاندنی راتوں میں ہوا کرتی تھیں اس لیے ان کو سَامِرٌ کہا گیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عشاء کی نماز کے بعد قصہ گوئی کی محفلوں کو ناپسند فرمایا ہے(3)۔ کیونکہ دیر تک جاگتے رہنے سے نمازِ صبح کے قضا ہونے کا اندیشہ ہے۔

حضرت فاروقِ اعظمؓ لوگوں کو عشاء کے بعد کہانیاں کہنے سے سختی سے روکتے تھے۔ فرماتے اَسَمَرًا اَوَّلَ اللَّيْلِ وَنَوْمًا اٰخِرَهٗ اَرِيْحُوْا كُتَّابَكُمْ(4)۔ یعنی یہ بھی کوئی عقلمندی ہے کہ رات کے پہلے حصہ میں دیر تک جاگتے رہو اور اس کے آخری حصہ میں جو نزولِ رحمت کا وقت ہوتا ہے، سوتے رہو۔ اب تو اپنے کراماً کاتبین کو دم لینے دو۔ لیکن علمی مذاکرے، تبلیغی جلسے، ذکر اذکار کی محفلیں اور دیگر نیک کاموں میں اگر انسان مشغول ہو تو یہ ممنوع نہیں۔

۱۴۲ یعنی جو رسول اتنی دل سوزی اور اخلاص سے بار بار دعوتِ حق دے رہا ہے۔ یہ کوئی اجنبی شخص نہیں ہے جس سے یہ متعارف نہ ہوں، جس کا ماضی ان کی نگاہوں سے مخفی ہو۔ یہ سب لوگ اس ذاتِ اقدس کو اچھی طرح پہچانتے ہیں اس کی عالی نسبی، اس کی خاندانی شرافت، اس کے ذاتی اوصاف و اخلاق سے خوب آگاہ ہیں۔ کل تک انہیں کی زبانیں اسے صادق اور امین کے معزز القاب سے خطاب کرتی رہی ہیں۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے نجاشی کے دربار میں اپنے دین کا تعارف ان الفاظ میں کرایا

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 136 2۔ ایضاً، ص 137 3۔ صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلوٰۃ، باب السمر فی الفقہ، ج 1، ص 84 4۔ ایضاً

يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَ اَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ

رہے۔ یا کہتے ہیں کہ اسے سودا کا مرض ہے ۴۳ (یوں نہیں) بلکہ وہ تشریف لایا ان کے پاس حق کے ساتھ۔ اور بہت سے لوگ

كٰرِهُوْنَ ۝۷۰ وَ لَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ

ان میں سے حق کو ناپسند کرتے ہیں۔ اور اگر پیروی کرتا حق ان کی خواہشاتِ (نفسانی) کی ۴۴ تو درہم برہم ہو جاتے آسمان اور زمین

تھا۔ ''اَيُّهَا الْمَلِكُ اِنَّ اللهَ تَعَالٰى بَعَثَ فِيْنَا رَسُوْلًا نَعْرِفُ نَسَبَهٗ وَصِدْقَهٗ وَاَمَانَتَهٗ'' (1) اے بادشاہ! اللہ تعالیٰ نے ہم میں ایک رسول مبعوث فرمایا جس کے نسب کو، جس کی راست گفتاری کو اور جس کی دیانتداری کو ہم خوب جانتے ہیں۔

۴۳ جس کی صداقت وامانت کا تم کل تک اعتراف کرتے رہے ہو آج یک لخت اس کے متعلق تمہاری رائے کیوں بدل گئی ہے؟ یہ انقلاب اچانک کیسے رونما ہو گیا کہ اب تم اس کے متعلق یہ خیال کرنے لگے ہو کہ انہیں سوداء ہو گیا ہے، انہیں جنون کا دورہ پڑنے لگا ہے۔ نہیں یہ کچھ بھی نہیں۔ البتہ وہ ایک ایسا دینِ ہدایت لے کر تشریف فرما ہوا ہے جو تمہاری خواہشات اور آبائی عقیدوں کے خلاف ہے اور تم اسے پسند نہیں کرتے اس لیے تم نے آوازے کسنے شروع کر دیئے ہیں۔ لیکن یہ تمہاری ناپسندیدگی کسی علمی دلیل پر موقوف نہیں بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ تم یہ خیال کرنے لگے ہو کہ اگر ہم نے اس کا دین قبول کر لیا تو ہماری چودھراہٹ ختم ہو جائے گی، ہم دادِ عیش دینے سے روک دیئے جائیں گے۔ اَیْ عِنَادًا وَّ ظُلْمًا لِّحُبِّ الرِّيَاسَةِ وَاتِّبَاعِ الشَّهَوَاتِ وَتَقْلِيْدِ الْجُهَّالِ۔ (مظہری) (2)

۴۴ پہلے بتایا کہ یہ لوگ ہمارے نبی مکرم کو خوب جانتے ہیں۔ ان کی عفت و پاک دامنی، ان کی حق گوئی و دیانتداری اور مزید برآں ان کی معاملہ فہمی اور حسنِ تدبیر کا بھی کئی بار انہوں نے مشاہدہ کیا ہے اور اس کا انہیں آج تک اعتراف بھی رہا ہے۔ آج جو اچانک ان کے تیور بدل گئے ہیں اور ان کی رائے میں انقلاب آ گیا ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ ایسی باتیں کہتے ہیں جو ان لوگوں کے عقائد، رسم و رواج اور ان کے ذاتی مفاد سے ٹکراتی ہیں، وہ اس لیے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خفا ہیں کہ وہ بے شمار خداؤں کی جگہ ایک اور صرف ایک خدا پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے، وہ انہیں غریب اور ضعیف کے ساتھ عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے۔ وہ انہیں اخلاقی آوارگی سے باز رہنے کی تلقین کرتا ہے، وہ انہیں سود خوری، شراب نوشی، قمار بازی، راہزنی اور قزاقی سے سختی سے روکتا ہے، وہ خصوصی مراعات اور امتیازات جو ان کے سرداروں اور رئیسوں کو حاصل ہیں وہ انہیں ان مراعات سے دستبردار ہونے کی ہدایت کرتا ہے، وہ غریب و امیر، قریشی و غیر قریشی، عربی و عجمی کے سارے امتیازات یک قلم ختم کر دینا چاہتا ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو یہ لوگ آج بھی اس کو اپنی آنکھوں پر بٹھانے کے لیے تیار ہیں۔ وہ اسے آج بھی اپنا فرمانروا اور بادشاہ ماننے کے لیے مستعد ہیں۔ اس آیت میں بڑی وضاحت سے ان کی اس غلط فہمی کو دور کیا جا رہا ہے۔ انہیں بتایا

1۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 250
2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 392

وَمَنْ فِيهِنَّ ۚ بَلْ أَتَيْنَاهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُعْرِضُونَ ﴿٧١﴾

اور جو کچھ اُن میں ہے ۔ بلکہ ہم ان کے پاس لے آئے ان کی نصیحت ۴۵ تو وہ اپنی نصیحت سے ہی رُوگردانی کرنیوالے ہیں

أَمْ تَسْأَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿٧٢﴾ وَ

کیا آپ طلب کرتے ہیں ان سے کچھ معاوضہ ؟ (آپ کے لیے) تو آپ کے رب کی عطا بہتر ہے اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے

إِنَّكَ لَتَدْعُوهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٧٣﴾ وَإِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ

اور بے شک آپ تو انہیں بلاتے ہیں سیدھی راہ کی طرف ۴۶ بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے

بِالْآخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنَاكِبُونَ ﴿٧٤﴾ وَلَوْ رَحِمْنَاهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ

آخرت پر وہ راہِ راست سے منحرف ہونے والے ہیں ۔ اور اگر ہم ان پر مہربانی بھی فرمائیں اور دُور ۴۷

کہ میرا محبوب جو کچھ تمہیں کہتا ہے وہ حق اور سراپا حق ہے۔ اگر وہ تمہاری خواہشات کا احترام کرنے لگے اور تمہارے بتوں کی خدائی کا بھی نعوذ باللہ اعتراف کرلے، قرآن کے لائے ہوئے نظامِ حیات میں تمہاری رائے کے مطابق ترمیمیں کرنے لگے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ حق رہنمائی اور قیادت کے منصب سے دستبردار ہو کر باطل کی اطاعت اختیار کرلے۔ اگر ایسا ہو جائے تو حق حق نہ رہے بلکہ باطل ہو جائے، اور اگر ایسا ہو جائے تو پھر دنیا کے بقا کی کوئی وجہ نہیں رہے گی، اُسی وقت قیامت برپا ہو جائے گی اور ہر چیز تہس نہس کر کے رکھ دی جائے گی۔

۴۵ ذکر کا معنیٰ نصیحت اور یاددہانی ہے (1)۔ لیکن مفسرین نے اس کا ایک اور معنی بھی لکھا ہے جو نہایت مناسب ہے۔ یعنی ذکر سے مراد وہ چیز ہے جو ان کے لیے عزّ و شرف کا باعث ہو (2)۔ یعنی ہم نے ان کو ایسی کتاب بخشی جو ان کے لیے موجبِ صد عزّ و افتخار ہے۔ اگر وہ اس پر ایمان لائیں اور اس پر عمل کریں تو یہ کتاب ان کی شہرت و ناموری کو چار چاند لگا دے۔ ان کی کوتاہ فہمی اور شورہ بختی ملاحظہ ہو کہ وہ اپنے بخت کو دھکے دے رہے ہیں۔ ان کا آفتابِ اقبال طلوع ہوا ہے اور یہ برہم ہو رہے ہیں کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔

۴۶ اے میرے نبی مکرم! آپ تو انہیں ہدایت کی طرف بلاتے ہیں اور ان کے سامنے ایک ایسا عدیم النظیر لائحہ عمل پیش کرتے ہیں جس سے ان کی ساری خرابیاں دور ہو جائیں، لیکن یہ انکار پر مصر ہیں۔ جب ان کا روزِ آخرت پر ایمان ہی نہیں تو یہ ان پابندیوں کو کیوں قبول کریں جو آپ پر ایمان لانے کے بعد ان پر عائد ہو جاتی ہیں۔

۴۷ ارشاد ہے: یہ لوگ باطل پرستی میں اتنے پختہ ہو گئے ہیں کہ اب ان کو ظلمتوں سے نکالنے کی کوئی کوشش کامیاب نہیں

1۔ القاموس المحیط، ج 1، ص 560
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 141

مِّنۡ ضُرٍّ لَّلَجُّوۡا فِیۡ طُغۡیَانِہِمۡ یَعۡمَہُوۡنَ ﴿۷۵﴾ وَ لَقَدۡ اَخَذۡنٰہُمۡ

بھی کر دیں اِس مصیبت کو جس میں مبتلا ہیں پھر بھی وہ بڑھتے جائیں گے اپنی سرکشی میں اندھے بنے ہوئے۔ اور ہم نے پکڑ لیا انھیں

بِالۡعَذَابِ فَمَا اسۡتَکَانُوۡا لِرَبِّہِمۡ وَ مَا یَتَضَرَّعُوۡنَ ﴿۷۶﴾ حَتّٰۤی اِذَا

عذاب سے، پھر بھی وہ نہ جھکے اپنے رب کی بارگاہ میں اور نہ وہ اب گڑ گڑا کر (توبہ کرتے) ہیں یہاں تک کہ جب

فَتَحۡنَا عَلَیۡہِمۡ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِیۡدٍ اِذَا ہُمۡ فِیۡہِ مُبۡلِسُوۡنَ ﴿۷۷﴾ ع

ہم کھول دیں گے ان پر دروازہ سخت عذاب والا۔ ۴۸ وہ اُس وقت بالکل مایوس ہو جائیں گے،

وَ ہُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَ لَکُمُ السَّمۡعَ وَ الۡاَبۡصَارَ وَ الۡاَفۡـِٕدَۃَ ؕ قَلِیۡلًا

اور وہ وہی ہے جس نے بنائے تمھارے لیے کان اور آنکھیں اور دل لیکن (ان عظیم نعمتوں پر بھی) تم بہت کم

مَّا تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۷۸﴾ وَ ہُوَ الَّذِیۡ ذَرَاَکُمۡ فِی الۡاَرۡضِ وَ اِلَیۡہِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۷۹﴾

شکر ادا کرتے ہو ۴۹ اور وہ وہی ہے جس نے پھیلا دیا تمھیں زمین (کے اطراف) میں اور (انجام کار) اسی کی جناب میں اکٹھے

ہوسکتی۔ ان کا ذہن مسخ ہو گیا ہے۔ نورِ حق کو دیکھنے اور دیکھ کر پہچاننے والی آنکھ اندھی ہو گئی ہے۔ ان پر رحم و کرم کیا جائے یا انہیں آلام و مصائب میں مبتلا کر دیا جائے، یہ اب کسی صورت میں ہدایت قبول نہیں کریں گے۔ لَجُّوْا: اَللَّجَاجُ التَّمَادِیْ فِی الْعِنَادِ وَ تَعَاطِی الْفِعْلِ الْمَزْجُوْرِ عَنْهُ (1)۔ یعنی عناد و مخالفت میں بڑھتے چلے جانا اور جس فعل سے روکا جائے اس کا ارتکاب کرنا۔ یَعْمَهُوْنَ: اَلْعَمَهُ، اَلتَّرَدُّدُ فِی الْاَمْرِ مِنَ التَّحَیُّرِ (2)۔ حیرت سے کسی کام میں متردّد ہونا۔

۴۸ وہ غلط روی سے اُس وقت تک باز نہیں آئیں گے جب تک ان پر آخری عذاب کا دروازہ نہ کھل جائے اور انہیں اپنے ہولناک انجام سے دوچار نہ کر دیا جائے۔ اس وقت وہ حیرت اور مایوسی کا شکار ہو جائیں گے اور انہیں کچھ سمجھ نہ آئے گا کہ اب وہ کیا کریں۔ مُبْلِسُوْنَ حیرت اور مایوسی کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔ جب انسان حواس باختہ ہو جائے اور اسے اپنی نجات کے سارے راستے مسدود نظر آنے لگیں۔ مُبْلِسُوْنَ اَیْ یَائِسُوْنَ مُتَحَیِّرُوْنَ لَایَدْرُوْنَ مَا یَصْنَعُوْنَ۔ (قرطبی) (3)

۴۹ شکر کی بہترین صورت یہ ہے کہ جو نعمت جس مقصد کے لیے دی گئی ہے اسے اسی مقصد کے حصول کے لیے صرف کرنا اور جس نے وہ نعمت عطا فرمائی ہے اس کی عطا کو اسی کی طرف منسوب کرنا (4)۔ شکر کا یہ مفہوم ذہن نشین کرنے کے بعد اب اس میں غور

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج6، ص395
2۔ مفردات راغب، ص588
3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج12، ص143
4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج6، ص97-396

وَهُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ ؕ

کیے جاؤ گے۔ اور وہ وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور اسی کے اختیار میں ہے گردش لیل و نہار۔

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۸۰﴾ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿۸۱﴾ قَالُوْٓا ءَاِذَا

کیا (اتنا بھی) تم نہیں سمجھتے؟ ۵۰ بلکہ انھوں نے بھی وہی بات کہی جو پہلے (کفار) کہا کرتے تھے ۵۱ انھوں نے کہا، کیا

مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۸۲﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ

جب ہم مر جائیں گے اور بن جائیں گے خاک اور ہڈیاں تو کیا ہمیں پھر اٹھایا جائیگا؟ بلاشبہ یہ وعدہ کیا گیا ہم سے اور

فرمائیے، آپ کو کفّار کی ناشکری کا صحیح اندازہ ہوگا۔ کان سننے کے لیے، آنکھیں دیکھنے کے لیے، اور دل غور و فکر کرنے کے لیے مرحمت ہوئے۔ اگر کوئی شخص کانوں سے صرف وہی بات سنے اور آنکھوں سے صرف وہی چیز دیکھے جس سے اس کی جسمانی اور نفسانی خواہشات کی تکمیل ہو اور دل سے صرف اُن وسائل اور ذرائع پر غور و فکر کرتا رہے جن سے اُس کی یہ فانی زندگی عزت و آرام سے بسر ہو، لیکن اس کے کان صدائے حق سننے سے بہرے، اور اس کی آنکھیں نورِ حق دیکھنے سے اندھی ہوں اور اُس نے اپنی فکری قُوتوں کو اپنی ابدی زندگی کو باعزت اور آرام دِہ بنانے کے لیے کبھی استعمال نہ کیا ہو تو اس سے بڑھ کر اور ناشکرا کون ہوگا؟

۵۰ اپنی قدرت و حکمت کے بیان کے ساتھ ساتھ اپنے احسانات و انعامات کی طرف بھی ہماری توجہ مبذول کرائی جا رہی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے حیران کن مناظر جو تمہیں نظر آ رہے ہیں، کبھی صبح ہو رہی ہے، کبھی شام ہو رہی ہے، کبھی سورج طلوع ہو رہا ہے، کبھی غروب ہو رہا ہے وغیرہ وغیرہ۔ ان میں حکمت یہ ہے کہ تمہاری بقا، نشوونما اور آرام و آسائش کے تمام وسائل بڑی فیاضی سے مہیا کر دیئے جائیں۔

۵۱ کائنات کے اس دقیق اور حکیمانہ نظم و نسق کو دیکھ کر چاہیے تو یہ تھا کہ وہ کہتے کہ یہ ایسے خالق کی قدرت کا شاہکار ہے جو تمام صفاتِ کمال سے متصف ہے۔ اور تمام عاجزیوں اور کمزوریوں سے پاک اور مُبرّا ہے۔ اس کی قدرت کاملہ کے سامنے مُردوں کو زندہ کرنا کوئی مشکل نہیں۔ لیکن عقل و فہم کے اِن دشمنوں نے وہی رٹ لگا رکھی ہے جو ان کے آباؤ اجداد نے لگا رکھی تھی کہ یہ ناممکن ہے کہ مرنے کے بعد جب ہم مٹی میں مل کر مٹی ہو جائیں گے اور ہماری ہڈی پسلی بکھر جائے گی تو پھر ہمیں زندہ کیا جا سکے۔ وہ کہتے ہیں کہ جس چیز کی دھمکی آج ہمیں دی جا رہی ہے کہ قیامت آئے گی، گناہوں سے کنارہ کش ہو جاؤ اور متقی و پرہیزگار بن جاؤ، بعینہٖ یہی دھمکی ہمارے آباؤ اجداد کو بھی دی گئی تھی لیکن صدیاں گزر گئیں وہ قیامت جس سے ہمیں ڈرایا جاتا تھا وہ قائم نہیں ہوئی اور ہمیں یقین ہے کہ وہ آئندہ بھی قائم نہیں ہوگی۔ یہ محض قصے کہانیاں ہیں جو اِن لوگوں نے گھڑ لی ہیں جن کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں۔

وَ اٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ

ہمارے باپ دادا کے ساتھ بھی آج سے پہلے (لیکن آج تک پورا نہ ہوا) نہیں ہیں یہ باتیں مگر من گھڑت افسانے پہلے لوگوں کے ۵۲

لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾ سَيَقُوْلُوْنَ

(اے حبیب!) آپ پوچھیے کس کی ملکیت ہے یہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے (بتاؤ) اگر تم جانتے ہو ۵۳ ۵۴ وہ کہیں گے (یہ سب)

۵۲ نحو وادب کے امام مبرد نے اَسَاطِیْرُ کے لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اَسَاطِیْرُ اُسْطُوْرَۃٌ کی جمع ہے۔ جس طرح اَحَادِیْثُ اُحْدُوْثَۃٌ کی اور اَعَاجِیْبُ اُعْجُوْبَۃٌ کی (1)۔ اور اس کا اطلاق ایسی تحریر پر ہوتا ہے جو محض دل بہلانے کے لیے لکھی گئی ہو، جس کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہ ہو۔ اَیِ اسْتِعْمَالُہٗ فِیْمَا یُکْتَبُ کَذِبًا یُتَلَہّٰی بِہٖ وَلِہٰذَا فَسَّرُوْہُ بِالْاَکَاذِیْبِ (مظہری) (2)۔ اسی لیے جھوٹی اور بے سروپا باتوں کو اساطیر کہتے ہیں۔

۵۳ کفار مکہ بلکہ کفار عرب کو حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر دو بنیادی اور شدید نوعیت کے اعتراض تھے۔ ایک تو یہ کہ آپ کہتے ہیں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، کہ صرف اللہ تعالیٰ معبود برحق ہے، اس کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں۔ دوسرا یہ کہ آپ کہتے ہیں کہ قیامت آئے گی اور تمہیں مرنے کے بعد زندہ کیا جائے گا۔ وہ ان دو باتوں کو ماننے کے لیے ہرگز تیار نہ تھے، ان کی عقلیں ان چیزوں کو سمجھنے اور ان پر ایمان لانے سے بالکل عاجز تھیں جس کا ذکر قرآن کریم میں متعدد بار ہوا ہے۔ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿۳۶﴾۔ (3) ''جب انہیں یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خدا نہیں ہے تو وہ تکبر کا اظہار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کیا ہم اس شاعر اور مجنون کے کہنے پر اپنے خداؤں کو چھوڑ دیں گے؟'' ہرگز نہیں۔ دوسرے مقام پر ان کے ردعمل کو یوں بیان کیا گیا ہے اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ۔ (4) ''بہت سے خداؤں کی جگہ اس نے صرف ایک خدا بنا دیا ہے، کتنی حیرت اور اچنبھے کی بات ہے۔'' آخر کار ان کا یہ ابتدائی تعجب و انکار ضد اور عناد کی انتہا کو پہنچ گیا اور انہوں نے صاف صاف کہہ دیا: مَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۳﴾۔ (5) آپ ہمیں لاکھ سمجھائیں اور دلیلیں پیش کریں ہم ہرگز اپنے خداؤں کو نہ چھوڑیں گے اور نہ ہی آپ پر ایمان لائیں گے۔

اب آپ کو ان آیات کے مطالعہ سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ ان کا اپنے بتوں کے متعلق کیا عقیدہ تھا۔ وہ انہیں الٰہ اور معبود یقین کرتے تھے اور اس میں وہ بڑے سخت اور متصلب تھے۔

اسی طرح قیامت کے ذکر سے بھی وہ برافروختہ ہو جایا کرتے تھے اور کہتے تھے ایسا ہونا ناممکن ہے بالکل ناممکن۔ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾ (6) اور اس آیت سے ذرا پہلے آپ قیامت کے متعلق ان کا نظریہ پڑھ آئے ہیں، ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 397 2۔ ایضاً 3۔ سورۃ الصافات: 35-36 4۔ سورۂ ص: 5
5۔ سورۂ ہود: 53 6۔ سورۃ المومنون: 36

لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَ

اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔آپ فرمائیے پھر کیا تم غور نہیں کرتے ۵۴ پوچھیے کون ہے مالک سات آسمانوں کا، اور کون

رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾

ہے مالک عرش عظیم کا؟ ۵۵ وہ کہیں گے (یہ سب) اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔آپ فرمائیے تم اس سے کیوں نہیں

قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ

ڈرتے ۵۶ آپ پوچھیے وہ کون ہے جس کے دستِ قدرت میں ہر چیز کی کامل ملکیت ہے اور وہ پناہ دیتا ہے (جسے چاہے)

تُرَابًا۔۔۔الخ (1)۔ چنانچہ آگے آنے والی آیتوں میں انکی انہی دو گمراہیوں کا پردہ چاک کیا گیا ہے اور ان کے انہی دو اعتراضوں کا جواب دیا جا رہا ہے۔ اور اسلوب بیان اور اندازِ استدلال اتنا دندان شکن اور مُسکت کہ بجز تسلیم و اقرار کے انہیں کوئی چارہ نہیں رہا۔ فرمایا: اے میرے رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ لوگ جو میری توحید کے مُنکر ہیں اور قیامت کو خلافِ عقل کہتے ہیں انہی سے پوچھو کہ زمین، اس میں بلند کوہسار، وسیع و عریض صحرا، یہ آبادیاں، یہ بستیاں، یہ ندیاں اور دریا، یہ کھیت اور باغات، اور اس زمین پر بسنے والی ان گنت اقسام و انواع کی بے شمار مخلوقات کا مالک کون ہے؟ بتاؤ اگر تمہیں کچھ واقفیت اور علم ہے۔ خود ہی فرمایا کہ وہ مجبور ہو کر یہی کہیں گے: ''لِلّٰهِ''، یعنی یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا ہے۔

۵۴ جب تمہیں بھی اس واضح حقیقت کو تسلیم کرنے کے بغیر کوئی چارہ نہیں تو پھر تم اس کے سوا دوسروں کو خدا اور الٰہ کیوں کہتے ہو؟ نیز جو اتنی قدرت کا مالک ہے اس کے لیے کیا مشکل ہے کہ وہ مارنے کے بعد پھر تمہیں زندہ کر دے۔ منتشر ذرّوں کو جمع کرنا واقعی مشکل ہے لیکن کس کے لیے؟ ہمارے اور تمہارے لیے، نہ اس ذاتِ اعلیٰ وارفع کے لیے جس کی قدرت کی اعجاز آفرینیوں کا قدم قدم پر تم مشاہدہ کر رہے ہو۔

۵۵ پھر فرمایا: اے حبیب! ان منکرینِ توحید اور منکرینِ قیامت سے ایک اور سوال پوچھو کہ زمین اور مافیہا کے متعلق تو تم نے تسلیم کر لیا اب یہ بتاؤ کہ سات آسمان جن کی وسعت اور بلندی کا اندازہ لگانے سے بھی تم قاصر ہو اور عرش عظیم جو ان سات آسمانوں سے بھی وسیع تر ہے اور انہیں گھیرے ہوئے ہے ان کا رب کون ہے؟ اس کا جواب بھی خود ہی فرمایا کہ وہ ناچار ہو کر کہیں گے کہ یہ سب کچھ بھی اللہ تعالیٰ کا ہے۔

۵۶ اب آپ انہیں فرمائیے کہ جب تم نے یہ تسلیم کر لیا کہ آسمانوں اور عرش کا مالک اللہ تعالیٰ ہے تو پھر اس کے بغیر اور کون ہے جو خدائی میں اس کا شریک ہو سکے؟ اور ایسے قادر و توانا کے لیے تمہیں قیامت کے روز زندہ کر کے قبروں سے اٹھانا کیا مشکل

1۔ سورۃ المومنون: 82

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾

اور پناہ نہیں دیا جا سکتی اس کی مرضی کے خلاف (بتاؤ) اگر تم کچھ علم رکھتے ہو۔ ۵۷ وہ کہیں گے یہ اللہ تعالیٰ کی ہی شان ہے۔ فرمائیے پھر کیسے تم دھوکہ میں مبتلا ہو ۵۸

ہے۔ ان کھلی صداقتوں کے انکار پر جو خطرناک نتائج مترتّب ہوتے ہیں کیا تمہیں ان کا خوف نہیں؟

۵۷ زمین و آسمان اور عرش کے متعلق تو انہوں نے تسلیم کر لیا۔ اے نبی مکرّم! اب ان سے یہ پوچھو کہ زمین و آسمان میں کوئی بڑی سے بڑی چیز جس کا تم تصوّر کر سکتے ہو ایسی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ملک میں نہ ہو اور جس پر اس کا حکم نہ چل سکے؟ وہ قادرِ مطلق تو جس کو چاہے پناہ دے، کسی کی مجال نہیں کہ اُف کر سکے، کسی میں یہ طاقت نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کسی کو پناہ دے سکے۔ اب تم کسی ایسی ہستی کی نشاندہی کرو جو اس صفت سے متصف ہو۔ اس سوال کے جواب میں بھی وہ حسبِ سابق یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ لِلّٰہ، ہر چیز اسی کی ملک ہے، اسی کے زیرِ نگیں ہے۔ کسی ہستی میں یہ قوت نہیں کہ زبردستی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کسی کو پناہ دے سکے۔ تو اب بتاؤ یہ ماننے کے باوجود کیا تمہیں یہ حق پہنچتا ہے کہ اس کے بغیر کسی کو الٰہ کہو اور اس کو خدا مانو، اس کی پوجا پاٹ کرو، یا قیامت کا انکار کرو؟

۵۸ تم پر کیسے جادو کر دیا گیا ہے کہ تم ہر چیز کو اس کی اصلیّت کے خلاف دیکھتے ہو؟ تُسْحَرُوْنَ سحر سے ہے اور جس طرح پہلے بیان ہوا کہ سحر سے کسی چیز کی حقیقت نہیں بدلتی بلکہ دیکھنے والے کو دھوکا ہوتا ہے۔ چیز ہوتی کچھ ہے اور اسے دکھائی کچھ دیتی ہے۔ یہاں ان مُشرکین سے پوچھا جا رہا ہے کہ تم پر کس نے جادو کر دیا ہے کہ بے جان اور بے اختیار بتوں کو تم نے خدائی کی مسند پر بٹھا دیا ہے، انہیں الٰہ اور معبود بناتے ہو؟ میرا نبی مکرم تمہیں اس کھلی حماقت سے باز آنے کے لیے کہتا ہے تو تم اس کی سچی بات ماننے سے انکار کر دیتے ہو۔ اور وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ (1) کی رٹ لگانا شروع کر دیتے ہو۔

امام فخر الدّین رازی تحریر فرماتے ہیں:

''اِعْلَمْ اَنَّهٗ يُمْكِنُ اَنْ يَّكُوْنَ الْمَقْصُوْدُ مِنْ هٰذِهِ الْاٰيَاتِ الرَّدُّ عَلٰى مُنْكِرِی الْاِعَادَةِ وَ اَنْ يَّكُوْنَ الْمَقْصُوْدُ عَلٰى عَبَدَةِ الْاَوْثَانِ وَذٰلِكَ لِاَنَّ الْقَوْمَ كَانُوْا مُقِرِّيْنَ بِاللّٰهِ تَعَالٰى فَقَالُوْا نَعْبُدُ الْاَصْنَامَ لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى۔ (2)

یعنی جان لو کہ ان آیات سے مقصود ان لوگوں کا رد کرنا ہے جو حیات بعد الممات کے منکر تھے۔ نیز بتوں کے پجاریوں کا رد ہے جو اللہ کا اقرار تو کرتے تھے لیکن ساتھ ہی بتوں کی عبادت بھی کیا کرتے تھے اور کہتے کہ ان کی عبادت سے ہمیں قربِ الٰہی نصیب ہوتا ہے۔

اس تشریح سے آپ پر ان لوگوں کی غلطی بھی آشکارا ہو گئی ہو گی جو اہل سنت و جماعت پر شرک کی تہمت لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس طرح مشرکینِ مکہ اپنے بتوں کے ساتھ معاملہ کرتے تھے اسی طرح یہ لوگ رسول کے ساتھ اور ولیوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ ان میں اور مشرکینِ مکہ میں کوئی فرق نہیں۔ آپ خود انصاف فرمائیے کہ یہ لوگ یہ تہمت لگانے میں کہاں تک سچے ہیں۔ کفار اپنے بتوں کو الٰہ اور خدا سمجھتے تھے اور ان کی عبادت کیا کرتے تھے۔ جس طرح متعدد آیات سے واضح ہے۔

1۔ سورۂ ہود: 53
2۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 12، جز 23، ص 17-116

اور ہم اہل سنت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو خدا اور الٰہ نہیں مانتے۔ اور تو اور ذاتِ پاک مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ہمارا عقیدہ بھی یہ ہے جس کا ہم ہر روز سینکڑوں بار اعلان بھی کرتے ہیں کہ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میرے آقا و مولیٰ جن کا نامِ نامی اسمِ گرامی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہے اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔ اور حقیت تو یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ پاک کے ساتھ ہماری یہ ساری عقیدت و محبت اور دلبستگی ہے ہی اس وجہ سے کہ اس محسنِ انسانیت نے ہمیں کفر و شرک کے اندھیروں سے نکال کر توحید کی روشنی تک پہنچایا۔ ہمیں اس بات پر یقینِ محکم ہے کہ توحید کے بغیر نجات ناممکن ہے۔ اگر عقیدۂ توحید میں ذرا خامی ہوگی تو عمر بھر کی ریاضتیں اور پرہیزگاریاں ضائع ہو جائیں گی۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خداداد کمالات کا اعتراف شرک نہیں ہے بلکہ عین توحید ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ عالیہ الوہّاب (بے انداز بخشنے والا)، المُغنی (غنی کر دینے والا) کا صحیح مفہوم سمجھ ہی اس وقت آتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی ان عنایات، انعامات اور احسانات پر غور کیا جائے جن سے اس نے اپنے محبوب بندے اور برگزیدہ رسول کو سرفراز فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ افراط و تفریط سے محفوظ رکھے اور اس غلط فہمی سے بچائے کہ توحید میں پختگی اس وقت تک پیدا نہیں ہوتی جب تک ان سارے کمالات کا انکار نہ کر دیا جائے جو اس وحدہٗ لاشریک نے اپنے مقبول بندوں کو عطا فرمائے ہیں۔

اگر کوئی صاحب یہ کہے کہ تمہارا شرک یہ ہے کہ تم بارگاہِ رسالت میں استغاثہ اور فریاد کرتے ہو تو ہم اپنے بہی خواہوں کی بہی خواہی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ عرض کریں گے کہ ہم حضور کو متصرف بالذات نہیں سمجھتے۔ یعنی ہمارا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ حضور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ نعوذ باللہ۔ ہاں ہمارا یہ ایمان ضرور ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا محبوب اپنے رب کریم کی درگاہ میں ہمارے گناہوں کی مغفرت اور ہماری مشکلات کے حل کے لیے ہاتھ اٹھائے گا تو مولیٰ کریم ہمارے گناہ بخش دے گا اور ہماری مشکلیں حل فرما دے گا۔ اس نے اپنے کلام پاک میں مغفرتِ گناہ کا یہی طریقہ بیان فرمایا ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا (سورۃ نساء: 64)۔ یعنی اگر عمر بھر اپنی جانوں پر ظلم توڑنے والے تیری خدمت میں حاضر ہو جائیں اور اپنے گناہوں کے لیے مغفرت طلب کریں، تو بھی ان کے گناہوں کی معافی کے لیے عرض کرے تو اللہ کو وہ ضرور توّاب اور رحیم پائیں گے۔ تمام علمائے ربّانیّین اور اولیائے کاملین کا یہی طریقہ رہا ہے۔ اگر دوسرے لوگوں میں انہیں شرک کی بو آتی ہے تو کم از کم حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے متعلق تو انہیں بھی یقین ہوگا کہ وہ موحّد تھے، مُشرک نہ تھے۔ انہی کے قصیدہ اطیب النغم کے چند اشعار پڑھ لیجیے، شاید آپ کے مزاج کی برہمی اور برافروختگی کی کچھ اصلاح ہو جائے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں:

اِذَا مَا اَتَتْنِی اَزْمَةٌ مُدْلَهِمَّةٌ تُحِيْطُ بِنَفْسِیْ مِنْ جَمِيْعِ الْجَوَانِبِ (1)

"جب مجھ پر مصیبت کی کالی گھٹائیں چھا جاتی ہیں اور مجھے ہر طرف سے گھیر لیتی ہیں۔"

تَطَلَّبْتُ هَلْ مِنْ نَّاصِرٍ وَّ مُسَاعِدٍ اَلُوْذُ بِهٖ مِنْ خَوْفِ سُوْءِ الْعَوَاقِبِ (2)

"اس وقت میں ڈھونڈتا ہوں کہ کوئی میرا مدد کرنے والا اور میری دستگیری کرنے والا ہے تا کہ ان مصائب

1۔ قصیدہ اطیب النغم، ص 29، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور 2۔ ایضاً ص 30

بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝۹۰ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ

ہو جاتے ہو حقیقت یہ ہے کہ ہم نے پہنچا دیا انھیں حق اور وہ یقیناً جھوٹے ہیں ۵۹ نہیں بنایا اللہ نے کسی کو اپنا بیٹا ۶۰

کے ہولناک انجام سے میں اس کی پناہ لے سکوں''۔

فَلَسْتُ اَرٰى اِلَّا الْحَبِيْبَ مُحَمَّدًا رَسُوْلَ اِلٰهِ الْخَلْقِ جَمَّ الْمَنَاقِبِ(1)

''تو مجھے مصیبت کی ہولناک گھڑیوں میں اپنے حبیب محمد مصطفیٰ ؐ کے بغیر اور کوئی نظر نہیں آتا۔ وہ میرا حبیب جو اللہ تعالیٰ کا رسول ہے اور عظیم الشان کمالات کا مالک ہے''۔

اور قصیدہ کو ختم کرنے سے پہلے عرض کرتے ہیں:

وَ اَنْتَ مُجِيْرِىْ فِىْ هُجُوْمِ مُلِمَّةٍ اِذَا اَنْشَبَتْ فِى الْقَلْبِ شَرَّ الْمَخَالِبِ(2)

''یارسول اللہ! آپ ہی مجھے پناہ دینے والے ہیں جب مصیبتیں مجھ پر ٹوٹ پڑیں اور اپنے ظالم پنجے دل میں گاڑ دیں''۔

مولانا تھانوی کی یہ مناجات تو شاید آپ کی نظر سے بھی گزری ہو۔ آپ عرض کرتے ہیں:

يَا شَفِيْعَ الْعِبَادِ خُذْ بِيَدِىْ اَنْتَ فِى الْاِضْطِرَارِ مُعْتَمَدِىْ

دستگیری کیجیے میری، نبی! کشمکش میں تم ہی ہو میرے ولی

لَيْسَ لِىْ مَلْجَاءٌ سِوَاكَ اَغِثْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ سَيِّدِىْ سَنَدِىْ (3)

جز تمہارے ہے کہاں میری پناہ فوج کلفت مجھ پر آ غالب ہوئی

عربی کے اشعار کا اردو شعروں میں ترجمہ بھی مولانا موصوف نے خود کیا ہے۔

آپ امت کے کس کس فرد کو کفر و شرک کے تیروں سے گھائل کرتے رہیں گے۔ شانِ رسالت کے انکار کا نام توحید نہیں ہے بلکہ مقام توحید پر رسائی صرف اس وقت حاصل ہوتی ہے جب شانِ حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حسب مقدور آگاہی حاصل ہو۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ ، لَكَ الْمُلْكُ وَلَكَ الْحَمْدُ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ وَّاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدِىْ وَمَوْلَاىَ وَحَبِيْبِىْ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ۔ اَللّٰهُمَّ اٰتِ سَيِّدَنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدَنِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَالدَّرَجَةَ الْعَالِيَةَ الرَّفِيْعَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا يَّغْبِطُهٗ فِيْهِ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ۔

۵۹ یہ کافر جھوٹے ہیں۔ کہتے کچھ ہیں اور ان کے دل میں کچھ ہوتا ہے۔

۶۰ جب وہ مالک الملکوت ہے تو اسے بیٹے بیٹی کی حاجت ہی کیا ہے؟

1۔ قصیدہ اطیب النغم ص 30   2۔ ایضاً ص 162   3۔ نشر الطیب، ص 194 مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور

وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَ

اور نہ ہی اُس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے ۶۱ ورنہ لے جاتا ہر خدا ہر اُس چیز کو جو اُس نے پیدا کی ہوتی اور

لَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۙ۝۹۱

غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے وہ خدا ایک دوسرے پر۔ پاک ہے اللہ تعالیٰ ان تمام (ناز یبا) باتوں سے جو وہ بیان کرتے ہیں

عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۹۲ قُلْ رَّبِّ اِمَّا

وہ جاننے والا ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر کو، پس وہ بلند ہے اُس شرک سے جو وہ کرتے ہیں۔ آپ یہ دُعا مانگیے اے میرے

تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ۝۹۳ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۹۴

پروردگار! اگر تو ضرور مجھے دکھانا چاہتا ہے وہ (عذاب) جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے تو میرے رب! (از راہ عنایت) مجھے ان

وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ۝۹۵ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ

ظالموں کے ساتھ نہ کرنا ۶۲ اور ہم اس بات پر کہ دکھا دیں تجھے وہ عذاب جس کا ہم نے اُن سے وعدہ کیا ہے قادر ہیں۔ دُور کرو اُس چیز سے جو بہت

اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ۝۹۶ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ

بہتر ہے بُرائی کو ۶۳ ہم خوب جانتے ہیں جو باتیں وہ بیان کرتے ہیں۔ اور کہیے میرے رب! میں پناہ طلب کرتا ہوں تیری

۶۱ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا اور بھی خدا ہوتے تو یہ نظام درہم برہم ہو جاتا۔ اس کی تفصیل لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (1) کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

۶۲ علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ حضورؐ جانتے تھے کہ اگر عذاب اترا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں نہیں ہوں گے۔ اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ دعا مانگنے کی تلقین اس لیے کی گئی تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اجر بڑھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر آن اپنے ربِ کریم کے ذکر سے شادکام ہوتے رہیں۔ كَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَا يَجْعَلُهُ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ اِذَا نَزَلَ بِهِمُ الْعَذَابُ وَمَعَ هٰذَا اَمَرَهُ الرَّبُّ بِهٰذَا الدُّعَاءِ وَالسُّوَالِ لِيَعْظُمَ اَجْرُهُ وَلِيَكُوْنَ فِيْ كُلِّ الْاَوْقَاتِ ذَاكِرًا لِّرَبِّهٖ تَعَالٰى۔ (2)

۶۳ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: اَدَّبَنِيْ رَبِّيْ فَاَحْسَنَ تَاْدِيْبِيْ (3)، میرے رب نے خود مجھے ادب سکھایا ہے اور ادب سکھانے میں کمال کر دیا ہے۔ یہ آیت ادبستان خداوندی کا ایک درس ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری حیاتِ طیبہ اس کی عملی تصویر

1۔ سورۃ الانبیاء: 22 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 147 3۔ کنز العمال، ج 11، ص 406، مطبوعہ التراث الاسلامی، حلب

مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿٩٧﴾ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿٩٨﴾

شیطانوں کے وسوسوں سے ۶۴ اور میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں میرے رب اس سے کہ وہ میرے پاس

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿٩٩﴾ لَعَلِّيْۤ

آئیں ۶۵ یہاں تک کہ جب آئے گی ان میں سے کسی کو موت تو وہ (بصد حسرت) کہے گا میرے مالک! مجھے (دنیا میں) واپس ۶۶

ہے۔ غلامانِ مصطفےٰ کو بھی اس ارشادِ عالی پر عمل پیرا ہو کر اپنے سچے غلام ہونے کی شہادت دینی چاہیے۔

۶۴ اپنے حبیبِ مکرم کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ہر قسم کے شیطانوں کے شر سے پناہ مانگنے کا طریقہ تعلیم فرما رہا ہے۔ هَمَزٰتِ هَمْزَةٌ کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے اَلدَّفْعُ وَالتَّحْرِيْكُ الشَّدِيْدُ (1)۔ زبردست جھٹکا۔ شیاطین کی وسوسہ اندازی اتنی شدید اور سخت ہوتی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی دستگیری شامل حال نہ ہو تو تقدّس مآبی کے عمامے برسر بازار گرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ دامنِ پارسائی کے تار تار ہونے میں ذرا دیر نہیں لگتی۔ کبھی تو یہ شیطان مومن کے دل میں تشویش اور وسوسہ پیدا کر دیتا ہے۔ اور اس کی متاعِ ایمان کو لوٹ لینے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اگر مومن اس کے اس دامِ تزویر میں نہیں پھنستا تو پھر وہ اپنے چیلے چانٹوں کو اس کے پیچھے لگا دیتا ہے۔ وہ آستینیں چڑھا کر اس کی مخالفت میں نکل آتے ہیں اور اسے طرح طرح سے دِق کرنے لگتے ہیں۔ دونوں طرح کے ہمزات سے پناہ مانگنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔

۶۵ الٰہی! وہ میرے قریب ہی نہ آنے پائیں، دور ہی رہیں تاکہ میں ان کے شر اور فتنہ انگیزی سے دور رہ کر تیری یاد اور تیرے دین کی خدمت میں منہمک رہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ انسان اپنی تمام دانشمندی اور زُہد و تقویٰ کے باوجود اس دشمن جان و ایمان سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اس کی فقط ایک ہی صورت ہے کہ مولا کریم اپنے دامنِ رحمت میں چھپا لے اور اس کے شر سے محفوظ کر لے۔

ایک آدمی نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر شکایت کی کہ مجھے رات کو نیند نہیں آتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب سونے کا ارادہ کرو تو یہ دعا پڑھ لیا کرو: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ وَبِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِهٖ وَعِقَابِهٖ وَمِنْ شَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَنْ يَّحْضُرُوْنِ (تفسیر کبیر) (2)۔ علامہ ابن کثیرؒ، امام احمدؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ اپنے سارے بالغ لڑکوں کو یہ کلمات سکھایا کرتے اور سوتے وقت پڑھنے کا حکم دیتے اور جو نابالغ بچے ہوتے ان کے گلے میں لکھ کر ڈال دیتے۔ (مسند امام احمدؒ) (3)

۶۶ کفار کی آنکھیں اس وقت کھلتی ہیں جب موت کا فرشتہ پیغامِ اجل لے کر آ جاتا ہے۔ اس وقت وہ کفِ افسوس ملتے ہیں لیکن بے حاصل۔ حضرت عبادہ بن الصامت سے مروی ہے کہ حضور نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا: مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ (4)۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملاقات کرنے کو

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج12، جز23، ص119

2۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج12، جز23، ص120۔ جامع ترمذی، ابواب الدعوات، باب ماجاء فی عقد التسبیح بالید، ج2، ص191

3۔ مسند امام احمد بن حنبل، ج2، ص181، دار صادر، بیروت
4۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب من احب لقاء اللہ، ج2، ص963

اَعۡمَلُ صَالِحًا فِيۡمَا تَرَكۡتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَمِنۡ

بھیجدے، شاید میں اچھے کام کروں اس دنیا میں دوبارہ جا کر جسے میں ایک بار چھوڑ آیا ہوں ایسا نہیں ہوسکتا۔ یہ ایک (لغو) بات ہے جو وہ

وَّرَآئِهِمۡ بَرۡزَخٌ اِلٰى يَوۡمِ يُبۡعَثُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾ فَاِذَا نُفِخَ فِى الصُّوۡرِ فَلَاۤ

کہہ رہا ہے۔ اور ان کے آگے ایک آڑ ہے اس دن تک جب وہ دوبارہ زندہ کیے جائینگے ۶۷ تو جب صور پھونکا جائے گا تو کوئی

اَنۡسَابَ بَيۡنَهُمۡ يَوۡمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوۡنَ ﴿۱۰۱﴾ فَمَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِيۡنُهٗ

رشتہ داریاں نہ رہیں گی ان کے درمیان اس روز ۶۸ اور نہ وہ ایکدوسرے کے متعلق پوچھ سکیں گے البتہ جن کے پلڑے بھاری ہونگے

پسند فرماتے ہیں اور جو اللہ کی ملاقات کو ناپسند کرے اللہ بھی اس سے ملاقات کرنا پسند نہیں فرماتے۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہم تو موت کو پسند نہیں کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ مقصد نہیں بلکہ جب مومن کو موت آتی ہے تو اسے بشارت دی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھ پر راضی ہے اور تیری عزت افزائی ہوگی۔ وہ آگے جانے کو بہت پسند کرتا ہے اور خداوند کریم بھی اس کی ملاقات کو پسند فرماتا ہے۔ اور کافر کو اس وقت عذاب کی نوید سنائی جاتی ہے۔ وہ آگے جانا ہرگز پسند نہیں کرتا، تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو پسند نہیں کرتا۔ (صحیحین)۔ علامہ ثناء اللہ پانی پتی یہ حدیث نقل کرتے ہیں اِذَا عَايَنَ الْمُؤْمِنُ الْمَلَآئِكَةَ قَالُوْا اَنُرْجِعُكَ اِلَى الدُّنْيَا فَيَقُوْلُ اِلٰى دَارِ الْهُمُوْمِ وَالْاَحْزَانِ بَلْ قُدُوْمًا اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَاَمَّا الْكَافِرُ فَيَقُوْلُ رَبِّ ارْجِعُوْنِ (1)۔ یعنی ”حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب مومن ملائکہ کو دیکھتا ہے تو ملائکہ اسے کہتے ہیں: ہم تمہیں دنیا کی طرف لوٹا دیں؟ مومن کہتا ہے: اس دنیا کی طرف جو آلام ومصائب کی دنیا ہے؟ میں ادھر نہیں جانا چاہتا، بلکہ مجھے اللہ کی طرف لے چلو۔ لیکن کافر ایسے وقت میں چلاتا ہے اور کہتا ہے کہ اے رب! مجھے دنیا میں لوٹا دے“۔

۶۷ دو چیزوں کے درمیان جو آڑ اور رکاوٹ ہو اسے برزخ کہتے ہیں (2)۔ یہاں برزخ سے مراد موت اور قیامت کا درمیانی عرصہ ہے (3)۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد قبر ہے۔ (4)

۶۸ قیامت کے دن سارے رشتے ٹوٹ جائیں گے، سارے تعلقات منقطع ہو جائیں گے، ماں بیٹوں سے اور بیٹے ماں سے بھاگ جائیں گے۔ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ﴿۳۴﴾ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ﴿۳۵﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ﴿۳۶﴾۔ (5) قیامت کے دن انسان اپنے بھائی، اپنے ماں باپ، اپنی بیوی اور اپنے بچوں سے بھاگ جائے گا۔ لیکن ایک نسبت اور ایک رشتہ داری اس روز بھی باقی رہے گی۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منبر پر یہ فرماتے سنا۔ مَا بَالُ رِجَالٍ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ رَحِمَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَا تَنْفَعُ قَوْمَهٗ بَلٰى وَاللّٰهِ اِنَّ رَحِمِيْ مَوْصُوْلَةٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاِنِّيْ اَيُّهَا النَّاسُ فَرَطٌ لَّكُمْ اِذَا جِئْتُمْ (6)، ان

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 401۔ تفسیر طبری، ج 18، ص 40 — 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 150
3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 402 — 4۔ ایضاً — 5۔ سورہ عبس: 34 تا 36 — 6۔ مسند امام احمد، ج 3، ص 18

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

تو وہی لوگ کامیاب و کامران ہوں گے۔ اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے تو وہی لوگ ہیں جنہوں نے

خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ

نقصان پہنچایا اپنے آپ کو، وہ جہنم میں ہمیشہ (جلتے) رہیں گے۔ بُری طرح جھلس دے گی انکے چہروں کو آگ

النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ

اور وہ اس میں دانت نکالے ہونگے (اب منہ کیوں بسورتے ہو؟) کیا ہماری آیتیں نہیں پڑھی جاتی تھیں تمہارے سامنے اور تم

بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿۱۰۶﴾

انھیں جھٹلایا کرتے تھے۔ (معذرت کرتے ہوئے) کہیں گے اے ہمارے رب! غالب آگئی تھی ہم پر ہماری بدبختی اور ہم گم کردہ راہ لوگ تھے

لوگوں کا کیا حال ہوگا؟ جو یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رشتہ داری حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کو نفع نہیں دے گی۔ ایسا نہیں ہوگا۔ میرا رشتہ دنیا اور آخرت میں پیوستہ ہے۔ اور اے لوگو! جب تم وہاں پہنچو گے تو میں تمہارا پیشرو ہوں گا۔ دوسری حدیث میں ہے قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاطِمَةُ بُضْعَةٌ مِّنِّيْ يُغِيْظُنِيْ مَا يُغِيْظُهَا وَيُنْشِطُنِيْ مَا يُنْشِطُهَا وَاِنَّ الْاَنْسَابَ تَنْقَطِعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَّا نَسَبِيْ وَسَبَبِيْ وَصِهْرِيْ (1)۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فاطمہؓ میری لختِ جگر ہے۔ جو چیز اسے ناراض کرتی ہے وہ مجھے ناراض کرتی ہے۔ جو چیز اسے خوش کرتی ہے وہ مجھے خوش کرتی ہے۔ ساری رشتہ داریاں قیامت کے دن منقطع ہوجائیں گی سوا میرے نسبی تعلق کے اور سسرال کے تعلق کی رشتہ داری کے۔

اِس آیت کی تشریح کرتے ہوئے علامہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ آیت میں بَيْنَهُمْ کی ضمیر کا مرجع کفار ہیں۔ کیونکہ انہی کا ذکر ہو رہا ہے۔ اہل ایمان کا یہ حال نہ ہوگا۔ مومنوں کے لیے ارشاد باری ہے اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ (سورۂ طور: 21) ہم ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ملا دیں گے (2)۔ پھر فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حدیث شریف میں ہے کہ میرے نسب کے بغیر ساری نسبیں منقطع ہوجائیں گے، اس حدیث سے تو مومنوں کی نسبتیں بھی منقطع ہونا ثابت ہوتا ہے۔ قُلْتُ نَسَبُ الْمُؤْمِنِيْنَ دَاخِلٌ فِيْ نَسَبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ فَاِنَّهٗ اَبُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهَاتُهُمْ (مظہری) (3) تو اس کے جواب میں میں یہ کہوں گا کہ مومنوں کا نسب حضورؐ کے نسب میں داخل ہے کیونکہ حضورؐ سب مومنوں کے باپ ہیں اور ان کی ازواج مومنوں کی مائیں ہیں۔

۶۹۔ اس آیت میں کفار کا حال بیان ہو رہا ہے: لَفَحَ: اَحْرَقَ جلانا۔ اَلْكَالِحُ: اَلَّذِيْ تَشَمَّرَتْ شَفَتَاهُ وَبَدَتْ اَسْنَانُهٗ (4) کالح

1۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج3، ص256
2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج6، ص402
3۔ ایضاً، ص403
4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز12، ص152

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قَالَ اخْسَــُٔوْا فِيْهَا

اے ہمارے مالک! (ایک بار) ہمیں نکال اس سے پھر اگر ہم نافرمانی کی طرف رجوع کریں تو یقیناً پھر ہم ظالم ہونگے۔ جواب ملے گا پھٹکارے ہوئے

وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ

پڑے رہو اس میں ۱۶۹ اور مت بولو میرے ساتھ۔ (تمھیں یاد ہے) ایک گروہ میرے بندوں میں سے ایسا تھا جو عرض کیا کرتا تھا اے ہمارے

اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ

رب! ہم ایمان لے آئے ہیں، سو تو بخش دے ہمیں اور رحم فرما ہم پر اور تو سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے۔ تم نے ان کا مذاق اُڑانا شروع کر دیا،

سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنِّيْ

حتیٰ کہ اس مشغلہ نے غافل کر دیا تمھیں میری یاد سے اور تم ان پر قہقہے لگایا کرتے تھے۔ میں نے بدلہ دے

جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ

دیا اُنھیں آج ۱۷۲ ان کے صبر کا (ذرا دیکھو) وُہی ہیں مُراد کو پانے والے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا (ذرا بتاؤ) کتنے

فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْــَٔلِ

سال تم زمین میں ٹھیرے رہے ؟ کہیں گے ہم ٹھیرے تھے بس ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔ آپ پوچھ

الْعَآدِّيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

لیں سال گننے والوں سے ۱۷۳ ارشاد ہوگا تم نہیں ٹھیرے مگر تھوڑا عرصہ۔ کاش! تم اس (حقیقت) کو (پہلے ہی) جان لیتے۔

اس کو کہتے ہیں جس کے ہونٹ سکڑ جائیں اور اس کے دانت باہر نکل آئیں۔

۱۷۰ کفار اس وقت اپنے جرم کا اعتراف کریں گے اور اپنی شقاوت و بدبختی کا رونا روئیں گے۔

۱۷۱ انہیں یہ ہوشربا جواب ملے گا جس سے ان کی رہی سہی امیدیں بھی ختم ہو جائیں گی۔ سارا جواب غور طلب ہے۔

۱۷۲ کل تم جن کا مذاق اڑایا کرتے تھے آج دیکھو میں ان پر کس طرح اپنی نوازشات کی بارش کر رہا ہوں۔ انسان کو ہمیشہ اور ہر لحظہ اُس روز کی کامیابی کے لیے کوشاں رہنا چاہیے۔ یہ ادھوری اور فنا پذیر کامیابیاں ایسی نہیں کہ انسان ان کے پیچھے پڑ کر

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾

کیا تم نے یہ گمان کر رکھا تھا ۱۷۴ کہ ہم نے تمہیں بے مقصد پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے۔

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾

پس بہت بلند ہے اللہ جو بادشاہِ حقیقی ہے (بے مقصد تخلیق سے) ۱۷۵ نہیں کوئی معبود بجز اس کے۔ وہ مالک ہے عزت والے عرش کا۔

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ

اور جو پوجتا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو، جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو اس کا حساب اس کے

عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ

رب کے پاس ہے۔ بلاشبہ نہیں کامیاب ہوں گے حق کا انکار کرنے والے۔ اور (اے محبوب!) آپ (یوں) عرض کرو میرے رب!

وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ ع

بخش دے (میری گنہگار امت کو) اور رحم فرما (ہم سب پر) اور تو سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے ۱۷۶

قیامت کو فراموش کر دے۔

۱۷۳ کفار سے یہ سوال قیامت کے دن پوچھا جائے گا یا انہیں دوزخ میں داخل کرنے کے وقت۔ (1)

۱۷۴ تم کتنے نادان تھے کہ اپنی قدر و منزلت کو نہ پہچان سکے اور بار بار کی یاددہانی کا تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ تم یہ سمجھتے رہے کہ حیوانوں اور جانوروں کی طرح تمہیں یوں ہی پیدا کیا گیا اور تم سے تمہارے اعمالِ نیک و بد کا کوئی محاسبہ نہ ہو گا۔ تم نے اتنا بھی نہ سوچا کہ تم مختلف اعتبار سے ان حیوانات سے ممتاز ہو۔ عقل و فہم، اختیار و ارادہ، کائنات کی تسخیر کی قوت اور ان سے ہر طرح سے فائدہ حاصل کرنے کی صلاحیت۔ تمہارے سوا یہ نعمتیں کسی اور جاندار کو نہیں دی گئیں۔ اتنے عطیات و انعامات کے باوجود تم نادان بچوں کی طرح یہی سمجھتے رہے کہ تمہاری تخلیق محض کھانے پینے اور عیش اڑانے کے لیے کی گئی ہے۔ آج اپنی اس نادانی کی سزا بھگتو۔

۱۷۵ تم اپنے محدود فہم کے باوجود کوئی عبث اور فضول کام نہیں کرتے۔ تم نے آخر یہ کیسے خیال کر لیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بے مقصد اور عبث پیدا کر دیا ہو وہ عبث کام کرنے سے بھی پاک ہے اور وہ اس سے بھی پاک ہے کہ کوئی اس کا شریک ہو یا اس کا کوئی

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 155

بیٹا بیٹی ہو جیسا تم نے سمجھ رکھا ہے۔

۱۱۷ یعنی جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیر کی عبادت کرتا ہے۔ یَعْنِیْ یَعْبُدُ غَیْرَ اللهِ (مظہری) تو وہ ایک ایسا لچر کام کر رہا ہے جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ (1)

۱۱۸ یا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو استغفار کا حکم دیا تا کہ امت اپنے نبی کی اقتداء میں استغفار کیا کرے، یا حکم ہی یہ ملا کہ اے میرے پیارے رسول! اپنی امت کے لیے مغفرت طلب کرو۔ وَقِیْلَ اَمَرَہٗ بِالْاِسْتِغْفَارِ لِاُمَّتِہٖ (2)۔ اِغْفِرْ اور اِرْحَمْ کا مفعول ذکر نہیں کیا گیا، تا کہ کسی خاص چیز کی تخصیص نہ سمجھی جائے۔ بلکہ یہ دعا اپنی جامعیت کی وجہ سے ہر چیز کو شامل ہو۔ اِغْفِرْ سے مراد یہ ہوگا کہ اے مولا کریم! میرا ہر قول اور ہر فعل جو میرے لیے اس دنیا میں یا آخرت میں مضر ہے، میرے کریم! اسے معاف فرما دے۔ اور اِرْحَمْ کا معنی یہ ہوگا کہ ہر وہ عمل جو میرے لیے یہاں بھی اور وہاں بھی مفید اور نفع مند ہو اس سے مجھے سرفراز فرما، کیونکہ تو خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ ہے۔ گناہوں کا بخش دینا بھی تیرے لیے آسان ہے اور نعمتوں کا عطا فرمانا تو تیرا شیوۂ کرم ہے۔ (3)

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج6، ص411
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز12، ص157
3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج6، ص412

نقشہ: غزوہ بنی مصطلق

تعارف سورۃ النور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس سورۂ پاک کا نام ''النور'' ہے جو اس سورت کی آیت 35 اَللّٰہُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ سے ماخوذ ہے۔ اس کی آیات کی تعداد 64 ہے۔

زمانۂ نزول: اس بات پر توسب کا اتفاق ہے کہ سانحۂ اِفک غزوۂ بنی مُصطلق کے بعد پیش آیا اور اس سورت کا نزول اس واقعہ کے بعد ہوا۔ لیکن اس میں اختلاف ہے کہ غزوۂ بنی مصطلق کس سن میں ہوا۔ نیز اس امر میں بھی اختلاف ہے کہ غزوۂ بنی مصطلق غزوۂ خندق سے پہلے ہوا یا بعد میں۔ مؤرخین کے مختلف اقوال ہیں۔ لیکن اکثریت کی رائے یہ ہے کہ غزوۂ خندق شوال 5ھ میں ہوا۔ اور غزوۂ بنی مصطلق شعبان 6ھ میں ہوا۔ اگرچہ غزوۂ خندق کے متعلق ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ 4ھ میں ہوا۔ اور ابن خلدون نے اسی کو اصح کہا ہے۔ لیکن ابن اثیر، ابن کثیر اور ابن قیم رحمہم اللہ نے شوال 5ھ میں ہی غزوۂ خندق کے واقع ہونے کو ترجیح دی ہے(1)۔ ابن خلدون، ابن اثیر اور ابن کثیر کے نزدیک غزوۂ بنی مُصطلق شعبان 6ھ میں ہوا(2)۔ ابن قیم نے اس کی تاریخ شعبان 5ھ ذکر کی ہے(3)۔ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی ایک قول نقل کیا ہے۔ لیکن اکثر مؤرخین کی وہی تحقیق ہے جو پہلے بیان کی جا چکی ہے۔ ابن خلدون نے اس اعتراض کا جواب بھی دیا ہے کہ اگر غزوۂ بنی مصطلق غزوۂ خندق کے بعد ہو تو پھر حدیث افک میں حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت سعد بن معاذ کے درمیان جو گفتگو روایات میں مذکور ہے وہ درست نہیں ہوگی۔ کیونکہ سعد بن معاذ کا انتقال غزوۂ خندق کے فوراً بعد ہو گیا تھا۔ اس شُبہ کا ازالہ ابن خلدون نے یہ کہہ کر دیا کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے گفتگو نہیں ہوئی تھی بلکہ اُسید بن حصین رضی اللہ عنہ سے گفتگو ہوئی تھی اور جن روایات میں سعد بن معاذ کا نام ہے، یہ راوی کا وہم ہے۔ وَهُوَ وَهْمٌ يَنْبَغِي التَّنْبِيهُ عَلَيْهِ اِنَّمَا الْمُقَاوِلُ لِسَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ اِنَّمَا هُوَ اُسَيْدُ بْنُ حُضَيْنٍ(4)۔

مضامین

(۱) گھر معاشرہ کی خشت اول ہے۔ گھر کے ماحول کو پاکیزہ اور مسرت بخش بنائے بغیر ایک پاکیزہ اور صحت مند معاشرہ کی

1۔ الکامل فی التاریخ از عزالدین علی بن محمد المعروف با بن اثیر متوفی 630ھ، ج2، ص178۔ السیرۃ النبویہ از ابن کثیر، ج3، ص180، دار الفکر بیروت۔ زاد المعاد فی ہدی خیر العباد از شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر المعروف با بن قیم، التوفی 751ھ، ج3، ص269، مکتبہ المنار الاسلامیہ

2۔ تاریخ علامہ ابن خلدون از عبدالرحمن بن محمد مالکی، متوفی 808ھ، ج2، ص781، دار الکتب اللبنانی۔ الکامل فی التاریخ، ج2، ص192، السیرۃ النبویہ، ج3، ص297، دار الفکر، بیروت

3۔ زاد المعاد لابن قیم، ج3، ص256، مکتبہ المنار الاسلامیہ

4۔ تاریخ از علامہ ابن خلدون، ج2، ص783، دار الکتب اللبنانی

تشکیل کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔
اسلام جس کا مقصد ہی انسان کے سر پر تاج کرامت رکھنا اور اس کے دامن کو سچی مسرتوں کے گلہائے رنگارنگ سے بھر دینا ہے، وہ معاشرہ کی اس بنیادی وحدت کو کیونکر نظر انداز کرسکتا ہے۔
ذاتی راحت و آرام، انفرادی منفعتوں اور وقتی مصلحتوں کی سنہری زنجیریں انسانی عقل وفہم کو جس آسانی سے اپنا صید زبُوں بنالیا کرتی ہیں، یہ تاریخ انسانی کا ایک خونچکاں المیہ ہے۔ ان کی قربان گاہوں پر ہی معصوم جانیں، بہار آفریں قابلیتیں اور زندگی سے بھرپور جوانیاں بڑی سردمہری اور انتہائی بے دردی سے ذبح کی جاتی رہیں۔ اس لیے گھر کو مستحکم بنیادوں پر قائم کرنے کی ذمہ داری صرف عقل کے سپرد نہیں کی جاسکتی۔ اس لیے ضروری تھا کہ قرآن کی فروزاں کی ہوئی قندیل سے ہی زندگی کے اس اہم گوشہ کو منور کیا جاتا۔ ایک اچھی چیز کی خواہش بڑی قابل تعریف بات ہے۔ لیکن جب تک اس کے حصول کے لیے ٹھوس عملی تدابیر اختیار نہ کی جائیں وہ اچھی چیز معرض وجود میں نہیں آسکتی۔ اسلام اپنے ماننے والوں کے گھروں کو پُر بہار اور مسرت بخش دیکھنا چاہتا ہے۔ اُس لیے اس نے ارشادات وہدایات کے ساتھ اوامر ونواہی کا ایک ایسا مربوط نظام پیش فرمایا جس کی بدولت یہ مقصد اپنی جملہ زیبائیوں اور برکتوں کے ساتھ ظہور پذیر ہوسکتا ہے۔ یہ سورت جو انسان کی خانگی زندگی کے متعلق واضح ہدایات اور احکامات پر مشتمل ہے۔ اس کا نام اللہ تعالیٰ نے النُّوْر پسند فرمایا جو اس بات کی طرف رہنمائی کر رہا ہے کہ جس معاشرہ میں یہ نظام پوری طرح نافذ کیا جائے گا وہاں کا ہر گھر سچی مسرتوں کے انوار سے جگمگا رہا ہوگا۔
اس یمن وبرکت والی سورت کا اکثر حصہ خانگی زندگی کے متعلق واضح ہدایات اور احکام پر مشتمل ہے۔ اس میں ہر مومن مرد اور مومن عورت کو اس بات کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے کہ وہ خود اپنے دامن عصمت کو ہر آلودگی سے پاک وصاف رکھیں، اور اس کا طریقہ یہ بتایا کہ ہر مومن مرد اور مومن عورت اپنی نگاہیں نیچی رکھے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ آنکھوں میں جب تک شرم وحیا ہوتی ہے انسان کے دل کی دنیا فاسد خیالات اور ناپاک نظریات کی یورش سے محفوظ رہتی ہے، جذبات میں سکون واعتدال پایا جاتا ہے۔ کسی کی آبرو کی طرف ہاتھ بڑھانا تو کجا آنکھ اُٹھانے کی سکت بھی پیدا نہیں ہوتی۔ لیکن جب آنکھیں نورِ حیا سے محروم ہوجاتی ہیں، جب شرم کا پردہ چاک ہوجاتا ہے تو پھر پُرسکون جذبات میں ایک آگ سی لگ جاتی ہے، خبیث خیالات کا ایک سیلاب اُمنڈ کر آجاتا ہے جو بڑے بڑے انسانوں کو تنکوں کی طرح بہا کر لے جاتا ہے۔ حتیٰ کہ انہیں اپنے ظاہری تقدس کی پرواہ بھی نہیں رہتی۔
بے حیا شخص صرف دوسروں کو ہی اپنے تیر ہوس کا نشانہ نہیں بناتا بلکہ وہ اپنے گھر کی فصیل میں خود شگاف ڈال کر لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ بھی آکر اس کی آبرو کو خاک میں ملائیں۔

۲۔ پردہ: پردہ کے ابتدائی احکام سورۃ الاحزاب میں مذکور ہیں۔ یہاں اسلامی پردہ کے قواعد وضوابط کو پوری شرح وبسط سے ذکر فرمادیا گیا تاکہ گوہر عصمت کی آب وتاب کو ماند کرنے کی کوئی کوشش اسلامی معاشرہ میں پروان نہ چڑھ سکے۔ اس کی

تفصیل متعلقہ آیات کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں۔

۳۔ حدِ زنا: یہ مسئلہ اتنا اہم اور نازک ہے کہ صرف ہدایات وارشادات پر اکتفا نہیں کیا جاسکتا بلکہ جو بے حیا حدِ اعتدال سے تجاوز کرے گا اس کے لیے عبرتناک سزا کا قانون نافذ کیا کہ اس نابکار کو برسرِعام کوڑے لگائے جائیں اور شادی شُدہ زانی کے لیے سُنّت نبوی میں سنگسار کرنے کی سزا تجویز ہوئی۔قتل کی سزا قصاص ہے لیکن اگر مقتول کے وارث چاہیں تو وہ دیت لے کر قاتل کو موت سے بچاسکتے ہیں۔قرآن کی نظر میں زنا کا جرم اتنا سنگین ہے کہ اس میں نہ تو فریقین صلح کر سکتے ہیں اور نہ معاف کرسکتے ہیں بلکہ مجرموں کو سزا دی جائے گی اور برسرِعام دی جائے گی تاکہ ساری دنیا کو معلوم ہو جائے کہ قرآن عصمت وناموس کو انسانی زندگی سے بھی زیادہ اہمیت دیتا ہے۔جو شخص کسی کی عصمت پر حملہ آور ہوگا وہ خداوندِ عالم کا مجرم ہے اور خلافت الٰہیہ کے سربراہ پر لازم ہے کہ وہ اس مجرم کو سزا دے اور اس میں کسی شفقت اور نرمی کو روا نہ رکھے۔
اسی مقصد کے لیے یہ حکم بھی دیا کہ اسلامی معاشرہ میں جو غیر شادی شدہ مرد اور غیر شادی شدہ عورتیں ہیں، ان کی شادی کا اہتمام کیا جائے۔کیونکہ اگر ایسے لوگ کسی سوسائٹی میں کافی تعداد میں پائے جائیں گے تو ان کا وجود ہر وقت اخلاقی نظام کے لیے ایک خطرہ ہوگا۔کسی وقت بھی ضبط واحتیاط کا بند ٹوٹ سکتا ہے۔رُکے ہوئے جذبات جب بے قابو ہوں گے تو کوئی پند ونصیحت کام نہیں آئے گی۔اس لیے اسلامی معاشرہ میں ایسے عنصر کی حوصلہ افزائی نہیں کی گئی جو کسی وقت بھی بلائے بے درماں ثابت ہوسکے۔

۴۔ اس کے علاوہ اسلام نے گھر کی چاردیواری کا بڑا احترام ملحوظ رکھا ہے۔گھر میں بسنے والوں کے راحت وآرام کو بڑی اہمیت دی ہے۔بغیر اطلاع دیئے اور اجازت حاصل کیے کسی کے گھر کے اندر قدم رکھنا بلکہ اندر جھانکنا بھی ممنوع قرار دے دیا گیا ہے اور کسی کے ہاں جانے کے پورے پورے آداب سکھلائے گئے ہیں تاکہ ہر شخص اپنے گھر میں آرام کرسکے اور اپنے پروگرام کے مطابق کام کرسکے۔
مسلمانوں کو یہ بھی ہدایت فرمائی کہ صاحب خانہ تمہیں اجازت نہ دے تو غصہ سے لال پیلے نہ ہو جاؤ اور اس شخص پر برسنا شروع نہ کردو بلکہ بڑی کشادہ دلی سے اس کی معذوری کو تسلیم کرو اور خوشی خوشی واپس چلے جاؤ۔

۵۔ اس سورت میں عہدِ رسالت کے ایک انتہائی المناک اور روح فرسا المیہ کا ذکر بھی کیا گیا ہے جو تاریخ میں واقعہءِ اِفک کے نام سے مشہور ہے۔اسلام کے دشمن اسلام کی روز افزوں ترقی اور شاندار فتوحات اور کامیابیاں دیکھ دیکھ کر آتش زیرپا ہو رہے تھے۔کُھل کر مقابلہ کرنے کی ہمّت سلب ہو چکی تھی ان کی باطنی خباثت ہر روز نئے فتنے جگا کر مسلمانوں کو پریشان کرتی رہتی تھی۔ان کے سرغنہ عبداللہ بن اُبی نے اب ایسی چال چلی جس نے قیامت برپا کردی۔اسلامی معاشرہ کا عضو عضو درد سے چیخ اٹھا۔ساری فضا میں شکوک وشُبہات کا ایک اندھیرا چھا گیا۔ان ظالموں نے اس پاک ہستی کو اپنی بُہتان تراشی کا ہدف بنایا جس کا براہِ راست تعلق پیغمبر اسلام سرورِ عالم، رحمت عالمیاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے تھا، جس کی گردِ راہ بھی رہروانِ جادۂ ہدایت کے لیے نور افشاں تھی۔اللہ تعالیٰ نے خانوادۂ رسالت کی عصمت وطہارت کی شہادت اپنی

زبان قدرت سے دی اور اس سورۂ پاک میں وہ آیتیں نازل فرمائیں جن سے یہ فتنہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا اور منافقین کو یقین ہو گیا کہ ان کا کوئی منصوبہ اور ان کی کوئی سازش اسلام کے شجرۂ طیبہ کو اب اکھیڑ نہیں سکتی۔ اس واقعہ کی تفصیل بھی متعلقہ آیات کے ضمن میں بیان کی گئی ہے۔

۶۔ آیت 35، اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الآیۃ) جس سے اس سورت کا نام ماخوذ ہے وہ اپنی معنویت اور جلالت شان کے باعث بڑی اہمیت کی حامل ہے اور آپ کی خصوصی توجہ اور مطالعہ کی مستحق ہے۔

۷۔ آخر میں اس وعدہ کا ذکر فرمایا گیا جو عرش و فرش کے پروردگار نے ہر اس قوم سے کیا ہے جو اس ضابطۂ حیات کو اپنائے اور ایک ایسا معاشرہ تشکیل کرے جس کا تفصیلی خاکہ یہاں پیش کیا گیا ہے۔ اور تاریخ عالم گواہ ہے کہ جب غلامان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نظام کو اپنایا تو اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ پورا فرمایا۔ وعدہ خداوندی آج بھی جوں کا توں موجود ہے۔ اگر ہم آج بھی صدق دل اور حسن نیت سے اس کو پورا کریں گے جس طرح ہمارے اسلاف نے اسے پورا کیا تھا تو خداوند قدوس بھی اپنا وعدہ یقیناً پورا فرمائے گا۔ اُس کا تو صاف صاف اعلان ہے: اَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ (1) تم نے جو میرے ساتھ وعدہ کیا ہے تم اس کو پورا کرو، جو میں نے تمہارے ساتھ وعدہ کیا ہے وہ میں پورا کروں گا۔

اس مختصر تعارف میں اتنی گنجائش نہیں کہ سورت کے تمام مضامین کو اشارۃً بھی ذکر کیا جا سکے۔ چند اہم مطالب پیش خدمت ہیں۔ اگر قاری کے دل میں ذوق و شوق ہے تو آگے بڑھے اور نور الٰہی کے اس بحر بیکراں سے اپنے دل کے جام بھر لے۔

1۔ سورۃ البقرہ: 40

سُوْرَةُ النُّوْرِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ اَرْبَعٌ وَّسِتُّوْنَ اٰيَةً وَتِسْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ النور مدنی ہے اس کی ۶۴ آیات اور ۹ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ

یہ (ایک عظیم الشان) سورۃ ہے جو ہم نے نازل فرمائی ہے ۱ اور ہم نے فرض کیا ہے اس (کے احکام) کو اور ہم نے اتاری ہیں اس میں روشن

تَذَكَّرُوْنَ ۝۱ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ

آیتیں تاکہ تم نصیحت قبول کرو ۲ جو عورت بدکار ہو اور جو مرد بدکار ہو تو لگاؤ ہر ایک کو ان دونوں میں سے سو (سو) دُرّے ۳

۱ اس سورت کا آغاز جس جلال اور تمکنت سے کیا جا رہا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ سورت اپنے مضامین اور مطالب کے لحاظ سے بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ آیت کے ہر لفظ سے اللہ تعالیٰ کی جلالت شان اور کبریائی نمایاں ہو رہی ہے۔ اس کے پڑھنے اور سننے سے دل و دماغ پر ایک ہیبت طاری ہو جاتی ہے۔ آپ اس کے ترجمہ پر ہی غور کریں۔ ارشاد ہے: یہ ایسی سورت ہے جسے ہم نے اُتارا ہے۔ متکلم اور پھر جمع متکلم کے صیغہ میں جو دبدبہ اور عظمت ہے اس کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ پھر ارشاد ہے وَفَرَضْنٰهَا، یعنی ہم نے اس میں مذکورہ احکام کی بجا آوری فرض کر دی ہے۔ یہ نہیں کہ جس کا جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے نہ مانے۔ یہ مشورہ نہیں بلکہ حکم ہے اور حکم بھی احکم الحاکمین کا، رب العالمین کا۔ نیز یہ حکم سب کے لیے ہے۔ پھر فرمایا کہ ہم نے ان احکام کو کھول کر بیان کر دیا ہے۔ ان میں کسی قسم کا ابہام اور التباس نہیں کہ عمل کرنے میں دِقّت ہو۔

۲ آیت کے آخر میں ان احکام کے نازل کرنے کی حکمت بیان فرما دی کہ اس میں سراسر تمہارا بھلا ہے۔ تم راہ راست پر گامزن ہو کر اپنی منزل کو پا لو گے۔

۳ شریعت اسلامیہ کے تعزیری قوانین میں سے ایک اہم قانون کا ذکر ہو رہا ہے۔ انسان کی جان، مال، ناموس کی حفاظت اسلامی قوانین کا مقصد اوّلین ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کی جان کو تلف کرتا ہے تو قاتل سے قصاص لیا جائے گا۔ اگر کسی کے مال پر دست اندازی کرتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ اور اگر کوئی شخص کسی کی عزت و ناموس کو داغدار کرتا ہے تو اس کو دروں اور رجم کی سزا دی جائے گی۔ اسلام نے جو سزائیں مقرر کی ہیں ان میں دو باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ مجرم کو اس کے کیے کی سزا دی جائے۔ دوسری یہ کہ وہ لوگ جن میں جرائم کے ارتکاب کا میلان پایا جاتا ہے وہ اس خوفناک سزا سے ڈر کر جرائم کا

ارتکاب نہ کریں اور چاہیے بھی ایسا۔ اگر کسی سزا میں یہ دو عنصر مفقود ہیں تو اسے سزا کہنا ہی غلط ہے۔ گُناہ کے ارتکاب سے جو لذت اور فائدہ حاصل ہوتا ہے اس کے مقابلے میں اگر سزا ہلکی ہوگی تو لوگ اس سزا کو خاطر میں نہیں لائیں گے اور حصول لذت کے لیے وہ جرم کا ارتکاب کرتے رہیں گے۔ اور اگر سزا میں دوسروں کے لیے عبرت کا پہلو نہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ چاہتے ہی نہیں کہ اس جرم کا سد باب ہو اور کوئی اس کے نزدیک بھی نہ پھٹکے۔ آپ صرف ضابطے کی کارروائی پوری کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کو اس سے سروکار نہیں کہ اس کا نتیجہ کیا نکلا۔ یہ تو ایک بچوں کا کھیل ہوا۔ اس کے پیش نظر معاشرہ کو گناہوں سے پاک کرنا اور ان کے خطرناک نتائج سے محفوظ رکھنا نہ ہوا۔

اسلام یہ چاہتا ہے کہ جس ملک میں اس کا پرچم لہرا رہا ہے وہاں امن ہو، سکون ہو، محبت ہو، پیار ہو۔ تاکہ وہاں کے بسنے والے اپنی صلاحیتوں کو نیکی اور اصلاحی سرگرمیوں میں خرچ کر سکیں، تعمیری کاموں کے لیے ان کے پاس وقت کی قلت نہ ہو۔ عداوت، حسد، منافرت کے شعلے ان کے خرمن عافیت کو جلا کر خاکستر نہ کرتے رہیں اس لیے اس نے انسداد جرائم کی اُدھوری اور غیر موثر کوشش نہیں کی بلکہ ایک جامع منصوبہ بنایا ہے جس پر عمل کرنے سے سوسائٹی ان جرائم سے محفوظ رہ سکتی ہے۔ سب سے پہلے اس نے اپنے ماننے والوں کے دلوں میں خداوند ذوالجلال پر ایمان اور روز محشر کے محاسبہ کا خوف پیدا کیا اور یہ حقیقت ان کے سامنے واضح کر دی کہ جس خدا کو تم اپنا معبود سمجھتے ہو، جو تمہارا اور سارے عالم کا خالق و مالک ہے اس نے ان اعمال کو جرم قرار دیا ہے۔ اگر تم ان کا ارتکاب کرو گے تو اس کے مجرم ہوگے اور وہ ہمہ دان اور ہمہ بین بھی ہے، تم اس سے اپنا کوئی عمل چُھپا نہیں سکتے۔ تصنع اور بناوٹ کے رنگین غلافوں میں لپیٹنے کی کوئی کوشش وہاں کامیاب نہیں ہوسکتی، تم اپنے حسن نیت یا مجبوری کو کتنے مؤثر پیرایہ میں بیان کرو تم اسے فریب نہیں دے سکتے۔ وہ تمہارے اعمال، ان اعمال کے محرکات اور عوامل سے خوب آگاہ ہے اور قیامت کے دن تم اپنے ان اعمال کی جواب دہی کے لیے اس کی بارگاہ میں ضرور پیش کیے جاؤ گے۔

اسلام دین فطرت ہے۔ اس کا نظام شریعت ایسا نہیں جو انسان کے فطری تقاضوں سے ہر وقت برسر پیکار ہو۔ اللہ تعالیٰ ان فطری تقاضوں کا خالق ہے اور ان تقاضوں کی تخلیق میں بڑی بڑی حکمتیں ہیں اس لیے اس نے ان کی تکمیل کے تمام جائز، مناسب اور خوبصورت طریقوں کو جائز قرار دیا ہے۔ فطری تقاضوں کی تکمیل کے جائز طریقوں کے ہوتے ہوئے جو شخص غلط راستہ اختیار کرتا ہے اسے وہ سزا دیتا ہے اور سزا بھی ایسی جس سے اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس جرم کا ارتکاب کر کے اس نے اپنے ساتھ سراسر زیادتی کی ہے بلکہ دیکھنے اور سننے والوں کو بھی ایسی عبرت ہوتی ہے کہ وہ اس کے ارتکاب کی جسارت شاذو نادر ہی کیا کرتے ہیں۔

وہ متعدد اعمال جن کے ارتکاب کو اسلام نے جرم قرار دیا ہے ان میں زِنا بھی ہے۔ قرآن کریم نے ایک دوسری آیت میں اس کی ممانعت کی حکمت بڑے بلیغ انداز میں صرف دو لفظوں میں بیان کر دی۔ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَ سَآءَ سَبِیْلًا ﴿۳۲﴾ (1) "یعنی زنا کے قریب بھی نہ جاؤ، یہ بڑی بے حیائی ہے اور یہ راستہ بہت بُرا ہے"۔ یعنی تمہیں اس فعل بد سے ہم اس لیے نہیں روک رہے کہ تم لطف نہ اُٹھاؤ، تمہاری زندگی کا دامن مسرتوں سے خالی رہے بلکہ اس میں سراسر تمہارا ہی فائدہ ہے یہ فعل مجسم بے حیائی ہے۔ اگر تم اس کا ارتکاب کرو گے تو شرم وحیا کی قوت جو تمہیں ہر برے کام سے، ہر رذیل حرکت سے، ہر خلاف

1۔ سورۂ بنی اسرائیل: 32

مروّت اقدام سے روکتی ہے۔ بلکہ گناہوں اور بدکاریوں کے سیلاب کے سامنے سد سکندری بن کر کھڑی ہو جاتی ہے وہ کمزور پڑ جائے گی۔ وہ بیمار ہو جائے گی حتیٰ کہ وہ دم توڑ دے گی۔ اور جب یہ قوت فنا ہو جائے گی تو غیرت وحمیت کا جنازہ نکل جائے گا۔ پھر اگر کوئی یہ فعل شنیع جس کے تصور سے ہی تم کانپ اٹھتے ہو تمہاری بیوی بہن بلکہ بیٹی کے ساتھ بھی کرے گا تو تم اسے کوئی اہمیت نہ دو گے۔ یورپ، امریکہ اور ان سے متاثر ہونے والے ملکوں میں کیا ہو رہا ہے، رقص گاہوں میں لوگ اپنی آنکھوں سے اپنی بہو بیٹیوں کو دوسروں کے آغوش میں دیکھتے ہیں اور ٹس سے مس نہیں ہوتے بلکہ وہ دَیوث فخر سے اِترا رہے ہوتے ہیں اور داد دے رہے ہوتے ہیں۔

ممکن ہے کسی مسخ شدہ ذہن والے آدمی کے نزدیک اخلاق عالیہ کی یہ گراں بہا قدریں کوئی اہمیت نہ رکھتی ہوں وہ محض انہیں قدامت پرستی اور رجعت پسندی کی علامت قرار دیتا ہو لیکن سَآءَ سَبِیۡلًا (یعنی بہت برا راستہ) فرما کر ایسے کند ذہن کو بھی حقائق کی تلخیوں، حالات کی بے رحمیوں اور واقعات کی سنگینیوں کے رُوبرو کھڑا کر دیا ہے یعنی یہ راستہ ہی بہت برا راستہ ہے۔ چند لمحوں کی فانی اور جھوٹی مسرت کے لیے انسان اپنی صحت کو کن خطرات سے دوچار کر دیتا ہے۔ آتشک، سوزاک وغیرہ موذی امراض کس کا کرشمہ ہیں۔ یہ تحائف کون دیتا ہے اور کسے دیتا ہے۔ وہ عورت جو مرد کی شہوت رانی کا شکار ہوتی ہے اسے اگر حمل ٹھہر گیا تو وہ کہاں سر چھپائے گی۔ حمل گرانے کی صورت میں وہ اپنی جان بھی کھو سکتی ہے۔ ہم نے مانا کہ یورپ کے ترقی یافتہ ممالک میں ایسے ہسپتال اور کلینک موجود ہیں جو اسقاط حمل کی خدمت انجام دیتے ہیں اور ایسی پناہ گاہیں بھی موجود ہیں جہاں غیر شادی شدہ ماؤں کو پناہ مل جاتی ہے لیکن کیا سوسائٹی میں انہیں کوئی قابل احترام مقام نصیب ہو سکتا ہے؟ ہم نے مانا کہ ان دونوں نے اپنے کیے کی سزا پائی لیکن وہ بچے جو اس طرح پیدا ہوتے ہیں ان کا کیا قصور؟ اس ہوس کار باپ نے بھی ان سے آنکھیں پھیر لیں۔ ماں بھی اسے کسی محتاج خانے میں چھوڑ کر چلی گئی۔ نہ ان کو ماں کا آغوش محبت نصیب ہوا نہ باپ کا ظل عاطفت۔ یہ محرومیاں ان کو ورثہ میں کیوں ملیں۔ یہ سزا انہیں کس گناہ کی مل رہی ہے، کیا ان بچوں کے اذہان متاثر نہیں ہوتے؟

چند ماہ ہوئے امریکہ کی ایک خاتون کوریا گئی وہاں اس نے بے شمار ایسے معصوم بچے دیکھے جن کی مائیں تو کوریا کی تھیں لیکن ان کے باپ امریکہ کے وہ سپاہی تھے جو کوریا کی جنگ میں اہل کوریا کی مدد کے لیے تشریف لائے تھے۔ وہ کوریا والوں کو کمیونسٹوں کی غلامی سے چھڑانے آئے تھے وہ انہیں جمہوریت کی بالادستی کا سبق ازبر کرانے آئے تھے۔ وہ سبق تو انہیں ازبر ہوا یا نہیں البتہ یہ ضرور ہوا کہ ہزاروں بلکہ لاکھوں کورین دوشیزائیں ان کے ڈالروں کی جھنکار سے مسحور ہو کر یا جنگ کی لائی ہوئی محرومیوں اور فاقوں سے مجبور ہو کر اپنی عصمت کی دولت لٹا بیٹھیں اور ان کے مہربان امریکی حلیف انہیں حرامی بچوں کا ایک لشکر جرار دے گئے۔ خود تو وہ اپنے وطن واپس چلے گئے اور وہ معصوم بچے اپنے ظالم، جفا کار اور طوطا چشم باپوں اور غربت زدہ ماؤں کی مفارقت کے صدمے برداشت کرنے کے لیے کوریا میں رہ گئے اور وہ اب تک وہاں کے گلی کوچوں میں دھکے کھا رہے ہیں، ان کا کوئی پُرسان حال نہیں۔ امریکہ کی اس خاتون نے جب یہ حال دیکھا تو رحم کی ایک رَو نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور اس نے امریکہ کے اخبارات میں ایک اپیل شائع کی کہ ان بچوں کی سرپرستی کے لیے امریکہ کے دولت مند چندہ دیں۔ لاکھوں ڈالر چندہ ہوا۔ اخبارات میں امریکہ

کی غریب پروری اور انسانیت نوازی کی تشہیر ہوئی اور خوب تشہیر ہوئی۔ لیکن ذرا سوچیے! ان لاکھوں بچوں میں سے اگر ہزار دو ہزار بچے کفالت میں لے بھی لیے گئے تو کیا یہ مسئلہ حل ہو گیا؟ باقی رہ جانے والے بچوں کے دکھ کا مداوا اور درد کا درماں ہو گیا؟ ان کفالت میں لیے جانے والے بچوں کو ماں کا پیار اور باپ کی محبت بھی مل گئی؟ وہ محترمہ اس ہنگامہ آرائی کے بجائے اگر اپنے سپوتوں کو شرم و حیا کا درس دیتی اور اس فعل شنیع سے باز آنے کی تلقین کرتی تو کیا یہ اچھا نہ ہوتا۔ آگ لگا کر اسے بجھانے کی ناکام کوشش سے کیا یہ بہتر نہیں کہ آگ لگانے کی حماقت ہی نہ کی جائے۔ سَآءَ سَبِيْلًا کے الفاظ کتنے جامع ہیں۔ آپ ان افراد، ان خاندانوں اور قوموں کا جتنی گہری نظر سے تجزیہ کریں گے آپ کے سامنے ہولناک حقائق بے نقاب ہوتے چلے جائیں گے۔ آپ بڑے فراخ دل، مغربیت زدہ اور جدت پسند ہونے کے باوجود کانپ جائیں گے، لرز جائیں گے۔

دوسری جنگ عظیم میں امریکہ کے سپاہی اپنے دوست ملک برطانیہ کی مدد کے لیے تشریف لائے تھے وہ چند سال برطانیہ میں ٹھہرے اور جب گئے تو سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ستر ہزار (70,000) حرامی بچے چھوڑ کر گئے۔ اس کے علاوہ جو جنسی لاعلاج بیماریاں انہوں نے ایک دوسرے کو بطور تحفہ دی ہوں گی ان کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔

یہ درست ہے کہ آپ اپنے قانون ساز اداروں کے ذریعہ ایک فعل کو جرائم کی فہرست سے نکال سکتے ہیں۔ اگر آج تک وہ حرام اور ممنوع رہا ہے تو آپ ایک بل پاس کر کے اسے جائز قرار دے سکتے ہیں لیکن کیا کسی قانون ساز ادارہ میں یہ طاقت ہے کہ ان جرائم کو جنہیں اب قانون کی سند مل گئی ہے ان کے برے نتائج اور عواقب سے الگ کر سکے۔ مغرب کے بیشتر ممالک میں اگر کوئی غیر شادی شدہ مرد یا عورت اپنی مرضی سے اس فعل شنیع کا ارتکاب کرے تو وہاں کے ملکی قانون کی رُو سے یہ جرم نہیں۔ آپ انہیں کوئی سزا نہیں دیں گے لیکن کیا قدرت کی گرفت سے بھی کوئی انہیں بچا سکتا ہے؟ قدرت کی گرفت کے مختلف انداز ہیں جن میں سے بعض کا ذکر اوپر ہوا۔ کیا قدرت کا بے لاگ قانون انہیں مختلف قسم کے شکنجوں میں کس نہیں رہا؟ یورپ کے بعض ملکوں میں حرامی بچوں کی شرح پیدائش ساٹھ فی صد سے بھی متجاوز ہو گئی ہے اور کنواری ماؤں میں ہوشربا اضافہ ہو رہا ہے۔ طلاقوں کی کثرت ہے، گھروں میں سکون کی دولت نہیں ملتی۔ میاں بیوی میں اعتماد مفقود ہے، میاں بیوی میں وہ سچی محبت جس کے ہم یہاں خوگر ہیں، جس کی وجہ سے میاں بیوی ایک دوسرے کے لیے قربانی اور ایثار کی حیران کن مثالیں قائم کرتے ہیں اس کا وہاں نام و نشان تک نہیں۔ برداشت اور ایثار کا جذبہ ختم ہو چکا ہے۔ کوئی بات کسی کی مرضی کے خلاف ہو گئی جھٹ طلاق حاصل کر لی۔ خود غور فرمایئے! گھر معاشرہ کی خشت اول ہے۔ یہ وہ محکم اساس ہے جس پر معاشرہ کا محل تعمیر کیا جا سکتا ہے۔ اگر یہ بنیاد ہی کمزور ہو گی تو صحت مند معاشرہ کیسے تعمیر ہو گا؟

اس لیے جب آپ شریعتِ اسلامی کا مطالعہ فرمائیں تو از راہ خدا بھڑکے ہوئے جذبات کی رو میں بہتے ہوئے مرعوبیت کے احساس کے زیر اثر ہو کر نہ کیا کریں بلکہ ان تمام چیزوں سے بلند ہو کر کیا کریں۔ بے شک آپ جذبۂ عقیدت کو بالائے طاق رکھ دیں لیکن حقیقت کا دامن تو کسی کے کہنے یا بہلانے سے نہ چھوڑ دیا کریں۔ اسلام دین فطرت ہے، اس کی حقیقت پسندی جب آپ کے سامنے عیاں ہو گی تو اس کا حسن خود ہی آپ کو مسحور کر لے گا۔

اسلام نے جن چیزوں کے بجالانے کا حکم دیا ہے ان میں ہمارا، ہماری قوم کا بلکہ ساری انسانیت کا بھلا ہے اور جن چیزوں سے روکا ہے اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ اس میں ہمارا، ہماری قوم کا اور ساری انسانیت کا نقصان ہے۔ کیونکہ یہ دین ابد تک کے لیے ہے اس لیے کوئی ایسا وقت نہیں آسکتا کہ اس کی حرام کی ہوئی چیزیں حلال ہو جائیں یا ان پر مرتب ہونے والے نقصانات ختم ہو جائیں۔

یورپ کے کئی ممالک میں شراب پینا اور جُوا کھیلنا قانوناً جائز ہے۔ اس کی یہ وجہ نہیں کہ وہاں شراب پینے اور جوا کھیلنے سے وہ مضرتیں رونپذیر نہیں ہوتیں جن کے باعث شراب وقمار کو ممنوع قرار دیا گیا تھا بلکہ اس کی وجہ محض یہ ہے کہ ان کے ذریعہ سے حکومت کو بہت بڑی آمدنی ہوتی ہے۔ اور اگر ان چیزوں کو ممنوع قرار دیا جائے تو حکومت اس آمدنی سے محروم ہو جائے گی۔

جب جرائم اور قبائح کے متعلق اسلام کا نقطۂ نظر ہی الگ ہے تو ان کے انسداد کے لیے اسلام کا طریقۂ کار اگر دیگر اقوام سے الگ ہو تو اس میں قطعاً کوئی حیرت نہیں۔ مجرم کے ساتھ ایسی مہربانی اور شفقت جو دوسرے بے شمار لوگوں کو جرم کے ارتکاب پر جری کر دے اس سے وہ سختی بہتر ہے جو مجرم سے وہ ہمّت چھین لے کہ وہ دوبارہ اس کا ارتکاب کر سکے۔ اور دوسرے لوگوں کے دلوں میں ایسی دہشت اور خوف پیدا کر دے کہ کسی کے دل میں اس جرم کے ارتکاب کا خیال ہی پیدا نہ ہو۔

زنا کا فعل قبیح چونکہ گوناگوں ایسی ہی لازمی اور متعدی خرابیوں کا سرچشمہ تھا۔ اس لیے اسلام نے بڑی سختی سے منع فرمایا۔ اگرچہ قانون اسلام کو معطّل ہوئے عرصۂ دراز گزر چکا ہے۔ شرم وحیا کی اس چادر کو تار تار کرنے کی بڑی منظم کوششیں بھی شروع ہیں۔ لیکن اپنے ماننے والوں کے دلوں میں اسلام نے جو نفرت اس سے پیدا کر دی ہے اس کے باعث اس فعل شنیع کا ارتکاب نسبتاً بہت ہی کم ہے چند مسخ شدہ گھروں کے علاوہ سارے ملک میں عصمت وعفت کا مقام بہت ہی بلند ہے۔

یہ عرض کرنے کے بعد اب بدکار عورت اور بدکار مرد کے لیے اسلام نے جو سزا تجویز کی ہے اس کو مختصراً پیش کرتا ہوں۔ انہیں آپ ابتدائی معلومات ہی خیال فرمائیں۔ تفصیلات کے لیے کتب فقہ کی طرف رجوع کریں۔ یہاں اتنی گنجائش نہیں کہ اس مسئلہ کے جملہ پہلوؤں کو بالتفصیل پیش کیا جا سکے۔

زانی مرد اور زانیہ عورت کو شریعت نے دو قسموں میں تقسیم کیا ہے اور اسی تقسیم کے پیش نظر ان کی سزاؤں میں تفاوت ہے۔

۱۔ غیر شادی شدہ مرد اور غیر شادی شدہ عورت۔

۲۔ شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت۔

زمانہ جاہلیت میں دیگر قباحتوں کے ساتھ ساتھ زنا کا رواج بھی عام تھا اور اس کا ارتکاب بے دھڑک کیا جاتا تھا۔ پیشہ ور عورتیں بڑے ٹھاٹھ سے اپنی دکانیں سجاتی تھیں، اونچے اونچے جھنڈے ان کے مکانوں پر لہرایا کرتے تھے۔ انہیں اور ان کے پاس آنے والوں کو قطعاً حجاب معلوم نہ ہوتا تھا۔ کَانَ فِیْ ذٰلِكَ الزَّمَانِ زِنَی النِّسَاءِ فَاشٍ وَ كَانَ لِاِمَاءِ الْعَرَبِ وَ بَغَايَا الْوَقْتِ رَايَاتٌ وَ كُنَّ مُجَاهِرَاتٍ بِذٰلِكَ (قرطبی)(1)

اسلام جو انسان کو رذالت و کمینگی کی ان پستیوں سے نکالنے کے لیے آیا تھا وہ اس کو کیسے گوارا کرتا۔ چنانچہ سورۃ الفرقان جو

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 160

مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اس میں اہل ایمان کی دیگر صفات کے ساتھ یہ بھی ذکر کیا گیا کہ وہ زنا کا ارتکاب نہیں کرتے۔ وَلَا يَزْنُوْنَ اور سورۃ الممتحنہ میں جہاں عورتوں کے مشرف باسلام ہونے اور بیعت کرنے کا ذکر ہے وہاں ان سے یہ وعدہ بھی لیا جاتا ہے کہ وَلَا يَزْنِيْنَ کہ وہ آئندہ زنا نہیں کریں گی۔ یاد رہے کہ سورۃ الممتحنہ بھی مکہ میں نازل ہوئی تھی۔ یہ تو روحانی اور اخلاقی تربیت تھی جس کی تلقین ہر اسلام قبول کرنے والے کو پہلے دن ہی کی جاتی اور اس سے یہ وعدہ لیا جاتا جس کی پابندی اس پر ضروری ہوتی۔

اس جرم شنیع کا ارتکاب کرنے والوں کے متعلق جو حکم نازل ہوا وہ سورۂ نساء کی آیت 15 میں مذکور ہے کہ شادی شدہ عورت اگر اس جرم کا ارتکاب کرے تو اسے گھر میں محبوس کر دو، یہاں تک کہ وہ مر جائے یا اللہ تعالیٰ کوئی دوسرا حکم نازل کرے۔ فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ﴿۱۵﴾۔ اور غیر شادی شدہ مرد اور عورت کے لیے ابتداء میں یہ سزا تجویز کی گئی کہ انہیں لعنت ملامت کی جائے اور خوب اذیت دی جائے۔ وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا۔ کچھ عرصہ اسی حکم کے مطابق عمل ہوتا رہا۔ پھر پانچ یا چھ ہجری میں جب سورۃ النور نازل ہوئی تو یہ حکم نافذ ہوا کہ زانی مرد اور زانیہ عورت کو سو کوڑے لگائے جائیں۔ ساری امت محمدیہ عَلٰى صَاحِبِهَا اَلْفُ اَلْفِ صَلٰوةٍ وَّسَلَامٍ کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ سزا غیر شادی شدہ مرد اور عورت کے لیے ہے۔ شادی شدہ مرد اور عورت کی سزا یہ ہے کہ اسے رجم کر دیا جائے۔ یعنی اس پر اتنے پتھر برسائے جائیں کہ وہ مر جائے۔ صرف خوارج کا یہ قول ہے کہ سو کوڑوں کی سزا ہر زانی اور زانیہ کے لیے ہے، شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کی کوئی تخصیص نہیں۔ انہوں نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ یہاں مطلق زانی اور زانیہ کی یہ سزا مقرر کی گئی ہے۔ وہ کہتے ہیں جن روایات سے رجم کی سزا کا ثبوت ہوتا ہے وہ قرآن کریم کی مخصص یا ناسخ نہیں ہو سکتیں۔ قدیم خوارج کے علاوہ اس زمانہ کے جدید خوارج کا بھی یہی قول ہے۔ ان کی خدمت میں مختصراً اتنی گزارش ہے کہ رجم اخبار احاد سے نہیں بلکہ احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ حضور سرور عالمیاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کے نزول کے بعد بھی متعدد بار رجم کی سزا دی جن کی تفصیل کتب احادیث میں مذکور ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت فاروق اعظم، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم سب نے اپنے اپنے عہد خلافت میں شادی شدہ زانی اور زانیہ کو رجم کیا(1)۔ ایک معمولی سمجھ کا انسان بھی اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ اس آیت کا مفہوم قدیم و جدید خوارج سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہر حال بہتر سمجھتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلفائے راشدین جن کی زندگی کا ہر لمحہ اقامت دین میں صرف ہوا وہ قطعاً کوئی ایسا کام کرنے کے لیے تیار نہ تھے جس سے فرمان الٰہی کی خلاف ورزی ہو۔ اس واضح تعامل کے باوجود شادی شدہ کے لیے رجم کا انکار کرنا کھلی ہوئی زیادتی ہے اور اس کا ارتکاب صرف خارجی ہی کر سکتے ہیں۔

۲۔ ثبوت زنا: اس کے دو طریقے ہیں۔

۱۔ اقرار ۲۔ شہادت (2)

اقرار: کیونکہ یہ بہت گھناؤنا جرم ہے، اس سے انسان کی عزت و آبرو جو اس کی متاع گراں بہا ہے، متاثر ہوتی ہے۔ نیز اس کی سزا بھی از حد سنگین ہے اس لیے اس جرم کو ثابت کرنے کے لیے بڑی احتیاط ملحوظ رکھی گئی ہے۔ جس اقرار سے یہ جرم ثابت ہوتا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ اس فعل کا ارتکاب کرنے والا امام یا نائب امام کے سامنے چار مرتبہ صاف الفاظ میں اقرار

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 23/12، ص 135 2۔ ہدایہ اولین، ص 507-506

کرے کہ اس نے یہ فعل شنیع کیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے جب ماعز بن مالک اسلمی نے آکر یہ عرض کی کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے پاک فرمائیے، میں نے زنا کیا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور فرمایا وَيْحَكَ اِرْجِعْ فَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ وَ تُبْ اِلَيْهِ۔ اے جوان واپس چلا جا اور توبہ و استغفار کر۔ اس نے پھر سامنے ہو کر یہی کہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر منہ پھر لیا۔ تیسری مرتبہ بھی اس نے اقرار کیا۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے متنبہ کیا کہ اب اگر چوتھی بار تو نے ایسا ہی کیا تو تجھے رجم کر دیا جائے گا لیکن وہ باز نہ آیا اور چوتھی مرتبہ بھی وہی الفاظ کہہ دیئے۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا لَعَلَّكَ قَبَّلْتَ اَوْ غَمَزْتَ اَوْ نَظَرْتَ۔ شاید تو نے فقط بوسہ لیا ہو یا نظر بازی کی ہو لیکن وہ اپنی بات پر اڑا رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا أَبِكَ جُنُونٌ قَالَ لَا۔ کیا تو مجنون تو نہیں؟ اس نے کہا نہیں۔ پھر فرمایا کیا تو شادی شدہ ہے؟ اس نے کہا ہاں یا رسول اللہ! آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اِذْهَبُوا بِهٖ فَارْجُمُوْهُ اسے لے جاؤ اور رجم کر دو (1)۔

شہادت: شہادت میں بھی حد درجہ کی احتیاط کی گئی ہے۔ چار ایسے مرد گواہ ہونے چاہئیں جو مسلمان، عاقل، بالغ آزاد اور عادل ہوں جن کی صداقت اور دیانت ہر شک و شبہ سے بالاتر ہو اور گواہی بھی اس طرح دیں کہ انہوں نے ملزم اور ملزمہ کو عین حالت مباشرت میں دیکھا ہے كَالْمِيْلِ فِي الْمُكْحَلَةِ وَالرِّشَاءِ فِي الْبِئْرِ (یعنی جس طرح سرمہ دانی میں سلائی اور کنوئیں میں رسی) اگر گواہوں کی گواہی میں جگہ، وقت، مزنیہ وغیرہ امور کے متعلق اختلاف پایا جائے تو گواہی مردود ہوگی اور حد نہ لگائی جائے گی۔

اثبات زنا کے لیے اتنی سختی اور احتیاطی تدابیر اختیار کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ شریعت کو لوگوں کو سزا دینے کا شوق نہیں تا کہ جہاں کہیں کسی نے انگشت نمائی کر دی وہاں کوڑے برسنے لگے اور لہو بہنے لگا۔ یا ذرا موقع پاتے ہی پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا۔ یہ سزا ایک انتہائی اقدام ہے جو صرف ایسے شخص کے خلاف ہی کیا جائے گا جس کے دل میں نہ خدا کا خوف ہے نہ قیامت کا ڈر ہے۔ نہ آیات قرآنی اور احادیث نبوی کا پاس ہے، اور نہ اسے سوسائٹی میں رسوا اور ذلیل ہونے کا کوئی اندیشہ ہے۔ اس نے یہ کام اس طرح کیا کہ چار آدمیوں نے اسے عین حالت مباشرت میں دیکھ لیا۔ نیز شریعت نے یہ بھی ضروری قرار نہیں دیا کہ جو شخص تنہائی میں چھپ کر یہ کام کر بیٹھے وہ ضرور عدالت میں حاضر ہو کر اس کا اعتراف کرے۔ گواہوں پر بھی یہ ضروری نہیں کہ وہ اس کے خلاف ضرور جا کر گواہی دیں بلکہ اسے چاہیے کہ خود بھی اپنا پردہ فاش نہ کرے، اور گواہوں کے لیے بھی یہ بہتر ہے کہ وہ اس کی پردہ دری نہ کریں۔ حدیث پاک میں ہے مَنْ اَتٰى شَيْئًا مِّنْ هٰذِهِ الْقَاذُوْرَاتِ فَلْيَسْتَتِرْ بِسِتْرِ اللّٰهِ فَاِنَّ مَنْ اَبْدٰى لَنَا صَفْحَتَهٗ اَقَمْنَا عَلَيْهِ كِتَابَ اللّٰهِ (احکام القرآن) (2) "یعنی جس کسی سے اس قسم کا گندہ فعل صادر ہوا سے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پردے کو فاش نہ کرے اور جو شخص ہمارے سامنے اپنے آپ کو ظاہر کرے گا ہم اس پر حکم الٰہی ضرور جاری کریں گے"۔ ہزال بن معین جس نے ماعز کو بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس جرم کا اقرار کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لَوْ سَتَرْتَهٗ بِثَوْبِكَ كَانَ خَيْرًا لَّكَ (3) اگر تو اسے اپنے کپڑے میں ڈھانپ لیتا تو تیرے لیے بہتر ہوتا۔ لیکن اگر یہ چیز حاکم وقت کے سامنے پیش کر دی جائے اور اقرار یا شہادت سے پایہ ثبوت کو پہنچ جائے تو پھر حاکم کو یہ اختیار نہیں کہ وہ حد قائم نہ کرے۔ تَعَافُوا الْحُدُوْدَ فِيْمَا بَيْنَكُمْ فَمَا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب حد الزنا، ج 2، ص 67-66 2۔ احکام القرآن از جصاص، ج 3، ص 85-284۔ مؤطا امام مالک، کتاب الحدود، ص 686
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، باب الستر علی اهل الحدود، ج 2، ص 245

جَلْدَةٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ

اور نہ آئے تمھیں ان دونوں پر (ذرا) رحم اللہ تعالیٰ کے دین کے معاملے میں اگر تم ایمان

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ

رکھتے ہو اللہ تعالیٰ پر اور روزِ آخرت پر اور چاہیے کہ مشاہدہ کرے دونوں کی سزا کو اہل ایمان کا ایک

بَلَغَنِیْ مِنْ حَدٍّ فَقَدْ وَجَبَ (ابوداود، نسائی) (1) آپس میں حدوں سے درگزر کرتے رہو لیکن جب وہ حد مجھ تک پہنچ جائے گی تو پھر اس کا نفاذ ضروری ہو جائے گا۔

نیز یہ جرم قابل مصالحت نہیں کہ کچھ معاوضہ دے کر قصہ ختم کر دیا جائے۔ ایک لڑکا کسی آدمی کے ہاں کام کرتا تھا، اس نے اس کی بیوی کے ساتھ بدکاری کی۔ لڑکے کے باپ نے سو بکریاں اور ایک لونڈی اس کے خاوند کو دے کر راضی کر لیا لیکن جب مقدمہ بارگاہ نبوت میں پیش ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اَمَّا غَنَمُكَ وَخَادِمُكَ فَرُدَّ عَلَيْكَ۔ وہ تیری بکریاں اور تیری لونڈی تجھے واپس کر دی جائے گی اور تیرے لڑکے پر حد لگے گی (2)۔

جس کوڑے کے ساتھ مارا جائے وہ نہ زیادہ سخت ہو نہ زیادہ نرم اور حد جسم کے ایک حصہ پر ہی نہ لگائی جائے بلکہ منہ، سر اور شرمگاہ کے علاوہ جسم کے مختلف حصوں پر لگائی جائے (3)۔

۴۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ایسے حاکم کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا جس نے حد میں کمی کی ہوگی۔ اس سے پوچھا جائے گا لِمَ فَعَلْتَ ذٰلِكَ، تو نے ایسا کیوں کیا؟ وہ کہے گا رَحْمَةً لِعِبَادِكَ تیرے بندوں پر رحمت اور شفقت کے لیے۔ اسے کہا جائے گا اَاَنْتَ اَرْحَمُ بِهِمْ مِنِّیْ۔ کیا تو مجھ سے زیادہ ان پر رحم کرنے والا ہے؟ فَيُؤْمَرُ بِهٖ اِلَى النَّارِ۔ اسے دوزخ میں پھینک دینے کا حکم دیا جائے گا۔ پھر ایسے حاکم کو بارگاہ الٰہی میں پیش کیا جائے گا جس نے مقررہ حد سے ایک کوڑا زیادہ مارا ہوگا۔ اس سے اس کی وجہ پوچھی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اَاَنْتَ اَحْكَمُ بِهٖ مِنِّیْ فَيُؤْمَرُ بِهٖ اِلَى النَّارِ۔ کیا تو مجھ سے زیادہ حکم کرنے والا ہے۔ پھر اسے بھی آگ میں پھینکے جانے کا حکم صادر ہوگا (4)۔

حقیقت یہ ہے کہ احکام خداوندی کی صحیح طور پر تعمیل میں ہی ہماری فلاح ہے۔ اپنی خود ساختہ مصلحتوں کے پیش نظر ان میں کمی یا زیادتی کرنا خطرناک نتائج کا باعث ہوتا ہے۔ جہاں بھی حدود کے قیام میں تساہل کیا گیا، جرائم میں ہوشربا اضافہ ہوا۔ قتل کی وارداتوں میں آئے دن جو زیادتی ہو رہی ہے اس کی ایک بڑی وجہ یہی فعل مذموم ہے۔ جب اس کی دادرسی نہیں ہوتی جس کی عصمت لوٹ لی گئی ہو تو وہ جوش غضب سے مغلوب ہو کر خود انتقام لینے کے لیے آگے بڑھتا ہے اور فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا دیتا ہے اس لیے رأفت اور مہربانی یہ نہیں کہ ایک جان بچانے کے لیے بیسیوں جانیں تلف کرنے کا دروازہ کھول دیا جائے۔

1۔ سنن ابی داود، کتاب الحدود، باب العفو عن الحدود مالم تبلغ السلطان، ج 2، ص 245 2۔ صحیح بخاری، کتاب المحاربة من اهل الفكر، باب الاعتراف بالزنى، ج 2، ص 1008 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 12، ص 162 4۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 23/12، ص 150

الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲ اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۙ وَّ الزَّانِيَةُ

زانی شادی نہیں کرتا مگر زانیہ کے ساتھ یا مُشرکہ کے ساتھ اور زانیہ گروہ ۵

لَا يَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَ حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۳

نہیں نکاح کرتا اس کے ساتھ مگر زانی یا مُشرک ۶ اور حرام کر دیا گیا ہے یہ اہل ایمان پر ۵

۵۔ کیونکہ اس سزا کا ایک اہم مقصد دوسروں کو عبرت دلانا ہے اس لیے حکم دیا کہ یہ حد مجمع عام میں قائم کی جائے تاکہ عام لوگ اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور مجتنب رہیں جب کوئی شخص حد قائم کرنے کے باعث مرجائے تو اس کی نعش کی تذلیل اور توہین نہیں کی جائے گی بلکہ عام مسلمانوں کی طرح اسے غسل دیا جائے گا، کفن پہنایا جائے گا، نماز جنازہ ادا کی جائے گی اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا۔ اِذَا مَاتَ فِی الْحَدِّ یُغْسَلُ وَ یُکَفَّنُ وَ یُصَلّٰی عَلَیْهِ وَ یُدْفَنُ فِیْ مَقَابِرِ الْمُسْلِمِیْنَ (تفسیر کبیر)(1)

۶۔ اس آیت کا مفہوم سمجھنے میں لوگوں کو بڑی پریشانی ہوتی ہے۔ حالانکہ اگر اس کے شانِ نزول کو پیش نظر رکھا جائے تو مطلب بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ حضرت مرثد کا یہ دستور تھا کہ مشرکین مکہ کے پاس جو مسلمان قیدی ہوتے یہ رات کی تاریکی میں وہاں جاتے اور کسی نہ کسی طرح سے انہیں کفار کی اسیری سے نکال لاتے اسی سلسلہ میں وہ ایک دفعہ مکہ گئے، چاندنی رات تھی ایک مکان کے سایہ میں سمٹے بیٹھے تھے کہ کوئی دیکھ نہ لے۔ اتفاقاً عناق نامی ایک عورت جس سے زمانہ جاہلیت میں ان کے برے تعلقات تھے وہ ادھر آنکلی اس نے جب ایک متحرک سایہ دیکھا تو اور نزدیک آگئی اور انہیں پہچان لیا۔ پوچھا مرثد ہو؟ انہوں نے کہاہاں اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اَھْلًا وَّ مَرْحَبًا (خوش آمدید) کہتی ہوئی آگے بڑھی۔ کہنے لگی ھَلُمَّ فَبِتْ عِنْدَنَا اللَّیْلَ۔ آؤ آج رات ہمارے پاس گزارو۔ میں نے کہا یَا عُنَاقُ حَرَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰی الزِّنَا۔ اے عناق اللہ نے زنا کو حرام کر دیا ہے۔ میں اب تمہارے پاس شب باشی کی جرأت نہیں کرسکتا۔ اس نے اسی وقت شور مچانا شروع کر دیا۔ لوگو جاگو یہ ہے وہ شخص جو تمہارے قیدیوں کو چوری چھپے اٹھا کر لے جاتا ہے، اسے پکڑو۔ میں بھاگ کھڑا ہوا۔ آٹھ آدمیوں نے میرا تعاقب شروع کیا۔ میں ایک غار میں جا کر چھپ گیا۔ وہ اس غار کے دہانہ تک آئے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا اور وہ واپس لوٹ گئے۔ جب وہ چلے گئے تو میں پھر اپنے کام کے لیے مکہ واپس آیا اور جس آدمی کو رہا کرانے کے لیے میں آیا تھا اسے کسی نہ کسی طرح میں نکالنے میں کامیاب ہو گیا۔ اور اسے اپنے ہمراہ لے کر مدینہ طیبہ پہنچ گیا۔ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر میں نے سارا ماجرا بیان کیا۔ پھر عرض کی یارسول اللہ اَنْکِحُ عُنَاقَ، اجازت ہو تو عناق سے نکاح کرلوں؟ حضور خاموش رہے۔ کچھ دیر بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے بلایا اور حکم الٰہی پڑھ کر سنایا(2)۔

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، جلد 12، جز 23، ص 148
2۔ جامع ترمذی، ابواب التفسیر ومن سورۃ نور، ج 2، ص 147

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ

اور وہ لوگ جو تہمت لگاتے ہیں پاکدامن عورتوں پر ، پھر وہ نہ پیش کر سکیں چار گواہ ۸

اس شان نزول سے معلوم ہوا کہ زانیہ سے مراد پیشہ ور عورت ہے۔ کوئی غیرت مند انسان ایسی عورت کو اپنے نکاح میں لینے کے لیے تیار نہیں ہوتا اور زانی سے مراد بھی وہی مرد ہے جو اس فعل کے ارتکاب میں شہرت رکھتا ہو اور شرم وحیا کی چادر اس نے اُتار کر پھینک دی ہو۔ ایسے شخص کو بھی کوئی مومن عورت اپنا خاوند بنانے کے لیے آمادہ نہیں ہوتی۔ یہاں صیغہ نفی کا ہے لیکن معنی نہی کا۔ فَلَا يَنْكِحُ کا معنی یہ ہوگا لَا يَلِيْقُ بِهٖ اَنْ يَّنْكِحَ۔ یعنی پیشہ ور زانیہ کے ساتھ نکاح کرنا مومن کی شان کے لائق نہیں۔ جس طرح کہا جاتا ہے اَلسُّلْطَانُ لَا يَكْذِبُ اَیْ لَا يَلِيْقُ بِهٖ اَنْ يَّكْذِبَ (1)۔ یعنی بادشاہ کے لیے مناسب نہیں کہ وہ جھوٹ بولے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

وَ تَجْتَنِبُ الْاُسُوْدُ وُرُوْدَ مَاءٍ اِذَا كَانَ الْكِلَابُ يَلِغْنَ فِيْهِ

یعنی شیروں کے لیے ایسی جگہ سے پانی پینا مناسب نہیں جہاں کتے آکر منہ ڈالتے ہوں۔

اس آیت کا ایک مفہوم حضرت علامہ پانی پتی نے ذکر کیا، فرماتے ہیں:

اَلْمَعْنٰى اَنَّ الزَّانِیْ لِاَجْلِ فِسْقِهٖ لَا يَرْغَبُ غَالِبًا فِیْ نِكَاحِ الصَّالِحَاتِ وَ الزَّانِيَةُ لَا يَرْغَبُ فِيْهَا الصُّلَحَاءُ فَاِنَّ الْمُشَاكَلَةَ عِلَّةُ الْاُلْفَةِ (مظہری) (2) ''آیت کا معنی یہ ہے کہ زانی اپنے فسق وفجور کے باعث صالحہ عورت سے نکاح کرنے کی طرف راغب نہیں ہوتا۔ اسی طرح نیک مرد بھی زانیہ سے نکاح کرنا پسند نہیں کرتا۔ کیونکہ طبیعتوں کی مناسبت باہمی اُلفت ومحبت کی علت ہے''۔ جہاں طبیعتوں میں تضاد ہوگا وہاں باہمی اُلفت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس صورت میں نفی اپنے حقیقی معنی پر ہی محمول ہوگی۔

۷ یعنی بدکار پیشہ ور عورت سے نکاح اس کے توبہ کرنے سے پہلے جائز نہیں۔ اسی طرح جو مرد اس قماش کا ہو اس کی اصلاح احوال سے پہلے کسی عفیفہ کو اس کے رشتہ نکاح میں باندھ دینا سراسر ظلم اور بے انصافی ہے (3)۔

۸ زنا کا جرم اسلامی معاشرہ میں ناقابل برداشت ہے۔ جو شخص اس کا مرتکب ہوگا اس کے لیے ایسی عبرتناک سزا مقرر کی گئی ہے جو کسی دوسرے گناہ پر نہیں دی جاتی۔ اسی طرح زنا کا غلط بہتان لگانا بھی انتہائی سنگین جریمہ ہے۔ جو شخص کسی پاک دامن اور عفیف عورت پر یا کسی پاکباز اور عصمت شعار مرد پر یہ الزام لگائے گا اسے معمولی بات خیال کر کے نظرانداز نہیں کر دیا جائے گا بلکہ اسے حکم دیا جائے گا کہ وہ اس الزام کو ثابت کرنے کے لیے چار گواہ پیش کرے اور اگر وہ چار گواہ پیش نہیں کر سکے گا تو اسے اسّی (80) درّے لگائے جائیں گے تاکہ ہر شخص کو پتہ چل جائے کہ کسی کی عزت وناموس پر غلط الزام لگانا مذاق نہیں ہے۔

آیت کے کلمات میں ایک مرتبہ پھر غور فرمائیے۔ يَرْمُوْنَ کا معنی تہمت لگانا ہے لیکن یہاں اس سے مراد خاص زنا کی تہمت ہے وہ بھی صریح الفاظ میں جیسے کہے زَنَيْتَ یا یَازَانِیْ۔ اَلْمُحْصَنٰتِ سے مراد پاک دامن عورتیں ہیں (4) لیکن اس کا مطلب یہ نہیں

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 18، ص 84
2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 43-442
3۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 262
4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 445

فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ

تو لگاؤ ان (تہمت لگانے والوں) کو اَسّی دُرّے اور نہ قبول کرنا ان کی کوئی گواہی ہمیشہ کے لیے ۹

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۙ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ

اور وہی لوگ فاسق ہیں مگر (ان میں سے) وہ لوگ جو توبہ کرلیں ایسا بہتان لگانے کے بعد اور

اَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ

اپنی اصلاح کرلیں تو بیشک اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے ۱۰ اور وہ (خاوند) جو تہمت لگاتے ہیں اپنی بیویوں

کہ اگر کسی مرد پر یہ بہتان لگایا جائے گا تو باز پُرس نہ ہوگی بلکہ مرد اور عورت کا حکم یکساں ہے۔ یہاں فقط محصنات کا لفظ ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جس واقعہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی اس میں الزام ایک عورت پر ہی لگایا گیا تھا (1)۔ پاک دامن مرد پر بہتان لگانے کا حکم اجماعِ اُمّت سے ثابت ہے۔ لفظ مُحصن کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ پانی پتی لکھتے ہیں: اَلْمُرَادُ بِالْاِحْصَانِ هٰهُنَا بِاِجْمَاعِ الْعُلَمَاءِ اَنْ يَّكُوْنَ حُرًّا عَاقِلًا بَالِغًا مُّسْلِمًا عَفِيْفًا غَيْرَ مُتَّهَمٍ بِالزِّنَا (2)، یعنی اس جگہ احصان کا معنی یہ ہے کہ جس پر الزام لگایا جارہا ہے وہ آزاد، عاقل، بالغ، مسلم عفیف ہو اور اُس پر زنا کی تہمت کبھی نہ لگائی گئی ہو۔

۹ ایسے لوگوں کو تین سزائیں دی جائیں گی۔

۱۔ انہیں اسی کوڑے لگائے جائیں گے۔

۲۔ آئندہ مالی حقوق میں ان کی گواہی قابل قبول نہ ہوگی۔

۳۔ انہیں فاسق قرار دیا جائے گا۔

۱۰ اگر کوئی شخص بہتان لگانے کے بعد توبہ کرے گا تو حد قذف اس سے ساقط نہیں ہوگی۔ البتہ اس کے فسق سے جو عذاب اسے روز قیامت دیا جانے والا تھا وہ معاف کردیا جائے گا۔ توبہ کے بعد کیا اس کی گواہی منظور ہوگی یا نہیں، اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ احناف کا مسلک یہ ہے کہ توبہ کے بعد بھی وہ مردود الشہادۃ رہے گا۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ اسلاف میں سے مندرجہ ذیل حضرات کی یہی رائے ہے:

قاضی شُرَیح، ابراہیم نخعی، سعید بن جُبَیر، مکحول اور عبد الرحمٰن بن زید بن جابر۔ لیکن امام مالک، امام احمد اور امام شافعی کا قول ہے کہ توبہ کے بعد اس کی شہادت مقبول ہوگی۔ سعید بن المسیب اور کئی دیگر اکابر کا یہی مسلک ہے۔ شعبی سے یہ قول منقول ہے کہ توبہ سے حد بھی ساقط ہوجائے گی (3)۔ وَقَالَ الشَّعْبِيُّ اِنَّ الْاِسْتِثْنَاءَ يَرْجِعُ اِلَى الْكُلِّ وَ مَحَلُّهُ النَّصْبُ فَيَسْقُطُ عِنْدَهُ حَدُّ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 172 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 445 3۔ ایضاً، ج 6، ص 49-448

وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ

پر[1] اور نہ ہوں ان کے پاس کوئی گواہ بجز اپنے تو ان کی شہادت کا یہ طریقہ ہے کہ وہ خاوند چار مرتبہ گواہی

شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۶ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ

دے کہ بخدا وہ (یہ تہمت لگانے میں) سچا ہے۔ اور پانچویں بار یہ کہے اس پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار

اَلْقَذْفِ بِالتَّوْبَةِ (مظہری)(1)

[1] جب سابقہ آیت نازل ہوئی تو سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَهٰكَذَا اُنْزِلَتْ۔ کیا یہ آیت یوں ہی نازل ہوئی ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے انصار! سنتے ہو تمہارا سردار کیا کہہ رہا ہے۔ سعد بولے یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کی قسم، میں جانتا ہوں کہ یہ حق ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے نازل فرمایا ہے لیکن میں یہ خیال کر کے حیران ہو رہا ہوں کہ اگر میں کسی بدبخت کو اپنی بیوی پر سوار دیکھوں تو جب تک میں چار گواہ تلاش کر کے نہ لاؤں اس کے خلاف زبان نہیں ہلا سکتا اور اگر گواہوں کو بلانے جاؤں گا تو وہ اپنا کام تمام کر کے رفو چکر ہو چکا ہوگا۔ اس گفتگو کو قلیل عرصہ ہی گزرا تھا کہ ایک رات ہلال بن امیہ اپنے کھیتوں سے جب گھر آئے تو اپنی اہلیہ کے ساتھ ایک آدمی دیکھا۔ انہوں نے سارا معاملہ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا۔ صبح بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ سن کر بڑی کوفت ہوئی۔ صحابہ آپس میں کہنے لگے کہ ابھی ہلال پر حد قذف لگائی جائے گی (2)۔ ہلال نے کہا میرے دوستو گھبراتے کیوں ہو، اللہ تعالیٰ ضرور کوئی صورت پیدا فرمائے گا۔ اسی اثنا میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نزول وحی کے آثار نمودار ہوئے اور سب خاموش ہو گئے۔ جب یہ کیفیت ختم ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے ہلال مبارک ہو، اللہ تعالیٰ نے تیری نجات کی صورت پیدا فرما دی ہے۔ پھر یہ آیت پڑھ کر سنائی اور اس کی بیوی کو بلا بھیجا۔ وہ آئی تو یہ آیت اسے بھی پڑھ کر سنائی۔ پھر دونوں کو تنبیہ کی کہ دنیا کے عذاب سے قیامت کا عذاب بہت سخت ہے۔ ہلال نے عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے جو عرض کیا ہے بخدا وہ سچ ہے۔ عورت نے کہا یہ جھوٹ بولتا ہے۔ چنانچہ پہلے ہلال نے چار مرتبہ قسم اٹھا کر کہا کہ میں سچا ہوں۔ پانچویں مرتبہ کہا کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ پھر عورت کو کہا گیا کہ اسی طرح تو چار مرتبہ حلف کے ساتھ گواہی دے کہ وہ جھوٹا ہے جب وہ کہہ چکی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈر، دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے بہت ہلکا ہے۔ اگر تو نے پانچویں بار بھی کہہ دیا تو عذاب آخرت تجھ پر لازم ہو جائے گا۔ چنانچہ کچھ دیر وہ خاموش رہی۔ اس نے اپنے قصور کے اعتراف کا ارادہ کیا۔ پھر کہنے لگی، میں اپنی قوم کو رسوا کرنا نہیں چاہتی۔ چنانچہ پانچویں دفعہ بھی اس نے کہہ دیا اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَا اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ کہ اگر ہلال سچا ہو تو مجھ پر خدا کا غضب نازل ہو۔ چنانچہ اس طرح قسم اٹھانے سے ہلال حد قذف سے بچ گئے اور وہ عورت حد زنا سے بچ گئی۔ لیکن ان کے درمیان ہمیشہ کے لیے جدائی کر دی گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اب جو بچہ پیدا ہو اس کی نسبت ہلال کی طرف نہ کی جائے بلکہ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 448 2۔ ایضاً، ج 6، ص 54-453

اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ

ہو اگر وہ کذب بیانی کرنے والوں میں سے ہو اور ٹل سکتی ہے اس عورت سے حد ۱۲ہ

اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۙ ۝

کہ وہ گواہی دے چار مرتبہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہ وہ (خاوند) جھوٹا ہے۔

وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ خدا کا غضب ہو اس پر اگر وہ (خاوند) سچا ہو۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۝ ع

اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی (تو تم بڑی الجھنوں میں پڑ جاتے) اور بیشک اللہ بہت توبہ

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ۭ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ۭ

قبول کرنیوالا بڑا دانا ہے ۱۳ہ بیشک جنھوں نے جھوٹی تہمت ۱۴ہ لگائی ہے ۱۵ہ وہ ایک گروہ ہے تم میں سے تم اسے اپنے لیے بُرا خیال

اس کی ماں کی طرف کی جائے۔ اور ساتھ ہی ایک اور حکم بھی دیا کہ اگر اس کے بعد کسی نے اس عورت کو زنا سے متہم کیا یا اس کے بچے کو حرامی کہا تو اس پر حد قذف لگائی جائے گی اس ارشاد سے واضح ہو گیا کہ جس کو شریعت کسی الزام سے بری کر دے پھر اس پر کسی کو زبان درازی کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔ اس طریقہ کار کو ''لعان'' کہتے ہیں۔ لعان کرنے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور پھر وہ عورت زندگی بھر اس کے نکاح میں نہیں آسکتی۔

۱۲ہ اگر مرد اس طرح قسم کھالے اور عورت خاموش ہو جائے تو اس پر زنا کی حد لگے گی لیکن اگر عورت بھی اس طرح قسم کھالے تو وہ بھی زنا کی حد سے بچ جائے گی۔

۱۳ہ یعنی اگر حد قذف کے حکم کے بعد لعان کا قانون جاری نہ کیا جاتا اور مرد اپنی بیوی کو ناشائستہ حالت میں دیکھتا اور خاموش رہتا تو ساری عمر خون کے گھونٹ پیتا رہتا اور اگر اظہار کرتا تو اسی کوڑے کھاتا۔ یہ تو محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے ان پیچیدگیوں سے نجات کا راستہ تمہارے لیے بنا دیا ہے۔ مزید تفصیلات کے لیے کتب فقہ کا مطالعہ کیا جائے۔

۱۴ہ یہاں سے اس سازش کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جو دشمنان اسلام نے اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت اور ہادی اسلام کی روز افزوں عزت وشوکت کو دیکھ کر کی اور جس میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتی عزت پر حملہ کر کے کمینگی اور دناءت کی حد کر دی۔ ان

آیات میں جس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے پہلے صحیحین کی روایت کے مطابق اسے تفصیلاً پیش کرتا ہوں اس کے بعد حسب ضرورت تشریحات کی جائیں گی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا خود روایت کرتی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب سفر پر تشریف لے جاتے تو اپنی ازواج کے درمیان قرعہ اندازی فرماتے۔ جس کے نام کا قرعہ نکلتا اس کو ہمر کابی کا شرف بخشتے۔ جب حضور غزوۂ بنی مصطلق پر روانہ ہوئے تو حسب معمول قرعہ ڈالا گیا تو میرا نام نکلا۔ چنانچہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ گئی۔ اس وقت پردہ کے احکام نازل ہو چکے تھے۔ میں ہودج میں بیٹھتی تھی اور جب لشکر روانہ ہوتا تو میرا ہودج اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا جاتا اور جہاں قیام کیا جاتا وہاں ہودج اُتار دیا جاتا۔ جب جہاد سے فراغت ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واپسی کا قصد فرمایا۔ ہم مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے اور رات بسر کی۔ رات کے پچھلے حصہ میں کوچ کی تیاری شروع ہوگئی۔ میں قضائے حاجت کے لیے باہر گئی۔ جب واپس آئی تو میرے گلے کا ہار ٹوٹ کر کہیں گر پڑا۔ میں اس کی تلاش میں پھر لوٹ گئی۔ ہار تو مجھے مل گیا لیکن جب واپس آئی تو لشکر وہاں سے کوچ کر چکا تھا۔ جو لوگ میرے ہودج کو رکھنے اور پھر اتارنے پر مامور تھے انہوں نے حسب عادت میرا ہودج اُٹھایا اور اونٹ پر کس دیا۔ انہیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ میں ہودج میں نہیں ہوں۔ کیونکہ اُس زمانہ میں عورتیں ہلکی پھلکی ہوا کرتی تھیں کیونکہ غذا مرغن نہیں ہوتی تھی اور میں تو کم عمر تھی اس لیے ہودج میں میرے نہ ہونے کا انہیں احساس تک نہ ہوا۔ جب میں واپس آئی تو وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ یہ خیال کر کے کہ جب وہ مجھے نہیں پائیں گے تو میری تلاش میں یہاں آئیں گے، میں وہیں ٹھہر گئی۔ صفوان بن معطّل کی یہ ڈیوٹی تھی کہ وہ لشکر کے پیچھے پیچھے رہتے۔ جب لشکر کوچ کرتا تو وہاں پہنچتے، اگر کسی کی کوئی چیز پڑی ہوئی ملتی تو اسے اٹھا کر اس کے مالک تک پہنچا دیتے۔ میں چادر لپیٹ کر لیٹ گئی۔ اتنے میں صفوان آ پہنچے۔ ابھی صبح کا اندھیرا تھا۔ انہوں نے کسی کو دور سے سویا ہوا دیکھا تو قریب آئے۔ پردہ کے احکام نازل ہونے سے پہلے انہوں نے مجھے دیکھا ہوا تھا اس لیے مجھے پہچان گئے اور بلند آواز سے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھا۔ ان کی آواز سے میری آنکھ کھُل گئی اور میں نے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ انہوں نے اپنا اونٹ میرے قریب لا کر بٹھایا اور مجھے سوار کر کے چل دیئے۔ ہم دوپہر کے وقت لشکر سے آ ملے۔ عبد اللہ بن اُبی رئیس المنافقین نے جب یہ دیکھا تو اس نے ایک طوفان برپا کر دیا۔ جب میں مدینہ پہنچی تو بیمار ہوگئی اور ایک ماہ تک بیمار پڑی رہی۔ لوگوں میں اس بات کا خوب چرچا ہوتا رہا لیکن مجھے قطعاً اس کا کوئی علم نہ تھا۔ البتہ ایک بات مجھے کھٹک رہی تھی کہ میری علالت کے وقت جو لطف وعنایت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے مجھ پر فرمایا کرتے تھے وہ مفقود تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مزاج پُرسی کے لیے تشریف لاتے تو صرف اتنا دریافت کرتے کَيْفَ تِيْكُمْ کہ تمہارا کیا حال ہے۔ اس سے مجھے شک گزرتا تاہم مجھے اس شرانگیز پروپیگنڈے کی خبر تک نہ تھی۔ بیماری کے بعد میں بہت نقاہت اور کمزوری محسوس کرنے لگی۔ ایک رات میں ام مسطح کے ساتھ قضائے حاجت کے لیے مدینہ سے باہر گئی کیونکہ اس وقت تک گھروں میں بیت الخلا بنانے کا رواج نہ تھا اور ہم عرب کے دستور کے مطابق جنگل میں ہی جایا کرتیں تھیں۔ ام مسطح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خالہ زاد بہن تھیں۔ ہم دونوں جب فارغ ہو کر واپس آ رہی تھیں تو ام مسطح کا پاؤں چادر میں اُلجھا اور وہ گر پڑیں۔ ان کی زبان سے بے ساختہ نکلا تَعِسَ مُسْطَحٌ کہ مسطح ہلاک ہو۔ یہ اس کا بیٹا تھا۔ میں نے کہا تم ایک بدری کے لیے ایسے الفاظ استعمال کر

رہی ہو یہ بہت بری بات ہے۔ اس نے کہا کیا تم نے نہیں سنا جو طوفان اس نے برپا کر رکھا ہے۔ میرے استفسار پر اس نے سارا واقعہ مجھے سنا دیا۔ یہ سن کر میرا مرض پھر عود کر آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو پوچھا کَیۡفَ تِیۡکُمۡ۔ میں نے عرض کی مجھے اپنے والدین کے پاس جانے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ مقصد یہ تھا کہ میں والدین سے اس خبر کے متعلق تفصیلی حالات دریافت کروں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دے دی۔ میں میکے چلی آئی۔ میں نے اپنی والدہ سے کہا یَا اُمَّتَاہُ! لِمَ ذَا یَتَحَدَّثُ النَّاسُ بِہٖ؟ امی جان! لوگ یہ کیا باتیں بنا رہے ہیں؟ انہوں نے کہا بیٹی زیادہ غمگین ہونے کی ضرورت نہیں۔ جب کوئی بیوی پاکیزہ صورت ہو اور اس کا شوہر اسے محبوب رکھے اور اس کی سوکنیں بھی ہوں تو اس قسم کی باتیں ہوتی رہتی ہیں۔ میں نے کہا سبحان اللہ! لوگ میرے متعلق ایسی باتیں کر رہے ہیں۔ میں رات بھر جاگتی رہی اور روتی رہی۔ صبح ہوئی تب بھی آنسو جاری تھے اور نیند کا نام ونشان تک نہ تھا۔ جب نزول وحی میں تاخیر ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو بلایا۔ اسامہ رضی اللہ عنہ نے تو میری براءت کی۔ ان کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل کی جو محبت تھی اس کو ظاہر کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنے رنجیدہ خاطر کیوں ہیں، اس کے علاوہ عورتوں کی کیا کمی ہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تصدیق فرمانا چاہتے ہیں تو بریرہ لونڈی کو بلا کر دریافت فرمایئے وہ حقیقت حال سے آگاہ کر دے گی۔ چنانچہ بریرہ رضی اللہ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا اے بریرہ هَلۡ رَأَیۡتِ مِنۡ شَیۡءٍ یُّرِیۡبُكِ مِنۡ عَائِشَةَ، کیا تو نے کوئی ایسی چیز دیکھی ہے جس سے تمہیں عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کوئی شک ہو۔ اس نے عرض کی مجھے اس خدا کی قسم جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سچا رسول بنا کر بھیجا ہے اس کے سوا میں نے عائشہ میں کوئی عیب نہیں دیکھا کہ آٹا گوندھا ہوا رکھا ہوتا ہے۔ یہ اپنی کمسنی کی وجہ سے سو جاتی ہیں اور بکری آ کر آٹا کھا جاتی ہے۔ کسی نے بریرہ کو جھڑکا کہ تو سچ کیوں نہیں بتاتی تو اس نے کہا سُبۡحَانَ اللّٰہِ وَاللّٰہِ مَا عَلِمۡتُ عَلَیۡهَا اِلَّا مَا یَعۡلَمُ الصَّائِغُ عَلٰی تِبۡرِ الذَّهَبِ الۡاَحۡمَرِ، خدا کی قسم میں ان کے متعلق اس کے بغیر اور کچھ نہیں جانتی جس طرح ایک زرگر خالص سرخ سونے کے متعلق جانتا ہے۔

پھر سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے اور منبر پر کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا:

یَا مَعۡشَرَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ مَنۡ یَّعۡذُرُنِیۡ مِنۡ رَّجُلٍ قَدۡ بَلَغَنِیۡ اَذَاهُ فِیۡ اَهۡلِیۡ فَوَاللّٰہِ مَا عَلِمۡتُ عَلٰی اَهۡلِیۡ اِلَّا خَیۡرًا وَمَا عَلِمۡتُ عَلٰی اَهۡلِیۡ مِنۡ سُوۡءٍ۔

''اے گروہ مسلمانان! اس شخص کے بارے میں مجھے کون معذور رکھتا ہے جس کی اذیت رسانی میرے اہل خانہ کے بارے میں مجھ تک پہنچی ہے۔ بخدا! میں اپنے اہل کے لیے خیر کے بغیر کچھ نہیں جانتا اور مجھے ان سے کسی غلطی کا کوئی علم نہیں ہے''۔ سعد بن معاذ انصاری کھڑے ہو گئے۔ عرض کی میں حاضر ہوں۔ اگر وہ شخص قبیلہ اوس سے ہے ضَرَبۡنَا عُنُقَهٗ ہم اس کی گردن اڑا دیں گے اور اگر وہ بنی خزرج سے ہے اور حضور ہمیں حکم دیں تو تعمیل ارشاد کی جائے گی۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سعد بن عبادہ اٹھے جو خزرج کے سردار تھے اور بڑے صالح آدمی تھے۔ لیکن ان کی قبائلی عصبیت بیدار ہو گئی۔ انہوں نے کہا ایسا ہرگز نہیں ہوگا کیونکہ تمہیں علم ہے وہ شخص خزرجی ہے اس لیے تم ایسی باتیں کر رہے ہو۔ اگر وہ اوس قبیلے کا فرد ہوتا تو تم ایسا نہ کہتے۔ غرضیکہ تلخ کلامی یہاں تک بڑھی کہ قریب تھا دونوں قبیلوں میں لڑائی چھڑ جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں کے جوش کو ٹھنڈا کیا اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ میرے شب وروز گریہ وزاری میں گزرتے، لمحہ بھر کے لیے بھی نیند نہ آتی۔ میرے

والدین کو یہ اندیشہ لاحق ہو گیا کہ اس طرح رونے سے اس کا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ ایک دن میں رو رہی تھی۔ میرے والدین بھی میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک انصاری عورت ملنے کے لیے آئی وہ بھی بیٹھ کر رونے لگی۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ سلام فرمایا اور بیٹھ گئے۔ اس سے پہلے کبھی بیٹھے نہ تھے۔ ایک مہینہ گزر چکا تھا۔ میرے بارے میں کوئی وحی نہیں اتری تھی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تشہد کے بعد فرمایا اے عائشہ تیرے بارے میں مجھے ایسی ایسی اطلاع ملی ہے۔ اگر تو پاک دامن ہے تو اللہ تعالیٰ تیری براءت کر دے گا۔ اگر تجھ سے قصور سرزد ہو گیا ہے تو توبہ کر لے، کیونکہ بندہ اگر اپنے قصور کا اعتراف کر لے اور توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ میرے آنسو یک دم خشک ہو گئے۔ میں نے اپنے والد محترم سے کہا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کا جواب دیں۔ انہوں نے فرمایا میں کچھ جواب نہیں دے سکتا۔ پھر میں نے والدہ سے کہا انہوں نے بھی معذوری ظاہر کی۔ میں اگرچہ نو عمر تھی، زیادہ قرآن بھی پڑھا ہوا نہ تھا لیکن میں نے عرض کی بخدا! آپ لوگوں نے ایک بات سنی اور وہ تمہارے دلوں میں جم گئی۔ اگر میں یہ کہوں کہ میں بے گناہ ہوں اور خدا جانتا ہے کہ میں بے گناہ ہوں تو آپ لوگ میری بات نہیں مانیں گے اور اگر میں ایک ایسی بات کا اعتراف کروں جس سے خدا جانتا ہے کہ میں بری ہوں تو آپ فوراً مان لیں گے۔ اب میرے لیے اس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں کہ میں وہ بات کہوں جو یوسف کے باپ نے کہی تھی فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ؕ وَ اللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ (یوسف) پھر میں منہ پھیر کر بستر پر لیٹ گئی۔ مجھے یقین تھا کہ اللہ ضرور میری براءت فرمائے گا لیکن مجھے یہ خیال نہ تھا کہ میرے بارے میں آیات قرآنی نازل ہوں گی۔ میں اپنے آپ کو اس کا اہل نہ سمجھتی تھی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ابھی وہیں تشریف فرما تھے کہ نزول وحی کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ سردی کے موسم میں بھی نزول وحی کے وقت پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے۔ جب وہ کیفیت ختم ہوئی تو حضور ہنس رہے تھے اور پہلی بات جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی وہ یہ تھی۔ يَا عَائِشَةُ اَمَّا اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فَقَدْ بَرَّءَكِ۔ اے عائشہ! اللہ تعالیٰ نے تیری براءت فرما دی ہے۔ میری والدہ نے مجھے کہا اے عائشہ! اٹھ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا شکریہ ادا کر۔ میں نے کہا بخدا! میں نہیں اٹھوں گی اور نہ کسی کا شکریہ ادا کروں گی۔ صرف اللہ تعالیٰ کا شکر کروں گی جس نے میری براءت فرمائی (1)۔

اس وقت یہ دس آیات اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ.........الآیۃ نازل ہوئیں۔

اس طرح منافقین کا اٹھایا ہوا یہ طوفان تھا۔ اگرچہ اس کا سرغنہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی تھا لیکن اس نے اس شدّ و مد سے بات کا بتنگڑ بنایا کہ کئی سادہ لوح مسلمان اس کی لپیٹ میں آ گئے۔ چنانچہ حضرت حسان، مسطح اور حمنہ بنت جحش کا نام اسی زُمرہ میں لیا جاتا ہے۔ انہیں حد قذف لگائی گئی اور عبداللہ مذکور کو بعض اقوال کے مطابق حد لگائی گئی لیکن اکثر کا یہ خیال ہے کہ اس سے تعرض نہیں کیا گیا۔ اسے خدا کی آتش انتقام میں ہمیشہ جلتے رہنے کے لیے چھوڑ دیا گیا (2)۔

باقی امور کا ذکر آیات کی تشریح کے ضمن میں کیا جائے گا۔

۱۵ کذب بیانی اور بہتان تراشی کی انتہا کو اِفک کہتے ہیں۔ اَلْاِفْكُ اَبْلَغُ مَا يَكُوْنُ مِنَ الْكَذِبِ وَالْاِفْتِرَاءِ (3)۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر باب قولہ تعالیٰ ان جاؤک بالافک، ج2، ص98-696 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز12، ص202-201

3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز18، ص111

بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ

نہ کرو ۱۶ بلکہ یہ بہتر ہے تمہارے لیے۔ ہر شخص کے لیے اس گروہ میں سے اتنا گناہ ہے جتنا اس نے کمایا۔

وَ الَّذِیْ تَوَلّٰی كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۱﴾ لَوْ لَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ

اور جس نے سب سے زیادہ حصہ لیا ان میں سے (تو) اس کے لیے عذاب عظیم ہوگا ۱۷ ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ

ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَیْرًا ۙ وَّ قَالُوْا هٰذَاۤ

(افواہ) سنی تو گمان کیا ہوتا مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنوں کے بارے میں نیک گمان ۱۸ اور کہہ دیا ہوتا کہ یہ تو

اس ایک لفظ سے ہی منافقین کی سازش کو بے نقاب کر دیا کہ اس کا صداقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ یہ سراسر جھوٹ، افتراء اور بہتان ہے جس واقعہ کو زبان قدرت جھوٹ کا پلندہ کہہ دے اس کی مزید تردید کی ضرورت نہیں رہتی۔ لیکن واقعہ کی سنگینی کے پیش نظر اور مسلمانوں کی تربیت کے لیے اس کو مزید وضاحت سے بیان فرمایا۔

۱۶ خطاب تمام مسلمانوں کو ہے۔ خصوصاً حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے خانوادہ کو(1)، یعنی اس بہتان تراشی سے جو قلبی اور روحانی تکلیف تمہیں پہنچی ہے اسے شر خیال نہ کرو، اس میں تمہارے لیے خیر ہی خیر ہے۔ اس جھوٹے الزام سے تمہیں دکھ ہوا۔ رضائے الٰہی کے لیے تم نے صبر کیا اس پر تمہیں اجر عظیم ملے گا۔ اے صدیق! تمہیں چند دن تکلیف ضرور ہوئی لیکن اب قیامت تک تیری نور نظر کی پاک دامنی کی شہادت قرآن دیتا رہے گا۔ تیری لخت جگر کی عفت اور پاک دامنی کو ماننا ایمان اور اسلام ہوگا۔ جو اس کا انکار کرے گا بلکہ جو اس میں ذرا شک کرے گا وہ بھی دائرہ اسلام سے خارج اور نعمت ایمان سے محروم کر دیا جائے گا۔

۱۷ جس نے اس جھوٹ گھڑنے اور اس کی تشہیر میں سب سے زیادہ حصہ لیا اس سے مراد عبداللہ بن ابی ہے(2)۔

۱۸ علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

هٰذَا عِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ(3)

یعنی اللہ تعالیٰ مومنوں کو عتاب اور سرزنش فرما رہے ہیں کہ تم نے سنتے ہی اس بہتان کی تردید کیوں نہ کر دی۔ اس میں تردد کی غلطی کیوں کی۔ تمہیں تو فوراً کہہ دینا چاہیے تھا هٰذَاۤ اِفْكٌ مُّبِیْنٌ۔ یہ کھلا ہوا جھوٹ ہے۔

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 18، ص 114 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 474 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 202

اِفْكٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۲﴾ لَوْ لَا جَآءُوْ عَلَیْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ یَاْتُوْا

کھلا ہوا بہتان ہے داگروہ سچے تھے توہ کیوں نہ پیش کرسکے اس پر چار گواہ ۱۹؎ پس جب وہ پیش نہیں

بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَ لَوْ لَا فَضْلُ

کرسکے گواہ تو (معلوم ہوگیا کہ) وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹے ہیں اور اگر نہ ہوتا اللہ تعالیٰ

اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِیْ مَاۤ

کا فضل تم پر اور اس کی رحمت ۲۰؎ دنیا اور آخرت میں تو پہنچتا تمھیں اس سخن سازی کی وجہ

اَفَضْتُمْ فِیْهِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۚۖ ﴿۱۴﴾ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَ تَقُوْلُوْنَ

سے سخت عذاب (جب تم ایک دوسرے سے) نقل کرتے تھے اس (بہتان) کو اپنی زبانوں سے

بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَیْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّ تَحْسَبُوْنَهٗ هَیِّنًا ۖۗ وَّ هُوَ عِنْدَ

اور کہا کرتے تھے اپنے مونہوں سے ایسی بات جس کا تمھیں کوئی علم ہی نہ تھا۔ نیز تم خیال کرتے کہ یہ معمولی بات ہے حالانکہ یہ

اللّٰهِ عَظِیْمٌ ﴿۱۵﴾ وَ لَوْ لَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا یَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ

بات اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑی تھی۔ اور ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ افواہ سُنی تو تم نے کہہ دیا ہوتا ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا

۱۹؎ اگر ان کے اس دعویٰ میں رائی کے برابر بھی صداقت ہوتی تو وہ گواہ پیش کرتے لیکن ان کا گواہ پیش کرنے سے قاصر رہنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ الزام بالکل من گھڑت ہے اور محض حسد کا نتیجہ ہے۔

۲۰؎ یہ اللہ تعالیٰ کا محض فضل واحسان اور اس کی رحمت ہے کہ اس نے تمہیں فوراً عذاب میں مبتلا نہیں کر دیا ورنہ بے پر کی اڑانے والوں نے تو قہر الٰہی کو دعوت دینے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ انہوں نے تو یہ خیال کیا کہ یہ ایک معمولی سی بات ہے۔ انہیں کیا خبر کہ جس بات سے اللہ تعالیٰ کے محبوب کا دل رنجیدہ ہو، اس سے اللہ تعالیٰ کی آتش غضب بھڑک اٹھتی ہے۔ جس ذات پاک کو پاک دامنی و پاک بازی کا درس دینے کے لیے منتخب فرمایا گیا ہو اس کے دامن تقدس کو داغ دار کرنے کی کوشش اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی ہی مذموم اور ناپاک ہے۔

تَتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۝ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ

کہ ہم گفتگو کریں اس کے متعلق۔ اے اللہ! تو پاک ہے ۱۲۱ یہ بہت بڑا بہتان ہے۔ نصیحت کرتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ

۲۱ یہاں سُبْحٰنَكَ ذکر کر کے اس امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور منزہ ہے کہ اس کے رسول کی زوجہ محترمہ کا دامن ایسے الزام سے آلودہ ہو (بحر) (1)۔ گویا نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفیقۂ حیات پر الزام لگانا نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر الزام لگانا اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایسا الزام آپ پر نہیں بلکہ رب کریم پر ہے جس نے ایسا نبی بنایا۔ یاد رہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی کو ثابت کرنے کے لیے زبان قدرت نے وہی اسلوب اختیار کیا جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے والوں کی تردید کے وقت اختیار کیا جاتا ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ تصریح فرماتے ہیں کہ وحی کے نزول سے پہلے بھی حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی کا علم تھا، کیونکہ نبی کا ایسے عیوب سے پاک ہونا جو لوگوں کو اس سے متنفر کر دیں ضروریات عقلیہ میں سے ہے، جیسے اس کا جھوٹا ہونا، کمینہ خاندان کا فرد ہونا، اس کے والدین کا تہمت زنا سے متہم ہونا، اسی طرح اس کی اہلیہ کی عصمت کا مشکوک ہونا۔ اگر نبی میں ان عیوب میں سے کوئی ایک عیب بھی پایا جائے گا تو لوگ اس سے متنفر ہو جائیں گے اور اس کی بعثت کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ اِنَّ كَوْنَهَا زَوْجَةً لِلرَّسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَعْصُوْمِ يَمْنَعُ مِنْ ذٰلِكَ لِاَنَّ الْاَنْبِيَاءَ مَبْعُوْثُوْنَ اِلَى الْكُفَّارِ لِيَدْعُوْهُمْ وَيَسْتَعْطِفُوْهُمْ فَوَجَبَ اَنْ لَّا يَكُوْنَ مَعَهُمْ مَا يُنَفِّرُهُمْ عَنْهُمْ وَكَوْنُ الْاِنْسَانِ بِحَيْثُ تَكُوْنُ زَوْجَتُهٗ مُسَافِحَةً مِّنْ اَعْظَمِ الْمُنَفِّرَاتِ۔ (تفسیر کبیر) (2)

امام موصوف نے اپنے اس کلام پر دو شبہے پیش کیے ہیں اور خود ہی ان کا جواب دیا ہے:

۱۔ نبی کی بیوی کا کافر ہونا قرآن سے ثابت ہے اور کفر زنا سے زیادہ سنگین جرم ہے۔ اگر نبی کی اہلیہ سے کفر جیسے سنگین جرم کا ارتکاب ہو سکتا ہے تو اس سے کم درجہ کے گناہ کا صدور بھی ممکن ہے۔ اس کا جواب فرمایا کہ بیوی کا کفر لوگوں کو متنفر نہیں کرتا، البتہ اس کے دامن عصمت کا داغدار ہونا لوگوں کو بلا شبہ متنفر کر دیتا ہے۔

۲۔ دوسرا شبہ یہ ذکر کیا ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنا عرصہ پریشان کیوں رہتے۔ اس کے رد میں فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پریشان ہونا عدم علم کی دلیل نہیں۔ کفار کی ایسی باتیں جن کا بطلان اظہر من الشمس تھا وہ سن کر بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پریشان ہوتے۔ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ۔ نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی ایک مسلمہ حقیقت تھی جس کے متعلق کسی کو ادنیٰ شبہ بھی نہ تھا۔ الزام لگانے والے سارے منافق تھے اور ان کے پاس اس الزام کو ثابت کرنے کے لیے کوئی ثبوت نہ تھا۔ ان قرائن کے ہوتے ہوئے ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ نزول وحی سے پہلے بھی اس الزام کا جھوٹا ہونا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بخوبی معلوم تھا فَلِمَجْمُوْعِ هٰذِهِ الْقَرَائِنِ كَانَ ذٰلِكَ الْقَوْلُ مَعْلُوْمَ الْفَسَادِ قَبْلَ نُزُوْلِ الْوَحْيِ (کبیر) (3)

اس کے علاوہ جو خطبہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا تھا اس کا یہ جملہ سارے شک وشبہ کو دور کر دینے

1۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 438 2۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 23/12، ص 74-173 3۔ ایضاً، ج 23/12، ص 174

أَنْ تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿۱۷﴾ وَيُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ

کہ دوبارہ اس قسم کی بات ہرگز نہ کرنا اگر تم ایمان دار ہو۔ اور کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ

الْآيَاتِ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۱۸﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ

تمہارے لیے (اپنی) آیتیں۔ اور اللہ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے۔ بیشک جو لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ پھیلے

الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ

بے حیائی ۲۲ ان لوگوں میں جو ایمان لاتے ہیں (تو) ان کے لیے دردناک عذاب ہے دنیا اور آخرت میں

کے لیے کافی ہے۔ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ مَنْ يَعْذِرُنِي مِنْ رَجُلٍ قَدْ بَلَغَنِي أَذَاهُ فِي أَهْلِ بَيْتِي فَوَاللَّهِ مَا عَلِمْتُ عَلَى أَهْلِي إِلَّا خَيْرًا (1)۔ اے گروہ مسلمانان! مجھے اس شخص کے معاملہ میں کون معذور تصور کرے گا جس نے میرے اہل خانہ کے بارے میں مجھے اذیت پہنچائی میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں میں اپنے اہل کے متعلق خیر کے بغیر اور کچھ نہیں جانتا۔

بالاتفاق حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ خطبہ نزول آیات سے پہلے کا ہے۔ اپنے اہل بیت کی براءت حلف اٹھا کر بیان فرمائی۔ اور مفتری سے انتقام لینے کا حکم دیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حلف اٹھانا اور مفتری سے انتقام لینے کا حکم دینا اسی وقت تصور کیا جاسکتا ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکیزگی اور الزام لگانے والوں کے جھوٹے ہونے کا یقینی علم ہو۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ذرا بھی تردد ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قطعاً نہ حلف اٹھاتے اور نہ مفتری کو سزا دینے کی ترغیب دیتے۔

آج کل بھی بعض لوگ بڑے سوقیانہ انداز میں اس واقعہ کو عام جلسوں میں بیان کرتے ہیں اور اپنے نبی پاک کی بے علمی ثابت کرنے کے لیے عجیب وغریب موشگافیاں کرتے ہیں کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو علم ہوتا تو رنجیدہ خاطر کیوں ہوتے۔ اگر علم ہوتا تو صاف الفاظ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت کا اعلان کیوں نہ کر دیتے وغیرہ۔ جنہیں سن کر دل درد سے بھر جاتا ہے اور کلیجہ شق ہونے لگتا ہے اور یہ سمجھ نہیں آتی کہ یہ صاحب جو اپنا سارا زور بیان اور قوت استدلال اپنے نبی کی بے علمی ثابت کرنے کے لیے صرف کر رہے ہیں ان کا اس نبی سے قلبی تعلق نہ سہی رسمی تعلق بھی ہوتا تو وہ ایسا کہنے کی جرأت نہ کرتے۔ وہ خود سوچیں اگر ان کی بہو بیٹی پر ایسا بہتان لگایا جائے یا خود ان کی اپنی ذات کو ہدف بنایا جائے، اگرچہ انہیں اپنی پاک دامنی کا حق الیقین بھی ہو تو کیا ان کا جگر چھلنی نہیں ہو جائے گا؟ نزول وحی میں تاخیر کی جو حکمتیں ہیں ان کا آپ کیا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ابتلاء میں شدت اس کی مدت میں طوالت بایں ہمہ صبر واستقامت کا مظاہرہ ان تمام اُمور میں بھی لطف ہے۔ اس کی قدر ومنزلت اہل محبت ہی جانتے ہیں۔

۲۲ کسی پر لگائے ہوئے الزام کی بلاتحقیق تشہیر کرنا، برائیوں اور فواحش کے خلاف نفرت کی جو دیوار اسلام نے قائم کر دی ہے اس

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ تعالیٰ ان جاؤک بالافک، ج2، ص 697

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ

اور اللہ تعالیٰ (حقیقت کو) جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہو۔ اور اگر نہ ہوتا تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی

رَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

رحمت اور یہ کہ اللہ تعالیٰ بہت مہربان (اور) رحیم ہے (تو تم بھی نہ بچ سکتے) اے ایمان والو!

لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ

نہ چلو شیطان کے نقش قدم پر ۲۳ اور جو چلتا ہے شیطان کے نقش قدم پر تو

فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ

وہ حکم دیتا ہے (اپنے پیروؤں کو) بےحیائی کا اور ہر برے کام کا۔ اور اگر نہ ہوتا تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور

میں رخنہ اندازی کی قولاً، فعلاً کوشش کرنا۔ ایسی کتابیں لکھنا جن سے شہوانی جذبات میں تحریک ہو۔ ایسے گانے، ایسی تصاویر، ایسے ڈرامے، ایسی فلمیں جن سے نوجوانوں میں شرم وحیا کا جذبہ کمزور ہوتا جائے، سب اس میں شامل ہیں۔ وہ لوگ جو محض دولت کمانے کے لیے ایسی فلمیں بناتے ہیں، بڑھ چڑھ کر حیاسوز مناظر پیش کرتے ہیں، ایسے اشتہارات جن میں جنسی عریانیت سے جاذبیت اور کشش پیدا کی جاتی ہے۔ ایسا لٹریچر جس کی مقبولیت کا انحصار ہی شہوانی محرکات پر ہے۔ مانا کہ وقتی طور پر اس کی آمدنی میں بے پایاں اضافہ ہو جاتا ہے لیکن اس سے جو نقصان ہوگا اس سے کوئی بھی محفوظ نہیں رہے گا۔ جب قوم کا اخلاق بگڑ جائے گا، جب شرم وحیاء کی چادر تار تار ہو جائے گی، بے حیا اور ہوس ناک نگاہیں اس کی دولت عصمت لوٹنے میں بھی کوئی تامل محسوس نہیں کریں گی۔ قوم کے اصلاح یافتہ ہونے کی برکات سے جس طرح ہر فرد مستفید ہوتا ہے اسی طرح اس کے اخلاق باختہ ہونے سے ہر فرد کو حصہ رسدی مل کر رہتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس دروازہ کو بند کر دیا جس سے فسق وفجور کا سیلاب امنڈ سکتا ہے۔

۲۳ دو قدموں کے درمیان جو جگہ ہوتی ہے اس کو عربی میں خُطْوَةٌ کہتے ہیں۔ جس کی جمع خُطُوَاتٌ ہے۔ یہ مصدر نہیں اسم ہے۔ خَطَا یَخْطُوْ کا مصدر خَطْوَةٌ ہے (1)۔ مقصد یہ ہے کہ شیطان کی پیروی مت کرو، اس کے نقش قدم پر مت چلو کیونکہ وہ اپنے ماننے والوں کو نیکی اور ہدایت کی دعوت نہیں دیتا بلکہ اس کا یہ شیوہ ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے ماننے والوں کو بے حیائی اور بدکاری کی تلقین کرتا ہے اور برے کاموں کو اس حسین انداز میں پیش کرتا ہے کہ ان کے برے نتائج نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ انسان یہی سمجھنے لگتا ہے کہ ساری مسرتیں، ساری عزتیں انہی برے کاموں میں سمٹ کر رہ گئی ہیں۔ شیطان کے اُکسانے سے وہ ایسی ایسی کمینی اور حیا

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 206

رَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

اس کی رحمت تو نہ بچ سکتا تم میں سے کوئی بھی ہرگز ۲۴ ہاں اللہ تعالیٰ پاک کرتا ہے جسے چاہتا ہے

وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾ وَ لَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَ السَّعَةِ

اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے ۲۵ اور نہ قسم کھائیں جو برگزیدہ ہیں تم میں سے ۲۶ اور خوش حال

سوز حرکتیں کرتا ہے کہ دیکھنے والے انگشت بدنداں ہو جاتے ہیں۔ لیکن جب اپنی بدکاریوں کے نتائج سے وہ دو چار ہوتا ہے، جب بے حیائی کی جلائی ہوئی آگ خود اس کے اپنے گھر کو لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ اس کی اپنی ناموس اور عصمت لٹنے لگتی ہے اس وقت وہ شیطان کو اپنی مدد کے لیے پکارتا ہے لیکن وہ بے مروت ہنس کر ٹال دیتا ہے۔ اور اُلٹا اس کا مذاق اُڑاتا ہے۔

۲۴ آخر میں اس حقیقت کو بیان فرمادیا کہ یہ محض اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ وہ تمہیں شیطان کی وسوسہ اندازیوں سے اور اس کے دام فریب سے بچالے ورنہ تم میں یہ طاقت نہیں کہ تم اس گرگِ باراں دیدہ کی فریب کاریوں سے اپنے آپ کو بچا سکو۔ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ پر اپنی نظر لطف و کرم فرماتا ہے تو گرتے ہوئے سنبھل جاتے ہیں اور ڈوبتے ہوؤں کو سہارا مل جاتا ہے۔ اپنے علم اور فہم پر نازاں نہ ہوا کرو۔ ہروقت اس کے فضل و کرم کے امیدوار رہا کرو اور اسی کی بارگاہ اقدس میں بصد عجز و نیاز عرض کیا کرو کہ اے الٰہ العٰلمین ہم کمزور ہیں، شیطان کی چالیں بڑی خطرناک ہیں، ہم تنہا اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو ہماری مدد فرما اور ہمیں اس کے شر سے بچالے۔

۲۵ وہ تمہاری سب باتوں کو سنتا ہے۔ اور تمہارے ارادوں سے بھی واقف ہے۔ اگر تم سچے دل سے توبہ کرو گے اور اس کی رضا کے طلب گار بنو گے تو وہ ضرور تمہاری مدد فرمائے گا۔

۲۶ جس طرح پہلے بیان ہوا کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان لگانے والوں میں سے مسطح بن اثاثہ بھی تھے جو آپ کی خالہ زاد بہن کے بیٹے تھے۔ ان کی مالی حالت بڑی ناگفتہ بہ تھی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہمیشہ ان کی اعانت فرمایا کرتے تھے اور ان کی ضرورت پوری کرنے میں خصوصی توجہ کرتے۔ جب مسطح اس غلط الزام کو پھیلانے میں پیش پیش ہوئے تو آپ کو سخت صدمہ پہنچا۔ جب اللہ تعالیٰ نے براءت فرمادی تو آپ نے قسم اٹھائی کہ وہ آئندہ مسطح کی اعانت نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو اس آیت میں قسم توڑنے کا حکم دیا اور بڑے دلکش اور موثر انداز میں مسطح کا قصور معاف کردینے کی تلقین کی۔ فرمایا: وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ۔ یہ سنتے ہی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بَلٰى وَاللّٰهِ يَا رَبَّنَا اِنَّا لَنُحِبُّ اَنْ تَغْفِرَ لَنَا (روح المعانی) (1)۔ ”اے پروردگار مجھے تیری قسم! ہم تو اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ تو ہمیں معاف فرمادے“۔ اور آپ نے پہلے سے بھی زیادہ مسطح کی امداد اور دلداری شروع کردی۔

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 18، ص 125

اَنۡ يُّؤۡتُوۡۤا اُولِى الۡقُرۡبٰى وَالۡمَسٰكِيۡنَ وَالۡمُهٰجِرِيۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ۖ

ہیں ۷۲ اِس بات پر کہ وہ نہ دیں گے رشتہ داروں کو اور مسکینوں کو اور راہِ خدا میں ہجرت کرنے والوں کو۔

وَلۡيَـعۡفُوۡا وَلۡيَـصۡفَحُوۡا ؕ اَلَا تُحِبُّوۡنَ اَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَـكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ

اور چاہیے کہ (یہ لوگ) معاف کردیں اور درگزر کریں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ بخش دے اللہ تعالیٰ تمہیں اور اللہ غفور

ذرا غور فرمائیے قرآن کریم اپنے ماننے والوں کو اخلاق کی کن بلندیوں پر پہنچانا چاہتا ہے۔ مسطح نے اپنے خاندان کے بزرگ اور اپنے ذاتی محسن کی ناموس پر حملہ کیا تھا اور ایسا چرکا لگایا تھا کہ یہ زخم کبھی مندمل نہیں ہو سکتے تھے۔ آپ نے اس کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی بھی نہیں کی تھی، صرف مالی اعانت سے ہاتھ کھینچ لیے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ بھی پسند نہ آیا اس سے بھی باز آنے کا حکم دیا کہ تم جس نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیض یافتہ ہو اس نے تو ہمیشہ پتھر مارنے والوں اور راستے میں کانٹے بچھانے والوں کے لیے بھی ہدایت کی دعائیں مانگی ہیں۔ تمہیں یہ زیب دیتا ہے کہ جس شخص نے تمہاری آبرو کو داغدار کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے اس کے اس کرتوت کو خاطر میں نہ لاؤ اور حسب دستور اس کی مالی اعانت کرتے رہو۔ وَفِي الْاٰيَةِ مِنَ الْحَثِّ عَلٰى مَكَارِمِ الْاَخْلَاقِ مَا فِيْهَا (روح المعانی) (1)

یہاں ایک مسئلہ کا ذکر کر دینا بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا اگر کوئی شخص کسی بات پر قسم اٹھالے اور اس سے کوئی دوسری چیز بہتر ہو تو وہ اپنی قسم کو توڑ دے، اس کا کفارہ ادا کرے اور وہ کام کرے جو زیادہ بہتر اور مفید ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنٍ فَرَاٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا فَلْيَاْتِ الَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ مِّنْهَا وَلْيُكَفِّرْ عَنْ يَّمِيْنِهٖ (احکام القرآن جصاص) (2)

یعنی اگر کوئی شخص کوئی کام کرنے کی قسم اٹھالے، پھر اس سے کوئی بہتر کام معلوم ہو تو وہ بہتر کام کرے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دے۔

۷۲ فضل سے مراد بزرگی ہے اور السعۃ سے مراد دولت مندی اور کشادہ دستی ہے۔ اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ یہ آیت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔ رب العالمین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان معزز القاب سے سرفراز فرما رہے ہیں۔ جس کو اللہ تعالیٰ ان الفاظ سے یاد فرمائے اور جس کے اخلاق عالیہ کی بلندی کا یہ عالم ہو تو ایسی ہستی کے خلاف ہرزہ سرائی کرنا نامعقولیت کی انتہا ہے۔ بعض لوگوں نے اُولُوا الْفَضْلِ کا معنی دولت مند اور مال دار کیا ہے یہ درست نہیں ورنہ کلام الٰہی میں تکرار آئے گا۔ اَلسَّعَةُ سے مراد یقیناً دولت مندی اور فراخ دستی ہے اور اَلْفَضْلُ کا معنی بھی اگر یہی لیا جائے تو یہ قرآن کی فصاحت کے خلاف ہو گا۔ اس لیے فضل کا معنی اخلاقی اور روحانی بزرگی اور برتری ہے۔ اور اَلسَّعَةُ کا معنی دولت کی فراوانی ہے۔ اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ان دونوں نعمتوں سے سرفراز تھے (3)۔

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 18، ص 125

2۔ احکام القرآن از جصاص، ج 2، ص 454۔ سنن نسائی، کتاب الایمان والنذور، باب الکفارۃ بعد الحنث، ج 2، ص 144، مطبع مجتبائی پاکستان لاہور

3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 480

رَحِيۡمٌ ﴿۲۲﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَرۡمُوۡنَ الۡمُحۡصَنٰتِ الۡغٰفِلٰتِ الۡمُؤۡمِنٰتِ لُعِنُوۡا

رحیم ہے۔ جو لوگ تہمت لگاتے ہیں پاکدامن عورتوں پر جو انجان ہیں، ایمان والیاں ہیں ۲۸ اُن پر

فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ وَلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ﴿۲۳﴾ يَّوۡمَ تَشۡهَدُ عَلَيۡهِمۡ

پھٹکار ہے دنیا اور آخرت میں اور اُن کے لیے عذاب عظیم ہے۔ وہ یاد کریں اُس دن کو جب گواہی دیگی اُن کے

۲۸ پہلے تو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ذات گرامی پر الزام لگانے والوں کی کمینگی اور سفلگی کا ذکر ہوا اور وہ سزا بیان کی گئی جو ایسے نابکاروں کو دی جانی چاہیے۔ اب حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی قیامت تک آنے والی خادماؤں اور کنیزوں کی آبرو پر حملہ کرنے والوں کے متعلق اپنی ناراضگی کا اظہار فرمایا جا رہا ہے۔ غافلات سے مراد وہ پاک طینت خواتین ہیں جو طبعاً اتنی نیک ہوتی ہیں کہ ان کے دلوں میں ان فضول حرکتوں کا کبھی خیال تک بھی نہیں آتا۔ وہ اپنی فطری عفت کے باعث کمینہ خصلت لوگوں کے طور اطوار سے بالکل ناواقف اور انجان ہوا کرتی ہیں۔ نیز انہیں بھولے سے بھی کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ ان پر بھی کوئی انگشت نمائی کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص ایسی نیک فطرت، عفت شعار مسلمان عورتوں پر اس قسم کا گھناؤنا الزام لگاتا ہے، دنیا اور آخرت میں اس پر خدا کی لعنت ہوگی اور انہیں دردناک عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا۔ بعض حضرات نے اس آیت کو اُمہات المومنین کے لیے مخصوص کیا ہے۔ لیکن جمہور علماء کے نزدیک پہلا قول ہی راجح ہے (1)۔ اور امہات المومنین بطریقہ اَولیٰ اس میں داخل ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اِجۡتَنِبُوا السَّبۡعَ الۡمُوۡبِقَاتِ۔ سات ہلاک کر دینے والی چیزوں سے بچو۔ قِيۡلَ مَاهُنَّ يَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ۔ عرض کی گئی وہ کون سی چیزیں ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَلشِّرۡكُ بِاللّٰهِ وَالسِّحۡرُ وَقَتۡلُ النَّفۡسِ الَّتِىۡ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَاَكۡلُ الرِّبٰوا وَاَكۡلُ مَالِ الۡيَتِيۡمِ وَالتَّوَلِّىۡ يَوۡمَ الزَّحۡفِ وَقَذۡفُ الۡمُحۡصَنَاتِ الۡغَافِلَاتِ الۡمُؤۡمِنَاتِ (صحیحین) (2)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ سات چیزیں یہ ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک کرنا۔

۲۔ جادو کرنا۔

۳۔ کسی بے گناہ کو قتل کرنا۔

۴۔ سود کھانا۔

۵۔ یتیم کا مال کھانا۔

۶۔ میدان جنگ سے بھاگ آنا۔

۷۔ پاک دامن، انجان ایماندار خواتین پر جھوٹی تہمت لگانا۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 12، ص 10-209 2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الکبائر و اکبرھا، ج 1، ص 64

اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ يَوْمَىِٕذٍ

خلاف ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان اعمال پر جو وہ کیا کرتے تھے ۲۹ اس روز ۳۰ پورا

يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ۝

پورا دے گا انھیں اللہ تعالیٰ ان کا بدلہ جس کے وہ حقدار ہیں اور وہ جان لیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی ٹھیک فیصلہ کرنیوالا، ہر بات واضح

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ

کرنیوالا ہے ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لیے اور ناپاک مرد ۳۱ ناپاک عورتوں کے لیے ہیں۔ اور پاک (دامن) عورتیں پاک

وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓىِٕكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ

(دامن) مردوں کے لیے اور پاک (دامن) مرد پاک (دامن) عورتوں کے لیے ہیں۔ یہ مبرا ہیں ان (تہمتوں) سے جو وہ (ناپاک) لگانے ہیں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قَذْفُ الْمُحْصَنَةِ يَهْدِمُ عَمَلَ مِائَةِ سَنَةٍ (طبرانی)(1) کسی پاک دامن عورت پر بہتان لگانا سو سال کی نیکیوں کو برباد کر دیتا ہے۔

۲۹ یہ لوگ آج تو اپنی چرب زبانی سے اپنی غلط باتوں کی تاویلیں کر لیتے ہیں اور سادہ لوح انسانوں کو بہکانے کے لیے دلائل کے انبار لگا دیتے ہیں۔ ذرا وہ اس دن کو بھی یاد کریں جب ان کی زبانیں ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے اور وہ انکار کرنے کی جرأت نہیں کر سکیں گے۔

۳۰ دین سے مراد وہ بدلہ اور جزا ہے جو ان کے کرتوتوں کے باعث ان پر لازم ہو چکی ہے اور اس کا معنی حساب بھی کیا گیا ہے۔ اَيْ جَزَاءَ هُمُ الْوَاجِبَ وَقِيْلَ حِسَابَهُمُ الْعَدْلَ (2)۔

۳۱ دوستی اور سنگت ہر شخص سے نہیں ہو جایا کرتی بلکہ طبعی مناسبت کو اس میں بڑا دخل ہے۔ برے لوگ اپنے ہم جنسوں کے پاس بیٹھ کر ہی راحت محسوس کرتے ہیں۔ اگر انہیں مختصر مدت کے لیے ہی نیک لوگوں کی محفل میں بیٹھنا پڑے تو وہ اُکتا جاتے ہیں اور وہاں سے بھاگ نکلنے کی تدبیریں کرنے لگتے ہیں۔ اسی طرح اگر نیک فطرت لوگ اپنے ہم مذاق لوگوں کے پاس بیٹھیں گے تو انہیں کوئی اُکتاہٹ محسوس نہیں ہوگی بلکہ وہ بڑی فرحت اور انبساط محسوس کریں گے اور اگر انہیں بد اطوار لوگوں کے پاس لمحہ بھر کے لیے بیٹھنا پڑے تو وہ اداس ہو جائیں گے۔ اسی قاعدہ کے مطابق اکثر اور اغلب ایسا ہوتا ہے کہ خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لیے اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لیے، پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لیے اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لیے

1۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 277 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 484

وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۶﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ

اُن کے لیے بھی (اللہ کی) بخشش ہے اور عزت والی روزی ہے۔ اے ایمان والو! ۳۲ نہ داخل ہوا کرو (دوسرے) گھروں میں اپنے گھروں کے

ہوتے ہیں۔ جب قدرت کا عام اصول یہ ہے تو خود غور کرو جو اَطْيَبُ الْاَطْيَبِيْنَ ہے، جو خیر الاولین والآخرین ہے تو اس کی اہلیہ مکرمہ بھی اَطْيَبُ الطّيّبات ہوگی۔ ان نابکاروں کا جھوٹ اسی ایک بات سے عیاں ہو جاتا ہے۔ مزید دلائل کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

قَالَ بَعْضُ اَهْلِ التَّحْقِيْقِ اِنَّ يُوْسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا رُمِيَ بِالْفَاحِشَةِ بَرَّءَهُ اللهُ عَلٰى لِسَانِ صَبِيٍّ فِي الْمَهْدِ وَاِنَّ مَرْيَمَ لَمَّا رُمِيَتْ بِالْفَاحِشَةِ بَرَّءَهَا اللهُ عَلٰى لِسَانِ ابْنِهَا عِيْسٰى صَلَوٰةُ اللهِ عَلَيْهِ وَاِنَّ عَائِشَةَ لَمَّا رُمِيَتْ بِالْفَاحِشَةِ بَرَّءَهَا اللهُ بِالْقُرْاٰنِ۔ (قرطبی) (1)

یعنی اہل تحقیق فرماتے ہیں کہ جب یوسف علیہ السلام پر تہمت لگائی گئی تو اللہ تعالیٰ نے ایک شیر خوار بچے کی زبان سے آپ کی براءت کی۔ جب حضرت مریم علیہا السلام پر الزام لگایا گیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو ابھی چند دنوں کے بچے تھے انہوں نے براءت کی۔ لیکن جب حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ یہی واقعہ پیش آیا تو خود زبان قدرت نے قرآن مجید میں آپ کی پاک دامنی کی شہادت دی۔ ع

ببیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بکجا

۳۲۔ یہاں سے اسلامی طرز معاشرت کے چند اہم قاعدے سکھائے جا رہے ہیں۔ انصار کی ایک خاتون بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئی۔ عرض کی یا رسول اللہ! بسا اوقات میں گھر میں ایسی حالت میں ہوتی ہوں کہ میں نہیں چاہتی کہ کوئی مجھے اس حالت میں دیکھے۔ کبھی میرے والد آجاتے ہیں اور کبھی اہل خانہ سے کوئی اور مرد آجاتا ہے۔ مجھے کیا ارشاد ہے وَكَيْفَ اَصْنَعُ اور میں کیا کروں؟ (2) اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

آپ خود غور فرمائیے کہ انسان کا گھر اس کا خلوت خانہ ہے جہاں وہ بے تکلفی سے وقت بسر کر سکتا ہے۔ اگر یہاں بھی ہر شخص کو بلا اجازت، بے دھڑک آگھسنے کی آزادی ہو تو انسان گھر میں وہ راحت و آرام نہیں پا سکے گا جس کی تلاش میں وہ باہر سے تھکا ماندہ آتا ہے۔ نیز گھر کی مستورات ہر وقت اپنے کپڑوں کو سنبھال کر نہیں رکھ سکتیں۔ کبھی اوڑھنی سر سے اُتر جاتی ہے کبھی کوئی کام کرنے کے لیے آستینیں چڑھانی پڑتی ہیں، نہانا دھونا بھی ہوتا ہے۔ ان حالات میں اگر آنے والے پر کوئی پابندی نہ ہو تو عورتیں یا تو ہر وقت سر پر چادر ڈالے رہیں اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھی رہیں یا نامحرم کے سامنے بے حجاب ہونے کا اندیشہ مول لیں۔ نیز یہ ویسے بھی بڑی سخت زیادتی ہے کہ کوئی کسی کے گھر میں بلا اجازت گھس آئے۔ اس طرح گوناگوں خرابیوں کا دروازہ کھل جائے گا۔ نظر بازی، کسی کی راز کی باتوں کو سننا وغیرہ قباحتیں رونما ہو جائیں گی۔ گھر کا امن و سکون برباد ہونے کے ساتھ ساتھ عصمت و آبرو بھی محفوظ نہیں رہے گی۔ اسلام سے پہلے عرب کے لوگ اس قسم کے آداب کے عادی نہ تھے۔ حُيِّيْتُمْ صَبَاحًا (صبح بخیر) یا حُيِّيْتُمْ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 212
2۔ ایضاً، جز 12، ص 213

مَسَاءً (شب بخیر) کہا اور جواب کا انتظار کیے بغیر گھر میں آ گھسے (1)۔ اسلام نے اس طریق کار کو سختی سے روک دیا اور حکم دیا کہ اگر کسی کے ہاں جانا پڑے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ باہر کھڑے ہو کر اذن طلب کرو اور اگر اذن مل جائے تو اہل خانہ کو سلام کہتے ہوئے اندر جاؤ۔ فرمایا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ یہی طریقہ تمہارے لیے عمدہ اور پسندیدہ ہے۔

اذن کس طرح لینا چاہیے، کہاں کھڑے ہو کر لینا چاہیے، کتنی بار لینا چاہیے؟ اس کی تفصیل احادیث نبوی میں مذکور ہے جو درج ذیل ہے تاکہ اسلامی تمدن کا یہ قاعدہ اور اس پر عمل کرنے کا طریقہ خوب ذہن نشین ہو جائے۔

اذن لینے کا طریقہ یہ ہے کہ سلام بھی کہے، داخل ہونے کی اجازت بھی طلب کرے اور اپنا نام بھی بتائے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جب شرف باریابی حاصل کرنا چاہتے تو یوں عرض کرتے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَيَدْخُلُ عُمَرُ؟ (2) یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ پر سلام ہو کیا عمر رضی اللہ عنہ حاضر ہو سکتا ہے؟

ایک شخص دروازہ پر آیا اور کہا أَأَدْخُلُ، کیا میں گھس آؤں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روضہ نامی باندی حاضر تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے روضہ جا اور اسے اذن مانگنے کا طریقہ سکھا کہ اسے یوں کہنا چاہیے تھا اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَأَلِجُ (3)۔

اگر صاحب خانہ اذن طلب کرنے والے سے پوچھے کہ تم کون ہو تو اسے اپنا نام بتانا چاہیے۔ صرف یہ کہنا کہ "میں ہوں" درست نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو ناپسند فرمایا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ معمول تھا کہ جب اذن طلب فرماتے تو دروازہ کے سامنے کھڑے نہ ہوتے بلکہ دائیں یا بائیں کھڑے ہوتے کیونکہ اس وقت دروازوں پر پردے لٹکانے کا رواج نہ تھا۔ وَ ذٰلِكَ اَنَّ الدُّوْرَ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهَا يَوْمَئِذٍ سُتُوْرٌ۔ (قرطبی) (4)

نیز دروازے کو کھٹکھٹانا بھی اذن طلب کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ آج کل کئی گھروں میں گھنٹی لگی ہوتی ہے اسے بجا کر بھی اذن طلب کیا جا سکتا ہے۔

زیادہ سے زیادہ تین بار اذن طلب کرنا چاہیے۔ اگر تیسری بار جواب نہ آئے تو واپس چلا آئے کیونکہ اس سے زیادہ اذن طلب کرنا صاحب خانہ کو اذیت دینا اور پریشان کرنا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ اس وقت ایسے کام میں مشغول ہو جسے وہ منقطع نہ کر سکتا ہو۔ لِاَنَّ الزِّيَادَةَ عَلٰى ذٰلِكَ قَدْ تُقْلِقُ رَبَّ الْمَنْزِلِ وَ رُبَّمَا يَضُرُّهُ الْاِلْحَاحُ (قرطبی) (5)

جس گھر میں ماں یا بہن رہائش پذیر ہو وہاں جاتے ہوئے بھی اذن طلب کرنا چاہیے۔ احتیاط کا تقاضا تو یہ ہے کہ اپنے گھر جہاں اس کی اہلیہ ہو اطلاع دیئے بغیر داخل نہ ہو، بلکہ پاؤں کی آہٹ کرنے سے یا کھنگھارنے سے اپنی آمد کی اطلاع دے دے۔ ہو سکتا ہے کوئی اجنبیہ عورت گھر میں اس کی بیوی سے ملنے آئی ہوئی ہو۔

اسلام نے صرف بلا اجازت داخل ہونے پر ہی پابندی نہیں لگائی بلکہ بلا اجازت کسی کے گھر میں جھانکنا بھی ممنوع قرار دیا

1۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج6، ص446 2۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، باب ما جاء فی کیفیۃ الاستئذان، ج8، ص340، مطبوعہ دار الفکر

3۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، جز18، ص87

4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز12، ص216۔ سنن ابی داود، کتاب الآداب، باب کم مرۃ یسلّم الرجل فی الاستیذان، ج2، ص349 5۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج12، ص215

حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ

سوا، جبتک تم اجازت نہ لے لو اور سلام نہ کر لو ان گھروں میں رہنے والوں پر۔ یہی بہتر ہے تمہارے لیے شاید تم (اس کی حکمتوں

تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِیْهَاۤ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى یُؤْذَنَ

میں) غور و فکر کرو۔ پھر اگر نہ پاؤ ان گھروں میں کسی کو (جو تمہیں اجازت دے) تو نہ داخل ہو ان میں ۳۳ یہاں تک کہ اجازت دی

لَكُمْ ۚ وَ اِنْ قِیْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا

جائے تمہیں اور اگر کہا جائے تمہیں ۳۴ کہ واپس چلے جاؤ تو واپس چلے جاؤ۔ یہ (طرز معاشرت) بہت پاکیزہ ہے تمہارے لیے اور اللہ تعالیٰ

ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ مَنْ اَطَّلَعَ فِیْ بَیْتِ قَوْمٍ بِغَیْرِ اِذْنِهِمْ حَلَّ لَهُمْ اَنْ یَّفْقَئُوْا عَیْنَهٗ(1)۔ ترجمہ: جو دوسروں کے گھر میں ان کی اجازت کے بغیر جھانکے ان کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کی آنکھ نکال دیں۔ (صحیح مسلم) اس طرح شریعت نے گھر کو انسان کے لیے ایسا محکم حصار بنا دیا ہے جس میں اس کی اجازت کے بغیر نہ کوئی جھانک سکتا ہے نہ قدم رکھ سکتا ہے۔ تا کہ صاحب خانہ بڑی بے تکلفی اور آرام و راحت سے اپنا وقت بسر کر سکے۔

۳۳ اگر تم آ کر اذن طلب کرو، اندر سے کوئی جواب نہ ملے تو واپس چلے جاؤ کیونکہ تمہارے اذن کے جواب پر خاموشی کی وجہ یا تو یہ ہو سکتی ہے کہ گھر میں کوئی شخص موجود ہی نہیں، اس صورت میں تمہیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ اہل خانہ کی عدم موجودگی میں تم ان کے گھر میں داخل ہو جاؤ، یا عدم جواب عدم اذن کی دلیل ہے۔ اس صورت میں بھی تمہیں اندر جانے پر اصرار نہ کرنا چاہیے۔ ایک روز حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور طلب اذن کے لیے فرمایا اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ۔ سعد نے سن لیا اور آہستہ سے وَعَلَیْكُمُ السَّلَامُ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عرض کیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے دوسری بار سلام فرمایا۔ سعد نے پھر بھی چپکے سے جواب دیا۔ تیسری بار بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے سلام کے جواب میں سعد نے آہستہ سے وَعَلَیْكُمُ السَّلَامُ کہہ دیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم واپس تشریف لے جانے لگے تو سعد دوڑتے ہوئے آئے اور عرض کی میرے ماں باپ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر قربان ہوں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے جتنی بار سلام فرمایا میں نے سنا اور جواب دیا۔ میری خاموشی کا مقصد یہ تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم مجھے بار بار سلام فرمائیں اور مجھے اس کی برکت حاصل ہو(2)۔

۳۴ اگر تم نے اذن طلب کیا اور مالک مکان نے اجازت نہ دی تو کبیدہ خاطر اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ تکدر اور ناراضگی محسوس کیے بغیر واپس چلے جاؤ۔ ہو سکتا ہے کہ اہل خانہ کسی ایسے کام میں مشغول ہوں کہ اسے ترک کرنا ان کے لیے تکلیف دہ ہو۔

جو لوگ کوئی تحقیقی کام کرنے میں مشغول ہوتے ہیں انہیں اپنے احباب کا شکوہ کرتے ہوئے اکثر سنا گیا ہے۔ وہ بے چارے اپنا کام چھوڑ کر اکثر دوستوں کی خاطر مدارات میں مشغول ہوتے ہیں تو پہروں کی جگر کاوی اور جانکاہی خاک میں مل

1۔ صحیح مسلم، کتاب الآداب، باب تحریم النظر فی بیت غیرہ، ج 2، ص 212 2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الآداب، باب کم مرۃ یسلّم الرجل فی الاستیذان، ج 2، ص 349

تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ

جو کچھ تم کرتے ہو خوب جاننے والا ہے۔ کوئی حرج نہیں تم پر اگر تم داخل ہو ایسے گھروں میں جن میں کوئی

مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾

آباد نہیں، جن میں تمہارا سامان رکھا ہے ۳۵ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ

آپ حکم دیجیے مومنوں کو کہ وہ نیچے رکھیں اپنی نگاہیں ۳۶ اور حفاظت کریں اپنی شرمگاہوں کی ۳۷ یہ طریقہ

جاتی ہے۔ اگر اپنے کام میں لگے رہتے ہیں تو ان کے احباب اور کرم فرما بگڑ جاتے ہیں اور ان پر طعن و تشنیع کے تیروں کی بوچھاڑ کردیتے ہیں۔ اسلام نے کیا عمدہ آداب سکھائے ہیں کہ اگر کسی وقت تمہیں ملاقات کی اجازت نہیں ملی تو خوشی خوشی واپس چلے جاؤ اس کو اپنے کام میں منہمک رہنے دو، تمہارے لیے یہی کام بہتر ہے۔ یہاں گھر کی تقدیس کے ساتھ ساتھ وقت کی قدر و منزلت کا سبق دیا جا رہا ہے۔ یعنی مومن کی زندگی اتنی بے کار اور بے مصرف تو نہیں ہوتی کہ جس وقت کوئی چاہے اس کے اوقات میں دخیل ہوجائے نہ اس کے پاس اتنا فالتو وقت ہوتا ہے کہ ہر وقت آپ کے لیے گوش برآواز رہے۔ جو وقت اس نے مطالعہ یا کسی مخصوص کام کے لیے مقرر کر رکھا ہے اس میں اس کو کام کرنے دو۔ اس کی مصروفیتوں کا احترام کرو۔ اگر اس نے اپنی کسی مجبوری کے باعث معذرت کی ہے تو خندہ پیشانی سے اس کی معذرت خواہی کو قبول کرلو۔

اگر کوئی اجازت طلب کرے اور اس وقت اسے اجازت نہ ملے تو اسے یہ اختیار ہے کہ دروازہ سے ہٹ کر بیٹھ جائے اور اس شخص کا انتظار کرے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کوئی حدیث سننے کے لیے کسی انصاری کے ہاں تشریف لے جاتے اور وہ آرام کر رہے ہوتے تو آپ اس کے انتظار میں باہر ٹھہر جاتے۔ وہ جب اپنے معمول کے مطابق باہر آتے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو منتظر پاتے تو کہتے اے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا کے صاحبزادے! آپ نے اپنی آمد سے ہمیں مطلع کیوں نہ کیا، تاکہ ہم اسی وقت حاضر ہوجاتے۔ تو آپ فرماتے هٰكَذَا اُمِرْنَا اَنْ نَّطْلُبَ الْعِلْمَ (مظہری)(1) ہمیں علم حاصل کرنے کا یہی طریقہ سکھایا گیا ہے۔

۳۵ اس سے مراد سرائے، مہمان خانہ اور ہوٹل وغیرہ ہیں، جہاں ہر وقت آنے جانے کی عام اجازت ہوتی ہے۔

۳۶ شریعت اسلامیہ فقط گناہوں سے نہیں روکتی اور ان کے ارتکاب پر سزا نہیں دیتی۔ بلکہ ان تمام وسائل اور ذرائع پر پابندی عائد کرتی ہے اور انہیں ممنوع قرار دیتی ہے جو انسان کو گناہوں کی طرف لے جاتے ہیں۔ تاکہ جب گناہوں کی طرف لے جانے والا راستہ ہی بند ہوگا تو گناہوں کا ارتکاب آسان نہیں ہوگا۔ طبیعت میں ہیجان پیدا کرنے والے اور جذبات شہوت کو مشتعل کرنے والے اسباب سے نہ روکنا اور ان کو کھلی چھٹی دے دینا، اور پھر یہ توقع رکھنا کہ ہم اپنے قانون کی قوت سے لوگوں کو برائی سے بچالیں

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 489

گے، بڑی نادانی اور ابلہی ہے۔ اگر کوئی نظام ان عوامل اور محرکات کا قلع قمع نہیں کرتا جو انسان کو بدکاری کی طرف دھکیل کر لے جاتے ہیں، تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ اس برائی کو برائی نہیں سمجھتا اور نہ اس سے لوگوں کو بچانے کی مخلصانہ کوشش کرتا ہے۔ اس کی زبان پر جو کچھ ہے وہ اس کے دل کی صدا نہیں، بلکہ محض ریاکاری اور ملمع سازی ہے۔

درمیان قعرِ دریا تختہ بندم کردہٖ　　بازمی گوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش

کسی کو بہتے ہوئے دریا میں دھکا دے کر گرا دینا اور پھر اس کو یہ کہنا کہ خبردار! اپنے دامن کو پانی کی موجوں سے گیلا نہ ہونے دینا بہت بڑی زیادتی ہے۔

اس سورت کا آغاز زناکاروں کی سزا کے ذکر سے ہوا۔ یہاں ان راستوں کو ہی بند کیا جا رہا ہے جو انسان کو اس جرمِ شنیع کی طرف لے جاتے ہیں۔ بدکاری کا سب سے خطرناک راستہ نظربازی ہے اس لیے سب سے پہلے اس کو بند کیا جا رہا ہے۔ مردوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھو اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو۔ جب نگاہ کسی نامحرم کی طرف نہیں اٹھے گی تو دل میں اس کی طرف کشش پیدا نہ ہوگی۔ جب کشش ہی ناپید ہوگی تو بدفعلی کا ارتکاب ہی بعید از قیاس ہوگا۔ آیت میں آنکھوں کو مطلقاً بند رکھنے کا حکم نہیں دیا جا رہا، بلکہ اس کی طرف آنکھ بھر کر دیکھنے سے روکا جا رہا ہے جس کی طرف دیکھنا حرام ہے۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی سختی سے نامحرم کی طرف دیکھنے سے منع فرمایا ہے۔ چند ارشادات نبوی ملاحظہ فرمائیے۔

عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ یَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ اُکْفُلُوْا لِیْ بِسِتٍّ اَکْفُلُ لَکُمْ بِالْجَنَّۃِ اِذَا حَدَّثَ اَحَدُکُمْ فَلَا یَکْذِبْ وَاِذَا اؤْتُمِنَ فَلَا یَخُنْ وَاِذَا وَعَدَ فَلَا یُخْلِفْ وَغُضُّوْا اَبْصَارَکُمْ وَ کُفُّوْا اَیْدِیَکُمْ وَاحْفَظُوْا فُرُوْجَکُمْ (ابن کثیر)(1)

ترجمہ: اگر تم میرے ساتھ ان چھ باتوں کا وعدہ کرو تو میں تمہارے لیے جنت کا ضامن ہوں:

۱۔ جب تم میں سے کوئی بات کرے تو جھوٹ نہ بولے۔

۲۔ جب اسے امین بنایا جائے تو خیانت نہ کرے۔

۳۔ جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی نہ کرے۔

۴۔ اپنی نگاہوں کو نیچے رکھو۔

۵۔ اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو۔

۶۔ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

مَنْ یَّکْفُلُ لِیْ مَا بَیْنَ لِحْیَیْہِ وَ بَیْنَ رِجْلَیْہِ اَکْفُلُ لَہُ الْجَنَّۃَ۔(2) ''جو شخص مجھے دو باتوں کی ضمانت دے کہ جو اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان یعنی زبان اور جو اس کے دونوں ٹانگوں کے درمیان ہے تو میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں''۔

1۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج3، ص282۔ معجم کبیر، ج8، ص262، رقم الحدیث: 8018

2۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج3، ص282۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان، ج2، ص958

اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝۳۰ وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ

بہت پاکیزہ ہے اُن کیلئے۔ بیشک اللہ تعالیٰ خوب آگاہ ہے اِن کاموں پر جو وہ کیا کرتے ہیں ۳۸ اور آپ حکم دیجئے ایماندار عورتوں کو کہ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اِنَّ النَّظْرَ سَهْمٌ مِّنْ سِهَامِ اِبْلِيْسَ مَسْمُوْمٌ مَّنْ تَرَكَهٗ مَخَافَتِيْ اَبْدَلْتُهٗ اِيْمَانًا يَجِدُ حَلَاوَتَهَا فِيْ قَلْبِهٖ (1)۔ ''نظر شیطان کے تیروں میں سے ایک زہریلا تیر ہے جو اس کو میرے خوف سے ترک کرتا ہے میں اسے ایمان کی نعمت بخشوں گا جس کی مٹھاس وہ اپنے دل میں پائے گا''۔ حضرت جریر بن عبد اللہ البجلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے دریافت کیا کہ اگر اچانک کسی اجنبیہ پر نظر پڑ جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ فَاَمَرَنِيْ اَنْ اُصْرِفَ بَصَرِيْ (2)۔ ''حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھے حکم فرمایا کہ میں اپنی نظر کو پھیر لوں''۔ اچانک کسی نامحرم پر اگر نظر پڑ جائے تو وہ معاف ہے۔ لیکن اگر دوبارہ دانستہ اس کی طرف دیکھے گا تو گنہگار ہوگا۔ فَاِنَّ لَكَ الْاُوْلٰى وَلَيْسَ لَكَ الْاٰخِرَةُ (3)۔ یہ احادیث طیبہ تفسیر ابن کثیر سے منقول ہیں۔

۳۷ یعنی اپنی ستر کی جگہوں کو ڈھانپے رکھیں اور انہیں برہنہ نہ ہونے دیں۔

ابو العالیہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں جہاں بھی حفظ فروج کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد زنا سے بچنا ہے لیکن یہاں اس سے مراد ستر پوشی ہے تاکہ ان پر نظر نہ پڑے (4)۔ مرد کا ستر ناف سے گھٹنوں تک ہے۔ اتنی جگہ کو اسے ننگا نہ ہونے دینا چاہیے۔ اور اگر کوئی برہنہ ہو تو اس کی طرف دیکھنا نہ چاہیے۔ تنہائی میں بھی بے پردہ ہونے کی اجازت نہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے ایک صحابی کو فرمایا اِحْفَظْ عَوْرَتَكَ اِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ اَوْ مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ۔ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ؟ اَفَرَاَيْتَ اِذَا كَانَ الرَّجُلُ خَالِيًا۔ اگر انسان تنہا ہو تو پھر اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ فرمایا فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ يُّسْتَحْيٰ مِنْهُ (5)۔ ''حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اس وقت بھی ستر نہ کھولے۔ اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس سے شرم کی جائے''۔

۳۸ نگاہیں نیچی رکھنے کی حکمت بیان فرمائی جارہی ہے کہ اس طرح ہی تمہارا دامن عفت پاک رہ سکتا ہے اگر نگاہیں ہوسناک ہوں۔ مرد و زن کا آزادانہ اختلاط ہو، خلوت میں نامحرموں کے ساتھ سلسلہ گفتگو بھی جاری رہے، اور پھر انسان یہ خیال کرے کہ وہ اپنے دامن کو داغدار نہیں ہونے دے گا تو یہ اس کی حماقت کی انتہا ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے بچے اور بچیاں عفیف اور عصمت شعار رہیں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم انہیں قرآن کریم کی ان آیات کی تعلیم دیں۔ حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہ حکیمانہ ارشادات از بر کرائیں تاکہ وہ ہلاکت کے اس گرداب کے نزدیک ہی نہ آنے پائیں۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں: اَلْبَصَرُ هُوَ الْبَابُ الْاَكْبَرُ اِلَى الْقَلْبِ ...... وَ بِحَسْبِ ذٰلِكَ كَثُرَ السُّقُوْطُ مِنْ جِهَتِهٖ وَوَجَبَ التَّحْذِيْرُ مِنْهُ وَ غَضُّهٗ وَاجِبٌ عَنْ جَمِيْعِ الْمُحَرَّمَاتِ وَكُلِّ مَا يُخْشَى الْفِتْنَةُ مِنْ اَجْلِهٖ (6)۔ ''نظر دل کی طرف کھلنے والا سب سے بڑا دروازہ ہے۔ نگاہ کی بے راہ روی

1۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج3، ص282۔ معجم کبیر للطبرانی، ج10، ص173، رقم الحدیث 10362

2۔ صحیح مسلم، کتاب السلام، ج2، ص212، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

3۔ جامع ترمذی، ابواب الآداب، باب ماجاء فی نظر الفجاءۃ، ج2، ص101

4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج6، ص491

5۔ جامع ترمذی، ابواب الآداب، باب ماجاء فی حفظ العورۃ، ج2، ص103

6۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز12، ص223

مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا

وہ نیچی رکھا کریں اپنی نگاہیں ۳۹ اور حفاظت کیا کریں اپنی عصمتوں کی ۴۰ اور نہ ظاہر کیا کریں اپنی آرائش کو مگر جتنا

کے باعث ہی اکثر لغزشیں ہوتی ہیں اس لیے اس سے بچنا چاہیے اور تمام محرکات سے انہیں روکنا چاہیے''۔

۳۹ پہلے مردوں کو نگاہیں نیچی رکھنے اور شرمگاہوں کی حفاظت کرنے کا حکم دیا گیا۔ اب مومن عورتوں کو ان آداب واحکام کی پابندی کا حکم فرمایا جارہا ہے جن سے وہ اپنی ناموس اور آبرو کو محفوظ رکھ سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمارہے ہیں کہ آپ مومن عورتوں کو حکم دیجئے کہ:

۱۔ وہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھا کریں۔

۲۔ اپنے ستر کی جگہوں کی حفاظت کیا کریں۔

۳۔ اپنی زینت کو ظاہر نہ ہونے دیا کریں بجز اس کے جس کے ظاہر کیے بغیر چارہ نہیں۔

۴۔ اپنی اوڑھنیوں سے اپنے سینوں کو ڈھانپ لیا کریں۔

۵۔ زمین پر پاؤں اس طرح نہ ماریں جن سے ان کی مخفی زینت وآرائش ظاہر ہو۔

۶۔ درمیان میں ان لوگوں کا ذکر کردیا گیا جن کے سامنے زینت کا اظہار ممنوع نہیں۔

یہ چھ ارشادات ربانی ہیں جو اس ایک آیت میں ذکر کیے گئے ہیں۔ اب ذرا ان کا تفصیلی تذکرہ سماعت فرمایئے تاکہ وہ قواعد و ضوابط آپ کے سامنے واضح ہوجائیں جن پر کاربند ہونا اسلامی معاشرہ کو پاکیزہ رکھنے کے لیے ہر مرد اور عورت پر لازمی ہے۔

عورتوں کو بھی نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا جارہا ہے کہ وہ ان چیزوں کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھیں جن کی طرف دیکھنا ممنوع ہے۔

اس مسئلہ کو امام فخر الدین رازی نے خاص ترتیب سے لکھا ہے جس سے مسئلہ کے سارے گوشے واضح ہوجاتے ہیں۔ اس لیے میں انہیں کا اتباع کرتے ہوئے اس مسئلہ کو پیش خدمت کرتا ہوں۔

''آپ فرماتے ہیں جسم کا وہ حصہ جس کو ظاہر کرنا یا جس کو دیکھنا ممنوع ہے چار طرح سے ہے۔

۱۔ مرد کے جسم کا وہ حصہ جو دوسرے مرد کو دیکھنا ممنوع ہے۔

۲۔ عورت کے جسم کا وہ حصہ جو دوسری عورت کو دیکھنا ممنوع ہے۔

۳۔ عورت کے جسم کا وہ حصہ جو مرد کو دیکھنا ممنوع ہے۔

۴۔ مرد کے جسم کا وہ حصہ جس کی طرف عورت کو دیکھنا جائز نہیں''۔

مرد کے جسم کا وہ حصہ جس کی طرف دوسرا مرد نہیں دیکھ سکتا، ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہے۔ امام صاحب کے نزدیک گھٹنوں کو دیکھنا جائز نہیں اور ران کو دیکھنا بطریقہ اَولیٰ ممنوع ہوگا(1)۔

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 23/12، ص 203

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ایک دن مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ران سے کپڑا سرک گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا غَطِّ فَخِذَكَ فَاِنَّهَا مِنَ الْعَوْرَةِ(1) اپنی ران کو ڈھانپ لو کیونکہ یہ بھی ستر ہے۔ حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھی ارشاد فرمایا لَا تُبْرِزْ فَخِذَكَ وَلَا تَنْظُرْ اِلٰى فَخِذِ حَيٍّ وَّلَا مَيِّتٍ(2)۔ اپنی رانوں کو ظاہر نہ کرو اور کسی مردہ یا زندہ کی ران کی طرف مت دیکھو۔

۲۔ عورت کے جسم کا وہ حصہ جو کسی عورت کو دیکھنا بھی جائز نہیں وہ بھی یہی ہے۔ یعنی ناف سے لے کر گھٹنوں تک نہیں دیکھ سکتی۔ باقی جسم کا دیکھنا جائز ہے۔ لیکن اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو یہ بھی ممنوع ہے(3)۔ غیر مسلم عورت مسلمان عورت کے صرف ان حصوں کو دیکھ سکتی ہے جو مرد دیکھ سکتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سالار لشکر کی طرف لکھا اَنَّهُ بَلَغَنِیْ اَنَّ نِسَاءَ اَهْلِ الذِّمَّةِ يَدْخُلْنَ الْحَمَّامَاتِ مَعَ نِسَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ فَامْنَعْ مِنْ ذٰلِكَ وَحُلْ دُوْنَهٗ فَاِنَّهٗ لَا يَجُوْزُ اَنْ تَرَى الذِّمِّيَّةُ عُرْيَةَ الْمُسْلِمَةِ(4)۔

یعنی مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ ذمی عورتیں مسلمان عورتوں کے ساتھ حمام میں جاتی ہیں اس سے روک دو کیونکہ کسی ذمیہ عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ مومن عورت کے ستر کو دیکھے۔

۳۔ عورت کے بدن کا وہ حصہ جو مرد کو دیکھنا ممنوع ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے امام موصوف لکھتے ہیں: وہ عورت اجنبی ہو گی، محرم ہو گی یا بیوی ہو گی۔ اگر وہ آزاد نا محرم عورت ہے تو اس کا سارا بدن ہاتھ اور چہرہ کے سوا ستر ہے، کیونکہ وہ بیع شراء اور لین دین کے وقت چہرہ اور ہاتھوں کو کھولنے پر مجبور ہوتی ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں چہرہ اور ہاتھوں کی طرف دیکھنے کی تین صورتیں ہیں:

(ا) چہرہ دیکھنے کی کوئی غرض نہ ہو، فتنہ کا اندیشہ بھی نہ ہو۔

(ب) دوسری صورت یہ ہے، دیکھنے کی غرض کوئی نہیں لیکن فتنہ کا اندیشہ ہے۔

(ج) تیسری صورت یہ ہے کہ غرض بھی ہے اور فتنہ کا اندیشہ بھی ہے۔

پہلی صورت میں اجنبیہ کی طرف بلا مقصد قصد و ارادہ سے دیکھنا جائز نہیں۔ اگر ایک دفعہ نگاہ پڑ جائے تو دوسری مرتبہ آنکھیں پھیر لے۔ نگاہیں نیچی کر لے۔ حضرت امام صاحب کی رائے یہ ہے کہ اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو ایک مرتبہ جائز ہے اور بار بار دیکھنا منع ہے۔ وَقِيْلَ يَجُوْزُ مَرَّةً وَّاحِدَةً اِذَا لَمْ يَكُنْ مَحَلَّ فِتْنَةٍ وَّبِهٖ قَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَلَا يَجُوْزُ اَنْ يُّكَرِّرَ النَّظْرَ اِلَيْهَا۔ اس کی تفصیل ان احادیث میں گزر چکی ہے جو پہلی آیت کے ضمن میں درج کی گئی ہیں۔ دوسری صورت جب کہ اجنبیہ کے دیکھنے کا مقصد ہو مثلاً اگر کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے اس عورت کے چہرہ اور ہتھیلیوں کو دیکھنا جائز ہے۔ ارشاد نبوی ہے: اِذَا خَطَبَ اَحَدُكُمُ الْمَرْاَةَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّنْظُرَ اِلَيْهَا(5)۔ ''یعنی اگر کوئی شخص کسی عورت سے منگنی کرنا چاہے تو اسے دیکھنے میں کوئی حرج نہیں''۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ایک عورت سے منگنی کی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کیا تو نے اسے دیکھا ہے انہوں نے عرض کی نہیں۔ قَالَ فَانْظُرْ فَاِنَّهٗ اَحْرٰى اَنْ يُّؤْدَمَ بَيْنَكُمَا۔ فرمایا پہلے دیکھ لو اس طرح تمہارے رشتہ کی

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج12/23، ص203۔ جامع الترمذی، کتاب الآداب باب ما جاء ان الفخذ عورۃ، ج2، ص103

2۔ کنز العمال رقم الحدیث 21674، ج8، ص18، مکتبۃ التراث اسلامی

3۔ ایضاً

4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز12، ص233

5۔ کنز العمال، رقم الحدیث 44525، ج16، ص290، مکتبۃ التراث الاسلامی

ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ

خود بخود نمایاں ہو اس سے ۱۴۰ اور ڈالے رہیں اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ۱۴۱ اور نہ ظاہر ہونے دیں

بقا کا زیادہ امکان ہے (1)۔ تیسری صورت میں جب کہ اجنبیہ کی طرف محض شہوت کے خیال سے دیکھے تو اس وقت اس کے کسی حصہ جسم کو دیکھنا بھی ممنوع ہے البتہ ڈاکٹر اور طبیب مریضہ کے جسم کے کسی حصہ کو بھی دیکھ سکتا ہے جب کہ اس کا دیکھنا علاج کے لیے ضروری ہو۔ لیکن مستورات کے علاج کے لیے ایسے طبیب اور ڈاکٹر کے پاس جانا چاہیے جو امین ہو۔ اسی لیے امام رازی فرماتے ہیں: یَجُوْزُ لِلطَّبِیْبِ الْاَمِیْنِ اَنْ یَّنْظُرَ اِلَیْهَا لِلْمُعَالَجَةِ۔ اگر عورت ڈوب رہی ہو یا اسے آگ لگ گئی ہو تو اسے بچانے کے لیے اس کے جسم کے کسی حصہ کو ہاتھ لگانا یا اس کی طرف دیکھنا ممنوع نہیں کیونکہ اس وقت اس کی جان بچانا فرض ہے۔ یہ احکام اس عورت کے تھے جو اجنبیہ اور نامحرم ہو۔ محرم عورت کے متعلق امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد یہ ہے کہ جسم کے وہ حصے جو کام کاج کرتے وقت عام طور پر کھل جاتے ہیں فقط ان کی طرف دیکھنا جائز ہے وَعَوْرَتُهَا مَا یَبْدُوْ عِنْدَ الْمِهْنَةِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رحمۃ اللہ علیہ اور اپنی بیوی کے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں جس کی طرف دیکھنا خاوند کے لیے ممنوع ہو۔

۴۔ عورت نامحرم مرد کے ناف اور گھٹنوں کے درمیان نہیں دیکھ سکتی۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ عورت مرد کا صرف چہرہ اور ہاتھ دیکھ سکتی ہے۔ اس کے جسم کے باقی حصوں کی طرف نہیں دیکھ سکتی لیکن اَلْاَوَّلُ اَصَحُّ پہلا قول صحیح ہے۔ یہ اس وقت کا حکم ہے جب فتنہ کا اندیشہ نہ ہو اور اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو مرد کے کسی حصہ کی طرف نہ دیکھے۔ حتیٰ کہ مرد کے چہرہ کی طرف بار بار دیکھنا بھی جائز نہیں۔ وَلَا یَجُوْزُ لَهَا قَصْدُ النَّظْرِ عِنْدَ خَوْفِ الْفِتْنَةِ وَلَا تَكْرِیْرُ النَّظْرِ اِلٰى وَجْهِهٖ (تفسیر کبیر) (2)

۱۴۰ ابو العالیہ کا قول پہلے گزر چکا ہے کہ یہاں ان الفاظ سے مراد ستر کی جگہ کو ڈھانپنا ہے لیکن امام رازی اور دیگر علماء فرماتے ہیں کہ یہ تخصیص ضعیف ہے لِاَنَّهٗ تَخْصِیْصٌ مِّنْ غَیْرِ دَلَالَةٍ۔ ظاہر آیت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ہر اس چیز سے حفاظت کی جائے جو اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہے اس میں بدکاری، مس کرنا اور دیکھنا سب داخل ہیں (3)۔

۱۴۱ وہ زینت جو ظاہر ہے جس کے اظہار کی ممانعت نہیں۔ اس کے متعلق حضرات ابن عباس، مجاہد، عطاء، ابن عمر اور انس رضی اللہ عنہم کا قول ہے مَا كَانَ فِی الْوَجْهِ وَالْكَفِّ الْخِضَابُ وَالْكُحْلُ۔ یعنی وہ زینت جو چہرہ اور ہتھیلیوں میں ہوتی ہے جیسے خضاب اور سرمہ۔

حسن بصری کہتے ہیں وَجْهُهَا وَمَا ظَهَرَ مِنْ ثِیَابِهَا چہرہ اور وہ کپڑے جو ظاہر ہوں۔ سعید بن المسیب نے فرمایا وَجْهُهَا مِمَّا ظَهَرَ، چہرے کا وہ حصہ جو ظاہر ہو۔ قَالَ اِبْرَاهِیْمُ الزِّیْنَةُ الظَّاهِرَةُ الثِّیَابُ اس سے مراد لباس ہے۔ یہ مختلف اقوال لکھنے کے بعد امام ابو بکر الجصاص لکھتے ہیں: قَالَ اَصْحَابُنَا الْمُرَادُ الْوَجْهُ وَالْكَفَّانِ لِاَنَّ الْكُحْلَ زِیْنَةُ الْوَجْهِ وَالْخِضَابُ وَالْخَاتَمُ زِیْنَةُ الْكَفِّ یعنی علمائے احناف کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد چہرہ اور ہتھیلیاں ہیں کیونکہ سرمہ چہرے کی اور خضاب اور انگوٹھی ہتھیلیوں کی زینت ہیں۔ (احکام القرآن) (4)

1۔ جامع الترمذی، کتاب النکاح، باب النظر الی مخطوبۃ، ج 1 ص 129-128، وزارت تعلیم۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 23/12، ص 204

2۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 23/12، ص 205 3۔ ایضاً، ج 23/12، ص 206 4۔ احکام القرآن از جصاص، ج 3، ص 315

لیکن خیال رہے کہ یہ اباحت اس وقت ہے جب کہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو ورنہ چہرہ اور ہتھیلی کو دیکھنا بھی حرام ہے۔

علامہ ابوحیان الاندلسی لکھتے ہیں قَالَ ابْنُ خُوَیْزِ مِنْدَادُ اِذَا کَانَتْ جَمِیْلَةً وَ خِیْفَ مِنْ وَّجْھِھَا وَ کَفَّیْھَا الْفِتْنَةُ فَعَلَیْھَا سَتْرُ ذٰلِکَ (1) اور اگر عورت خوبرو ہو، اور اس کے چہرے اور ہاتھوں کی طرف دیکھنا فتنے کا باعث ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے چہرے اور ہاتھوں کو ظاہر نہ کرے۔ (بحر محیط)

آج جب کہ لوگوں کی آنکھوں میں حیا نہیں رہی، ہر طرف آوارگی اور بیہودگی کا دور دورہ ہے ہر اس شخص پر جس کی نگاہوں میں عفت وعصمت کی کوئی قدر و قیمت ہے اسے چاہیے کہ وہ اپنی جوان بہو بیٹیوں کو بے پردہ باہر نکلنے سے روکے اور انہیں نامحرموں کے سامنے بے تکلفی سے آنے کی اجازت نہ دے۔

۴۲ پہلے عورتیں سر پر جو کپڑا ڈالتی تھیں ان کے پلّو اپنی پشت پر لٹکا دیا کرتی تھیں۔ اس طرح ان کی گردن، کان، سینہ وغیرہ ظاہر رہتے تھے۔ اس آیت نے یہ حکم دیا کہ سر پر جو اوڑھو اس کے پلّوں کو پشت پر پیچھے نہ پھینک دو بلکہ انہیں اپنے گریبانوں پر ڈال دو تا کہ تمہارے سینے، گردن وغیرہ لوگوں کی نظروں سے چھپ جائیں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی اور مردوں نے جا کر اپنی بیویوں، بیٹیوں اور بہنوں کو سنائی تو اسی وقت انہوں نے اس کی تعمیل کی اور اپنی ایک پرانی عادت کو چشم زدن میں چھوڑ کر اطاعت وانقیاد کی ایک نادر مثال پیش کی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس آپ کی بھتیجی حضرت حفصہ بنت عبدالرحمٰن آئیں۔ انہوں نے اس وقت ایک باریک اوڑھنی سر پر ڈالی ہوئی تھی۔ آپ کو یہ چیز سخت ناگوار گزری اور فرمایا اِنَّمَا یُضْرَبُ بِالْکَثِیْفِ الَّذِیْ یَسْتُرُ۔ اے بیٹی! ایسی اوڑھنی اوڑھنے کا حکم ہے جو موٹی ہو اور جس سے پردہ کا مقصد پورا ہو (2)۔

دُختران اسلام ذرا خود ہی انصاف کریں کہ جو باریک دوپٹے وہ اوڑھتی ہیں اور جس طرح انہیں سر کے بجائے اپنے کندھوں پر ڈال لیتی ہیں اور سینہ تان کر سرِ بازار چلتی ہیں ان کا یہ طریقۂ کار اسلام کی تعلیمات کے کتنا منافی ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کتنے درد بھرے انداز میں دختران ملت کو عُریانی اور بے پردگی سے باز آنے کی تلقین کی ہے۔

بہل اے دخترک ایں دلبری ہا ۔۔۔ مسلماں را نہ زیبد کافری ہا
منہ دل بر جمالِ غازہ پرورد ۔۔۔ بیاموز از نگاہ غارتگری ہا (3)

پھر فرماتے ہیں:

اگر پندے ز درویشے پذیری ۔۔۔ ہزار اُمّت بمیرد تو نہ میری
بتُولے باش و پنہاں شو ازیں عصر ۔۔۔ کہ در آغوش شبیرے بگیری (4)

یعنی اگر تو ایک درویش کی نصیحت کو قبول کرلے تو ہزاروں امتیں فنا ہو سکتی ہیں لیکن تو ہمیشہ زندہ رہے گی۔ حضرت فاطمہ زہراء بتولِ جنت رضی اللہ عنہا کا شیوہ اختیار کر اور زمانہ کی نگاہوں سے چھپ جا تا کہ تیری آغوش میں شبیر جیسا فرزند پرورش پاسکے۔

اس آیت سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ سر، گردن اور سینہ کا چھپانا فرض ہے۔

1۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج6، ص448
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز12، ص230
3۔ کلیات اقبال فارسی، ص974۔ ارمغان حجاز، ص92
4۔ ایضاً، ص976، ایضاً، ص94

زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآىِٕهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآىِٕهِنَّ

اپنی آرائش کو ۴۳ مگر اپنے شوہروں کے لیے یا اپنے باپوں کے لیے یا اپنے شوہروں کے باپوں کے لیے یا اپنے بیٹوں کے لیے

اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اَخَوٰتِهِنَّ

یا اپنے خاوندوں کے بیٹوں کے لیے یا اپنے بھائیوں کے لیے یا اپنے بھتیجوں کے لیے اور اپنے بھانجوں کے لیے

اَوْ نِسَآىِٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ

یا اپنی ہم مذہب عورتوں پر ۴۴ یا اپنی باندیوں پر ۴۵ یا اپنے ایسے نوکروں پر جو (عورت) کے خواہشمند نہ ہوں ۴۶

۴۳۔ پہلے مومن عورتوں کو زینت کی نمائش سے منع فرما دیا۔ اب ان لوگوں کی فہرست بیان کر دی جن کے ساتھ نہایت قریبی تعلق ہوتا ہے اور جن کے ہاں آمد و رفت عام ہوتی ہے۔ اگر ایسے قریبی رشتے داروں پر بھی اس قسم کی پابندی لگا دی جاتی تو لوگ طرح طرح کی الجھنوں میں مبتلا ہو جاتے اور زندگی کی بہت سی سہولتوں سے محروم ہو جاتے۔ اس لیے بتا دیا کہ مسلم خواتین کو عام مردوں سے اپنی آرائش چھپانی چاہیے۔ لیکن ان رشتہ داروں سے جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے اپنی آرائش کو چھپانے کی ضرورت نہیں۔ اس فہرست میں جن اقرباء کا ذکر ہے (خاوند کے سوا) وہ محرم ابدی ہونے میں سب یکساں ہیں۔ لیکن قرابت میں واضح فرق ہے اس لیے علماء اسلام نے انہیں تین درجوں میں تقسیم کیا ہے۔ سب سے پہلا درجہ خاوند کا ہے گھر میں جو اس کا مقام ہے وہ کسی کا نہیں۔ لَهٗ حُرْمَةٌ لَيْسَتْ لِغَيْرِهٖ يَحِلُّ لَهٗ كُلُّ شَيْءٍ مِّنْهَا (1)۔ یعنی اس سے کسی قسم کا پردہ اور حجاب نہیں۔ اس کے بعد باپ، بیٹا اور بھائی ہیں۔ اس کے بعد خاوند کا بیٹا ہے۔ جو چیز اول الذکر کے سامنے ظاہر کی جا سکتی ہے وہ آخر الذکر افراد کے سامنے ظاہر کرنے کی اجازت نہیں۔ وَبَدَأَ تَعَالٰى بِالْاَزْوَاجِ لِاَنَّ اطِّلَاعَهُمْ يَقَعُ عَلٰى اَعْظَمَ مِنَ الزِّيْنَةِ ثُمَّ ثَنّٰى بِالْمَحَارِمِ وَ سَوّٰى بَيْنَهُمْ فِىْ اِبْدَاءِ الزِّيْنَةِ وَلٰكِنْ تَخْتَلِفُ مَرَاتِبُهُمْ فِى الْحُرْمَةِ بِحَسْبِ مَا فِى النُّفُوْسِ الْبَشَرِ فَالْاَبُ وَالْاَخُ لَيْسَ كَابْنِ الزَّوْجِ قَدْ يُبْدٰى لِلْاَبِ مَا لَا يُبْدٰى لِابْنِ الزَّوْجِ (بحر) (2)

یعنی جن لوگوں کے سامنے اظہار زینت ممنوع نہیں ان میں سر فہرست خاوند ہے۔ کیونکہ اس سے کسی طرح کا بھی حجاب نہیں۔ اس کے بعد محرم لوگ ہیں لیکن ان کے مراتب مختلف ہیں۔ جو مرتبہ باپ اور بھائی کا ہے وہ خاوند کے بیٹے کا نہیں اس لیے اظہار زینت میں بھی فرق ہوگا۔

۴۴۔ جس طرح پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ عورتوں سے مراد مسلمان عورتیں ہیں غیر مسلم عورتوں کے سامنے اپنی پوشیدہ زینت کی جگہوں کو کھولنا ممنوع ہے (3)۔

1۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 448   2۔ ایضاً   3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 233

مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفۡلِ الَّذِيۡنَ لَمۡ يَظۡهَرُوۡا عَلٰى عَوۡرٰتِ النِّسَآءِ

یا اُن بچوں پر جو (ابھی تک) آگاہ نہیں عورتوں کی شرم والی چیزوں پر ٤٧

وَلَا يَضۡرِبۡنَ بِاَرۡجُلِهِنَّ لِيُعۡلَمَ مَا يُخۡفِيۡنَ مِنۡ زِيۡنَتِهِنَّ ؕ وَتُوۡبُوۡۤا

اور نہ زور سے ماریں اپنے پاؤں ٤٨ (زمین پر) تاکہ معلوم ہو جائے وہ بناؤ سنگار جو وہ چھپائے ہوئے ہیں اور رجوع

٤٥ اس سے مراد کنیزیں ہیں اگرچہ وہ مسلمان نہ ہوں تب بھی ان کے سامنے اظہار زینت کی اجازت ہے (1)۔

حضرت سعید بن المسیب نے فرمایا لَا تَغُرَّنَّكُمْ هٰذِهِ الْاٰيَاتُ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اِنَّمَا عُنِيَ بِهَا الْاِمَاءُ (2)۔ کہ تمہیں یہ آیت دھوکہ نہ دے، یہاں ما ملکت سے مراد لونڈیاں ہیں۔

٤٦ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جن میں عورتوں کی خواہش نہیں ہوتی جیسے عنین، نامرد، خصّی وغیرہ۔ لَا حَاجَةَ لَهٗ فِي النِّسَآءِ (جصاص) (3) وَيَجْتَمِعُ فِيْمَنْ لَّا فَهْمَ لَهٗ وَلَا هِمَّةَ يَنْتَبِهُ بِهَا اِلٰى اَمْرِ النِّسَآءِ (4)۔

٤٧ وہ بچے جو عورتوں کے خفیہ معاملات سے بے خبر ہوں۔ جب کوئی لڑکا اگرچہ وہ نابالغ بھی ہو ان معاملات سے آگاہ ہو جائے تو اس سے اجنبیوں والا سلوک کیا جائے گا (5)۔

٤٨ کئی عورتیں پازیب وغیرہ پہن کر نکلتیں اور مردوں کے مجمع سے جب ان کا گزر ہوتا تو وہ دانستہ اپنے پاؤں زمین پر مارتیں تاکہ مرد پازیب کی جھنکار سن کر ان کی طرف متوجہ ہوں (6)۔ اس آیت میں اس حرکت سے باز آنے کا حکم صادر فرما دیا۔ ان تمام احکام کا مقصد تو یہ ہے کہ ایسے تمام اشتعال انگیز اطوار اور عوامل پر قدغن لگا دی جائے جن کی وجہ سے اسلامی معاشرہ میں بدکاری اور بے حیائی کی راہیں کھل سکتی ہیں اور جن کی موجودگی میں وعظ و نصیحت بلکہ قانون کی شدت بھی گناہوں کا انسداد کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ اس آیت میں صرف پاؤں مار کر مردوں کی مجلس سے گزرنا ممنوع قرار نہیں دیا جا رہا بلکہ ہر ایسی چیز جو اُن کو نامحرموں کی توجہ کا مرکز بنا دے اس سے بھی منع کیا گیا ہے۔ بھڑکیلے لباس پہن کر، یا تیز خوشبو لگا کر مجمع عام میں جانا بھی عورت کے لیے جائز نہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو آتے ہوئے دیکھا اس سے خوشبو کی لپٹیں اُٹھ رہی تھیں۔ آپ نے اسے فرمایا يَا اَمَةَ الْجَبَّارِ اے خداوند جبار کی بندی کیا تو مسجد سے آ رہی ہے؟ اس نے کہا جی ہاں۔ آپ نے پوچھا کیا تو نے خوشبو لگا رکھی ہے۔ اس نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا سَمِعْتُ حِبِّيْ اَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ صَلٰوةَ امْرَاَةٍ طَيَّبَتْ لِهٰذَا الْمَسْجِدِ حَتّٰى تَرْجِعَ فَتَغْتَسِلَ غُسْلَهَا مِنَ الْجَنَابَةِ (7)۔ میں نے اپنے محبوب ابو القاسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ اس عورت کی نماز قبول نہیں فرماتا جو مسجد میں تیز خوشبو لگا کر جائے جب تک کہ وہ گھر لوٹ کر غسل جنابت نہ کرے۔

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 18، ص 143
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 234
3۔ احکام القرآن از جصاص، ج 3، ص 318
4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 234
5۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 285
6۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 238
7۔ مسند امام احمد، ج 2، ص 461

إِلَى اللّٰهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾ وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ

کرو اللہ تعالیٰ کی طرف سب کے سب اے ایمان والو! تاکہ تم (دونوں جہانوں میں) بامراد ہو جاؤ ۴۹ اور نکاح کر دیا کرو جو

مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ۚ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ

بے نکاح ہیں تم میں سے ۵۰ اور جو نیک ہیں ۵۱ تمہارے غلاموں اور کنیزوں میں سے اگر وہ تنگ دست ہوں (تو فکر نہ کرو)

وہ عورتیں جو زرق برق بھڑکیلے لباس پہن کر خراماں خراماں مٹکتی ہوئی اجنبی مردوں کے پاس آتی جاتی ہیں۔ دختران اسلام ان کے متعلق اپنے پیارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بھی سن لیں۔ میمونہ بنت سعد رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَلرَّافِلَةُ فِي الزِّيْنَةِ فِي غَيْرِ اَهْلِهَا كَمَثَلِ ظُلْمَةٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا نُوْرَ لَهَا (1)۔ وہ عورت جو آراستہ وپیراستہ ہو کر نامحرموں میں اترا اترا کر چلتی ہے قیامت کے دن وہ مجسم تاریکی ہوگی جہاں نور کی کرن تک نہ ہو۔

۴۹ یعنی بلاچون وچرا احکام الٰہی اور ارشادات نبوی کی تعمیل کے لیے جھک جاؤ۔ اسی میں تمہارے دونوں جہانوں کی کامیابی ہے۔ آفتاب اسلام کے طلوع ہونے کے بعد اب اہل جاہلیت کے رسم ورواج کو اور اخلاق وعادات کو نہ چھوڑنا بڑی بے انصافی ہے۔ فَاِنَّ الْفَلَاحَ كُلَّ الْفَلَاحِ فِي فِعْلِ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهِ وَرَسُوْلُهٗ وَتَرْكِ مَا نَهَيَا عَنْهُ وَاللّٰهُ تَعَالٰى هُوَ الْمُسْتَعَانُ۔ (ابن کثیر) (2)

۵۰ ایامیٰ جمع ہے۔ اس کا واحد اَيِّم ہے۔ اہل لغت کا اس پر اتفاق ہے کہ اصل میں اس کا اطلاق اس عورت پر ہوتا ہے جس کا خاوند نہ ہو، خواہ وہ کنواری ہو یا بیوہ یا مطلقہ (3)۔ بطور استعارہ اب اس کا اطلاق ایسے مرد پر ہونے لگا ہے جس کی بیوی نہ ہو۔ قَالَ اَبُوْعُبَيْدَةَ رَجُلٌ اَيِّمٌ وَّامْرَأَةٌ اَيِّمٌ وَّهُوَ كَالْمُسْتَعَارِ فِي الرِّجَالِ۔ (قرطبی) (4)

اسلام جو دین فطرت ہے وہ معاشرہ کو پاکیزہ رکھنے اور بے حیائی سے بچانے کے متعلق صرف وعظ ہی نہیں کرتا بلکہ وہ عملی تجاویز اور مشکلات کا صحیح حل بھی پیش کرتا ہے۔ آپ ذرا غور فرمائیں جس معاشرہ میں بن بیاہی عورتیں بکثرت ہوں گی وہاں جذبات کو کب تک قابو میں رکھا جاسکتا ہے۔ بڑے تحفظ اور احتیاط کے باوجود شدّتِ جذبات سے مجبور ہو کر وہ غلط قدم اٹھا سکتی ہیں۔ شیطان بڑی آسانی سے انہیں ورغلا کر گمراہ کرسکتا ہے۔ بدکاری کا یہ بھی ایک دروازہ تھا جس کی طرف سے اسلام اگر اغماض کرتا تو اسے حقیقت پسندی نہ سمجھا جاتا۔ چنانچہ اس آیت میں حکم دیا جارہا ہے کہ مسلمان ایسے مردوں اور ایسی عورتوں کی طرف سے غفلت اور بے پروائی نہ کریں بلکہ ان کا نکاح کر کے ان کو گھروں میں بسانا اپنا اخلاقی فرض سمجھیں۔ اس طرح ایک تو ان کی حالت زار بدل جائے گی اور ان کی حرماں نصیبیاں ختم ہو جائیں گی۔ وہ مایوسی کے گوشہ سے نکل کر عملی دنیا میں اپنی خداداد صلاحیتوں کا نفع بخش مظاہرہ کرسکیں گی۔ دوسرا معاشرہ ان کی لغزش کے نتائج سے محفوظ ہو جائے گا۔ اس حقیقت کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح واضح فرمایا ہے يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَاِنَّهٗ اَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَاَحْصَنُ

1۔ جامع ترمذی، ابواب الرضاع، باب ماجاء فی کراهية خروج النساء، ج1، ص139
2۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج3، ص286
3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز12، ص239
4۔ ایضاً، جز12، ص240

يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝۳۲ وَ لْيَسْتَعْفِفِ

غنی کر دیگا انھیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ۵۲ اور اللہ تعالیٰ وسعت والا ہمہ دان ہے۔ اور چاہیے کہ پاکدامن بنے رہیں

الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ الَّذِيْنَ

وہ لوگ جو نہیں پاتے شادی کرنے کی قدرت ۵۳ یہاں تک کہ غنی کردے انھیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے۔ اور جو

لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَاِنَّهٗ لَهٗ وِجَاءٌ (صحیحین)(1) ''اے جوانوں کے گروہ جو تم میں سے طاقت رکھتا ہو وہ ضرور شادی کرے کیونکہ شادی کرنا اس کی نظر کو پاک کردے گا اور اس کو گناہ سے بچالے گا اور جو شادی کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو اسے چاہیے کہ وہ روزہ رکھے''۔

۵۱ یہ حکم صرف آزاد مردوں اور عورتوں کے لیے نہیں بلکہ غلام مرد اور کنیزیں بھی اس میں شامل ہیں۔ آخر وہ بھی انسان ہیں، ان کے بھی فطری جذبات ہیں۔ اگر تم ان کی اس معاملہ میں اعانت نہیں کرو گے تو اور کون کرے گا۔ لیکن غلام اور کنیز کے ساتھ صالح کی قید لگادی۔ مطلب یہ ہے کہ ایسا غلام اور ایسی لونڈی جن میں خانہ داری کا بوجھ اٹھانے اور ذمہ داریاں نبھانے کی صلاحیت ہو۔ اگر کسی نااہل غلام کے ساتھ کسی کنیز کو تم جکڑ دو گے تو وہ ساری عمر تمہیں کوستی رہے گی۔ اسی طرح کسی غلام کو کسی ایسی لونڈی کے ساتھ باندھ دیا گیا تو وہ اپنی قسمت کو روتا رہے گا۔ اس لیے ان کا نکاح کرنے سے پہلے تسلی کرلو کہ یہ زندگی کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوسکتے ہیں۔ اَنْكِحُوا امر کا صیغہ ہے جس سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔ بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ یہ وجوب شرعی اور قانونی ہے لیکن اکثر علماء کی رائے میں یہ اخلاقی وجوب ہے۔ یعنی اخلاقی طور پر تمہارا اس طرح کرنا لازمی ہے (2)۔

۵۲ اکثر لوگ افلاس اور غربت کو شادی نہ کرنے کا سبب بنائے رہتے ہیں۔ لڑکی والے چاہتے ہیں کہ لڑکا بڑا متمول ہو۔ لڑکے والوں کی خواہش ہوتی ہے کہ لڑکی کے والدین بڑے امیر ہوں تاکہ خوب جہیز ملے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فقر و تونگری عارضی چیزیں ہیں۔ اگر شریف قابل اور نیک رشتہ مل رہا ہے تو قبول کرلو۔ باقی رہا افلاس تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو وہ اس افلاس کو چاہے تو آن واحد میں دور بھی کرسکتا ہے۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے اَطِيْعُوا اللّٰهَ فِيْمَا اَمَرَكُمْ بِهٖ مِنَ النِّكَاحِ يُنْجِزْ لَكُمْ مَا وَعَدَكُمْ مِّنَ الْغِنَا (3)۔ اللہ تعالیٰ نے نکاح کرنے کا جو حکم دیا ہے تم اس کی اطاعت کرو۔ اس نے تمہیں غنی کرنے کا جو وعدہ فرمایا ہے وہ اسے پورا کرے گا۔ حدیث پاک میں ہے کہ تین آدمی ایسے ہیں جن کی مدد اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر لے لی ہے۔

۱۔ وہ نکاح کرنے والا جس کی غرض پاک دامن ہونا ہو۔

۲۔ وہ مکاتب جو زر مکاتبت ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب استحباب النکاح لمن تاقت نفسه الیه ووجد مؤنة واشتغال من عجزعن المؤن بالصوم، ج 1، ص 449

2۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 450 3۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 286

يَبۡتَغُوۡنَ الۡكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ فَكَاتِبُوۡهُمۡ اِنۡ عَلِمۡتُمۡ فِيۡهِمۡ

مکاتب بننا چاہیں تمہارے غلاموں سے تو مکاتب بنا لو انھیں اگر تم جانو ان میں

خَيۡرًا ‌ۖ وَّاٰتُوۡهُمۡ مِّنۡ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِىۡۤ اٰتٰٮكُمۡ‌ ؕ وَلَا تُكۡرِهُوۡا فَتَيٰتِكُمۡ

کوئی بھلائی ۵۴ اور (زرِ مکاتبت ادا کرنے میں) مدد کرو ان کی اللہ تعالیٰ کے مال سے جو اس نے تمھیں عطا کیا ہے اور نہ مجبور کرو اپنی

عَلَى الۡبِغَآءِ اِنۡ اَرَدۡنَ تَحَصُّنًا لِّـتَبۡتَغُوۡا عَرَضَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا‌ ؕ

لونڈیوں کو بدکاری پر ۵۵ اگر وہ پاکدامن رہنا چاہیں ۵۶ تاکہ تم حاصل کرو (اس بدکاری سے) دُنیوی زندگی کا کچھ

۳۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔ (ابن کثیر) (1)

۵۳ ضروری نہیں کہ ہر شخص کو اس کی پسند کا رشتہ مل جائے یا وہ اتنا خوشحال ہو کہ شادی کے اخراجات برداشت کر سکے۔ اس کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ اس کی یہ معذوری اسے اس کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ شادی نہ کر سکنے کے باعث بدکاری کرتا رہے بلکہ ان پر لازم ہے کہ سختی سے عفت کا دامن پکڑے رہیں اور انتظار کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس مشکل کو آسان کر دے۔

۵۴ شریعت میں غلاموں کو آزاد کرنے کا ایک یہ طریقہ بھی ہے کہ غلام اپنے مالک سے کہے کہ میں اتنی مدت میں اتنی رقم تمہیں ادا کر دوں گا تم مجھے آزاد کر دو، یا میں فلاں خدمت انجام دے دوں گا اس کے بدلے تم مجھے آزاد کر دو۔ اس معاہدہ کو شریعت میں مکاتبت کہتے ہیں اور معاہدہ کرنے والا غلام مکاتب کہلاتا ہے۔ جب وہ اپنی مقررہ رقم ادا کر دے تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ یہاں مسلمانوں کو ہدایت کی جارہی ہے کہ اگر تمہارا غلام مکاتبت کے لیے تمہارے پاس آئے اور تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ اس معاہدہ کو پورا کر سکتا ہے یا آزاد ہونے کے بعد وہ دوسروں کے لیے تکلیف کا باعث نہ ہو گا تو تم اس کے ساتھ مکاتبت کا معاہدہ کر لو۔

۵۵ کفر اپنے ساتھ صرف عقیدہ کی گمراہی ہی نہیں لاتا بلکہ اخلاقی انحطاط اور مروت کا فقدان بھی اپنے جلو میں لاتا ہے۔ معمولی عقل و فہم کا انسان جس کام کو کرتے ہچکچاتا ہے، جہاں کفر کی تاریکی چھا جاتی ہے وہاں بڑے بڑے حیا سوز کام کھلے بندوں کیے جاتے ہیں، بڑے بڑے رئیس کرتے ہیں اور ذرا نہیں شرماتے۔ عرب کے قبائل اپنی نخوت اور تکبر کی وجہ سے مشہور ہیں لیکن کفر کی گمراہی ان کے رگ و پے میں سما گئی تھی۔ اس لیے ایسی گھناؤنی حرکتیں دن کے اُجالے میں ان کی آنکھوں کی سامنے ہوتیں بلکہ وہ خود ان کا ارتکاب کیا کرتے اور قطعاً نہ شرماتے۔ زمانہ جاہلیت میں لونڈیاں قحبہ گری کا پیشہ عام طور پر اختیار کرتی تھیں۔ بڑے بڑے رئیس خاندان اپنی جوان اور خوبصورت لونڈیوں کو اس مقصد کے لیے استعمال کرتے تھے۔ انہیں الگ مکان مہیا کیے جاتے جنہیں "مَوَاخِیر" کہا جاتا تھا۔ ہر ایک پر جھنڈا جھول رہا ہوتا اور اس لونڈی کا قحبہ خانہ اس کے مالک قبیلہ کے نام سے مشہور ہوتا۔ امام ابن جریر، عطاء سے نقل کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں ہر قبیلہ اور خاندان کی لونڈیاں ہوا کرتی تھیں جوان

1۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 287۔ المستدرک للحاکم، کتاب النکاح، ج 2، ص 174، رقم الحدیث 2678، دار الکتب العلمیہ بیروت

کی طرف منسوب ہوتیں، کہا جاتا بَغِیُّ اٰلِ فُلَانٍ وَّ بَغِیُّ اٰلِ فُلَانٍ۔ یہ فلاں قبیلہ کی رنڈی ہے، یہ فلاں قبیلہ کی رنڈی ہے۔ ان کے دروازوں پر جھنڈے گڑے ہوتے۔ امام ابن جریر نے ان متعدد جھنڈے والیوں میں سے نو کے نام تک لکھے ہیں۔ اور ان کے قبیلہ کا ذکر بھی کیا ہے۔ نہ یہ بات معیوب تھی، نہ ان کے پاس کسی کا آنا جانا باعث عار و بدنامی تھا۔

ان کے علاوہ متعدد دوسری عورتیں بھی تھیں جو یہ پیشہ کھلے بندوں کیا کرتیں۔ کئی لوگ ان کے ساتھ شادی کر لیتے تاکہ ان کی حرام کمائی سے عیش کریں۔ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ جُبَیْرٍ اَنَّ نِسَاءً فِی الْجَاهِلِیَّةِ كُنَّ یُؤَاجِرْنَ اَنْفُسَهُنَّ وَ كَانَ الرَّجُلُ اِنَّمَا یَنْكِحُ اِحْدٰهُنَّ یُرِیْدُ اَنْ یُّصِیْبَ مِنْهَا عَرَضًا (ابن جریر) (1)

یثرب کے حالات بھی مکہ سے کچھ مختلف نہ تھے وہاں اس کا سب سے بڑا کاروبار کرنے والا خود عبداللہ بن اُبی تھا جسے اوس و خزرج کے قبیلے اپنا بادشاہ مقرر کرنے والے تھے۔ اور جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف فرما ہوئے اس کے لیے سونے کا تاج سنار کے پاس تیار ہو رہا تھا اس حیثیت کا انسان وہاں سب سے بڑا احترام کا رتھا۔ اس نے اپنے چکلہ میں چھ نوجوان اور خوبصورت لونڈیاں رکھی ہوئی تھیں اور ان میں سے ہر ایک کے لیے ایک مقررہ رقم کا کمانا ہر روز ضروری تھا۔ اگر کوئی لونڈی مقررہ رقم پیش نہ کرتی تو اسے زد و کوب کی جاتی اور مقررہ رقم پوری کرنے پر مجبور کیا جاتا (2)۔ یہ صاحب ان لونڈیوں سے صرف دولت ہی نہ کمایا کرتے بلکہ سیاسی فائدے بھی حاصل کرتے۔ عرب قبائل کا کوئی رئیس اگر یثرب آتا تو یہ اپنی ایک لونڈی معاذہ کو شب باشی کے لیے اس کے پاس بھیج دیتا تاکہ وہ ابن ابی کے احسان کو ہمیشہ یاد رکھے اور ضرورت کے وقت وہ اسے اپنے سیاسی عزائم کی تکمیل کے لیے استعمال کر سکے۔ علامہ ابن کثیر، علامہ آلوسی اور دیگر مفسرین نے تصریح کی ہے كَانَتْ لَهٗ جَارِیَةٌ تُدْعٰی مُعَاذَةُ وَكَانَ اِذَا نَزَلَ بِهٖ ضَیْفٌ اَرْسَلَهَا اِلَیْهِ لِیُوَاقِعَهَا اِرَادَةَ الثَّوَابِ مِنْهُ وَالْكَرَامَةَ لَهٗ (3)۔ چنانچہ یہی لونڈی معاذہ ایک روز تنگ آ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور اپنی داستان غم بیان کی۔ آپ نے بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس کی گزارش پیش کر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسے اپنے قبضہ میں لے لو۔ فَاَمَرَهٗ بِقَبْضِهَا۔ عبداللہ بن ابی نابکار کو پتہ چلا تو اس نے بڑا شور و شغب مچایا کہ دیکھو اب وہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فداہ ابی و امی) ہماری لونڈیوں کو بھی اپنے قبضہ میں لے رہے ہیں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اس طرح قانونی طور پر قحبہ گری کی قباحت اسلامی معاشرہ سے ختم کر دی گئی جسے یورپ میں آج بھی قانون کی پشت پناہی حاصل ہے۔

۵۶ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر وہ پاک دامن ہونے کا ارادہ نہ کریں تو پھر ان سے یہ پیشہ کرانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ مالک کی طرف سے اکراہ کی یہی صورت ہے کہ لونڈی کی مرضی نہ ہو وہ اس سے دور بھاگے لیکن بے غیرت مالک اسے پیشہ کرنے پر مجبور کرے۔ اس صورت میں ساری ذمہ داری اور سارا گناہ اس مالک پر ہوگا۔ لیکن اگر وہ اپنی مرضی سے اس فعل قبیح کا ارتکاب کرے تو اب جرم اس کا ہوگا اور اس کا گناہ اور اس کی سزا بھی اسے ہی ملے گی یا اس آیت سے ان مالکوں کو غیرت دلانا مقصود ہے کہ تم سے بڑھ کر بھی کوئی دیوث ہوگا کہ تمہاری لونڈی تو عفت شعار رہنا چاہتی ہے اور تم اسے غلاظت کے اس گڑھے میں پھینکنے پر مصر ہو۔ خود ہی فیصلہ کرو کیا یہ بات تمہیں زیب دیتی ہے۔

1۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج 18، ص 58 2۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 12، جز 23، ص 221
3۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج 18، ص 104-103

وَ مَنۡ یُّکۡرِهۡهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنۡۢ بَعۡدِ اِکۡرَاهِهِنَّ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۳۳﴾ وَ لَقَدۡ

سامان ۵۷ اور جو (کمینہ خصلت) مجبور کرتا ہے انہیں (عصمت فروشی پر) ۵۸ تو بیشک اللہ تعالیٰ انکے مجبور کیے جانے کے بعد (انکی لغزشوں کو) بخشنے

اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ وَّ مَثَلًا مِّنَ الَّذِیۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِکُمۡ

والا (اور ان پر) بہت رحم فرمانیوالا ہے۔ اور ہم نے اتاری ہیں تمہاری طرف روشن آیتیں ۵۹ نیز (ہم نے اتارے ہیں) بعض حالات ان لوگوں کے جو گزر چکے ہیں تم

وَ مَوۡعِظَۃً لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۳۴﴾ ؑ اَللّٰهُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ مَثَلُ نُوۡرِهٖ

سے پہلے نیز (اُتاری ہے) نصیحت پرہیزگاروں کیلیے۔ اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا ۶۰ اس کے نور کی مثال ایسی ہے

۵۷ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ایک تو وہ زنا کی اُجرت وصول کرتے تھے۔ دوسرے اگر اس لونڈی سے اولاد ہوتی تو اس کو اپنا غلام بنا لیتے اور اسے فروخت کر کے قیمت وصول کرتے۔ اور اگر زانی قبیلہ کا کوئی رئیس ہوتا اور اس کے حمل سے کوئی بچہ پیدا ہوتا تو وہ اس لونڈی کو ایک سو اونٹ بطور فدیہ ادا کر کے اپنا بچہ لے جاتا اور لونڈی وہ سو اونٹ اپنے مالک کو دے دیتی۔ اس طرح انتہائی بے غیرتی سے وہ دولت کمانے میں لگے رہتے۔ اس آیت میں بھی ایسی کمائی کو حرام قرار دیا گیا۔ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بھی صاف الفاظ میں فرما دیا۔ مَهْرُ الْبَغِيِّ خَبِيْثٌ (1) کہ زانیہ کی کمائی ناپاک ہے۔

۵۸ اگر کوئی شخص اپنی لونڈی کو یہ پیشہ اختیار کرنے پر مجبور کرتا ہے تو وہ مالک گنہگار ہوگا، وہ لونڈی معذور تصور کی جائے گی۔ نہ اس کے نامۂ عمل میں یہ گناہ لکھا جائے گا اور نہ اسے اس کی سزا ملے گی۔

۵۹ اب تک مختلف اور متعدد احکامات بڑی وضاحت سے بیان کر دیئے گئے جن کا مقصد معاشرہ کو ہر قسم کی بے حیائیوں، بدکاریوں سے پاک کرنا اور پاک رکھنا ہے۔ یہ احکامات اتنے واضح ہیں کہ ان کے متعلق یہ کہنے کی جسارت کوئی بھی نہیں کر سکتا کہ وہ انہیں سمجھ نہیں سکا۔ اس کے علاوہ قرآن کریم میں ان قوموں کے حالات بھی پوری تفصیل سے متعدد بار بیان کیے گئے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے احکام سُنائے گئے، سمجھائے گئے لیکن وہ باز نہ آئے۔ حتیٰ کہ وہ غضب الٰہی کا شکار ہو گئے اور ان کا نام و نشان تک مٹا دیا گیا۔

اے فرزندان اسلام! اگر اب بھی تم نے اصلاح احوال کی کوشش نہ کی اور قدیم وجدید جاہلیتوں کے سحر میں مبتلا رہ کر اپنا ستیاناس کر ڈالا اور دوسری بے حیا قوموں کی تقلید میں اپنی شرم وحیا کی چادر کو اُتار پھینکا تو پھر تم سے بڑا زیاں کار اور کون ہو سکتا ہے۔ پھر مکافاتِ عمل کے قانون کے مطابق اگر تم پر غضب الٰہی کی بجلیاں گریں تو تمہارا اپنا قصور ہوگا۔ تمہارے کریم پروردگار نے تو تمہیں برے کاموں سے بڑی وضاحت سے آگاہ کر دیا اور ان پر مترتّب ہونے والے نتائج کو کھول کر بیان کر دیا۔

۶۰ علامہ ابوالفضل جمال الدین ابن منظور اپنی شہرہ آفاق کتاب لسان العرب میں النُّور کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں

1۔ مسند امام احمد، ج 3، ص 464

كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا

جیسے ایک طاق ہو اس میں چراغ ہو ۱۱۶ وہ چراغ شیشہ کے ایک فانوس میں ہو۔ وہ فانوس گویا ایک

کہ النُّور اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ سے ہے۔ کیونکہ اندھا اللہ تعالیٰ کے نور سے ہی روشنی پاتا ہے اور گمراہ اسی کی ہدایت سے راہِ راست پر گامزن ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کو نور کہا جاتا ہے۔ نور کا لفظی معنیٰ بیان کرتے ہوئے علامہ موصوف لکھتے ہیں: اَلظَّاهِرُ فِيْ نَفْسِهِ الْمُظْهِرُ لِغَيْرِهٖ يُسَمّٰى نُوْرًا (لسان العرب)(1) ''جو خود ظاہر ہو اور اپنی روشنی سے دوسروں کو آشکارا کردے اسے نور کہا جاتا ہے''۔ حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اسمائے حسنیٰ کی تشریح کرتے ہوئے النُّور کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ نور اس کو کہتے ہیں جو خود ظاہر ہو اور دوسروں کو ظاہر کرنے والا ہو۔ کسی چیز کے ظاہر ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ موجود ہو، جو چیز موجود نہیں ہوگی اس کا ظاہر ہونا ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات واجب الوجود ہے۔ وہ ازل سے موجود ہے اور ابد تک موجود رہے گی۔ نیز وہ اپنے موجود ہونے میں کسی سبب، کسی علت اور کسی فاعل کا محتاج بھی نہیں۔ اس لیے وہی ہے جو صفت نور وظہور سے متصف ہونے کا مستحق ہے۔ وہ خود بھی موجود ہے اور اس کے امر کن سے ہر چیز کو خلعت وجود ارزانی ہوتی ہے اس لیے وہ ہر چیز کے لیے نور ہے یعنی مُظہر ہے(2) اس لیے اکثر علمائے تفسیر نے اس آیت میں نور کا معنیٰ مُوجد اور مُبدع کیا ہے، یعنی عدم سے وجود میں لانے والا، اس کے علاوہ آیت میں نور سے مراد مدبر بھی لیا گیا ہے۔ کیونکہ قوم کا وہ رئیس جوان کے تمام کاموں کے متعلق صحیح سوچ بچار کرتا ہے اور انہیں صحیح راستہ پر چلاتا ہے اسے نور القوم کہا جاتا ہے یعنی سب اسی کی رائے کی روشنی میں اپنے جملہ اُمور طے کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے نور کا معنیٰ ہادی بھی منقول ہے۔ آیت کا مطلب ہوگا هَادِيْ اَهْلِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَهُمْ بِنُوْرِهٖ يَعْنِيْ بِهِدَايَتِهٖ اِلَى الْحَقِّ يَهْتَدُوْنَ وَبِهُدَاهُ مِنْ حَيْرَةِ الضَّلَالَةِ يَنْجُوْنَ(3)۔ یعنی آسمان اور زمین والوں کا وہی ہادی ہے پس وہ اسی کے نور ہدایت سے حق کی طرف ہدایت پاتے ہیں اور گمراہی کی حیرانی سے نجات پاتے ہیں۔ قِيْلَ فِيْ تَفْسِيْرِهٖ هَادِيْ اَهْلِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (لسان العرب)(4)

یہ تمام تفسیریں اجلہ علماء سے منقول ہیں۔ ان میں سے ہر ایک درست ہے اور ہر ایک کی اپنی شان ہے۔ امام ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو زیادہ پسند فرمایا ہے(5) اور حجۃ الاسلام کے نزدیک پہلی توجیہ زیادہ پسندیدہ ہے۔

۶۱ بہتر یہ ہے کہ پہلے اس آیت کے مشکل الفاظ کی تشریح کردی جائے، جب ان کا مفہوم ذہن نشین ہو جائے گا تو پھر علمائے کرام کے متعدد اقوال کی روشنی میں اس کا مصداق متعین کرنا آسان ہوگا۔ مَثَلٌ کا معنی ہے صفت۔ وَالْمُرَادُ بِالْمَثَلِ الصِّفَةُ الْعَجِيْبَةُ اَيْ صِفَةُ نُوْرِهِ الْعَجِيْبُ (روح البیان) یعنی اس کے نور کی عجیب وغریب صفت یوں بیان کی جاتی ہے۔ مِشْكٰوةٌ: اس مخصوص جگہ کو کہتے ہیں جو دیوار میں چراغ رکھنے کے لیے بنائی جاتی ہے جو صرف ایک طرف سے کھلی اور باقی اطراف سے بند ہوتی ہے۔ كُوَّةٌ غَيْرُ نَافِذَةٍ فِي الْجِدَارِ: چراغ دان۔ مِصْبَاحٌ: بڑے چراغ کو کہتے ہیں جو خوب روشنی دے۔ سِرَاجٌ

1۔ لسان العرب، ج 5، ص 240
2۔ رسائل امام غزالی، ج 1، ص 38-137، مطبوعہ دار الاشاعت کراچی نمبر 1
3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 22-521
4۔ لسان العرب، ج 5، ص 240
5۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، جز 18، ص 105

كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا

ستارہ ہے جو موتی کی طرح چمک رہا ہے جو روشن کیا گیا ہے برکت والے زیتون کے درخت سے ۶۲ جو نہ شرقی ہے نہ

ضَخْمٌ (1)، زُجَاجَةٌ: شیشے سے بنا ہوا فانوس جس میں چراغ رکھا جاتا ہے۔ شفاف شیشہ سے بنے ہوئے فانوس میں اگر بڑا چراغ رکھا ہوا ہو اور اس چراغ کو مشکوٰۃ (چراغ دان) میں رکھ دیا جائے جس کی روشنی ہر سمت سے بند ہو کر ایک ہی سمت میں پھیل رہی ہو تو آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ روشنی کتنی تیز ہوگی۔ اگر چراغ روشن کر دیا جائے اور اسے فانوس میں نہ رکھا جائے، ایک تو ہر وقت ہوا کے کسی جھونکے سے اُس کے بجھ جانے کا خطرہ ہوتا ہے نیز اس کی لو بھی مدہم ہوتی ہے۔ اور اگر اس چراغ کو شیشہ کے فانوس میں رکھ دیا جائے تو بجھنے کا خطرہ بھی نہ رہے گا اور جب بلّور کے شفّاف فانوس سے اس کی روشنی چھن چھن کر آئے گی تو اس میں کئی گنا اضافہ ہو جائے گا اور اگر وہ فانوس کھلے میدان میں رکھا ہوا ہو اور اس کی روشنی چاروں طرف پھیل رہی ہو تو بھی اس کی چمک ہر طرف پھیل جانے کی وجہ سے کم ہو جائے گی۔ اور اگر اس فانوس کو اٹھا کر کسی ایسے چراغ دان میں رکھ دیا جائے جو صرف ایک طرف کھلتا ہو تو ساری روشنی ایک سمت میں پھیلنے کی وجہ سے کئی گنا تیز ہو جائے گی۔ وہ چراغ بالکل اس طرح دکھائی دے گا جیسے تاریک رات میں آسمان پر کوئی دمکتا ہوا ستارہ ہو جو روشن بھی ہو اور حسین بھی۔

۶۲ اس زمانہ میں چراغ جلانے کے لیے مختلف قسم کے تیل استعمال کیے جاتے تھے۔ ان تیلوں میں سے زیتون کے تیل کی روشنی بڑی تیز، صاف اور دھوئیں سے پاک ہوتی تھی۔ جس چراغ میں زیتون کا تیل ڈالا جاتا اس کی چمک دمک کا مقابلہ کوئی اور چراغ نہ کر سکتا۔ پھر زیتون کے درخت اور ان سے نکالا ہوا تیل ایک قسم کا نہیں ہوتا۔ بعض زیتون کے درخت اپنے علاقہ اور آب و ہوا کی وجہ سے دوسرے زیتون کے درختوں سے زیادہ عمدہ ہوتے ہیں اور ان سے نکالا ہوا تیل کہیں صاف اور روشن ہوتا ہے۔ خصوصاً زیتون کا وہ درخت جو کسی پہاڑ کی چوٹی یا کھلے میدان میں اُگا ہوا ہو۔ طلوع آفتاب کے وقت بھی اس کی عنابی کرنیں اسے زندگی بخش اثرات سے سرشار کر دیں اور جب سورج غروب ہو رہا ہو تب بھی۔ ہوا ہر طرف سے اسے لگتی ہو۔ اس قسم کا درخت اپنے قد و قامت میں بھی نمایاں ہوتا ہے اور اس کا تیل بھی بڑا نفیس ہوتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اگر اسے آگ نہ بھی لگائی جائے تو از خود روشنی کے شعلے بھڑک اٹھیں گے (2)۔ آیت کے پہلے حصہ میں چراغ کا ذکر ہوا۔ پھر بلوری فانوس کا اور اس جگہ کا جہاں اسے رکھا جاتا ہے۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ جو تیل اس میں جل رہا ہے وہ سرسوں یا تارامیرا کا معمولی تیل نہیں بلکہ زیتون کے ایک خاص درخت کا ہے۔ اب اس مثال کی عظمت کا اندازہ لگایئے کہ ایسے چراغ کی روشنی کی کیا کیفیت ہوگی۔ اس کی چمک دمک دوسرے چراغوں کو مات کر رہی ہوگی اور اپنی صفائی اور لطافت کے باعث دل و نگاہ کو مسحور کر رہی ہوگی۔ ان امور کو ذہن نشین کرنے کے بعد اب علمائے کرام نے اس تمثیل کے جو مختلف مطالب بیان فرمائے ہیں انہیں ملاحظہ فرمایئے۔

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کعب احبار سے کہا: أَخْبِرْنِیْ عَنْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ ...... الآیۃ۔ مجھے اس آیت کا مطلب بتاؤ۔ قَالَ كَعْبٌ: هٰذَا مَثَلٌ ضَرَبَهُ اللّٰهُ لِنَبِيِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَالْمِشْكٰوةُ صَدْرُهٗ وَ الزُّجَاجَةُ

1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 154   2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 25-524

قَلْبُهٗ وَالْمِصْبَاحُ فِيْهَا النُّبُوَّةُ يَكَادُ نُوْرُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ وَ اَمْرُهٗ يَتَبَيَّنُ لِلنَّاسِ وَلَوْلَمْ يَتَكَلَّمْ اَنَّهٗ نَبِيٌّ كَمَا كَانَ يَكَادُ ذٰلِكَ الزَّيْتُ يُضِيْٓءُ وَلَوْلَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ (مظہری)(1)

ترجمہ: ''حضرت کعب نے کہا یہ مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق بیان کی ہے۔ مِشْكٰوةٌ سے مراد سینہ مبارک ہے۔ زُجَاجَةٌ سے مراد قلب انور ہے۔ مِصْبَاحٌ سے مراد نبوت ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان لوگوں کے سامنے خود بخود عیاں ہو رہی ہے۔ اگرچہ حضور اپنی نبوت کا اعلان نہ بھی کرتے''۔ عارف باللہ علامہ ثناء اللہ پانی پتی یہ لکھنے کے بعد فرماتے ہیں۔ وَلَنِعْمَ مَا قَالَ كَعْبٌ فَهَا اَنَا اَذْكُرُ فَصْلًا فِيْ ظُهُوْرِ اَمْرِ نُبُوَّتِهٖ قَبْلَ اَنْ يُّبْعَثَ وَ قَبْلَ اَنْ يَّتَكَلَّمَ اَنَّهٗ نَبِيٌّ(2)۔ ''یعنی کعب نے بہت عمدہ بات کہی ہے اور میں یہاں ایک فصل تحریر کرتا ہوں جس سے پتہ چل جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور رفعت شان اعلان نبوت سے پہلے ہی ظاہر باہر تھی''۔ اس کے بعد علامہ موصوف نے ایک طویل فصل لکھی ہے جس میں حضور نبی کریم فخر آدم و بنی آدم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان معجزات کا ذکر کیا جو اعلان نبوت سے قبل ظہور پذیر ہوئے۔ دل تو چاہتا ہے کہ اہل محبت کی تسکین خاطر کے لیے اس کا ترجمہ پیش کروں لیکن یہاں اس کی گنجائش نہیں اور بالکل محروم رہنا بھی گوارہ نہیں، صرف ایک واقعہ ذکر کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ حضور ابھی کمسن ہی تھے کہ تمام علاقہ میں سخت قحط پڑ گیا۔ حضرت ابو طالب بارش کی دعا کرنے کے لیے حرم میں آئے اور حضور اقدس کو بھی ہمراہ لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف انگلی سے اشارہ کیا اور دعا مانگی۔ اس وقت آسمان پر بادل کا نام و نشان تک نہ تھا۔ دعا مانگنے کی دیر تھی۔ فَاَقْبَلَ السَّحَابُ مِنْ هٰهُنَا وَ هٰهُنَا وَ اَغْدَقَ وَ اَغْدَقَ وَ انْفَجَرَ لَهُ الْوَادِيْ وَفِيْ ذٰلِكَ قَالَ اَبُوْ طَالِبٍ:

وَاَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِّلْاَرَامِلِ (3)

''یعنی اسی وقت بادل ادھر ادھر سے ہجوم کر آئے، خوب موسلا دھار بارش برسی۔ یہاں تک کہ وادیاں بہنے لگیں اور اس وقت ابو طالب نے یہ شعر کہا کہ وہ سفید من موہنی رنگت والا جس کے روئے تاباں کے صدقے بادل کی التجا کی جاتی ہے وہ یتیموں کا آسرا اور بیوہ عورتوں کی ناموس کا محافظ ہے''۔

لَا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ فرما کر یہ بتا دیا کہ نبوت مصطفوی کا فیض عام ہے جس طرح زمانہ کی پابندی نہیں اسی طرح مکان کی قید بھی نہیں۔ اہل مشرق و مغرب سب کے لیے در رحمت کھلا ہے اور دامن لطف و کرم کشادہ ہے۔

(۲) ابو العالیہ نے ابی بن کعب سے نقل کیا ہے کہ یہ مومن کی مثال ہے مِشْكٰوةٌ: اس کا نفس ہے، زُجَاجَةٌ: اس کا سینہ، مِصْبَاحٌ: نور ایمان اور نُوْرٌ: قرآن ہے جو اللہ تعالیٰ مومن کے دل میں پیدا فرماتا ہے اور شجرہ مبارکہ سے مراد اخلاص ہے(4)۔

(۳) حسن بصری اور ابن زید کہتے ہیں کہ یہ قرآن کی مثال ہے۔ مِصْبَاحٌ سے مراد قرآن کریم ہے جس طرح چراغ سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ اسی طرح قرآن سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔ زُجَاجَةٌ سے مراد قلب مومن ہے۔ مِشْكٰوةٌ سے مراد اس کا

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج6، ص26-525 2۔ ایضاً، ج6، ص526 3۔ ایضاً، ج6، ص529 4۔ ایضاً، ج6، ص531

غَرۡبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيۡتُهَا يُضِيۡٓءُ وَلَوۡ لَمۡ تَمۡسَسۡهُ نَارٌ ؕ نُوۡرٌ عَلٰى نُوۡرٍ ؕ

غربی ہے۔ قریب ہے اس کا تیل روشن ہو جائے اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے۔ (یہ) نور ہی نور ہے۔

يَهۡدِى اللّٰهُ لِنُوۡرِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَيَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡاَمۡثَالَ لِلنَّاسِ ؕ

پہنچا دیتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف جس کو چاہتا ہے ۶۳ اور بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ طرح طرح کی مثالیں لوگوں (کی ہدایت)

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ۙ﴿۳۵﴾ فِىۡ بُيُوۡتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنۡ تُرۡفَعَ وَيُذۡكَرَ

کے لیے ۶۴ اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ ان گھروں میں (جنکے متعلق) حکم دیا ہے اللہ نے کہ بلند کیے جائیں ۶۵ اور لیا جائے

منہ اور اس کی زبان ہے۔ شجرہ مبارکہ سے مراد اس کی وحی ہے (1)۔ علامہ ابوحیان اندلسی نے اپنی تفسیر البحر المحیط میں یہ تین قول درج کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ان صورتوں میں مَثَلُ نُوۡرِهٖ کی ضمیر کا مرجع ایسی چیزیں ہوں گی جو پہلے مذکور نہیں ہیں۔ اسی لیے مکی نے اَللّٰهُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ پر وقف کیا ہے اور آیت کے پچھلے حصہ کو کلام مستانف قرار دیا ہے۔ هٰذِهِ الۡاَقۡوَالُ الثَّلَاثَةُ عَادَ فِيۡهَا ضَمِيۡرٌ عَلٰى غَيۡرِ مَذۡكُوۡرٍ...... وَلِذٰلِكَ قَالَ مَكِّيٌّ يُوۡقَفُ عَلَى الۡاَرۡضِ فِيۡ تِلۡكَ الۡاَقۡوَالِ الثَّلَاثَةِ (بحر محیط) (2)

(۴) یا نُوۡرِهٖ کی ضمیر کا مرجع اللہ ہو گا اس صورت میں مصباح سے مراد ذاتِ خداوندی ہو گی۔ مشکوٰۃ سے مراد ساری کائنات ہو گی اور فانوس (زجاجہ) اس کا وہ نوری پردہ ہو گا جس کے باعث وہ عیاں اور آشکارا ہونے کے باوجود اپنی مخلوقات کی نگاہوں سے مخفی اور پنہاں ہے، یہ خفا اس لیے نہیں کہ اس کے ظہور میں کچھ کمی ہے بلکہ تجلیات کی فراوانی اور انوار کی کثرت اس بات سے مانع ہے کہ کوئی آنکھ کھول کر دیکھنے کی جرأت کر سکے (3)۔ اَللّٰهُ تَعَالٰى وَرَسُوۡلُهُ الۡمُكَرَّمُ اَعۡلَمُ بِاَسۡرَارِ الۡكِتَابِ وَرُمُوۡزِهٖ۔

۶۳ انسان محض اپنی کوشش اور علم و فضل سے اس نورِ محض تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے جس پر چاہتا ہے جتنا چاہتا ہے فرما دیتا ہے۔

۶۴ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی بندہ پروری ہے کہ وہ ان حقائق و معارف کو محسوس مثالوں کے ذریعہ ہمیں سمجھا دیتا ہے ورنہ ان کو سمجھنا کسی انسان کے بس کا روگ نہ تھا۔

۶۵ جن خوش نصیبوں کو اللہ تعالیٰ اپنے نور ہدایت و معرفت سے مالا مال فرما دیتا ہے۔ ان کے چند ظاہری اور باطنی احوال بیان کیے جا رہے ہیں۔ فِىۡ بُيُوۡتٍ کا متعلق يُسَبِّحُ ہے (4)۔ یعنی یہ لوگ ان گھروں میں اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے ہیں جن کے بلند کرنے کا اس نے حکم فرمایا ہے۔ فِيۡهَا کا مرجع بُيُوۡتٍ ہے اور اسے جملہ کے آخر میں اس لیے ذکر کیا گیا ہے تاکہ تکرار اور تذکیر کا

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 32-531
2۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 455
3۔ ایضاً
4۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 18، ص 74-173

فائدہ دے جس طرح فَفِیْ رَحْمَةِ اللهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُوْنَ میں فِيهَا مذکور ہے۔ تُرْفَعَ سے مراد مساجد کا بلند کرنا ہے یعنی ان کی عمارت بھی شاندار ہو اور وہ نہایت پاک اور ستھری بھی ہوں۔ کوڑے کرکٹ کا نام ونشان تک نہ ہو۔ دیواروں اور فرش پر بدنما دھبے اور داغ طبع سلیم پر گراں نہ گزر رہے ہوں۔ چھتوں پر مکڑی نے جالے نہ تن دیئے ہوں۔ تُرْفَعَ مَعْنَاهُ تُبْنٰی وَ تُعْلٰی (قرطبی)(1)

حدیث پاک میں ہے مَنْ بَنٰی لِلّٰهِ مَسْجِدًا بَنَی اللهُ لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ(2)۔ جو شخص رضائے الٰہی کے لیے مسجد بناتا ہے اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے لیے گھر تعمیر فرماتا ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے تُرْفَعَ کا معنی کیا ہے تُعَظَّمَ وَ تُرْفَعَ شَانُهَا وَ تُطَهَّرَ مِنَ الْاَنْجَاسِ وَ الْاَقْذَارِ(3)۔ یعنی مسجدوں کی تعظیم و تکریم کی جائے انہیں ہر قسم کی غلاظت اور آلودگی سے پاک رکھا جائے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں مسجد نبوی کو ساگوان کی لکڑی سے مزین کیا اور اسے خوبصورت بنایا۔ حضرت امام صاحب فرماتے ہیں۔ لَا بَأْسَ بِنَقْشِ الْمَسَاجِدِ بِمَاءِ الذَّهَبِ(4)۔ ''یعنی اگر مسجدوں میں سونے کے پانی کے ساتھ نقش ونگار بنائے جائیں تو کوئی حرج نہیں''۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے زمانہ میں مسجد نبوی کی تعمیر پر زر کثیر صرف کیا۔ اسے نقش ونگار سے مزین و آراستہ کیا اور کسی نے آپ پر اعتراض نہیں کیا وَلَمْ يُنْكِرْ عَلَيْهِ اَحَدٌ ذٰلِكَ(5)۔

جس طرح مسجد کو محسوس نجاستوں اور آلودگیوں سے پاک رکھنے کا حکم ہے اسی طرح اعمال سیئہ کا ارتکاب بھی مسجد میں ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ ان کی بدبو اور سڑاند سے فرشتوں کو اذیت ہوتی ہے۔ اِنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ الْكِذْبَةَ فَيَتَبَاعَدُ عَنْهُ الْمَلَكُ مِنْ نَّتْنِ رِيْحِهٖ، یعنی انسان جھوٹ بولتا ہے اور اس کی بدبو سے فرشتہ بھاگ جاتا ہے۔ اسی لیے ایسے آدمی کا مسجد سے نکال دینا ضروری ہے جو مسجد میں جھوٹی باتیں کہے فَعَلٰى هٰذَا يُخْرَجُ مَنْ عُرِفَ مِنْهُ الْكِذْبُ وَ التَّقَوُّلُ بِالْبَاطِلِ فَاِنَّ ذٰلِكَ يُؤْذِيْ(6)۔ صحابہ کرام مسجد نبوی کو صاف ستھرا رکھنے، اس کو منور کرنے کا خاص اہتمام فرمایا کرتے ایک دفعہ حضرت تمیم الداری شام سے مدینہ طیبہ آئے۔ قندیلیں، زیتون کا تیل اور عمدہ بٹی ہوئی رسیاں لے آئے۔ اتفاق سے جس روز وہ پہنچے وہ خمیس کا دن تھا۔ آنے والی رات جمعہ کی تھی۔ عصر کے بعد انہوں نے اپنے غلام ابو البزاد کو حکم دیا کہ ان رسیوں سے قندیلوں کو باندھ کر لٹکائے۔ قندیلوں میں زیتون کا تیل ڈالے اور بتیاں درست کردے۔ اس نے حکم کی تعمیل کی۔ جب سورج غروب ہوا انہیں جلا دیا۔ مسجد بقعہ نور بن گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ پوچھا یہ کس نے کیا ہے۔ عرض کی گئی تمیم الداری نے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوش ہو کر دعا دی۔ فرمایا: نَوَّرْتَ الْاِسْلَامَ نَوَّرَ اللهُ عَلَيْكَ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ(7)۔ تو نے آج اسلام کو روشن کیا، اللہ تعالیٰ تمہاری آخرت اور دنیا کو منور فرمائے۔ اسی لیے علماء نے اس بات کو مستحب جانا ہے کہ وہ مکان جس میں قرآن کریم کی تلاوت کی جائے اس میں قندیلیں آویزاں کی جائیں، شمعیں رکھی جائیں اور ماہ رمضان میں مسجدوں کی روشنی میں اضافہ کیا جائے۔

اَنْ يُّنَوَّرَ الْبَيْتُ الَّذِيْ يُقْرَاُ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ بِتَعْلِيْقِ الْقَنَادِيْلِ وَ نَصْبِ الشُّمُوْعِ فِيْهِ وَ يُزَادُ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ فِيْ اَنْوَارِ الْمَسَاجِدِ (قرطبی)(8)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 266
2۔ سنن ابن ماجہ، ابواب المساجد والجماعات، باب من بنی للہ مسجدا، ص 54 (لفظی اختلاف کے ساتھ)
3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 266
4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 267
5۔ ایضاً
6۔ ایضاً، جز 12، ص 268
7۔ ایضاً، جز 12، ص 274
8۔ ایضاً، جز 12، ص 275

فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ ﴿۳۶﴾ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ

ان میں اللہ تعالیٰ کا نام۔ اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں ان گھروں میں صبح اور شام۔ وہ (جواں) مرد جنھیں غافل نہیں

تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ

کرتی تجارت اور نہ خرید و فروخت یادِ الٰہی سے ٦٦ اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے۔

يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَ الْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾ ۙ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ

وہ ڈرتے رہتے ہیں اُس دن سے، گھبرا جائیں گے جس میں دل۔ اور آنکھیں پھٹی رہ جائیں گی ٦٧ تاکہ جزا دے انھیں

اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ يَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ

اللہ تعالیٰ ان کے بہترین اعمال کی ٦٨ اور اس سے بھی زیادہ عطا فرماتے انھیں اپنے فضل سے اور اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے جس کو

یہاں مسجد میں داخل ہونے کے آداب کا ذکر کر دینا موزوں معلوم ہوتا ہے۔ حضرت سیدہ زہراء خاتونِ جنت علیٰ ابیہا وعلیہا افضل الصلوات والتسلیمات سے ابن ماجہ نے یہ حدیث نقل کی ہے۔ آپ نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مسجد میں داخل ہوتے تو فرماتے: بِسْمِ اللّٰهِ وَ السَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ وَ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ اور جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد سے باہر تشریف لاتے تو فرماتے بِسْمِ اللّٰهِ وَ الصَّلٰوةُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ وَ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَ فَضْلِكَ (1)۔

اور جب مسجد میں داخل ہو تو یوں ہی بیٹھ نہ جائے، مستحب یہ ہے کہ اگر نفل پڑھنے کا وقت ہو تو دو رکعت نفل پڑھے۔ اِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ اَنْ يَّجْلِسَ (قرطبی) (2)

٦٦ یعنی یہ وہ لوگ ہیں کہ دنیا کے مشاغل کی کثرت کے باوجود نہ ذکر الٰہی سے غافل ہوتے ہیں نہ نماز و زکوٰۃ کی ادائیگی میں سستی کرتے ہیں۔ ہر وقت قیامت کے خوف سے لرزہ براندام رہتے ہیں۔

٦٧ روزِ حشر کی ہولناکی اور دہشت کا بیان ہے۔ یعنی اس میں دل شدّتِ خوف سے گھبرا جائیں گے۔ آنکھیں منظر کی ہولناکی کو دیکھ کر پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی اَیْ تَتَقَلَّبُ الْقُلُوْبُ مِنَ الْخَوْفِ فَتَرْجِعُ اِلَى الْحَنْجَرَةِ فَلَا تَنْزِلُ وَلَا تَخْرُجُ وَ تَتَقَلَّبُ الْاَبْصَارُ اَیْ تَشْخَصُ مِنْ هَوْلِ الْاَمْرِ وَ شِدَّتِهٖ (3)۔ یعنی دل ڈر کے مارے گلے میں اٹک جائیں گے اور آنکھیں تاڑے لگ جائیں گی۔

٦٨ اس کا متعلق يُسَبِّحُ، لَا تُلْهِيْهِمْ، يَخَافُوْنَ سارے ہو سکتے ہیں لیکن علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ اس کا

1۔ سنن ابن ماجہ، ابواب المساجد، باب الدعاء عند دخول المسجد، ص 56

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 273۔ صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، اذا دخل احدکم المسجد، ج 1، ص 63

3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 542

بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٨﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ

چاہتا ہے بے حساب۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا ۶۹ ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے چمکتی ہوئی ریت ہو کسی چٹیل میدان میں

الظَّمْآنُ مَاءً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَوَجَدَ اللَّهَ عِنْدَهُ

خیال کرتا ہے اسے پیاسا کہ وہ پانی ہے حتیٰ کہ جب (پینے کے لیے) اس کے قریب آتا ہے تو اسے کچھ نہیں پاتا۔ اور پاتا ہے اللہ تعالیٰ کو

فَوَفَّاهُ حِسَابَهُ ۗ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٣٩﴾ أَوْ كَظُلُمَاتٍ فِي بَحْرٍ

اپنے قریب تو پورا چکا دیا اس نے اس کا حساب اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ یا (اعمال کفار) ایسے اندھیروں کی طرح ہیں جو

لُجِّيٍّ يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِنْ فَوْقِهِ مَوْجٌ مِنْ فَوْقِهِ سَحَابٌ ۚ ظُلُمَاتٌ

گہرے سمندر میں ہوتے ہیں چھا رہی ہوتی ہے اس پر موج، اس کے اوپر اک اور موج (اور) اس کے اوپر بادل ۷۰ (تہ در تہ) اندھیرے

متعلق محذوف مانا جائے جو ان تمام معانی کو شامل ہو، مثلاً یَفْعَلُوْنَ مَا یَفْعَلُوْنَ لِیَجْزِیَهُمْ (1) یعنی وہ جو کچھ کرتے ہیں اس لیے کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال کی جزا بھی دے گا۔ صرف جزا ہی نہیں بلکہ اپنے فضل وکرم کے غیر متناہی خزانوں سے انہیں وہ نعمتیں دے گا جن کا یہ ابھی تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ارشاد الٰہی ہے اَعْدَدْتُ لِعِبَادِی الصَّالِحِیْنَ مَا لَا عَیْنٌ رَاَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ (2)، یعنی میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جنہیں کسی آنکھ نے دیکھا تک نہیں، جن کے بارے میں کسی کان کو خبر نہیں اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال آیا ہے۔ آیت کے آخر میں وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ فرما کر اپنی بندہ نوازی کی حد کر دی۔

۶۹ اب کفار کے اعمال کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ وہ اعمال جنہیں وہ اچھا سمجھ کر کرتے ہیں اور اجر عظیم کی امید رکھتے ہیں ان کی مثال سراب کی سی ہے جو دور سے نظر آتا ہے۔ اور پیاسا دوڑ کر اس کی طرف لپکتا ہے تاکہ پانی پی کر اپنی پیاس بجھائے۔ وہاں پہنچ کر اسے پتہ چلتا ہے کہ پانی کا دیکھنا تو محض نگاہ کا فریب ہے۔ یہاں تو خدا کا قہر اور غضب ہے جس میں اسے مبتلا کر دیا گیا ہے۔ سراب وہ چمکتی ہوئی ریت جو دور سے پانی نظر آتی ہے (3)۔ قِیْعَۃٌ اس کی جمع قِیْعَانٌ ہے (4)۔ کشادہ اور ہموار زمین کو کہتے ہیں هِیَ الْاَرْضُ الْمُنْبَسِطَةُ الْمُسْتَوِیَةُ (5)۔

۷۰ کفار کے اعمال کی ایک دوسری مثال بیان کی جا رہی ہے۔ حضرت صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 18 ص 179 | 2۔ مسند امام احمد، ج 2 ص 313 | 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 12 ص 282

4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6 ص 542 | 5۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 18 ص 180

بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَاۤ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ

ہیں ایک دوسرے کے اُوپر۔ جب وہ نکالتا ہے اپنا ہاتھ تو نہیں دیکھ پاتا اسے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ جس کے لیے

اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۠﴿۴۰﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِى

اللہ تعالیٰ نور نہ بنائے سلے تو اس کے لیے کہیں نور نہیں۔ کیا تم غور نہیں کرتے کہ بلاشبہ اللہ ہی ہے ٹلے جس کی تسبیح بیان کرتے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ

ہیں سارے آسمانوں والے اور زمین والے اور پرندے پر پھیلاتے ہوئے۔ ہر ایک جانتا ہے اپنی (مخصوص) دُعا اور اپنی

تحریر فرماتے ہیں:

"ایک اندھیرا دریا کی گہرائی کا، اس پر ایک اور اندھیرا موجوں کے تراکم کا، اس پر اور اندھیرا بادلوں کی گھری ہوئی گھٹا کا۔ ان اندھیروں کی شدت کا یہ عالم کہ جو اس میں ہو وہ باوجودیکہ اپنا ہاتھ نہایت ہی قریب اور اپنے جسم کا جزو ہے، جب وہ بھی نظر نہ آئے تو اور دوسری چیز کیا نظر آئے گی۔ ایسا ہی حال کافر کا ہے کہ وہ اعتقاد باطل اور قول ناحق اور عمل قبیح کی تاریکیوں میں گرفتار ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ دریا کے کنڈے اور اس کی گہرائی سے کافر کے دل کو اور موجوں سے جہل و شک و حیرت کو جو کافر کے دل پر چھائے ہوئے ہیں اور بادلوں سے مُہر کو جو ان کے دلوں پر ہے، تشبیہ دی گئی (خزائن العرفان)(1)

بَحْرٌ لُجِّيٌّ، لُجِّيٍّ لُجَّةٌ کی طرف منسوب ہے۔ گہرا سمندر جس کی تہہ معلوم نہ ہو سکے۔ مَنْسُوْبٌ اِلَى اللُّجَّةِ وَالَّذِيْ لَا يُدْرَكُ قَعْرُهٗ(2)۔

اے ہدایت یافتہ وہی ہو سکتا ہے جس کی دستگیری توفیق الٰہی کرے۔ عقل، علم، کوشش اس کی توفیق کے بغیر سب بے سود اور بے حاصل ہیں۔

۲ے جب اللہ تعالیٰ کا نور تحت و فوق، پستی و بلندی ہر جگہ ضوفشانی کر رہا ہے تو کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ اس کا انکار کرے اور اس کی بارگاہِ صمدیت کے علاوہ کسی اور جگہ جبین عبادت جھکائے اور جو لوگ اس نور کی تجلّیوں سے روشنی حاصل نہیں کرتے ان کی مثال ایسی ہے جس کا ذکر اوپر گزرا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خطاب فرماتے ہیں کہ تمہیں تو اللہ تعالیٰ کے نور کے جلوے ہر جگہ نظر آ رہے ہیں۔ کائنات ارضی و سماوی میں کون سی ایسی چیز ہے جو اس کے دربار میں قالاً یا حالاً، طوعاً یا کرہاً سرِ نیاز نہ جھکا رہی ہو یا اس کی تسبیح و تہلیل میں زمزمہ سنج نہ ہو۔ فضائے بسیط میں محوِ پرواز پرندوں کی طرف دیکھو، وہ کس کی عظمت کا اعتراف کر رہے ہیں۔ صَافَّاتٍ اَيْ بَاسِطَاتٍ اَجْنِحَتَهُنَّ فِي الْهَوَاءِ(3)۔ ہوا میں پروں کو پھیلائے ہوئے۔

1۔ خزائن العرفان، زیر آیت ہذا، ص 640، حاشیہ: 93 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 12، ص 284 3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 545

تَسْبِيْحَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ

تسبیح کو ۳ ؎ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو وہ کرتے رہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے لیے بادشاہی ہے سارے آسمانوں کی اور

وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۴۲﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ

ساری زمین کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی (سب نے) لوٹنا ہے۔ کیا تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ آہستہ آہستہ لے جاتا ہے بادل کو پھر جوڑتا

ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَ يُنَزِّلُ مِنَ

ہے اس کے (بکھرے ہوئے ٹکڑوں) کو، پھر اسے تہ بہ تہ کر دیتا ہے پھر تو دیکھتا ہے بارش کو کہ نکلتی ہے ۴ ؎ اس کے درمیان سے اور اتارتا

السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَصْرِفُهٗ

ہے اللہ تعالیٰ آسمان سے برف جو پہاڑوں کی طرح ہوتی ہے ۵ ؎ پس نقصان پہنچاتا ہے اس سے جسے چاہتا ہے اور پھیر دیتا ہے اس کو

عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ؕ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿۴۳﴾ يُقَلِّبُ اللّٰهُ

جس سے چاہتا ہے ۶ ؎ قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک لے جائے آنکھوں کی بینائی کو۔ بدلی کرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ

۳ ؎ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو اس کی مخصوص عبادت اور تسبیح کا طریقہ سکھا دیا ہے اور ہر ایک اپنے مخصوص انداز میں اپنی بندگی کا اظہار کر رہا ہے۔

۴ ؎ اپنی قدرت کاملہ کا ایک اور ثبوت پیش فرما رہے ہیں۔ مشکل الفاظ کی تشریح: يُزْجِيْ، يَدْفَعُ، دھکیلنا۔ ردّی چیزوں کو بِضَاعَةٌ مُزْجَاةٌ کہا جاتا ہے جو يُزْجِيْ سے ماخوذ ہے۔ ان کا گاہک انہیں ناپسند کر کے دھکیل دیتا ہے (1)۔ رُكَامًا: اَلرَّكْمُ جَمْعُ الشَّيْءِ يُقَالُ مِنْهُ رَكَمَ الشَّيْءَ يَرْكُمُهٗ رَكْمًا اِذَا جَمَعَهٗ وَاَلْقٰى بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ۔ اَلرُّكْمَةُ الطِّيْنُ الْمَجْمُوْعُ وَالرُّكَامُ الرَّمْلُ الْمُتَرَاكِمُ وَكَذٰلِكَ السَّحَابُ (2)۔ یعنی رکم کا معنی کسی چیز کو اکٹھا کرنا، جب کسی چیز کو اکٹھا کیا جائے اور اسے اوپر نیچے رکھ دیا جائے تو عرب کہتے ہیں رَكَمَ الشَّيْءَ يَرْكُمُهٗ، کیچڑ کے ڈھیر کو اَلرُّكْمَةُ کہتے ہیں اور ریت کے ڈھیر کو رُكَامٌ کہتے ہیں۔ اسی طرح بادل جب گھر کر آجائے اور وہ گہرا ہو تو اسے رُکام کہا جاتا ہے۔ اَلْوَدْقُ: اَلْمَطَرُ (3) بارش

۵ ؎ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ مِنْ جِبَالٍ اور مِنْۢ بَرَدٍ دونوں جگہ مِنْ زائد ہے۔ تقریر کلام یوں

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 545 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 288 3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 545

الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَعِبۡرَةً لِّاُولِي الۡاَبۡصَارِ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَ

رات اور دن کی ۷۷ بیشک اس میں عبرت ہے آنکھوں والوں کے لیے۔ اور اللہ تعالیٰ نے پیدا

كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنۡ مَّآءٍ ۚ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّمۡشِيۡ عَلٰى بَطۡنِهٖ ۚ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ

فرمایا ہے ہر جانور کو پانی سے ۷۸ تو ان میں کچھ تو رینگتے ہیں پیٹ کے بل۔ اور ان میں سے بعض

يَّمۡشِيۡ عَلٰى رِجۡلَيۡنِ ۚ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّمۡشِيۡ عَلٰۤى اَرۡبَعٍ ؕ يَخۡلُقُ اللّٰهُ

چلتے ہیں دو ٹانگوں پر۔ اور ان میں سے بعض چلتے ہیں چار ٹانگوں پر۔ پیدا فرماتا ہے اللہ تعالیٰ

مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۴۵﴾ لَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ؕ

جو چاہتا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ ہم نے اتاری ہیں ایسی آیتیں جو (حق کو) صاف صاف

وَاللّٰهُ يَهۡدِيۡ مَنۡ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۴۶﴾ وَيَقُوۡلُوۡنَ اٰمَنَّا

بیان کرتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ پہنچاتا ہے جسے چاہتا ہے سیدھی راہ تک۔ اور وہ کہتے ہیں ہم ایمان لائے ہیں

ہے اَیْ یُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ بَرَدًا یَّکُوْنُ کَالْجِبَالِ (1) یعنی آسمان سے برف اتارتا ہے جو پہاڑوں کی طرح ہوتی ہے۔ علامہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ توجیہ بھی لکھی ہے یُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ بَعْضَ جِبَالٍ مِّنْ بَرَدٍ (2) یعنی آسمان سے جب برف برستی تو اتنی کثرت سے کہ معلوم ہوتا ہے برف کے پہاڑ ہیں جو آسمان سے اُتر رہے ہیں۔

۷۶ بادلوں کے مختلف ٹکڑے جو آسمان پر ادھر ادھر بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان کو ہوائیں دھکیل کر یکجا کر دیتی ہیں۔ یہاں تک کہ گہری گھٹائیں گھر کر آجاتی ہیں۔ ان سے بارش بھی برستی ہے اور برف باری بھی ہوتی ہے۔ ضروری نہیں کہ جو بادل آئے وہ برسے اور جہاں آئے وہاں برسے بلکہ یہ سب ہمارے حکم کے منتظر ہیں جب اور جہاں ہمارا حکم ہوتا ہے وہاں برستے ہیں ورنہ یوں ہی نگاہوں کو ترساتے ہوئے ناپید ہو جاتے ہیں۔ سَنَا: ضِيَاءٌ (3)، روشنی۔ جب بجلی چمکتی ہے تو دفعتًا اتنی تیز روشنی ہوتی ہے کہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ وہ آنکھوں کی بینائی کو سلب کر لے گی۔

۷۷ گردش لیل ونہار بھی اسی کے حکم سے رونما ہوتی ہیں۔

۷۸ یہ گونا گوں مخلوق جو تمہیں دکھائی دے رہی ہے یہ سب ایک قطرۂ آب سے پیدا کی گئی ہے ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 289 | 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 545 | 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 290

بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ

اللہ تعالیٰ پر اور (اس کے) رسول پر اور ہم فرمانبردار ہیں پھر منہ پھیر لیتا ہے ایک فریق ان سے (ایمان و اطاعت کے) اس دعویٰ

وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ

کے بعد اور یہ لوگ ایماندار نہیں ہیں ۷۹؎ اور جب وہ بلائے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف تاکہ

بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا

فیصلہ کرے ان کے درمیان تو اس وقت ایک جماعت ان میں سے روگردانی کرنے لگتی ہے اور اگر فیصلہ انکے حق میں ہونا ہو تو دوڑے چلے آتے

پیٹ کے بل زمین پر رینگتے ہیں۔ بعض دو ٹانگوں (انسان اور پرندے)۔ اور بعض چار ٹانگوں پر چلتے ہیں۔ ہر ایک اپنی ہیئت اور خصوصیات سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی پاکی کی گواہی دے رہا ہے۔

۷۹؎ یہ آیات ایک منافق کے بارے میں نازل ہوئیں۔ ایک منافق جس کا نام بشر تھا اس کا ایک یہودی سے تنازعہ ہو گیا اس یہودی نے بشر کو کہا کہ چلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جو آپ فیصلہ فرما دیں اس پر عمل کریں۔ بشر کے دل میں چور تھا وہ یہودی سے ناحق اُلجھ رہا تھا اسے معلوم تھا کہ بارگاہ رسالت میں گئے تو وہاں کوئی سفارش نہیں چلے گی اور نہ ہی طرف داری کی امید کی جا سکتی تھی۔ اس لیے اس نے کہا اِنَّ مُحَمَّدًا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) يَحِيْفُ عَلَيْنَا۔ آپ تو ہم پر ظلم کرتے ہیں۔ چلو کعب بن اشرف کے پاس چلیں۔ اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں (1)۔ صرف بشر کو ہی نہیں بلکہ اس قماش کے جتنے لوگ ہیں اس کے ہم عصر یا اس کے بعد آنے والے سب کو بتا دیا کہ جب کسی کو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ کی طرف بلایا جائے اور وہ نہ آئے تو وہ سمجھ لے کہ اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ ایمان کا دعویٰ کرنے کے باوجود خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے سرتابی ناممکن ہے۔ اپنے آپ کو مومن کہلانا اور پھر بارگاہ رسالت میں فیصلہ کے لیے حاضر نہ ہونا، اس کی یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ اس کے دل میں ابھی کفر و الحاد کی بیماری ہے۔ محض دکھلاوے کے لیے اس نے اسلام کا جامہ پہن رکھا ہے یا ابھی تک اس کے ذہن سے شک دور نہیں ہوا۔ وہ خیال کرتا ہے کہ اسلام کے احکام پر کاربند ہونے سے شاید اس کو نقصان پہنچے گا یا وہ یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا رسول کسی وجہ سے اس کے ساتھ بے انصافی کرے گا۔ ان چیزوں میں سے کوئی چیز بھی اگر کسی کے دل میں ہو تو وہ اپنے آپ کو مسلمان کہلانے کا حق دار نہیں۔

ان آیات سے فقہائے اسلام نے چند مسائل اخذ کیے ہیں وہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ اگر دونوں فریق مسلمان ہوں یا ایک فریق مسلمان ہو تو ان کا فیصلہ مسلمان قاضی کرے گا۔ اور اگر دونوں ذمی کافر ہیں تو ان کا فیصلہ ان کا ہم مذہب قاضی کرے گا اگر وہ دونوں کسی مسلمان قاضی کے پاس تصفیہ کے لیے جائیں تو قاضی کو اختیار ہے چاہے تو فیصلہ کرے اور چاہے تو انہیں ان کے ہم

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 293

اِلَیْهِ مُذْعِنِیْنَ ﴿۴۹﴾ اَفِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْۤا اَمْ یَخَافُوْنَ

ہیں اس کی طرف تسلیم کرتے ہوئے۔ کیا ان کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے یا وہ (اسلام کے متعلق) شک میں مبتلا ہیں یا انھیں

اَنْ یَّحِیْفَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَ رَسُوْلُهٗ ؕ بَلْ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ اِنَّمَا

یہ اندیشہ ہے کہ ظلم کرے گا اللہ تعالیٰ ان پر اور اس کا رسول۔ بلکہ (درحقیقت) وہ خود ظالم ہیں۔ ایمانداروں

كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِیَحْكُمَ بَیْنَهُمْ

کی بات تو صرف اتنی ہے ۸۰ کہ جب اُنھیں بُلایا جاتا ہے اللہ اور اس کے رسُول کی طرف تاکہ وہ فیصلہ فرمائے ان کے

اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ؕ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَ مَنْ یُّطِعِ

درمیان۔ تو وہ کہتے ہیں ہم نے فیصلہ سُن لیا اور ہم نے اطاعت کی اور یہی لوگ دونوں جہانوں میں بامُراد ہیں۔ اور جو شخص اطاعت کرتا ہے

اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَخْشَ اللّٰهَ وَ یَتَّقْهِ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفَآىِٕزُوْنَ ﴿۵۲﴾

اللہ کی اور اس کے رسول کی اور ڈرتا رہتا ہے اللہ سے اور بچتا رہتا ہے اس (کی نافرمانی) سے تو یہی لوگ کامیاب ہیں ۸۱

مذہب قاضی کی طرف بھیج دے۔ نیز اگر کوئی شخص کسی کو باہمی تنازعہ کے تصفیہ کے لیے کسی عادل قاضی کے پاس جانے کے لیے کہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ ضرور اس کے ساتھ قاضی کے پاس جائے (1)۔ قَالَ ابْنُ خُوَیْزِ مِنْدَادُ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مَنْ دُعِیَ اِلٰى مَجْلِسِ الْحَاكِمِ اَنْ یُّجِیْبَ۔ (قرطبی) (2)

۸۰ مومن کا تو یہ شیوہ ہونا چاہیے کہ جب اسے خدا اور رسول کی طرف فیصلہ کے لیے بلایا جائے تو بلا چون و چرا حاضر ہو جائے۔

۸۱ فوز و کامرانی سے وہی مشرف ہوگا جس کا طریقہ کار وہ ہوگا جو اس آیت میں بیان کیا جا رہا ہے۔ ایک روز حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں کھڑے تھے تو روم کے دہقانوں میں سے ایک دہقان حاضر ہوا اور آکر پڑھا اَشْهَدُ اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے عرض کی میں مشرف باسلام ہو گیا ہوں آپ نے کہا تم نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر دین اسلام کو کیوں قبول کیا ہے؟ اس نے کہا میں نے تورات، انجیل، زبور اور دیگر کتب انبیاء کا مطالعہ کیا۔ میں نے ایک مسلمان قیدی کو ایک ایسی آیت پڑھتے ہوئے سنا جس میں وہ تمام چیزیں جمع کر دی گئی ہیں جو سابقہ آسمانی کتابوں میں موجود ہیں۔ مجھے یقین ہو گیا کہ یہ کتاب مُنَزَّلٌ مِّنَ اللّٰهِ ہے۔ اس لیے میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ آپ نے دریافت

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 294 2۔ ایضاً

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ۭ قُلْ

اور قسمیں اٹھاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی بڑے زور شور سے ۸۲ کہ اگر آپ انھیں حکم دیں تو وہ (گھروں سے بھی) نکل

لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۵۳ قُلْ

جائیں گے۔ فرمائیے قسمیں نہ کھاؤ۔ تمھاری فرمانبرداری خوب معلوم ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ خوب واقف ہے جو کچھ تم کرتے رہتے ہو آپ فرمائیے

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ

اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول (مکرم) کی۔ پھر اگر تم نے روگردانی کی تو (جان لو) رسول کے ذمہ اتنا ہے جو

وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا

ان پر لازم کیا گیا اور تمھارے ذمہ ہے جو تم پر لازم کیا گیا۔ اور اگر تم اطاعت کرو گے اس کی تو ہدایت پا جاؤ گے اور نہیں ہے ہمارے رسول

الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝۵۴ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

کے ذمہ بجز اس کے کہ وہ صاف صاف پیغام پہنچا دے۔ وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے تم میں سے اور نیک عمل کیے ۸۳

فرمایا وہ کون سی آیت ہے۔ اس نے یہی آیت بھی پڑھی اور ساتھ ساتھ اس کا مطلب بھی بیان کرتا گیا۔ قَالَ قَوْلُهٗ تَعَالٰى (وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ) فِي الْفَرَائِضِ (وَرَسُوْلَهٗ) فِي السُّنَنِ (وَيَخْشَ اللّٰهَ) فِيْمَا مَضٰى مِنْ عُمُرِهٖ (وَيَتَّقْهِ) فِيْمَا بَقِيَ مِنْ عُمُرِهٖ (فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ) اَلْفَائِزُ مَنْ نَجَا مِنَ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اُوْتِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ (1)۔ یعنی جو شخص فرائض میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے اور سنتوں میں اس کے رسول کی پیروی کرتا ہے اور گزری ہوئی زندگی میں جو غلطیاں اس سے ہوئیں ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور آنے والی زندگی میں تقویٰ اختیار کرتا ہے، یہی لوگ کامیاب ہیں اور کامیاب وہ شخص ہے جسے آتش جہنم سے نجات مل گئی اور جنت میں داخل کر دیا گیا۔

۸۲۔ منافقوں کے طریقۂ کار کو پھر بیان کیا جا رہا ہے کہ یہ لوگ زبانی دعویٰ کرنے میں بڑے تیز طرار ہیں، قسمیں اٹھا اٹھا کر کہتے ہیں کہ حضور آپ ہمیں حکم دیں تو ہم اپنا گھر بار، بال بچہ، مال و متاع چھوڑنے کے لیے بھی تیار ہیں، جہاد پر جانے کا اشارہ پاتے ہی سر بکف کفن بدوش میدان جہاد کی طرف چل پڑیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتا ہے کہ انہیں کہہ دو زیادہ قسمیں اٹھانے کی ضرورت نہیں، تمہاری اطاعت کا حال خوب معلوم ہے۔ جب قربانی دینے کا وقت آئے گا تو تم اپنے گھروں

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 295

میں چھپ کر بیٹھ رہو گے۔

طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ کا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ زیادہ مبالغہ آمیزی کی ضرورت نہیں۔ عام معمول کے مطابق حکم الٰہی بجا لاتے رہو۔ تمہارے لیے اتنا ہی کافی ہے لیکن پہلا مفہوم موقع سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے (1)۔

۸۳۔ حضور رحمت عالمیاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں کو کفار و مشرکین کے ظلم وستم سہتے عرصہ دراز گزر چکا تھا۔ انہوں نے اپنے وطن مکہ کو چھوڑ کر اڑھائی تین سو میل دور مدینہ طیبہ میں آ کر پناہ لی تھی۔ مکہ کو الوداع کہتے وقت وہ دولت ایمان تو ساتھ لائے تھے لیکن اپنی منقولہ اور غیر منقولہ جائیدادیں اور عمر بھر کا اندوختہ وہیں چھوڑ کر چلے آئے تھے۔ کفار کی آتش غضب اب بھی بھڑک رہی تھی۔ میدان بدر میں رسوا کن شکست کے بعد ان کا جذبہ انتقام تیز تر ہو گیا تھا۔ صحابہ کرام ہر وقت مسلح رہتے، رات دن دشمن کی یلغار کا کھٹکا لگا ہوا تھا۔ ایک روز ایک صحابی نے اپنے آقا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: يَا رَسُوْلَ اللهِ اَمَا يَأْتِيْ عَلَيْنَا يَوْمٌ نَّأْمَنُ فِيْهِ وَ نَضَعُ السِّلَاحَ ''یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کیا ایسا دن نہیں آئے گا جب ہمیں امن نصیب ہو گا اور ہتھیار رکھ دینے کی نوبت آئے گی''۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: لَا تَلْبَثُوْنَ اِلَّا يَسِيْرًا حَتّٰى يَجْلِسَ الرَّجُلُ مِنْكُمْ فِي الْمَلَاءِ الْعَظِيْمِ مُحْتَبِيًا لَيْسَ عَلَيْهِ حَدِيْدَةٌ (بحر محیط)(2)

''بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے جب تم آرام سے بے خوف ہو کر مجمع عام میں بیٹھو گے اور تمہارے جسم پر کوئی ہتھیار نہیں ہو گا''۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے اس ارشاد کی تائید فرماتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی۔

تاریخ کی ناقابل تردید شہادت اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جو وعدہ فرمایا تھا وہ پورا ہوا۔ عہد رسالت میں ہی مکہ مکرمہ، حجاز، خیبر، بحرین، یمن اور جزیرۂ عرب کے سارے علاقے اسلامی قلمرو میں شامل ہو گئے۔ قیصر روم، مقوقس مصر اور کئی دیگر بادشاہوں نے بارگاہِ رسالت میں تحائف اور نذرانے ارسال کیے۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد عہد صدیقی میں فتنہ ارتداد اور دیگر جھوٹے نبیوں کی لگائی ہوئی آگ بجھی اور ہر طرف امن وامان ہو گیا۔ اسی عہد ہمایوں میں اسلام کی عالمی فتوحات کا آغاز ہوا۔ مشرق میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ اور مغرب میں ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں افواج اسلامیہ نے فتح ونصرت کے علم گاڑنے شروع کر دیئے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بابرکت وبایمن زمانہ خلافت میں تو فتوحات کی انتہا ہو گئی۔ قیصر اپنی ایشائی مملکت سے دست بردار ہو کر قسطنطنیہ میں جا کر مقیم ہوا۔ اور رومی مملکت کے ایشیائی حصہ پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ مصر بھی فتح ہوا۔ کسریٰ کی چار ہزار سالہ شان وشوکت خاک میں مل گئی۔ جہاں ملک کے گوشہ گوشہ میں آتش کدے روشن تھے اور آگ کی پوجا ہو رہی تھی وہاں اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ اور اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ کی دلنواز صدائیں بلند ہونے لگیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں شمالی افریقہ کے ممالک فتح ہوئے۔ بحر روم میں جزیرۂ قبرص فتح ہوا۔ مشرق میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ چین کی سرحدوں تک پھیل گیا۔ سندھ کے ریگزاروں میں بھی نورِ اسلام سے اُجالا ہونے لگا۔ ہر علاقہ

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 24/12، ص 24

2۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 469۔ الدر المنثور، ج 5، ص 100۔ جامع اسباب النزول، ص 43-242، قدیمی کتب خانہ کراچی

میں امن وسکون قائم ہوا۔ ہر جگہ اسلام کا ڈنکا بجنے لگا۔ وہ مسلمان جو ہر وقت کفار کی یلغار سے سہمے سہمے رہتے تھے اور انہیں دن رات یہی کھٹکا لگا رہتا تھا کہ کفر کا سیلاب اُمڈے گا اور انہیں بہا کر لے جائے گا۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے وہ ہیبت اور سطوت بخشی کہ جس راستہ سے گزر جاتے بڑے بڑے سرفرازوں کی گردنیں جھک جاتیں۔ کوئی منصف اور حق پسند انسان تاریخ کے یہ اَن مٹ حقائق دیکھنے کے بعد یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا نہیں ہوا(1)۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں بارگاہ رسالت میں حاضر تھا کہ ایک صحابی حاضر ہوا اور اس نے فقر و فاقہ کی شکایت کی۔ دوسرا آیا اس نے راہزنوں کی دست درازیوں کا شکوہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے عدی، کیا تو نے حیرہ کا شہر دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا مجھے دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ لیکن میں نے لوگوں سے اس کے بارے سنا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر تیری زندگی دراز ہوئی تو تُو دیکھے گا ایک عورت اونٹنی پر سوار ہو کر حیرہ سے روانہ ہوگی اور آ کر کعبہ کا طواف کرے گی اور خدا کے بغیر اسے کسی کا ڈر نہیں ہوگا۔ میں دل میں خیال کرنے لگا کہ بنی طے قبیلہ کے قزاق اور راہزن کہاں چلے جائیں گے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے عدی تم کسریٰ کے خزانوں کو فتح کرو گے۔ میں نے عرض کی: کیا کسریٰ بن ہرمز یعنی شہنشاہ ایران۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہی کسریٰ بن ہرمز۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم دیکھو گے لوگ ہاتھوں میں سونا اور چاندی لیے ہوئے کسی غریب کی تلاش میں پھر رہے ہوں گے لیکن مملکت اسلامیہ میں انہیں کوئی غریب نہیں ملے گا۔ عدی کہتے ہیں میں نے حیرہ سے اونٹنی پر سوار ہو کر آنے والی عورت کو بھی کعبہ کا طواف کرتے دیکھا اور میں خود ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے کسریٰ کے خزانے فتح کیے تھے(2)۔ بعض لوگ جو صحابہ کرام کی عظمتِ شان کا انکار کرنا ہی اپنے ایمان کا کمال سمجھتے ہیں وہ اگر اپنی کتابوں کا مطالعہ کرنے کی زحمت ہی گوارا کرتے تو اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوتے۔ انہیں یقین ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جو وعدہ فرمایا ہے اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو وعدے فرمائے ہیں جن کا ذکر خود ان لوگوں کی کتابوں میں موجود ہے وہ وعدے خلفاء راشدین کے عہد سعادت آثار میں پورے ہوئے ہیں۔ ان کے امام کلینی جن کی کتاب کافی ان کے ہاں حدیث کی معتبر ترین کتاب ہے ان کی روایت ملاحظہ فرمایئے:

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ لَمَّا حَفَرَ رَسُوْلُ اللهِ الْخَنْدَقَ مَرُّوْا بِکُدْیَةٍ فَتَنَاوَلَ رَسُوْلُ اللهِ الْمِعْوَلَ مِنْ یَدِ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَوْ مِنْ یَدِ سَلْمَانَ فَضَرَبَ بِهَا ضَرْبَةً فَتَفَرَّقَتْ بِثَلَاثِ فِرَقٍ وَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ لَقَدْ فُتِحَتْ عَلَیَّ فِیْ ضَرْبَتِیْ هٰذِهٖ کُنُوْزُ کِسْرٰی وَ قَیْصَرَ (فروع کافی کتاب الروضہ، صفحہ 102)(3)

ترجمہ: حضرت امام جعفر علیہ السلام نے فرمایا کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خندق کھودنے کا حکم دیا تو راستہ میں ایک چٹان حائل ہوگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گینتی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دست مبارک سے یا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے لے لی اور اس چٹان پر ایک ضرب لگائی اور اس کے تین ٹکڑے ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لَقَدْ فُتِحَتْ عَلَیَّ فِیْ ضَرْبَتِیْ هٰذِهٖ کُنُوْزُ کِسْرٰی وَ قَیْصَرَ۔ میری اس ضرب سے میرے لیے کسریٰ اور قیصر کے خزانے فتح کر دیئے گئے ہیں۔ اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ یہ خزانے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فتح ہوئے۔ روایت میں فُتِحَتْ عَلَیَّ کے الفاظ ایک حق بین کے لیے روشنی کا وہ مینار ہیں جس سے شک وشبہ کا ادنیٰ احتمال بھی باقی نہیں رہ سکتا۔ اسی واقعہ کو صاحب ''حملۂ حیدری'' نے ان

1۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 469 2۔ مشکوٰۃ المصابیح، باب علامات النبوۃ، ص 524 3۔ فروغ کافی، کتاب الروضۃ، ص 102، مطبوعہ تہران

اشعار میں ذکر کیا ہے، یہ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

بپاسخ چنیں گفت خیر البشر — کہ چوں جست برق نخست از حجر
نمودند ایوانِ کسریٰ بمن — دوم قصر روم، سوم ازیمن
سبب راچنیں گفت روح الامین — کہ بعد از من اعوان و انصار دین
بریں مملکت ہا مسلط شوند — بآئین من اہل آں بگروند
بدیں مژدہ وشکر و لطف خدا — بہر بار تکبیر کردم ادا
شنیدند آں مژدہ چوں موماناں — کشیدند تکبیر شادی کناں(1)

ترجمہ: (۱) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب ارشاد فرمایا کہ جب اس چٹان کو ضرب لگانے سے پہلی مرتبہ آگ کا شعلہ نکلا۔
(۲) تو مجھے کسریٰ کا محل دکھایا گیا۔ دوسری مرتبہ قیصر روم کا محل اور تیسری مرتبہ یمن۔
(۳) اس کی وجہ جبرائیل امین علیہ السلام نے یوں بیان کی کہ میرے بعد دین کے مددگار اور انصار
(۴) ان ملکوں پر قابض ہوں گے اور وہاں کے باشندوں کو میری شریعت کا پابند کریں گے۔
(۵) اس خوشخبری کو سن کر اور اس کا شکریہ ادا کرنے کے لیے میں نے تین بار اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔
(۶) جب اہل ایمان نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان پاک سے یہ خوشخبری سنی تو سب نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔

یہ چیز غور طلب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان ملکوں کی فتوحات کو اپنی فتوحات قرار دیا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کا لطف اور احسان فرمایا ہے اور اظہار شکر کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں نے نعرہ ہائے تکبیر بلند کیے۔ اگر خدانخواستہ حضرت صدیق وفاروق خلیفہ برحق نہ ہوتے بلکہ (نعوذ باللہ) جابر اور غاصب ہوتے تو کیا ان کے زمانہ خلافت میں جو فتوحات ہوئیں انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فتوحات کہنا درست ہوتا؟ اور ایسی فتوحات پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرحت وشادمانی کا اظہار فرماتے؟ کوئی ادنیٰ عقل وفہم رکھنے والا انسان بھی ان واقعات کی روشنی میں شیخین کی خلافت پر اعتراض کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔

مزید تسکین خاطر کے لیے خود حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا وہ ارشاد گرامی پیش کرتا ہوں جو آپ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا۔ مسلمانوں کی فوجیں ایران میں کسریٰ کی افواج سے برسر پیکار تھیں۔ محاذ جنگ سے اطلاع آئی کہ کسریٰ خود ایک لشکر عظیم لے کر مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے آرہا ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ کسریٰ کے مقابلہ میں وہ لشکر اسلام کی قیادت خود فرمائیں۔ مجلس شوریٰ طلب کی گئی اور اس موضوع کے متعلق گفتگو شروع ہوئی۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے اس بات کی تائید نہ کی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود جنگ میں شرکت کریں اور اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کیا، آپ خود انہیں پڑھیں۔ اگر حق کی طلب صادق آپ کے دل میں ہوگی تو یقیناً آپ پر حق واضح ہوجائے گا۔ آپ نے فرمایا: اِنَّ هٰذَا الْاَمْرَ لَمْ يَكُنْ نَصْرُهٗ وَلَا خِذْلَانُهٗ بِكَثْرَةٍ وَّلَا قِلَّةٍ وَهُوَ دِيْنُ اللّٰهِ الَّذِىْ اَظْهَرَهٗ وَ جُنْدُهُ الَّذِىْ اَعَدَّهٗ وَاَمَدَّهٗ حَتّٰى بَلَغَ وَ طَلَعَ حَيْثُ مَا طَلَعَ وَ نَحْنُ عَلٰى مَوْعُوْدٍ مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مُنْجِزٌ وَعْدَهٗ وَ نَاصِرٌ جُنْدَهٗ وَ مَكَانُ الْقَيِّمِ بِالْاَمْرِ مَكَانُ النِّظَامِ مِنَ الْخَرَزِ يَجْمَعُهٗ وَ

1۔ دیوان حملہ حیدری، ص 97

لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ

کہ وہ ضرور خلیفہ بنائے گا انھیں زمین میں جس طرح اُس نے خلیفہ بنایا ان کو جو ان سے پہلے تھے اور مستحکم

وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ

کردے گا اُن کے لیے ان کے دین کو جسے اس نے پسند فرمایا ہے ان کے لیے اور وہ ضرور بدل دیگا انھیں ان

بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ

کی حالتِ خوف کو امن سے۔ وہ میری عبادت کرتے ہیں، کسی کو میرا شریک نہیں بناتے۔ اور جس نے ناشکری کی

يَضُمُّهُ فَإِذَا انْقَطَعَ النِّظَامُ تَفَرَّقَ الْخَرْزُ وَذَهَبَ ثُمَّ لَمْ يَجْتَمِعْ بِحَذَافِيْرِهِ أَبَدًا وَّ الْعَرَبُ الْيَوْمَ وَإِنْ كَانُوْا قَلِيْلًا فَهُمْ كَثِيْرُوْنَ بِالْإِسْلَامِ عَزِيْزُوْنَ بِالْإِجْتِمَاعِ الخ (1) (نہج البلاغہ، ج 1، ص 283) مطبوعہ مصر۔

ترجمہ: اس کام کی فتح کثرت تعداد کی وجہ سے اور اس کی ناکامی تعداد کی قلت کی وجہ سے نہیں یہ اللہ تعالیٰ کا دین ہے جس کو اس نے غلبہ عطا فرمایا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا لشکر ہے جس کو اس نے خود تیار کیا ہے اور جس کی مدد اس نے خود فرمائی ہے یہاں تک کہ وہ ترقی و کامیابی کی اس منزل تک پہنچا۔ ہمارے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے (یہاں آپ نے اس آیت کی طرف اشارہ فرمایا وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا) اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کو ضرور پورا فرمائے گا اور اپنے لشکر کی مدد فرمائے گا۔ خلیفہ اسلام کی حیثیت اس دھاگے کی ہے جس میں دانے پروئے ہوتے ہیں اگر دھاگہ ٹوٹ جائے تو دانے بکھر جاتے ہیں اور پھر ان سب کو جمع کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ عرب اگرچہ تعداد میں آج کم ہیں لیکن اسلام کی برکت سے وہ کثیر ہیں اور باہمی اتفاق واتحاد کی وجہ سے وہ ہر میدان میں غالب ہیں۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ باب مدینۃ العلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لشکر کو اللہ تعالیٰ کا لشکر کہا اور وضاحت سے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ اس آیت میں مسلمانوں سے کیا ہے وہ آپ کے زمانہ میں پورا ہوگا۔ اب بھی اگر کوئی شخص خلفائے راشدین کی خلافت کو برحق نہیں سمجھتا اور ان کے متعلق کسی قسم کی بدزبانی کرتا ہے تو وہ بیک وقت اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر المومنین اسد اللہ الغالب کے ارشادات پر ایمان نہ رکھنے کا جرم کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر قسم کے فتنوں سے بچائے اور اسلام کے جاں نثار سپاہیوں کی عزت و تکریم کرنے اور ان کے نقش قدم پر چل کر دین کو سربلند کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ ابھی پورا نہیں ہوا۔ جب امام مہدی علیہ السلام ظاہر ہوں گے تو اس وقت یہ وعدہ پورا ہوگا۔ ضد اور تعصب کا کوئی علاج نہیں لیکن حق کی جستجو کرنے والے کے لیے آیت میں مِنْكُمْ کا ایک لفظ ہی کافی ہے۔ یعنی صحابہ کرام جو اس آیت کے مخاطب تھے وہی مِنْكُمْ کا مرجع ہیں اور اولین وعدہ ان سے ہے۔ نیز اگر ان کی اس بات کو صحیح مان لیا جائے تو ثابت

1۔ نہج البلاغہ از الشریف ابی القاسم علی بن طاہر المرتضیٰ، متوفی 436ھ، ج 1، ص 283، مطبوعہ المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ مصر

بَعۡدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۵۵﴾ وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ

اس کے بعد تو وہی لوگ نافرمان ہیں اور صحیح صحیح ادا کیا کرو نماز اور دیا کرو زکوٰۃ

وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۵۶﴾ لَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا

اور اطاعت کرو رسول (پاک) کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے ۔ یہ خیال ہرگز نہ کیجیے کہ کفار عاجز

مُعۡجِزِيۡنَ فِى الۡاَرۡضِ ۚ وَمَاۡوٰٮهُمُ النَّارُ ؕ وَلَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ ﴿۵۷﴾

کرنے والے ہیں (ہمیں) زمین میں اور ان کا ٹھکانا آتش (جہنم) ہے اور یہ بہت برا ٹھکانا ہے ۔ اے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لِيَسۡتَاۡذِنۡكُمُ الَّذِيۡنَ مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ وَالَّذِيۡنَ

ایمان والو! اذن طلب کیا کریں تم سے (گھروں میں داخل ہوتے وقت)، تمہارے غلام اور وہ (لڑکے)

لَمۡ يَبۡلُغُوا الۡحُلُمَ مِنۡكُمۡ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنۡ قَبۡلِ صَلٰوةِ الۡفَجۡرِ

جو ابھی جوانی کو نہیں پہنچے تم میں سے تین مرتبہ ، نماز فجر سے پہلے ،

وَحِيۡنَ تَضَعُوۡنَ ثِيَابَكُمۡ مِّنَ الظَّهِيۡرَةِ وَمِنۡۢ بَعۡدِ صَلٰوةِ

اور جب تم اپنے کپڑے اتارتے ہو دوپہر کو اور نماز عشاء کے

الۡعِشَآءِ ۛ ثَلٰثُ عَوۡرٰتٍ لَّكُمۡ ؕ لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ وَلَا عَلَيۡهِمۡ جُنَاحٌ ۢ

بعد ۔ یہ تین پردے کے وقت ہیں تمہارے لیے ۔ نہ تم پر اور نہ ان پر ۸۴ کوئی حرج ہے

ہوگا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد خلافت میں بھی یہ وعدہ ایفاء نہ ہوا۔ کم از کم ہم ایسا کہنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔

۸۴ اسلامی طرز معاشرت کا ایک اور اصول بیان کیا جا رہا ہے۔ پہلے حکم دیا گیا تھا کہ جب تم کسی کے گھر داخل ہونے لگو تو اجازت طلب کرو لیکن اگر اپنے بچوں کو اور گھر کے خدام کو جن کا ہر وقت گھر میں آنا جانا ہوتا ہے ان پر بھی یہ لازم کر دیا جاتا کہ وہ اذن کے بغیر داخل نہیں ہو سکتے تو بڑے تکلف اور تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا اس لیے ان کے متعلق اس آیت میں وضاحت فرما دی کہ بچے اور خدام

بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ

اِن اوقات کے علاوہ۔ کثرت سے آنا جانا رہتا ہے تمہارا ایک دوسرے کے پاس ۸۵۔ یوں صاف صاف بیان فرماتا

اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ

ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے (اپنے) احکام۔ اور اللہ تعالیٰ علیم حکیم ہے۔ اور جب پہنچ جائیں تمہارے بچے

الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ

حدِ بلوغ کو ۸۶ تو وہ بھی اذن طلب کیا کریں جس طرح اذن طلب کیا کرتے ہیں وہ لوگ جن کا ذکر پہلے ہوا۔ یوں

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۹﴾ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ

صاف صاف بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے احکام کو۔ اور اللہ تعالیٰ علیم ہے حکیم ہے۔ اور بوڑھی خانہ نشین عورتیں ۸۷

الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ

جنہیں آرزو نہ ہو نکاح کی تو اُن پر کوئی گناہ نہیں اگر وہ رکھ دیں اپنے بالائی کپڑے

اگر ان تین اوقات میں گھر میں داخل ہوں جن کا ذکر آیت میں کیا گیا ہے تو وہ بھی اجازت لے کر داخل ہوں کیونکہ ان اوقات میں انسان ستر عورت میں سستی کرتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ ننگا ہو یا وہ ایسی حالت میں ہو جب کہ بلا اجازت اپنے بچوں اور خدام کا گھر میں آدھمکنا بھی اسے پسند نہ ہو لیکن ان اوقات کے علاوہ بغیر اجازت گھر میں داخل ہوسکتے ہیں۔

۸۵ آیت کے اس جملہ کا ترجمہ علامہ ابوحیان نے اس طرح کیا ہے هُمْ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ وَيَطُوْفُ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ (1)۔ یعنی وہ کثرت سے آتے جاتے ہیں تمہارے ہاں۔ تم بھی ایک دوسرے کے پاس کثرت سے آتے جاتے ہو۔

۸۶ پہلی آیت میں نابالغ بچوں کی گھر میں آمد و رفت کے قواعد بتائے۔ اس آیت میں جب وہ بچے بالغ ہو جائیں تو ان کے گھر میں آنے جانے کا طریقہ ذکر فرمایا جارہا ہے۔

۸۷ قَوَاعِدُ جمع ہے، اس کا واحد قَاعِدٌ ہے قَاعِدَةٌ نہیں۔ تاء تانیث کی اس لیے حذف کی گئی تاکہ پتہ چلے کہ یہ بیٹھنا بڑھاپے کی وجہ سے ہے جس طرح ''اِمْرَأَةٌ حَامِلٌ'' کہتے ہیں حَامِلَةٌ نہیں کہتے۔ تاکہ معلوم ہو کہ یہ عورت اپنے شکم میں بچے کو اٹھائے ہوئے ہے۔ قَوَاعِدُ سے مراد وہ عورتیں ہیں جو بچہ جننے سے عاجز ہو جائیں اور جنہیں حیض آنا بند ہو جائے۔ ربیعہ کہتے ہیں: هِيَ

1۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 472

غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۢ بِزِيْنَةٍ ؕ وَ اَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ

بشرطیکہ وہ نہ ظاہر کرنے والی ہوں (اپنی) آرائش۔ اور ان کا اس سے بھی اجتناب کرنا ان کے لیے بہت بہتر ہے۔ اور اللہ سب

عَلِيْمٌ ﴿۶۰﴾ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّ لَا

کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ نہ اندھے پر کوئی حرج ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی حرج ہے ۸۸ اور نہ

عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ

بیمار پر کوئی حرج ہے اور نہ تم پر اس بات میں کہ تم کھاؤ اپنے گھروں سے یا اپنے باپ

اٰبَآىِٕكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ

دادا کے گھروں سے، یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے

اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا

چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا جن

اَلَّتِیْ اِذَا رَاَیْتَهَا تَسْتَقْذِرُهَا مِنْ کِبَرِهَا (1)۔ یعنی وہ عورت کہ جب تو اسے دیکھے تو اس کی پیرانہ سالی کی وجہ سے اس سے نفرت کرنے لگے۔ ایسی عورت کو اجازت دی جارہی ہے کہ وہ اوپر اوڑھنے والی چادر اگر استعمال نہ کرے تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن یہ اجازت اس وقت ہے جب کہ اس چادر کو استعمال نہ کرنے سے اس کے پیش نظر اپنی آرائش اور زینت کی نمود نہ ہو۔

۸۸۔ اس آیت کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں لیکن سب سے پسندیدہ وہ قول ہے جسے علامہ قرطبی نے ترجیح دی ہے۔ آپ فرماتے ہیں اس آیت کا ایک حصہ وَلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ پر ختم ہوتا ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص نابینا، لنگڑا اور بیمار ہو تو اس پر ایسے افعال کا ادا کرنا ضروری نہیں جس سے اسے تکلیف ہوتی ہو۔ اسی لیے جمعہ، جہاد وغیرہ سے یہ لوگ مستثنیٰ قرار دیے گئے ہیں۔ آیت کا دوسرا حصہ وَلَا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ سے شروع ہوتا ہے جس میں یہ بتایا جارہا ہے کہ وہ رشتہ دار یا احباب جن سے بے تکلفی ہو اور اگر ان کے ہاں سے کھایا جائے تو ان کے لیے فرحت اور عزت کا موجب ہو تو ایسے قریبی رشتہ داروں اور بے تکلف دوستوں کے ہاں سے کوئی چیز کھا لینا مباح ہے لیکن اگر وہ رشتہ دار یا دوست اس چیز کو ناپسند کریں تو پھر بلا اجازت ان کے ہاں سے کچھ کھانا درست نہیں جیسے متعدد احادیث سے واضح ہے۔ یہ لکھنے کے بعد علامہ قرطبی فرماتے ہیں: فَهٰذَا مَعْنًى صَحِيْحٌ وَّ تَفْسِيْرٌ بَيِّنٌ مُّفِيْدٌ يَعْضُدُهُ الشَّرْعُ وَالْعَقْلُ (القرطبی) (2) یعنی آیت کا یہی معنی صحیح ہے اور آیت کی یہ تفسیر واضح اور مفید ہے۔ شریعت اور عقل

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 309
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 313

مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗۤ اَوْ صَدِیْقِكُمْ ؕ لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِیْعًا

گھروں کی کنجیوں کے تم مالک ہو یا اپنے دوست کے گھر سے۔ نہیں ہے تم پر کوئی حرج اگر تم کھاؤ سب مل کر

اَوْ اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِكُمْ تَحِیَّةً مِّنْ عِنْدِ

یا الگ الگ۔ پھر جب تم داخل ہو گھروں میں تو سلامتی کی دعا دو اپنوں کو، وہ دعا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے

اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَیِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۱﴾

مقرر ہے جو بڑی بابرکت (اور) پاکیزہ ہے ۸۹۔ یونہی کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے (اپنے) احکام تاکہ تم سمجھ لو۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤی

بس سچے مومن تو وہ ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر اور جب ہوتے ہیں آپ کے ساتھ کسی

اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْهَبُوْا حَتّٰی یَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَكَ

اجتماعی کام کے لیے تو (وہاں سے) چلے نہیں جاتے جب تک کہ آپ سے اجازت نہ لے لیں ۹۰۔ بلاشبہ وہ لوگ جو اجازت طلب کرتے

اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ

ہیں آپ سے یہی وہ لوگ ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ پس جب وہ اجازت مانگیں آپ سے اپنے کسی

دونوں اس کی تائید کرتے ہیں۔

۸۹۔ جب انسان کسی گھر میں داخل ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اگر وہاں پہلے سے کوئی مسلمان موجود ہے تو کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ اور اگر وہاں کوئی شخص موجود نہ ہو تو کہے اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِیْنَ اور اگر کوئی غیر مسلم وہاں رہائش پذیر ہو تو کہے اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی (1)۔

۹۰۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جب ابوسفیان قریش مکہ اور دیگر قبائل عرب کو لے کر مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ طیبہ کے اردگرد خندق کھودنے کا حکم دیا۔ بلا کی سردی تھی۔ مسلمانوں کے پاس خوراک کے ذخیرے بھی نہ ہونے کے برابر تھے۔ پیٹ بھر کر کھانا بھی نصیب نہیں ہوتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام تو تعمیل ارشاد میں ہمہ تن مصروف تھے لیکن منافق چپکے چپکے کھسکنے لگے یا جھوٹے عذر پیش کر کے گھر جانے کی اجازت طلب کرنے لگے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی اہل ایمان کا یہ شیوہ نہیں کہ وہ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 319

شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

کام کے لیے تو اجازت دیجیے ان میں سے جسے آپ چاہیں اور مغفرت طلب کیجیے ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے۔ بیشک اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۶۲﴾ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ

تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ نہ بنا لو رسول کے پکارنے کو آپس میں جیسے تم پکارتے ہو ایک دوسرے کو ۹۱

قَدْ یَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ یَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ

اللہ تعالیٰ اچھی طرح جانتا ہے انھیں جو کھسک جاتے ہیں تم میں سے ایک دوسرے کی آڑ لے کر پس ڈرنا چاہیے انھیں جو

عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ یُصِیْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۶۳﴾ اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ

خلاف ورزی کرتے ہیں رسول کریم کے فرمان کی کہ اُنھیں کوئی مصیبت نہ پہنچے یا انھیں دردناک عذاب نہ آلے ۹۲ سن لو! بلاشبہ

مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قَدْ یَعْلَمُ مَاۤ اَنْتُمْ عَلَیْهِ ؕ وَ یَوْمَ یُرْجَعُوْنَ

اللہ تعالیٰ کا ہی ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے۔ وہ خوب جانتا ہے جس حالت پر تم ہو اور اس دن جب وہ لوٹائے

اِلَیْهِ فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۶۴﴾ ع

جائیں گے اس کی بارگاہ کی طرف تو وہ انھیں آگاہ کریگا جو انھوں نے کیا تھا۔ اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

ایسے نازک موقع پر بغیر اجازت حاصل کیے ہوئے کھسکنے لگیں یا جھوٹے بہانے بنا کر واپس لوٹنے کی اجازت حاصل کریں (1)۔

۹۱ بارگاہِ رسالت کا ادب واحترام ملحوظ رکھنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور اس طرح خطاب کرنے سے منع کیا جا رہا ہے جس طرح عام لوگ آپس میں ایک دوسرے کو خطاب کرتے ہیں۔ بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شور مچانے، بلند آواز اور روکھے پھیکے انداز سے ندا کرنے کی ممانعت ہے۔ اَلْمَعْنٰی قُوْلُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فِیْ رِفْقٍ وَّلِیْنٍ وَّلَا تَقُوْلُوْا یَا مُحَمَّدُ بِتَجَهُّمٍ "یعنی نرمی اور ملاطفت کے ساتھ یا رسول اللہ کہو اور گستاخانہ انداز سے یا محمد مت کہو"۔ وَقَالَ قَتَادَةُ: اَمَرَهُمْ اَنْ یُّشَرِّفُوْهُ وَ یُفَخِّمُوْهُ (2)۔

۹۲ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی پر مرتب ہونے والے عذاب سے ڈرایا جا رہا ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 12، ص 321 2۔ ایضاً، جز 12، ص 322

تعارف سورۃ الفرقان

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نام: اس کا نام سُورۃ الفُرقان ہے جو پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔

نزول: یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی (1)۔ اس میں چھ رکوع، ستتر آیتیں اور آٹھ سو بانوے کلمات، تین ہزار سات سو تین حروف ہیں۔

مضامین: ابتدائی آیتوں میں اس سورت کا ماحصل بڑی جامعیت سے بیان فرمادیا۔ قرآن، رسالت اور توحید۔ اس کے بعد ان میں سے ہر ایک موضوع پر مشرکین کے جو اعتراضات وشبہات تھے ان کو ذکر کیا اور اپنے مؤثر انداز بیان اور مخصوص طرزِ خطاب سے ان کے جوابات دیئے اور ان کے شکوک کا ازالہ کیا۔ ساری سورت میں اگر آپ غور فرمائیں گے تو دیگر ضمنی مسائل کے علاوہ یہی تین بنیادی چیزیں آپ کو نظر آئیں گی۔

1۔ روح المعانی، جلد9، جز18، ص230، دار التراث العربی

سُوْرَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سَبْعٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الفرقان مکی ہے اس کی ۷۷ آیتیں اور ۶ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ۙ﴿۱﴾

بڑی (خیروں) برکت والا ہے [۱] وہ جس نے اُتارا ہے الفرقان اپنے (محبوب) بندہ پر تاکہ وہ بن جائے سارے جہان والوں کو (غضب الٰہی سے)

الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ

ڈرانے والا۔ وہ جس کے لیے حکومت ہے آسمانوں اور زمین کی [۲] اور نہیں بنایا ہے اس نے کسی کو بیٹا اور نہیں اس کا

[۱] کیونکہ اس سورت میں مُعاندین سے خطاب ہو رہا ہے اور انہی کی اصلاح کی کوشش کی جارہی ہے اس لیے اس سورت کا آغاز بڑے پرجلال انداز میں فرمایا گیا۔

تَبٰرَكَ ایسا فعل ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے لیے مخصوص ہے۔ نیز فعل ہونے کے باوجود اس سے دیگر مشتقات مضارع، اسم فاعل وغیرہ نہیں بنتے۔ یہ بَرَکَۃٌ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے خیر و نفع رسانی میں زیادتی۔ اس لیے تَبٰرَكَ کا معنی ہو گا زَادَ خَيْرُهٗ وَعَطَاءُهٗ كَثُرَ (بحر) (1) اس کی خیر اور اس کی جود و عطا بہت زیادہ ہے۔ عقلِ سلیم کو اس روشن حقیقت کے تسلیم کرنے میں کیا تامل ہو سکتا ہے۔ اگر اس کی خیر اور نفع رسانی بے اندازہ نہ ہوتی، اگر اس کے جود و سخا کا دسترخوان ہر وقت بچھا ہوا نہ ہوتا تو نہ یہ عالمِ رنگ و بو ہوتا اور نہ اس کی یہ رونقیں اور رنگینیاں ہوتیں۔ اس کے فیوضِ سرمدی اور برکاتِ لامتناہی کا سرچشمہ یہ صحیفۂ ہدایت ہے جس کی حیات آفریں موجیں جہاں سے گزرتی ہیں وہاں خیر و صلاح کے چمن لہلہانے لگتے ہیں۔ اس آفتاب کی روشنی سے عرصۂ حیات کے سارے گوشے جگمگا رہے ہیں۔ اس کے نزول سے حق و باطل میں اِختلاط و التباس کا دور ختم ہو گیا۔ اس لیے یہاں قرآن کی یہی صفت کہ یہ الفرقان ہے بیان کی گئی۔ اس کا نزول اس عبد کامل پر ہوا جہاں عبودیت کی انتہا ہو جاتی ہے۔ عبودیت کے اس اعلیٰ و ارفع مقام پر صرف اسی محبوب کی رسائی ہے۔ اور اس کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ محبوب ترین اور اکمل ترین بندہ سارے جہانوں کو اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کے خوفناک انجام سے بروقت متنبہ فرما دے۔ کیونکہ یہاں رُوئے سخن سرکشوں اور معاندین کی طرف ہے اس لیے یہاں حضورؐ کی صفتِ نذیری کا بیان ہی مناسب تھا۔ لِلْعٰلَمِيْنَ کے لفظ سے واضح ہو گیا کہ حضورؐ کی نبوت و رسالت، مکان و زمان کی حدود سے آشنا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کائنات کی پستیوں اور

1۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج6، ص480

لَهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ②

کوئی شریک سلطنت میں اور اُس نے پیدا فرمایا ہے ہر چیز کو پس اس نے مقرر کیا ہے ہر چیز کا ایک اندازہ ۳

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَ

اور بنا رکھے ہیں انھوں نے خدا تے برحق کو چھوڑ کر ایسے خدا جو پیدا نہیں کر سکتے کسی چیز کو ۴ اور وہ خود پیدا کیے گئے ہیں

بلندیوں میں جو کچھ ہے سب کے لیے آپ رسول ہیں اور جب تک یہ عالم برقرار رہے گا حضورؐ کی رسالت کا پرچم لہراتا رہے گا۔

۲ اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمال کو بیان فرمایا جارہا ہے، بتایا کہ قرآن نازل کرنے والا وہ پروردگار ہے جس کی حکومت و بادشاہی کا ڈنکا آسمانوں اور زمینوں میں ہر جگہ بج رہا ہے۔ اس نے کسی کو اپنا فرزند نہیں بنایا نہ اسے اس کی کوئی ضرورت ہے۔ کوئی شخص اس کی حکومت و سلطانی میں حصہ دار نہیں ہے کہ کچھ اس کا ہو اور کچھ اس کے شریک کا، ہر چھوٹی بڑی چیز کا وہی خالق ہے اور وہی مالک ہے۔

۳ اس کی حکمت و علم کا یہ عالم ہے کہ اس جہان میں اَن گنت قسموں کی بے شمار چیزیں ہیں لیکن کیا مجال کہ کوئی چیز اپنے اندازے سے کم یا زیادہ ہو۔ چیونٹی سے لے کر ہاتھی تک، ریت کے ذروں سے لے کر پہاڑوں تک ہر چیز اس حقیقت کی شہادت دے رہی ہے کہ بنانے والے نے ہر چیز کو پورے اندازے سے بنایا ہے۔ انسان اپنے آپ میں ہی غور کرے۔ اگر آنکھیں آگے کے بجائے سر کے پیچھے ہوتیں، آنکھوں پر پپوٹوں کا غلاف نہ ہوتا یا اس پر پلکیں نہ ہوتیں تو کیا اس نازک ترین چیز کی حفاظت ممکن تھی! اگر دل جہاں ہے وہاں سے ایک انچ اوپر نیچے ہوتا یا بائیں طرف کی بجائے دائیں طرف ہوتا تو یہ "اَنَا وَلَا غَيْرِيْ" کا دم بھرنے والا انسان لحہ بھر بھی زندہ رہ سکتا؟ غرضیکہ سارا نظامِ عالم اس دانائی اور کمال مہارت سے ترتیب دیا گیا ہے، ہر چیز کی وضع قطع اور محل و مکان ایسی عمدگی سے مقرر کیا گیا ہے کہ اگر اس میں بال برابر بھی ردو بدل کیا جائے تو ہر چیز پاش پاش ہو جائے۔ خود سوچو جس کی سلطانی کا یہ عالم ہے کہ ساری بلندیاں اور پستیاں اس کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہیں، جو ہر چیز کا خالق ہے، جس کے علم و حکمت کی گواہی ہر چیز دے رہی ہے، سوچو اور انصاف کرو کہ ایسے خداوندِ عالم و عالمیاں کو بیٹے کی کوئی ضرورت ہے اور اس کا کوئی شریک ہو سکتا ہے؟ اے غافلو! تم کس چکر میں پھنسے ہوئے ہو؟ تم کیوں اس روشن حقیقت کو نہیں سمجھتے؟

۴ مقام حیرت ہے کہ ان مشرکین نے جنہیں اپنی دانشمندی پر بڑا ناز ہے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے لیے ایسے معبود بنا رکھے ہیں جو ہر قسم کے عیوب و نقائص کا مجموعہ اور تمام خوبیوں سے یکسر معرّا ہیں۔

لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا وَّ لَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّ لَا حَيٰوةً

اور نہیں قدرت رکھتے اپنے آپ کو نقصان (سے بچانے) کی اور نہ نفع پہنچانے کی اور نہیں طاقت رکھتے کسی کو مارنے کی اور نہ زندہ کرنے

وَّ لَا نُشُوْرًا ﴿۳﴾ وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ

کی اور نہ مرنے کے بعد جلانے کی۔ اور کہنے لگے کفار کہ نہیں یہ (قرآن) مگر محض بہتان جو گھڑ لیا ہے اس نے

وَ اَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۛۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّ زُوْرًا ﴿۴﴾ وَ

اور مدد کی ہے اس کی اس معاملہ میں ایک دوسری قوم نے ۵ سو یہ (کہہ کر) انھوں نے بڑا ظلم کیا ہے اور سفید جھوٹ بولا ہے۔ اور

۵۔ کفار مکہ انکار توحید کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا بھی بڑے شدومد سے انکار کیا کرتے۔ انہوں نے یہاں تک بہتان تراشی کی کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے بلکہ انہوں نے خود اسے تصنیف کیا ہے۔ یہ بات جوشِ غضب میں زبان سے تو نکل گئی لیکن خود ہی خیال آیا کہ وہ شخص جو اُمّی ہے، جس نے کسی انسان کے سامنے زانوئے علمذ تہ نہیں کیا، جو آج تک کسی ادیب اور فلسفی کی صحبت میں نہیں بیٹھا، وہ ایسی عظیم کتاب کا مصنف کیسے ہو سکتا ہے جس کی ہر سطر سے اَسرار و مَعارف کے دریا بہہ رہے ہیں؟ چنانچہ وہ کہنے لگے کہ وہ تنہا اس کتاب کے مصنف نہیں ہیں بلکہ چند اور لوگ بھی اس کی تصنیف میں شریک ہیں۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ بتاؤ وہ نابغۂ روزگار لوگ کون ہیں جن کی زبان سے علم و حکمت کے ایسے پھول جھڑ رہے ہیں؟ جن کی رنگت سے چشمِ دل تازہ اور جن کی مہک سے مشامِ روح معطر ہو رہا ہے؟ تو غلط گو لوگوں کی طرح کبھی کسی کا نام لیتے ہیں اور کبھی کسی کا۔ کہیں قدم نہیں جمتے۔ کبھی عبید بن الحصر حبشی کاہن کا نام لیتے ہیں اور کبھی ابوفکیہہ، یسار، عداس اور جبر کا نام لیتے ہیں (1) جو انہی مشرکین و معاندین کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آخر ایسے لوگ جن کی مادری زبان عربی نہیں، جن کی ساری زندگیاں اپنے بے مہر آقاؤں کی خدمت میں بسر ہوئی، جن کے احوال واطوار یا گفتگو سے کبھی غیر معمولی قابلیت اور ذہانت کی بو کسی کو نہیں آئی وہ اس کتاب کے مصنف کیسے بن گئے؟ جس کی فصاحت و بلاغت، جس کے حسنِ بیان اور زورِ استدلال نے عرب بھر کے ادیبوں اور دانشوروں کے چھکے چھڑا دیئے اور بار بار چیلنج دینے کے باوجود انہیں یہ ہمت نہ ہوئی کہ سارے عرب کے تمام فصحاء و بلغاء اپنی ساری قوتوں کو بروئے کار لا کر اس جیسی ایک کتاب یا کم از کم ایک چھوٹی سی سورت ہی پیش کر سکتے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے شور و شر کے جواب میں اتنا کہہ کر ہی بات ختم کر دی کہ وہ ظالم ہیں اور سفید جھوٹ بول رہے ہیں۔ گویا ان کا یہ اعتراض اس قابل ہی نہیں کہ اس کا جواب دیا جائے یا اس کی طرف توجہ کی جائے۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 4

قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّ

کفار نے کہا یہ تو افسانے ہیں پہلے لوگوں کے ۶ اس شخص نے لکھوالیا ہے انھیں۔ پھر یہ پڑھ کر سناتے جاتے ہیں اسے ہر صبح

اَصِيْلًا ۞ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

و شام (تاکہ ازبر ہو جائیں) آپ فرمائیے اتارا ہے اس کو اس (خدا) نے جو جانتا ہے آسمانوں اور زمین کے سارے رازوں کو

اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۞ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ

واقعی وہ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے ۷ اور (کفار) بولے کیا ہوا ہے اس رسول کو ۸ کہ کھانا کھاتا ہے

الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ

اور چلتا پھرتا ہے بازاروں میں۔ ایسا کیوں نہ ہوا کہ اُتارا جاتا اس کی طرف کوئی فرشتہ اور وہ اس کے

۶ پھر کہتے اس میں رکھا ہی کیا ہے۔ یہی چند من گھڑت قصے اور پرانے لوگوں کی داستانیں۔ قصہ گوؤں سے صبح و شام سنیں، انہیں نمک مرچ لگایا اور ہمیں آکر سنا دیا۔ کیا ایسی کتاب بھی اس قابل ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے؟ اِکْتَتَبَهَا: اِسْتَكْتَبَهَا: کسی سے لکھوانا۔ تُمْلٰى: تُقْرَءُ۔ (1)

۷ اس کے جواب میں اللہ نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ تم فرماؤ کہ یہ سنے سنائے قصے نہیں ہیں بلکہ اس علیم و خبیر کا کلام ہے جو زمین و آسمان کے ہر راز سے باخبر ہے۔ اگر تم اب بھی اپنی ہٹ دھرمی چھوڑ دو اور حق کو قبول کرلو تو وہ اپنی مغفرت کی چادر سے تم کو ڈھانپ لے گا اور اپنی رحمت کا دروازہ تمہارے لیے کھول دے گا۔ تمہاری سابقہ خطائیں سب معاف کر دی جائیں گی۔ یہاں غَفُوْرًا رَّحِيْمًا کا ذکر کتنا دلکش اور معنی خیز ہے۔

۸ اپنی باتوں کی بے سروپائی ان پر بھی عیاں تھی۔ وہ اپنے دل کی گہرائیوں میں خوب جانتے تھے کہ ان کی یہ بہتان تراشیاں کسی خردمند کو متاثر نہیں کر سکیں گی اور ان کی اس غوغا آرائی سے لوگ اس دینِ حق سے متنفر نہیں ہوں گے۔ اس لیے انہوں نے پینترا بدلا اور کہنے لگے: یہ عجیب رسول ہے۔ ہماری طرح کھاتا پیتا ہے، بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ نہ اس کے ساتھ کوئی فرشتہ ہوتا ہے جو لوگوں کو بتائے کہ یہ خدا کا رسول ہے اور اگر تم نے اس کی پیروی نہ کی تو ہلاک کر دیئے جاؤ گے۔ آنکھیں بند کر کے ہم ایسے شخص کو کیسے رسول تسلیم کریں۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 5-4

مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝۷ اَوْ يُلْقٰۤى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ وَ

ساتھ مل کر لوگوں کو ڈراتا یا (ایسا کیوں نہ ہوا) کہ اُتارا جاتا اس کی طرف خزانہ ۹ یا (کم ازکم) اس کا ایک باغ ہی ہوتا کھایا کرتا

قَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝۸ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا

اس کی آمدنی سے اور ان ظالموں نے (یہاں تک) کہہ دیا کہ تم پیروی نہیں کر رہے ہو مگر ایک ایسے شخص کی جس پر جادو کیا گیا ہے ملاحظہ تو کیجیے ۱۰

۹ اور کچھ نہیں تو کم ازکم اتنا تو ہوتا کہ اس کے پاس زر و جواہرات کا خزانہ ہوتا، خود بھی آرام و راحت سے زندگی بسر کرتا اور اپنے ماننے والوں کو بھی فکرِ روزگار سے آزاد کر دیتا یا اس کا ایک باغ ہی ہوتا جس کی آمدنی سے یہ اپنا وقت عزت و آرام سے گزارتا اور عسرت و تنگدستی سے پریشان نہ ہونا پڑتا۔ آخر میں کہتے کہ اس پر کسی نے جادو کر دیا ہے، اس لیے تو یہ (معاذ اللہ) ایسی بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے۔ کفار مسلمانوں کو طعنے دیتے کہ یہ ہے تمہارا رسول جس کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں۔ تم ایسے آدمی کی پیروی کر رہے ہو جس پر جادو کر دیا گیا ہے اور اس کی عقل کا توازن برقرار نہیں رہا۔

۱۰ ان کور باطنوں کے پاس وہ آنکھ کہاں جو نورِ محمدی کو دیکھ سکے، ان کے بشری حواس بھی کفر و شرک کے تعفّن کے باعث ایسے ماؤف ہو چکے ہیں کہ بشریتِ کاملہ کے اس مرقّعِ زیبا اور پیکرِ حسن و جمال کی رعنائیوں کو بھی دیکھنے سے یہ لوگ قاصر ہیں۔ ان کی کوتاہ بینی صرف بازاروں میں اس کا چلنا دیکھ سکی لیکن عرش کی بلندیوں پر اس کا محوِ خرام ناز ہونا انہیں دکھائی نہ دے سکا۔ یہ کہتے ہیں کہ ان کے ساتھ کوئی فرشتہ نہیں ہوتا۔ فرشتوں کے سردار تو اس کی رکاب تھامنے اور باگ پکڑنے کو اپنے لیے باعثِ عز و افتخار سمجھتے ہیں۔ اسے تو ہر وقت میری معیت حاصل ہے جو فرشتوں کا خالق و مالک ہوں "فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا" (تو ہماری قدرت کی نگاہوں میں بس رہا ہے) کی شان سے وہ بے خبر ہیں۔ وہ یہی دیکھتے رہے کہ یہ پھٹے پرانے کپڑے زیب تن فرماتا ہے۔ اس کے ہاں اکثر جو کی روٹی پکتی ہے۔ بلکہ کئی کئی ماہ تک اس کے ہاں چولہا ہی گرم نہیں ہوتا، اس سے انہوں نے یہ اندازہ لگایا کہ یہ مُفلس ہے، نادار ہے۔ لیکن انہوں نے اِنَّاۤ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ پر غور کرنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ انہوں نے میرے محبوب کی یہ بات سننے سے کان بند کر لیے اُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ (بخاری) (1)۔ مجھے ساری زمین کے سارے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئی ہیں۔ دنیا اور دنیا کی متاعِ فانی کو اس نے اپنے دامنِ استغناء سے گرد کی طرح جھاڑ دیا ہے۔ اس کی نگاہِ مازاغ کو تو حوروں کا حسن، جنت کی بہاریں، عرش و کرسی کی عظمتیں اپنی طرف منعطف نہ کر سکیں۔ وہ تو میرے حسنِ حقیقی کے مشاہدہ میں نعمتِ استغراق سے سرشار ہے اور کافر اپنی نادانی اور کم ظرفی کے باعث یہ سمجھنے لگے ہیں کہ مفلس ہے نادار ہے۔ انہیں کیا معلوم ؏

دو جہاں کی نعمتیں ہیں اس کے خالی ہاتھ میں

وہ کہتے ہیں کہ اس کے پاس کوئی باغ نہیں۔ کتنے کو دن ہیں یہ کہنے والے! یہ سارا گلشنِ عالم اس کا ہے۔ فردوسِ بریں کے

1۔ صحیح بخاری، باب الصلوٰۃ علی الشہید، ج 1، ص 179

لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ⑨ تَبٰرَكَ الَّذِيْۤ اِنْ

کیسے بیان کرتے ہیں آپ کے متعلق طرح طرح کی مثالیں سو وہ (اس بے ادبی کے باعث) گمراہ ہو گئے پس وہ راہ نہیں پا سکتے۔ بڑی (خیر و) برکت والا

شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

ہے اللہ تعالیٰ جو اگر چاہے تو بنا دے آپ کے لیے بہتر اس سے [1] (یعنی ایسے) باغات رواں ہوں جن کے نیچے نہریں

درو دیوار، قصور و اشجار پر اسی کا نام نقش ہے۔ اے محبوب تیرے مقام کو نہ پہچان کر تیری عظمت سے بے خبر رہ کر، تیری شان کا انکار کر کے وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا۔ کاش انہیں صدیق ؓ کی آنکھ اور بلال ؓ کا دل نصیب ہوتا تو انہیں تیرے حسنِ سرمدی اور تیری محبوبیت کا پتہ چلتا۔ بارگاہِ رسالت کا شاعر مسجد نبوی میں منبر پر کھڑا ہوا، کچھ کہہ رہا ہے، ذرا اسے سنو تو۔

وَاَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَقَطُّ عَيْنِيْ ‏ ‏ وَاَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ

خُلِقْتَ مُبَرَّاً مِّنْ كُلِّ عَيْبٍ ‏ ‏ كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ(1)

چشمِ فلک نے اے محبوب کہیں بھی اور کبھی بھی تجھ سے زیادہ خوبصورت کوئی نہیں دیکھا اور کسی عورت نے کسی زمانہ میں آپ سے زیادہ حسین و جمیل بچہ نہیں جنا۔ پیدا کرنے والے نے تجھے ہر عیب سے پاک پیدا کیا ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ تیری تخلیق اس طرح کی گئی ہے جیسے تیری مرضی تھی۔ اور یہی حسان ایک دوسرے موقع پر یوں حقیقت کی ترجمانی کرتے ہیں:

لَهٗ هِمَمٌ لَا مُنْتَهٰى لِكِبَارِهَا ‏ ‏ وَهِمَّتُهُ الصُّغْرٰى اَجَلُّ مِنَ الدَّهْرِ

''اس کے بڑے بڑے حوصلوں اور ہمتوں کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ اس کا سب سے چھوٹا حوصلہ زمانے سے بھی بزرگ تر ہے''۔

لیکن نہ وہ عشق و محبت کی راہ پر چلے اور نہ انہیں تیری معرفت نصیب ہوئی وہ بدنصیب اعتراضات اور الزامات کے خارزاروں میں ہی سر پٹخ پٹخ کر رہ گئے۔ اسی لیے تو کبھی کہتے ہیں کہ جادوگر ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ نہیں اس پر کسی نے جادو کر دیا ہے کبھی کہتے ہیں خود کلام گھڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتا ہے۔ کبھی کہتے ہیں بہت سے لوگ اس کی امداد کرتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں شاعر ہے۔ غرضیکہ کوئی بات بن نہیں آتی۔ کہیں قدم نہیں جمتے۔ یوں ہی واہی تباہی بک رہے ہیں۔ حقیقت کا راستہ گم کر بیٹھے ہیں اور ظن و تخمین کے ریگزاروں میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔

[1] اللہ تعالیٰ کی جود و عطا سے کیا بعید ہے کہ وہ آپ کو یہ ظاہری باغ بھی دے دیتا۔ اس میں نہریں رواں ہوتیں اور آپ کی رہائش کے لیے بڑے بڑے خوبصورت اور شاندار محل ہوتے۔ لیکن جس دینِ حق کی تبلیغ کی عزت آپ کو بخشی گئی ہے اس کے سامنے یہ ساری نعمتیں ہیچ ہیں۔ حدیث پاک میں ہے کہ اس آیت کو لے کر (خازنِ جنت) بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔

1۔ دیوان حسان بن ثابت الانصاری، ص 13، مطبوعہ موسسۃ الاعلمی للمطبوعات، بیروت

وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ﴿١٠﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ

اور بنادے آپ کے لیے بڑے بڑے محلات ۔ بلکہ یہ تو جھٹلاتے ہیں قیامت کو ۱۲؎ اور ہم نے تیار کر رکھی ہے ان کے

بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ﴿١١﴾ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا

لیے جو جھٹلاتے ہیں قیامت کو بھڑکتی ہوئی آگ ۔ جب یہ آگ دیکھے گی انھیں دور سے ۱۳؎ تو وہ سنیں گے اس کا جوش مارنا

وَّزَفِيْرًا ﴿١٢﴾ وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿١٣﴾

اور چنگھاڑنا ۔ اور جب اُنھیں پھینکا جائیگا اس آگ میں کسی تنگ جگہ سے زنجیروں میں جکڑ کر تو پکاریں گے وہاں موت کو

رضوان نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا۔ پھر کہا یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رب العزت آپ کو سلام فرماتے ہیں اور یہ ایک صندوقچی ہے۔ اس صندوقچی میں سے نور چمک رہا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: هٰذِهٖ مَفَاتِيْحُ خَزَائِنِ الدُّنْيَا۔ اس میں دنیا کے سارے خزانوں کی کنجیاں ہیں۔ آپ یہ لے لیں، اس کی وجہ سے آپ کے آخرت کے اجر میں مچھر کے پر کے برابر بھی کمی نہیں ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبریلؑ کی طرف دیکھا۔ گویا آپ اس کی رائے پوچھ رہے ہیں۔ جبریلؑ نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا یہ اشارہ کرنے کے لے کہ آپ تواضع اختیار کریں۔ حضورؐ نے فرمایا ''يَا رِضْوَانُ لَا حَاجَةَ لِيْ فِيْهَا اَلْفَقْرُ اَحَبُّ اِلَيَّ وَاَنْ اَكُوْنَ عَبْدًا صَابِرًا شَكُوْرًا''۔ اے رضوان! مجھے ان کی ضرورت نہیں۔ مجھے فقر زیادہ پسند ہے اور مجھے یہ چیز زیادہ مرغوب ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا صابر اور شکر گزار بندہ بنوں۔ وَقَالَ رِضْوَانُ اَصَبْتَ، اللّٰهُ لَكَ (قرطبی)(1) آپ کا یہ فیصلہ درست ہے، اللہ آپ کا ہے۔ اَللّٰهُ لَكَ میں جو لطف ہے اس سے اہلِ ذوق ہی لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے کیا خوب کہا ہے۔

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب ۔۔۔ یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا (2)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''عَرَضَ عَلَيَّ رَبِّيْ اَنْ يَّجْعَلَ لِيْ بَطْحَاءَ مَكَّةَ ذَهَبًا وَّقُلْتُ لَا يَا رَبِّ وَلٰكِنْ اَشْبَعُ يَوْمًا وَّاَجُوْعُ يَوْمًا'' (مظہری)(3) میرے رب نے میرے سامنے یہ چیز پیش کی کہ میرے لیے مکہ کے پہاڑوں کو سونا بنا دے۔ میں نے عرض کی لا یا ربّ نہیں میرے مولا، بلکہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن سیر ہو کر کھاؤں (اور تیرا شکر ادا کروں) اور ایک دن بھوکا رہوں (اور صبر کروں)۔

گزید فقر کہ فرماں روائے ملک ابد ۔۔۔ بہشتِ خاک ندارد ہوائے سلطانی

۱۲؎ ان کی یہ تک بندیاں اور بہتان تراشیاں اسی لیے تو ہیں کہ انہیں قیامت پر یقین نہیں اگر انہیں یہ علم ہو جاتا کہ کل روزِ محشر ان ہرزہ سرائیوں کے بارے میں ان سے باز پرس ہوگی تو ایسی بے ادبیاں نہ کرتے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج13، ص7 ۔ 2۔ حدائق بخشش، ج1، ص37، مطبوعہ گنج شکر پرنٹرز

3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج7، ص7، جامع ترمذی، ابواب الزہد، باب ماجاء فی الکفاف والصبر علیہ، ج2، ص58

لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۴﴾ قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ

(کہا جائیگا بدبختو!) نہ مانگو آج ایک موت ۱۴؎ بلکہ مانگو بہت سی موتیں۔ ان سے پوچھیے (ذرا بتاؤ) یہ بھڑکتی ہوئی آگ

اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ كَانَتْ لَهُمْ جَزَاۗءً وَّمَصِيْرًا ﴿۱۵﴾

بہتر ہے یا دائمی جنت ۱۵؎ جس کا وعدہ پرہیزگاروں سے کیا گیا ہے۔ ہوگی یہ جنت ان کے اعمال کا صلہ اور (ان کی زندگی کا) انجام

لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَاۗءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ۭ كَانَ عَلٰي رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔــوْلًا ﴿۱۶﴾

اُن کے لیے اس میں ہر وہ نعمت ہوگی جس کی وہ خواہش کریں گے ۱۶؎ وہاں ہمیشہ رہیں گے آپکے رب کے ذمہ وعدہ ہے جس کا ایفا لازم ہے

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ

اور جس روز (محشر میں) اللہ انھیں اکٹھا کرے گا اور ان (باطل خداؤں) کو جنھیں یہ پوجتے ہیں اللہ کے سوا۔ تو اللہ پوچھے گا (ان

اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَاۗءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۱۷﴾ۭ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ

معبودوں سے) کیا تم نے گمراہ کیا میرے ان بندوں کو یا وہ خود ہی سیدھی راہ سے بھٹک گئے تھے ۱۷؎ وہ کہیں گے تو پاک ہے

۱۳؎ اُس روز کفار و مشرکین پر جو گزرے گی اس کا حال بیان فرمایا تا کہ وہ اب ہی غوایت و ضلالت سے باز آجائیں اور دوزخ کی ان تکلیفوں سے اپنے آپ کو بچالیں جن کے ذکر سے ہی کلیجہ منہ کو آجاتا ہے۔ تَغَيُّظٌ: صَوْتُ تَغَيُّظٍ هِيَ صَوْتُ غِلْيَانِهَا شَبِيْهًا بِصَوْتِ الْمُتَغَيِّضِ (1)۔ شعلوں کے بھڑکنے سے ایسی آواز پیدا ہوگی جیسے کوئی غیظ و غضب سے بڑبڑا رہا ہو۔ زَفِيْرٌ: تَرَدُّدُ النَّفَسِ حَتّٰى تَنْتَفِخَ الضُّلُوْعُ مِنْهُ (مفردات) (2)۔ ایسی سانس کے پھولنے کی آواز جس سے پسلیاں پھول جائیں۔ گدھا جب ہینگتا ہے تو اس کی آواز کے پہلے حصہ کو زفیر اور آخری کو شہیق کہتے ہیں۔ مُقَرَّنِيْنَ: زنجیر و سلاسل میں جکڑے ہوئے۔

۱۴؎ انہیں جب زنجیر و سلاسل میں جکڑ کر بھڑکتے ہوئے اور غصہ سے چیختے چنگھاڑتے ہوئے دوزخ میں پھینکا جائے گا تو ہر ایک کہے گا ہائے میں تباہ و برباد ہو گیا، ہلاک ہو گیا۔ سب سے پہلے شیطان وَاثُبُوْرَاہ کہہ کر چلائے گا اور اس کے بعد اس کے چیلے۔ (3)

۱۵؎ دوزخ اور اس کی کربناکیوں کا ایسا مؤثر منظر پیش کیا گویا وہ اب ہی اسے آنکھوں سے دیکھنے لگے ہیں اور ان سے یہ پوچھنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔

۱۶؎ اہلِ جنت کی عزت افزائیوں کا ذکر فرمایا کہ اس دنیا میں انہوں نے ایسی زندگی گزاری جیسے ہم نے انہیں حکم دیا تھا۔ اس سے انہوں نے سرمو سرتابی نہ کی۔ اور جنت میں ہم ان کی ایسی دلداری کریں گے کہ جو وہ چاہیں گے وہ مہیا کر دیا جائے گا۔ یہ اللہ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 7 2۔ مفردات راغب، ص 380 3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 18، ص 244

مَا كَانَ يَنۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ

(ہر عیب سے) ہمیں یہ بات زیبا نہ تھی کہ ہم بناتے تیرے سوا کسی غیر کو دوست لیکن تو نے

مَّتَّعْتَهُمْ وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَ كَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۸﴾ فَقَدْ

آرام و آسائش عطا کی انھیں اور ان کے آباء کو یہاں تک کہ انھوں نے بھلا دیا تیری یاد کو (اور دین) وہ لوگ تباہ و برباد ہوگئے، اے کفار

كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّ لَا نَصْرًا ۚ وَ مَنْ

تمہارے معبودوں نے تمہیں جھٹلا دیا جو تم کہتے ہو پس اب نہ تم اپنے سے عذاب کو پھیر سکتے ہو اور نہ تمہاری مدد کی جائیگی۔ اور جس نے

يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ﴿۱۹﴾ وَ مَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ

ظلم کیا تم میں سے تو ہم چکھائیں گے اُسے عذاب بڑا۔ اور نہیں بھیجے ہم نے آپ سے پہلے

کا پختہ وعدہ ہے جس کی خلاف ورزی نہیں ہو سکتی۔

۱۷؎ تمام مشرکین کو بتایا جا رہا ہے کہ جن کو تم نے اپنا معبود بنا رکھا ہے اور ہر وقت ان کی پوجا پاٹ میں لگے رہتے ہو، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انہیں اپنی بارگاہ میں طلب کرے گا اور تم بھی ان کے ساتھ ہو گے۔ اس وقت ان معبودوں سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم نے انہیں کہا تھا کہ ہمیں خدا بناؤ اور ہماری عبادت کرو۔ اے مشرکین! سن لو اس وقت تمہارے سارے معبود، دیوی دیوتا سب کہیں گے: اے خداوندِ عالم! تو ہر قسم کے شرک سے پاک اور منزہ ہے۔ ہم یہ جرأت کیونکر کر سکتے تھے کہ لوگوں کو اپنی عبادت کا حکم دیں۔ ان لوگوں کی گمراہی کی وجہ یہ نہیں کہ ہم نے انہیں ایسا کہا تھا بلکہ دولت وعزت کی فراوانی اور مہلت کی طوالت نے انہیں بدمست بنا دیا اور وہ تیری یاد سے غافل ہو گئے۔

وہ کون معبود ہیں جن کو قیامت کے روز طلب کیا جائے گا۔ ضحاک اور عکرمہ نے کہا ہے کہ وہ بت ہیں جن کی یہ عبادت کیا کرتے تھے۔ اس روز ان کو قوتِ گویائی بخشی جائے گی اور وہ جواب دیں گے۔ لیکن مجاہد اور ابنِ جریر نے کہا ہے کہ تمام معبودوں کو بلایا جائے گا۔ فرشتے، جن، انسان، مسیح، عُزَیر وغیرہم۔ وہ سب اپنی براءت کریں گے کہ ہم نے کسی کو اپنی پوجا کرنے کی تلقین نہیں کی۔ اور یہی قول زیادہ صحیح ہے تاکہ ساری مشرک قوموں کے معبودوں کا ذکر آ جائے۔ ان میں سے جنہوں نے خدائی کا دعویٰ نہیں کیا ہو گا بلکہ لوگوں نے ناحق انہیں معبود، خدا بنا لیا ہو گا ان کا تو یہ جواب صداقت پر مبنی ہو گا لیکن فرعون و نمرود وغیرہما جنہوں نے اپنی الوہیت کا دعویٰ کیا اور لوگوں کو مجبور کیا کہ وہ انہیں خدا مانیں، وہ بھی اس روز مکر جائیں گے۔

بُوْرٌ: ھَلْكٰى۔ ہلاک و برباد۔ یہ اسم مصدر ہے۔ واحد، جمع، تذکیر، تانیث سب حالتوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اور بعض کی

الْمُرْسَلِينَ إِلَّآ إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ ۗ وَ

رسول ١٨ مگر وہ سب کھانا کھایا کرتے اور چلا پھرا کرتے بازاروں میں اور

جَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۗ أَتَصْبِرُونَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا ﴿٢٠﴾

ہم نے بنا دیا تمہیں ایک دوسرے کے لیے آزمائش ١٩۔ کیا تم (اس آزمائش میں) صبر کرو گے؟ اور آپ کا رب سب کچھ دیکھ رہا ہے ٢٠

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا لَوْلَآ أُنزِلَ عَلَيْنَا الْمَلَٰٓئِكَةُ

اور کہا اُن لوگوں نے جو اُمید نہیں رکھتے تھے ہم سے ملنے کی کہ کیوں نہ اُتارے گئے ہم پر فرشتے ٢١

رائے ہے کہ یہ بَائِنٌ کی جمع ہے۔ جس طرح عَائِذٌ کی عُوْذٌ اور هَائِدٌ کی هُوْدٌ۔ (قرطبی) (1)

١٨۔ یعنی کفار کا آپ پر اعتراض کرنا کہ آپ کھانا تناول فرماتے ہیں اور بازاروں میں جاتے ہیں بالکل لغو ہے۔ آپ سے پہلے بھی جتنے رسول ہم نے بھیجے وہ سب کھانا کھایا کرتے اور کام کاج کے لیے بازاروں میں تشریف لے جاتے۔ کھانا کھانا اور بازاروں میں جانا مقامِ رسالت اور شانِ نبوت کے منافی نہیں جیسے ان لوگوں نے سمجھ رکھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کفار کے اس اعتراض سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رنجیدہ خاطر ہوئے۔ فوراً جبریل آپہنچے۔ وَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ! اَللهُ رَبُّكَ يُقْرِءُكَ السَّلَامَ وَيَقُولُ لَكَ، وَمَآ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ الْآيَة: یعنی جبریل نے آ کر عرض کیا السلام علیک یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ جو آپ کا رب ہے وہ سلام فرماتا ہے اور اس کا یہ ارشاد ہے وَمَآ أَرْسَلْنَا الْآيَة (قرطبی) (2) یہ آیت پڑھ کر سنائی۔ خاطرِ حبیب کی اتنی گرانی بھی گوارا نہ ہوئی۔

١٩۔ یعنی ہر شخص اپنے مقابل سے آزمایا جاتا ہے۔ علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے بڑی جامع اور مختصر بات لکھی ہے۔ فَالْفِتْنَةُ أَنْ يُحْسَدَ الْمُبْتَلَى الْمُعَافَى وَيُحَقِّرَ الْمُعَافَى الْمُبْتَلَى (3)۔ ”کسی مصیبت (مرض، فقر) میں مبتلا ہونے والے کا خیر و عافیت سے زندگی بسر کرنے والے پر حسد کرنا اس کے لیے فتنہ ہے اور خیر و عافیت سے زندگی بسر کرنے والے کا کسی گرفتارِ بلا کو حقیر سمجھنا اس کے لیے فتنہ ہے۔ اس عمومی آزمائش میں کامیاب ہونے کا طریقہ بتا دیا أَتَصْبِرُونَ یعنی صبر کا دامن اپنے ہاتھ میں مضبوطی سے پکڑے رہو۔ یہ جملہ استفہامیہ اِصْبِرُوْا امر کے معنی میں ہے یعنی صبر کرو جیسے فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ (سورۂ مائدہ: 91) کا معنی اِنْتَهُوْا ہے (4)۔ اس فتنہ سے بچنے کے لیے رحمتِ عالم کا یہ ارشادِ گرامی بھی ڈھال کا کام دیتا ہے۔ ارشاد ہے: إِذَا نَظَرَ أَحَدُكُمْ إِلَى مَنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ فِي الْمَالِ وَالْخَلْقِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلُ مِنْهُ (بخاری۔ مسلم) (5) جو شخص کسی ایسے آدمی کو دیکھے جو مال اور حسن وصحت میں اس سے افضل ہے تو اسے چاہیے کہ فوراً نگاہ ان کی طرف پھیرے جو اس سے بھی زیادہ نادار ہیں یا جسمانی لحاظ سے کمزور ہیں۔

٢٠۔ اللہ تعالیٰ سب کو دیکھ رہا ہے اور ہر شخص کا طریقۂ کار اس پر عیاں ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 12-11 2۔ ایضاً، ص 13-12، جامع اسباب النزول، ص 248 3۔ ایضاً، ج 13، ص 18 4۔ ایضاً، ص 19
5۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب لینظر الی من هو اسفل، ج 2، ص 960۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد، فصل فلینظر فی الدنیا الی من هو اسفل، ج 2، ص 407

أَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ وَ عَتَوْ عُتُوًّا كَبِیْرًا ﴿۲۱﴾

یا ہم دیکھ لیتے اپنے رب کو، وہ اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھنے لگے تھے اپنے دلوں میں۔ اور انھوں نے حد سے بڑھ کر سرکشی کی

یَوْمَ یَرَوْنَ الْمَلٰٓىِٕكَةَ لَا بُشْرٰى یَوْمَىِٕذٍ لِّلْمُجْرِمِیْنَ وَ یَقُوْلُوْنَ

جس روز وہ دیکھیں گے فرشتوں کو تو کوئی خوشی کی بات نہ ہوگی اُس روز مجرموں کے لیے ۲۲ اور فرشتے کہیں گے تمہارے

حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾ وَ قَدِمْنَاۤ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ

لیے جنت کا داخلہ قطعاً حرام ہے۔ اور ہم متوجہ ہونگے ان کے کاموں کی طرف ۲۳ اور انھیں گرد و غبار

۲۱ کفار ایمان لانے کے لیے عجیب عجیب شرطیں عائد کرتے ہیں۔ کبھی کہتے کہ فرشتے اتر کر ہمارے پاس آئیں، کبھی کہتے اللہ تعالیٰ بے حجاب ہو کر ہمارے سامنے آئے تاکہ ہم اپنی آنکھوں سے اسے دیکھ کر تسلی کرلیں۔ ارشاد ہوتا ہے: ان مغروروں نے اپنے آپ کو سمجھ کیا رکھا ہے۔ کیا وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ خدا اور رسول کو اُن کے ایمان لانے کی بڑی ضرورت ہے اس لیے وہ جو مطالبہ کریں گے خواہ کتنا نامعقول ہی ہو اسے ضرور پورا کیا جائے گا۔ وہ اس غلط فہمی کو اپنے دل سے نکال دیں۔

۲۲ اگر ان کی خواہش کے مطابق فرشتے ان کے پاس اتر کر آئیں بھی تو وہ دن ان کے لیے فرحت و مسرت کا دن نہیں ہوگا۔ فرشتے ان کے لیے کوئی خوشخبری لے کر نہیں آئیں گے بلکہ انہیں یہ بتانے آئیں گے کہ توبہ کی مہلت ختم ہوگئی اور تمہارے لیے بہشت کا دروازہ بند کر دیا گیا اور اس میں تمہارا داخلہ ممنوع قرار دے دیا گیا ہے۔ تَقُوْلُ الْمَلٰٓئِكَةُ حَرَامًا مُّحَرَّمًا اَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ قَالَ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَقَامَ شَرَائِعَهَا (1) وَمَحْجُوْرًا صِفَةٌ تُؤَكِّدُ مَعْنٰى حِجْرًا كَمَا قَالُوْا مَوْتٌ مَّائِتٌ وَ ذَیْلٌ ذَائِلٌ (2)۔ یعنی فرشتے کہیں گے کہ جنہوں نے کلمۂ شہادت نہیں پڑھا اور شریعت کے احکام کی پابندی نہیں کی ان کا جنت میں داخلہ قطعاً حرام اور ممنوع ہے۔ اس صورت میں حِجْرًا موصوف مَّحْجُوْرًا صفت برائے تاکید ہوئی۔ جیسے کہتے ہیں مَوْتٌ مَّائِتٌ وغیرہ۔ یہ توجیہ کی جائے تو یَقُوْلُوْنَ کا فاعل ملائکہ ہوں گے لیکن بعض علماء کے نزدیک اس کا فاعل کفار ہیں (3)۔ ابن جریج کہتے ہیں: عرب جب کسی مصیبت میں گھر جاتے ہیں تو کہتے ہیں حِجْرًا مَّحْجُوْرًا مَعْنَاهُ عَوْذًا مُّعَوَّذًا۔ ہائے بچاؤ، ہائے بچاؤ (مظہری) (4)۔ علامہ آلوسی اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وَهِیَ كَلِمَةٌ تَقُوْلُهَا الْعَرَبُ عِنْدَ لِقَاءِ عَدُوٍّ مَّوْتُوْرٍ وَّ هُجُوْمِ نَازِلَةٍ هَائِلَةٍ یَّضَعُوْنَهَا مَوْضِعَ الْاِسْتِعَاذَةِ حَیْثُ یَطْلُبُوْنَ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى اَنْ یَّمْنَعَ الْمَكْرُوْهَ فَلَا یَلْحَقُهُمْ وَكَانَ الْمَعْنٰى نَسْاَلُ اللّٰهَ تَعَالٰى اَنْ یَّمْنَعَ ذٰلِكَ مَنْعًا وَّیَحْجُرَهٗ حِجْرًا (روح المعانی) (5)

۲۳ ان کے وہ اعمال جن پر ان کو بڑا بھروسا تھا وہ سب خاک کے ذروں کی طرح منتشر کر کے اڑا دیئے جائیں گے۔ کیونکہ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج13، ص20 — 2۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، ج3، ص274 — 3۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج24، ص72
4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج7، ص20 — 5۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج19، ص6

هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ یَوْمَىٕذٍ خَیْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّ اَحْسَنُ

بنا کر اُڑا دیں گے۔ اہلِ جنّت کا اس دن بہت اچھا ٹھکانا ہو گا اور دوپہر گزارنے کی جگہ بڑی

مَقِیْلًا ﴿۲۴﴾ وَ یَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَ نُزِّلَ الْمَلٰٓىٕكَةُ تَنْزِیْلًا ﴿۲۵﴾

آرام دہ ہوگی ۲۴ اور یاد کرو جس روز پھٹ جائیگا آسمان اور بادل نمودار ہو گا ۲۵ اور اتارے جائینگے فرشتے گروہ در گروہ۔

اَلْمُلْكُ یَوْمَىٕذِ ﹰالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِؕ وَ كَانَ یَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِیْنَ عَسِیْرًا ﴿۲۶﴾

اس دن سچّی بادشاہی (خداوند) رحمٰن کی ہوگی ۲۶ اور وہ دن کافروں کے لیے بڑا مشکل ہو گا ۲۷

وَ یَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى یَدَیْهِ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِی اتَّخَذْتُ مَعَ

اور اُس روز ظالم (فرطِ ندامت سے) کاٹے گا اپنے ہاتھوں کو (اور) کہے گا کاش! میں نے اختیار کیا ہوتا رسول

عامل میں ایمان اور عمل میں اخلاص مفقود تھا۔ روشندان سے جب دھوپ اندر آرہی ہو اس میں جو باریک باریک ذرے نظر آتے ہیں ان کو ھَبَآءً کہا جاتا ہے (1)۔ آیت میں قَدِمْنَآ بمعنٰی قَصَدْنَا مستعمل ہے۔ یُقَالُ قَدِمَ فُلَانٌ اِلٰی اَمْرِ کَذَا اَیْ قَصَدَہٗ وَقَالَ مُجَاھِدٌ قَدِمْنَا اَیْ عَمَدْنَا (قرطبی) (2)

۲۴ اب جنتیوں کے ساتھ جو سلوک ہو گا وہ سنیے اور کوشش کیجیے اس عمرِ ناپائیدار کو یوں خرچ کرنے کی کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے اور اس کا محبوب خوش ہو جائے۔ تاکہ جنت کی نعمتوں کے علاوہ نعمتِ دیدار سے بھی لطف اندوز ہونے کا موقع ملے۔ مَقِیْلٌ: قیلولہ کرنے کی جگہ۔ (3)

۲۵ وقوعِ قیامت کا ہولناک منظر بتایا جارہا ہے۔ مفسرینِ کرام نے اس آیت کا یہی مفہوم بیان فرمایا ہے کہ آسمان پھٹ جائے گا اور اس کی جگہ سفید رنگ کا پتلا سا بادل لے لے گا جو کُہر کی مانند ہو گا۔ رُوِیَ اَنَّ السَّمَآءَ تَتَشَقَّقُ عَنْ سَحَابٍ اَبْیَضَ رَقِیْقٍ مِّثْلِ الضَّبَابَةِ (قرطبی) (4)

۲۶ فانی بادشاہیاں اور جھوٹی حکومتیں اور ان کے دعویدار سب ناپید ہو جائیں گے اور حقیقی شہنشاہی اور سلطانی کے تخت پر اللہ تعالیٰ نزول اجلال فرمائے گا۔ علامہ ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حدیثِ صحیح میں ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کو لپیٹ کر اپنے دائیں ہاتھ میں لے لے گا اور دوسرے ہاتھ میں زمینوں کو لے لے گا، پھر فرمائے گا: اَنَا الْمَلِكُ اَنَا الدَّیَّانُ اَیْنَ مُلُوْكُ الْاَرْضِ، اَیْنَ الْجَبَّارُوْنَ اَیْنَ الْمُتَكَبِّرُوْنَ؟ (5) میں بادشاہ ہوں۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج7، ص20 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز13، ص21 3۔ المنجد، ص666
4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز13، ص24-23 5۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج3، ص316، صحیح بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورہ زمر، ج2، ص711۔ صحیح مسلم، کتاب صفة المنافقین، باب صفة القیامة والجنة والنار، ج2، ص370۔ سنن ابوداؤد، کتاب السنة، باب فی الرؤیة، ج2، ص295

الرَّسُوۡلِ سَبِيۡلًا ۝۲۷ يٰوَيۡلَتٰى لَيۡتَنِىۡ لَمۡ اَتَّخِذۡ فُلَانًا خَلِيۡلًا ۝۲۸

(مکرم) کی معیت میں (نجات کا) راستہ ۲۸؂ ہائے افسوس! کاش نہ بنایا ہوتا میں نے فلاں کو اپنا دوست۔

کہاں ہیں زمین کے بادشاہ، کہاں ہیں وہ سرکش اور متکبر؟ ہر طرف سناٹا چھا جائے گا کوئی دم نہ مار سکے گا۔

۲۷؂ وہ دن کفار کے لیے تو انتہائی ندامت اور مصیبت کا دن ہوگا۔ لیکن اہلِ ایمان اس روز خرم وشاداں ہوں گے۔ لَا یَحۡزُنُهُمُ الۡفَزَعُ الۡاَکۡبَرُ۔(1) ''انہیں وہ دل ہلا دینے والی گھبراہٹ غمناک نہ کرے گی۔'' حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بارگاہِ رسالت میں عرض کی گئی کہ یارسول اللہ! قیامت کا دن تو پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا۔ اتنی طویل مدت کیسے کٹے گی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: وَالَّذِیۡ نَفۡسِیۡ بِیَدِهٖ اِنَّهٗ لَیُخَفَّفُ عَلَی الۡمُؤۡمِنِ حَتّٰی یَکُوۡنَ اَخَفَّ عَلَیۡهِ مِنۡ صَلَاةٍ مَّکۡتُوۡبَةٍ یُّصَلِّیۡهَا فِی الدُّنۡیَا (مسند امام احمد۔ ابن کثیر)(2)

''مجھے اس کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے، یہ طویل مدت مومن کے لیے اتنی ہوگی جتنی فرض نماز جسے وہ دنیا میں ادا کرتا ہے''۔

۲۸؂ مفسرینِ کرام لکھتے ہیں کہ عُقبہ بن ابی مُعَیط جب کبھی سفر سے واپس آتا تو دعوتِ عام کرتا جس میں اہلِ مکہ شریک ہوتے۔ یہ اکثر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ حضور ﷺ کی باتیں سنتا اور انہیں پسند کرتا۔ ایک دفعہ وہ سفر سے واپس آیا تو اس نے حسبِ دستور دعوتِ عام کا اہتمام کیا اور حضور ﷺ کو بھی دعوت دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تک تو مشرف باسلام نہ ہوگا میں تیری دعوت قبول نہیں کروں گا۔ چنانچہ اس نے کلمہ شہادت پڑھا اور اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ ابی بن خلف سے عقبہ کا بڑا یارانہ تھا۔ اس نے سنا تو آکر کہا کہ اے عقبہ سنا ہے تم مرتد ہو گئے ہو۔ اس نے کہا ہرگز نہیں، میں نے محض ایک غرض کے لیے اسلام کا اظہار کیا ہے۔ ابی کہنے لگا میں تم سے اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا، جب تک تو اس کے پاس جا کر ایسی ایسی گستاخیاں نہ کرے۔ عقبہ اپنے یار کو خوش کرنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گیا اور وہ ساری گستاخیاں کیں جن کی فرمائش اس کے یار نے کی تھی۔ یہاں تک کہ اس نے رخِ انور پر تھوکنے کی جسارت بھی کی لیکن اللہ تعالیٰ نے اسی تھوک کو آگ کا انگارا بنا کر لوٹایا اور اس کے منہ پر دے مارا جس سے اس کا منہ جل گیا اور مرتے دم تک گالوں پر داغ رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب سرزمینِ مکہ سے باہر تیری ملاقات ہوگی تو عَلَوۡتُ رَأۡسَكَ بِالسَّیۡفِ۔ ''تیرا سر تلوار سے اڑا دوں گا''۔ یہ بات اس کے دل میں تیر کی طرح پیوست ہوگئی۔ کئی سال بعد جب اہلِ مکہ بدر کی طرف جانے لگے تو اس نے پہلوتہی کرنا چاہی اور کہا: تمہیں معلوم ہے اس شخص نے مجھے جو دھمکی دی تھی؟ اور جو بات اس کے منہ سے نکلتی ہے پوری ہو کر رہتی ہے۔ مجھے یہیں رہنے دو۔ انہوں نے کہا تم بھی عجیب آدمی ہو پہلے تو اس کے غالب آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور اگر بفرضِ محال کوئی ایسی صورت پیش آ بھی گئی تو تمہارے پاس تیز رفتار سرخ اونٹ ہے اور اس پر سوار ہو کر بھاگ جانا۔ چنانچہ اسے اپنی بدبختی لے گئی۔ کفر کو شکست ہوئی، یہ اپنے اونٹ کو لے کر بھاگا۔ لیکن وادیوں کے پیچ وخم میں الجھ کر رہ گیا اور اسے گرفتار کر لیا گیا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے اس کا سر قلم کر دیا(3)۔ قیامت کے روز

1۔ سورۃ الانبیاء: 103 2۔ مسند امام احمد، ج 3، ص 75۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 17-316 3۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 5-204

لَقَدْ اَضَلَّنِیْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْ ؕ وَ كَانَ الشَّیْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ

واقعی اُس نے بہکا دیا مجھے اس قرآن سے اس کے میرے پاس آجانے کے بعد۔ اور شیطان تو ہمیشہ سے انسان کو (مشکل کے وقت)

خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾ وَ قَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ

بے یارو مددگار چھوڑنے والا ہے ۲۹؎ اور رسول عرض کریگا میرے رب! بلاشبہ میری قوم نے اس قرآن کو بالکل نظرانداز کر دیا

مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِیْنَ ؕ وَ

ہے ۳۰؎ اور (اے حبیب!) اسی طرح ہم نے بنا تے ہر نبی کے لیے دشمن جرائم پیشہ لوگوں سے ۳۱؎ اور کافی ہے ۳۲؎ آپ کا

جب یہ قبر سے اٹھے گا تو اس کی حسرت وندامت کی یہ حالت ہوگی جو ان آیات میں مذکور ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ہر اس بدبخت اور بدنصیب کا یہی حال ہوگا جو اس قسم کی روش اختیار کرے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنگت کو چھوڑ کر غیروں کی دوستی کا دم بھرے گا۔ بارگاہِ رسالت میں گستاخی کر کے اپنے شیطانوں کو راضی کرنا چاہے گا۔ یہ سب ندامت سے ہونٹ چبائیں گے اور ہاتھ کاٹیں گے اور اپنی نالائقی اور کج فہمی پر پھٹکار بھیجیں گے۔ الذِّكْر سے مراد قرآنِ حکیم بھی ہے اور حضورؐ کی ذاتِ والاصفات بھی۔ عَنِ الْقُرْاٰنِ وَالْاِیْمَانِ بِهٖ وَقِیْلَ عَنِ الذِّكْرِ اَیْ عَنِ الرَّسُوْلِ (1)۔ انسان کو دوست بناتے وقت دیکھنا چاہیے کہ کسی ایسے شخص کو دوست نہ بنالے جو اسے ابدی ہلاکت کے گڑھے میں پھینک دے۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نیک اور صالح دوست منتخب کرنے کی اور بدکار لوگوں کی دوستی سے بچنے کی سخت تاکید فرمائی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَرْءُ عَلٰى دِیْنِ خَلِیْلِهٖ فَلْیَنْظُرْ مَنْ یُّخَالِلُ (2)۔ ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔ پس ہر شخص کو چاہیے کہ وہ خوب غور کرے کہ وہ کسے دوست بنا رہا ہے۔'' حضرت ابنِ مسعودؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (3) کہ ''انسان کا حشر اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اس کی محبت ہوگی''۔ اس لیے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے دوستی اور محبت کا رشتہ اُستوار کرے۔ فساق وفجار اور بدعقیدہ لوگوں کی صحبت سے دور بھاگے۔ مبادا! ان کے برے اعمال اور گمراہ کن عقائد اُسے بھی لے ڈوبیں۔

۲۹؎ ہر شیطان خواہ وہ انسان ہو یا جن، اس کا یہ شیوہ ہے کہ پہلے طرح طرح کے چکمے دے کر نافرمانی پر اکساتا ہے۔ بڑے سبز باغ دکھاتا ہے اور لحظہ بلحظہ انسان کو اپنے رب سے دور کرتا چلا جاتا ہے۔ اور ساتھ ہی قسمیں اٹھا اٹھا کر اپنی دوستی اور وفاداری کا یقین دلاتا ہے کہ آپ بے خوف وخطر یہ کام کرتے جائیں اور کسی قسم کا فکر واندیشہ نہ کریں۔ پہلے تو یہ راہ ہی ہر خطرے سے بالکل محفوظ ہے اور اگر بفرضِ محال کوئی خطرہ پیش آ بھی گیا، کسی مصیبت نے راستہ روک بھی لیا تو میں جان کی بازی لگا دوں گا اور تمہارا بال بھی بیکا نہیں ہونے دوں گا۔ لیکن جب ان بدکرداریوں کا انجام کسی لاعلاج بیماری، کسی تباہ کن معاشی بدحالی یا کسی ناقابلِ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 13، ص 26 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 24 3۔ ایضاً صحیح بخاری، کتاب الادب، باب علامة الحب فی اللہ، ج 2، ص 911

كَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴿۳۱﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ

رب (آپکے لیے) منزل مقصود تک پہنچانیوالا اور مدد فرمانے والا۔ اور کہنے لگے کفار (از راہِ اعتراض) کیوں نہیں اُتارا گیا

عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚۛ كَذٰلِكَ ۚۛ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَ

ان پر قرآن یکبارگی؟ ۳۳ اس طرح اس لیے کیا کہ ہم مضبوط کردیں اس کے ساتھ آپکے دل کو

رَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ

۳۴ اور اسی لیے ہم نے ٹھیر ٹھیر کر اسے پڑھا ہے ۔ اور نہیں پیش کرینگے آپ پر کوئی اعتراض مگر ہم لائیں گے آپکے پاس اس کا صحیح جواب

برداشت مصیبت میں رونما ہوتا ہے تو یہ شیطان بالکل آنکھیں پھیر کر الگ ہو جاتا ہے۔

۳۰ قوم کے اس معاندانہ رویہ سے غمزدہ ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا: میری قوم نے ہدایت و رشد کے اس صحیفہ کو بالکل نظر انداز کر دیا اور اس کی طرف التفات ہی نہیں کرتے۔ شب بھر رستم و اسفندیار کے قصے سنتے سناتے رہتے ہیں۔ اپنے شعراء کے فحش قصیدے مزے لے لے کر پڑھتے ہیں۔ لیکن اس کتابِ مقدس کی طرف قطعاً توجہ نہیں دیتے۔

۳۱ اللہ تعالیٰ اپنے حبیبِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بڑے پیارے انداز میں تسلی دیتے ہیں کہ اے میرے رسول! ہمیشہ سے چلا آتا ہے کہ مجرم لوگ انبیاء کرام کی دشمنی اور عداوت میں لگے رہتے ہیں۔ اس لیے آپ مت گھبرائیے۔

۳۲ خود سوچیے كَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا میں جس پیارے انداز سے تسلی دی جا رہی ہے اور جس طرح دلجوئی فرمائی جا رہی ہے، اس کے بعد کون سی مصیبت ہے جو پریشان کر سکے، کونسا دشمن ہے جو ہراساں کر سکے۔ جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہی سب سے بڑا سہارا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں کے ساتھ بھی یہ عنایت و بندہ پروری فرماتا رہتا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ۔

۳۳ قرآن مجید کے کلامِ الٰہی ہونے پر انہیں یہ اعتراض بھی تھا کہ قرآن بیک وقت ایک مرتّب اور مدوّن کتاب کی صورت میں کیوں نہیں اترا؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صاحب اسے خود تصنیف کرتے ہیں یا ان کے معاون لوگ اس کو سکھاتے ہیں۔ جتنا قدر یہ خود بناتے ہیں یا ان سے سیکھتے ہیں اتنا قدر آ کر سنا دیتے ہیں۔

۳۴ اس ایک جملہ میں قرآنِ کریم کو تدریجاً نازل کرنے کی کئی حکمتیں بیان فرما دیں:

۱۔ اس طرح لوحِ قلب پر یہ اچھی طرح نقش ہو جاتا ہے۔ ۲۔ ہر آیت کا مفہوم خوب ذہن نشین ہو جاتا ہے۔

۳۔ ضرورت کے موقع پر آیات کا نزول ہوگا تو دلالاتِ لفظیہ کے ساتھ جب قرائنِ حالیہ بھی مل جائیں گے تو آیات کا مفہوم اور مصداق زیادہ واضح ہو جائے گا۔

تَفْسِيرًا ﴿٣٣﴾ اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ

اور عمدہ تفسیر ۳۵ (جو اعتراض کو رد کر دے گی) جو لوگ ہانکے جائیں گے اوندھے منہ جہنم کی طرف ۳۶ ان کا

شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿٣٤﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ

بہت بُرا ٹھکانا ہوگا اور وہ سب سے زیادہ گم کردہ راہ ہونگے۔ اور بیشک ہم نے عطا فرمائی موسیٰ کو کتاب اور مقرر کیا اُن کے

جَعَلْنَا مَعَهٗٓ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ﴿٣٥﴾ فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ

ساتھ اُن کے بھائی ہارون کو (اُن کا) وزیر۔ پھر ہم نے حکم دیا دونوں جاؤ اس قوم کی طرف جنھوں نے جھٹلایا ہے ہماری

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ﴿٣٦﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا

آیتوں کو۔ (وہ گئے۔ قوم نے ان کو ٹھکرا دیا) تو ہم نے ان کو بالکل برباد کر دیا ۳۷ اور قوم نوح کو یاد کرو جب انھوں نے جھٹلایا

۴۔ ہر موقعہ پر جب وحی الٰہی اترے گی تو دل کو اطمینان رہے گا کہ جس خالق نے مجھے اس کارِ عظیم کو سرانجام دینے کے لیے مقرر فرمایا ہے اس کی نظرِ عنایت ہر وقت میرے شامل حال ہے۔

۵۔ کیونکہ یہ ایک دستورِ حیات ہے اس کو تدریجاً نافذ کرنا ہی مناسب ہے تاکہ اس کو اپنانے میں آسانی ہو۔ اگر کسی قوم کو اپنے تمام اطوار و رسوم کو یک بارگی ترک کر کے بالکل جدید دستورِ حیات اپنانے کا حکم دیا جائے تو اس کے لیے بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر آہستہ آہستہ احکام نازل ہوں تو اس طرح ان پر عمل کرنے میں بڑی آسانی ہوتی ہے۔

۳۵ مَثَل کا معنی ہے ایسی بات جس میں تعجب اور نُدرت پائی جائے (1)۔ یہاں اس سے مراد ان کے اوٹ پٹانگ، عجیب و غریب اعتراضات ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ جب بھی وہ آپ پر کوئی اعتراض کریں گے تو ہم آپ کو اس کا صحیح اور دندان شکن جواب سکھا دیں گے اور اس کی ایسی وضاحت فرما دیں گے کہ پھر انہیں مجالِ شک نہ رہے گی۔

۳۶ حدیث شریف میں ہے کہ حضور نبی کریم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن بعض لوگ سوار ہوں گے، بعض پیدل چل رہے ہونگے اور بعض کو منہ کے بل گھسیٹا جائے گا۔ عَنْ مُعَاوِيَةَ ابْنِ حَيْدَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ يَقُوْلُ اِنَّكُمْ تُحْشَرُوْنَ رِجَالًا وَّرُكْبَانًا وَّتُجَرُّوْنَ عَلٰى وُجُوْهِكُمْ (رواہ الترمذی) (2)

۳۷ حضرت نوح علیہ السلام کی رسالت کا انکار گویا تمام رسولوں کا انکار ہے اس لیے یہاں الرسل جمع استعمال ہوا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہندوستان کے برہمنوں کی طرح وہ نفسِ نبوت و رسالت کے ہی منکر ہوں۔ كَذَّبُوْا نُوْحًا وَمَنْ قَبْلَهٗ اَوْجَعَلَ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 25۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 209
2۔ جامع ترمذی، ابواب الزاہد، باب ماجاء فی شان الحشر، ج 2، ص 65

الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَ جَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ

رسولوں کو تو ہم نے انھیں غرق کر دیا اور بنا دیا انھیں دوسرے لوگوں کے لیے عبرت۔ اور تیار کر رکھا ہے ہم نے ظالموں کے لیے

عَذَابًا اَلِيْمًا ۚۖ ﴿۳۷﴾ وَّ عَادًا وَّ ثَمُوْدَاۡ وَ اَصْحٰبَ الرَّسِّ وَ قُرُوْنًۢا بَيْنَ

دردناک عذاب اور یاد کرو قوم عاد، ثمود اور اصحاب الرس کو[۳۸] اور ان کثیر التعداد قوموں کو جو ان کے

ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿۳۸﴾ وَ كُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۫ وَ كُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ﴿۳۹﴾ وَ

درمیان گزریں۔ حق سمجھانے کے لیے ہم نے بیان کیں ہر ایک کے لیے مثالیں اور ہم نے سب کو نیست و نابود کر دیا۔ اور

لَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْۤ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ؕ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا

کئی بار گزرے ہیں ۳۹ یہ مشرک اس قصبہ کے پاس سے جس پر پتھراؤ کیا گیا تھا بُری طرح۔ کیا وہاں سے گزرتے ہوئے

يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ﴿۴۰﴾ وَ اِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ

وہ اسے نہیں دیکھا کرتے ۴۰ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انھیں دوبارہ جینے کی امید ہی نہیں ہے۔ اور جب وہ آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا

تَكْذِيْبُهُمْ لِنُوحٍ تَكْذِيْبُهُمْ لِلْجَمِيْعِ اَوْلَمْ يَرَوْا بِعْثَةَ الرُّسُلِ كَالْبَرَاهِمَةِ۔ (بحر)(1)

۳۸ یہ کون لوگ تھے؟ اس کے متعلق مفسرین نے متعدد اقوال لکھے ہیں۔ لیکن جزم و یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی اس سوال کا کوئی یقینی جواب نہیں۔ البتہ ''الرّس'' کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایسے لوگ تھے جنہوں نے اپنے نبی کو پُرانے کنوئیں میں پھینک دیا اور ان پر عذاب نازل ہوا۔ اَلرَّسُّ: اَلْبِئْرُ الْمَطْوِيَّةُ بِالْحِجَارَةِ (قاموس)(2) وَمُلَخَّصُ هٰذِهِ الْاَقْوَالِ اَنَّهُمْ قَوْمٌ اَهْلَكَهُمُ اللهُ بِتَكْذِيْبِ مَنْ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ (بحر)(3)

۳۹ اہلِ مکّہ کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ جب تمہارے تجارتی کارواں شام کی طرف جاتے ہیں تو تمہارا گزر سدوم اور اس کی نواحی اُجڑی ہوئی بستیوں پر ہوتا ہے(4) جہاں کبھی لُوط کی قوم آباد تھی۔ اور جب انہوں نے اپنے رسول کی دعوت کو ٹھکرایا اور اپنی بدکاریوں سے باز نہ آئے تو ان پر پتھر برسائے گئے اور ان کے آباد اور بارونق شہروں کو برباد کر کے رکھ دیا گیا۔ مَطَرَ السَّوْءِ: اَلْحِجَارَةُ الَّتِيْ اُمْطِرَتْ عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَآءِ (بحر)(5)

۴۰ ان اُجڑے ہوئے شہروں کو دیکھ کر ان کے دل خوف سے کیوں نہیں کانپ جاتے؟ یہ کیوں ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے؟ اس کی وجہ بیان فرما دی کہ قیامت پر کیونکہ انہیں یقین نہیں اس لیے اصلاحِ احوال کی انہیں فکر ہی نہیں۔ یہ سمجھتے ہیں کہ

1۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج6، ص498 2۔ القاموس المحیط، ج1، ص753 3۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج6، ص499 4۔ ایضاً 5۔ ایضاً

اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اِلّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ۝۴۱

مذاق اُڑانا شروع کر دیتے ہیں (کہتے ہیں) کیا یہ وہ صاحب ہیں جن کو خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے قریب تھا کہ یہ شخص ہمیں بہکا

اٰلِهَتِنَا لَوْلَاۤ اَنْ صَبَرْنَا عَلَیْهَا ؕ وَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ حِیْنَ یَرَوْنَ

دیتا اپنے خداؤں سے اگر ہم ثابت نہ رہے ہوتے ان کی پوجا پر (اے حبیب!) یہ جان لیں گے جب (ہمارے) عذاب

الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِیْلًا ۝۴۲ اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ

کو دیکھیں گے کہ کون بھٹکا ہوا ہے راہِ (راست) سے۔ کیا آپ نے ملاحظہ فرمایا اس (احمق) کو جس نے بنالیا اپنا خدا

اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَیْهِ وَكِیْلًا ۝۴۳ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ یَسْمَعُوْنَ

اپنی خواہش کو۔ کیا آپ اس کے ذمہ دار ہیں؟ ۴۲ کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے ہیں یا (کچھ)

وہ لوگ بھی یہاں اپنی زندگی بسر کر کے چلے گئے اور انہیں بھی ایک روز چلا جانا ہے۔ اس زندگی کے بعد کوئی اور زندگی تو ہے نہیں۔ اس لیے اس چندروزہ زندگی میں زیادہ سے زیادہ جتنا لطف اٹھا سکتے ہو اٹھا لو۔ ماہرینِ آثارِ قدیمہ نے آج تو اپنی کاوشوں سے ہزار ہا سال سے مدفون بستیوں کو کھود کر نکال لیا ہے۔ وہ ان اسباب کا تجزیہ کرنے میں بھی بڑی مہارت کا ثبوت دے رہے ہیں کہ کونسی اُفتاد اس بستی پر پڑی جس کی وجہ سے یہ برباد ہو گئی۔ ان تمام علمی کمالات کے باوجود انہیں اپنے عقائد و اطوار کی اصلاح کا کبھی خیال تک نہیں آیا۔ اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ جو اس آیت میں بیان کر دی گئی۔ گویا اصلاحِ احوال کے لیے آخرت پر ایمان بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے بغیر اصلاح کی کوئی کوشش کامیاب اور دیرپا نہیں ہو سکتی۔

۴۱ یعنی اگر ہم تعصب اور ہٹ دھرمی سے کام نہ لیتے تو اس شخص کا زورِ بیان اور طرزِ استدلال ہمیں بہا کر اپنے ساتھ لے گیا ہوتا۔ ہم اپنے بتوں سے دور ہو چکے ہوتے لیکن ہم اپنی ہٹ پر ڈٹے رہے اور اس کی زد سے محفوظ رہے۔ وہ گویا اپنے سے کم درجہ کے لوگوں کو تلقین کر رہے ہیں کہ اس شخص کی باتیں بڑی مؤثر ہیں۔ دل میں گھر کر لیتی ہیں اور دماغ میں جم جاتی ہیں۔ تم نہ دل کی بات مانو اور نہ اپنی عقل کا فیصلہ تسلیم کرو ورنہ تم اپنے قدیم آبائی مذہب سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔ اس سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے کہ آنکھیں بند رکھو اور کانوں میں انگلیاں ٹھونس لو اور نہ مانوں نہ مانوں کا سبق ہمیشہ ورد زبان رکھو۔

۴۲ جن لوگوں نے عقل کا چراغ بجھا دیا ہے، جو کسی قوی سے قوی دلیل کو ماننے کے لیے بھی تیار نہیں، جو حق کے نور کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لیتے ہیں، جو محض اپنی خواہشِ نفس کے عبادت گزار ہیں، ان کا نفس ہی ان کا خدا ہے۔ جدھر وہ چاہتا ہے ادھر انہیں ہانک کر لے جاتا ہے۔ وہ اسی کی پوجا کرنے میں مگن ہیں۔ اے حبیبِ مکرمؐ! کیا ایسے لوگوں کی ہدایت کے لیے آپ فکرمند ہیں؟

ع ۱۰ ۴

اَوْ يَعْقِلُوْنَ ۭ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝۴۴ۧ اَلَمْ

سمجھتے ہیں ۔ نہیں ہیں یہ مگر ڈنگروں کی مانند ، بلکہ یہ تو ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں ۔ کیا آپ نے

تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا

نہیں دیکھا اپنے رب کی طرف ، کیسے پھیلا دیتا ہے سایہ کو ۴۳ اور اگر چاہتا تو بنا دیتا اُسے ٹھیرا ہوا ۔ پھر ہم نے بنا دیا

الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ۝۴۵ۙ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ۝۴۶ وَهُوَ

آفتاب کو اس پر دلیل ۴۴ پھر ہم سمیٹے جاتے ہیں سایہ کو اپنی طرف آہستہ آہستہ ۴۵ اور وہی ہے

یہ تو ڈنگروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے مالک کو پہچانتے ہیں اور اس کا حکم بجالاتے ہیں۔ اور جو خدمت ان کی شایاں ہے اس کے ادا کرنے میں سُستی نہیں کرتے۔ اور یہ نہ اپنے خالق کو پہچانتے ہیں، نہ اس کے احسانات کا شکریہ ادا کرتے ہیں نہ اس کا حکم بجالاتے ہیں۔ اس لیے ایسے لوگوں کی اصلاح کی توقع نہیں ہوسکتی۔ اگر یہ باطل پر جمے رہیں اور حق کو قبول نہ کریں تو آپ رنجیدہ خاطر نہ ہوا کریں۔

۴۳ اِن آیات میں قدرتِ کاملہ کے ان کرشموں کو بیان فرمایا جا رہا ہے جو انسان کے لیے سراپا لطف و رحمت ہیں۔ اگر قدرت فیاضی اور دریادلی سے ان کو آشکارا نہ کرتی تو انسان کی آفاقی فتوحات کا تو ذکر ہی کیا، اس کا وجود تک بھی فنا ہو جاتا۔ اگر آفتاب کے طلوع و غروب کا موجودہ نظام نہ ہوتا، بلکہ ہمیشہ رات ہی رہتی تو انسانی زندگی تو کجا، حیوانی اور نباتاتی زندگی کے امکانات بھی ختم ہو جاتے۔ اگر سورج کبھی غروب ہی نہ ہوتا تو اس کی کرنوں کی تمازت قوتِ روئیدگی کو جلا کر رکھ دیتی۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ جو سایہ صبح کے وقت ہوتا ہے اسے ظِلّ کہتے ہیں اور دوپہر کے بعد جو سایہ ہوتا ہے اسے فَیْءٌ (1)۔ سورج کے طلوع ہونے سے پہلے ہر چیز سائے میں لپٹی ہوتی ہے۔ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو ہر چیز کا سایہ پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ سورج جیسے جیسے بلند ہوتا جاتا ہے وہ سایہ بھی سمٹنے لگتا ہے۔ خوب غور کرو جس طرح یہ سایہ فانی ہے اسی طرح تمہاری زندگی اور اس کا یہ جاہ و جلال بھی فانی ہے۔ نیز یہ بھی ارشاد فرما دیا کہ مانا کفر و شرک کا سایہ بہت پھیلا ہوا ہے اور باطل کی تاریکیوں نے ہر جگہ اپنے جھنڈے گاڑ دیئے ہیں لیکن اب آفتابِ ہدایت طلوع ہو چکا۔ تھوڑی دیر انتظار کرو، پھر دیکھو گے کہ نورِ ہدایت کیسے پھیلتا ہے۔

۴۴ اہلِ معرفت نے آیت کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ سائے سے مراد فترۃ کا زمانہ ہے۔ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضورؐ کی بعثت کا درمیانی زمانہ) ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہو چکا تھا، یہاں تک کہ آفتابِ محمدیؐ اُبھرا اور ظلمت کدۂ عالم کو بقعۂ نور بنا دیا۔ اور اگر یہ سورج طلوع نہ ہوتا تو ساری مخلوق غفلت کی تاریکی میں عمریں گزار دیتی اور نُورِ حق کی کوئی تجلی انہیں فیضیاب نہ کرتی۔ یہ آفتابِ محمدی کی فیاضیاں ہیں جن کے باعث دل کی آنکھوں کو نُورِ توحید دیکھنا نصیب ہوا۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 37

الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِبَاسًا وَّ النَّوْمَ سُبَاتًا وَّ جَعَلَ النَّهَارَ

جس نے بنایا ہے تمہارے لیے رات کو لباس ۴۶ اور نیند کو باعثِ راحت اور بنایا ہے دن کو طلبِ معاش کے

نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾ وَ هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ۚ

لیے) دوڑ دھوپ کا وقت اور وہ وہی ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو خوشخبری دینے کے لیے اپنی رحمت (بارش) سے پہلے ۴۷

وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾ لِّنُحْیِ َۧ بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا وَّ نُسْقِیَهٗ

اور ہم اُتارتے ہیں آسمان سے پاکیزہ پانی تاکہ ہم زندہ کر دیں اس پانی سے کسی غیر آباد شہر کو اور ہم پلائیں یہ پانی

مِمَّا خَلَقْنَاۤ اَنْعَامًا وَّ اَنَاسِیَّ كَثِیْرًا ﴿۴۹﴾ وَ لَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَیْنَهُمْ

اپنی مخلوق سے کثیر التعداد مویشیوں اور انسانوں کو۔ اور ہم بانٹتے رہتے ہیں بارش کو لوگوں کے درمیان

لِیَذَّكَّرُوْا ۖ٘ فَاَبٰۤی اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾ وَ لَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِیْ

تاکہ وہ غور و فکر کریں پس انکار کر دیا اکثر لوگوں نے مگر یہ کہ وہ ناشکر گزار نہیں گے۔ اور اگر ہم چاہتے تو بھیجتے ہر گاؤں میں

گر نہ خورشید جمالِ یار گشتے راہنموں   از شبِ تاریکِ غفلت کس نبردے راہ بروں (1)

۴۵ یہاں اس امر کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے کہ حکمتِ الٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ ساری تبدیلیاں تدریجی طور پر وقوع پذیر ہوں۔ ورنہ سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ کبھی آپ نے موسموں کے تغیّر پر غور کیا؟ کس طرح آہستہ آہستہ سردیاں گرمیوں میں اور گرمیاں سردیوں میں تبدیل ہوتی ہیں۔ اگر سخت گرمی کے فوراً بعد سخت سردی شروع ہو جائے تو اس کے اثرات کی تباہ کاریوں کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ قدرت ہر کام میں تدریج کو پسند کرتی ہے اور اسی میں اس کی حکمت کے سینکڑوں جلوے نظر آتے ہیں۔ یُوںہی کفر کی ظلمت دھیرے دھیرے چھٹے گی اور ہدایت کی روشنی آہستہ آہستہ پھیلے گی۔

۴۶ آٹھ پہروں کو رات دن میں تقسیم کرنے کے جو فوائد ہیں ان کا ذکر کر کے لوگوں کو اس احسانِ عظیم پر شکر بجالانے کی تلقین فرمائی۔

۴۷ اپنے ایک اور احسانِ عظیم کا ذکر فرمایا اور اس امر کی طرف بھی اشارہ کیا کہ جس طرح ظاہری قحط سالی کو ہم رحمت کا مینہ برسا کر دور کرتے ہیں اور جہاں خاک اڑ رہی ہوتی ہے وہاں چند دنوں کے بعد شاداب کھیت لہلہاتے ہوئے نظر آنے لگتے ہیں اسی طرح ہم روحانی خشک سالی کے بعد رسالت کا ابرِ رحمت بھیجتے ہیں جو برستا ہے تو گلشنِ انسانیت میں بہار آجاتی ہے۔ کئی پیاسی

1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 221

كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيرًا ﴿٥١﴾ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيرًا ﴿٥٢﴾

ایک ڈرانے والا ۴۸ پس کافروں کی پیروی نہ کرو اور خوب ڈٹ کر مقابلہ کرو ان کا قرآن کی دلیلوں سے ۴۹

وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ

اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے ملا دیا ہے دو دریاؤں کو، یہ (ایک) بہت شیریں ہے اور یہ (دوسرا) سخت کھاری ۵۰

روحیں اس سے سیراب ہوتی ہیں۔ کتنے آلودہ دامن اس کے چھینٹوں سے دھل کر پاک صاف ہو جاتے ہیں۔ مطلعِ حیات پر قرآن وحاملِ قرآن کی صورت میں پھر وہی ابرِ رحمت گھر کر آیا ہے۔ اس کی گھنگھور گھٹائیں اب برسا چاہتی ہیں۔ اے تشنہ لبو! ہوشیار۔ اے آلودہ نفسو! خبردار، یہ سعید لمحے غفلت میں برباد نہ ہو جائیں یہ لیلۃ القدر سوتے میں ہی نہ بیت جائے۔

۴۸ اگر ہم چاہتے تو ہر ایک بستی میں علیحدہ علیحدہ نبی بھیج دیتے۔ لیکن حکمت کا اب یہ تقاضا نہیں۔ انسانیت کے بکھرے ہوئے شیرازہ کو یکجا کرنے کا موزوں وقت اب آپہنچا ہے۔ بہت سی امتوں کی نہیں اب ایک امت کی ضرورت ہے جو حق کی امین بنائی جائے اور اس کی یہی صورت ہے کہ ساری اقوامِ عالم کا ایک ہی ہادی ہو۔ اب رات گزر گئی جبکہ ہر گھر میں الگ الگ چراغ جلائے جاتے تھے۔ اب دن طلوع ہو گیا ہے۔ اب آفتابِ محمدی شرق و غرب، نشیب و فراز، دور و نزدیک سب کو منور کر دے گا۔

۴۹ جہاد کی وضاحت سورۂ حج کی آخری آیت کے ضمن میں ہو چکی ہے ملاحظہ فرمائیں (1)۔ علامہ پانی پتی لکھتے ہیں جِهَادًا كَبِيْرًا اَیْ شَدِیْدًا بِالْقَلْبِ وَاللِّسَانِ وَالسَّيْفِ وَالسِّنَانِ (2)۔ یعنی سخت جہاد کرو، دل سے، زبان سے، تلوار سے اور نیزہ سے۔

۵۰ قدرتِ خداوندی کے ایک اور حیران کن کرشمے کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے کہ پانی دو قسم کے ہیں، میٹھے، خوش ذائقہ اور تلخ و نمکین، لیکن ہر پانی اپنی اپنی جگہ پر قائم ہے۔ ان کو الگ الگ رکھنے کے لیے قدرت نے رکاوٹیں قائم کر دی ہیں تاکہ یہ باہم مل نہ سکیں۔ یہ رکاوٹیں کبھی تو اتنی لطیف اور غیر محسوس ہوتی ہیں کہ انسان دیکھ کر حیران ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات دیکھا گیا ہے کہ ایک جگہ نلکا لگایا تو پانی میٹھا نکلا۔ پھر چند فٹ کے فاصلہ پر دوسرا نلکا لگایا گیا تو پانی کھارا نکلا بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دیوار کے اندر والا پانی میٹھا اور باہر والا کھاری۔ اس سے بھی زیادہ حیران کن یہ بات ہے کہ سمندر میں جب مد ہوتا ہے تو سمندر کا آبِ شور دور تک خشکی کے دریاؤں ندی نالوں میں داخل ہو جاتا ہے لیکن بایں ہمہ وہ ان کے میٹھے پانی کے ساتھ مختلط نہیں ہوتا اور جزر کے وقت وہی آبِ شور واپس ہو جاتا ہے اور ان دریاؤں کا میٹھا پانی حسبِ سابق رواں رہتا ہے اور اس کے ذائقہ میں بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دریائے نیل جب بحرِ روم میں جا کر گرتا ہے تو کئی میلوں تک اس کا پانی سمندر میں جوں کا توں چلا جاتا ہے نہ اس کی رنگت بدلتی ہے اور نہ اس کا ذائقہ تبدیل ہوتا ہے اور اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز یہ امر ہے کہ کھارے کڑوے سمندر کے وسط میں پانی کے ایسے ذخیرے دریافت ہوئے ہیں جن کا پانی بالکل میٹھا ہوتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابوالحیان اندلسی لکھتے ہیں، وَتُرَی الْمِیَاهُ قِطَعًا فِیْ وَسْطِ الْبَحْرِ الْمَالِحِ فَیَقُوْلُوْنَ هٰذَا مَاءٌ ثَلْجٌ فَیَسْقُوْنَ مِنْهُ مِنْ وَسْطِ الْبَحْرِ۔ (بحر محیط) (3)

1۔ دیکھیے ضیاء القرآن، ج3، ص236 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج7، ص42 3۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج6، ص507

وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُورًا ﴿۵۳﴾ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ

اور بنادی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان کے درمیان آڑ اور مضبوط رکاوٹ۔ اور وہ وہی ہے جس نے پیدا فرمایا انسان کو اس

الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَّصِهْرًا ۗ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا ﴿۵۴﴾ وَيَعْبُدُونَ

پانی (کی بوند) سے اور بنا دیا اسے خاندان والا اور سسرال والا۔ اور آپ کا رب بڑی قدرت والا ہے۔ اور وہ پوجتے ہیں

اس کی تصدیق تفہیم القرآن کے مندرجہ ذیل اقتباس سے بھی ہوتی ہے۔

''ترکی امیر البحر سیدی علی رئیس (کاتب رومی) اپنی کتاب مرآۃ الممالک میں جو سولھویں صدی عیسوی کی تصنیف ہے، خلیج فارس کے اندر ایسے ہی ایک مقام کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ وہاں آبِ شور کے نیچے آبِ شیریں کے چشمے ہیں جن سے میں خود اپنے بیڑے کے لیے پانی پینے کا حاصل کرتا رہا ہوں۔

موجودہ زمانے میں جب امریکن کمپنی نے سعودی عرب میں تیل نکالنے کا کام شروع کیا تو ابتداءً وہ بھی خلیج فارس کے انہی چشموں سے پانی حاصل کرتی تھی۔ بعد میں ظہران کے پاس کنوئیں کھود لیے گئے اور ان سے پانی لیا گیا''۔ (تفہیم القرآن، جلد ۳، صفحہ ۴۵۸) (1)

اب غور فرمایئے وہ کس کی طاقت ہے جو زیرِ زمین میٹھے پانی کے ذخیروں کو کڑوے پانی سے الگ رکھتی ہے؟ جو حالتِ مد میں سمندر کے کڑوے پانی کی موجوں کو میٹھے پانی پر چڑھ آنے کے باوجود ملنے نہیں دیتی؟ وہ کس کی صفت ہے جس نے سمندروں میں میٹھے پانی کے چشمے جاری کر دیئے؟ یہ اللہ کی ذات ہے جس کی حکمت کے کرشمے آپ کو جگہ جگہ اس کی عظمت و کبریائی کی شہادت دیتے ہوئے نظر آئیں گے۔

اس آیت کا یہ مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے کہ میٹھے پانی سے مراد حق ہے اور کڑوے کھاری پانی سے مراد باطل ہے۔ باطل اپنی ساری کثرت اور شوکت کے باوجود حق کو مٹا نہیں سکتا۔ گمراہی کے گھپ اندھیروں میں بھی ہدایت کے چراغ ضرور فروزاں رہیں گے۔ ان طوفانوں اور اندھیروں کے باوجود حق کا علم لہراتا ہی رہے گا۔

۵۱؎ اب تک توحید کے آفاقی دلائل و بینات کا ذکر ہوتا رہا جو ایک طرف اگر اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ پر دلالت کرتے ہیں تو دوسری طرف انسان کے لیے اس کی رحمتِ عامہ کے ناقابل انکار شواہد ہیں۔ اب انفسی دلائل کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے جو انسان کی اپنی ذات میں موجود ہیں۔ پہلے بتایا کہ اے اپنی طلعتِ زیبا رخسار گلگوں اور قامتِ بلند پر اترانے والے! ذرا دیکھ ہم نے تجھے پانی کی ایک بوند سے پیدا کیا ہے۔ کہاں وہ قطرۂ آب اور کہاں یہ تیرا حسین و جمیل سراپا، یہ تبدیلی اور یہ تدریجی ارتقاء کس کی حکمتِ کاملہ کی شہادت دے رہا ہے؟ ذرا مزید غور کرو، اللہ تعالیٰ نے صرف ایک صنف ہی (مرد یا عورت) پیدا نہیں کی، بلکہ دونوں کو پیدا فرمایا۔ دونوں کے ظاہری اعضاء میں واضح اختلاف ہے، ان کے ذہنی رجحانات اور قلبی

1۔ تفہیم القرآن، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 458

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُهُمْ وَلَا یَضُرُّهُمْ ؕ وَکَانَ الْکَافِرُ عَلٰی رَبِّهٖ

اللہ تعالیٰ کے سوا اُن بتوں کو ۵۲ جو نہ فائدہ پہنچا سکتے ہیں انھیں اور نہ نقصان۔ اور کافر اپنے رب کے مقابلے میں ہمیشہ

ظَهِیْرًا ﴿۵۵﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ﴿۵۶﴾ قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ

(شیطان کا) مددگار ہوتا ہے۔ اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر بشارت دینے والا اور ڈرانے والا۔ فرما دیجیے کہ میں نہیں مانگتا تم سے اس

مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ یَّتَّخِذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِیْلًا ﴿۵۷﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَی

(خیر خواہی) پر کچھ اُجرت مگر میری اُجرت یہ ہے کہ جس کا جی چاہے وہ اپنے رب کا رستہ اختیار کرے ۵۳ اور (اے مصطفےٰ!)

احساسات و جذبات میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہے۔ لیکن اس بیّن تفاوت کے باوجود دونوں ایک دوسرے کے لیے جزوِ لاینفک ہیں۔ مرد اپنی ساری قوتوں کے باوجود نامکمل ہے۔ عورت اپنی تمام لطافتوں کے باوجود اُدھوری ہے۔ دونوں مل کر ایک مکمل وحدت بنتے ہیں۔ یہ وحدت بانجھ نہیں بلکہ کثیر التعداد وحدتوں کا سرچشمہ ہے۔ ان کے ہاں بچیاں بھی ہوں گی اور بچے بھی۔ کسی کے یہ سسرال بنیں گے اور کوئی ان کے بچوں کے سسرال ہوں گے۔ باہمی رشتے ہوں گے۔ قرابتیں بڑھیں گی۔ اس طرح ایک انسانی معاشرہ معرضِ وجود میں آئے گا۔ جس کا ہر فرد دوسرے افراد سے محبت و پیار، شفقت و احترام کے رشتوں سے بندھا ہوا ہوگا۔ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِیْرًا فرما کر اپنے قادرِ مطلق ہونے کی تصدیق فرما دی۔

۵۲ ان آفاقی و انفسی آیاتِ بینات کے بیان کرنے کے بعد اب ان لوگوں کی حماقت کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے جو اسے چھوڑ کر کسی دوسرے کو اپنا معبود بناتے ہیں۔ ظَهِیْرًا کا معنی مُعین اور مددگار بھی لیا گیا ہے۔ اَیْ مُعِیْنًا لِلشَّیْطَانِ (مظہری)(1)۔ اس کا دوسرا معنی ذلیل بھی کیا گیا ہے۔ یعنی وہ چیز جسے پسِ پشت پھینک دیا جائے۔ اَیْ ذَلِیْلًا مِنْ ظَهَرْتُ الشَّیْءَ اِذَا جَعَلْتَهٗ خَلْفَ ظَهْرِكَ وَلَمْ تَلْتَفِتْ اِلَیْهِ (مظہری)۔(2)

۵۳ اجر مستثنیٰ منہ ہے، مَنْ شَآءَ مستثنیٰ ہے۔ یعنی میں اشاعتِ دین میں جو شب و روز مصروف ہوں، تمہارے طعنے سُن کر خاموش ہو جاتا ہوں، تمہاری اذیت رسانیوں پر صبر کرتا ہوں، تمہاری گالیاں سُن کر دعائیں دیتا ہوں۔ یہ سب کچھ جو میں کر رہا ہوں اس کے بدلہ میں مَیں تم سے کوئی معاوضہ، کوئی اجر طلب نہیں کروں گا۔ میرا اجر یہی ہے کہ تم میں سے جو لوگ حق قبول کرنے کی استعداد رکھتے ہیں وہ حق قبول کر لیں۔ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (3) کی کیا پیاری دلنواز تفسیر اس آیت نے فرما دی۔ یعنی تمہارا حق قبول کر لینا، تمہارا راہِ ہدایت پر گامزن ہو جانا، ہر طرف سے منہ موڑ کر تمہارا طالبِ مولیٰ بن جانا ہی میری ان ساری جانکاہیوں، جانفشانیوں، دل گدازیوں اور مشقتوں کا بہترین صلہ ہے۔ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیْبِهِ الرَّؤُفِ الرَّحِیْمِ وَسَلَّمَ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 43   2۔ ایضاً   3۔ سورۃ التوبہ: 128

الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ۭ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ

آپ بھروسہ کیجیے ہمیشہ زندہ رہنے والے پر جسے کبھی موت نہیں آئے گی ۵۴ اور اس کی حمد کے ساتھ پاکی بیان کیجیے۔ اور اس کا اپنے بندوں کے

خَبِيْرَا ۝۵۸ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ

گناہوں سے باخبر ہونا کافی ہے۔ جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو ۵۵ اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں ۔

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ښ اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا ۝۵۹ وَاِذَا قِيْلَ

پھر وہ متمکن ہوا عرش پر (جیسے اس کی شان ہے) وہ رحمٰن ہے، سو پوچھ اس کے بارے میں کسی واقف حال سے ۵۶ اور جب کہا

لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۤ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَ

جاتا ہے انہیں کہ رحمٰن (کے حضور) سجدہ کرو۔ وہ پوچھتے ہیں رحمٰن کون ہے ۵۷ کیا ہم سجدہ کریں اس کو جس کے متعلق تم ہمیں حکم

زَادَهُمْ نُفُوْرًا ۝۶۰ تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَاۗءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ

دیتے ہو اور وہ زیادہ نفرت کرنے لگتے ہیں۔ بڑی (خیرو) برکت والا ہے جس نے بنائے ہیں آسمان میں برج ، اور بنایا ہے اس

۵۴ اگر ان کافروں کو اپنی تعداد کی کثرت ، اپنے وسائل کی بہتات اور اپنے دوستوں کی امداد پر بھروسہ ہے تو کیا ہوا؟ یہ سب فانی ہیں۔ ان میں کسی چیز کو بقا نہیں۔ اے حبیب! آپ اپنے ربّ کریم پر بھروسہ کریں جو ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے۔ جس کا مُعین و مددگار وہ ہوتا ہے فتح و نصرت اسی کے قدم چومتی ہے۔

۵۵ اللہ تعالیٰ کی عظمتِ شان بیان کی جارہی ہے تاکہ جو اس پر توکّل کرے اسے مخالف کی قوت و سطوت ہراساں نہ کر سکے۔ اِس آیت کی توضیح پہلے کئی بار گزر چکی ہے۔

۵۶ علامہ عثمانی اس آیت کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''یعنی اللہ تعالیٰ کی شانوں اور رحمتوں کو کسی جاننے والے سے پوچھو۔ یہ جاہل مشرک اسے کیا جانیں؟ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ۔ اپنی شئون و کمالات کا پوری طرح جاننے والا تو خدا ہی ہے۔ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ۔ لیکن مخلوق میں سب سے بڑے جاننے والے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں جن کی ذاتِ گرامی میں حق تعالیٰ نے اولین و آخرین کے تمام علوم جمع کر دیئے۔ خدا تعالیٰ کی شانوں کو کوئی ان سے پوچھے'' (حاشیہ عثمانی)۔(1)

۵۷ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے الرحمٰن کا اسم مبارک اہلِ عرب میں معروف نہ تھا(2)۔ اس لیے جب انہیں رحمٰن کو سجدہ

1۔حاشیہ قرآن مجید از علامہ شبیر احمد عثمانی، ص 473

2۔روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 235۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 19، ص 39۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 289

فِيْهَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا مُّنِيْرًا ﴿٦١﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً

ہیں چراغ (آفتاب) اور چاند چمکتا ہوا ۵۸ اور وہ وہی ہے جس نے بنایا ہے رات اور دن کو ایک دوسرے کے

لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿٦٢﴾ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ

پیچھے آنے والا اس کے لیے جو یہ چاہتا ہے کہ وہ نصیحت قبول کرے ۵۹ یا چاہتا ہے کہ شکر گزار بنے۔ اور رحمٰن کے بندے ۶۰

يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا

وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر آہستہ آہستہ ۶۱ اور جب گفتگو کرتے ہیں ان سے جاہل تو وہ صرف یہ کہتے

سَلٰمًا ﴿٦٣﴾ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿٦٤﴾ وَالَّذِيْنَ

ہیں کہ تم سلامت رہو ۶۲ اور جو رات بسر کرتے ہیں اپنے رب کے حضور سجدہ کرتے ہوئے اور کھڑے ہوئے ۶۳ اور جو

کرنے کا حکم دیا گیا تو وہ بِدکے اور ان کا جذبۂ منافرت اور بڑھ گیا۔ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے اپنی کافرانہ سرکشی کے باعث یہ کیا ہو۔

۵۸ سورۃ الحجر میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ ملاحظہ ہو الحجر آیت نمبر ۱۶، ضیاء القرآن، جلد دوم۔(1)

۵۹ قدرت کا یہ شاہکار فقط ان لوگوں کے لیے ہی مفید ہے جو حق کو قبول کرنا چاہتے ہوں اور اس کی طلب کا جذبہ رکھتے ہوں اور اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی نعمتوں پر شکریہ ادا کرنے کے خواہشمند ہوں۔

۶۰ جب انہوں نے الرحمٰن سے اپنی لاعلمی اور بے تعلقی کا اظہار کیا تو اب انہیں گویا یہ بتایا جارہا ہے کہ رحمٰن کی معرفت تو تمہیں کہاں حاصل ہوسکتی ہے اس کے بندوں کی روشن سیرت اور دلکش زندگی کو دیکھو۔ پھر اپنے آلودہ دامن اور بے نور چہروں پر نظر ڈالو۔ خود ہی یہ حقیقت تم پر منکشف ہوجائے گی کہ تم کتنے سود فراموش اور زیاں کار تھے۔ جس رحمٰن کے درِ اقدس پر جبیں سائی کرنے سے چہروں پر یوں نور برسنے لگتا ہے، جس کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے سے کردار و اخلاق کو یہ پاکیزگی نصیب ہونے لگتی ہے، جس رحمٰن کے بھیجے ہوئے رسول کے اسوۂ حسنہ کو اپنا لینے سے نفسِ امارہ نفسِ مطمئنہ بن جاتا ہے، اس رحمٰن سے تم دور کیوں بھاگ رہے ہو؟

۶۱ یہاں سے اللہ تعالیٰ کے بندوں کی صفاتِ حمیدہ کا تفصیلی تذکرہ شروع ہوتا ہے۔ یعنی ان کی چال ہی نرالی ہے، ان کی رفتار دیکھ کر ہی اندازہ ہوجاتا ہے کہ وقار و متانت کا ایک پیکرِ رعنا چلا آرہا ہے جس میں نہ مغرور لوگوں کی رعونت کا کوئی نشان ہے اور نہ بے فکرے، سفلی مزاجوں کا چھچھورا پن ہے۔

۶۲ ان کے اخلاقِ عالیہ کی دوسری خصوصیت یہ بیان کی کہ جب کوئی شخص ان سے جاہلوں جیسی گفتگو کرتا ہے اور معقولیت کی

1۔ ضیاء القرآن، ج2، ص34-533

يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ

(بارگاہِ الٰہی میں) عرض کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! دُور فرما دے ہم سے عذابِ جہنم ۶۴ بیشک اس کا عذاب

غَرَامًا ﴿۶۵﴾ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۶۶﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا

بڑا مہلک ہے۔ بیشک وہ بہت بُرا ٹھکانا اور بہت بُری جگہ ہے۔ اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ

لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾ وَالَّذِيْنَ

فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ کنجوسی ۶۵ (بلکہ) ان کا خرچ کرنا اسراف اور بخل کے بین بین اعتدال سے ہوتا ہے اور جو

روش ترک کر دیتا ہے تو یہ اس کی سطح پر اُتر کر اس سے ہم کلام نہیں ہوتے اور جوابی کارروائی کے جوش میں آ کر اس سے اُلجھ نہیں پڑتے بلکہ سلام کہہ کر الگ ہو جاتے ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جاہلوں کے ساتھ اُلجھنا اور ان کی ہر بات کا ترکی بہ ترکی جواب دینا قطعاً ضروری نہیں۔ بلکہ اپنا قیمتی وقت ضائع کرنا ہے۔ اگر تم دیکھو کہ کوئی شخص بدزبانی پر اتر آیا ہے تو تم بدزبانی کرنے کے بجائے اس سے کنارہ کش ہو جاؤ۔

۶۳ سابقہ آیت میں ان کے دنوں کی مصروفیتوں کا ذکر ہوا۔ اس آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ ان کی راتیں کیسے بسر ہوتی ہیں۔ جب دنیا خوابِ راحت کے مزے لُوٹ رہی ہوتی ہے تو وہ جاگ کر اپنے پروردگار کو یاد کر رہے ہوتے ہیں۔ اپنے خالق کی ناراضگی کے خوف سے ان کی آنکھیں نمناک ہوتی ہیں۔ کبھی سجدہ ریز ہو کر اس کی پاکی اور کبریائی بیان کر رہے ہوتے ہیں اور کبھی ادب و تواضع کی تصویر بن کر دست بستہ اس کے حضور میں کھڑے ہوتے ہیں اور ان کی راتیں اسی حالت میں گزر جاتی ہیں۔ کسی کافر نے صحابہ کرام کے لشکر میں چند راتیں اور چند دن بسر کیے اور جا کر اپنے بادشاہ کو بتایا: هُمْ فُرْسَانٌ بِالنَّهَارِ وَرُهْبَانٌ بِاللَّيْلِ۔ کہ وہ سارا دن برق رفتار گھوڑوں کی پیٹھ پر بیٹھ کر دادِ شجاعت دیتے ہیں اور رات کے وقت راہبوں کی طرح ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔

۶۴ شب و روز احکامِ الٰہی کے بجا لانے اور یادِ خداوندی میں بسر کرنے کے باوجود کبھی اپنی ریاضت و طاعت پر دل میں گھمنڈ پیدا نہیں ہوا۔ انہیں اپنے قصوروں اور کوتاہیوں کا شدید احساس ہر وقت بے چین رکھتا ہے۔ بڑی عاجزی سے اپنی مغفرت اور بخشش کے لیے رو رو کر دعائیں مانگتے ہیں۔ غَرَامًا اَيْ لَازِمًا دَائِمًا غَيْرَ مُفَارِقٍ۔ ہمیشہ رہنے والا جو کبھی جدا نہ ہو۔ قرض خواہ کو غَرِيْمٌ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ قرضہ لیے بغیر جان نہیں چھوڑتا۔ ابو عبیدہ نے اس کا معنی ہلاکت کیا ہے (قرطبی) (1)۔ میں نے اس کا ترجمہ اسی قول کے مطابق کیا ہے۔

۶۵ ان کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ نہ فضول خرچ ہیں، نہ بخیل بلکہ درمیانہ روی اور اعتدال کی راہ پر ہمیشہ گامزن رہتے ہیں۔ اسراف کسے کہتے ہیں اور اقتار (بخل) کیا ہوتا ہے؟ اس کی تشریح کرتے ہوئے علماء نے متعدد اقوال لکھے ہیں۔ لیکن نحاس کا

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 72

لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَ لَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ

نہیں پوجتے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور خدا کو ؀۶۶ اور نہیں قتل کرتے اس نفس کو جس کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام

اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا يَزْنُوْنَ ۚ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾ يُّضٰعَفْ

کر دیا ہے مگر حق کے ساتھ۔ اور نہ بدکاری کرتے ہیں۔ اور جو یہ کام کرے گا تو وہ پائے گا (اس کی) سزا۔ دوگنا کر دیا جائیگا

لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ يَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿۶۹﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ

اس کے لیے عذاب روزِ قیامت اور ہمیشہ رہے گا اس میں ذلیل و خوار ہو کر۔ مگر وہ جس نے توبہ کی

وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ

اور ایمان لے آیا اور نیک عمل کیے ؀۶۷ تو یہ وہ لوگ ہیں بدل دے گا اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے ؀۶۸

پسندیدہ قول یہ ہے کہ جو روپیہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے بغیر خرچ کیا جائے وہ اسراف ہے۔ اور دولت کو اس کی اطاعت میں خرچ کرنے سے رک جانا بخل ہے۔ اور جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کیا وہی میانہ رو اور اعتدال پسند ہے۔ قَالَ النُّحَاسُ وَمِنْ اَحْسَنِ مَا قِيْلَ فِيْ مَعْنَاهُ اَنَّ مَنْ اَنْفَقَ فِيْ غَيْرِ طَاعَةِ اللّٰهِ فَهُوَ الْاِسْرَافُ وَ مَنْ اَمْسَكَ عَنْ طَاعَةِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَهُوَ الْاِقْتَارُ وَ مَنْ اَنْفَقَ فِيْ طَاعَةِ اللّٰهِ فَهُوَ الْقَوَامُ (قرطبی) (1)

؀۶۶ پہلے وہ صفاتِ حمیدہ بیان کی گئیں جن سے اللہ تعالیٰ کے بندے متصف ہوا کرتے ہیں۔ اب ان صفاتِ ذمیمہ کا ذکر ہو رہا ہے جن کی آلائش سے خدائے رحمٰن کے بندوں کا دامن پاک ہوتا ہے۔ ان میں سرفہرست شرک ہے۔ قتلِ ناحق کا دوسرا درجہ ہے اور اس کے بعد زنا ہے۔ دورِ جاہلیت میں یہی چیزیں عز و افتخار کا سبب سمجھی جاتی تھیں۔ وہ اپنی فلاح و نجات شرک میں سمجھتے تھے، قتل و غارت کو شجاعت اور بہادری کی علامت سمجھا جاتا تھا اور زنا کا رواج اس قدر عام تھا کہ پیشہ ور عورتیں اپنے اپنے کوٹھوں پر جھنڈے لہرا لہرا کر دعوتِ عام دیا کرتی تھیں۔ اور بےحسی کا یہ عالم تھا کہ اس کھلی بےحیائی پر کبھی کسی کی جبینِ غیرت پر پسینہ نہیں آتا تھا اور کسی کی رگِ حمیت نہیں پھڑکتی تھی۔ اس ماحول میں ان رذائل سے محفوظ رہنا کوئی معمولی بات نہیں تھی بلکہ بہت بڑا مجاہدہ تھا۔ اسی لیے ان قبائح سے تخلّی کو مقامِ مدح میں ذکر کیا گیا۔

؀۶۷ ساری عمر کفر و شرک اور فسق و فجور میں ضائع کرنے کے بعد اگر وہ سچے دل سے توبہ کرنا چاہے گا تو اللہ کی رحمت کے دروازے کو وہ بند نہیں پائے گا۔ اگر اس نے کفر و شرک سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کیا اور عملِ صالح سے اس نے اپنی توبہ کی تصدیق

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 72

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٧٠﴾ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ

اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اور جس نے توبہ کی اور نیک کام کیے تو اس نے رجوع کیا اللہ تعالیٰ

اور اپنے ایمان کی توثیق کردی تو رحمتِ الٰہی کا مینہ برسے گا اور اس کی سیرت کے تمام بدنما داغوں کو دھو کر پاک صاف کردے گا۔

٦٨۔ بعض علماء نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ توبہ کی وجہ سے ان کے سابقہ گناہ معاف کردیئے جائیں گے اور اس کے بعد جو نیک عمل وہ کریں گے انہیں ان کے نامہء اعمال میں لکھ دیا جائے گا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نافرمانی اور سرتابی کی قوت کو اطاعت وانقیاد کی قوت سے بدل دیا جائے گا۔ پہلے وہ ارتکابِ گناہ پر اپنے آپ کو مجبور پاتا تھا اب اطاعتِ الٰہی کے بغیر اسے چین نصیب نہیں ہوگا (1)۔ لیکن اس آیت کا صحیح مفہوم اس حدیثِ پاک سے سمجھ میں آتا ہے جو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روایت کی ہے۔ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْتٰى بِالرَّجُلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُقَالُ اعْرِضُوْا صَغَائِرَ ذُنُوْبِهٖ فَتُعْرَضُ عَلَيْهِ صَغَائِرُهَا وَتُخْبَأُ كَبَائِرُهَا فَيُقَالُ أَعَمِلْتَ كَذَا وَكَذَا وَهُوَ يُقِرُّ وَلَيْسَ يُنْكِرُ وَهُوَ مُشْفِقٌ مِّنَ الْكَبَائِرِ فَيُقَالُ أَعْطُوْهُ مَكَانَ كُلِّ سَيِّئَةٍ حَسَنَةً فَيَقُوْلُ اِنَّ لِيْ ذُنُوْبًا لَا اَرَاهَا هٰهُنَا وَلَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ (رواہ مسلم) (2)۔ ''حضورؐ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک آدمی کو لایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اس کے چھوٹے گناہ پیش کرو۔ اس کے سامنے اس کے صغیرہ گناہ پیش کیے جائیں گے اور کبیرہ گناہوں کو مخفی رکھا جائے گا۔ پھر اس سے پوچھا جائے گا کیا تو نے فلاں فلاں گناہ کیا۔ وہ اقرار کرے گا اور بڑے گناہوں سے خوفزدہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اسے ہر گناہ کے بدلے ایک نیکی دے دو۔ جب وہ رحمتِ الٰہی کا یہ نرالا انداز دیکھے گا تو کہے گا میں نے تو اور بہت سے گناہ کیے تھے وہ مجھے آج دکھائی نہیں دے رہے (مجھے ان کے بدلے میں بھی نیکیاں ملتیں۔) میں نے رسول اکرمؐ کو دیکھا کہ حضور ہنس پڑے۔ یہاں تک کہ دندانِ مبارک ظاہر ہوگئے۔'' علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کرم سے یہ بعید نہیں کہ جب اس کا بندہ صحیح توبہ کرے تو اس کے ہر گناہ کے بدلے نیکی عطا فرمائے۔ علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے خوب لکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے بندوں سے کوئی غلطی سرزد ہوجاتی ہے تو ندامت اور شرم کے باعث وہ پانی پانی ہوجاتے ہیں اور اپنے آپ کو از حد حقیر سمجھنے لگتے ہیں اور بڑی عاجزی سے التجائیں کرتے ہیں۔ خوفِ عذاب سے کانپنے لگتے ہیں۔ اس کے باوجود مغفرت کے امیدوار بھی ہوتے ہیں۔ فَاسْتَغْفَرُوْا حَتّٰى صَارُوْا مَهْبِطًا لِّكَمَالِ الرَّحْمَةِ بِحَيْثُ لَوْلَمْ يُذْنِبُوْا لَمْ يَصِيْرُوْا بِهٰذِهِ الْمَثَابَةِ فَعَلٰى هٰذَا صَارَ عِصْيَانُهُمُ الَّذِيْ كَانَ سَبَبًا لِّلْعِقَابِ سَبَبًا لِّلثَّوَابِ (3)۔ ''یعنی پھر وہ مغفرت طلب کرتے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مہبط بن جاتے ہیں۔ اگر انہوں نے یہ گناہ نہ کیا ہوتا تو دل میں نہ سوز وگداز پیدا ہوتا نہ احساسِ ندامت بے چین کرتا اور نہ وہ اس مرتبہ پر فائز ہوتے۔ اس طرح ان کی وہ غلطیاں جو عذاب کا سبب تھیں ان کے لیے باعثِ ثواب ہوگئیں۔'' آخر میں كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا فرما کر ہر شک وشبہ کا ازالہ کردیا۔ کہ اس

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج7، ص50۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز19، ص50
2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج7، ص50۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب اثبات الشفاعۃ واخراج الموحدین من النار، ج1، ص106
3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج7، ص50

اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿٧١﴾ وَالَّذِیْنَ لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ

کی طرف جیسے رجوع کا حق ہے۔ اور جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے ۶۹؎ اور جب گزرتے ہیں کسی لغو چیز کے پاس

مَرُّوْا كِرَامًا ﴿٧٢﴾ وَالَّذِیْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْهَا

سے تو بڑے باوقار ہو کر گزر جاتے ہیں ۷۰؎ اور وہ جب انھیں نصیحت کی جاتی ہے ان کے رب کی آیات سے تو نہیں گر پڑتے ۷۱؎

بات پر اظہار حیرت کرنے والو! میری شان غفران کی طرف دیکھو، میری صفتِ رحمت پر نگاہ ڈالو۔ میں غفور بھی ہوں اور رحیم بھی۔ مجھ جیسے رُوسیاہوں کے لیے اپنی تمام روسیاہیوں اور اپنی تمام غفلتوں کے باوجود اپنے مولائے قدوس کی یہی صفات کریمانہ وجہ صبر وقرار ہیں۔ میرے کریم! اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل اپنے اس گنہگار، روسیاہ اور زیاں کار بندے پر اپنی مغفرت کا دامن پھیلا دے اور اپنی رحمت سے نواز دے۔ آمین یارب العلمین۔ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا۔ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ۔

۶۹؎ یَشْهَدُوْنَ کے دو معنی ہیں۔ حاضر ہونا اور گواہی دینا(1)۔ پہلا معنی لیا جائے تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ کسی باطل سرگرمی میں شریک نہیں ہوتے۔ ایسی محفلیں جو لہو ولعب کے لیے منعقد ہوں، ایسے اجتماعات جہاں غلط نظریات کا پرچار کیا جاتا ہو ان میں شامل نہیں ہوتے۔ اور اگر دوسرا معنی لیا جائے تو آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ بیشک آیت کے دونوں مفہوم ہو سکتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے بندوں کا یہ شیوہ ہے کہ نہ وہ پہلے باطل ونفاق کی ہنگامہ آرائیوں کی رونق دوبالا کرتے ہیں اور نہ جھوٹی گواہی دیتے ہیں (2)۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دن نبی کریم نے فرمایا: کیا میں تمہیں خبردار نہ کروں کہ سب سے بڑے گناہ کون کون سے ہیں؟ صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! ضرور خبردار فرمائیے۔ حضورؐ نے فرمایا اَلشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ كَانَ مُتَّكِئًا فَجَلَسَ فَقَالَ اَلَا وَقَوْلُ الزُّوْرِ فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا حَتّٰى قُلْنَا لَيْتَهٗ سَكَتَ(3)۔ یعنی ''اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔ پہلے حضورؐ ٹیک لگائے تھے پھر بیٹھ گئے اور فرمایا خبردار! جھوٹی گواہی اور ان آخری الفاظ کو حضورؐ بار بار دہراتے رہے۔'' جھوٹی گواہی سے جو مفاسد مرتب ہوتے ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں۔ اسی لیے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جھوٹے گواہ کو چالیس کوڑے لگاتے، اس کا منہ کالا کرتے، اس کا سر منڈا دیتے اور اسے بازار میں پھراتے تاکہ اس کی خوب تشہیر ہو۔(4)

۷۰؎ وہ ارادۃً تو ایسی بیہودہ مجلسوں میں شریک نہیں ہوتے لیکن اگر اتفاقاً ان کا گزر اُدھر سے ہو جاتا ہے تو وہاں بیٹھ کر لطف اندوز نہیں ہوتے بلکہ بڑی سنجیدگی کے ساتھ وہاں سے گزر جاتے ہیں اور اس طرف ذرا توجہ نہیں کرتے۔

۷۱؎ اس آیت میں لَمْ یَخِرُّوْا کا لفظ غور طلب ہے۔ خَرَّ۔ خُرُوْرًا کا معنی گرنا ہے، لیکن یہاں یہ لفظ اس معنی میں مستعمل نہیں بلکہ اعراض اور بے رخی کا مفہوم ادا کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔ جس طرح اہل عرب کہتے ہیں قَعَدَ فُلَانٌ یُشْتِمُنِیْ وَقَامَ فُلَانٌ

1۔ القاموس المحیط، ج1، ص426
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز13، ص80-79
3۔ صحیح بخاری، کتاب الشہادات، باب ما قیل فی شہادۃ الزور، ج1، ص362 (تقدیم وتاخیر کے ساتھ)
4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز13، ص80

صُمًّا وَّ عُمْيَانًا ۝٧٣ وَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا

اُن پر بہرے اور اندھے ہو کر۔ اور وہ جو عرض کرتے رہتے ہیں ۷۷ کہ اے ہمارے رب! مرحمت فرما ہمیں ہماری بیویوں

وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۝٧٤ اُولٰٓئِكَ

اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک اور بنا ہمیں پرہیزگاروں کے لیے پیشوا۔ یہی وہ (خوش نصیب) ہیں

یَبْکِیْ۔ فلاں آدمی مجھے گالی دیتا رہا اور فلاں آدمی روتا رہا۔ یہاں قَعَدَ (بیٹھا) قَامَ (کھڑا ہوا) کا لغوی معنی مقصود نہیں بلکہ محض کلام کا آغاز کرنے کے لیے ذکر کیا گیا ہے۔ اسی طرح یہاں لَمْ یَخِرُّوْا گر پڑنے کے مفہوم پر دلالت نہیں کرتا۔ بلکہ ان کی روگردانی اور سرتابی کا مفہوم ادا کرتا ہے۔ هِيَ صِفَةُ الْكُفَّارِ وَهِيَ عِبَارَةٌ عَنْ اِعْرَاضِهِمْ وَ قُرِنَ ذٰلِكَ بِقَوْلِكَ قَعَدَ فُلَانٌ يُشْتِمُنِي وَقَامَ فُلَانٌ يَبْكِيْ وَاَنْتَ لَمْ تَقْصُدِ الْاِخْبَارَ بِقُعُوْدٍ وَلَا قِيَامٍ اِنَّمَا هِيَ تَوْطِئَاتٌ فِي الْكَلَامِ (قرطبی، بحر محیط) (1)

یہ سمجھ لینے کے بعد اب آیت کا مفہوم واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو جب آیاتِ قرآنی پڑھ کر نصیحت کی جاتی ہے تو وہ بہروں اور اندھوں کا طرزِ عمل اختیار نہیں کرتے بلکہ ان آیات کو گوشِ ہوش سے سنتے ہیں۔ ان میں جھلکتے ہوئے انوار کو دیدۂ دل سے دیکھتے ہیں۔ غور و فکر کی خداداد قوتوں کو کام میں لا کر آیات کے اسرار و معارف تک آگاہی حاصل کرتے ہیں۔

۷۷ خداوند رحمٰن کے بندوں کی صفات حمیدہ آپ نے پڑھ لیں، اب ان کی وہ دعا سنیے جو وہ اپنے مولائے کریم سے مانگا کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دُعا انسانی سیرت کے مخفی گوشوں کو بے نقاب کرتی ہے۔ اس کے ارادے، اس کی بلند نظری اور عالی ظرفی اس کے مطلوب کے آئینہ میں بخوبی دیکھی جا سکتی ہے۔ عرض کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں ایسی بیویاں اور ایسی اولاد عطا فرما جنہیں دیکھ کر ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور دل مسرور ہوں۔ قُرَّةٌ کا لفظ یا قُرٌّ بمعنی ٹھنڈک سے یا قَرَارٌ بمعنی سکون سے ماخوذ ہے۔ عرب چونکہ خنکی اور ٹھنڈک کو زیادہ پسند کرتے ہیں اور گرمی کا تصور بھی ان کے لیے اذیت ناک ہے (2) اس لیے یہاں یہ دعا مانگی کہ ہمیں ایسی بیویاں اور بچے عطا فرما جن کے اخلاق و اطوار اتنے پسندیدہ ہوں کہ انہیں دیکھ کر ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔ نیز اگر کسی کی رفیقۂ حیات شکل و صورت میں بھی اچھی ہو، عفت و پاکدامنی کے جوہر سے بھی آراستہ ہو، فرماں بردار اور خدمت گزار بھی ہو تو اس کی ان خوبیوں کے باعث نگاہ اسی پر جم کر رہ جاتی ہے، اور اِدھر اُدھر دیکھنا اسے گوارا ہی نہیں ہوتا۔ نیز اولاد اگر صحت مند، ذہین و فطین، پاک سیرت اور نیک بخت ہوگی تو بھی والدین کی آنکھوں کو ایسا قرار نصیب ہو گا کہ وہ دوسروں کی طرف حسرت آمیز نگاہوں سے دیکھنے کی کوشش ہی نہیں کریں گے۔ اس لیے قرۃ کے دونوں ماخذ معنی کے لحاظ سے درست ہیں (3)۔ ان کی اس دعا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ لوگ زندگی کے جھمیلوں سے دور بھاگنے والے نہیں۔ ان کے دامن کی پاکی اور اخلاق کی بلندی کی یہ وجہ نہیں کہ وہ تارک الدنیا کی طرح راہبانہ زندگی بسر کر رہے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے بندے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 81۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 516 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 82 3۔ ایضاً

يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ﴿۷۵﴾

جن کو بدلہ میں ملے گا (جنت کا) بالاخانہ ان کے صبر کرنے کے باعث ۳۷ اور ان کا استقبال کیا جائیگا وہاں دُعا اور سلام

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۷۶﴾ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ

سے۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اس میں۔ بہت عمدہ ٹھکانا اور قیامگاہ ہے۔ آپ فرمایئے کیا پرواہ ہے تمھاری

رَبِّيْ لَوْلَا دُعَاۗؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿۷۷﴾

میرے رب کو اگر تم اس کی عبادت نہ کرو۔ اور تم نے (تو الٹا) جھٹلانا شروع کر دیا۔ تو یہ جھٹلانا تمہارے گلے کا ہار بنا رہے گا۔

شادی بھی کرتے ہیں، ان کی اولاد بھی ہوتی ہے، گھریلو زندگی کی ذمہ داریوں کا بوجھ بھی انہوں نے اٹھایا ہوا ہوتا ہے۔ زندگی کی شورشوں میں سے گزرنے کے باوجود ان کی سیرت آئینہ کی طرح چمک رہی ہوتی ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام نے تقویٰ و پارسائی کا جو بلند معیار مقرر کیا ہے وہاں تک پہنچنے کے لیے گھریلو مسرتوں سے دست بردار ہونا ضروری نہیں بلکہ وہ گھر جس میں سلیقہ شعار بیوی اپنی صوری اور معنوی خوبیوں کا نور بکھیر رہی ہو، جہاں خوبصورت اور نیک سیرت بچے پھولوں کی طرح دل لبھا رہے ہوں۔ اسی گھر کی فضا اس قابل ہے کہ وہاں کے بسنے والے تقویٰ کی رفعتوں تک پہنچنے کے لیے کمر ہمت باندھیں۔

دُعا کا آخری حصہ یہ ہے وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا۔ اے اللہ! ہمیں متقی اور پرہیزگار لوگوں کا امام اور رہنما بنا۔ یعنی تقویٰ میں ہمیں وہ مقام عطا فرما کہ لوگ ہماری پیروی کر کے نجات حاصل کریں۔ ایسا نہ ہو کہ ہم اپنی خانگی زندگی کی لذتوں میں ایسے کھو کر رہ جائیں کہ تیری یاد کی بھی ہمیں فرصت نہ ملے یا دولت کی طلب میں ہم ایسے حواس باختہ ہو جائیں کہ حلال و حرام میں تمیز بھی نہ کر سکیں۔ ہو سب کچھ لیکن دل تیری یاد سے سرشار ہو۔ زبان تیری حمد و ثنا کے گیت گا رہی ہو۔ پیشانی پر تیری بندگی کا نشان چمک رہا ہو۔ ہمیں دیکھ کر لوگوں کو تیری یاد آجائے۔ ہماری باتیں سن کر ان کے دل دردِ محبت سے آشنا ہو جائیں۔ ہمارے پاس بیٹھ کر ان کی بے چین رُوحوں کو قرار آجائے۔ ہمیں ان پاک بندوں کا سراپا عطا فرما جن کے متعلق تیرے حبیبؐ نے فرمایا هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ (1)۔ یعنی اولیاء اللہ وہ ازلی سعادت مند ہیں کہ جو بدبخت ایک لمحہ ان کے پاس بیٹھ جائے وہ بھی بدبخت نہیں رہتا۔ اِس دعا سے معلوم ہوا کہ معرفتِ الٰہی کے بلند ترین مقام پر پہنچنے کی آرزو کرنا اور اس کے لیے دامنِ طلب پھیلانا عباد الرحمٰن کا شیوہ ہے۔

۳۷ جن کے اخلاق اتنے پاکیزہ اور جن کی امنگیں اتنی حسین ہیں، جب وہ جنت میں داخل ہوں گے تو ان کی پذیرائی اس طرح ہوگی جیسے آیت میں مذکور ہے۔ بِمَا صَبَرُوْا کا جملہ بڑا غور طلب ہے۔ انسانی زندگی کے حُسن میں یہ نکھار، کردار میں یہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل مجالس الذکر، ج 2، ص 344۔ مسند امام احمد، ج 2، ص 252,383

پختگی، طبیعت میں یہ لطافت اور دعاؤں میں یہ عُلوِ ہمت خود بخود پیدا نہیں ہو جاتا بلکہ اس کے لیے ہمیں طویل جدوجہد کی ضرورت ہوگی۔ بیرونی رکاوٹوں سے بھی نبرد آزما ہونا ہوگا، اور ذاتی جذبات اور احساسات کا مقابلہ بھی کرنا پڑے گا۔ اس کشمکش اور جدوجہد میں ہم صبر واستقامت کا جتنا مظاہرہ کریں گے اسی نسبت سے جنت میں ہمارے درجات بلند ہوں گے، اسی کے مطابق ہمارے استقبال میں نوری فرشتے گرمجوشی کا اظہار کریں گے۔

تعارف سورۃ الشعراء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اِس سُورت کا نام الشعراء ہے۔ کیونکہ اس کی آیت ۲۲۴ میں یہ لفظ مذکور ہے اس لیے اسی لفظ کو اس سُورت کا عنوان مقرر فرمایا۔ اس سورت میں گیارہ رکوع اور ۲۲۷ آیتیں ہیں۔ یہ ۱۲۷۹ کلمات اور پانچ ہزار پانچ سو چالیس حروف پر مشتمل ہے۔

نزول: یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ حضرت ابنِ عباس کے ایک قول سے پتہ چلتا ہے کہ سورۂ طٰہٰ کے بعد سورۃ الواقعہ نازل ہوئی۔ اور اس کے بعد الشعراء کا نزول ہوا۔ اور بعض علماء کا خیال ہے کہ اس سورت کی چار آخری آیتیں جو **وَ الشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ** سے شروع ہوتی ہیں۔ وہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں۔ (خزائن العرفان)(1)

مضامین: نبی رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شب و روز تبلیغِ اسلام میں مصروف ہیں۔ دن بھر اپنی قوم کو سمجھاتے ہیں۔ ان کے شکوک کا ازالہ اور ان کے اعتراضات کا جواب دیتے ہیں۔ قرآنِ کریم کی آیات پڑھ پڑھ کر انہیں سُناتے ہیں۔ اور جب رات کی تاریکی پھیل جاتی ہے اور ہر طرف سناٹا چھا جاتا ہے تو یہ رسولِ مکرّم بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوتے ہیں۔ کبھی دست بستہ کھڑے ہو کر اور کبھی سربسجود ہو کر بڑے سوز و گداز سے اپنی قوم کی ہدایت کے لیے التجائیں کرتے ہیں۔ جب زبان مصروفِ دعا ہوتی ہے تو آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگتے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ آمین آمین کہہ رہے ہیں۔ یُوں دن بسر ہو رہے ہیں، یوں راتیں گزر رہی ہیں۔ لیکن کفار کی ہٹ دھرمی اور بہتان تراشی میں اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا ہے جس سے طبیعت اُداس رہتی ہے اور خاطرِ عاطر پر غم کے بادل چھائے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تسلی دیتے ہوئے فرماتے ہیں: اے مصطفیٰ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! تم یوں رنجیدہ خاطر اور ملول کیوں رہتے ہو؟ آپ نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ یہ ان کی عقل کا قصور ہے کہ وہ حق کو قبول نہیں کر رہے۔ تمہارا شفیق دل تو یہی چاہتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی گمراہ نہ رہے، سب ہدایت یافتہ ہو جائیں۔ اور ایسا کرنا ہمارے لیے کوئی مشکل نہیں۔ ہم انہیں ایسی نشانی دکھانے پر قادر ہیں جس کو دیکھ کر ان کی گردنیں جھک جائیں اور اسلام قبول کرنے کے سوا ان کے لیے کوئی چارۂ کار نہ رہے۔ لیکن جبر و اکراہ سے اُنہیں راہِ حق پر گامزن کرنا ہماری حکمت کے بھی خلاف ہے اور شرفِ انسانی بھی اس کا تقاضا نہیں کرتا۔

اس کے بعد سات جلیل القدر انبیاء اور ان کی قوموں کے حالات کو بڑی شرح و بسط سے بیان فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی ہو اور کفار و مشرکین ان نافرمان قوموں کے دردناک انجام سے باخبر ہو کر اپنی بروقت اصلاح کر لیں۔

آخری رکوع میں بتا دیا کہ جس قرآن کو یہ کلامِ الٰہی ماننے سے انکار کر رہے ہیں یہ وہ کلام ہے جسے رب العٰلمین نے نازل کیا ہے۔ اسے لے کر آنے والا روح الامین ہے، اور جس کے قلبِ پاک پر یہ نازل ہوا وہ نذیر للعالمین ہے۔ اس کے ذکرِ خیر سے

1۔ خزائن العرفان، ص 659

پہلے انبیاء کرام کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اس کے متعلق یہ کہنا کہ یہ کسی شیطان کا کلام ہے یا کسی شاعر کا طبع زاد ہے انتہائی حماقت اور نادانی ہے۔ کہاں شیاطین کی لایعنی باتیں اور کہاں اس کتابِ مقدس کا اعجازِ بیان اور حسن و جمال، کچھ سوچو، ان میں کوئی ادنیٰ سی مناسبت بھی ہے؟

سُوْرَةُ الشُّعَرَآءِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَتَانِ وَسَبْعٌ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَاَحَدَ عَشَرَ رُكُوْعًا

سورۂ شعراء مکی ہے اس کی ۲۲۷ آیتیں اور ۱۱ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

طٰسٓمّٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا

طا سین میم [۱] یہ آیتیں ہیں [۲] روشن کتاب کی۔ (اے جانِ عالم!) شاید آپ ہلاک کر دیں گے اپنے آپ کو اس

يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ

غم میں کہ وہ ایمان نہیں لا رہے [۳] اگر ہم چاہیں تو اتاریں ان پر [۴] آسمان سے کوئی نشانی پس ہو جائیں

[۱] بعض نے اسے اسمائے الٰہی میں شمار کیا ہے۔ بعض کی رائے میں یہ سورت کا نام ہے اور بعض علماء کے نزدیک مختلف الفاظ پر دلالت کرنے کے لیے یہ حروف بطور رمز ذکر کیے گئے ہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ اللہ اور رسول کے درمیان یہ ایک راز ہے۔ وَالْحَقُّ اَنَّهٗ رَمْزٌ بَيْنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ (مظہری) (1)

[۲] مُبِیْن کا معنی ہے خود روشن یا دوسری چیزوں کو روشن کرنے والی (2)، چاروں طرف اجالا کرنے والی۔ کون سی ایسی گرہ ہے جسے اس کتاب نے نہیں کھولا؟ کون سا ایسا عقدہ ہے جس کا حل قرآن نے پیش نہیں کیا؟ حقیقت پر جتنے پردے پڑے ہوئے تھے سب کو اس نے تار تار کر کے حقیقت کو آشکارا کیا۔ اگر ایسی کتاب، کتابِ مبین نہیں تو پھر کون سی کتاب ہے جو اس لقب سے نوازے جانے کے قابل ہو۔

[۳] جو رگ ریڑھ کی ہڈی میں سے گزرتی ہوئی گردن میں پہنچتی ہے اسے بَخَاع کہتے ہیں۔ جب ذبح کرتے وقت چھری یہاں تک پہنچ جائے تو ذبح مکمل ہو جاتی ہے۔ اسی سے بَاخِعٌ ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے ایسا ذبح کرنے والا جس نے چھری بخاع تک پہنچادی ہو۔ غم واندوہ سے جب کوئی اپنی جان گنوا دے تو کہتے ہیں بَخَعَ نَفْسَهٗ اَيْ قَتَلَهَا غَمًّا۔ (3)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شبانہ روز کوششوں کے باوجود کفار کی ضد بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ کفر پر وہ اور پکے ہوتے جاتے ہیں۔ اسلام سے ان کی نفرت میں آئے دن اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اس المناک صورتِ حال کو دیکھ کر اس قلبِ شفیق پر جو گزرتی ہو گی اس کا اندازہ خداوند تعالیٰ کے سوا اور کون لگا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تسلی دیتے ہوئے فرماتے ہیں: اے محبوب! تو ان لوگوں کے غم

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 59 2۔ لسان العرب، ج 13، ص 68-67 3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 59

المنزلۃ

اَعۡنَاقُهُمۡ لَهَا خٰضِعِيۡنَ ﴿٤﴾ وَ مَا يَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ ذِكۡرٍ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ

ان کی گردنیں اس کے آگے جھکی ہوئی ؎۵ اور نہیں آیا کرتی ان کے پاس کوئی تازہ نصیحت الرحمٰن کی جانب سے

مُحۡدَثٍ اِلَّا كَانُوۡا عَنۡهُ مُعۡرِضِيۡنَ ﴿٥﴾ فَقَدۡ كَذَّبُوۡا فَسَيَاۡتِيۡهِمۡ اَنۡۢبٰٓؤُا

مگر یہ کہ وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ تو بیشک انہوں نے تکذیب کی سو مل جائے گی انہیں اطلاع اس کی

میں کیوں گھلا جا رہا ہے۔ اتنا دلگیر اور غمزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ تو نے اپنا فرض بڑی خوش اسلوبی سے ادا کر دیا۔ ایمان لانا یا نہ لانا ان کا اپنا کام ہے۔ ایمان نہیں لائیں گے تو خود اس کی سزا بھگتیں گے۔

۴ اگر ہماری مرضی ہوتی کہ یہ سب کے سب مشرّف باسلام ہو جائیں تو ہم انہیں کوئی ایسی نشانی دکھاتے جس کے بعد انہیں انکار کی گنجائش ہی باقی نہ رہتی۔ ہماری مشیت یہ ہے کہ انسان کو عقل وفہم کی قوتوں کو بروئے کار لانے کی جزوی آزادی دی جائے۔ حق و باطل اس کے سامنے واضح کر دیا جائے۔ پھر اس کو اختیار دیا جائے کہ اپنی مرضی سے ان دوراہوں میں سے کوئی راہ اختیار کر لے تاکہ اگر کوئی نیکی کا راستہ اختیار کرے تو وہ اجر کا مستحق قرار پائے اور اگر کوئی بدی کی راہ پر چلے تو سزا کا مستوجب ہو۔ جبر و تشدد سے کسی انسان کو راہِ حق پر چلانا نہ اس کی شان کے شایاں ہے اور نہ یہ بات ہمیں پسند ہے۔

۵ اَعۡنَاقُهُمۡ ظَلَّتۡ کا اسم ہے، خٰضِعِيۡنَ خبر ہے۔ نحوی قاعدے کے مطابق خَاضِعَةً ہونا چاہیے تھا لیکن بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اسم اگر مرکبِ اضافی ہو تو اس کی خبر یا اس کے فعل میں مضاف سے مطابقت کا خیال رکھنے کے بجائے مضاف الیہ کی مطابقت کا خیال رکھا جاتا ہے۔ راجز کا شعر ہے۔

طُوۡلُ اللَّيَالِيۡ اَسۡرَعَتۡ فِيۡ نَقۡضِيۡ طَوَيۡنَ طُوۡلِيۡ وَطَوَيۡنَ عَرۡضِيۡ

یہاں اَسۡرَعَتۡ اور طَوَيۡنَ کا فاعل طُوۡلُ اللَّيَالِيۡ ہے اور طول کیونکہ مذکر ہے اس لیے اَسۡرَعَ اور طَوٰی ہونا چاہیے تھا لیکن یہاں طُوۡلُ مضاف کو نظر انداز کر کے اَللَّيَالِيۡ کا لحاظ رکھا گیا اور فعل مؤنث لایا گیا۔ جریر کا شعر۔

اَرٰی مَرَّالسِّنِيۡنَ اَخَذۡنَ مِنِّيۡ كَمَا اَخَذَ السِّرَارُ مِنَ الۡهِلَالِ

یہاں بھی سنین کی وجہ سے اَخَذۡنَ ذکر کیا گیا۔ اگر مَرَّالسِّنِيۡنَ کا لحاظ ہوتا تو اَخَذَ کہا جاتا لیکن ایسا کرنا فقط اس مقام پر درست ہوگا جہاں اگر مضاف کو گرا دیا جائے تو معنی میں فساد نمودار نہ ہو۔ فرّاء اور ابو عبیدہ نے اس توجیہ کو پسند کیا ہے۔ وَعَلٰی هٰذَا اَعۡتَمَدَ الۡفَرَّاءُ وَ اَبُوۡعُبَيۡدَةَ۔ (قرطبی) (1)

لیکن اعناق رؤساء کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ پھر اس تاویل کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ قَالَ مُجَاهِدٌ اَعۡنَاقُهُمۡ كُبَرَاءُهُمۡ۔ اور نحاس نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ معنی لغت میں معروف ہے۔ وَقَالَ النُّحَاسُ وَ مَعۡرُوۡفٌ فِي اللُّغَةِ۔ (2)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 90 2۔ ایضاً، ج 13، ص 89

مَا كَانُوا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑥ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا

امر کی جس کے ساتھ وہ استہزاء کیا کرتے تھے۔ کیا انھوں نے نہیں دیکھا زمین کی طرف کہ کتنی کثرت سے ہم نے اگائے

فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ⑦ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

ہیں اس میں ہر طرح کے مفید پودے ۔ بیشک اس میں (انکے لیے قدرت الٰہی کی) نشانی ہے۔ اور ان سے اکثر لوگ

مُّؤْمِنِيْنَ ⑧ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ⑨ وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ

ایمان نہیں لائیں گے۔ اور بیشک آپ کا رب ہی سب پر غالب (اور) ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے! اور یاد کرو جب ندا دی آپکے

مُوْسٰۤى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۙ ⑩ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا يَتَّقُوْنَ ⑪

رب نے موسیٰ کو ۸ (اور فرمایا) کہ جاؤ ظالم لوگوں کے پاس ۹ یعنی قوم فرعون کے پاس۔ کیا وہ (قہر الٰہی سے) نہیں ڈرتے

۶ ان کفار کا یہ پرانا شیوہ ہے کہ جب بھی کوئی نبی اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر ان کے پاس آیا تو انہوں نے اس کو جھٹلایا اور اس کی بات سننے سے انکار کر دیا لیکن انہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ عناد و تعصّب کا جو راستہ انہوں نے اختیار کر رکھا تھا وہ غلط تھا۔ صحیح اور سچی بات وہی تھی جو اللہ تعالیٰ کے نبی نے انہیں بتائی تھی۔

۷ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں کوئی نشانی دکھاؤ جس سے ہمیں آپ کی دعوت کی صداقت کا یقین ہو جائے۔ جواب میں فرمایا کہ اپنے اردگرد پھیلے ہوئے سرسبز مرغزاروں، لہلہاتے ہوئے کھیتوں اور شاداب باغوں کو دیکھو۔ کیا ان کے پتے پتے پر قدرت کی ایسی روشن نشانیاں موجود نہیں؟ اگر تم ہدایت پذیری کے لیے کسی نشانی کا مطالبہ کر رہے ہو، پھر تو تمہیں یہی نشانیاں حقیقت کی طرف رہنمائی کر دیں گی۔ لیکن اگر تمہاری مطلوبہ نشانی سے مراد وہ عذاب ہے جو منکرین پر نازل ہوتا ہے تو ان کو تہس نہس کر کے رکھ دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر ہے۔ لیکن اس سے تمہیں کیا فائدہ پہنچے گا؟ وہ دن تو تمہاری تباہی و بربادی کا دن ہوگا۔ نادان نہ بنو، اپنے منہ سے اپنی تباہی کا مطالبہ نہ کرو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی ان روشن نشانیوں کو غور سے دیکھو جو تمہارے اردگرد بڑے قرینے سے سجا دی گئی ہیں اور ایمان لا کر اپنی ابدی فلاح کا اہتمام کر لو۔ کَرِیْمٌ کا معنی ہے کَثِیْرُ الْمَنْفَعَةِ۔ آیت میں کَمْ کثرت اور کُلّ احاطہ کثرت پر دلالت کر رہا ہے۔ (مظہری)(1)

۸ مزید اطمینان دلانے کے لیے سابقہ انبیاء کے واقعات بیان فرما کر بتایا جا رہا ہے کہ جس طرح انہیں قوی اور جابر دشمنوں سے واسطہ پڑا اور ہماری تائید و نصرت سے وہ اپنی بے سروسامانی کے باوجود کامیاب و کامران ہوئے۔ اور ان کے اعداء اور بد

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 61

قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ؕ﴿۱۲﴾ وَ یَضِیْقُ صَدْرِیْ وَ لَا

آپ نے عرض کی میرے رب! میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے اور گھٹتا ہے میرا سینہ اور روانی سے

یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَ لَهُمْ عَلَیَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ

نہیں چلتی میری زبان۔ سو (از راہِ کرم) وحی بھیج ہارون کی طرف۔ اور (تو جانتا ہے کہ) ان کا میرے ذمہ ایک جرم بھی ہے

اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ۚ﴿۱۴﴾ قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰیٰتِنَاۤ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿۱۵﴾

اس لیے میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر ڈالیں گے۔ اللہ نے فرمایا ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ پس تم دونوں ہماری نشانیاں لیکر جاؤ ہم تمہارے

فَاْتِیَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَاۤ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ﴿۱۶﴾ اَنْ اَرْسِلْ

ساتھ ہیں (اور ہر بات) سننے والے ہیں۔ سو دونوں جاؤ فرعون کے پاس اور اسے کہو ہم فرستادے ہیں رب العلمین کے۔ (ہم تمہیں کہتے ہیں) کہ

خواہ تباہ و ویران ہوئے۔ اسی طرح نصرتِ خداوندی آپ کی پشت پناہی کر رہی ہے۔ دنیا کی کوئی طاغوتی طاقت آپ کو گزند نہیں پہنچا سکے گی۔ ان کی کوئی کوشش اسلام کے سیلِ رواں کو روک نہیں سکے گی۔ شکوک و شبہات کا غبار چھٹ جائے گا اور نورِ توحید سے دشت و جبل کوہ و دمن جگمگانے لگیں گے۔ سب سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا۔

۹۔ فرعون اور اس کی قوم کو ظالم کہنے کی کئی وجوہ ہیں۔ وہ اس لیے بھی ظالم تھے کہ خداوند کریم کو چھوڑ کر انہوں نے فرعون اور کواکب کو اپنا معبود بنا رکھا تھا۔ بنی اسرائیل کو انہوں نے غلامی کی زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا۔ بڑی بے رحمی سے ان سے جسمانی مشقت کا کام کراتے اور مناسب اُجرت کبھی نہ دیتے۔ پھر یہ کہ ان کے معصوم بچوں کے قتل عام کا قانون نافذ کر کے انہوں نے ظلم کی انتہا کر دی تھی (1)۔ اگر یہ قوم ظالم نہیں کہلائے گی تو پھر ظالم کہلانے کا کون مستحق ہوگا۔ نبوت و رسالت کی نازک ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے اُنہوں نے بارگاہِ الٰہی میں التجا کی کہ میں بسا اوقات دل میں تنگی محسوس کرتا ہوں۔ میری زبان میں لکنت بھی ہے۔ میرے ذمے ان کا ایک قتل بھی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ میں تبلیغ کا حق ادا کرنے سے قاصر رہوں۔ میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح و بلیغ ہے۔ اگر اسے میرا معاون بنا دیا جائے تو ہم دونوں مل کر بہتر طریقہ سے اپنا فرض ادا کر سکیں گے۔

۱۰۔ موسیٰ تمہاری درخواست منظور ہے۔ حضرت ہارون کو تمہارا شریکِ کار بنا دیا گیا ہے۔ بے فکر رہو فرعون تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکے گا۔ جاؤ میں تم سب کی باتوں کو سنوں گا اور تمہاری حفاظت کروں گا۔

۱۱۔ اپنی معیت اور نصرت کا یقین دلا کر انہیں نازک ترین مہم پر روانہ کیا جا رہا ہے۔ موسیٰ و ہارون علیہما السلام فرعون کے دربار میں

1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 265

مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۱۷﴾ؕ قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِیْنَا وَلِیْدًا وَّ لَبِثْتَ

بھیج دے ہمارے ساتھ (ہماری قوم) بنی اسرائیل کو۔ فرعون نے (یہ سنکر) کہا موسیٰ! کیا ہم نے تجھے پالا نہیں تھا اپنے یہاں جبکہ تو بچہ تھا

فِیْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِیْنَ ﴿۱۸﴾ۙ وَ فَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِیْ فَعَلْتَ وَ

اور بسر کیے تو نے ہمارے پاس اپنی عمر کے کئی سال ۱۲ اور تو نے ارتکاب کیا اس فعل کا جس کا تو نے ارتکاب کیا اور تو

اَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۹﴾ قَالَ فَعَلْتُهَاۤ اِذًا وَّ اَنَا مِنَ الضَّآلِّیْنَ ﴿۲۰﴾ؕ

بڑا احسان فراموش ہے۔ آپ نے جواب دیا میں نے ارتکاب کیا تھا اس کا اس وقت جبکہ میں ناواقف تھا ۱۳

فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِیْ رَبِّیْ حُكْمًا وَّ جَعَلَنِیْ

تو میں بھاگ گیا تھا تمہارے ہاں سے۔ جبکہ میں تم سے ڈرا پس بخش دیا مجھے میرے رب نے حکم، اور بنا دیا مجھے

پہنچے اور اسے کہا کہ ہمیں رب العالمین نے بھیجا ہے اور ہم اس لیے آئے ہیں کہ تو بنی اسرائیل کو اپنی غلامی سے آزاد کر دے تا کہ ہم انہیں لے کر اپنے آبائی وطن شام کی طرف ہجرت کر جائیں۔ (1)

۱۲ موسیٰ علیہ السلام کی یہ دونوں باتیں اس کے لیے ناقابلِ برداشت تھیں۔ پہلی بات سے براہِ راست اُس کی خدائی پر زد پڑتی تھی۔ اس نے تو یہ دعویٰ کر رکھا تھا کہ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى (2)، اور انہیں یقین دلاتا تھا کہ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرِیْ (3) ''میں اپنے سوا تمہارے لیے کسی خدا کو نہیں جانتا۔'' اب وہ کیسے گوارا کرتا کہ اس کے پرستاروں کے مجمع میں رب العالمین کا کوئی ذکر کرے۔ رہا بنی اسرائیل کی آزادی کا مسئلہ تو اس پر بھی وہ غور کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ وہ بنی اسرائیل کو ہجرت کی اجازت دے کر اپنی قوم کو ایسے جفاکش مزدوروں کی خدمات سے محروم کر دینا نہیں چاہتا تھا۔ جو اپنے قبطی آقاؤں کی زمین میں کھیتی باڑی کرتے، جو ان کے لیے شاندار محلات تعمیر کرتے، اور ان کو راحت و آرام پہنچانے کے لیے آٹھوں پہر بے زبان چوپائیوں کی طرح کام میں جُتے رہتے تھے۔ اس طرح تو ملک کے سارے معاشی نظام کے تلپٹ ہو جانے کا خطرہ تھا۔ چنانچہ آپ کی دونوں باتیں سن کر وہ بپھرا اور کہنے لگا کہ تمہاری یہ ہمت کہ مجھ سے دُوبدُو باتیں کرو۔ تم وہی نہیں جسے ماں نے ایک تابوت میں رکھ کر دریا میں پھینک دیا تھا اور ہم نے تجھے تابوت سے نکالا اور بڑے ناز و نعم سے تمہیں پالا۔ عرصۂ دراز تک تم ہمارے پاس رہے اور ہم تمہاری ہر طرح کی ناز برداریاں کرتے رہے۔ تم آج ہمیں آنکھیں دکھانے اور اپنے مطالبات منوانے آئے ہو۔ تمہیں یاد ہونا چاہیے کہ تم ہمارے قاتل بھی ہو۔ اس سے پہلے تو تم نے کبھی ہماری خدائی پر اعتراض نہ کیا اور نہ کبھی بنی اسرائیل کی لیڈری کا دعویٰ کیا۔

1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج6، ص265 2۔ سورۃ النازعات: 24 3۔ سورۃ القصص: 38

مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٢١﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ

رسولوں سے ١٣ؔ اور یہ نعمت ہے جس کا تو مجھ پر احسان جتلاتا ہے۔ حالانکہ تو نے غلام بنا رکھا ہے

اِسْرَآءِيْلَ ﴿٢٢﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٣﴾ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ

بنی اسرائیل کو ١٥ؔ فرعون نے پوچھا کیا حقیقت ہے رب العٰلمین کی؟ ١٦ؔ آپ نے فرمایا درب العٰلمین وہ

وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿٢٤﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ

ہے جو) مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ انکے درمیان ہے اگر ہو تم یقین کرنیوالے ١٧ؔ فرعون نے اپنے اردگرد بیٹھنے والوں سے

١٣ؔ آپ نے پہلے اس کی دوسری بات کا جواب دیا کہ ٹھیک ہے ایک قبطی میرے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ میرا اُسے قتل کرنے کا ہرگز ارادہ نہ تھا۔ وہ میرے قومی بھائی سے ہاتھا پائی کر رہا تھا، میں نے اسے ایک گھونسا رسید کیا اور وہ مر گیا۔ یہاں ضَآلِّيْنَ ناواقف کے معنی میں مستعمل ہے۔(1)

١٤ؔ اب میرے رب نے مجھ پر کرم کیا۔ مجھے حکمت اور رسالت سے نوازا اور اسی نے یہ پیغام پہنچانے کے لیے تیرے پاس بھیجا۔

١٥ؔ دوسرے الزام کا جواب دے کر اب اس کی پہلی بات کا رد فرمایا کہ تو مجھ پر احسان جتلاتا ہے کہ تو نے مجھے پالا ہے۔ یہ احسان جتلاتے ہوئے تجھے شرم نہ آئی۔ تو نے میری ساری قوم کو غلامی کی بیڑیاں پہنا رکھی ہیں۔ تیری قوم ان سے جسمانی مشقت کے ایسے کام لیتی ہے جن کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اے مجھ پر احسان جتلانے والے! کیا تو وہی نہیں جس نے بنی اسرائیل کے معصوم بچوں کو قتل کرنے کا سفاکانہ قانون نافذ کیا تھا۔ تیرے اس ظلم سے بچانے کے لیے مجھے میری ماں نے اپنے کلیجہ پر ہاتھ رکھ کر نیل کی لہروں کے سپرد کر دیا تھا تُو تو مجھے قتل کرنے کے درپے تھا(2)۔ دلوں کے مالک نے تیرا دل پھیر دیا اور تو قتل کرنے کے بجائے مجھ سے پیار کرنے لگا۔ مجھے تیرے محل میں لا کر تیری گود میں پلوانے میں میرے رب کی یہ حکمت تھی کہ وہ تجھے بتانا چاہتا تھا کہ جس بچے سے بچنے کے لیے تو معصوموں کا خون بہا رہا ہے دیکھ یہ وہ بچہ ہے جس کو ہم تیرے محل میں لے آئے ہیں اور تجھے اس کی خدمت پر مامور کر دیا ہے۔ اے خدائی کے جھوٹے دعویدار! تو اگر خدا ہوتا تو کیا اپنے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے میں ناکام ہو جاتا؟ اور جس بچے کی ولادت سے تجھے تیرے منجموں اور پروہتوں نے ڈرایا تھا وہ تیری گود میں پلا تو اسے پہچان نہ سکا۔ کیا ایسے بے بس اور بے خبر انسان کو یہ بات زیب دیتی ہے کہ وہ خدائی کا دعویٰ کرے؟

١٦ؔ موسیٰ علیہ السلام کے دندان شکن جواب نے اس کو اپنے کلام کا رخ بدلنے پر مجبور کر دیا۔ کہنے لگا: جس رب العٰلمین کے تم فرستادہ ہو ذرا اس کی حقیقت تو بیان کرو۔

1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 267۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 69 2۔ روح البیان، ج 6، ص 268۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 96-95

اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَ رَبُّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۶﴾ قَالَ

کہا کیا تم سُن نہیں رہے ۱۸؎ آپ نے فرمایا وہ جو تمھارا بھی مالک ہے اور تمھارے پہلے باپ دادا کا بھی ۱۹؎ فرعون بولا

اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِیْۤ اُرْسِلَ اِلَیْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۲۷﴾ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ

بلاشبہ تمھارا یہ رسول جو بھیجا گیا ہے تمھاری طرف یہ تو دیوانہ ہے ۲۰؎ آپ نے (مزید) فرمایا جو مشرق و

وَ الْمَغْرِبِ وَ مَا بَیْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالَ لَىِٕنِ اتَّخَذْتَ

مغرب کا رب ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، اگر تم کچھ عقل رکھتے ہو ۲۱؎ اس نے (رُعب جماتے ہوئے) کہا

اِلٰهًا غَیْرِیْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِیْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ اَوَ لَوْ جِئْتُكَ

(یاد رکھو!) اگر تم نے میرے سوا کسی کو خدا بنایا تو میں تمھیں ضرور قیدیوں میں داخل کر دوں گا ۲۲؎ فرمایا اگرچہ میں لے آؤں تیرے پاس

۱۷؎ کسی چیز کی حقیقت اور ماہیت دریافت کرنا ہو تو "ما" سے سوال کیا جاتا ہے، جیسے فرعون نے کہا مَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ؟ لیکن اللہ تعالیٰ کی حقیقت پر آگاہ ہونا انسان کے لیے ناممکن ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس مسئلہ میں اُلجھنے کے بجائے ان دلائل وشواہد کی طرف اس کی توجہ مبذول کی جن پر اگر غور وفکر کیا جائے تو انسان رب العلمین کو پہچان سکتا ہے۔(1)

۱۸؎ جواب کو سوال کے مطابق نہ پا کر اس نے اپنے اردگرد بیٹھنے والوں پر فاتحانہ نگاہ ڈالتے ہوئے پوچھا: سن رہے ہو۔ یہ صاحب میرے سوال کا جو جواب دے رہے ہیں؟ میں نے رب العلمین کی حقیقت پوچھی ہے اور یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ زمین و آسمان کا خالق ہے۔ حالانکہ علمائے فلسفہ اس بات پر متفق ہیں کہ آسمان قدیم ہے، وہ کسی خالق کا محتاج نہیں۔ یہ جواب، سوال سے ہم آہنگ نہ ہونے کے ساتھ ساتھ علم وفلسفہ کے بھی صراحۃً خلاف ہے۔

۱۹؎ آپ نے فرمایا: رب العلمین وہ ہے جس نے تمھیں اور تمھارے باپ دادا کو پیدا کیا اور اپنے آباؤ اجداد کو وہ بھی قدیم تسلیم نہیں کرتے تھے۔

۲۰؎ ازراہِ استخفاف کہنے لگا: تمھارا یہ رسول دیوانہ ہے۔ عقل وفہم سے اسے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ میں پوچھتا کچھ ہوں جواب کچھ دیتا ہے۔(2)

۲۱؎ آپ نے پھر وار کیا اور فرمایا: اے مصر کی محدود مملکت پر اترا کر الوہیت کا دعویٰ کرنے والے! میرا بھیجنے والا وہ ہے جس کی ربوبیت اور سُلطانی کا نقارہ مشرق ومغرب میں بج رہا ہے۔ حدود مصر کے باہر تو تیرا حکم پرکاہ کی وقعت بھی نہیں رکھتا لیکن میرے

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز19، ص72-71 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج7، ص65

بِشَیْءٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳۰﴾ قَالَ فَأْتِ بِهٖۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۳۱﴾

ایک روشن چیز ۲۳ اس نے کہا پھر پیش کرو اسے اگر تم سچے ہو۔

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ ﴿۳۲﴾ وَّ نَزَعَ یَدَهٗ فَاِذَا

پس آپ نے ڈالا اپنا عصا تو اسی وقت وہ صاف اژدھا بن گیا۔ اور آپ نے باہر نکالا اپنا ہاتھ تو

هِیَ بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ ﴿۳۳﴾ قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ

یک لخت وہ سفید ہو گیا دیکھنے والوں کے لیے۔ (یہ دیکھ کر) فرعون نے اپنے آس پاس بیٹھنے والے درباریوں سے کہا واقعی یہ

عَلِیْمٌ ﴿۳۴﴾ یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا

ماہر جادوگر ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ نکال دے تمھیں اپنے ملک سے اپنے جادو (کے زور) سے ۲۴ اب بتاؤ تمھاری

تَاْمُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَ اَخَاهُ وَ ابْعَثْ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ ﴿۳۶﴾

کیا رائے ہے؟ بولے مہلت دو اسے اور اس کے بھائی کو اور بھیجو شہروں میں ہرکارے ۲۵ تاکہ وہ

یَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِیْمٍ ﴿۳۷﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۳۸﴾

لے آئیں تیرے پاس (ملک کے کونہ کونہ سے) تمام ماہر جادوگر۔ الغرض جمع کر لیے گئے سارے جادوگر مقررہ وقت پر ایک خاص دن۔

پروردگار کا حکم پورب پچھم ہر جگہ نافذ ہے۔

۲۲ بحث ومناظرہ کے میدان میں لاجواب ہو کر فرعون دھمکی دینے پر اتر آتا ہے۔

۲۳ آپ اپنے معجزات دکھا کر اپنے دعویٰ نبوت کی صداقت ثابت کرتے ہیں۔

۲۴ وہ آپ پر ماہر جادوگر ہونے کا الزام لگاتا ہے اور اپنے درباریوں کو بھڑکانے کے لیے کہتا ہے کہ نبوت کا ڈھونگ رچا کر یہ اپنا تسلط جمانا چاہتا ہے، یہ اقتدار کا بھوکا ہے۔ اپنے جادو کے زور سے ہمارا تخت وتاج چھیننا چاہتا ہے۔ اب بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟ کیا چپکے سے عنانِ حکومت ان کے حوالے کر دی جائے اور کل تک ان کا آقا رہنے کے بعد انہیں اپنا حاکم تسلیم کر لیا جائے؟

۲۵ انہوں نے مشورہ دیا کہ ملک بھر کے ماہر جادوگروں کو بلا کر اسے عبرت ناک شکست دی جائے۔

وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿۳۹﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ

اور کہہ دیا گیا لوگوں سے کیا تم (مقابلہ دیکھنے کے لیے) اکٹھے ہو گئے ہو؟ شاید ہم پیروی کرتے رہیں جادوگروں کی

اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۰﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ

اگر وہ (مقابلہ میں) غالب آ جائیں۔ جب حاضر ہوئے جادوگر ۲۶؎ تو انھوں نے فرعون سے پوچھا

اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۱﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ

کیا ہمیں کوئی انعام بھی ملے گا اگر ہم (موسیٰ پر) غالب آ جائیں؟ اس نے کہا ہاں ضرور ملے گا اور تم اس وقت

اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۴۳﴾

میرے مقربوں میں شامل کر لیے جاؤ گے۔ موسیٰ نے انھیں فرمایا پھینکو جو تم پھینکنے والے ہو۔ تو

فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ

انھوں نے پھینک دیں اپنی رسیاں اور اپنی لاٹھیاں (میدان میں) اور (بڑے وثوق سے) کہا ناموس فرعون کی قسم! ہم ہی

الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۴۵﴾

یقیناً غالب آئیں گے۔ پھر پھینکا موسیٰ نے اپنا سونٹا تو وہ یکایک نگلنے لگ گیا جو فریب انھوں نے بنا رکھا تھا ۲۷؎ تو

فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ رَبِّ

پس (یہ معجزہ دیکھ کر) گر پڑے جادوگر سجدہ کرتے ہوئے ۲۸؎ انھوں نے (برملا) کہہ دیا ہم ایمان لائے رب العٰلمین پر جو رب ہے

۲۶؎ ساحرانِ مصر کو اپنے فن پر بڑا ناز تھا۔ انہیں یقین تھا کہ وہ جیت جائیں گے، اس لیے پہلے ہی فرعون سے انعامات کا وعدہ لے رہے ہیں۔ فرعون انہیں انعامات سے مالا مال کر دینے کے وعدہ کے ساتھ ساتھ انہیں یہ بتا رہا ہے کہ میں تمہیں اپنے مقربین کی صف میں شامل کر لوں گا اور شاہی دربار میں وزراء مملکت کے پہلو بہ پہلو تمہارے لیے سنہری کرسیاں بچھائی جایا کریں گی۔

۲۷؎ مقابلہ شروع ہوا۔ عصائے موسیٰ بپھرے ہوئے اژدہا کی طرح منہ کھولے ہوئے ان کی رسیوں اور سونٹیوں کی طرف لپکا جو دیکھنے والوں کو سانپوں کی طرح لہراتی اور بل کھاتی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں اور ان کو ہڑپ کرنا شروع کر دیا۔

مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ

موسیٰ اور ہارون کا۔ فرعون نے (خفت مٹانے کے لیے) کہا تم تو ایمان لا چکے تھے اس پر اس سے پہلے کہ میں تمہیں

لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۚ لَاُقَطِّعَنَّ

مقابلہ کی اجازت دیتا۔ یہ تو تمہارا بڑا گرو ہے ۲۹؎ جس نے تمہیں سحر کا فن سکھایا ہے ابھی (اس سازش کا انجام) تمہیں معلوم ہو جائیگا

اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۹﴾

میں ضرور کاٹ دونگا تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں مخالف طرفوں سے اور میں تم سب کو سولی چڑھا دوں گا۔ انہوں

قَالُوْا لَا ضَيْرَ ۡ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا

نے جواب دیا ۳۰؎ ہمیں اس کی ذرا پروا نہیں۔ ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ ہمیں یہ امید ہے کہ بخش دیگا

رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۱﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى

ہمارے لیے ہمارا رب ہماری خطائیں۔ کیونکہ ہم (تیری قوم میں سے) پہلے ایمان لانیوالے ہیں۔ اور ہم نے وحی کی موسیٰ کی طرف

اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ

کہ راتوں رات (یہاں سے) میرے بندوں کو لے جاؤ ۳۱؎ یقیناً تمہارا تعاقب کیا جائیگا پس بھیجے فرعون نے سارے شہروں میں

۲۸؎ ساحرانِ مصر پر آپ کی صداقت روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی اور وہ اپنے ایمان لانے کا برملا اعتراف کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور میں سجدے میں گر پڑے۔

۲۹؎ فرعون نے جھٹ ان پر یہ الزام لگا دیا کہ یہ تمہارا بڑا گرو ہے اور تم اس کے چیلے ہو۔ تم سب نے مل کر حکومت کا تختہ اُلٹنے کی سازش کی ہے۔ میں تمہیں وہ سزا دونگا کہ تمہیں چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا۔

۳۰؎ ایمان کی شمع روشن ہوئی تو خوف و ہراس کے سارے اندھیرے رفو چکر ہو گئے۔ جرأت و شجاعت کے خفتہ جذبات جوان ہو گئے۔ تمام خطرات سے بے نیاز ہو کر انہوں نے اعلان کر دیا لَا ضَيْرَ ۡ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ۔ ان تمام امور کی تفصیل سورۃ الاعراف (1) میں گزر چکی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

1۔ آیت نمبر 124 حاشیہ نمبر 151، جلد 2، ص 70

حٰشِرِيْنَ ﴿٥٣﴾ إِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿٥٤﴾ وَإِنَّهُمْ لَنَا

ہرکارے ۳۲ (تاکہ لوگوں کو تباہیں) یہ لوگ ایک چھوٹی سی جماعت ہیں ۳۳ اور انھوں نے ہمیں سخت

۳۱۔ مصر کے گوشہ گوشہ سے سمٹ کر آنے والے ہزاروں لوگوں نے یہ سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ملک کے مایہ ناز ساحروں کا ایک جم غفیر غلام قوم کے دو آدمیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے اکٹھا ہوا۔ اپنے آبائی دین کو بچانے کے لیے، فرعون کے لرزتے ہوئے تخت کو سہارے دینے کے لیے، اپنی قومی حکومت کو نئے ابھرتے ہوئے خطرہ سے محفوظ رکھنے کے لیے کون سا جتن ہوگا جو انہوں نے نہ کیا ہوگا؟ لیکن موسیٰ علیہ السلام کے ایک ڈنڈے نے اژدہا بن کر ان کے سارے نشے ہرن کر دیئے۔ اس شکستِ فاش سے لازمی طور پر سامعین کے ذہن متاثر ہوئے ہوں گے اور جادوگروں کے برملا ایمان لانے سے ناظرین کے قلوب میں جو ہلچل پیدا ہوئی اس کا اندازہ لگانا بھی زیادہ مشکل نہیں۔ لیکن فرعون کی چال بھی کامیاب رہی۔ اس نے ساحروں پر سازش کا الزام لگا کر اپنا بھرم رکھ لیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شخصی استبداد نے مصریوں سے غور وفکر کی ساری صلاحیتیں چھین لی تھیں۔ وہ فرعون کے الزام کو صحیح ماننے لگے تھے۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے جادوگروں کی ایمانی شجاعت کا مشاہدہ کیا۔ اس بے پایاں مسرت کو بھی دیکھا جس کا اظہار انہوں نے شہادت کا جام نوش کرتے ہوئے کیا۔ لیکن انہیں کچھ عبرت حاصل نہ ہوئی۔ جس طرح پہلے آنکھیں بند کر کے وہ فرعون کی بندگی کرتے آرہے تھے اسی طرح آنکھیں موند کر اس کی بندگی کرنے لگ گئے۔ تاریخ ہمیں کوئی ایسی شہادت مہیا نہیں کرتی جس سے اندازہ کیا جا سکے کہ انہوں نے فرعون کی اس شکستِ فاش سے کوئی اثر قبول کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ (یونس) (1)۔ چنانچہ اسی حالت میں کئی سال گزر گئے۔ بنی اسرائیل پر ان کی سختی میں مزید اضافہ ہوتا گیا۔ ان کے خلاف ان کا رویہ دن بدن شدت اختیار کرتا گیا۔ بنی اسرائیل نے ازراہ شکایت حضرت کلیمؑ سے کہا بھی: قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا۔ (2) حضرت موسیٰؑ نے فرعون اور اس کی قوم کو راہِ ہدایت پر لانے کے لیے بڑی کوششیں کیں۔ کئی معجزات دکھائے جن کا ذکر الاعراف (3) میں تفصیلاً گزر چکا ہے لیکن وہ اپنی ضد پر اڑے رہے۔ جب پانی سر سے گزر گیا اور ظلم وستم کی انتہا ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو راتوں رات ہجرت کرنے کا حکم دیا۔

۳۲۔ جب فرعون کو پتہ چلا کہ بنی اسرائیل رات کی تاریکی میں یہاں سے کوچ کر گئے ہیں تو اس نے ان کا تعاقب کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے وہ دل ہی دل میں بڑا خائف تھا۔ اس لیے تعاقب کرنے سے پہلے پوری تیاری کرنا ضروری سمجھا۔ ملک کے گوشہ گوشہ میں قاصد بھیج دیئے گئے کہ فرعونی فوج کے دستے جہاں جہاں ہوں جلد از جلد پایہ تخت میں پہنچیں۔

۳۳۔ ملک بھر میں اس افراتفری اور عام لام بندی سے خوف وہراس کا پھیلنا ایک قدرتی امر تھا۔ اس کا ازالہ کرنے کے لیے فرعون نے یہ بات بنائی کہ ہمیں اسرائیلیوں سے کسی شدید مقابلہ کی ہرگز توقع نہیں۔ وہ مٹھی بھر آدمی ہم سے لڑنے کی جرأت ہی

1۔ سورۂ یونس: 83 2۔ سورۃ الاعراف: 129 3۔ جلد 2، آیت 107، حاشیہ 137 تا 141

لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَ اِنَّا لَجَمِیْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ

برافروختہ کردیا ہے (تاہم فکر نہ کرو) ہم سب (ان کے متعلق) بہت محتاط ہیں۔ سو ہم نے نکالا انھیں ۳۴؎ (سرسبز) باغوں

وَّ عُیُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّ كُنُوْزٍ وَّ مَقَامٍ كَرِیْمٍ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَ اَوْرَثْنٰهَا بَنِیْۤ

اور (بہتے ہوئے) چشموں اور (بھرپور) خزانوں اور شاندار محلات سے۔ ہم نے ایسا ہی کیا۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو ان تمام چیزوں

اِسْرَآءِیْلَ ﴿۵۹﴾ فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِیْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ

کا وارث بنا دیا پس وہ ان کے تعاقب میں نکلے ۳۵؎ اشراق کے وقت پس جب ایک دوسرے کو دیکھ لیا دونوں گروہوں نے

کب کر سکتے ہیں لیکن ہم ان کو اس فرار کی پوری پوری سزا دینا چاہتے ہیں۔ اگرچہ فوج کا ایک مختصر دستہ بھی ان سے نمٹ سکتا ہے لیکن دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ احتیاطی تدابیر اختیار کرنے میں تساہل نہ برتا جائے۔ تم بے فکر رہو، ہم نے ساری تدبیریں اور انتظامات مکمل کر لیے ہیں۔ بظاہر تو وہ بڑی بہادری کا مظاہرہ کر رہا تھا لیکن دل سینہ میں دھڑک رہا تھا اور بعض مفسرین کے قول کے مطابق ڈر کے مارے اس کا پیشاب بھی نکل جاتا تھا۔

اَلشِّرْذِمَةُ اَلْجَمْعُ الْقَلِیْلُ الْمُخْتَصَرُ۔ مختصر اور حقیر گروہ کو شرذمہ کہتے ہیں۔ اس کی جمع اَلشَّرَاذِمُ ہے۔ (1)

قَالَ الْجَوْهَرِیُّ الشِّرْذِمَةُ الطَّائِفَةُ مِنَ النَّاسِ (2)۔ حَاذِرُوْنَ اَخَذْنَا حِذْرَنَا وَ اَسْلِحَتَنَا (3)۔ ہم نے پوری احتیاط کر لی ہے اور اسلحہ بھی فراہم کر لیا ہے۔

۳۴؎ ہو سکتا تھا کہ بنی اسرائیل کی اس ہجرت کو وہ زیادہ اہمیت نہ دیتے اور خاموش ہو جاتے، یا فوج کے کسی افسر کو ان کا تعاقب کرنے کے لیے بھیج دیتے، لیکن قدرت نے ان کے دل میں ایسی بات ڈال دی کہ خود فرعون اپنے وزراء و امراء کو ہمراہ لے کر اپنی ساری فوجوں کے ساتھ نکل کھڑا ہوا۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ جب عذابِ الٰہی آئے تو سب نابکار ایک جگہ اکٹھے ہوں اور ایک ضرب سے ہی ان کا کام تمام کر دیا جائے، اور ان ظالموں کی بربادی پر ماتم کرنے کے لیے بھی کوئی پیچھے نہ رہے۔ اس اہتمام کے ساتھ فرعون اور اس کے امراء کا بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکلنا چونکہ قدرت کے خاص انتظام اور خفیہ تدبیر کے ماتحت ہو رہا تھا اس لیے فَاَخْرَجْنٰهُمْ کے الفاظ سے ان کے خروج کا ذکر فرمایا یعنی ہم نے ان کو اس طرح نکلنے پر اکسایا۔

۳۵؎ جب سورج طلوع ہو تو عرب کہتے ہیں شَرَقَتِ الشَّمْسُ اور جب اس کی روشنی پھیل جائے تو کہتے ہیں اَشْرَقَتِ الشَّمْسُ (4)۔ اس لیے مُشْرِقِیْنَ کا معنی ہو گا کہ جب سورج چڑھ آیا اور اس کی روشنی ہر طرف پھیل گئی تو فرعون بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکلا۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 101 2۔ الصحاح، ج 5، ص 1960 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 101 4۔ ایضاً، ص 105

اَصۡحٰبُ مُوۡسٰۤی اِنَّا لَمُدۡرَكُوۡنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیۡ

تو موسیٰ کے ساتھی کہنے لگے (دہائی دیتے ہوئے) ۳۶ ہم تو یقیناً پکڑ لیے گئے۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں۔ بلاشبہ میرے ساتھ میرا

سَیَهۡدِیۡنِ ﴿۶۲﴾ فَاَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی مُوۡسٰۤی اَنِ اضۡرِبۡ بِّعَصَاكَ الۡبَحۡرَ ؕ

رب ہے وہ ضرور میری رہنمائی فرمائیگا۔ ۳۷ تو ہم نے وحی بھیجی موسیٰ کی طرف کہ ضرب لگاؤ اپنے عصا سے سمندر کو ۳۸

فَانۡفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرۡقٍ كَالطَّوۡدِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۶۳﴾ وَ اَزۡلَفۡنَا ثَمَّ

تو سمندر پھٹ گیا اور ہو گیا پانی کا ہر حصہ بڑے پہاڑ کی مانند ۳۹ اور ہم نے قریب کر دیا وہاں

۳۶ فرعون جب اتنا قریب پہنچ گیا کہ دونوں فریقوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو بنی اسرائیل کے حواس باختہ ہو گئے۔ سامنے سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے اور پیچھے سے فرعون کے لشکرِ جرار نے گھیرا تنگ کر دیا ہے۔ گھبرا کر کہنے لگے: ہم تو پکڑے گئے۔ اب کیا ہوگا؟ تَرَآءَ، ایک دوسرے کو دیکھنا۔(1)

۳۷ موسیٰ علیہ السلام کے توکّل علی اللہ کی شان ملاحظہ ہو۔ انہیں بھی نظر آ رہا ہے کہ سامنے بحرِ بیکراں ہے جس کی تند و تیز موجیں ساحل سے آ آ کر ٹکرا رہی ہیں اور ادھر فرعون ہے جو غیظ و غضب سے دیوانہ ہو رہا ہے۔ لیکن کیا مجال کہ ان بظاہر حوصلہ شکن حالات میں بھی کلیم کی پیشانی پر شکن تک پڑا ہو یا دل میں گھبراہٹ کا گزر تک ہوا ہو۔ گھبرائے ہوئے ساتھیوں کو تسلی دیتے ہوئے فرماتے ہیں: "کلا" ہمیں وہ ہرگز نہیں پکڑ سکتا، میرے ساتھ میرا رب ہے۔ میں اُس کے حکم سے تمہیں لے کر نکلا ہوں۔ وہ ضرور ہماری رہنمائی فرمائے گا۔ کتنا پختہ ہے آپ کا یقین، کتنا پختہ ہے آپ کا توکل اور کیا جلال ہے آپ کے اس جملے میں۔ نبوت کی عظمت ایسے ہی نازک حالات میں پوری آب و تاب سے جلوہ نما ہوتی ہے۔

۳۸ فوراً ارشاد ہوا۔ اپنے عصا کی ایک ضرب لگاؤ اس سمندر کو، پھر دیکھو یہ راستہ دیتا ہے یا نہیں۔

۳۹ آپ نے ایسا ہی کیا۔ سمندر کی اُچھلتی اور شور مچاتی ہوئی موجوں پر سکتہ طاری ہو گیا، جیسے کسی نے سرکش گھوڑے کے منہ میں لگام دے دی ہو۔ سمندر میں شگاف پیدا ہو گیا اور پانی کی لہریں اونچے اونچے پہاڑوں کی طرح جامد و ساکت ہو کر کھڑی ہو گئیں اور آپ اپنی قوم سمیت اس راستہ پر چل پڑے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں وہ کلمات نہ سکھا دوں جو موسیٰ نے اس وقت کہے تھے جب آپ نے سمندر کو پھاڑا تھا؟ میں نے عرض کی: میرے آقا! ضرور کرم فرمائیے۔ حضورؐ نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَاِلَيْكَ الْمُشْتَكٰى وَبِكَ الْمُسْتَغَاثُ اَنْتَ الْمُسْتَعَانُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ حضرت ابنِ مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے حضورؐ سے ان کلمات کو سنا میں ہمیشہ ان کا ورد کیا کرتا ہوں (روح البیان)(2)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز13، ص106 2۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج6، ص279۔ الفردوس، بماثور الخطاب، رقم الحدیث 1807، ج1، ص443، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ درمنثور، زیر آیت ہذا، ج5، ص160

الْاٰخَرِيْنَ ﴿٦٤﴾ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿٦٥﴾ ثُمَّ

دوسرے فریق کو ۴۴ اور ہم نے بچا لیا (ان تند موجوں سے) موسیٰ اور ان کے سب ہمراہیوں کو۔ پھر ہم نے

اس قسم کا ایک واقعہ محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی پیش آیا تھا۔ ہجرت کی رات جب حضورؐ غارِ ثور میں اپنے رفیق صدیق کے ساتھ تشریف فرما تھے تو کفارِ مکہ تلاش کرتے ہوئے اس غار کے دہانہ تک آپہنچے۔ حضرت صدیق کو تشویش ہوئی کہ مبادا وہ جھک کر دیکھیں اور ہمیں پالیں۔ ان کے اطمینان کے لیے زبانِ مصطفیٰ سے نکلا تھا: لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا: اے صدیق! میرے لیے فکر مند نہ ہو، بیشک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ ان الفاظ میں اور حضرت کلیمؑ کے الفاظ میں اتنا ہی تفاوت ہے جتنا مقامِ حبیبؐ اور مقامِ کلیمؑ میں ہے۔ کلیمؑ نے پہلے اپنا ذکر کیا بعد میں ربی کہا۔ حبیبؐ نے پہلے ''اِنَّ اللّٰهَ'' فرمایا، بعد میں مَعَنَا فرمایا۔ پھر انہوں نے ''رَبّ'' جو اسمِ صفاتی ہے اس کو ذکر کیا اور حضورؐ نے اللہ جو اسمِ ذات ہے۔ انہوں نے معیتِ ربانی کو اپنی ذات کے ساتھ مخصوص کرتے ہوئے ''مَعِیَ'' میرے ساتھ، فرمایا اور حبیب نے ''مَعَنَا'' فرما کر اپنے صدیق کو بھی معیتِ الٰہی کے شرف سے مشرّف فرمایا (1)۔ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ وَكَلِيْمِهٖ وَسَائِرِ اَنْبِيَائِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ۔

۴۴ فرعون سمجھا کہ یہ راستہ یوں ہی بنا رہے گا۔ لہریں اسی طرح کھڑی رہیں گی۔ چنانچہ وہ بھی اپنے لاؤ لشکر سمیت سمندر میں اتر گیا۔ جب وہ اچھی طرح سمندر میں داخل ہو گیا تو وہ پانی کے پہاڑ جو ایک لمحہ پہلے چپ چاپ کھڑے تھے متحرک ہو گئے اور خاموش موجیں گرجتی ہوئی ان کی طرف لپکیں اور چشم زدن میں ان سب کو خس وخاشاک کی طرح بہا کر لے گئیں۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ الخ موسیٰ علیہ السلام کے لیے سمندر نے راستہ کیوں چھوڑ دیا اور اس کی موجیں کیوں رُک گئیں، اور جب فرعون آیا تو ان میں یکایک روانی کیسے پیدا ہو گئی؟ اس کے لیے ملاحظہ ہو ضیاء القرآن، جلد اوّل، سورۂ بقرہ آیت ۵۰ اور دیگر مقامات۔ مختصر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہر چیز پر غالب ہے۔ ندی کا پانی ہو یا سمندر کا۔ موسلا دھار بارشیں ہوں یا طغیانیاں، ہر چیز اپنے خالق کے اشارہ کی تعمیل کرتی ہے۔ بعض لوگ جو معجزات کو تسلیم کرنے سے بِدکتے ہیں وہ اس واقعہ کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ مدوجزر کی حالت میں یہ واقعہ رونما ہوا۔ جب موسیٰ علیہ السلام گزرے تو جزر کی وجہ سے سمندر کا پانی سمٹ گیا تھا اور جب فرعون گزرنے لگا تو مد کی حالت نمودار ہو گئی اور وہ ڈوب گیا (2)۔ اور بعض نے یہ تاویل بھی کی ہے کہ اتنے زور کا جھکڑ چلا کہ سمندر میں شگاف پیدا ہو گیا (3)۔ یہ دونوں باتیں انتہائی طور پر مضحکہ خیز ہیں۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بنی اسرائیل کے ہزارہا افراد تھے، انہیں سمندر کو عبور کرتے ہوئے کافی وقت لگا ہو گا۔ پھر فرعون کا لشکر جو ہزارہا گھڑسواروں اور پیادہ فوجی دستوں پر مشتمل تھا اسے بھی سمندر میں اچھی طرح داخل ہونے کے لیے کافی وقت درکار تھا۔ کیا جزر اتنا طویل ہوتا ہے یا جھکڑ کی وجہ سے اتنے عرصہ دراز تک سمندر میں شگاف باقی رہ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ نیز سورۂ طٰہٰ میں صراحۃً مذکور ہے فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا، (4) کہ عصا مار کر سمندر میں ان کے لیے ایسا راستہ بنا دو جو خشک ہو تو اس طرح کا خشک راستہ بنانا نہ جھکڑوں کا کام ہے اور نہ مدوجزر

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 19، ص 85۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 79-278
2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 19، ص 86
3۔ تفہیم القرآن، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 498
4۔ سورۂ طٰہٰ: 77

اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ ﴿٦٦﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

غرق کر دیا دوسرے فریق کو۔ اس واقعہ میں (بڑی واضح) نشانی ہے۔اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے

مُّؤْمِنِیْنَ ﴿٦٧﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿٦٨﴾ وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ

والے نہیں۔ اور بیشک (اے حبیب!) آپ کا رب ہی سب پر غالب ہمیشہ رحم فرمانیوالا ہے۔اور آپ بیان فرمایئے

اِبْرٰهِیْمَ ﴿٦٩﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٧٠﴾ قَالُوْا نَعْبُدُ

انکے سامنے ابراہیم کا قصہ[41] جب آپ نے اپنے باپ[42] اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کس کی پرستش کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم تو پوجتے

اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِیْنَ ﴿٧١﴾ قَالَ هَلْ یَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ

ہیں بتوں کو اور ہم انہی کی پوجا میں ہر وقت منہمک[43] رہتے ہیں۔آپ نے پوچھا بھلا یہ بتاؤ کیا وہ سنتے ہیں تمہاری آواز جب

تَدْعُوْنَ ﴿٧٢﴾ اَوْ یَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ یَضُرُّوْنَ ﴿٧٣﴾ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا

تم انہیں پکارتے ہو۔ یا وہ تمہیں (کچھ) نفع پہنچا سکتے ہیں یا ضرر پہنچا سکتے ہیں[44] انہوں نے (لاجواب ہو کر) کہا بلکہ ہم نے تو پایا

سے کبھی ایسا واقعہ وقوع پذیر ہوا ہے۔ اس لیے قرآن کریم کی ایسی تاویلیں کرنا جن کا معقولیت سے دور کا واسطہ بھی نہ ہو اسلام کی کوئی خدمت نہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی قدرت کی ایک نشانی فرمایا ہے۔

[41] حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ کے بعد حضرت خلیل علیہ السلام کا ذکرِ خیر فرمایا جا رہا ہے۔ کیونکہ آپ قبائلِ قریش کے جدّ اعلیٰ اور کعبہ کے بانی تھے۔ قریش کو ان کی نسل سے ہونے پر بڑا ناز تھا۔ اسی وجہ سے وہ کعبہ کے متولی تھے۔ اور ملک بھر میں بڑی عزت و احترام سے دیکھے جاتے تھے۔ اس لیے ان کے سامنے آپؑ کے عقائد بیان فرمائے جا رہے ہیں تاکہ حضرت ابراہیمؑ کو اپنا جدّ اعلیٰ کہنے والے اور اس نسبت پر فخر کرنے والے حضرت ابراہیمؑ کے ربِ اکبر پر بھی ایمان لائیں۔ جس طرح آپ کا دامن کفر و شرک کی آلائشوں سے بالکل پاک تھا اسی طرح یہ بھی اپنے داغوں کو دور کر کے توحید خالص اختیار کریں۔

[42] اس سے مراد آزر ہے جو آپ کا چچا تھا، کیونکہ اسی نے آپ کی پرورش کی تھی اس لیے باپ کہا گیا۔ اَیْ اٰزَرَ سَمَّاهُ اللّٰهُ اَبًا لِّكَوْنِهٖ عَمًّا وَّ مُرَبِّیًا لَّهٗ (مظہری) (1)

[43] یہاں اس کا معنی ہے نَدُوْمُ (2)۔ اور عکوف کہتے ہیں اَلْاِقَامَةُ عَلَى الشَّیْءِ (3): کسی چیز پر مستحکم رہنا۔ گویا وہ آپ کو چڑانے کے لیے کہہ رہے ہیں کہ ہم تو ہمیشہ ہمیشہ انہی کی بندگی کیا کریں گے۔ جوہری عکف کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 70 2۔ ایضاً 3۔ لسان العرب، ج 9، ص 255

كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۵﴾ اَنْتُمْ وَ

اپنے باپوں کو کہ وہ یونہی کیا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا کیا تم نے دیکھ لیا ان (کی بے بسی) کو جن کی تم پرستش کیا کرتے ہو ۴۵ تم اور

اٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْۤ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۷﴾

تمہارے گذشتہ آباؤ اجداد۔ پس وہ سب میرے دشمن ہیں سوائے رب العلمین کے ۴۶

عَكَفَ اَیْ اَقْبَلَ عَلَيْهِ مُوَاظِبًا (صحاح) (1)

۴۴ کیا پیارا اسلوب ہے افہام وتفہیم کا۔ انہی سے ان کے معبودوں کی بے بسی کا اعتراف کرایا جارہا ہے۔ جب وہ ان باتوں کا انکار نہ کر سکے تو یہ کہہ کر اپنا دفاع کرنے لگے کہ ہمارے باپ دادا ایسا ہی کیا کرتے تھے، اس لیے ہم تو ان کی تقلید سے دست کش ہونے کے لیے کسی قیمت پر تیار نہیں۔

۴۵ آپ محبت بھرے اسلوب سے انہیں سمجھاتے ہیں کہ نادان نہ بنو، بے جا ضد اچھی نہیں۔ اندھی تقلید کے نتائج بڑے خطرناک ہوتے ہیں۔ تم دنیاوی معاملات میں جب عقل وفہم کو استعمال کرتے رہتے ہو تو زندگی کے اس بنیادی مسئلہ پر سوچنے کا وقت آئے تو تم اپنی سوچ کا چراغ گل کر دو، یہ تو اچھی بات نہیں۔

۴۶ ان اندھے بہرے بتوں کے متعلق تم جو چاہو کہتے رہو میں تو انہیں اپنا دشمن اور بدخواہ سمجھ رہا ہوں۔ میری بندگی کا تعلق صرف اس معبودِ برحق کے ساتھ ہے جو کائنات کی ہر چیز کو پیدا بھی کرتا ہے، پھر عنایاتِ پیہم سے ہر چیز کو اس کے مرتبہ کمال تک بھی پہنچاتا ہے۔ اس کی ساری ضروریات مہیا کرتا ہے، ان کی نشوونما کے لیے جو وسائل ضروری ہوتے ہیں ان کو بہم پہنچاتا ہے۔ ان اندھے بہرے معبودوں کے مقابلہ میں رب العٰلمین (ہر چیز کو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا) کی صفت سے اللہ تعالیٰ کا تعارف کتنا معنی خیز ہے۔ آیت میں مکرّر غور فرمائیے۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ بت تمہارے دشمن ہیں بلکہ فرمایا: یہ میرے دشمن ہیں۔ ناصح کریم کا اندازِ نصیحت ایسا ہی ہوتا ہے۔ وہ براہِ راست دوسروں پر حملہ نہیں کرتا بلکہ اپنی ذات سے آغاز کرتا ہے اور یہ تعریض تصریح سے بدرجہا زیادہ مؤثر ہوا کرتی ہے (2)۔ فَاِنَّهُمْ کی خبر اَعْدَاءٌ (جمع) ہونی چاہیے تھی عَدُوٌّ (واحد) کیوں لائی گئی؟ اس کا بہترین جواب یہ ہے کہ جو صفت فَعُوْلٌ یا فَعِيْلٌ کے وزن پر ہو اس کا استعمال واحد جمع دونوں کے لیے ہوتا رہتا ہے۔ کیونکہ عَدُوٌّ اصل میں عَدُوْوٌ فَعُوْلٌ کے وزن پر ہے اس لیے یہاں اس کا استعمال درست ہے۔ اس لیے یہ اِنَّهُمْ کی خبر واقع ہوسکتا ہے (3)۔ يَجُوْزُ اِطْلَاقُ الْعَدُوِّ وَ الصَّدِيْقِ عَلَى الْوَاحِدِ وَ الْجَمْعِ لِاَنَّ كُلَّ صِفَةٍ عَلٰى وَزْنِ فَعُوْلٍ وَّ فَعِيْلٍ يُّسْتَعْمَلُ كَذٰلِكَ يُقَالُ رَجُلٌ عَدُوٌّ وَّ قَوْمٌ عَدُوٌّ۔ (مظہری) (4)

1۔ الصحاح، ج4، ص1406 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج7، ص70 3۔ ایضاً، ج7، ص71-70 4۔ ایضاً

الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ﴿۷۸﴾ وَ الَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَ یَسْقِیْنِ ﴿۷۹﴾

جس نے مجھے پیدا فرمایا پھر (ہر قدم پر) وہ میری رہنمائی کرتا ہے ۴۷ اور وہ جو مجھے کھلاتا بھی ہے اور مجھے پلاتا بھی ہے۔

وَ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ﴿۸۰﴾ وَ الَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ ﴿۸۱﴾

اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے صحت بخشتا ہے ۴۸ اور وہ جو مجھے مارے گا، پھر مجھے زندہ کرے گا۔

وَ الَّذِیْۤ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓـَٔتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿۸۲﴾ رَبِّ هَبْ لِیْ

اور جس سے میں اُمید رکھتا ہوں ۴۹ کہ وہ بخش دیگا میرے لیے میری خطا کو روز جزا کو۔ اے میرے رب! عطا فرما

حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۳﴾ وَ اجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی

مجھے علم و عمل ۵۰ (میں کمال)، اور ملا دے مجھے نیک بندوں کے ساتھ ۵۱ اور بنا دے میرے لیے سچی ناموری ۵۲

الْاٰخِرِیْنَ ﴿۸۴﴾ وَ اجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ ﴿۸۵﴾ وَ اغْفِرْ لِاَبِیْۤ

آئندہ آنے والوں میں۔ اور بنا دے مجھے ان لوگوں سے جو نعمت والی جنت کے وارث ہیں۔ اور بخش دے میرے باپ کو

۴۷ رب العالمین کی شانِ ربوبیت کے مختلف مظاہر کی طرف جن میں سے کسی ایک پر بھی اُن کے بُت قادر نہیں ہیں حضرت ابراہیمؑ ان کی توجہ مبذول کرا رہے ہیں جس کی وضاحت الَّذِیْۤ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی (1) میں گزر چکی ہے (طٰہٰ)۔

۴۸ حضرت خلیل کا بارگاہِ الٰہی میں حسنِ ادب ملاحظہ ہو، بیماری کی نسبت اپنی طرف کی اور شفا کی اللہ تعالیٰ کی طرف، حالانکہ بیماری اور صحت دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں۔ (2)

۴۹ یہاں بھی حُسنِ ادب ہے۔ اللہ کا خلیل ہونے کے باوجود، ساری عمر اس کی عبادت و اطاعت میں گزارنے کے باوجود اور ہر آزمائش میں کامیاب ہونے کے باوجود، اللہ تعالیٰ کی بے نیازیوں سے دل سہما ہوا ہے، کہتے ہیں: مجھے یہ امید ہے کہ وہ کریم مجھ پر کرم فرمائے گا اور میری خطاؤں کو بخش دے گا۔ بندے کے لیے مناسب یہی ہے کہ اس کی نظر اپنی نیکیوں پر نہ ہو بلکہ اپنی لغزشوں پر ہو۔

۵۰ اپنے خالق کی حمد و ثنا کرنے کے بعد اب دعا کے لیے ہاتھ اٹھتے ہیں اور طلب کا دامن پھیلتا ہے۔ حکماً سے مراد علم و عمل کا کمال ہے تاکہ خلافتِ الٰہیہ کا منصبِ جلیل سنبھالنے کی مکمل استعداد اور اس کی مخلوق کی سیاست کا صحیح ملکہ پیدا ہو جائے۔ اَیْ كَمَالًا فِی الْعِلْمِ وَ الْعَمَلِ بِحَیْثُ یَسْتَعِدُّ لِخِلَافَةِ الْحَقِّ وَ رِیَاسَةِ الْخَلْقِ۔ (مظہری) (3)

1۔ سورۂ طٰہٰ: 50 2۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 284۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 71 3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 72

اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۸۶﴾ وَ لَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۸۷﴾ يَوْمَ

وہ گمراہ لوگوں میں سے ہے۔ اور نہ شرمسار کرنا مجھے جس روز لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے ۵۳ جس دن نہ

لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۹﴾ وَ اُزْلِفَتِ

مال کام آئے گا اور نہ بیٹے۔ مگر وہ شخص جو لے آیا اللہ تعالیٰ کے حضور قلب سلیم ۵۴ اور قریب کردی

۵۱۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نیک اور صالح بندوں کی رفاقت وہ نعمتِ عظمیٰ ہے جس کی تمنا حضرت خلیلؑ جیسی جلیل المرتبت ہستیاں بھی کیا کرتی ہیں۔

۵۲۔ لِسَانَ صِدْقٍ سے مراد ہے اَلثَّنَاءُ الْحَسَنُ: بہترین تعریف (1)۔ یعنی تیرے نیک بندوں کی زبانیں میری ستائش کرتی رہیں۔ اظہارِ بندگی میں جن توفیقاتِ مخصوصہ اور کمالاتِ عظیمہ سے تو نے مجھے سرفراز فرمایا ہے رہتی دنیا تک ان کا ذکر ہوتا ہی رہے۔ قشیری نے لِسَانَ صِدْقٍ کا معنیٰ اَلدُّعَاءُ الْحَسَنُ یعنی نیک دعا کیا ہے (2)۔ یعنی لوگ اپنی نیک دعاؤں میں مجھے ہمیشہ یاد رکھیں۔ اگرچہ لسان کا معنی زبان ہے لیکن اس کا اطلاق اس بات پر بھی ہوتا ہے جو زبان سے نکلتی ہے۔ جیسے سخاوت کو ید کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی۔ آپ کے بعد جتنے نبی آئے سب آپ کی عظمت و رفعتِ شان کا اعتراف کرتے رہے۔ آج بھی سلسلۂ نبوت و رسالت پر ایمان رکھنے والی قومیں بلا استثناء آپ کی تعریف اور توصیف میں رطب اللسان ہیں۔ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے آپ کی اس دعا کو چار چاند لگ گئے۔ آپ کے دینِ حنیف کا احیاء ہوا۔ آپ کے عقائدِ حقہ کی اشاعت ہوئی اور ہر مسلمان جب بھی نماز میں اپنے ہادیٔ کامل پر درود عرض کرتا ہے تو وہ ابراہیمؑ اور آلِ ابراہیمؑ پر بھی درود بھیجتا ہے۔ (3)

۵۳۔ الٰہی اگر تیری یاد میں مجھ سے کوئی کوتاہی ہوگئی ہے تو اس کی وجہ سے مجھے روزِ محشر شرمندہ نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندے پر کمال عنایت ہوگی اگر وہ اس روز اس کی آبرو رکھ لے اور اہلِ ایمان کے ساتھ مولائے کریم کا سلوک کچھ اسی طرح کا ہوگا۔ صحیحین میں ہے کسی شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے کان میں چپکے سے کیا بات فرمائی تھی۔ انہوں نے جواب دیا کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا تھا: يَدْنُوْ اَحَدُكُمْ مِنْ رَّبِّهٖ حَتّٰى يَضَعَ كَنَفَهٗ عَلَيْهِ فَيَقُوْلُ أَعَمِلْتَ كَذَا وَكَذَا فَيَقُوْلُ نَعَمْ، ثُمَّ يَقُوْلُ اِنِّيْ سَتَرْتُهَا عَلَيْكَ فِي الدُّنْيَا وَاَنَا اَغْفِرُلَكَ الْيَوْمَ ثُمَّ يُعْطٰى كِتَابُ حَسَنَاتِهٖ بِيَمِيْنِهٖ (4)۔ یعنی تم میں سے کوئی آدمی اپنے رب کے بالکل نزدیک ہوجائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے فرمائیں گے: تو نے فلاں فلاں کام کیا تھا؟ وہ عرض کرے گا ہاں میں نے کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ دنیا میں میں نے اس کو ظاہر نہ ہونے دیا اور آج میں ان خطاؤں کو تیرے لیے بخش رہا ہوں۔ پھر اس کی نیکیوں کی کتاب اس کے دائیں ہاتھ میں پکڑا دی جائے گی۔ کفار اور منافقین کو برسرِ عام رسوا کیا جائے گا۔ (مظہری)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز13، ص112 2۔ ایضاً، جز13، ص113 3۔ ایضاً، جز13، ص13-112
4۔ صحیح بخاری، کتاب الرد علی الجہمیۃ، باب کلام الرب یوم القیامۃ مع الانبیاء وغیرہم، ج2، ص1119۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج7، ص73

الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٩٠﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ﴿٩١﴾ وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا

جاتے گی جنت پرہیزگاروں کے لیے۔ اور ظاہر کردی جائے گی دوزخ بھٹکنے والوں کے لیے ۵۵ اور کہا جائے گا انہیں کہ کہاں

كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿٩٢﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿٩٣﴾

ہیں وہ جن کی تم پوجا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر۔ کیا وہ تمہاری (کچھ) مدد کر سکتے ہیں یا انتقام لے سکتے ہیں۔

فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ﴿٩٤﴾ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ ﴿٩٥﴾ قَالُوْا

پس اوندھے پھینک دیئے جائیں گے اس میں وہ اور دوسرے گمراہ اور ابلیس کی ساری فوجیں ۵۶ وہ کہیں گے

۵۴ قلبِ سلیم سے مراد مومن کا دل ہے کیونکہ وہ کفر و نفاق کی بیماریوں سے محفوظ ہوتا ہے اور کافر کا دل مریض ہوتا ہے جیسے ارشاد ہے فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ (1) آیت کا مطلب یہ ہے کہ کافر نے نیک کاموں میں جتنا روپیہ بھی صرف کیا ہوا سے اس سے کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔ اسی طرح اگر کسی کافر کی اولاد مومن اور صالح بھی ہو تو بھی اس کی شفاعت اس کافر کے حق میں مقبول نہیں ہوگی۔ لیکن جس شخص کا دل کفر و نفاق کی بیماری سے محفوظ ہے اس نے راہِ حق میں جو مال خرچ کیا ہوگا اس کا کئی گنا اجر روزِ قیامت اسے دیا جائے گا۔ نیز اس کی نیک اور صالح اولاد کی دعائیں اس کے گناہوں کی بخشش اور اس کے درجات کی بلندی کا باعث ہوں گی اور قیامت کے دن ان کی شفاعت اپنے والدین کے حق میں مقبول ہوگی اور انہیں نفع پہنچائے گی۔ وَاَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَنْفَعُهٗ مَالُهُ الَّذِیْ اَنْفَقَهٗ فِی الطَّاعَةِ وَوَلَدُهٗ بِالشَّفَاعَةِ وَالْاِسْتِغْفَارِ۔ (مظہری) (2)

علامہ ابوحیان زمخشری کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ وَلَا ضَرُوْرَةَ تَدْعُوْ اِلٰی حَذْفِ لِمَا ذُكِرَ اِذْ قَدَّرْنَاهُ لٰكِنْ مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ يَّنْفَعُهٗ ذٰلِكَ۔ (3)

جسے سانپ نے ڈس لیا ہو اسے بھی سلیم کہتے ہیں۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا یہاں سَلِیْم لَدِیْغ کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ یعنی وہ شخص جس کا دل سانپ کے ڈسے ہوئے کی طرح ہر وقت اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے خوف سے پھڑکتا اور تڑپتا رہتا ہو وہی روزِ حشر کامیاب ہوگا۔

وَقَالَ الْجُنَيْدُ: اَلسَّلِيْمُ فِی اللُّغَةِ اللَّدِيْغُ فَمَعْنَاهُ اَنَّهٗ قَلْبٌ كَاللَّدِيْغِ مِنْ خَوْفِ اللّٰهِ (قرطبی) (4)

۵۵ متقی لوگوں اور سرکشوں کے ساتھ جو سلوک کیا جائے گا ان آیات میں اس کا ذکر ہے۔

۵۶ صاحبِ قاموس لکھتے ہیں: كَبَّ، اَكَبَّ، وَكَبْكَبَ سب کا ایک معنی ہے۔ یعنی سر کے بل اوندھا کر کے نیچے پھینک دینا (5)۔ علامہ بیضاوی لکھتے ہیں کہ كَبَّ کو مکرر کر کے كَبْكَبَ بنایا گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب انہیں دوزخ میں پھینکا جائے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 114
2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 74
3۔ حاشیہ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 26
4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 114
5۔ القاموس المحیط، ج 1، ص 218

وَهُمۡ فِيۡهَا يَخۡتَصِمُوۡنَ ﴿۹۶﴾ تَاللّٰهِ اِنۡ كُنَّا لَفِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۹۷﴾ اِذۡ

اس حال میں کہ وہ دوزخ میں باہم جھگڑ رہے ہونگے ۵۷۔ خدا کی قسم! ہم کھلی گمراہی میں گرفتار تھے ۵۸ جب ہم

نُسَوِّيۡكُمۡ بِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۹۸﴾ وَمَاۤ اَضَلَّنَاۤ اِلَّا الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿۹۹﴾ فَمَا لَنَا

تمہیں رب العٰلمین کے برابر بناتے ہوتے تھے۔ اور نہیں گمراہ کیا ہمیں مگر ان نامی مجرموں نے۔ تو آج نہیں ہے

مِنۡ شَافِعِيۡنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَا صَدِيۡقٍ حَمِيۡمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَوۡ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوۡنَ

ہمارا کوئی سفارشی ۵۹ اور نہ کوئی غمخوار دوست۔ پس اگر ہمارے اختیار میں ہوتا (دنیا میں) واپس جانا تو

مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكۡثَرُهُمۡ

ہم اہل ایمان سے ہوتے۔ بیشک اس واقعہ میں (عبرت کی) نشانی ہے اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان

مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الرَّحِيۡمُ ﴿۱۰۴﴾ كَذَّبَتۡ قَوۡمُ نُوۡحِ

لانے والے۔ اور (اے حبیب!) بیشک آپ کا رب ہی سب پر غالب ہمیشہ رحم فرمانیوالا ہے۔ جھٹلایا قوم نوح نے اللہ کے

گا تو لڑھکنیاں کھاتے ہوئے نیچے جا گریں گے (1)۔ هُمۡ کی ضمیر کا مرجع جھوٹے معبود ہیں۔ یعنی جھوٹے معبود، ان کے پرستار، ابلیس اور اس کے معاون و مددگار سب کو دوزخ میں الٹا کر کے پھینک دیا جائے گا۔ (2)

۵۷ وہاں بتوں اور اُن کے پجاریوں، ابلیس اور اس کے پیروکاروں میں نوک جھونک شروع ہو جائے گی۔

۵۸ پجاری کہیں گے ہم نے تمہیں پروردگارِ عالم کا ہم پلہ اور برابر یقین کر کے اپنے اوپر ظلمِ عظیم کیا تھا۔ اِذۡ نُسَوِّيۡكُمۡ فِى الۡعِبَادَةِ (قرطبی) (3) فِى اسۡتِحۡقَاقِ الۡعِبَادَةِ (مظہری) (4) یعنی ہم تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرح عبادت کا مستحق سمجھتے تھے۔

۵۹ وہ بصد حسرت کہیں گے: جس طرح اہلِ ایمان کی شفاعت ان کے نبی، فرشتے اور نیک مسلمان کر رہے ہیں۔ کاش! ہمارا بھی کوئی ایسا شفیع ہوتا۔ کاش! ہمارا بھی کوئی ایسا قریبی دوست ہوتا۔ حضرت حسن بصریؒ کا ارشاد ہے اِسۡتَكۡثِرُوۡا مِنَ الۡاَصۡدِقَاۗءِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ فَاِنَّ لَهُمۡ شَفَاعَةً يَّوۡمَ الۡقِيَامَةِ۔ (مظہری) (5)

یعنی اہل ایمان کو کثرت سے دوست بنایا کرو کیونکہ قیامت کے دن انہیں شفاعت کرنے کا اذن دیا جائے گا۔

۶۰ اے محبوب! آپ کا پروردگار عزیز ہے۔ وہ چاہے تو دم بھر میں ان کی ساری نخوتوں کو پامال کر کے رکھ دے۔ لیکن وہ عزیز

1۔ تفسیر بیضاوی، ص 491
2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 74
3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 116
4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 74
5۔ ایضاً، ج 7، ص 75

الْمُرْسَلِيْنَ ۝١٠٥ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوْهُمْ نُوْحٌ أَلَا تَتَّقُوْنَ ۝١٠٦ إِنِّيْ لَكُمْ

رسولوں کو ۶۱ جب کہا انھیں ان کے بھائی نوح نے کیا تم ڈرتے نہیں ہو ۶۲ بیشک میں تمہارے لیے

رَسُوْلٌ أَمِيْنٌ ۝١٠٧ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْنِ ۝١٠٨ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ

رسول امین ہوں ۶۳ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو۔ اور میں نہیں طلب کرتا تم سے اس (تبلیغ)

أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١٠٩ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْنِ ۝١١٠

پر کوئی اُجرت۔ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔ پس تم ڈرو اللہ سے اور میری پیروی کرو۔

قَالُوْا أَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْأَرْذَلُوْنَ ۝١١١ قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا

انھوں نے کہا کیا ہم (قوم کے رئیس) ۶۴ ایمان لائیں تجھ پر حالانکہ تمہاری پیروی صرف گھٹیا لوگ کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے کیا خبر کہ وہ کس

ہونے کے ساتھ رحیم بھی ہے۔ اسی لیے انہیں مہلت پر مہلت دی جا رہی ہے، شاید ان میں سے کوئی کسی وقت دینِ حق کو قبول کر لے یا ان کی اولاد میں سے کوئی مسلمان ہو جائے۔ اَلْعَزِیْزُ الْقَادِرُ عَلَی الْاِنْتِقَامِ۔ اَلرَّحِیْمُ بِاِمْہَالِ الْکُفَّارِ لِکَیْ یُّؤْمِنُوْا بِہٖ ھُمْ اَوْ وَاحِدٌ مِّنْ ذُرِّیَّتِھِمْ (مظہری) (1)

۶۱ اب نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے حالات پر روشنی ڈالی جا رہی ہے۔

۶۲ یہ اخوت اور بھائی چارہ نسبی ہے، دینی نہیں (2)۔ نیز آپ کو ان کا بھائی کہہ کر اس جذبۂ اخلاص و خیر خواہی کی طرف بھی اشارہ کر دیا جو ایک بھائی کے دل میں اپنے بھائیوں کے متعلق فطری طور پر پایا جاتا ہے۔ بتا دیا کہ یہ کوئی اجنبی نہیں جسے تمہاری خوشی اور غم سے کوئی واسطہ نہ ہو بلکہ یہ تمہارا بھائی بند ہے۔ تمہاری فلاح اور کامیابی اس کے لیے فرحت و انبساط کا باعث ہے اور تمہاری گمراہی سے اس کے دل میں درد و غم کی لہریں اٹھنے لگتی ہیں۔

۶۳ میری صداقت اور امانت کے تم خود گواہ ہو اب میری بات ماننے میں کیوں پس و پیش کر رہے ہو۔ میں تو تمہیں اپنے مالک حقیقی کی ناراضگی سے ڈرنے کی تلقین کرتا ہوں۔ میرے پیشِ نظر کوئی ذاتی اور مادی منفعت نہیں۔ میں تم سے کسی اجر اور معاوضہ کا مطالبہ نہیں کروں گا۔ میری ان دلسوزیوں پر میرا خدا ہی مجھے اجر دے گا۔

۶۴ وہ کہنے لگے آپ پر ایمان لانے والے سب کے سب ایسے لوگ ہیں جو خاندانی لحاظ سے بڑے گھٹیا ہیں۔ مالی لحاظ سے بڑے مفلس اور کنگال ہیں۔ معاشرہ میں انہیں کوئی عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ ایسے کمین اور پسماندہ لوگوں کے پیشوا پر ایمان لا کر ہم اپنی سبکی نہیں کر سکتے۔ اَرْذَلُوْنَ، اَرْذَل کی جمع ہے۔ اس کی جمع تکسیر اَرَاذِل ہے۔ مونث رُذْلٰی اور جمع رُذَلٌ (قرطبی) (3)۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 75 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 119

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١١٢﴾ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿١١٣﴾ وَ

نیت سے ایمان لاتے ہیں ۶۵ ان کا حساب تو میرے رب کے ذمہ ہے۔ اگر تمہیں (حقیقت کا) شعور ہے۔ اور

مَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٤﴾ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١١٥﴾ قَالُوْا لَئِنْ

نہیں ہوں میں دُور بھگانے والا (غریب و مسکین) مومنوں کو ۶۶ نہیں ہوں میں مگر (عذاب سے) صاف صاف ڈرانے والا ۶۷ ان (مغروروں) نے

لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿١١٦﴾ قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ

نے کہا اے نوح! اگر تم باز نہ آتے (تو یاد رکھو) تمہیں ضرور سنگسار کر دیا جائے گا ۶۸ آپ نے عرض کی میرے مالک!

كَذَّبُوْنِ ﴿١١٧﴾ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ

میری قوم نے تو مجھے جھٹلا دیا ہے، بس تو فیصلہ فرما دے میرے اور انکے درمیان جو قطعی ہو ۶۹ اور (اپنے عذاب سے) نجات دے مجھے

اس کا معنی صاحب قاموس نے اَلدُّوْنُ، اَلْخَسِيْسُ کیا ہے (1)۔ قَالَ الْبَيْضَاوِيُّ اَلْاَقَلُّوْنَ جَاهًا وَّ مَالًا (2): یعنی جاہ و مال میں سب سے کمتر کو ارذل کہتے ہیں۔

۶۵ اس جملہ کی متعدد تشریحیں کی گئی ہیں (۱) ان کے پیشے اور حرفت گھٹیا سہی لیکن مجھے ان سے کیا سروکار۔ میں اتنا جانتا ہوں کہ انہوں نے میری دعوت قبول کر لی ہے اور دینِ اسلام میں داخل ہو گئے ہیں (۲) کفار ان ایمان لانے والوں پر یہ اعتراض بھی کیا کرتے کہ ان لوگوں نے اس دین کو اس لیے قبول نہیں کیا کہ یہ دینِ حق ہے بلکہ وہ اس طرح اپنی تشہیر اور چرچا چاہتے ہیں، تاکہ جس محفل میں یہ دین موضوعِ بحث بنے ان کا ذکر بھی کیا جائے، ان کا نام بھی لیا جائے کہ فلاں فلاں شخص نے یہ دین قبول کر لیا ہے۔ اس جملہ سے ان کے اس اعتراض کا رد ہے کہ تم ان کی نیت پر شبہ کرتے ہو تو کرو مجھے تو اس سے بحث نہیں۔ دلوں اور نیتوں کو اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے۔ میں تو اتنا جانتا ہوں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید کو مانا، اس کے دین کو قبول کیا۔

۶۶ انہوں نے مطالبہ کیا ہوگا کہ ان ناداروں کو اپنے پاس سے اٹھا دو تب ہم آپ کے پاس آ سکتے ہیں۔ ان کے پہلو بہ پہلو بیٹھنا ہمارے لیے ننگ و عار کا موجب ہے۔ آپ نے انہیں جواب دیا کہ میں ان لوگوں کو جو دولتِ ایمان سے مالا مال ہیں، اپنی محفل سے نہیں نکال سکتا۔ تمہارے نزدیک عز و شرف کا معیار دولت کی کثرت ہے تو ہوا کرے، میرے نزدیک ایمان سے گراں بہا اور عزیز تر متاع کوئی نہیں۔ کفارِ مکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے بھی اسی قسم کا مطالبہ کیا کرتے تھے۔

۶۷ میرا کام ہر ایک کو خدا کی نافرمانی کے انجام سے ڈرانا ہے۔ کوئی امیر ہو یا غریب، معزز و محترم ہو یا حقیر و بے نوا، میری دعوت سب کے لیے عام ہے۔ جس کا جی چاہے قبول کرے اور جس کا جی چاہے رد کر دے۔ لیکن میں کوئی نامعقول شرط قبول

1۔ القاموس المحیط، ج 2، ص 1329 | 2۔ تفسیر بیضاوی، ص 492

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٨﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿١١٩﴾ ثُمَّ

اور جو میرے ساتھ ہیں اہلِ ایمان سے پس ہم نے نجات دی انھیں اور جو آپ کے ہمراہ اس کشتی میں تھے جو کھچا کھچ بھری ہوئی تھی

اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ ﴿١٢٠﴾ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

پھر ہم نے غرق کر دیا اسکے بعد پیچھے رہ جانے والوں کو۔ یقیناً اس واقعہ میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے۔ اور نہیں تھے ان میں سے اکثر

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٢١﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٢٢﴾ كَذَّبَتْ عَادُ ِۨ

لوگ ایمان لانے والے۔ اور بیشک آپ کا رب ہی سب پر غالب ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ جھٹلایا عاد نے (اپنے)

الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٢٣﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٢٤﴾ اِنِّىْ لَكُمْ

رسولوں کو ٧٠ جب فرمایا انھیں ان کے بھائی ہود نے کیا تم (خدا سے) نہیں ڈرتے ٧١ بیشک میں تمہارے لیے

رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٢٥﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٢٦﴾ وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ

رسول امین ہوں ٧٢ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اور میں نہیں طلب کرتا تم سے اس (خدمت)

کرنے کے لیے تیار نہیں۔

٦٨ کفر اور باطل کی یہی دیرینہ عادت ہے۔ جب وہ دلائل کے میدان میں حق کو نیچا نہیں دکھا سکتا تو وہ طاقت کے بل بوتے پر اسے دبانا چاہتا ہے۔ چنانچہ اب وہ آپ کو دھمکیاں دینے پر اتر آئے ہیں۔

٦٩ جب آپ ان کے ایمان لانے سے بالکل مایوس ہو گئے تو آپ نے یہ دعا کی۔ یہاں فَتْحٌ کا معنی قطعی فیصلہ ہے۔ مَشْحُوْنٌ: مَمْلُوٌّ۔ بھری ہوئی۔ کشتی میں جو چیز لادی جائے: انسان، حیوان یا دیگر سامان اسے شَحْنَةُ الْفُلْكِ کہتے ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ضیاء القرآن، جلد دوم، سورۃ الاعراف، آیات ۵۹ تا ۶۴ (1)

٧٠ قوم عاد کا ذکر قرآن کریم میں متعدد مقامات پر آیا ہے جن کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ نوح علیہ السلام کی قوم کی غرقابی کے بعد انہیں عروج حاصل ہوا۔ جسمانی ڈیل ڈول اور قوت و صحت میں یہ بے نظیر تھے۔ فنِ تعمیر میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔ مزید تفصیل کے لیے ضیاء القرآن، جلد دوم، الاعراف کی آیات ۶۵ تا ۷۲ ملاحظہ ہوں۔ (2)

٧١ آپ کی اخوت کا ذکر اس لیے کیا گیا تاکہ ان پر آپ کا اخلاص اور خیر اندیشی واضح ہو جائے۔

٧٢ آپ نے بھی اپنی صداقت کے لیے اپنی گزشتہ زندگی کو بطورِ گواہ پیش کیا۔ جب کل تک میرا دامن ہر قسم کی آلائشوں سے

1۔ ضیاء القرآن، ج 2، ص 45-41
2۔ ایضاً، ج 2، ص 48-45

اَجۡرٍ ۚ اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۲۷﴾ؕ اَتَبۡنُوۡنَ بِکُلِّ رِیۡعٍ

کا کوئی صلہ۔ میرا اجر تو اس پر ہے جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔ کیا تم تعمیر کرتے ہو ہر اونچے مقام پر ایک

اٰیَۃً تَعۡبَثُوۡنَ ﴿۱۲۸﴾ۙ وَ تَتَّخِذُوۡنَ مَصَانِعَ لَعَلَّکُمۡ تَخۡلُدُوۡنَ ﴿۱۲۹﴾ۚ وَ اِذَا

یادگار بے فائدہ ۳۷ اور اپنی رہائش کے لیے بناتے ہو مضبوط محلات اس امید پر کہ تم ہمیشہ رہو گے۔ اور جب تم کسی

بَطَشۡتُمۡ بَطَشۡتُمۡ جَبَّارِیۡنَ ﴿۱۳۰﴾ۚ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوۡنِ ﴿۱۳۱﴾ۚ وَ اتَّقُوا

پر گرفت کرتے ہو تو بڑے ظالم و بیدرد بن کر ۳۸ گرفت کرتے ہو پس (اب تو) اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ۳۹ اور

پاک رہا۔ تم خود میری اخلاقی برتری اور دیانت کو تسلیم کرتے رہے ہو، میں ایک رات میں بدل تو نہیں گیا۔ حسب سابق آج بھی تم سے سچی بات کہہ رہا ہوں اور تمہاری بھلائی ہی میرے پیش نظر ہے۔ یہ وعظ و نصیحت میں نے پیشہ کے طور پر اختیار نہیں کیا کہ تم سے اجرت اور فیسیں لیا کروں۔ میری اس محنت اور اخلاص کی قدر فرمانے والا رب العلمین ہے۔

۳۷ ریْعٌ اونچی جگہ کو بھی کہتے ہیں اور وہ راستہ جو دو پہاڑیوں کے درمیان سے گزر رہا ہو اس کو بھی ریْعٌ کہا جاتا ہے۔ اَلرِّیْعُ مَا ارْتَفَعَ مِنَ الْاَرْضِ وَقَالَ مُجَاهِدٌ هُوَالْفَجُّ بَیْنَ الْجَبَلَیْنِ (قرطبی) (1) ان کا یہ دستور تھا جہاں کہیں اونچا ٹیلہ نظر آیا وہاں بطور یادگار کوئی عمارت تعمیر کر دی تا کہ ان کا نام زندہ رہے۔ نیز وہ اپنی رہائش کے لیے بڑی بڑی کشادہ حویلیاں اور شاندار محلات تعمیر کرتے اور ان کی مضبوطی اور زیب و زینت پر پانی کی طرح روپیہ بہاتے۔ حضرت ہود علیہ السلام ان دونوں باتوں پر انہیں سرزنش کر رہے ہیں۔ یعنی ایسی یادگاریں بنانا اور ان پر زرِ کثیر صرف کرنا جن کا کوئی فائدہ نہ ہو قطعاً قرینِ دانشمندی نہیں۔ اور اسی طرح ایک دوسرے سے بازی لے جانے کے شوق میں اونچے اونچے محل تعمیر کرنا اور اپنی امارت کی نمائش کے لیے ان پر دولت صرف کرنا بڑی نامعقول حرکت ہے۔ اگر تمہارے پاس دولت کی فراوانی ہے تو اس سے اپنے نادار اور غریب پڑوسیوں اور ہم وطنوں کی خدمت کرو۔ ان کے لیے آسائش کے سامان فراہم کرو۔ اسی میں تمہاری فلاحِ دارین ہے۔ تم ان مکانوں میں ہمیشہ نہیں رہو گے بلکہ تمہیں ایک نہ ایک دن یقیناً یہاں سے کوچ کرنا ہے۔ جب موت کی اٹل گھڑی آ پہنچے گی تو ان مکانوں کو چھوڑتے ہوئے تمہیں بڑا دکھ ہو گا۔ ان شاندار اور فلک بوس محلات کو دیکھ کر تمہارا دل ٹکڑے ٹکڑے ہونے لگے گا (2)۔ مَصَانِعَ اَیْ مَنَازِلَ، رہائش کے مکانات وَقِیْلَ حُصُوْنًا مُّشَیَّدَةً یعنی مضبوط قلعے، وَقِیْلَ قُصُوْرًا مُّشَیَّدَةً: پختہ محلات (3)۔ حضور نبی کریم نے رہائشی مکانات پر تکلف بنانے کو ناپسند فرمایا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِبَعْضِ جَسَدِیْ فَقَالَ كُنْ فِی الدُّنْیَا كَاَنَّكَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ وَّعُدَّ نَفْسَكَ مِنْ اَصْحَابِ الْقُبُوْرِ۔ (رواہ البخاری) (4)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 23-122 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 77 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 123

4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 78۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم کن فی الدنیا کانک غریب، ج 2، ص 949۔ جامع ترمذی، ابواب الزہد، باب ماجاء فی قصر الامل، ج 2، ص 57

الَّذِیْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِیْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَجَنّٰتٍ

ڈرو اس ذات سے جس نے مدد کی ہے تمہاری ان چیزوں سے جن کو تم جانتے ہو ۶؎ (یعنی) اس نے مدد فرمائی ہے تمہاری مویشیوں اور فرزندوں سے

وَّعُیُوْنٍ ﴿۱۳۴﴾ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۳۵﴾ قَالُوْا سَوَآءٌ

اور باغات اور چشموں سے ۷؎ میں ڈرتا ہوں کہ تم پر بڑے دن کا عذاب نہ آ جائے۔ انہوں نے کہا یکساں ہے ہمارے

عَلَیْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِیْنَ ﴿۱۳۶﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ

لیے خواہ آپ نصیحت کریں یا نہ ہوں آپ نصیحت کرنے والوں سے ۸؎ نہیں ہے یہ (محلات کا شوق)

"حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھے پکڑا اور ارشاد فرمایا کہ دنیا میں اس طرح زندگی بسر کر گویا تو غریب الوطن ہے یا راہ رو مسافر، اور اپنے آپ کو اصحابِ قبور سے شمار کر۔"

۴؎ ایک طرف تو ان کی دریادلی کا یہ حال کہ بے مصرف یادگاریں، وسیع حویلیاں اور شاندار مکانات تعمیر کرنے میں بے دریغ روپیہ صرف کرتے اور دوسری طرف ان کی سنگدلی کا یہ عالم کہ اُن کی زد سے نہ اپنے محفوظ تھے نہ بیگانے۔ جو قابو میں آ گیا تیغ جفا سے اس کا کام تمام کر دیا۔ کسی سے کوئی ناپسندیدہ حرکت سرزد ہو گئی تو وہ خونخوار بھیڑیے کی طرح اس پر ٹوٹ پڑے۔ اتنے آتشیں مزاج تھے اور طبیعتوں میں انتقام کا جذبہ اتنا شدید تھا کہ گویا رحم و کرم، عفو و درگزر کا انہوں نے کبھی نام بھی نہیں سنا۔ اَلْبَطْشُ: اَلْاَخْذُ بِالْعُنْفِ بڑی بے رحمی سے گرفت کرنا (1)۔ جبّار اس متکبر کو کہتے ہیں جس کے دل میں کسی کے لیے رحم کا جذبہ نہ پایا جائے۔ اَلْجَبَّارُ اَلْمُتَكَبِّرُ وَقَلْبٌ لَّا یَدْخُلُهٗ رَحْمَةٌ (2)۔ قرآن کریم نے ان کے جو اطوار بیان کیے ہیں ان کے آئینے میں آپ ان کے کردار اور معاشرہ کے خدوخال کو بخوبی دیکھ سکتے ہیں۔ اپنی نمود و نمائش پر جب خرچ کرنے کا موقع آتا ہے تو خزانوں کے منہ کھول دیتے ہیں لیکن کسی دردمند کو دیکھ کر، کسی آشفتہ حال کو دیکھ کر ان کے دل میں ہمدردی کا جذبہ پیدا ہو یہ ناممکن ہے۔ جاہ پسند و دنیا پرست قوموں میں یہی قدرِ مشترک ہے۔

۵؎ ان کی خرابیوں کا ذکر فرمانے کے بعد حضرت ہودؑ انہیں خدا کا خوف دلاتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کا غضب جوش میں آئے اور تمہاری اینٹ سے اینٹ بجا دے۔ اور اپنی اطاعت و پیروی کا حکم دیتے ہیں۔ کیونکہ ان کی نجات کا راز اسی میں مضمر ہے کہ وہ اپنے نبی کا دامن پکڑ لیں اور اس کے نقشِ قدم کو اپنا خضرِ راہ بنائیں۔

۶؎ دوبارہ تاکید فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے باز آؤ جس نے تمہیں طرح طرح کی عنایات اور احسانات سے سرفراز فرمایا ہے۔ جنہیں تم خوب جانتے ہو۔ ایسے مُنعم اور مُحسن کی حکم عدولی تمہیں زیب نہیں دیتی۔

۷؎ ان انعامات کا اب تفصیلی ذکر فرما دیا۔ سورۃ الاعراف کے حواشی میں بتایا گیا ہے کہ یہ قوم احقاف کے علاقہ میں آباد تھی۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 124
2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 78

الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٣٧﴾ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿١٣٨﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ۭ اِنَّ فِيْ

مگر ہمارے اسلاف کا دستور۷۹ (آپ فکر نہ کریں) ہمیں عذاب نہیں دیا جائیگا پس انھوں نے آپ کو جھٹلایا اس لیے ہم نے انھیں ہلاک کر

ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٩﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ

دیا۸۰ بیشک اس میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے۔ اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانیوالے۔ اور بیشک آپ کا رب ہی سب پر غالب

ان کا پایہ تخت حضر موت تھا۔ یہ علاقہ اس وقت بڑا زرخیز اور شاداب تھا اور بعد میں جب ان کی پیہم سرکشیوں کے باعث ان پر عذابِ الٰہی آیا تو یہ علاقہ بنجر بن کے رہ گیا۔ جہاں کبھی آباد شہر، بارونق بستیاں اور پھلدار درختوں کے باغات تھے اب وہاں خاک اڑ رہی ہے۔ ہر طرف ریگستان ہی ریگستان نظر آتے ہیں (1)۔ وَكَانَتْ مَنَازِلُ عَادٍ مَا بَيْنَ عَمَّانَ اِلٰى حَضْرَمَوْتَ اَمْرَعَ الْبِلَادِ فَجَعَلَهَا اللّٰهُ مَفَاوِزَ وَرِمَالًا (بحر) (2) قومِ عاد عمان اور حضر موت کے درمیانی علاقہ میں آباد تھی جو بڑا سرسبز و شاداب تھا پھر اسے اللہ تعالیٰ نے جنگل اور صحرا بنا دیا۔

۷۸ انہوں نے حضرت ہود کی دعوت کو ٹھکرا دیا اور صاف صاف کہہ دیا کہ آپ خواہ مخواہ سر کھپا رہے ہیں ہم آپ کی کوئی بات ماننے کے لیے تیار نہیں۔

۷۹ یہاں خلق میں دو قرائتیں ہیں خَلْقُ اور خُلُقُ۔ پہلی صورت میں اس کا معنی اختلاق یعنی جھوٹی گھڑی ہوئی بات اور دوسری صورت میں اطوار و عادات (3)۔ آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ تم جو دھمکیاں ہمیں دے رہے ہو کہ اگر ہم نے تمہاری دعوت قبول نہ کی تو ہم پر آسمان ٹوٹ پڑے گا اور ہم تباہ و برباد ہو جائیں گے یہ محض کذب وافتراء اور من گھڑت افسانے ہیں۔ تمہاری قماش کے لوگ پہلے بھی ہمارے آباؤ اجداد کو ایسے جھوٹ گھڑ گھڑ کر ڈرایا کرتے تھے۔ تم نے بھی وہی روش اختیار کر رکھی ہے۔ خود تو اپنی خشک مزاجی کے باعث زندگی کی ان لذتوں سے محروم ہو۔ اب یہ چاہتے ہو کہ ہم بھی تمہاری طرح سوکھے ٹکڑے کھائیں اور پھٹے ہوئے کپڑے پہنیں اور دنیا کی ان نعمتوں سے لطف اندوز نہ ہوں۔ دوسری صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اس طرح یادگاریں بنانا اور شاندار مکانات تعمیر کرنا اور عیش ونشاط کی محفلوں میں دادِ عیش دینا ہمارے اسلاف کا وطیرہ رہا ہے۔ ہم تو انہی کی پیروی کر رہے ہیں۔ اگر یہ کام اتنے ہی قابلِ گرفت اور برے ہیں تو ان پر عذاب آیا ہوتا۔ آج تک تو وہ عذاب آیا نہیں، تم یقین رکھو کہ ہم پر بھی نہیں آئے گا۔ خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ اَيِ اخْتِلَاقُهُمْ وَكَذِبُهُمْ وَالْعَرَبُ تَقُوْلُ حَدَّثَنَا فُلَانٌ بِاَحَادِيْثِ الْخُلُقِ اَيْ بِالْخُرَافَاتِ وَخُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ مَعْنَاهُ عَادَتُهُمْ۔ (4)

۸۰ آخر ان کی تباہی کا وقت آ گیا۔ اُفق پر ایک کالی گھٹا نمودار ہوئی۔ اسے دیکھ کر ان کے دل باغ باغ ہو گئے۔ سمجھے کہ موسلا دھار مینہ برسے گا اور خوشحالی کا دور دورہ ہوگا۔ لیکن وہ گھٹا تو قہر الٰہی بن کر آئی تھی۔ آٹھ دن اور سات راتیں گرم لو کا جھکڑ چلتا رہا۔ وہ اتنا تند و تیز تھا کہ ان کی مضبوط عمارتیں بنیادوں سے اکھڑ گئیں۔ اور اس میں اتنی بلا کی تپش تھی کہ سرسبز کھیت خاکستر بن گئے۔ باغات اور تناور درخت یوں بوسیدہ ہو گئے، معلوم ہوتا تھا کہ صدیوں پرانے ہیں۔ قرآنِ کریم میں سورۃ الحاقہ میں اس عذاب کا

1۔ ضیاء القرآن، تفسیر سورۂ اعراف، ج 2، ص 45، حاشیہ 88 2۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 32 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 125 4۔ ایضاً

الرَّحِيْمُ ﴿١٤٠﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٤١﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ

ہمیشہ رحم فرمانیوالا ہے۔ جھٹلایا قوم ثمود نے رسولوں کو ٨١ جب کہا انھیں ان کے بھائی صالح نے

اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٤٢﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿١٤٣﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿١٤٤﴾ وَ

کیا تم (قہر الٰہی سے) نہیں ڈرتے۔ میں تمھارے لیے رسول امین ہوں۔ سو ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میری پیروی کرو۔ اور

مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿١٤٥﴾

میں نہیں طلب کرتا تم سے اس پر کوئی معاوضہ۔ میرا معاوضہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔

اَتُتْرَكُوْنَ فِیْ مَا هٰهُنَاۤ اٰمِنِیْنَ ﴿١٤٦﴾ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ﴿١٤٧﴾ وَّ زُرُوْعٍ

کیا تمھیں رہنے دیا جائیگا اس (عیش و طرب) میں جس میں تم یہاں ہو امن سے۔ ان باغات میں اور چشموں میں اور (شاداب)

وَّ نَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِیْمٌ ﴿١٤٨﴾ وَ تَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا فٰرِهِیْنَ ﴿١٤٩﴾

کھیتوں میں اور کھجور کے درختوں میں جنکے شگوفے بڑے نرم و نازک ہیں ٨٢ اور تراشتے رہو گے پہاڑوں میں گھر ماہر (سنگتراش) بنتے ہوئے ٨٣

ذکر اس طرح فرمایا " وَ اَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِیْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِیَةٍ ﴿٦﴾ سَخَّرَهَا عَلَیْهِمْ سَبْعَ لَیَالٍ وَّ ثَمٰنِیَةَ اَیَّامٍ ۙ حُسُوْمًا ۙ فَتَرَی الْقَوْمَ فِیْهَا صَرْعٰی ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِیَةٍ ﴿٧﴾ (ملاحظہ ہو ضیاء القرآن، جلد پنجم، الحاقہ، آیت ٦ تا ٧)۔ (1)

٨١ اب قومِ ثمود کا ذکر ہو رہا ہے جس نے اپنے مخلص نبی کی مخلصانہ دعوت کو اسی رعونت سے ٹھکرا دیا جس طرح پہلی قوموں نے اپنے انبیاء کی دعوتوں کو ٹھکرا یا تھا۔ حضرت صالح علیہ السلام بھی پہلے اپنی قوم کو اپنی دیانت، پاکبازی اور خیر اندیشی کا یقین دلاتے ہیں اور انہیں بتاتے ہیں کہ میں تم سے کسی مادی منفعت کا خواستگار نہیں۔ میرے پیشِ نظر محض تمہاری خیر خواہی ہے۔ میری یہ دلی آرزو ہے کہ تم رشد و ہدایت کی راہ پر چلو۔ تمہارا دل نورِ ایمان سے منور ہو۔ تمہارا تمدن فسق و فجور، ظلم و طغیان اور بے جا نمود کے امراض سے پاک ہو۔ تم نیکی اور تقویٰ کی زندگی بسر کرو۔ تمہاری قوتیں، تمہارے مادی وسائل اور فنی مہارت اس طرح استعمال ہو جس سے خستہ حالوں اور آشفتہ دلوں کو سکون نصیب ہو، قوم کے کمزور افراد کو سہارا ملے۔ لیکن جو قوم عرصۂ دراز سے بے راہ روی کی خوگر ہو چکی تھی اسے ایسے مواعظ سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی؟ چنانچہ انہوں نے آپ پر طرح طرح کے الزامات لگائے، تکلیفیں پہنچائیں اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا مذاق اڑایا اور ان کی تحقیر کی۔ آخر کار ان سرکشوں کا وہی نتیجہ نکلا جو ایسے افعال کا نکلا کرتا ہے۔

٨٢ ان باغات، بہتے ہوئے چشموں، کھیتوں اور پھل سے لدے ہوئے نخلستانوں کو دیکھ کر تم پھولے نہیں سماتے۔ کیا تم یہ سمجھ

1۔ ضیاء القرآن، ج5، ص 49-347

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿۱۵۰﴾ وَ لَا تُطِیْعُوْۤا اَمْرَ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۱۵۱﴾ الَّذِیْنَ

پس ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میرا اتباع کرو۔ اور نہ پیروی کرو حد سے بڑھنے والوں کے حکم کی ۸۴؎ جو فساد

یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَ لَا یُصْلِحُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ

برپا کرتے رہتے ہیں زمین میں اور اصلاح (کی کوشش) نہیں کرتے۔ جواب ملا اے صالح! تم توان لوگوں میں سے ہو جن

الْمُسَحَّرِیْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَاۤ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚۖ فَاْتِ بِاٰیَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ

پر جادو کر دیا گیا ہے ۸۵؎ نہیں ہو تم مگر ایک انسان ہماری مانند ۸۶؎ ورنہ لاؤ کوئی معجزہ اگر تم راست بازوں میں سے

الصّٰدِقِیْنَ ﴿۱۵۴﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّ لَكُمْ شِرْبُ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾

ہو۔ فرمایا یہ ایک اونٹنی ہے۔ ایک دن اس کے پانی پینے کی باری ہے اور ایک مقرر دن تمہاری باری ہے ۸۷؎

بیٹھے ہو کہ تم ہمیشہ اسی طرح ان سے لطف اندوز ہوتے رہو گے اور تمہیں موت کا ذائقہ نہیں چکھنا پڑے گا؟ یہ سراسر تمہاری نادانی ہے۔ ھَضِیْمٌ: یَتَحَشَّمُ فِی الْفَمِ (1)۔ جو مٹھاس سے اتنی نرم اور گداز ہو کہ منہ میں ڈالتے ہی گھل جائے۔

۸۳؎ سنگ تراشی کے فن میں انہیں بڑی مہارت حاصل تھی اس پر انہیں بڑا ناز بھی تھا اور اسی وجہ سے گردونواح میں دور دور تک ان کی شہرت تھی۔ فٰرِهِیْنَ: حَاذِقِیْنَ بِنَحْتِهَا۔ یعنی چٹانیں تراش کر مکان بنانے میں تم بڑے ماہر اور حاذق ہو۔ اس میں دوسری قرأت فَرِهِیْنَ بھی آئی ہے۔ اس کا معنی ہے اَشِرِیْنَ بَطِرِیْنَ: مغرور اور سرکش۔ (2)

۸۴؎ آپ نے ان کے سیاسی لیڈروں پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا۔ یہ تو مفسد لوگ ہیں، ان سے بھلائی کی کوئی توقع نہیں رکھی جاسکتی۔ ایک قبیلہ کو دوسرے قبیلہ سے لڑا کر تماشا دیکھتے ہیں۔ غریبوں اور کمزوروں پر ظلم ڈھاتے ہیں۔ ایسے بگڑے ہوئے لوگ اس قابل نہیں کہ قوم کی قیادت کی باگ ڈور ان کے ہاتھوں میں رہنے دی جائے ورنہ وہ تمہارا بیڑہ غرق کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری پیروی کرو۔ میں تمہیں ہدایت اور راستی کی راہ پر چلاؤں گا۔

۸۵؎ وہ کہنے لگے: صالح! تم عجیب آدمی ہو۔ ہماری ہر بات میں تمہیں کیڑے نظر آنے لگے ہیں۔ ہمیں اپنے بتوں کی پوجا سے منع کرتے ہو۔ ہمیں اپنے لیڈروں سے برگشتہ کرتے ہو۔ ہمارے آدابِ معاشرت تمہیں پسند نہیں اور ہمارے فنِ سنگ تراشی پر بھی تمہیں اعتراض ہے جس کی وجہ سے ہماری شہرت دور دور تک پھیل چکی ہے۔ یقیناً تمہیں کسی نے کچھ کر دیا ہے۔ ورنہ تمہارے جیسا زیرک اور دانشمند آدمی جس سے ہم نے بڑی بڑی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں اس سے ایسے خیالات کا اظہار ممکن نہیں۔

۸۶؎ آپ ہماری طرح بشر ہی تو ہیں۔ ہم آپ کو رسول کیسے مان لیں۔ کوئی معجزہ دکھاؤ جس سے تمہاری صداقت کا ہمیں یقین

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 128 2۔ ایضاً، ص 129

وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵۶﴾ فَعَقَرُوْهَا

اور نہ پہنچانا اُسے کوئی اذیت ورنہ آلے گا تمہیں بڑے دن کا عذاب ۔ ان (بدبختوں) نے اس کی کونچیں کاٹ

فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَ

ڈالیں۔ پھر ہو گئے ندامت (و افسوس) کرنے والے پس آلیا انھیں عذاب نے ۸۸ بے شک اس واقعہ میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے اور

مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۵۹﴾ كَذَّبَتْ

نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے ۔ اور بے شک آپ کا رب ہی عزیز رحیم ہے ۔ جھٹلایا

قَوْمُ لُوْطِ ۨ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۶۰﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۱﴾

قومِ لوط نے اپنے رسولوں کو ۸۹ جب کہا ان سے ان کے بھائی لوط نے، کیا تم (قہرِ الٰہی سے) نہیں ڈرتے ؟

اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۶۲﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَآ اَسْـَٔــلُكُمْ

بیشک میں تمہارے لیے رسولِ امین ہوں ۔ پس ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میری اطاعت کرو ۔ اور میں نہیں مانگتا تم سے

عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۴﴾ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ

اس (تبلیغ) پر کوئی معاوضہ ۔ میرا معاوضہ تو اُس کے ذمہ ہے جو رب العٰلمین ہے ۔ کیا تم بدفعلی کے لیے جاتے ہو مردوں کے پاس

آجائے۔ ۸۷ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ثمودیوں نے آپ سے یہ مطالبہ کیا کہ اس چٹان سے سرخ رنگ کی اونٹنی نکلے جو دس ماہ کی حاملہ ہو اور ہماری آنکھوں کے سامنے بچہ جنے تو ہم تمہیں رسول مان لیں گے۔ آپ نے بارگاہِ الٰہی میں دعا کی۔ وہاں کیا مشکل تھا ان کا مطالبہ پورا کر دیا گیا اور اس چٹان سے ان کی مطلوبہ اونٹنی نکل آئی۔ آپ نے فرمایا: یہ اونٹنی اللہ تعالیٰ کی نشانی ہے۔ اب یوں ہوگا کہ ایک دن تنہا یہ پانی پیے گی اور دوسرے دن تمام انسان اور تمہارے مویشی پانی پییں گے (1)۔ یاد رکھنا اس اونٹنی کو کوئی اذیت نہ پہنچانا ورنہ تمہاری خیر نہیں۔

۸۸ لیکن وہ باز آنے والے کب تھے۔ انہوں نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ پھر بھونچال آیا جس نے ان کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا۔ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ (الاعراف)۔ ملاحظہ ہو ضیاء القرآن، جلد دوم، آیات ۷۳ تا ۷۹۔ (2)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 31-130 ۔ 2۔ ضیاء القرآن، ج 2، ص 52-48

مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦٥﴾ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ

ساری مخلوق سے ۔ اور چھوڑ دیتے ہو جو پیدا کی ہیں تمہارے لیے تمہارے رب نے تمہاری بیویاں ۔ بلکہ تم حد سے

قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿١٦٦﴾ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿١٦٧﴾

بڑھنے والے لوگ ہو۔ وہ (غصہ سے) کہنے لگے (خاموش!)، اے لوط! اگر تم اس سے باز نہ آئے تو تمہیں ضرور ملک بدر کر دیا جائے گا۔

قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿١٦٨﴾ رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦٩﴾

آپ نے فرمایا (سن لو!) میں تمہارے اس (گندے) فعل سے بیزار ہوں۔ میرے مالک! نجات دے مجھے اور میرے اہل و عیال کو اس (کی شامت)

فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٧٠﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿١٧١﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا

سے جو وہ کرتے ہیں۔ سو ہم نے نجات دے دی اسے اور اس کے سب اہل کو۔ سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہنے والوں میں تھی۔ پھر ہم نے نام و نشان مٹا

الْاٰخَرِيْنَ ﴿١٧٢﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَاۗءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿١٧٣﴾

دیا دوسروں کا۔ اور ہم نے برسائی ان پر (پتھروں کی) بارش ٩٠ پس بڑی تباہ کن تھی وہ بارش جو برسی اُن پر جنہیں ڈرایا گیا اور وہ باز

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٧٤﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ

نہ آئے۔ بیشک اس میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے۔ اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے۔ اور بلاشبہ (اے محبوب!) آپ کا

٨٩ سورۃ الاعراف اور سورۂ ہود میں ان کا مفصل تذکرہ گزر چکا ہے۔ ضیاء القرآن، جلد دوم، متعلقہ آیات (1)۔ آپ کا اندازِ تبلیغ بعینہ وہی ہے جو پہلے انبیاء کا تھا۔ مِنَ الْقَالِيْنَ اَيِ الْمُبْغِضِيْنَ وَالْقِلٰى: اَلْبُغْضُ۔ (2)

٩٠ پتھر برسا کر ان کو تباہ و برباد کر دیا گیا۔ بائیبل میں اس عذاب کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا۔ ”تب خداوند نے اپنی طرف سے سدوم اور عمورا پر گندھک اور آگ برسائی۔ اور اس نے ان شہروں کے سب رہنے والوں کو اور سب کچھ جو زمین سے اُگا تھا غارت کیا“۔

”مگر اس کی بیوی نے اس کے پیچھے مڑ کر دیکھا اور وہ نمک کا ستون بن گئی“۔

”اور ابراہیم علیہ السلام صبح سویرے اٹھ کر اس جگہ گیا جہاں وہ خداوند کے حضور کھڑا ہوا تھا۔ اور اس نے سدوم اور عمورا اور ترائی کی ساری زمین کی طرف نظر کی اور کیا دیکھتا ہے کہ زمین پر سے دھواں ایسا اٹھ رہا ہے جیسے بھٹی کا دھواں“۔ (پیدائش، باب ١٩۔ آیات ٢۴ تا ٢٨) (3)

1۔ ضیاء القرآن، سورۂ اعراف، آیات 80 تا 84، ج 2، ص 54-52، سورۂ ہود، آیات 70-69، ج 2، ص 77-376۔ سورۂ ہود، آیات 77 تا 83، ج 2، ص 83-380

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 133 ۔ 2۔ کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ)، پیدائش، باب 19، آیت 24 تا 28، ص 19

لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۷۵﴾ كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْــٔیْكَةِ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۷۶﴾ اِذْ قَالَ

پروردگار ہی عزیز رحیم ہے ۔ جھٹلایا اہلِ اَیکہ نے بھی (اپنے) رسولوں کو ۹۱ جب فرمایا

لَهُمْ شُعَیْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۷۸﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

انھیں شعیب (علیہ السلام) نے کیا تم (قہرِ الٰہی سے) نہیں ڈرتے بیشک میں تمہارے لیے رسول امین ہوں پس ڈرو اللہ تعالیٰ

وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿۱۷۹﴾ وَ مَاۤ اَسْــٴَـلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی

سے اور میری پیروی کرو۔ اور میں نہیں طلب کرتا تم سے اس پر کوئی اجر ۔ میرا اجر تو اس کے ذمہ ہے جو سارے

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۸۰﴾ اَوْفُوا الْكَیْلَ وَ لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِیْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَ زِنُوْا

جہانوں کو پالنے والا ہے ۔ پورا کیا کرو ناپ اور نہ ہو جاؤ کم ناپنے والوں سے ۔ اور وزن کیا کرو

بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ﴿۱۸۲﴾ وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَ لَا تَعْثَوْا

صحیح ترازو سے ۔ اور نہ کم دیا کرو لوگوں کو ان کی چیزیں ، اور نہ پھرا کرو

۹۱ سورۂ اعراف اور سورۂ ہود میں حضرت شعیبؑ، آپ کے مواعظ، آپ کی قوم میں جڑ پکڑنے والے باطل عقائد اور اخلاقی خرابیوں کا تذکرہ گزر چکا ہے (1)۔ یہاں بھی آپ کے مواعظ کا وہی انداز ہے اور اپنے مخاطبین کو انہی خرابیوں سے باز آنے کی پرزور اور مخلصانہ تلقین فرما رہے ہیں جن کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔ اس لیے بعض حضرات نے یہ خیال فرمایا کہ اہلِ مدین اور اصحاب الایکہ ایک ہی قوم کے دو نام ہیں۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ دونوں علیحدہ علیحدہ قومیں تھیں جو الگ الگ علاقوں میں آباد تھیں۔ لیکن چونکہ ان کے علاقے بالکل نزدیک نزدیک تھے اور دونوں قومیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھیں اس لیے دونوں کی ہدایت کے لیے ایک نبی حضرت شعیبؑ کو مقرر فرمایا گیا۔ نیز یہ دونوں قومیں دو بین الاقوامی تجارتی شاہراہوں کے قرب و جوار میں آباد تھیں اور تجارت پیشہ تھیں۔ تاجروں میں جو اخلاقی خرابیاں عام طور پر پائی جاتی ہیں وہ ان میں بطورِ قدرِ مشترک موجود تھیں۔ توحید کے عقیدہ سے دونوں برگشتہ ہو چکی تھیں اور شرک کی لعنت میں گرفتار تھیں۔ اس لیے حضرت شعیب علیہ السلام کے مواعظ ایک ہی طرح کے تھے۔ اَلْاَیْكُ الشَّجَرُ الْمُلْتَفُّ اَلْوَاحِدَةُ اَیْكَةٌ فَهِیَ الْغَیْضَةُ۔ وہ جگہ جہاں گھنے اور گنجان درختوں کا ذخیرہ ہو اسے عربی میں اَیکہ کہتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم جس علاقہ میں آباد تھی وہاں درختوں کے گھنے اور گنجان جھنڈ پائے جاتے تھے اس لیے انہیں

1۔ دیکھئے، ضیاء القرآن، سورۂ اعراف، آیات: 54 تا 60 اور سورۂ ہود، آیات 85 تا 93۔ سورۂ ص، آیات 84 تا 95

فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿۱۸۳﴾ وَاتَّقُوا الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْأَوَّلِينَ ﴿۱۸۴﴾

زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے۔ اور ڈرو اس سے جس نے پیدا فرمایا تمہیں اور (تم سے) پہلی مخلوق کو۔ انہوں

قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ﴿۱۸۵﴾ وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا وَإِنْ

نے (جھٹلا کر) کہا تم تو ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کر دیا گیا ہے ۹۲ اور نہیں ہو تم مگر ایک بشر ہماری مانند ۹۳ اور ہم تو تمہارے

نَظُنُّكَ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿۱۸۶﴾ فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِنَ السَّمَاءِ إِنْ

متعلق یہ خیال کر رہے ہیں کہ تم جھوٹوں میں سے ہو۔ (ہم تمہاری بات نہیں مانتے) لو اب گرا دو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا ۹۴ اگر

كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿۱۸۷﴾ قَالَ رَبِّي أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۸۸﴾ فَكَذَّبُوهُ

تم راست بازوں میں سے ہو۔ آپ نے فرمایا میرا رب خوب جانتا ہے جو تم کر رہے ہو۔ سو انہوں نے جھٹلایا

اصحاب الایکہ کہا گیا اور یہ کسی خاص بستی کا نام نہ تھا لیکن جنہوں نے لیکہ پڑھا ہے ان کا خیال ہے کہ لیکہ ایک بستی کا نام تھا۔ جوہری کی یہ رائے ہے کہ اَیکہ اور لیکہ دونوں ایک ہی بستی کے نام تھے جس طرح مکہ اور بکہ (قرطبی) (1)

جِبِلَّةٌ قَالَ مُجَاهِدٌ هِيَ الْخَلِيْقَةُ (2) یعنی اس رب سے ڈرو جس نے تمہیں بھی پیدا کیا اور تم سے پہلے جو مخلوق گزر چکی ہے اس کا بھی وہی خالق ہے۔

۹۲ ان کی ساری معاشی خوشحالی کا انحصار ان بے ایمانیوں اور دھوکہ بازیوں پر تھا۔ وہ اتنے بھلے مانس کب تھے کہ حضرت شعیبؑ کی نصیحت سن کر ان سے باز آجاتے۔ انہوں نے اپنی غلطی کو غلطی ماننے سے ہی انکار کر دیا اور اس کی اصلاح کی طرف توجہ کرنا ہی مناسب نہ سمجھا۔ الٹا حضرت شعیبؑ پر الزام لگا دیا کہ تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے جبھی تو تم ہمیں ایسے مشورے دے رہے ہو جن پر ہم اگر عمل کریں تو یہ تجارت کی گہما گہمی یا دولت و ثروت کی فراوانی سب کی سب یکدم ختم ہو جائے۔ کوئی ذی شعور آدمی اپنی قوم کو ایسا مشورہ نہیں دے سکتا جو اس کی اقتصادی تباہی کا سبب بنے۔ اے شعیبؑ! یقیناً تمہارا دماغ کام نہیں کر رہا۔ پہلے اپنا علاج کراؤ، پھر آکر ہمیں نصیحت کرنا۔

۹۳ وہی پرانا اعتراض۔

۹۴ جب آپ نے زیادہ اصرار کیا ہوگا کہ ان دھوکا بازیوں سے باز آجاؤ تو انہوں نے سیخ پا ہو کر اور شرم و حیا کی چادر اتار کر کہہ دیا کہ لو ہم تمہاری بات نہیں مانتے اب جو آسمان تم ہم پر گرانا چاہتے ہو گرا دو۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 134 2۔ ایضاً، جز 13، ص 136

فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۸۹﴾

شعیبؑ کو تو پکڑ لیا انھیں چھتری والے دن کے عذاب نے ۹۵ بے شک یہ بڑے دن کا عذاب تھا۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ

بیشک اس میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے۔ اور یقیناً آپ کا رب

لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۹۱﴾ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۹۲﴾ ؕ نَزَلَ بِهِ

ہی سب پر غالب ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اور بلا شبہ یہ کتاب رب العٰلمین کی اُتاری ہوئی ہے ۹۶ اُترا ہے اسے

الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ لا عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ لا بِلِسَانٍ

لے کر رُوح الامین (یعنی جبریلؑ) ۹۷ آپ کے قلب (منیر) پر ۹۸ تاکہ بن جائیں آپ (لوگوں کو) ڈرانے والوں سے۔ یہ ایسی عربی

ع ۱۰ / ۱۴ ، ۱۶

۹۵ اُن پر جو عذاب اترا اس کی صحیح کیفیت کیا تھی اس کا ذکر نہیں فرمایا گیا۔ اس لیے اس کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ کہنا مشکل ہے۔ البتہ ظُلَّة کا لفظ بتا رہا ہے کہ ان پر کوئی ایسا عذاب نازل کیا گیا جس نے چھتری یا سائبان کی طرح ان پر سایہ کر لیا اور پھر وہ ہمیشہ کے لیے تباہ و برباد کر دیے گئے۔

۹۶ سورت کا آغاز اس بات سے ہوا تھا کہ کفار قرآنِ کریم کو اللہ تعالیٰ کا کلام ماننے کے لیے تیار نہیں تھے، جس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت دکھ پہنچتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو مطمئن فرمانے کے لیے متعدد انبیاء اور ان کی قوموں کے حالات بیان فرمائے۔ اب پھر سلسلۂ کلام کفار کے انہی اعتراضات کی طرف لوٹتا ہے کہ یہ کلام کسی انسان کا وضع کردہ نہیں بلکہ اسے اس خدا نے اتارا ہے جو رب العالمین ہے اور اس کی ربوبیت جس نے انسان کی جسمانی ضروریات کو بہم پہنچایا، اس کی شان سے یہ بعید تھا کہ وہ اس کی روحانی ترقی کے لیے کوئی انتظام نہ فرماتا۔ چنانچہ انسان کے اسی روحانی پہلو کو معراجِ کمال تک پہنچانے کے لیے یہ کتابِ مقدس نازل فرمائی۔

۹۷ اور جس فرشتہ کے ذریعے یہ کتاب نازل ہوئی وہ روح الامین ہے۔ یعنی وہ سراپا روحانیت بھی ہے اور امین بھی ہے۔ نہ اس سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ اس نے اپنی طرف سے کوئی ملاوٹ کر دی ہو اور نہ کسی کے لیے یہ ممکن ہے کہ جو چیز اس کی امانت و حفاظت میں دی گئی ہے کوئی اس میں ادنیٰ سا رد و بدل بھی کر سکے۔ مقام کی نزاکت کے پیشِ نظر یہاں جبرئیل، یعنی علم کی جگہ اس کی دو عظیم صفتیں بیان کی گئیں۔

۹۸ یعنی اس کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلبِ منوّر پر ہوا اور جو چیز دل میں اترتی ہے اس میں نہ کسی کمی بیشی کا احتمال ہوتا ہے اور

عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ﴿۱۹۵﴾ وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ﴿۱۹۶﴾ أَوَلَمْ يَكُن لَّهُمْ آيَةً

زبان میں ہے جو بالکل واضح ہے۔ اور اس کا (ذکر خیر) پہلے لوگوں کی کتابوں میں بھی ہے ۹۹ کیا نہیں تھی ان (مشرکین مکہ) کے لیے

نہ یہ امکان ہوتا ہے کہ اس کو صحیح طور پر سمجھا نہ گیا ہو۔ ان آیات کا خلاصہ یہ ہوا کہ اس کتاب کو انسان کی جسمانی اور ظاہری ضروریات کو بہم پہنچانے والے پروردگار نے اس کی روحانی اور باطنی قوتوں کو مرتبہ کمال تک پہنچانے کے لیے اتارا۔ اور اسے لانے والا وہ فرشتہ ہے جو روح الامین کی صفت سے موصوف ہے اور اس کے نزول کی جگہ اللہ تعالیٰ کے محبوب کا قلب مبارک ہے۔ اے کفار! جب حقیقت یہ ہے تو تمہارا اس کتاب مقدس کے متعلق بے تکی باتیں کرنا معقولیت کے سراسر خلاف ہے۔

یہاں یہ بتانا بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ قلبِ اقدس پر نزولِ قرآن کی کیا کیفیت ہوا کرتی تھی۔ علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ صحیح قول یہ ہے کہ جس طرح معانی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا کرتے تھے اسی طرح الفاظ بھی اسی کی طرف سے ہوا کرتے تھے۔ ایسا نہیں تھا کہ صرف معانی کا القا کر دیا گیا ہو۔ اور جبرئیل نے اپنے الفاظ میں انہیں آ کر پیش کیا ہو۔ جب جبرئیل ان الفاظ و معانی کو لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قوائے الٰہیہ قدسیہ کے ساتھ انہیں سنتے اور محفوظ رکھتے۔ اس کا سماع بشری حواس سے نہیں ہوا کرتا تھا۔ اسی وجہ سے نزولِ وحی کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسمِ اطہر پر اغماء کی سی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ وَالْقَوْلُ الرَّاجِحُ اَنَّ الْاَلْفَاظَ مِنْهُ عَزَّوَجَلَّ كَالْمَعَانِيْ لَا مَدْخَلَ لِجِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْهَا اَصْلًا وَّ كَانَ النَّبِيُّ يَسْمَعُهَا وَيَعِيْهَا بِقُوَى الْهِيَّةٍ قُدْسِيَّةٍ لَّا بِسَمَاعِ الْبَشَرِ اِيَّاهَا مِنْهُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَتَنْفَعِلُ عِنْدَ ذٰلِكَ قُوَاهُ الْبَشَرِيَّةُ وَلِهٰذَا يَظْهَرُ عَلٰى جَسَدِهِ الشَّرِيْفِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَظْهَرُ (روح المعانی) (1)۔ اس کی وضاحت کر کے علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ حضور کی دو جہتیں تھیں۔ ایک جہت ملکی جس سے حضور فیضان حاصل کرتے اور ایک جہت بشری جس سے حضور لوگوں کو فیض پہنچایا کرتے۔ اسی لیے یہاں نزول کو قلبِ منور یعنی روح سرورِ عالم سے متعلق کیا ہے۔ کیونکہ وہی صفاتِ ملکی سے متصف ہے۔ لَمَّا كَانَ لَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِهَتَانِ جِهَةٌ مَّلَكِيَّةٌ يَّسْتَفِيْضُ بِهَا مِنَ الرُّوْحِ الْاَمِيْنِ (2)۔ آگے چل کر علامہ موصوف امام اصفہانی کی تفسیر کا حوالہ دیتے ہوئے یہ بیان کرتے ہیں کہ جبریل امین سے وحی قبول کرنے کے دو طریقے تھے۔ ایک یہ کہ حضور جامۂ بشری کو اتار کر صورتِ ملکی کی طرف عروج فرماتے اور جبرئیل سے وحی سنتے۔ دوسرا یہ کہ فرشتہ مقامِ ملکی سے مقامِ بشریت کی طرف نزول کرتا اور حضور کو وہ وحی پہنچاتا۔ وَفِيْ ذٰلِكَ طَرِيْقَتَانِ اَحَدُهُمَا اَنَّ النَّبِيَّ انْخَلَعَ مِنَ الصُّوْرَةِ الْبَشَرِيَّةِ اِلَى الصُّوْرَةِ الْمَلَكِيَّةِ وَاَخَذَهٗ مِنْ جِبْرَئِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَثَانِيَتُهُمَا اَنَّ الْمَلَكَ انْخَلَعَ اِلَى الْبَشَرِيَّةِ حَتّٰى يَاْخُذَ النَّبِيُّ مِنْهُ وَالْاُوْلٰى اَصْعَبُ الْحَالَيْنِ عِنْدَهَا (روح المعانی) (3)۔ علمائے کرام نے تصریح کی ہے کہ بیشتر قرآنِ کریم کا نزول پہلے طریقہ کے مطابق ہوا کرتا تھا۔

۹۹ زُبُرٌ: زَبُوْرٌ کی جمع ہے جس کا معنی کتاب ہے۔ اوّلین سے مراد سابقہ انبیاء و رسل ہیں۔ یعنی اس کتابِ مقدس کا تذکرہ پہلی کتابوں میں مذکور ہے۔ اِنَّهٗ کا مرجع حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ مبارک بھی ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں آیت کا معنی ہوگا کہ جس

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج19، ص121 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، ج19، ص123

اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۹۷﴾ وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ

آپ کی سچائی کی یہ دلیل کہ جانتے ہیں آپ کو بنی اسرائیل کے علماء ۲۰۱ اور اگر ہم اُتارتے قرآن کو کسی غیر عربی

الْاَعْجَمِيْنَ ﴿۱۹۸﴾ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ

پر ۲۰۱ پھر وہ ان کو پڑھ کر سناتا تب بھی وہ ایمان لانے والے نہیں تھے ۔یونہی ہم نے داخل کر دی

فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۰۰﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۲۰۱﴾

ہے انکار کی عادت مجرموں کے دلوں میں ۲۰۲ وہ ایمان نہیں لائیں گے اس پر جب تک دیکھ نہ لیں دردناک عذاب کو۔

رسول کے قلبِ منور پر یہ کتاب نازل کی گئی اس کے محامد و اوصاف سے سابقہ آسمانی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ سب انبیاء نے اپنی امتوں کو حضورؐ کی آمد کی اطلاع دی اور حضورؐ پر ایمان لانے کی تاکید فرمائی۔(1)

۲۰۰ اہلِ مکہ یہود کو صاحبِ کتاب اور اہلِ علم خیال کیا کرتے تھے۔ انہوں نے ایک وفد یثرب کے علمائے یہود کی طرف روانہ کیا تا کہ وہ نبی کریمؐ کے متعلق ان سے کچھ دریافت کریں۔ علمائے یہود نے بتایا: اِنَّ هٰذَا لَزَمَانُهٗ وَاِنَّا لَنَجِدُ فِي التَّوْرَاةِ نَعْتَهٗ وَصِفَتَهٗ (2): کہ ان کے ظہور کا وقت آگیا ہے اور ان کی نعت اور صفات تورات میں موجود ہیں۔ لیکن اہلِ مکہ پھر بھی ایمان نہ لائے۔ آیت میں اسی طرف اشارہ ہے۔

۲۰۱ کفار کا انکار کسی معقول دلیل پر مبنی نہیں تھا۔ ایک ضد تھی جسے وہ نباہ رہے تھے اور اپنے سراسر غلط موقف کو صحیح ثابت کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی اعتراض جڑ دیا کرتے تھے۔ جن میں سے بیشتر کا ذکر گزر چکا ہے۔ ان کا ایک یہ بھی اعتراض تھا کہ حضورؐ خود عربی ہیں اور فصیح و بلیغ بھی ہیں۔ ان کے لیے ایسا کلام بنانا کیا مشکل ہے۔ ان کے رد کے لیے فرمایا جا رہا ہے: اگر ہم کسی عربی کے بجائے کسی عجمی پر بھی یہ کتاب نازل کر دیتے تب بھی تم اس پر ایمان لانے کے لیے تیار نہ ہوتے۔ یہ محض تمہارے بہانے ہیں۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ تم دل سے اس کلام کی عظمت کو تسلیم کرتے ہو لیکن زبان سے اقرار کرنے میں اپنی توہین محسوس کر رہے ہو۔

۲۰۲ یعنی اس کلامِ پاک کی صداقت تمہارے رگ و پے میں سرایت کر گئی ہے۔ تمہارے دل مان چکے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ لیکن کفر اور گمراہی میں تم یہاں تک دور نکل گئے ہو کہ سورج نصف النہار پر چمک رہا ہے اور تمہیں یہ کہتے ہوئے ذرا شرم محسوس نہیں ہوتی کہ ابھی کالی رات ہے۔ وہ دیکھو ستارے ٹمٹما رہے ہیں۔ سَلَكَ کہتے ہیں داخل کرنے کو (3)، اور مجرمین کا لفظ فرما کر قرآن کی دل میں گھر کرنے والی تاثیر کی طرف اشارہ کر دیا۔ بعض علماء نے اس آیت کا معنی یہ کیا ہے کہ سَلَكْنَا التَّكْذِيْبَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ کہ قرآن کریم کے جھٹلانے کو ہم نے ان کے دلوں میں داخل کر دیا ہے۔(4)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 138
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 39-138۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 8-307
3۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 497۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 308
4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 139

فَيَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

سو وہ آئے گا ان پر اچانک اور انہیں اس (کی آمد) کا احساس ہی نہ ہوگا تب (بصد حسرت) کہیں گے کیا ہمیں مزید مہلت ملیگی؟ ۱۰۳

اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ ثُمَّ جَآءَهُمْ

کیا وہ اب ہمارے عذاب کے لیے جلدی مچا رہے ہیں۔ کیا تم نے کچھ غور کیا اگر ہم لطف اندوز ہونے دیں انھیں چند سال پھر دیر عرصہ گزرنے

مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿۲۰۷﴾ وَمَآ اَهْلَكْنَا

کے بعد) آئے ان پر وہ عذاب جس سے انھیں ڈرایا جاتا تھا۔ تو کیا نفع دینگے انھیں (اس وقت) وہ (ساز و سامان) جن سے وہ لطف اندوز ہوتے ۱۰۴

مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿۲۰۸﴾ ذِكْرٰى وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۰۹﴾ وَمَا

رہتے تھے۔ اور نہیں ہلاک کیا ہم نے کسی بستی کو مگر اس کے لیے ڈرانے والے (بھیجے گئے) تھے یاد دہانی کے لیے۔ اور ہم ظالم نہیں تھے۔ اور نہیں اترے

تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۱۰﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۲۱۱﴾ اِنَّهُمْ

اس قرآن کو لے کر شیاطین ۱۰۵ اور نہ یہ ان کے لیے مناسب ہے اور نہ ہی وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں ۱۰۶ انھیں

۱۰۳ اب تو شور مچاتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو ہم پر عذاب کیوں نہیں اترتا لیکن جب عذاب انہیں آ کر گھیر لے گا اس وقت وہ ندامت وحسرت سے گڑگڑائیں گے اور کہیں گے کہ ہمیں تھوڑی سی مہلت اور دے دو۔ ہم اپنی تمام سابقہ غلطیوں کی تلافی کر دیں گے۔ لیکن اس وقت کوئی بات نہ سنی جائے گی۔

۱۰۴ یعنی عرصہ دراز تک اگر وہ ہر طرح کے آرام و آسائش اور ناز و نعم سے زندگی بسر کرتے رہیں۔ پھر جب ان پر عذابِ الٰہی نازل ہوگا تو پہلی ساری عیش و عشرت فراموش ہو جائے گی۔ وہ دولت و ثروت، وہ ساز و سامان، وہ جاہ و حشمت ان کے کسی کام نہیں آئے گی، انہیں کوئی نفع نہیں پہنچائے گی۔ مَا يُغْنِيْ عَنْكَ هٰذَا اَيْ مَا يَنْفَعُكَ (الصحاح)(1)

۱۰۵ کفار یہ بھی کہا کرتے کہ یہ کلام ان پر جن و شیاطین کی طرف سے القا کیا جاتا ہے اس کا پُرزور رد فرما دیا۔

۱۰۶ شیطان کا کام گمراہ کرنا اور کفر و شرک کی ترغیب دینا ہے اور قرآنِ کریم صراطِ مستقیم پر چلنے کی دعوت دیتا ہے۔ اخلاقِ فاضلہ کو اپنانے کی تلقین کرتا ہے۔ اس کی ہر آیت کفر و شرک کے عقیدہ کو جڑوں سے اکھیڑ کر پھینک رہی ہے۔ اس کا مقصد ہی یہ ہے کہ نورِ توحید سے سارا عالم جگمگا اٹھے۔ خود فیصلہ کرو کیا شیطان توحید قبول کرنے اور کفر و شرک سے تائب ہونے اور خصالِ حمیدہ کو اپنانے کی ترغیب دے سکتا ہے۔ کوئی بات تو سوچ کر بھی کیا کرو۔ نیز اس میں غیب کی خبریں ہیں اور بیچارے شیطان کی کیا مجال کہ پردۂ غیب میں جھانک کر بھی دیکھ سکے۔

1۔ الصحاح، ج6، ص2449

عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿۲۱۲﴾ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ

شیطانوں کو) تو اس کے سننے سے بھی محروم کر دیا گیا ہے ۱۰۷ پس نہ پکار اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور خدا کو ۱۰۸ ورنہ تو ہو جائیگا

مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿۲۱۳﴾ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ وَاخْفِضْ

اُن لوگوں میں سے جنھیں عذاب دیا گیا ہے۔ اور آپ ڈرایا کریں اپنے قریبی رشتہ داروں کو ۱۰۹ اور آپ نیچے کیا کیجئے اپنے پروں کو

جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ

اُن لوگوں کے لیے جو آپ کی پیروی کرتے ہیں اہل ایمان سے ۱۱۰ پھر اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ فرمادیں

۱۰۷ نیز انہیں فرشتوں کا کلام اور ان کی گفتگو سننے سے بھی روک دیا گیا ہے۔ اگر وہ اس قسم کی جرأت کرتے ہیں تو شہابِ ثاقب سے ان کی تواضع کی جاتی ہے اور انہیں بھگا دیا جاتا ہے۔(1)

۱۰۸ اللہ تعالیٰ جو وحدہٗ لاشریک ہے اس کے ساتھ کسی غیر کو خدا سمجھ کر مت پکارو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تم عذاب میں مبتلا کر دیئے جاؤ گے۔ علامہ عثمانی لکھتے ہیں "یہ فرمایا رسول کو اور سنایا اوروں کو"۔(2)

۱۰۹ صحیحین میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صفا کی پہاڑی پر کھڑے ہو گئے اور بلند آواز سے پکارا: یا بنی فہر! یا بنی عدی! (جتنے قریش کے قبائل تھے ان کا نام لے لے کر بلایا) یہاں تک کہ سب جمع ہو گئے۔ اور جو خود نہ آسکا اس نے کوئی آدمی بھیج دیا جو بات سن کر اسے بتائے۔ جب سب اکٹھے ہو گئے تو حضورؐ نے فرمایا کہ اگر میں تمہیں یہ بتاؤں کہ اس وادی میں سواروں کا دستہ ہے جو تم پر شبخون مارنا چاہتا ہے تو کیا تم میری بات مانو گے۔ سب نے جواب دیا: ضرور مانیں گے کیونکہ آج تک ہم نے آپ کو غلط بیانی کرتے ہوئے نہیں سنا۔ حضورؐ نے فرمایا سنو! فَاِنِّيْ نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ (کہ میں تمہیں عذابِ شدید کے آنے سے پہلے متنبہ کر رہا ہوں کہ کفر و شرک سے باز آجاؤ، اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک مان لو ورنہ تمہیں برباد کر دیا جائے گا)۔ گستاخ ابولہب انگلی سے اشارہ کر کے کہنے لگا۔ تَبًّا لَّكَ سَائِرَ الْيَوْمِ اَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا۔ "تمہیں سارا دن خرابی ہو کیا تو نے اس لیے ہمیں جمع کیا؟" حضورؐ خاموش رہے۔ لیکن اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے دیتے ہوئے پوری سورت نازل فرمائی۔ جس کی پہلی آیت ہے تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ① یعنی ٹوٹ جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ جن کی ایک انگلی سے اس نے میرے محبوب کی طرف گستاخانہ اشارہ کیا ہے اور وہ خود بھی تباہ و برباد ہو جائے۔(3)

۱۱۰ اہل ایمان کے ساتھ کریمانہ اور مشفقانہ سلوک کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے کہ ان کے ساتھ تواضع سے پیش آیئے اور نرمی کا

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 86۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 310   2۔ حاشیہ قرآن مجید از علامہ شبیر احمد عثمانی، ص 487

3۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ تعالیٰ وانذر عشیرتک الاقربین، ج 2، ص 702۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان ان من مات علی الکفر فھو فی النار، ج 1، ص 114۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 87-86

اِنِّیۡ بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۱۶﴾ وَ تَوَکَّلۡ عَلَی الۡعَزِیۡزِ الرَّحِیۡمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِیۡ

میں بری الذمہ ہوں ان کاموں سے جو تم کیا کرتے ہو ۱۱۱ اور بھروسہ کیجیے سب سے غالب ہمیشہ رحم کرنے والے پر ۱۱۲ جو آپ کو

یَرٰىکَ حِیۡنَ تَقُوۡمُ ﴿۲۱۸﴾ وَ تَقَلُّبَکَ فِی السّٰجِدِیۡنَ ﴿۲۱۹﴾ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۲۲۰﴾

دیکھتا رہتا ہے جب آپ کھڑے ہوتے ہیں ۱۱۳ اور (دیکھتا رہتا ہے جب) آپ چکر لگاتے ہیں ۱۱۴ سجدہ کرنیوالوں (کے گھروں) کا۔ بیشک وہی سب کچھ سننے

برتاؤ کیجیے۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر حضورؐ مقام محبوبیت کی رفعتوں میں ہی محوِ پرواز رہتے تو خاک نشین اس دامنِ رحمت کا سہارا کیسے لے سکتے۔ وہ اس چشمۂ فیض سے اپنی تشنہ لبی کا درماں کیونکر کر سکتے۔ فرمایا: اپنے پروں کو نیچے کرو تا کہ تیری ردائے رحمۃ للعالمینی کا سایہ ان کے سروں پر بھی پڑے۔ راعی اپنے ریوڑ کی کمزور اور لاغر بکریوں کو پیچھے چھوڑ کر چلا نہیں جاتا۔ تیز رفتار قائد کو اپنے ضعیف اور سست رو ساتھیوں کا لحاظ رکھنا ہی پڑتا ہے۔

۱۱۱ اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو کہہ دیجیے کہ میں تمہارے ان اعمال سے بیزار ہوں اور انہیں پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتا۔ علامہ آلوسی نے یہاں خوب لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کہنے کا حکم دیا کہ اِنِّیۡ بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ۔ کہ میں تمہارے اعمال سے بری الذمہ ہوں۔ یہ حکم نہیں دیا فَقُلۡ اِنِّیۡ بَرِیۡٓءٌ مِّنۡکُمۡ کہ میں تم سے بری الذمہ ہوں۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو روزِ محشر گناہ گاروں کی شفاعت کون کرتا؟ اِنَّهٗ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ لَوۡ اُمِرَ بِالۡبَرَاءَةِ مِنۡهُمۡ مَا بَقِیَ شَفِیۡعًا لِّلۡعُصَاةِ یَوۡمَ الۡقِیَامَةِ (روح المعانی) (1)

۱۱۲ فرمایا اپنے اس رب پر توکّل اور کامل بھروسہ کرو جو عزیز ہے یعنی ہر طاقتور پر غالب ہے اور جو رحیم ہے، جس کا دَرِ رحمت ہر ایک کے لیے کشادہ ہے۔ اس سے حضورؐ کو مزید تسلی دی جا رہی ہے۔ لِاَنَّ الۡعِزَّةَ کَالۡعِلَّةِ الۡمُصَحِّحَةِ لِلتَّوَکُّلِ وَالرَّحۡمَةَ کَالۡعِلَّةِ الدَّاعِیَةِ اِلَیۡهِ۔ (روح المعانی) (2)

۱۱۳ اے محبوب تو اپنے اس مولیٰ کریم پر توکل کر جو عزیز بھی ہے اور رحیم بھی۔ اور اس کے علاوہ اس کی چشمِ عنایت و رحمت ہر وقت تجھے دیکھ رہی ہے۔ تیری زندگی کا کوئی لمحہ بھی ایسا نہیں جو اس خصوصی توجہ سے سرفراز نہ ہو۔ یہاں تک کہ جب تو اٹھتا ہے تو اس وقت بھی وہ تجھے دیکھ رہا ہوتا ہے۔

۱۱۴ اس آیت کے متعدد مفہوم بیان کیے گئے ہیں (۱) یعنی جب آپ نماز ادا کرتے ہیں اور اس میں قیام سے رکوع کی طرف، رکوع سے سجدہ کی طرف پھر سجدہ سے قیام کی طرف جو تقلّبات آپ سے صادر ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان تمام کو دیکھ رہا ہوتا ہے، (۲) حضورؐ نے جماعت کرائی۔ بعض صحابہؓ رکوع و سجود میں حضورؐ سے پہلے چلے گئے۔ نماز سے فراغت کے بعد حضورؐ نے انہیں ایسا کرنے سے منع فرمایا اور انہیں بتایا کہ تم یہ نہ سمجھو جب میں قبلہ رو کھڑا ہوں تو میں تمہاری حرکات و سکنات سے بے خبر ہوتا ہوں۔ ''فَوَاللّٰهِ مَا یَخۡفٰی عَلَیَّ خُشُوۡعُکُمۡ وَلَا رُکُوۡعُکُمۡ اِنِّیۡ لَاَرَاکُمۡ وَرَآءَ ظَهۡرِیۡ (بخاری شریف) (3) یعنی ''مجھ پر نہ تمہارا قلبی خضوع و خشوع مخفی ہوتا ہے اور نہ تمہارا رکوع۔ میں تمہیں اپنی پشت کے پیچھے بھی دیکھ رہا ہوتا ہوں''۔ اس آیت میں اسی امر کی

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 19، ص 136 　2۔ ایضاً 　3۔ صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب الخشوع فی الصلوٰۃ، ج 1، ص 102

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۲۱﴾ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ

والا جاننے والا ہے۔ کیا میں بتاؤں تمھیں کہ شیاطین کس پر اترتے ہیں ۱۱۵ وہ اترتے ہیں ہر جھوٹ گھڑنے والے

اَثِيْمٍ ﴿۲۲۲﴾ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿۲۲۳﴾ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾

بدکار پر۔ یہ اپنے کان (شیطانوں کی طرف) لگائے رکھتے ہیں اور ان میں سے اکثر نرے جھوٹے ہیں ۱۱۶ اور جو شعراء ہیں تو ان کی پیروی حق سے بہکے

طرف اشارہ فرمایا کہ جب آپ اپنے صحابہؓ کی ظاہری و باطنی کیفیات ملاحظہ کر رہے ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کے اس فعل کو بھی دیکھ رہا ہوتا ہے (1)۔ (۳) بعض مفسرین نے اس آیت کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ جب نمازِ تہجد کی فرضیت ختم ہوگئی تو حضورؐ سحری کے وقت اٹھے اور صحابہ کرام کے گھروں کا چکر لگایا یہ دیکھنے کے لیے کہ فرضیت کے ختم ہونے کے بعد کیا وہ آج آرام سے سو رہے ہیں یا اپنے معبودِ حقیقی کی عبادت میں مصروف ہیں۔ حضور جس صحابی کے گھر کے پاس سے گزرے، تلاوتِ قرآن اور ذکرِ الٰہی کی آوازیں اس طرح آ رہی تھیں جیسے شہد کے چھتہ میں شہد کی مکھیاں غنغنا رہی ہوں۔ فَوَجَدَهَا كَبُيُوْتِ النَّحْلِ لَمَّا سَمِعَ لَهَا مِنْ دَنْدَنَتِهِمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالتِّلَاوَةِ۔ (2)

(۴) ابونعیم نے حضرت ابن عباسؓ سے اس کا یہ مفہوم بھی نقل کیا ہے کہ تقلب سے مراد تَنَقُّلُ فِي الْاَصْلَابِ ہے۔ یعنی جب آپ کا نور یکے بعد دیگرے آپ کے اجداد کی پشتوں سے منتقل ہوتے چلا آ رہا تھا تو اس وقت بھی آپ کو آپ کا رب دیکھ رہا تھا۔ کیونکہ آپ کے آباؤ اجداد کو قرآنِ کریم نے الساجدین (سجدہ کرنے والے) کہا ہے (3)۔ اس لیے اکثر علماء نے اس آیت سے حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کے مومن ہونے پر استدلال کیا ہے اور اہل السنت والجماعت کے کثیر التعداد جلیل القدر علماء کا یہی مسلک ہے۔ چنانچہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں وَجُوِّزَ حَمْلُ التَّقَلُّبِ عَلَى التَّنَقُّلِ فِي الْاَصْلَابِ اَنْ يُّرَادَ بِالسَّاجِدِيْنَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاسْتُدِلَّ بِالْاٰيَةِ عَلٰى اِيْمَانِ اَبَوَيْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ كَمَا ذَهَبَ اِلَيْهِ كَثِيْرٌ مِّنْ اَجِلَّةِ اَهْلِ السُّنَّةِ۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ جو شخص حضورؐ کے والدین کریمین کے حق میں بے ادبی کے کلمات کہتا ہے تو مجھے اس کے کفر کا اندیشہ ہے وَاَنَا اَخْشَى الْكُفْرَ عَلٰى مَنْ يَّقُوْلُ فِيْهِمَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَلٰى رَغْمِ اَنْفِ عَلِى الْقَارِيْ وَاَضْرَابِهٖ (روح المعانی)۔ (4)

اس قول کی تائید میں علامہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد احادیث صحیحہ نقل کی ہیں جن میں سے ایک حدیث ملاحظہ فرمائیے:

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا افْتَرَقَ النَّاسُ فِرْقَتَيْنِ اِلَّا جَعَلَنِيَ اللّٰهُ مِنْ خَيْرِهِمَا فَاُخْرِجْتُ مِنْ بَيْنِ اَبَوَيَّ وَلَمْ يُصِبْنِيْ شَيْءٌ مِّنْ عَهْدِ الْجَاهِلِيَّةِ خَرَجْتُ مِنْ نِّكَاحٍ لَّمْ اَخْرُجْ مِنْ سِفَاحٍ مِّنْ لَّدُنْ اٰدَمَ حَتّٰى انْتَهَيْتُ اِلٰى اَبِيْ وَاُمِّيْ فَاَنَا خَيْرُكُمْ نَفْسًا وَّخَيْرُكُمْ اَبًا (مظہری) (5)

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 89
2۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 498
3۔ تفسیر خازن، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 107
4۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 19، ص 38-137
5۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 90۔ دلائل النبوۃ للبیہقی، ج 1، ص 75-174، ذکر شرف اصل رسول اللہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت

اَلَمۡ تَرَ اَنَّهُمۡ فِیۡ کُلِّ وَادٍ یَّهِیۡمُوۡنَ ﴿۲۲۵﴾ وَ اَنَّهُمۡ یَقُوۡلُوۡنَ مَا لَا یَفۡعَلُوۡنَ ﴿۲۲۶﴾

ہوتے لوگ ہی کرتے ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ شعراء ہر وادی میں سرگرداں پھرتے رہتے ہیں۔ اور وہ کیا کرتے ہیں ایسی باتیں جن پر وہ خود عمل نہیں کرتے۔

یعنی ''حضورؐ نے فرمایا کہ جب بھی نسلِ انسانی دو حصوں میں بٹی تو مجھے اللہ تعالیٰ نے اس میں کیا جو ان دونوں سے بہتر تھا۔ اپنے والدین کے ہاں میری ولادت ہوئی اس حال میں کہ مجھے زمانہ جاہلیت کی کسی چیز نے ملوث نہیں کیا۔ آدمؑ سے لے کر اپنے والدین تک میرے اجداد اور جدات میں کوئی بھی بدکاری سے پیدا نہیں ہوا۔ میں تم سب سے نفس کے لحاظ سے بھی بہتر ہوں اور باپ کے لحاظ سے بھی''۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور کے آباء و امہات سے کوئی مشرک یا فاسق نہیں ہوا کیونکہ مشرکین کے بارے میں صراحۃً مذکور ہے: اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ (1) اور حضور کے آباء نجس نہیں ہو سکتے۔

۱۱۵ پہلے بتایا کہ شیطان کی مجال نہیں کہ وہ میرے محبوب کے قریب بھی آسکے۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ شیطان کا آنا جانا کس کے پاس ہوتا ہے؟ فرمایا ہر جھوٹے اور بدکار کے پاس شیطانوں کی آمد و رفت ہوتی ہے۔ اَفَّاكٌ: كَثِيْرُ الْاِفْكِ۔ بہت جھوٹ بولنے والا۔ اَثِيْمٌ: كَثِيْرُ الْاِثْمِ، بڑا بدکار نابکار۔ (2)

۱۱۶ یہ کذاب اور نابکار لوگ بڑے غور سے شیطان کی بات کی طرف کان لگاتے ہیں۔ پھر اس میں سو گنا اپنی طرف سے اضافہ کر کے بات کا بتنگڑ بناتے ہیں اور لوگوں کی جیبوں پر ڈاکے ڈالتے ہیں۔

۱۱۷ کفار کا ایک الزام یہ بھی تھا کہ آپ شاعر ہیں اس لیے ان کو نبی ماننا کسی طرح روا نہیں۔ ان آیات میں اس الزام کا ابطال کیا جا رہا ہے فرمایا کہ شاعروں کے پیروکار تو گمراہ اور عیاش قسم کے لوگ ہوتے ہیں نیز شاعر اپنی فصاحت و بلاغت کو کسی ایک مقصد کے حصول کے لیے وقف نہیں کیا کرتے بلکہ ہر گلی کوچہ میں جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں۔ جہاں سے انعام کی توقع ہوئی اس کی مدح میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے جس سے برہم ہوئے اس کی مذمت کر ڈالی کبھی شراب کے گن گا رہے ہوتے ہیں اور کبھی قمار بازی کی ستائش ہو رہی ہوتی ہے۔ کبھی حسن کی عریانیوں اور عشق کی بدمستیوں کی منظر کشی کر رہے ہوتے ہیں۔ پھر ان شعراء کی ایک اور خصوصیت بھی ہے کہ ان کے قول و فعل میں کھلا تضاد پایا جاتا ہے۔ کہتے کچھ ہیں کرتے کچھ ہیں۔ اے میرے محبوب پر شاعر ہونے کا بہتان لگانے والو! ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو کہ اس کے دامنِ کرم کو تھامنے والے کس قماش کے لوگ ہیں۔ اسلام لانے سے پہلے ان کی کیا حالت تھی اور اب ان کا کیا حال ہے۔ کیا اس قسم کے فرشتہ سیرت اور سراپا خیر و تقویٰ لوگ کسی شاعر کے پیروکار ہو سکتے ہیں؟ پھر اس کلامِ پاک کی یک رنگی اور مقصدیت پر نظر ڈالو۔ اللہ کی توحید، اخلاق حسنہ کی ترغیب اور اعمالِ قبیحہ سے دور رہنے کی تلقین کے بغیر اس میں کسی اور چیز کی تم نشان دہی کر سکتے ہو؟ پھر یہ بتاؤ کہ کیا اس رسولِ مکرم کے قول و فعل میں تمہیں کوئی تفاوت نظر آتا ہے؟ بلکہ یہ جو فرماتا ہے پہلے خود کر کے دکھاتا ہے پھر دوسروں کو اس پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ کیا یہ صفات کسی شاعر میں پائی جاتی ہیں؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو تم انصاف سے کہو کہ تمہارا یہ الزام کیا سراسر لغو اور بیہودہ نہیں؟

یہاں ایک چیز غور طلب ہے کہ شعر کی تعریف تو یہ کی جاتی ہے اَلْكَلَامُ الْمَنْظُوْمُ الْمُقَفّٰى (3)۔ یعنی منظوم اور مقفّٰی کلام کو شعر کہا

1۔ سورۃ التوبہ: 28 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 90 3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 19، ص 145

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ ذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّ انْتَصَرُوْا مِنْۢ

بجز اُن شعراء کے جو ایمان لے آئے اور انھوں نے نیک عمل کیے ۱۱۸ اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور انتقام لیتے ہیں

بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ وَ سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾

اس کے بعد کہ ان پر ظلم کیا گیا۔ اور عنقریب جان لیں گے جنھوں نے ظلم و ستم کیے کہ وہ کس (بھیانک) جگہ لوٹ کر آرہے ہیں ۱۱۹

ع ۱۱ / ۳۶ / ۱۵

جاتا ہے۔ ایک بے علم عجمی بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ قرآن پر یہ تعریف صادق نہیں آتی تو اہلِ عرب کے متعلق ہم یہ کیسے باور کر سکتے ہیں کہ وہ قرآنِ کریم کو اس وجہ سے شعر اور حضور کو شاعر کہا کرتے تھے۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں: وَالظَّاهِرُ اَنَّهُمْ اِنَّمَا قَصَدُوْا رَمْيَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَنَّهٗ وَحَاشَاهُ ثُمَّ حَاشَاهُ يَاْتِيْ بِكَلَامٍ مُّخَيَّلٍ لَّا حَقِيْقَةَ لَهٗ (1)۔ یعنی حضورؐ پر یہ الزام لگانے میں ان کا مقصد یہ ہوا کرتا تھا کہ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ کہ آپ ایسا کلام سناتے ہیں جس میں محض خیال آرائی ہوا کرتی ہے اور جس کا حقیقت کے ساتھ کوئی علاقہ نہیں ہوتا۔ علامہ راغب اصفہانی اس اعتراض کا جواب دیتے ہیں کہ شعر کو وہ جھوٹ کے معنی میں استعمال کرتے تھے اور شاعر سے مراد ان کے نزدیک کاذب تھا۔ اسی لیے اہلِ عرب جھوٹی دلیلوں کو اَدِلّہ شعریہ کہتے ہیں۔ اِنَّمَا رَمَوْهُ بِالْكَذِبِ فَاِنَّ الشِّعْرَ يُعَبَّرُ بِهٖ عَنِ الْكَذِبِ وَالشَّاعِرُ الْكَاذِبُ حَتّٰى سَمّٰى قَوْمٌ الْاَدِلَّةَ الْكَاذِبَةَ الشِّعْرِيَّةَ وَلِكَوْنِ الشِّعْرِ مَقَرَّ الْكَذِبِ قِيْلَ اَحْسَنُ الشِّعْرِ اَكْذَبُهٗ (مفردات) (2) "یعنی جھوٹ کو شعر اور جھوٹے کو شاعر بھی کہا جاتا ہے اسی لیے جھوٹی دلیلوں کو ادلہ شعریہ کہتے ہیں۔ نیز وہ شعر جس میں جھوٹ کی حد تک مبالغہ ہو بہترین شعر شمار ہوتا ہے۔"

۱۱۸ جب پہلی آیتیں نازل ہوئیں تو حضرات حسان، عبداللہ بن رواحہ، کعب بن مالک اور کعب بن زہیر رضی اللہ عنہم روتے ہوئے حاضر ہوئے اور عرض کی: یارسول اللہ! شاعروں کے حق میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل کی ہیں۔ ہم تو شاعر ہیں۔ ہم ہلاک ہو گئے۔ ہماری نجات کی کوئی صورت نہیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (3)۔ اس سے واضح ہو گیا کہ جن شعراء کی مذمت کی گئی ہے وہ وہ شاعر ہیں جو کفر و شرک کی ترویج کے لیے اور فسق و فجور کی اشاعت کے لیے اپنے ملکۂ شعر گوئی کو استعمال کرتے ہیں اور اپنی شعلہ نوائی سے کام لیتے ہوئے لوگوں کے جذبات کو اسلام کے خلاف بھڑکاتے ہیں اور بارگاہِ رسالت میں ہجو کر کے اہلِ ایمان کی دل آزاری کرتے ہیں۔ لیکن وہ شعراء جن کی ساری قوتیں اسلام کی خدمت میں، عقائدِ حقہ کی تبلیغ میں صرف ہو رہی ہیں وہ اس زمرہ میں داخل نہیں۔ چنانچہ صحابہ کرام میں بڑے بڑے جلیل المرتبت شعراء موجود تھے۔ حضرت حسان کے لیے مسجدِ نبوی میں منبر رکھا جاتا اور وہ کافر شعراء کا جواب دیتے (4)۔ چنانچہ ایک دن ابوسفیان کی ہرزہ سرائی کے جواب میں حضرت حسان نے فرمایا۔

هَجَوْتَ مُحَمَّدًا فَاَجَبْتُ عَنْهُ ۞ وَعِنْدَ اللّٰهِ فِيْ ذَاكَ الْجَزَاءُ

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 146
2۔ مفردات راغب، ص 456
3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 147
4۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 316

وَاِنَّ اَبِی وَ وَالِدَتِیْ وَعِرْضِیْ لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِنْکُمْ وِقَاءٌ
اَتَشْتِمُهٗ وَلَسْتَ لَهٗ بِکُفْءٍ فَشَرُّکُمَا لِخَیْرِکُمَا الْفِدَاءُ
لِسَانِیْ صَارِمٌ لَا عَیْبَ فِیْهِ وَبَحْرِیْ لَا تُکَدِّرُهُ الدِّلَاءُ(1)

''اے ابوسفیان تو نے میرے محبوبؐ کی جناب میں نازیبا باتیں کیں اور میں اس ہجو کا تمہیں جواب دے رہا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں مجھے اس کی جزائے خیر ملے گی۔ سنو! تمہاری بدزبانی سے حضورؐ کی عزت کو بچانے کے لیے میرا باپ، میری ماں اور میری بیوی بطور سپر کام دیں گے یعنی میں اپنے باپ، اپنی ماں اور اپنی بیوی تک کو حضورؐ کی عزت پر قربان کردوں گا۔

تو اس کی جناب میں نازیبا بات کہتا ہے جس کا تو ہم پایہ نہیں ہے۔ تم دونوں میں سے جو برا ہے وہ اس پر فدا ہو جو تم میں سے اچھا ہے۔ میری زبان تیز تلوار ہے اس میں کوئی نقص نہیں ہے اور میرا بحرِ فصاحت اتنا گہرا ہے کہ ڈول نکالنے سے وہ مکدّر نہیں ہوتا۔''

حدیث پاک میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا حُسْنُ الشِّعْرِ کَحُسْنِ الْکَلَامِ وَقَبِیْحُہٗ کَقَبِیْحِ الْکَلَامِ کہ اچھا شعر اچھے کلام کی طرح ہے اور برا شعر برے کلام کی طرح ہے۔ دوسری حدیث میں ہے: اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِکْمَۃً۔ بعض شعروں میں بڑی دانائی کی باتیں ہوتی ہیں۔

۱۱۹ آخر میں کفار کو تہدید فرمادی کہ آج تم طرح طرح کی بدزبانیاں کرتے ہو۔ عنقریب تمہیں اپنا انجام معلوم ہو جائے گا اور تمہیں پتہ چل جائے گا کہ تم کتنے غلط کار تھے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کی تکذیب کر کے اور اس کے محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر جھوٹے الزامات لگا کر تم نے اپنے اوپر کتنا ظلمِ عظیم کیا تھا۔ مُنْقَلَبٍ: مرجع ومصیر۔ لوٹ کر آنے کی جگہ۔ اللہ تعالیٰ دعوتِ حق کو قبول کرنے، نورِ حق کو دیکھنے اور پہچاننے کی بروقت توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 153

تعارف سُورۃ النّمل

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اِس سورتِ پاک کا نام النّمل ہے جو آیت ۱۸ میں مذکور ہے۔ اس کی آیات کی تعداد ترانوے ہے۔ یہ ایک ہزار تین سوستره کلموں اور چار ہزار سات سو ننانوے حروف پر مشتمل ہے۔

زمانۂ نزول: اس سورت کا تعلق بھی مکی زندگی کے درمیانی عہد سے ہے، جب کفار کی عداوت اپنے عروج پر تھی۔ غلط الزامات، طعن وتشنیع، بہتان طرازی کے طوفان برپا کرنے کے ساتھ ساتھ وہ اہلِ اسلام پر ظلم وستم کی انتہا کر رہے تھے۔

مضامین: (۱) آغاز میں قرآن کریم کا تعارف کرادیا گیا ہے کہ یہ اہلِ ایمان کے لیے مژدۂ رحمت ہے۔ نیز یہ کسی انسان کی تصنیف نہیں جس میں قدم قدم پر زمانی اور مکانی حد بندیاں یا ماحول کے تقاضے اس کی ابدیت اور اس کی عالمگیر حیثیت کو مشکوک بنارہے ہوں۔ بلکہ یہ خداوندِ کائنات کا کلام ہے جو حکیم بھی ہے اور علیم بھی۔ جس کی حکمت اور علم ہر نقص اور خامی سے بالاتر ہیں۔

(۲) یہاں اس حقیقت کو بھی واضح کیا گیا ہے کہ اسلام نے روزِ قیامت پر ایمان لانے کو کیوں ضروری قرار دیا۔ یہ عقیدہ انسانی زندگی کو سنوارنے میں ایک فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے۔ متعدد مثالیں دے کر اس حقیقت کو واضح کر دیا۔ پہلے فرعون (منکرِ قیامت) کا ذکر کیا گیا ہے کہ جب اسے ملکِ مصر کی محدود سلطنت ملی تو اس نے اپنے خالق کا ہی انکار کر دیا اور اپنی رعایا پر ظلم و ستم کی انتہا کردی، اپنے اقتدار کو برقرار رکھنا ہی اس کی زندگی کا مقصدِ وحید بن گیا اور اس مقصد کے حصول کے لیے وہ ہر بہیمانہ اور وحشیانہ حرکت کرنے پر آمادہ ہوگیا۔ جب اس کے اپنے مقرر کیے ہوئے معیار کے مطابق حق واضح ہو گیا پھر بھی اس نے حق کو تسلیم کرنا اپنے لیے وجہ عار سمجھا۔ اہلِ حق کے بازو اور پاؤں کاٹ کر تختۂ دار پر لٹکا دیا۔ اس کی ذات حجابِ اکبر بن کر لوگوں کی بصیرت کے سامنے حائل ہوگئی۔ یہاں تک کہ وہ اپنے گناہوں کے بوجھ کے نیچے پس گیا۔ اور اپنے مظالم کے طوفان میں تنکوں کی طرح بہ کر فنا ہوگیا۔

اس کے بعد سیدنا سلیمانؑ کی سیرت بیان کی گئی۔ آپ کی سلطنت کی حدیں فرعونی مملکت سے کہیں وسیع ہیں، ان کے حکم کے آگے جن وانس سرافگندہ ہیں، پرندے قطار اندر قطار اشارے کے منتظر ہیں، ہوا کا وسیع کرہ بھی زیرِ نگیں کر دیا گیا ہے۔ ان کے درباریوں میں ایسے ایسے باکمال لوگ بھی ہیں جو ملکِ سبا سے ملکۂ سبا کا تخت چشمِ زدن میں اٹھا کر قدموں میں لا کر رکھ دیتے

ہیں۔ بایں ہمہ کمال وجلال کیا مجال کہ دماغ میں غرور ونخوت پیدا ہو۔آپ غور فرمایئے تاج وتخت، جاہ وجلال، زروجواہر کے بھرے خزانے، حکمرانی کے وسیع اختیارات حضرت سلیمانؑ کو کیوں خدا فراموش نہ بنا سکے؟ ان کا دامن ظلم وتعدی کے ہرداغ سے کیوں پاک اور صاف دکھائی دے رہا ہے؟ یہ سیر چشمی کہ ملکۂ سبا کے نادر اور انمول تحائف کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا، اس کے زرنگار تخت کو اپنے سامنے دیکھ کر سراپا تشکر وامتنان بن گئے، اسے اپنے کسی خوبی سے منسوب نہیں کیا بلکہ برملا کہہ دیا هٰذَا مِنۡ فَضۡلِ رَبِّیۡ۔ یہ محض میرے رب کا فضل ہے۔ مزید برآں احساس ذمہ داری کا اظہار ان الفاظ سے کیا۔ لِیَبۡلُوَنِیۡۤ ءَاَشۡکُرُ اَمۡ اَکۡفُرُ (سورۂ نمل:40)۔ کہ ''میرا رب ان احسانات سے مجھے آزمانا چاہتا ہے کہ کیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری؟'' ان ساری خوبیوں کا سرچشمہ یوم قیامت پر پختہ یقین ہے۔ وہ پستی اور یہ بلندی جس عقیدہ کا نتیجہ ہو کیا انسان کی فلاح وکامرانی کے لیے اس کی اہمیت کا انکار کیا جاسکتا ہے؟

قوم ثمود اور قوم لوط کے حالات بیان کر کے اس حقیقت کو بھی واضح کر دیا کہ جس سوسائٹی میں آخرت پر ایمان نہیں ہوگا وہاں انفرادی اور اجتماعی کردار ان غلاظتوں سے آلودہ ہو جاتا ہے جن کے تصوّر سے ہی انسان کا دم گھٹنے لگتا ہے۔ حق پذیری کی صلاحیت اس حد تک مفلوج ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی خیر اندیش محض ان کی خیر خواہی کے لیے انہیں ان رذالتوں سے باز آنے کی تلقین کرتا ہے تو وہ آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔ کبھی وہ انہیں شہر بدر کرنے کی دھمکی دیتے ہیں۔ اَخۡرِجُوۡۤا اٰلَ لُوۡطٍ مِّنۡ قَرۡیَتِکُمۡ ۚ اِنَّهُمۡ اُنَاسٌ یَّتَطَهَّرُوۡنَ ﴿۵۶﴾ (آیت ۵۶)۔ اور کبھی شبخون مار کر اس کو اور اس کے اہل وعیال کو تہ تیغ کرنے کی سازش کرتے ہیں۔ انہیں اپنے معاشرہ پر پورا بھروسا ہوتا ہے کہ جب وہ صرف زبانی اپنی صفائی پیش کریں گے تو سب مطمئن ہو جائیں گے اور ان سے باز پُرس کی زحمت تک گوارا نہیں کی جائے گی۔ تَقَاسَمُوۡا بِاللّٰهِ لَنُبَیِّتَنَّهٗ وَ اَهۡلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوۡلَنَّ لِوَلِیِّهٖ مَا شَهِدۡنَا مَهۡلِکَ اَهۡلِهٖ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوۡنَ ﴿۴۹﴾ (آیت ۴۹) قرآن کریم کو یہ گوارا نہیں ہے کہ اس کے دامنِ عاطفت میں پروان چڑھنے والی اُمّت کا دامن ایسے بدنما داغوں سے آلودہ ہو۔

۳۔ مکہ کے باشندے تجارت پیشہ تھے ان کا ذہن کاروباری قسم کا تھا جو سودوزیاں کی گتھیاں ہی سُلجھاتا رہتا۔ دنیاوی لحاظ سے زیرک ودانا ہونے کے باوجود وہ پتھر اور لکڑی کے گھڑے ہوئے مجسموں کو خدا یقین کرتے۔ پانچویں رکوع میں شرک کے بُطلان پر ایسے مسکت اور دندان شکن دلائل پیش کیے گئے جن کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ اور شرک میں مبتلا ہونے والی کسی قوم کے پاس آج بھی ان کا جواب نہیں۔

۴۔ آخر میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم کو یہ فرما کر تسلی دے رہا ہے کہ ان کُفّار ومُشرکین میں حق پذیری کی استعداد ہی نہیں۔ اگر اندھا سورج کی روشنی کو نہیں دیکھ سکتا تو یہ اس کی بدنصیبی ہے۔ نہ سورج کی روشنی کا قصور ہے اور نہ اس کی فیاضی میں کوئی کمی ہے۔

۵۔ سردارانِ مکہ کی اس غلط فہمی کا بھی ازالہ کر دیا جس غلط فہمی میں آج بھی کئی رؤسا اور نامور لوگ مبتلا ہیں۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم نے اسلام قبول کر لیا تو یہ ہمارا خدا اور رسول پر بڑا احسان ہوگا۔ اور اگر ہم نے اسلام کی دعوت کو رد کر دیا تو اس سے خدا کی خدائی

میں کوئی کمی آجائے گی یا آفتابِ نبوت کی ضیا پاشیاں مدھم پڑ جائیں گی۔ سب کو فرما دیا فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ (آیت ۹۲) یعنی یہ تمہاری خوش نصیبی ہے۔ اگر تم اس دعوت کو قبول کر لو تو تمہارے دونوں جہاں سنور جائیں گے اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو یہ تمہاری اپنی بد نصیبی ہو گی۔

سُورَةُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثٌ وَّتِسْعُوْنَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ النمل مکی ہے اس کی ۹۳ آیتیں اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

طٰسٓ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۙ① هُدًى وَّ بُشْرٰى

طا۔سین [1] یہ آیتیں ہیں قرآن (حکیم) اور روشن کتاب کی [2] (یہ) سراپا ہدایت اور خوشخبری ہے

لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ② الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ

اہل ایمان کے لیے [3] جو صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز، اور دیا کرتے ہیں زکوٰۃ [4] اور وہ

[1] حروف مقطعات سے ہیں۔

[2] یہاں قرآن کو معرفہ اور کتاب کو نکرہ لایا گیا ہے۔ لیکن سورۃ الحجر میں قرآن کو نکرہ اور کتاب کو معرفہ ذکر کیا گیا۔ ارشاد ہے: تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ① (1)۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب دیا گیا ہے کہ قرآن اور کتاب کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک یہ کہ دونوں اس کلام الٰہی کے علم (نام) ہیں جو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا۔ دوسری یہ کہ یہ اس کلام کی صفتیں ہیں۔ یعنی قرآن سے مراد مقروّ (پڑھا جانے والا) اور کتاب سے مکتوب جو لکھا جاتا ہے۔ جہاں انہیں معرفہ ذکر کیا جائے گا وہاں یہ بحیثیتِ علم (نام) مذکور ہیں اور جہاں نکرہ وہاں بحیثیتِ صفت (مظہری)۔ بعض نے کتابِ مبین سے لوحِ محفوظ مراد لی ہے اور اس کی تنکیر، عظمتِ شان کے لیے ہے۔ (2)

[3] اگر لِلْمُؤْمِنِيْنَ کا تعلق دونوں سے ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ اہلِ ایمان ہی اس کتابِ مبین سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ اس کی تعلیمات پر عمل کر کے فلاحِ دارین کی سعادت حاصل کرتے ہیں اس لیے یہ انہی کے لیے باعثِ ہدایت ہے اور یہی اس بات کے مستحق ہیں کہ دنیا و آخرت کی کامیابی کی انہیں بشارت دی جائے۔ منکرین نے جب اس نورِ درخشاں کو دیکھنے سے آنکھیں بند کر لیں اور اس چشمۂ شیریں سے اپنے خشک ہونٹوں کو تر ہی نہیں کیا تو اس کی درخشانیاں اور اس کی سیرابیاں گویا ان کے لیے نہیں تھیں اور نہ وہ اس قابل ہیں کہ انہیں یہ کتاب کوئی خوش خبری دے۔

ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ لِلْمُؤْمِنِيْنَ کا تعلق صرف بُشْرٰى سے ہے۔ یعنی اس کتاب میں ہدایت کا پیغام کا فر و مومن سب کے لیے یکساں ہے لیکن بشارت کی مستحق فقط وہ جماعت ہوگی جس نے اسے قبول کیا اور اس کے سانچے میں اپنی زندگی کو ڈھالا (3)

1۔ سورۃ الحجر: 1

2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 97۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 155

3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 97

بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ

جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں ۵ بے شک وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے خوبصورت بنا دیئے ان کی

اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۴﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ

نظروں (میں انکے اعمال ۶ (بد) پس وہ سرگرداں پھر رہے ہیں ۷ یہ وہی لوگ ہیں جن کے لیے بدترین عذاب ہے اور یہی آخرت

لیکن جو بدنصیب عمر بھر اعتراضات وشبہات ہی کرتے رہے وہ اس بات کے اہل نہیں کہ انہیں یہ کتاب کوئی دل خوش کن خبر سنائے۔

۴ بتادیا کہ مومن وہ نہیں ہوتا جو صرف زبان سے ایمان لانے کا دعویٰ کرے بلکہ ایمان لانے کے بعد احکامِ الٰہی کی بجا آوری کے لیے کمرِ ہمت باندھنا بھی ضروری ہے۔ ان احکام میں سے سب سے اہم، نماز کو شرائط وآداب کی پابندی سے ہمیشہ ادا کرنا اور اپنے مال سے زکوٰۃ نکالنا ہے۔

۵ اسلام کے نظامِ عقائد میں اس کی اہمیت کا احساس دلانے کے لیے اسے علیحدہ ذکر کیا گیا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اسلام پر کاربند ہونا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ اپنے ارادوں، اپنی خواہشات، اپنے آرام اور اپنے اوقات، اپنی دولت اور بسا اوقات اپنی جانِ عزیز تک کا نذرانہ بھی بارگاہِ الٰہی میں پیش کرنا پڑتا ہے اور ان مرحلوں سے فقط وہی کامیابی کے ساتھ گزر سکتا ہے جس کا اخروی زندگی پر یقین ہو۔ جہاں یہ اعتقاد ناپید ہوگا اور جس کے نزدیک زندگی اسی حیاتِ مستعار کا نام ہو تو اسے کیا پڑی ہے کہ خواہ مخواہ اپنے عیش وطرب کو بے مزہ اور تلخ بناتا رہے۔

۶ اہلِ ایمان کے ذکر کے بعد منکرین کے متعلق بتایا کہ وہ اپنے گناہوں اور بدکاریوں میں ایسے محو ہیں کہ ایک لمحہ کے لیے بھی ان سے دست کش ہونے کے لیے تیار نہیں۔ جہاں نیکی کے پھول کھلتے ہیں اور جدھر سے اعمالِ حسنہ کی مہک آتی ہے ادھر قدم اٹھاتے ہوئے ان کا دل گھبراتا ہے۔ گندگی کے کیڑے کی طرح انکی ساری خوشیاں اور لذتیں غلاظت کے اس ڈھیر میں مرکوز ہو کر رہ گئی ہیں جس کی سڑاند سے ایک سلیم الطبع انسان کا دم نکلنے لگتا ہے۔ یہاں فرمایا: ہم نے ان کے لیے ان کے برے اعمال کو مزین کر دیا ہے لیکن دوسری جگہ ہے زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ۔ (1) شیطان نے ان کے برے عملوں کو ان کی نگاہوں میں خوبصورت بنا دیا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ فعل کی نسبت کبھی سبب کی طرف کی جاتی ہے اور کبھی مسبب کی طرف اور دونوں درست ہیں۔ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ میں تزیین کی نسبت سبب کی طرف کی گئی ہے اور اس آیت میں مسبب کی طرف۔

۷ یعنی ان کے دل کی آنکھ اندھی ہے۔ وہ بدکاریوں کے انجام کو نہیں دیکھ سکتی۔ اَیْ لَا یُدْرِکُوْنَ عَوَاقِبَ اَمْرِھَا۔ (2)

علامہ جوہری لکھتے ہیں: اَلْعَمَهُ: التَّحَيُّرُ، التَّرَدُّدُ (الصحاح) (3) حیرت اور تردد۔ لیکن علامہ اصفہانی کی تشریح بڑی واضح ہے۔ اَلْعَمَهُ: اَلتَّرَدُّدُ فِي الْاَمْرِ مِنَ التَّحَيُّرِ (مفردات) (4) یعنی کسی کام میں تحیر کے باعث متردد ہونا۔

1۔ سورۃ النمل: 24 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 98 3۔ الصحاح، ج 6، ص 2242
4۔ مفردات راغب، ص 588۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 319

فِى الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۞ وَ اِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ

میں سب سے زیادہ گھاٹے میں ہوں گے۔ اور بے شک آپ کو سکھایا جاتا ہے قرآن حکیم بڑے داناسب

حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ۞ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖۤ اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا ؕ سَاٰتِیْكُمْ

کچھ جاننے والے کی جانب سے ۸ یاد فرماؤ جب کہا موسیٰ نے اپنی زوجہ سے کہ میں نے دیکھی ہے آگ۔ ابھی لے آتا ہوں تمہارے

مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِیْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۞

پاس وہاں سے کوئی خبر یا لے آؤں گا تمہارے پاس (اس آگ سے) کوئی شعلہ سلگا کر ۹ تاکہ تم اسے تاپو۔ پھر جب

فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِیَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِی النَّارِ وَ مَنْ حَوْلَهَا ؕ وَ سُبْحٰنَ

اس کے پاس پہنچے تو ندا کی گئی ۱۰ کہ بابرکت ہو جو اس آگ میں ہے اور جو اس کے آس پاس ہے۔ اور (ہر تشبیہ

۸۔ یعنی آپ کو یہ قرآن کوئی انسان یا جن آکر سکھا نہیں جاتا بلکہ وہ خداوندِ کریم تمہیں قرآن سکھاتا ہے جو حکمت و علم کی صفاتِ جلیلہ عظیمہ سے متصف ہے۔

۹۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی دس سال تک بکریاں چرانے کے بعد آپ اپنی اہلیہ کے ساتھ مصر واپس جا رہے ہیں۔ جاڑوں کا موسم ہے۔ رات کا وقت ہے۔ ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ سخت ٹھنڈک محسوس کر رہے ہیں۔ اپنی منزل کا راستہ بھی معلوم نہیں۔ اسی کشمکش میں دور سے آگ چمکتی ہوئی نظر آئی۔ اپنی اہلیہ سے فرمایا: تم یہاں ٹھہرو۔ میں وہاں جاتا ہوں، آگ جل رہی ہے، ضرور کوئی آبادی ہوگی۔ کسی سے مصر کا صحیح راستہ بھی دریافت کروں گا ورنہ آگ کا شعلہ لے آؤں گا۔ الاؤ جلائیں گے اور آگ تاپیں گے۔(1)

اِصْطَلٰی: آگ سینکنا(2)، شِهَابٌ: شُعْلَةُ نَارٍ سَاطِعَةٌ: آگ کا چمکتا ہوا شعلہ (صحاح)(3)

وَالْقَبَسُ اِسْمٌ لِّمَا يُقْتَبَسُ مِنْ جَمْرٍ وَّ مَا شَبِهَهٗ (قرطبی)(4) یعنی وہ آگ جو کسی انگارہ وغیرہ سے سُلگائی جائے۔ آپ کا مقصد یہ ہے کہ وہاں جو آگ جل رہی ہے اس سے کوئی لکڑی وغیرہ سلگا کر لے آؤں گا اور یہاں اس سے الاؤ جلا لیں گے۔

۱۰۔ جب وہاں پہنچے تو وہاں عجیب ہی منظر دیکھا۔ آگ ہے، بڑی روشن آگ۔ لیکن نہ دھواں ہے اور نہ تپش۔ اس کے بیچ ایک سرسبز درخت کھڑا ہے۔ اسے جلانا تو کجا وہ اس کی رنگت کو اور نکھار رہی ہے۔ اچانک آواز آئی: بڑی بابرکت ہے وہ ذات جو اس آتش نما نور میں ہے اور اس کا سارا ماحول مبارک ہے۔

1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج6، ص21-320 2۔ الصحاح، ج6، ص2403 3۔ ایضاً، ج1، ص159۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج7، ص98
4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز13، ص157

اللّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝٨ یٰمُوْسٰٓی اِنَّہٗٓ اَنَا اللّٰہُ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝٩

وتمثیل سے) پاک ہے اللہ جو رب العلمین ہے ١١ اے موسیٰ! وہ میں اللہ ہی ہوں ١٢ عزت والا دانا ١٣

وَاَلْقِ عَصَاکَ ؕ فَلَمَّا رَاٰھَا تَھْتَزُّ کَاَنَّھَا جَآنٌّ وَّلّٰی مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ ؕ

اور ذرا زمین پر ڈال دو اپنے سونٹے کو ١٤ اب جو اسے دیکھا تو وہ (اس طرح) لہرا رہا تھا جیسے سانپ ہو آپ پیٹھ پھیر کر

یٰمُوْسٰی لَا تَخَفْ ۫ اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝١٠ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ

وہاں سے چل دیئے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا (فرمایا) موسیٰ! ڈرو نہیں میرے حضور ڈرا نہیں کرتے جنہیں رسول بنایا جاتا ہے ١٥ مگر وہ شخص

١١ آگ کا ایک جگہ پایا جانا، اس سے اَنَا اللّٰہُ کی آواز کا سنائی دینا، اس سے یہ غلط فہمی پیدا ہوسکتی تھی کہ اللہ تعالیٰ کسی محدود مکان میں سما جاتا ہے اور انسانوں کی طرح مخصوص زبان سے گفتگو فرماتا ہے۔ کیونکہ اس تجلّی اور ظہور کی کیفیت کے ادراک سے ہمارے حواس قاصر ہیں اس لیے اس شبہ کے ازالے کا یہی بہترین طریقہ تھا جو اختیار کیا گیا۔ فرمایا سُبْحٰنَ اللّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنی اللہ تعالیٰ پاک اور منزہ ہے جہت و مکان سے اور ان تمام عیوب سے جو حدوث کو مستلزم ہیں۔(1)

١٢ اِنَّہٗ کی ضمیر شان بھی ہوسکتی ہے اور یہ بھی درست ہے کہ اس کا مرجع ندا کرنے والا (یعنی اللہ تعالیٰ) ہو(2)۔ میں نے ترجمہ اسی کے مطابق کیا ہے۔

١٣ یہ آگ نما جو چیز تمہیں نظر آرہی ہے یہ میں خدا ہوں جو عزیز وحکیم ہے۔

١٤ موسیٰ علیہ السلام کو پہلی بار یہ تجربہ ہوا تھا۔ ان کے دل میں یہ یقین راسخ کرنے کے لیے کہ یہ آواز خدائی آواز ہے کسی جن یا شیطان کی آواز نہیں اور جو کچھ وہ دیکھ رہے ہیں یہ حسنِ ازل کی جلوہ نمائی ہے، تخیّل کی فسوں کاری نہیں آپ کو چند معجزے بھی عطا فرمادیئے۔

قرآنِ کریم میں عصا کے سانپ بننے کو مختلف الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔ کبھی اسے حَیَّۃٌ کہا گیا اور کبھی ثُعْبَانٌ اور کبھی جَآنٌّ۔ حَیَّۃٌ مطلق سانپ کو کہتے ہیں چھوٹا ہو یا بڑا۔ ثُعْبَانٌ اژدہا کو کہا جاتا ہے اور جَآنٌّ اس سانپ کو کہتے ہیں جو چھوٹا اور پتلا ہو۔ تعبیر میں اس اختلاف کی وجہ کیا ہے؟ بعض علماء نے تو یہ جواب دیا کہ عصا جب سانپ بنتا تو ایک ہی شکل اختیار نہ کرتا۔ جب عام سانپ کی شکل اختیار کرتا تو اسے حَیَّۃٌ کہا گیا، جب باریک سانپ بنا تو اسے جانّ کہا اور فرعون کے دربار میں ساحرانِ مصر کے سانپوں پر جب جھپٹا تو اس وقت اژدہا کی صورت میں نمودار ہوا۔ اور بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ تھا وہ اژدہا لیکن اس میں پھرتی اور تیزی اس بلا کی تھی جیسے جَآنٌّ میں ہوتی ہے۔ اس کی جسامت اور حجم کا لحاظ کیا تو اسے ثُعْبَانٌ کہہ دیا اور اس کی پھرتی اور تیزی کا خیال کیا تو اسے جَآنٌّ کہا۔ اَلْمَعْنٰی اِنْقَلَبَتْ ثُعْبَانًا تَھْتَزُّ کَاَنَّھَا جَآنٌّ لَھَا عِظَمُ الثُّعْبَانِ وَخِفَّۃُ الْجَانِّ وَاھْتِزَازُہٗ وَھِیَ

1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج6، ص322 — 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج7، ص100۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز19، ص161

ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوٓءٍ فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۱﴾ وَ اَدْخِلْ یَدَكَ

جو زیادتی کرے ۱۶؎ (وہ ڈرے) پھر (وہ ظالم بھی اگر) نیکی کرنے لگے بُرائی کرنے کے بعد تو میں بیشک غفور رحیم ہوں ۱۷؎ اور ذرا ڈالو

فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ۫ فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ اِلٰی فِرْعَوْنَ

اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ۱۸؎ وہ نکلے گا سفید چمکتا ہوا بغیر کسی تکلیف کے (یہ دو معجزے) ان نو معجزات سے ہیں جن کے

وَ قَوْمِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿۱۲﴾ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰیٰتُنَا مُبْصِرَةً

ساتھ آپ کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا گیا، بیشک وہ بڑے سرکش لوگ ہیں پس جب آئیں اُنکے پاس ہماری نشانیاں

قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۳﴾ ۚ وَ جَحَدُوْا بِهَا وَ اسْتَیْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا

بصیرت افروز بن کر تو انھوں نے کہا یہ تو جادو ہے کھلا ہوا۔ اور انھوں نے انکار کر دیا ان کا حالانکہ یقین کر لیا تھا انکی صداقت کا ان کے

وَّ عُلُوًّا ؕ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۱۴﴾ ۧ وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا

دلوں نے، (ان کا انکار) محض ظلم اور تکبر کے باعث تھا پس آپ ۱۹؎ ملاحظہ فرمائیے کیا ہولناک انجام ہوا فساد برپا کرنیوالوں کا اور یقیناً ہم نے

حَیَّةٌ تَسْعٰی (قرطبی) (1)

۱۵؎ یہ عصا تو عرصہ سے ان کے پاس تھا۔ جب آپ نے اسے اچانک خوفناک سانپ بنتے دیکھا تو ڈر گئے اور وہاں سے بھاگے۔ ندا آئی: موسیٰ! تمہیں منصبِ رسالت پر فائز کیا گیا ہے اور رسول جب ہمارے دربار میں حاضر ہوں تو وہ ڈرا نہیں کرتے۔

۱۶؎ ڈرتا وہ ہے جو ظالم ہو اور تم تو ہمارے رسول ہو۔

۱۷؎ اگر ظلم کرنے کے بعد بھی کوئی سچے دل سے تائب ہو جائے تو میں اس کے گناہ بخش دیتا ہوں اور خوف و حزن سے نجات دے دیتا ہوں۔ ترغیب و ترہیب کا کیا عمدہ امتزاج ہے۔ نافرمان کو نافرمانی کے انجام سے ڈرایا بھی گیا اور لمحہ بھر بھی اس کو اپنی رحمتِ واسعہ سے مایوس ہونے کا موقعہ نہیں دیا۔

۱۸؎ دوسرا معجزہ ید بیضا کا عطا ہوا۔ اس کے علاوہ سات اور معجزوں سے مؤید فرما کر فرعون کی طرف روانہ کیا تا کہ وہ راہِ راست اختیار کرے۔

۱۹؎ موسیٰ علیہ السلام نے اسے راہِ راست پر چلنے کی دعوت دی۔ اسے بتایا کہ میں خدا کا رسول ہوں اور اس نے مجھے تیری طرف بھیجا ہے۔ اسے اور اس کی قوم کو اپنی صداقت کے روشن معجزات بھی دکھائے۔ ان کے دلوں میں یقین پیدا ہو گیا کہ موسیٰ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 160

دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰی

عطا فرمایا داؤد اور سلیمان کو علم ۲۰ اور انھوں نے کہا سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے برگزیدہ کیا

كَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۵﴾ وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ

ہمیں اپنے بہت سے مومن بندوں پر ۲۱ اور جانشین بنے سلیمان داؤد کے ۲۲ اور فرمایا

غلط نہیں کہہ رہا۔ واقعی وہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہے۔ لیکن اپنا تخت و تاج بچانے کے لیے اور دیگر ذاتی مفادات کے پیش نظر وہ یہی کہتے رہے کہ یہ جادوگر ہے۔ اس انکار اور تعصّب کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہیں سمندر کی موجیں خس و خاشاک کی طرح بہالے گئیں اور کوئی ایسی آنکھ بھی نہ رہی جوان کی بربادی پر دو آنسو ہی بہاتی۔

۲۰۔ فرعون کو مصر کی حکمرانی ملی تو اس نے خدائی کا دعویٰ کر دیا اور غریب رعایا پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی۔ شاہی خزانے کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھ لیا۔ اس کے مقابلے میں اب ایک ایسی ہستی کا ذکر ہو رہا ہے جو سلطنت کی وسعت، دولت کی کثرت کے اعتبار سے کئی گنا زیادہ ہے۔ جس کے جاہ و جلال کا یہ عالم ہے کہ شیاطینِ جن وانس اس کے سامنے سر جھکائے کھڑے رہتے ہیں۔ ہوا کا کرہ اس کے زیر فرمان ہے۔ اس کے باوجود نہ وہ خدا فراموش ہے، نہ وہ ظالم و جابر ہے، نہ عیاش و بدکار۔ اس کا ہر لمحہ اپنے رب کی یاد میں بسر ہوتا ہے اور اپنے منعمِ حقیقی کا ہر وقت شکر ادا کرتا رہتا ہے۔ ان دو فرمانرواؤں کے اس طرزِ عمل میں اس بیّن تفاوت کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ وہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے داؤد و سلیمان علیہما السلام کو دیا اور جس سے فرعون محروم تھا۔ اس علم سے مراد ذاتِ خداوندی اور صفاتِ الٰہی کی معرفت، دنیا کی ناپائیداری کا یقین، روزِ قیامت پر پختہ ایمان۔ اَیْ عِلْمًا بِذَاتِ اللّٰهِ تَعَالٰی سُبْحَانَهٗ عَلٰی حَسْبِ الطَّاقَةِ الْبَشَرِیَّةِ وَبِصِفَاتِهٖ وَاَحْكَامِهٖ وَبِاَحْوَالِ الْمَبْدَاءِ وَالْمَعَادِ الخ (مظہری)(1)۔ جہاں بھی یہ علم پایا جاتا ہے انسان عزت و عظمت کے بلند ترین مقامات پر فائز ہونے کے باوجود بھی بدمست نہیں ہوتا۔ ناشکری اور نافرمانی کی روش کبھی اختیار نہیں کرتا۔ یہ حقیقت ایک لمحہ کے لیے بھی اس کی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوتی کہ اسے ایک روز اپنے مالک حقیقی کے دربار میں اپنے اعمال کی جواب دہی کے لیے حاضر ہونا ہے۔ قرآنِ کریم اپنے ماننے والوں کے دل و دماغ کو اسی علم کی روشنی سے منور کرنا چاہتا ہے۔ جسے یہ علم حاصل ہو گیا وہ اٹھارہ لاکھ مربع میل کا فاتح ہونے کے باوجود پیوند لگا ہوا کرتا پہنتا ہے، سوکھی روٹی کھاتا ہے اور اپنے دُرّے کا تکیہ بنا کر فرشِ زمین پر سو جاتا ہے۔ اس کے عدل و انصاف سے گلشنِ ہستی میں پھر بہار آجاتی ہے۔

۲۱۔ اس نعمتِ عظمیٰ پر جس انداز میں وہ اپنے مُنعمِ حقیقی کی حمد و ثنا کر رہے ہیں وہ بتا رہا ہے کہ انہیں اس نعمت کی قدر و قیمت کا پورا پورا احساس ہے۔

۲۲۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے متعدد حرم تھے اور ہر ایک میں سے ان کی کثیر اولاد تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام آپ کے سب سے چھوٹے فرزند تھے۔ جس میراث کا یہاں ذکر ہو رہا ہے اگر اسے مال و جائداد کی میراث سمجھا جائے اور کہا جائے کہ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 103

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ عُلِّمْنَا مَنطِقَ ٱلطَّيْرِ وَأُوتِينَا مِن كُلِّ شَىْءٍ ۖ إِنَّ

اے لوگو! ۲۳؎ ہمیں سکھائی گئی ہے پرندوں کی بولی اور ہمیں عطا کی گئی ہیں ہر قسم کی چیزیں ۲۴؎ بے شک

هَٰذَا لَهُوَ ٱلْفَضْلُ ٱلْمُبِينُ ﴿۱۶﴾ وَحُشِرَ لِسُلَيْمَٰنَ جُنُودُهُۥ مِنَ ٱلْجِنِّ

یہی ۲۵؎ وہ نمایاں بزرگی ہے (جو ہمیں مرحمت ہوئی) اور فراہم کیے گئے سلیمانؑ کے لیے لشکر ۲۶؎ جنوں،

آپ کے سارے مال و جائداد کے وارث صرف حضرت سلیمانؑ بنے اور باقی تمام بیٹے اور بیٹیاں محروم کردی جائیں تو اس سے بڑا ظلم اور کیا ہوسکتا ہے؟ اس لیے یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت سلیمان کو جو وراثت ملی وہ ملک اور نبوت کی وراثت تھی۔ اور احادیث صحیحہ بھی اسی کی تائید کرتی ہیں کہ نبی مال و جائداد کی میراث نہیں چھوڑتا بلکہ علم و حکمت کی دولت چھوڑتا ہے (1)۔ اس کی مزید وضاحت سورۂ مریم کی آیت ۶ کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں۔

دوسرے تاریخی حوالوں کے علاوہ بائیبل کی تصریحات سے بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ کے کثیر التعداد فرزند تھے۔ چنانچہ سلاطین باب اوّل میں ہے۔

''جب حضرت داؤد بیمار ہوئے تو ان کے ایک بیٹے ارونیاہ نے سر اٹھایا اور کہنے لگا میں بادشاہ ہوں گا اس نے ایک بڑی دعوت کا اہتمام کیا اور اپنے سب بھائیوں یعنی بادشاہ کے بیٹوں اور سب یہوداہ کے لوگوں کی جو بادشاہ کے ملازم تھے پر.... اپنے بھائی سلیمان کو نہ بلایا''۔ آیت نمبر ۵۔۹۔۱۰ (2)

۲۳؎ اللہ تعالیٰ نے جن خصوصی انعامات سے آپ کو سرفراز فرمایا تھا ان میں سے ایک یہ انعام بھی تھا کہ آپ پرندوں کی بولیاں سمجھ لیتے تھے۔ ہمارا یہ روزمرّہ کا مشاہدہ ہے کہ مختلف پرندے مختلف اوقات اور حالات میں مختلف قسم کی آوازیں نکالتے ہیں۔ آپس میں جب محبت کررہے ہوتے ہیں تو ان کی آواز اور ہوتی ہے۔ جب ایک دوسرے سے لڑتے ہیں تو اور۔ جب کوئی شکاری پرندہ ان پر جھپٹتا ہے تو اور۔ غرضیکہ مختلف حالات میں ان کی صوتی کیفیتیں بدلتی رہتی ہیں جنھیں دوسرے پرندے اچھی طرح سمجھتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ انہیں اظہارِ خیال کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے قوت نطق ارزانی فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر اپنے ایک پیغمبر کو ان کے کلام کے مفہوم پر مطلع کردے تو کیا بعید ہے۔

۲۴؎ اس کا مفہوم حضرت ابن عباسؓ سے یوں منقول ہے۔ مَا يُهِمُّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنْ أَمْرِ الدُّنْيَا وَالْأُخْرَةِ (3) ''یعنی جن چیزوں کی انہیں دنیا و آخرت میں ضرورت تھی وہ بکثرت آپ کو عطا کی گئیں''۔

۲۵؎ ان سب نعمتوں کے ذکر کے بعد یہ تصریح کردی کہ ان میں سے کوئی چیز میری ذاتی نہیں ہے بلکہ میرے رب نے مجھے یہ بخشی ہیں اور یہ بخشش و عطا محض اس کا فضل و کرم ہے۔

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 171۔ سنن ابوداؤد، کتاب العلم، باب فی فضل العلم، ج 2، ص 157۔ جامع ترمذی، ابواب العلم، باب ماجاء فی فضل الفقه علی العبادة، ج 2، ص 93
2۔ کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ)، 1۔ سلاطین، باب 1، آیت 5، 9، 10، ص 323
3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 172

وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿١٧﴾ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ

انسانوں اور پرندوں سے پس وہ نظم وضبط کے پابند ہیں ۲۷۔ یہاں تک کہ جب وہ گزرے چیونٹیوں کی وادی

قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ

سے ۲۸۔ تو ایک چیونٹی کہنے لگی اے چیونٹیو! گھس جاؤ اپنی بلوں میں کہیں کچل کر نہ رکھ دیں تمھیں سلیمان اور

۲۶۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ تین حصوں پر مشتمل تھا۔ جن، انسان اور پرندے۔ بعض لوگ جو قرآنِ کریم کو اپنے خیالات اور مزعومات کا لباس پہنانا ہی قرآن دانی کا کمال سمجھتے ہیں انہوں نے اس آیت کی تشریح اس طرح کی ہے کہ جنّ سے مراد جنات نہیں بلکہ وہ پہاڑی قبائل ہیں جو بدنی لحاظ سے بڑے طاقتور تھے اور جن کو حضرت سلیمان نے اپنا باجگزار بنالیا تھا۔ اور طیور سے مراد پرندے نہیں بلکہ تیز رفتار گھوڑوں پر سوار فوجی دستے مراد ہیں۔ کاش وہ ''انس'' کا بھی کوئی ایسا معنیٰ گھڑ لیتے جس سے یہاں اس کا استعمال درست ہو جاتا۔ جب ''جن'' سے مراد جنگلی قبائل ہیں جو انسان ہیں اور طیور سے مراد گھوڑ سوار ہیں اور وہ بھی انسان ہیں تو ان دونوں لفظوں کے درمیان ''الانس'' یعنی انسان بیان کرنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے؟ عطف تغایر پر دلالت کرتا ہے اور آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جن اور طیور، انس کی طرح دو الگ الگ نوع ہیں۔ کوئی لفظ اگر بطور مجاز کسی دوسرے معنی میں مستعمل ہو تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ اب جہاں یہ لفظ مستعمل ہوگا وہاں اس کا مجازی معنی ہی مراد ہوگا بلکہ مجازی معنی لینے کے لیے شرطِ اوّل یہ ہے کہ وہاں اس کا حقیقی معنی نہ لیا جا سکتا ہو۔ نیز کوئی ایسا قرینہ بھی موجود ہو جو اس مجازی معنی کا تعین کرے۔ جب یہاں یہ دونوں شرطیں مفقود ہیں تو ان الفاظ کے حقیقی معنوں کو نظر انداز کر کے دور از کار تاویلات کرنا یقیناً جاہلانہ جسارت ہے۔

۲۷۔ وَزَع کہتے ہیں روکنے اور منع کرنے کو۔ اَصْلُ الْوَزْعِ الْكَفُّ وَالْمَنْعُ (روح المعانی) (1) اس سے مدعا یہ ہے کہ افواج کی کثرت کے باوجود وہاں بدنظمی اور انتشار کا نام ونشان تک نہ تھا۔ فوج کا ہر حصہ، لشکر کا ہر دستہ سفر وحضر میں فوجی نظم وضبط کی سختی سے پابندی کیا کرتا۔ یہاں ایک امر کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کرانا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس موقع پر بعض مفسرین نے حضرت سلیمان کے لشکر، آپ کے تخت اور مملکت کے متعلق بڑی مبالغہ آمیز اور عجیب وغریب باتیں لکھی ہیں۔ ان کو نقل کرنے کے بعد علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں کہ ان میں اکثر روایات پایہء اعتبار سے ساقط ہیں۔ ہمیں صرف انہی باتوں پر یقین کرنا چاہیے جو قرآنِ کریم اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہیں۔ اگر آپ ان مبالغہ آمیز باتوں کو صحیح ثابت کرنے کے لیے کوشش کرتے ہیں تو آپ گویا بے دین لوگوں کے لیے دین کا مذاق اڑانے کا دروازہ اپنے ہاتھوں سے کھول رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ مبالغہ آمیز قصے لوگوں کو اسلام سے متنفر کرنے کے لیے زندیقوں نے وضع کیے ہوں۔ وَاِيَّاكَ مِنَ الْاِنْتِصَارِ لِمَا لَا صِحَّةَ لَهٗ ...... مِنْ مُّبَالَغَاتٍ شَنِيْعَةٍ .... فَتَفْتَحَ بِذٰلِكَ بَابَ السُّخْرِيَّةِ بِالدِّيْنِ الْعِيَاذُ بِاللّٰهِ وَلَا يَبْعُدُ اَنْ يَّكُوْنَ اَكْثَرُ مَا تَضَمَّنَ مِثْلَ ذٰلِكَ

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 174

مِنْ وَّضْعِ الزَّنَادِقَةِ یُرِیْدُوْنَ بِہِ التَّنْفِیْرَ مِنْ دِیْنِ الْاِسْلَامِ (روح المعانی)(1)

۲۸ ایک دفعہ آپ اپنے لشکر جرار کے ہمراہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ جہاں سے آپ نے گزرنا تھا وہاں چیونٹیوں کی ایک آبادی تھی۔ اس کے سردار نے جب دیکھا کہ حضرت سلیمان اپنے لشکر کے ساتھ ادھر سے گزرنے والے ہیں تو اس نے تمام چیونٹیوں کو اپنی اپنی بلوں میں گھس جانے کا حکم دیا ایسا نہ ہو کہ آپ کا لشکر گزرے اور وہ بے خبری میں ان کو روندتا چلا جائے اور یہ سب کی سب پس کر رہ جائیں۔ حضرت سلیمانؑ ابھی اس وادی سے تین میل کے فاصلہ پر تھے جبکہ آپ نے اس چیونٹی کی آواز کو سنا۔ آپ سن کر ہنس دیئے اور پھر اللہ تعالیٰ سے اس کی جلیل القدر نعمتوں پر شکر کی توفیق مانگنے لگے جس نے آپ کو دیگر انعامات کے ساتھ اتنی قوت سمع عطا فرمائی کہ اتنی دور سے آپ ننھی سی چیونٹی کی آواز سن سکتے ہیں۔

آیت میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ وہ چیونٹی جب انہیں ہدایت دے رہی ہے تو جمع مذکر کے صیغے اور ضمائر استعمال کر رہی ہے۔ حالانکہ قاعدہ کے مطابق جمع غیر ذوی العقول کے لیے واحد مؤنث کا صیغہ اور ضمیر استعمال ہونی چاہیے۔ اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ ہماری نسبت سے بیشک وہ غیر ذوی العقول ہیں لیکن وہ ایک دوسرے کی بات سمجھتی ہیں اور اس کے مطابق عمل کرتی ہیں اس لیے وہ اپنی نسبت سے ذوی العقول ہیں۔ اگر ان چیونٹیوں کے افعال و کردار کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو ماننا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی انسان کی طرح ایسی عقل دی ہے جو کلیات کا ادراک کر سکتی ہے۔ وہ انسانوں کی طرح مختلف قبائل اور خاندانوں میں بٹی ہوتی ہیں۔ ہر کام کے لیے الگ الگ چیونٹیاں متعین ہوتی ہیں۔ مثلاً خوراک کی بہم رسانی کے لیے الگ اور اپنی بستی کی نگہبانی اور دفاع کے لیے الگ اور دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے ان کا علیحدہ لشکر ہوتا ہے جو مختلف حصوں میں بٹا ہوتا ہے اور اس کی نگرانی کے لیے علیحدہ علیحدہ جرنیل متعین ہوتے ہیں۔ نیز جب وہ گندم وغیرہ کے دانے اپنے گوداموں میں ذخیرہ کرتی ہیں تو ان کو کاٹ کر دو ٹکڑے کر دیتی ہیں تاکہ اگر انہیں نمی پہنچے تو وہ اگ نہ پڑیں لیکن جب وہ مسور اور دھنیا کا ذخیرہ کرتی ہیں تو ان کے چار چار ٹکڑے کرتی ہیں۔ کیونکہ ان کا نصف حصہ بھی اگ جاتا ہے۔ ان حالات کے پیش نظر علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں

ھٰذَا وَ اَمْثَالُہٗ یَحْتَاجُ اِلٰی عِلْمٍ کُلِّیٍّ اِسْتِدْلَالِیٍّ وَھُوَ یَحْتَاجُ اِلٰی نَفْسٍ نَّاطِقَۃٍ وَّ قَدْ بَرْھَنَ شَیْخُ الْاَشْرَافِ (لَعَلَّہٗ شَیْخُ الْاِشْرَاقِ) عَلٰی ثُبُوْتِ النَّفْسِ النَّاطِقَۃِ لِجَمِیْعِ الْحَیَوَانَاتِ (روح المعانی)(2)۔ یہاں بھی اسلام کے نئے کرم فرما تاویل کرنے پر مجبور ہو گئے اور کہہ دیا کہ وادی نمل اس وادی کا نام ہے جہاں ایک بنی نمل نامی قبیلہ آباد تھا اور نملہ سے مراد ان کا ایک فرد ہے جس نے حضرت سلیمانؑ کے لشکر کو دیکھ کر اپنی قوم کو بروقت متنبہ کیا۔

لیکن ان کی پہلی تاویلات کی طرح نصوصِ قرآنیہ اس تاویل کو بھی رد کر رہی ہیں۔ کیونکہ یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جیسے نبی اور عادل فرمانروا کا لشکر اتنا ظالم ہو کہ وہ ایک انسانی بستی کو روندتا ہوا گزر جائے اور اس کو تاخت و تاراج کر دے۔ نیز اگر اس قبیلے کے سردار کو یہ خدشہ پیدا ہوا تو اسے چاہیے تھا کہ وہ اپنے قبیلہ کو یہ مشورہ دیتا کہ یہاں سے بھاگ جاؤ اور پہاڑوں میں جا کر پناہ لو تاکہ لشکر سلیمانی کی تاخت و تاراج سے تم محفوظ رہو۔ سب سے بڑی بات جو ان کی تاویل کو مضحکہ خیز بناتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا اس کی بات پر تعجب کرنا، پھر مسکراتے ہوئے ہنس دینا اور پھر اس کو اللہ تعالیٰ کی

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 175 2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 76-175

وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ

ان کے لشکر اور انھیں معلوم ہی نہ ہو (کہ تم پر کیا گزر گئی) تو سلیمان ہنستے ہوئے مسکرا دیئے اس کی اس بات سے اور عرض

رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰى وَالِدَیَّ

کرنے لگے میرے مالک! مجھے توفیق دے تاکہ میں شکر ادا کروں تیری نعمت (عظمیٰ) کا جو تو نے مجھ پر فرمائی اور میرے والدین پر

وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ

نیز (مجھے توفیق دے کہ) میں وہ نیک کام کروں جسے تو پسند فرمائے اور شامل کر لے مجھے اپنی رحمت کے باعث اپنے نیک بندوں

الصّٰلِحِیْنَ ۝ وَتَفَقَّدَ الطَّیْرَ فَقَالَ مَا لِیَ لَاۤ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ

میں۔ اور آپ نے (ایک روز) پرندوں کا جائزہ لیا ۲۹ تو فرمانے لگے کیا وجہ ہے کہ مجھے (آج) ہُدہُد نظر نہیں آرہا یا وہ

ایک نعمتِ عظمیٰ قرار دے کر شکر کی توفیق مانگنا بالکل بے محل ہوگا۔

۲۹۔ حضرت سلیمان کے لشکر میں پرندوں کا بھی ایک دستہ ہوا کرتا تھا۔ ایک بیدار مغز اور مدبر فرمانروا ہونے کی وجہ سے آپ اپنے لشکر کی کڑی نگرانی کیا کرتے تھے تاکہ کوئی اپنی ڈیوٹی سے غیر حاضر نہ ہو اور فوجی نظم وضبط میں کسی طرح کی گڑبڑ پیدا نہ ہو۔ چنانچہ آپ نے جب پرندوں کے دستہ کا جائزہ لیا تو ہُدہُد کو غیر حاضر پایا۔ آپ جیسا منتظم اور مدبر بادشاہ یہ کب گوارا کرسکتا تھا کہ آپ کی اجازت کے بغیر آپ کا کوئی لشکری جدھر چاہے چلا جائے۔ آپ نے ازراہِ حیرت فرمایا کہ آج ہُدہُد دکھائی نہیں دے رہا۔ وہ کہاں لاپتہ ہوگیا؟ اگر اس نے اپنی غیر حاضری کی کوئی معقول وجہ بیان نہ کی تو اسے فوجی ڈسپلن کی خلاف ورزی کرنے کے سنگین جرم کے باعث عبرتناک سزا دی جائے گی۔ تَفَقَّدَ: تَطَلَّبَ مَا غَابَ عَنْ شَیْءٍ۔ کسی گمشدہ چیز کو تلاش کرنا۔ طَیْرٌ: اسم جمع ہے، اس کا واحد طَائِرٌ ہے۔ علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ حاکم کا فرض ہے کہ وہ اپنی رعایا کے حالات کا جائزہ لیتا رہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کی بے خبری کی وجہ سے طاقتور کمزوروں پر ظلم ڈھاتے رہیں، ان کے حقوق کو پامال کرتے رہیں۔ حضرت فاروقِ اعظمؓ پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ وہ ہمیشہ اپنی رعایا کے احوال سے باخبر رہا کرتے۔ آپ نے ایک دفعہ فرمایا: لَوْ اَنَّ سَخْلَةً عَلٰى شَاطِئِ الْفُرَاتِ اَخَذَهَا الذِّئْبُ لَیُسْأَلُ عَنْهَا عُمَرُ۔ یعنی ''اگر یہاں سے دور دراز علاقہ میں دریائے فرات کے کنارے پر کسی بھیڑ کے بچے کو کوئی بھیڑیا پکڑ لے تو اس کے لیے بھی عمرؓ کو جوابدہ ہونا پڑے گا۔'' اس کے بعد علامہ موصوف حسرت وافسوس کا اظہار کرتے ہوئے اپنے زمانہ کے حکام کی بے خبری اور فرض ناشناسی پر گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہیں۔ (1)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 13، ص 79-177

مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ﴿۲۰﴾ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗۤ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ

ہے ہی غیر حاضر۔ (اگر وہ غیر حاضر ہے) تو میں ضرور اسے سخت سزا دوں گا یا اسے ذبح ہی کر ڈالوں گا یا اسے لانا پڑے گی

بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۱﴾ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ

میرے پاس کوئی روشن سند۔ پس کچھ زیادہ دیر نہ گزری ۳۰؎ (کہ وہ آگیا) اور کہنے لگا میں ایک ایسی اطلاع لے کر آیا ہوں

بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ﴿۲۲﴾ اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ

جس کی آپ کو خبر نہ تھی اور (وہ یہ کہ) میں لے آیا ہوں آپکے پاس ملک سبا سے ایک یقینی خبر ۳۱؎ میں نے پایا ایک عورت کو جو ان کی حکمران ہے

۳۰؎ تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ہُدہُد حاضر ہو گیا اور اپنی غیر حاضری کی وجہ بیان کرتے ہوئے عرض کی کہ میں ایک ایسی خبر لایا ہوں جس کا پہلے آپ کو علم نہیں۔ میں سبا کے ملک میں گیا تھا۔ وہاں کے حالات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے اور وہی چشم دید یقینی حالات عرض خدمت کرتا ہوں۔ سَبَاءٌ اسْمُ مَدِيْنَةٍ تُعْرَفُ بِمَأْرِبَ بِالْيَمَنِ بَيْنَهَا وَ بَيْنَ صَنْعَاءَ مَسِيْرَةُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ(1) (قرطبی) یاقوت حمویؒ معجم البلدان میں سبا کے متعلق لکھتے ہیں۔ اَرْضٌ بِالْيَمَنِ مَدِيْنَتُهَا مَارِبُ بَيْنَهَا وَبَيْنَ صَنْعَاءَ مَسِيْرَةُ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ۔ ''سبا یمن کے ایک علاقہ کا نام ہے جس کا مرکزی شہر مآرب ہے جو صنعاء (یمن کا موجودہ دارالحکومت) سے تین دن کی مسافت پر ہے۔'' یشحب بن یعرب بن قحطان کے بیٹے سبا نامی کی اولاد وہاں آباد ہوئی اس لیے یہ علاقہ سبا کہلایا۔ (معجم البلدان جلد ۳ صفحہ ۱۸۱ طبع بیروت)۔(2)

علامہ قزوینیؒ نے آثار البلاد میں اس کے متعلق تفصیلاً لکھا ہے جس کا خلاصہ پیشِ خدمت ہے۔ سبا ایک شہر کا نام ہے جسے سبا بن یشحب بن یعرب بن قحطان نے آباد کیا تھا۔ یہ شہر دفاعی لحاظ سے بہت مستحکم اور گنجان آباد تھا۔ اس کی ہوا بڑی پاکیزہ اور پانی بہت میٹھا تھا۔ باغات کی کثرت تھی جن کے پھل بڑے لذیذ تھے۔ طرح طرح کے حیوانات بکثرت پائے جاتے تھے۔ صفائی کا یہ حال تھا کہ مکھی مچھر کا نام ونشان تک نہ تھا۔ اردگرد پہاڑوں کا سلسلہ تھا۔ بارش ہوتی، پانی بہ کر ریگستانوں میں ضائع ہو جاتا۔ ملکہ بلقیس کے عہدِ حکومت میں دو پہاڑوں کے درمیان ایک زبردست بند (DAM) تعمیر کیا گیا جس سے بارش کا پانی جمع ہو جاتا۔ اس بند میں پانی کے اخراج کے لیے اوپر نیچے کئی سوراخ تھے۔ حسبِ ضرورت انہیں کھول کر پانی لے لیا جاتا جو مختلف نہروں کے ذریعہ تمام علاقہ کو سیراب کرتا۔ لوگ بہت خوش حال ہو گئے۔ خوش حالی اپنے ہمراہ عیش وعشرت اور فسق وفجور لے آئی۔ جب ان کی نافرمانیاں حد سے تجاوز کر گئیں تو قہرِ الٰہی سیلاب کی صورت میں ظاہر ہوا۔ بند ٹوٹ گیا، سارا علاقہ برباد ہو گیا(3)۔ اس کا ذکر قرآن میں کئی مواقع پر آیا ہے۔ وہاں مزید وضاحت کی جائے گی۔

۳۱؎ ہُدہُد وہاں کے حالات بتا رہا ہے۔ ملکہ سبا کے تخت کے متعلق علامہ قرطبیؒ نے حضرت ابنِ عباس کا یہ قول نقل کیا ہے: قَالَ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 181
2۔ معجم البلدان، ج 3، ص 181، مطبوعہ دار صادر، بیروت
3۔ آثار البلاد واخبار العباد، ص 40، مطبوعہ دار صادر، بیروت

وَ اُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّ لَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ وَجَدْتُّهَا وَ قَوْمَهَا

اور اُسے دی گئی ہے ہر قسم کی چیز سے اور اس کا ایک عظیم الشان تخت ہے۔ میں نے پایا ہے اُسے اور اس کی قوم کو کہ وہ

يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ

سب سجدہ کرتے ہیں سورج کو سوائے اللہ تعالیٰ کے ۳۲؎ اور آراستہ کر دیئے ہیں ان کے لیے شیطان نے ان کے دیہ

فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ

مشرکانہ) اعمال ۳۳؎ پس اس نے روک دیا ہے انھیں (سیدھے) راستہ سے پس وہ ہدایت قبول نہیں کرتے۔ وہ کیوں نہ سجدہ

الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ يَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَ

کریں ۳۴؎ اللہ تعالیٰ کو جو نکالتا ہے پوشیدہ چیزوں کو آسمانوں اور زمین سے اور وہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو

مَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۶﴾ قَالَ سَنَنْظُرُ

تم ظاہر کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نہیں ہے کوئی معبود بجز اس کے وہ مالک ہے عرش عظیم کا۔ آپ نے فرمایا ہم پوری تحقیق کریں گے ۳۵؎

السجدۃ ۸

ابْنُ عَبَّاسٍ كَانَ طُوْلُ عَرْشِهَا ثَمَانِيْنَ ذِرَاعًا وَعَرْضُهٗ اَرْبَعِيْنَ ذِرَاعًا وَّارْتِفَاعُهٗ فِي السَّمَاءِ ثَلَاثِيْنَ ذِرَاعًا (1)۔ یعنی اس کا طول اسی ہاتھ، عرض چالیس ہاتھ، اونچائی تیس ہاتھ۔

۳۲؎ اس کے مذہب کے متعلق بتایا کہ وہ اور اس کی قوم سورج کی پوجا کیا کرتی ہے۔

۳۳؎ یعنی شیطان نے اس کھلی گمراہی کو ان کے سامنے مزین کر کے پیش کیا ہے اور وہ اس پر اس طرح فریفتہ ہو گئے ہیں کہ عقل کے سارے تقاضوں کو پس پشت ڈال دیا ہے۔

۳۴؎ علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الخ ہدہد کا کلام نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور اس میں اُمت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات کو خطاب کیا جا رہا ہے۔ (2)

۳۵؎ حضرت سُلیمان علیہ السلام نے کہا کہ ہم تیری اس بات کی پوری تحقیق کریں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حاکم کے سامنے اگر کوئی ملزم عُذر پیش کرے تو وہ اس کو ٹھکرا نہ دے بلکہ اسے قبول کرے اور اس کی چھان بین کرے اور تحقیق کرنے کے بعد اس کے متعلق فیصلہ کرے (3)۔ حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کا ارشاد گرامی ہے: لَيْسَ اَحَدٌ اَحَبَّ اِلَيْهِ الْعُذْرُ مِنَ اللّٰهِ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ اَنْزَلَ الْكِتَابَ وَ اَرْسَلَ الرُّسُلَ۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے زیادہ عذر کو پسند کرنے والا کوئی نہیں۔ اسی لیے اس نے قرآن نازل کیا اور

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 184 2۔ ایضاً، جز 13، ص 89-188 3۔ ایضاً، جز 13، ص 189

أَصَدَقْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٢٧﴾ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَأَلْقِهْ اِلَيْهِمْ

اس بات کی کہ تو نے سچ کہا ہے یا تو بھی غلط بیانی کرنے والوں سے ہے۔ لے جا میرا یہ مکتوب ۳۶ اور پہنچا دے ان کی

ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٢٨﴾ قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْٓ اُلْقِيَ

طرف، پھر ہٹ کر کھڑا ہو جا ان سے اور دیکھ ۳۷ وہ ایک دوسرے سے کیا گفتگو کرتے ہیں۔ (خط پڑھ کر) ملکہ نے

اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿٢٩﴾ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿٣٠﴾

کہا اے سرداران قوم! پہنچایا گیا ہے میری طرف ایک عزت والا خط ۳۸ یہ سلیمان کی طرف سے ہے اور وہ یہ ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں

اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿٣١﴾ قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ

جو رحمٰن (اور) رحیم ہے تم لوگ غرور وتکبر نہ کرو میرے مقابلہ میں اور چلے آؤ میرے پاس فرمانبردار بن کر ملکہ نے کہا اے سرداران قوم! مجھے مشورہ دو میرے

رسول مبعوث فرمائے۔(1)

۳۶ چنانچہ آپ نے بلقیس کی طرف ایک خط لکھا جس کا مضمون اگلی آیت میں مذکور ہے اور ہدہد کو حکم دیا کہ اسے لے جا کر بلقیس کو پہنچا دے اور پھر اس کے ردعمل سے مطلع کرے۔ اَلْقٰی کا معنی کسی چیز کو اس طرح پھینکنا کہ وہ تجھے دکھائی دیتی رہے۔ اَلْاِلْقَاءُ طَرْحُ الشَّیْءِ حَیْثُ تَلْقَاهُ اَیْ تَرَاهُ (مفردات)(2)

لیکن جب ترکیبِ کلام یوں ہو جیسے اس آیت میں ہے تو پھر اس کا معنی پہنچا دینا ہے۔ صاحبِ منجد اس کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں اَلْقَی الشَّیْءَ اِلَی الْاَرْضِ طَرَحَهٗ وَاَلْقٰی اِلَیْهِ الْقَوْلَ وَبِالْقَوْلِ: اَبْلَغَهٗ اِیَّاهُ۔(3)

۳۷ خط پہنچا کر بھاگ نہ آنا، الگ کھڑے ہو کر دیکھنا کہ اس کے بارے میں باہم کیا بات چیت کرتے ہیں۔ اَیْ مَاذَا یَرْجِعُ بَعْضُھُمْ اِلٰی بَعْضٍ مِّنَ الْقَوْلِ (مظہری)(4)

۳۸ کہتے ہیں کہ جب ملکہ سبا اپنے درباریوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی تو ہدہد نے وہاں ان کے سروں پر پہنچ کر پھڑ پھڑانا شروع کیا۔ جب بلقیس نے نگاہیں اوپر اٹھائیں تو اس نے وہ خط اس کی گود میں پھینک دیا اور بعض نے لکھا ہے کہ وہ سو رہی تھی اور ہدہد روزن سے داخل ہوا اور چپکے سے وہ خط اس کے سینے پر رکھ دیا بہر حال اس نے خط پڑھا تو اس کے ایجاز اور اس کے پُرجلال اسلوب کو دیکھ کر لرز گئی۔ فوراً شاہی مشیروں کی مجلسِ مشاورت منعقد کی اور اس میں اس نے وہ خط پڑھ کر سنایا اور ان سے رائے دریافت کی اور انہیں کہا کہ میں ہر معاملہ میں تم سے مشورہ کرنے کے بعد کوئی فیصلہ کیا کرتی ہوں۔ اب بتاؤ اس خط کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ حَتّٰی تَشْهَدُوْنِ اَیْ حَتّٰی تَحْضُرُوْنِیْ وَتُشِیْرُوْنِیْ اَوْ تَشْهَدُوْا عَلٰی کَوْنِهٖ صَوَابًا۔(5)

1۔ صحیح مسلم، کتاب التوبۃ، باب غیرۃ اللہ تعالیٰ وتحریم الفواحش، ج2، ص358۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز13، ص189
2۔ مفردات راغب، ص745
3۔ المنجد، ص731
4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج7، ص112
5۔ ایضاً، ج7، ص13-112

أَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿۳۲﴾ قَالُوْا نَحْنُ أُولُوْا قُوَّةٍ وَّ

اس معاملہ میں۔ میں کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا کرتی جب تک تم موجود نہ ہو۔ وہ کہنے لگے ہم بڑے طاقت ور اور

أُولُوْا بَأْسٍ شَدِيْدٍ ۙ وَّالْأَمْرُ إِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَأْمُرِيْنَ ﴿۳۳﴾ قَالَتْ إِنَّ

سخت جنگجو ہیں ۳۹؎ اور فیصلہ کرنا آپ کے اختیار میں ہے آپ غور کر لیں کہ آپ کیا حکم دینا چاہتی ہیں۔ ملکہ نے

الْمُلُوْكَ إِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً أَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ

کہا ۴۰؎ اس میں شک نہیں کہ بادشاہ جب داخل ہوتے ہیں کسی بستی میں تو اسے برباد کر دیتے ہیں اور بنا دیتے ہیں وہاں کے معزز

يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَإِنِّيْ مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌ بِمَ يَرْجِعُ

شہریوں کو ذلیل۔ اور یہی ان کا دستور ہے۔ اس لیے جنگ کرنا قرین دانشمندی نہیں۔ اور میں بھیجتی ہوں انکی طرف ایک تحفہ پھر دیکھونگی کہ قاصد

۳۹؎ جو اہل الرائے وہاں جمع ہوئے انہوں نے کہا کہ جہاں تک فوجوں کی تعداد، سامانِ جنگ کی فراہمی اور شجاعت و مردانگی کا تعلق ہے وہ تو آپ سے پوشیدہ نہیں۔ آپ خود جانتی ہیں کہ وقت آنے پر ہم اپنی بہادری اور جوانمردی کے جوہر دکھائیں گے۔ بہر حال جنگ کی ذمہ داری لینے کے لیے ہم تیار نہیں۔ اس کے متعلق قطعی فیصلہ وہ ہوگا جو آپ کریں گی۔ ہم آپ کے ہر حکم کو ماننے کے لیے بسر و چشم تیار ہیں۔

۴۰؎ یقیناً وہ حضرت سلیمانؑ کی قوت و طاقت اور ان کے عظیم لشکر سے باخبر ہوگی اس لیے وہ انہیں بتا رہی ہے کہ اتنے بڑے بادشاہ کا مقابلہ کر کے ہم خود اپنی ہلاکت و بربادی کو دعوت دینے کی حماقت نہیں کر سکتے۔ کوئی اور تدبیر ہی کرنا ہوگی۔

اس آیت میں ملوکیت کے مزاج سے کیسا پردہ اٹھایا گیا ہے کہ بادشاہوں کے سبز قدم جہاں پہنچتے ہیں اور جس ملک کو وہ فتح کرتے ہیں اس کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتے ہیں۔ اس کے معاشی وسائل پر اپنی اجارہ داری قائم کر لیتے ہیں اور وہاں کے اصلی باشندوں کو افلاس و غربت کی سختیاں سہنے کے لیے چھوڑ دیتے ہیں اور جو شخص غلامی کی ذلت کو گوارا نہیں کرتا اور ان کے اس مالی استحصال اور سیاسی استبداد پر صدائے احتجاج بلند کرتا ہے، اس کو اتنا ذلیل و رسوا کرتے ہیں کہ اس کا نام لینے والا بھی کوئی نہیں رہتا۔ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ فرما کر اس حقیقت کی صداقت پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی۔ آپ خود دیکھ سکتے ہیں کہ ان استعماری قوتوں کے قدم جہاں پہنچتے ہیں وہاں کے رہنے والوں پر قیامت ٹوٹ پڑتی ہے۔ وہ فقر و فاقہ کے شکنجہ میں کس دیئے جاتے ہیں۔ فرانس، آزادی اور انسانی اقدار کا سب سے بڑا علمبردار ہونے کا مدعی ہے۔ لیکن جہاں اس نے اپنے استعمار کے خونی پنجے گاڑے وہاں کے لوگوں کی خونچکاں داستان الجزائر وغیرہ نو آبادیات کے رہنے والوں سے پوچھیے۔

الْمُرْسَلُونَ ﴿٣٥﴾ فَلَمَّا جَاءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ أَتُمِدُّونَنِ بِمَالٍ فَمَا آتٰنِ ءَ اللّٰهُ

کیا جواب لیکر لوٹتے ہیں ایلچی۔ سو جب قاصد آپکے پاس (ہدیہ لے کر) آیا تو آپ نے فرمایا ۴۲ کیا تم لوگ مال سے میری مدد کرنا

خَيْرٌ مِّمَّا آتٰكُمْ ۚ بَلْ أَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُونَ ﴿٣٦﴾ اِرْجِعْ إِلَيْهِمْ

چاہتے ہو (سنو) جو عطا فرمایا ہے مجھے اللہ تعالیٰ نے وہ بہتر ہے اس سے جو تمہیں دیا ہے بلکہ تم تو اپنے ہدیہ پر پھولے نہیں سماتے ہو (گویا کوئی

فَلَنَأْتِيَنَّهُمْ بِجُنُودٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَا أَذِلَّةً وَّهُمْ

بڑی نادر چیز لائے ہو) تو واپس چلا جا انکے پاس اور ہم آرہے ہیں انکی طرف ایسے لشکر لے کر جن کے مقابلہ کی ان میں تاب نہیں اور ہم یقیناً نکال دینگے

صٰغِرُونَ ﴿٣٧﴾ قَالَ يٰٓأَيُّهَا الْمَلَؤُا أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَنْ يَّأْتُونِي

انھیں اس شہر سے ذلیل کر کے اور وہ خوار اور رسوا ہو چکے ہونگے۔ آپ نے فرمایا اے (میرے) درباریو ۴۳ کون تم سے لے آئیگا میرے پاس

۴۱ ایسے عظیم بادشاہ کے ساتھ جنگ کرنا قرینِ دانشمندی نہیں لیکن یوں ہی اس کے دین کو قبول کر لینا بھی معقولیت سے بعید ہے۔ میں یہ ہدیہ دے کر قاصد اس کی طرف بھیجتی ہوں۔ اس کے رویہ سے پتہ چل جائے گا کہ وہ بادشاہ ہے یا نبی۔ اگر بادشاہ ہوا تو اس کے ساتھ ایسا معاملہ کریں گے جو بادشاہوں کے ساتھ کیا جاتا ہے اور اگر نبی ہوا تو پھر بھی معلوم ہو جائے گا۔ وہ ہدیہ جو بلقیس نے آپ کی طرف بھیجا تھا وہ کیا تھا؟ امام رازی فرماتے ہیں: فَالنَّاسُ اَكْثَرُوْا فِي صِفَةِ الْهَدِيَّةِ لٰكِنْ لَا ذِكْرَ لَهَا فِي الْكِتَابِ(1): یعنی اگرچہ لوگوں نے اس ہدیہ کے بارے میں بڑی مبالغہ آرائیوں سے کام لیا ہے۔ لیکن قرآنِ کریم میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ بہر حال وہ کوئی معمولی چیز نہیں ہوگی بلکہ بڑی قیمتی اور نادر اشیاء ہونگی۔

۴۲ قاصد جب ہدیہ لے کر پہنچے تو آپ نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ تمہیں اپنی دولت و ثروت پر بڑا گھمنڈ ہے اور اپنے جواہرات سے بھرے ہوئے خزانوں پر بڑے اتراتے ہو اور میری طرف یہ تحفہ بھیج کر تم خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔ سمجھتے ہو کہ تم نے بڑی ہی قیمتی اور نادر چیزیں میری طرف بھیجی ہیں۔ لیکن کان کھول کر سُن لو! میری نظر میں تمہارے ان تحائف اور نوادرات کی پرِ کاہ کے برابر بھی وقعت نہیں۔ جو خزانے اور جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے مجھے بخشی ہیں ان کے سامنے یہ سب ہیچ ہیں۔ انہیں اپنی ملکہ کے پاس لے جاؤ اور جا کر اسے میری طرف سے یہ بات صاف صاف سنا دو کہ اگر تم نے سورج کی پرستش سے توبہ کر کے میرے لائے ہوئے دین کو قبول نہ کیا تو میں ایسا لشکر جرار لے کر تم پر چڑھائی کروں گا کہ تم اس کا مقابلہ نہیں کر سکو گے۔ لَا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا: اَيْ لَا طَاقَةَ لَهُمْ (الصحاح) (2) قِبَلُ کا معنی طاقت ہے۔

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 12، جز 24، ص 197
2۔ الصحاح، ج 5، ص 1796

مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ

اس کے تخت کو اس سے پہلے کہ وہ آجائیں میری خدمت میں فرمانبردار بن کر عرض کی ایک عفریت نے جنات میں سے (حکم ہو تو)

مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿۳۹﴾ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ

میں لے آتا ہوں آپ کے پاس پیش ازیں کہ آپ کھڑے ہوں اپنی جگہ سے۔ اور بیشک میں اس کو اٹھا لانے کی طاقت بھی رکھتا ہوں (اور) امین

اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ

بھی ہوں۔ عرض کی اس نے جس کے پاس کتاب کا علم تھا ۴۴ (اجازت ہو تو) میں لے آتا ہوں اسے آپکے پاس اس سے پہلے کہ آپکی آنکھ جھپکے پھر جب

۴۳ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے تحائف قبول کرنے سے انکار کر دیا تو اس کے قاصد انہیں واپس لے گئے اور سارا ماجرا اپنی ملکہ سے جا کر کہا۔ وہ سمجھ گئی کہ آپ بادشاہ نہیں ہیں اور ان کا مقابلہ کرنے کی اس میں ہمت نہیں۔ لیکن ایمان لانے سے پہلے وہ آپ کا اور آپ کے احوال کا خود مشاہدہ کرنا چاہتی تھی۔ چنانچہ شاہی تزک واحتشام کے ساتھ وہ آپ کی طرف روانہ ہوئی۔ جب وہ قریب پہنچ گئی تو آپ نے چاہا کہ اسے اپنے ربِ قدوس کی قدرتِ کاملہ کا ایک اور بیّن ثبوت دکھائیں۔ نیز اس پر یہ امر بھی واضح کر دیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کتنی عزت اور کمال عطا فرمایا ہے کہ آپ کے غلاموں میں بھی ایسے باکمال لوگ موجود ہیں جو ایسے کرشمے دکھا سکتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے اپنے درباریوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم میں سے کون بلقیس کے شاہی تخت کو اس کے یہاں پہنچنے سے پہلے لا سکتا ہے؟ جنوں میں سے ایک طاقتور جن اٹھا اور دست بستہ عرض کرنے لگا کہ اگر اس خادم کو حکم ہو تو اس مجلس کے برخاست ہونے سے پہلے اسے یہاں پہنچا دوں۔ اگرچہ وہ بڑا بھاری بھر کم ہے اور مسافت بھی ڈیڑھ ہزار میل سے زیادہ ہے۔ لیکن میں قوی ہوں، ایسا کر سکتا ہوں اور میں امین بھی ہوں جو قیمتی جواہرات اس میں جڑے ہوئے ہیں ان میں ہرگز خیانت نہیں کرونگا۔ آپ نے اس کی پیش کش کو قبول نہ فرمایا۔ گویا آپ کو یہ گوارا نہ ہوا کہ آپ کا کوئی درباری اس معمولی کام کے لیے اتنی لمبی مہلت مانگے۔

۴۴ چنانچہ ایک اور آدمی کھڑا ہوا۔ اس نے مؤدبانہ التماس کیا کہ اگر مجھے ارشاد ہو تو آنکھ جھپکنے سے پہلے تخت کو وہاں سے اٹھا کر آپ کے قدموں میں لا کر رکھ دوں۔ آپ نے اجازت مرحمت فرمائی۔ اور جب آپ نے آنکھ کھولی تو تخت وہاں موجود تھا۔ آپ نے اپنے ایک خادم کی اس قوت کا مشاہدہ کیا تو دل میں غرور ونخوت کے جذبات پیدا نہیں ہوئے بلکہ فوراً سراپا نیاز بن کر اپنے مولیٰ کریم کا شکر ادا کرنے لگے۔ عرض کیا: یہ میرے رب کا فضل وکرم ہے جس نے مجھے اتنی عزت اور سرفرازی بخشی ہے کہ میرے خدام ایسا کام کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: یہ فضل بہت بڑی آزمائش ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے آزمانا چاہتا ہے کہ میں اس کی عنایاتِ جلیلہ پر اس کا شکر ادا کرتا ہوں یا ناشکری کا اظہار کرتا ہوں۔

قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ ۫ۖ لِیَبْلُوَنِیْۤ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ؕ وَ مَنْ شَكَرَ

آپ نے اسے دیکھا کہ وہ رکھا ہوا ہے آپ کے نزدیک تو فرمانے لگے یہ میرے رب کا فضل (وکرم) ہے تاکہ وہ آزمائے مجھے کہ آیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری

فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّیْ غَنِیٌّ كَرِیْمٌ ﴿۴۰﴾ قَالَ نَكِّرُوْا

اور جس نے شکر کیا تو وہ شکر کرتا ہے اپنے بھلے کے لیے ۴۵ اور جو ناشکری کرتا ہے (وہ اپنا نقصان کرتا ہے) بلاشبہ میرا رب غنی بھی ہے (اور) کریم بھی

مصیبت اور تکلیف کو تو ہم سب امتحان اور آزمائش تصوّر کرتے ہیں لیکن جب فرحت وسُرور کا دور آتا ہے جب اس کے انعامات کی بے مہابا بارش ہونے لگتی ہے تو ہم اِس بات کو بھول جاتے ہیں کہ یہ بھی امتحان ہے اور پہلے قسم کے امتحان سے بڑا سخت امتحان ہے، اس میں کامیاب ہونا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ تکالیف ومصائب کے امتحان میں کامیاب وہ ہوتا ہے جو صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑ لے اور آرام وآسائش کی آزمائش میں کامیابی کا سہرا اس کے سر باندھا جاتا ہے جو شکر گزار ہو۔ اور شکر کا صرف یہ مطلب نہیں کہ آپ صرف زبان سے ہی شکریہ ادا کرتے رہیں بلکہ حقیقی شکر یہ ہے کہ اس نعمت کو اس طرح استعمال کیا جائے جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہو۔

۴۵ یہ کہہ کر بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر کر کے تم اس پر کوئی احسان نہیں کر رہے بلکہ اپنے لیے مزید نعمتوں کا دروازہ کھول رہے ہو اور اگر تم نے ناشکری کی تو مزید عنایات کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا بلکہ پہلے انعامات سے بھی ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ اللہ تعالیٰ غنی اور کریم ہے اگر کوئی اس کا شکر گزار بندہ بنا رہے تو وہ اسے اور زیادہ دیتا جائے گا کیونکہ وہ غنی ہے اس کے خزانے بھرے پڑے ہیں اور وہ کریم ہے اس کا دستِ جود وعطا سخاوت کرتا ہی رہتا ہے۔

ایک چیز ابھی تحقیق طلب ہے کہ وہ کون شخص تھا جس نے دم بھر میں بلقیس کا شاہی تخت پندرہ سو میل کی مسافت سے سبا سے بیت المقدس پہنچا دیا۔ نیز وہ تخت کہیں صحن میں تو پڑا نہیں ہوگا بلکہ قصرِ شاہی کی کسی محفوظ ترین جگہ میں رکھا ہوگا اور اس کی نگہبانی کے لیے خصوصی پہرے داروں کا انتظام بھی ہوگا۔ اس کے متعلق کسی نے حضرت خضر کا نام لیا ہے اور کسی نے جبرئیل کا اور کسی نے آصف بن برخیا کا۔ اور یہ آخری قول زیادہ مشہور ہے۔ لیکن قرآن نے اس کا نام نہیں لیا بلکہ اس کی صفت سے اس کا تعارف کرا دیا۔ یعنی اس شخص نے یہ بات کہی جس کے پاس کتاب کا علم تھا۔ جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس کی یہ صفت ایسی تھی جس کا اس محیر العقول کارنامے کی انجام دہی کے ساتھ خصوصی تعلق تھا۔ امام رازی لکھتے ہیں: وَ اِنَّ لِهٰذَا الْوَصْفِ تَاْثِیْرًا فِیْ نَقْلِ ذٰلِكَ الْعَرْشِ (1) (کبیر) امام عبد القاہر جرجانی نے اسرار البلاغۃ میں تصریح کی ہے کہ جب کسی فاعل کی توصیف صلہ سے کی جائے تو اس فعل کے صدور میں اس صلہ کو خصوصی دخل ہوتا ہے۔ اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس شخص میں یہ قوت اور طاقت پیدا ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اس کے پاس عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ (کتاب کا علم) تھا۔ اس آیت سے کراماتِ اولیاء کا ثبوت بھی ہو گیا اور یہ بات بھی

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 12، جز 24، ص 99-198

لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِیْۤ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِیْنَ لَا یَهْتَدُوْنَ ﴿۴۱﴾

اپنے حکم دیا شکل بدل دو اس کے لیے اس کے تخت کی ۴۶ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ حقیقت پر آگاہ ہوتی ہے یا ہو جاتی ہے ان لوگوں میں سے جو حقیقت کو نہیں

فَلَمَّا جَآءَتْ قِیْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ؕ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَ اُوْتِیْنَا الْعِلْمَ

پہچانتے۔ سو جب وہ آئی تو اس سے پوچھا گیا کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے ۴۷ کہنے لگی یہ تو ہو بہو وہی ہے۔ اور ہمیں اطلاع مل گئی تھی اس

مِنْ قَبْلِهَا وَ كُنَّا مُسْلِمِیْنَ ﴿۴۲﴾ وَ صَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ

واقعہ کی اس سے پہلے اور ہم تو فرمانبردار بن کر حاضر ہوتے ہیں۔ اور روک رکھا تھا اسے (ایمان لانے سے) ان بتوں نے ۴۸ جن کی وہ عبادت

واضح ہوگئی کہ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک امتی "الکتاب" کے علم کی برکت سے ایسا کام کرسکتا ہے تو سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کا ولی جو الکتاب کا نہیں بلکہ الکتب المبین کا عالم اور اس کے اسرار و معارف پر آگاہ ہے اس سے ایسے امور کا سرزد ہونا کیا مشکل ہے۔ وہ لوگ جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے اولیائے کاملین کی کرامات کا انکار کرتے ہیں انہیں قرآنِ کریم کی اس آیت میں مکرّر غور کرنا چاہیے۔(1)

ہمارے تجدّد پسند مفسرین لکھتے ہیں کہ آپ نے جب بلقیس کی آمد کی خبر سنی تو اپنے درباریوں سے کہا: تم میں سے کوئی ایسا ہے جو بلقیس کے بیٹھنے کے لیے کوئی تخت بنادے تاکہ جب وہ یہاں آئے تو اسے اس پر بٹھایا جائے۔ ان کی اس تاویل کو دیکھ کر یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یا تو وہ عربی لغت کے مبادیات سے بھی ناواقف ہیں ورنہ وہ "اَیُّكُمْ یَاْتِیْنِیْ بِعَرْشِهَا (کہ تم میں سے کون میرے پاس اس کا تخت لاسکتا ہے؟) کا یہ ترجمہ ہرگز نہ کرتے۔ اور اگر انہیں اتنا علم ہے تو یہ باور کرنے میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ قرآن کی تصریحات پر ان کا دل نہیں جمتا۔ کھلے بندوں اس کے انکار کرنے کی بھی جرات نہیں کرسکتے اور بزدلی کے باعث اپنی قلبی منافقت کو تحریف کے پردوں میں چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔

۴۶ آپ نے حکم دیا کہ اس تخت کی شکل وصورت میں کچھ ردوبدل کردو۔ ہم دیکھیں گے کہ وہ اپنے تخت کو پہچان سکتی ہے یا نہیں۔

۴۷ جب بلقیس آئی تو اس سے پوچھا گیا: کیا تیرا شاہی تخت بھی اسی قسم کا ہے جیسے یہ ہے؟ وہ فوراً بھانپ گئی اور کہنے لگی: یہ تو بعینہٖ وہی معلوم ہوتا ہے اور ہمیں اس بات کی اطلاع پہلے ہی مل چکی ہے کہ تخت آپ کے پاس پہنچ گیا ہے۔ اس کا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اپنی شان وعظمت دکھانے کے لیے آپ نے یہ معجزہ دکھایا ہے۔ ہم تو اس سے ہی جان چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اس نے آپ کو بڑی نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے اور ہم تو مسلمان ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔

۴۸ ایسی سلیم الطبع خاتون جس نے حق کو دیکھ کر فوراً پہچان لیا اور بلا تامل اسے قبول کرلیا، اب تک سورج کی پوجا کیسے کرتی

1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج6، ص52-351

إِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كَٰفِرِينَ ﴿٤٣﴾ قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۖ فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ

کیا کرتی تھی اللہ تعالیٰ کے سوا بیشک وہ قوم کفار سے تھی۔ اسے کہا گیا ۴۹ کہ اس محل میں داخل ہو جاؤ پس جب اس نے دیکھا اس

لُجَّةً وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيرَ ۗ قَالَتْ

(کے بلوریں فرش) کو تو اس نے خیال کیا کہ یہ گہرا پانی ہے اور اس نے کپڑا اٹھا لیا اپنی دونوں پنڈلیوں سے۔ آپ نے فرمایا (یہ پانی نہیں) یہ ۵۰

رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَٰنَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَٰلَمِينَ ﴿٤٤﴾

ع ۱۸ ۳

چمکدار محل ہے بلور کا بنا ہوا (اس کی آنکھیں کھل گئیں) کہنے لگی اے میرے رب! میں (آج تک) ظلم ڈھاتی رہی اپنی جان پر اور (اب) ایمان لائی ہوں

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَٰلِحًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ فَإِذَا هُمْ

سلیمان کے ساتھ اللہ پر جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے ۵۱ اور بیشک ہم نے رسول بنا کر بھیجا ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو ۵۲ کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ

رہی؟ اس کی وجہ بیان فرمادی کہ وہ پیدا ہی ایسے ماحول میں ہوئی تھی جہاں سورج کی پرستش کی جاتی تھی۔ اسے آج تک کسی نے یہ بتایا ہی نہیں تھا کہ سورج عبادت کے لائق نہیں، بلکہ عبادت کے لائق تو وہ ہستی ہے جس نے سورج کو پیدا کیا۔ اس کو نور و حرارت کا سرچشمہ بنایا۔ اور اسے اپنے قانون کا پابند بنا کر انسان کی خدمت پر مامور کر دیا۔

۴۹ آپ کا ایک عظیم الشان محل تھا جس کا فرش بلور کا بنا ہوا تھا۔ اس کے نیچے پانی رواں رہتا تھا۔ آپ نے اپنا تخت اس محل کے وسیع صحن میں بچھایا اور اسے شرفِ باریابی حاصل کرنے کی اجازت دی۔ وہ جب اندر داخل ہونے لگی تو اُسے یوں محسوس ہوا کہ وہاں پانی کی لہریں موجزن ہیں۔ اس نے اپنے پائنچے چڑھائے تاکہ پانی میں بھیگ نہ جائیں۔ اسے یہ اندازہ نہ ہو سکا کہ پانی صحن میں نہیں بلکہ صحن بلور کا بنا ہوا ہے اور پانی اس کے نیچے بہ رہا ہے۔(1)

۵۰ آپ نے اس کی غلطی پر اسے متنبہ فرمادیا۔ قَوَارِيرَ: شیشۂ بلور۔ مُمَرَّدٌ: مُمَلَّسٌ، صاف شفاف، چمکدار۔ اَمْرَدُ اس نوجوان کو کہتے ہیں جس کے رخساروں پر ابھی بال نہ اُگے ہوں۔(2)

۵۱ دل تو پہلے ہی نورِ ایمان سے روشن ہو گیا تھا۔ اب جب اُسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تو بے اختیار ہو کر اپنی سابقہ گمراہی پر ندامت کا اظہار کیا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ آپ نے بلقیس کو اپنا حرم بننے کی عزت بخشی اور اس سے آپ کی اولاد بھی ہوئی(3)۔ اَللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ۔

۵۲ اب پھر حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم ثمود کا حال بیان ہو رہا ہے۔ حضرت صالح نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانے کی دعوت دی تو چند سعید روحوں نے آپ کی دعوت کو قبول کر لیا۔ لیکن اس کی بھاری اکثریت اپنے کفر پر جمی رہی۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 120 ۔۔۔ 2۔ ایضاً ۔۔۔ 3۔ ایضاً، ج 7، ص 121

فَرِيقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ

کی تو وہ دو گروہ بن گئے (اور آپس میں) جھگڑنے لگے۔ صالح نے فرمایا اے میری قوم! کیوں تیزی کرتے ہو بُرائی کرنے میں نیک

الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَ

کام کرنے سے پہلے ۵۳ تم کیوں نہیں بخشش طلب کرتے اللہ تعالیٰ سے ۵۴ شاید تم پر رحم کر دیا جاتے کہنے لگے ہم تو بُرا شگون سمجھتے ہیں

بِمَنْ مَّعَكَ ؕ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿۴۷﴾

تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو ۵۵ آپ نے فرمایا تمہارا بُرا شگون تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے بلکہ تم ایسی قوم ہو جو فتنہ میں مبتلا کر دی گئی ہے ۵۶

جس طرح سورۂ اعراف (1) میں گزر چکا ہے۔

۵۳ انہوں نے سرکشی کی انتہا کر دی اور اپنے نبی کو چیلنج دے دیا کہ آپ جو عذاب ہم پر اتارنا چاہتے ہیں بیشک اتار دیں، ہم آپ پر ایمان لانے کے لیے ہرگز تیار نہیں۔ آپ نے انہیں سمجھایا کہ تم کتنے نادان ہو، گناہوں سے توبہ تو کرتے نہیں ہو اور عذاب کے لیے جلدی مچا رہے ہو۔ اگر عذاب آ گیا تو کہاں سر چھپاؤ گے؟ السیئۃ سے مراد عذاب ہے (2)۔ يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ۔ (3)

۵۴ اگرچہ تم نے کفر و شرک میں عمریں برباد کر دی ہیں اور میری دعوت کو بھی عرصۂ دراز سے ٹھکرا رہے ہو لیکن آج بھی اگر تم سچے دل سے توبہ کرو تو میرا کریم و رحیم خدا تمہاری توبہ کو قبول فرمالے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔

۵۵ انہوں نے جواب دیا: تم نے ہماری قوم میں انتشار پیدا کر دیا اور فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا دی۔ ہم بڑی محبت اور پیار سے وقت گزار رہے تھے۔ تم نے آ کر ہمیں ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا۔ ہم تیرے جیسے فتنہ پرداز پر ایمان لانے کے لیے ہرگز تیار نہیں۔ نیز جب سے تم یہاں آئے ہو ہر قسم کی مصیبتوں نے ہمیں گھیر لیا ہے۔ کبھی وقت پر بارش نہیں ہوتی۔ بُوند بُوند پانی کے لیے ترستے رہتے ہیں۔ ہمارے کھیتوں میں خاک اُڑنے لگی ہے۔ طرح طرح کی وبائیں ہمارے لیے بربادی کا پیغام لے کر آتی رہتی ہیں۔ آپ اور آپ کے یہ ساتھی ہمارے لیے تو وبالِ جان ثابت ہوئے ہیں اور تمہاری نحوست سے ہمارا سارا علاقہ ویران ہوتا جا رہا ہے۔ اگر کسی کام کو جا رہے ہوں اور راستہ میں تم سے یا تمہارے کسی مرید سے مڈبھیڑ ہو جائے تو پھر خائب و خاسر واپس لوٹنا پڑتا ہے۔ ہم آپ کی برکتوں کا اندازہ کر چکے ہیں۔ ہم سے یہ امید نہ رکھو کہ ہم کبھی تم پر ایمان لائیں گے۔ کیونکہ عرب عام طور پر مختلف پرندوں اور ان کی آوازوں سے شگون لیا کرتے تھے اس لیے مطلق شگون کو ہی طائر کہہ دیا جاتا ہے۔

۵۶ آپ نے فرمایا: یہ مصائب اور تکالیف جنہیں تم میری طرف منسوب کر رہے ہو حقیقت میں یہ تمہاری اپنی بدکاریوں کا نتیجہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ نازل ہو رہی ہیں۔ تم حقیقت کو تو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اور خواہ مخواہ مجھ پر الزام لگائے چلے جاتے ہو۔

1۔ جلد 2 آیات 74-73 حاشیہ 96 تا 100　2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 214　3۔ سورۃ الاعراف: 77

وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ﴿۴۸﴾

اور اس شہر میں نو شخص تھے ۵۷ جو فتنہ و فساد برپا کیا کرتے تھے اس علاقہ میں اور اصلاح کی کوئی کوشش نہ کرتے

قَالُوا تَقَاسَمُوا بِاللَّهِ لَنُبَيِّتَنَّهُ وَأَهْلَهُ ثُمَّ لَنَقُولَنَّ لِوَلِيِّهِ مَا شَهِدْنَا

انھوں نے کہا آؤ اللہ کی قسم کھا کر یہ عہد کریں ۵۸ کہ شب خون مار کر صالح اور اس کے اہل خانہ کو ہلاک کر دینگے پھر کہہ دینگے اس کے وارث

مَهْلِكَ أَهْلِهِ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿۴۹﴾ وَمَكَرُوا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ

سے کہ ہم تو سرے سے) موجود ہی نہ تھے جب انھیں ہلاک کیا گیا اور (یقین کرو) ہم بالکل سچ کہہ رہے ہیں۔ اور انھوں نے بھی خفیہ سازش کی اور ۵۹ ہم نے بھی خفیہ

۵۷۔ تین سے لے کر دس تک یا سات سے لے کر دس تک کے گروہ کو رَهْطٌ کہتے ہیں (1)۔ اس قبیلہ کے نو سردار تھے۔ ان کے لڑکے حضرت صالح علیہ السلام کی مخالفت میں ہمیشہ سرگرم رہا کرتے۔ ہر رئیس زادہ کے ساتھ اس کے حواریوں کی ایک ٹولی بھی ہوا کرتی۔ اس لیے انہیں تِسْعَةُ رَهْطٍ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا۔ تِسْعَةُ رَهْطٍ سے بعض حضرات نے نو شخص بھی مراد لیے ہیں اور ان کے نام بھی گنوائے ہیں لیکن ایک تو ان ناموں میں اختلاف ہے (2) دوسرا ان کے نام جاننے سے فہمِ قرآن میں کوئی مدد نہیں ملتی اس لیے ان کا یہاں ذکر بے سود ہے۔

۵۸۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ہماری ایذا رسانیوں کے باوجود حضرت صالح اور ان کے ساتھی، باز نہیں آتے تو انہوں نے ایک جگہ بیٹھ کر یہ سازش کی کہ رات کو بے خبری میں صالح اور اس کے ساتھیوں پر حملہ کر کے انہیں تہ تیغ کر دو۔ اگر ان کے کسی وارث نے ہم سے دریافت کیا تو ہم انہیں یقین دلا دیں گے کہ ہمیں قطعاً کوئی علم نہیں کہ انہیں کس نے قتل کیا اور نہ ہم وہاں موجود تھے۔ جب ہم انہیں یقین دلا دیں گے کہ ہمارا ان کے قتل کے ساتھ دور کا واسطہ بھی نہیں تو وہ خاموش ہو جائیں گے۔ ہوسکتا ہے کہ حضرت صالح کے وارث کمزور اور بے نوا قسم کے لوگ ہوں اور ان کے متعلق انہیں یہ خیال ہو کہ جب ہم رؤساء قوم ایک بار یہ کہہ دیں گے کہ ہم نے انہیں قتل نہیں کیا تو ان کی یہ مجال کہاں کہ وہ ہم سے مزید تکرار کریں اور اس شہر بھر میں کون ایسا ہے جو ہمارے خلاف گواہی دینے کی جرأت کرے؟ تھوڑا سا ہنگامہ برپا ہوگا اور رو دھو کر چپ ہو جائیں گے۔ اس طرح یہ باغی عنصر جو سر اٹھا رہا ہے اس کی بروقت سرکوبی ہو جائے گی۔ تَقَاسَمُوا يَعْنِي تَحَالَفُوا لَنُبَيِّتَنَّهُ (3)۔ اَلْبَيَاتُ مُبَاغَتَةُ الْعَدُوِّ وَمُفَاجَاتُهُ بِالْإِيْقَاعِ بِهِ لَيْلًا وَهُوَ غَافِلٌ (4)۔ دشمن پر بے خبری میں شب خون مارنے کو بَيَاتٌ کہتے ہیں۔

۵۹۔ علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ انہوں نے یہ سازش اونٹنی کی کونچیں کاٹنے کے بعد کی تھی۔ جب حضرت صالح نے انہیں بتا دیا کہ تمہیں تین دن کی مہلت ہے اس کے بعد تم پر عذاب آئے گا جو تمہیں نیست و نابود کر کے رکھ دے گا۔ بجائے اس کے کہ وہ اس

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 122
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 215
3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 122
4۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 213

لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَ قَوْمَهُمْ

تدبیر کی اور وہ سمجھ ہی نہ سکے (ہماری تدبیر کو)۔ تم (خود ہی) دیکھ لو کیا (ہولناک) انجام ہوا ان کے مکر کا ۶۰ ہم نے برباد کر کے رکھ دیا انہیں اور

اَجْمَعِیْنَ ﴿۵۱﴾ فَتِلْكَ بُیُوْتُهُمْ خَاوِیَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ

ان کی ساری قوم کو۔ پس یہ ان کے گھر ہیں جو اُجڑے پڑے ہیں ان کے ظلم کے باعث۔ بیشک اس میں عبرت ہے اُس قوم کے لیے

یَّعْلَمُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَ اَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا یَتَّقُوْنَ ﴿۵۳﴾ وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ

جو (کچھ) جانتی ہے۔ اور ہم نے بچا لیا اُنھیں جو ایمان لائے تھے اور (اپنے رب سے) ڈرتے رہتے تھے۔ اور یاد کرو لُوطؑ کو جب آپ نے اپنی

لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَ اَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ

قوم کو فرمایا کیا تم ارتکاب کرتے ہو بے حیائی کا حالانکہ تم دیکھ رہے ہوتے ہو۔ کیا تم جاتے ہو مردوں کے پاس شہوت رانی

شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ

کے لیے (اپنی) بیویوں کو چھوڑ کر ۶۱ بلکہ تم تو بڑے نادان لوگ ہو۔ پس نہیں تھا آپ کی قوم کا جواب

آخری سرزنش سے چوکنے ہوتے اور اپنے گناہوں پر نادم ہو کر گڑگڑا کر معافی مانگتے انہوں نے الٹا حضرت صالح کو قتل کرنے کی سازش شروع کر دی۔ انہوں نے کہا: ہم پر عذاب آئے گا تو دیکھا جائے گا۔ اس کے آنے سے پہلے ہم صالح اور اس کے مریدوں کا تو خاتمہ کر دیں۔ جس رات انہوں نے حضرت صالح کے مکان پر شب خون مارنے کا پروگرام بنایا تھا اس رات اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اپنے رسول کی حفاظت کے لیے بھیج دیا۔ جب یہ اپنی بے نیام تلواریں لہراتے ہوئے آپ پر حملہ کرنے کے لیے لپکے تو فرشتوں نے ان پر پتھراؤ شروع کر دیا۔ انہیں پتھر تو نظر آتے تھے لیکن مارنے والے دکھائی نہیں دیتے تھے۔ چنانچہ ان سب کو اس طرح ہلاک کر دیا گیا اور یہ مہلت کی آخری رات تھی۔ چنانچہ قوم کے باقی افراد بھی تباہ و برباد کر دیئے گئے۔ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ التِّسْعَةَ لَمَّا كَانَ فِیْ صَدْرِ الثَّلَاثَةِ الْاَیَّامِ بَعْدَ عَقْرِ النَّاقَةِ وَ قَدْ اَخْبَرَهُمْ صَالِحٌ بِمَجِیْءِ الْعَذَابِ اتَّفَقُوْا وَ تَحَالَفُوْا عَلٰۤی اَنْ یَّأْتُوْا دَارَ صَالِحٍ لَیْلًا وَّ یَقْتُلُوْهُ وَ اَهْلَهٗ (قرطبی)(1) اسی رات عذابِ الٰہی آیا جس نے ساری قوم کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔

۶۰ جس طرح پہلے عرض کیا جا چکا ہے ان کی بستیاں وادی القریٰ میں تھیں جو مدینہ طیبہ اور شام کے درمیانی علاقہ میں تھا۔ جب حضور غزوۂ تبوک کے لیے تشریف لے گئے تو اسی علاقہ سے گزر ہوا۔ حضور نے صحابہ کو فرمایا: لَا تَدْخُلُوْا عَلٰی هٰٓؤُلَآءِ الْمُعَذَّبِیْنَ اِلَّا اَنْ تَكُوْنُوْا بَاكِیْنَ (روح المعانی)(2) یعنی اس عذاب شدہ قوم کے علاقہ میں داخل ہو تو روتے ہوئے داخل ہو۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 217 2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 215۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب نزول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحجر، ج 2، ص 637

قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْۤا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْیَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ

بجز اس کے کہ انھوں نے کہا نکال دو آلِ لوط کو اپنی بستی سے ، یہ لوگ تو بڑے پاکباز

یَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَنْجَیْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِیْنَ ﴿۵۷﴾

بنے پھرتے ہیں ۶۲؎ سو ہم نے بچا لیا لوط کو اور ان کے اہلِ خانہ کو سوائے ان کی بیوی کے ہم نے فیصلہ کر دیا اسکے متعلق کہ وہ پیچھے

وَ اَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِیْنَ ﴿۵۸﴾ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ

رہنے والوں میں ہوگی۔ اور ہم نے اُن پر خوب پتھر برسائے پس تباہ کُن پتھراؤ تھا دبا رہا، ڈرائے جانے والوں پر۔ فرمائیے سب تعریفیں اللہ

وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ؕ آٰللّٰهُ خَیْرٌ اَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾ؕ

تعالیٰ کے لیے ہیں ۶۳؎ اور سلام ہو اس کے اُن بندوں پر جنھیں اس نے چُن لیا دبتاؤ کیا اللہ بہتر ہے یا جنہیں وہ شریک بناتے ہیں ۶۴؎

۶۱؎ اگرچہ اس کا ذکر اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ (آیت سابقہ) میں آ گیا تھا لیکن اس کی قباحت وشناعت کو ظاہر کرنے کے لیے اسے دوبارہ مزید صراحت کے ساتھ بیان کیا۔ ۶۲؎ از راہِ مذاق وتمسخر وہ یہ کہا کرتے تھے۔(1)

۶۳؎ انبیاء علیہم السلام اور ان کی قوموں کے حالات بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ آپ اپنی زبانِ پاک سے اپنے خداوندِ کریم کی حمد وثنا کریں جس نے ہمیشہ حق کا بول بالا کیا اور اہلِ حق کو اپنی تائید ونصرت سے سرفراز فرمایا۔ اور جس کی یہ شان ہے وہی اس قابل ہے کہ انسان ہمیشہ ہمیشہ اس کی حمد کے ترانے گاتا رہے اور اس کی عظمت وکبریائی کا اعتراف کرتا رہے۔ اس کی حمد کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ان نفوسِ قدسیہ کو فراموش نہ کیا جائے جو اپنے مولائے کریم کا نام بلند کرنے کے لیے مصائب وآلام کے ہر پہاڑ سے ٹکرا گئے۔ دنیا بھر کی مخالفتوں کے باوجود ان کے عزم میں کبھی لچک پیدا نہ ہوئی۔ جور وستم کی ترکش کے ہر تیر کو اپنے سینے پر لیا اور پھر بھی مسکراتے رہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ جب اس کی حمد کی جائے تو ان پاک ہستیوں پر بھی درود وسلام کے گلہائے رنگیں نچھاور کیے جائیں۔ نیز اس آیت کے بعد کیونکہ توحید کا مبارک بیان شروع ہونے والا ہے اس لیے اس بیان کی اہمیت کے پیشِ نظر اس کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کے پاک بندوں پر صلاۃ وسلام سے ہو رہا ہے۔ اسی لیے علماء اسلام جب بھی تقریر کے لیے کھڑے ہوتے ہیں یا کوئی خطبہ دیتے ہیں یا کوئی کتاب تالیف کرتے ہیں تو اس کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد سے اور اس کے نبی کریم پر درود وسلام سے کرتے ہیں۔ وَلَقَدْ تَوَارَثَ الْعُلَمَاءُ وَالْخُطَبَاءُ وَالْوُعَاظُ كَابِرًا عَنْ كَابِرٍ هٰذَا الْاَدَبَ فَحَمِدُوا اللّٰهَ وَصَلَّوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَامَ كُلِّ عِلْمٍ مُّفَادٍ وَّقَبْلَ كُلِّ عِظَةٍ وَّخُطْبَةٍ (قرطبی)۔(2)

بعض علماء نے الَّذِیْنَ اصْطَفٰی سے صحابہ کرام مراد لیے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی رفاقت کے لیے منتخب فرمایا(3)۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 219 — 2۔ ایضاً، جز 13، ص 220 — 3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 124

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ

بھلا وہ کون ہے جس نے بنایا آسمانوں کو اور زمین کو ۶۵ اور جس نے آتارا تمھارے لیے آسمان سے پانی۔

فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ

پھر ہم نے اُگائے اس پانی سے خوش منظر باغات۔ تمھاری طاقت نہ تھی کہ تم اُگا سکتے ان کے درخت۔

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ؕ﴿٦٠﴾ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ

کیا کوئی دوسرا خدا ہے اللہ کے ساتھ؟ ۶۶ بلکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو راہ راست سے پرے ہٹ رہے ہیں ۶۷ بھلا کس نے بنایا ہے زمین کو ۶۸

۶۴ خَيْرٌ اسم تفضیل کا صیغہ ہے اور اسم تفضیل سے یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ یہ صفت دونوں میں پائی جاتی ہے لیکن ایک میں زیادہ دوسرے میں کم۔ جیسے زَيْدٌ اَعْلَمُ مِنْ عَمْرٍو کا معنی ہے کہ زید عمرو سے زیادہ عالم ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ عمرو بالکل جاہل ہے۔ لیکن یہاں تو بتوں میں خیر کا واہمہ تک بھی نہیں۔ اس لیے علماء نے تصریح کی ہے کہ یہ یہاں اسم تفضیل کے معنی میں استعمال نہیں بلکہ محض خیر و خوبی کے اظہار کے لیے ہے یا اس لیے کہ کفار اپنے زعم باطل میں کچھ نہ کچھ خیر و بھلائی تو اپنے بتوں میں یقین کرتے تھے۔ اسی لیے تو ان کی پوجا کرتے تھے۔ (1)

۶۵ یہاں سے بت پرستوں اور مشرکوں سے پوچھا جا رہا ہے کہ جن خداؤں کی تم پرستش کرتے ہو آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ کائنات کی ہر چھوٹی بڑی چیز کا خالق اللہ ہے۔ ہر قسم کے انعامات و احسانات کا سرچشمہ فقط اسی کی ذات والا صفات ہے تو پھر کسی اور کو خدا کیوں بنایا جائے؟ چنانچہ کائنات کی مختلف چیزوں کو مشرکین کے سامنے یکے بعد دیگرے پیش کیا جا رہا ہے اور ان سے پوچھا جا رہا ہے کہ کیا ان کی تخلیق، ان کی تحسین و تزئین اور ان کی نشوونما میں کسی اور کا بھی کوئی حصہ ہے؟ تاکہ اسے خدا بنایا جائے اور اسے پوجا جائے۔ پہلا سوال اُن سے یہ کیا گیا کہ یہ آسمان اور زمین کس نے پیدا فرمائے؟ پھر یہ بتاؤ آسمان سے پانی کون برساتا ہے؟ تمہارے دائیں بائیں یہ خوش منظر باغات جو لہلہا رہے ہیں کس نے اُگائے ہیں؟ تم میں تو اتنی طاقت بھی نہیں کہ تم از خود ایک پودا بھی اُگا سکو۔

۶۶ اے بتوں کو پوجنے والو! بتاؤ، کیا آسمان، زمین کی تخلیق یا ان باغات کی آفرینش میں کوئی اور خدا بھی شریک ہے؟ اگر تم بھی مانتے ہو کہ ان سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے تو پھر تم اپنے طرز عمل پر نظر ثانی کیوں نہیں کرتے؟

۶۷ یہ کافر بھی عجیب و غریب مخلوق ہیں۔ اتنے واضح دلائل کے باوجود اللہ تعالیٰ سے روگردان ہیں یا ان بتوں کو اس کا ہمسر سمجھتے ہیں۔ يَعْدِلُوْنَ مِنَ الْعُدُوْلِ بِمَعْنَى الْاِنْحِرَافِ وَقِيْلَ مِنَ الْعَدْلِ بِمَعْنَى الْمُسَاوَاتِ اَىْ يُسَاوُوْنَ بِهٖ غَيْرَهٗ تَعَالٰى مِنَ الِهَتِهِمْ (روح المعانی) (2)

۶۸ قرار کا معنی ہے مستقر یعنی ٹھہرنے کی جگہ (3)۔ جہاں تم آباد ہو اور اپنی زندگی خوشی اور آرام سے بسر کر رہے ہو۔ قرار کے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13 ص 21-220　2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 20 ص 5　3۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 6 ص 361

قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَاۤ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِیَ وَجَعَلَ بَیْنَ

ٹھہرنے کی جگہ اور جاری کردیں اس کے درمیان نہریں ۹۶ اور بنادیئے زمین کے لیے لنگر (پہاڑوں کے) ۹۷ اور بنادی دو سمندروں

ایک لفظ میں آپ جتنا غور کریں گے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی شانِ ربوبیت کے ان گنت کرشمے آپ کو یہاں سمٹے ہوئے نظر آئیں گے۔ انسانی زندگی کی بقا اور نشوونما کے لیے زمین میں کن خصوصیات کا پایا جانا ضروری ہے؟ کون کون سی ایسی چیزیں ہیں جو اگر موجود نہ ہوں تو انسانی زندگی ان رعنائیوں اور مسرتوں سے یکسر خالی ہو جس سے اب اس کا دامن معمور ہے؟ کون کون سی ایسی چیزیں ہیں کہ اگر ان کا سُراغ نہ لگایا جاسکے تو ایجاد و اختراع کی بے پناہ قوتیں جو اس کی فطرت میں مضمر ہیں وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بے کار پڑی رہیں؟ ان تمام وسائل اور اسباب کی بہم رسانی کے بعد ہی انسانی زندگی کو بقا اور نشوونما نصیب ہوسکتی ہے۔ غرضیکہ قرار کے لفظ میں آپ جتنا غور کرتے چلے جائیں گے معارف و معانی کا ایک لامتناہی سلسلہ آپ کے سامنے بے نقاب ہوتا چلا جائے گا۔ یہاں میں نیویارک سائنس اکیڈمی کے پریذیڈنٹ اے۔ سی موریسن کے مضمون کا ایک مختصر اقتباس مکرّر پیش کرتا ہوں جس سے آپ کو اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا کا مفہوم مزید واضح ہوجائے گا۔

> ''زمین اپنے محور پر ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چکر کاٹ رہی ہے۔ اگر اس کی رفتار ایک ہزار میل کے بجائے ایک سو میل ہوتی تو دن اتنے لمبے ہوتے کہ سورج کی تپش تمام کھیتوں کو بھون کر رکھ دیتی اور راتیں اتنی لمبی اور سرد ہوتیں کہ زندگی کی اگر کچھ رمق سورج کی تپش سے بچ جاتی تو رات کی سردی اسے منجمد کر کے رکھ دیتی۔ سورج کا درجۂ حرارت بارہ ہزار ڈگری فارن ہیٹ ہے لیکن زمین کو اس سے اتنی مناسب دوری پر رکھ دیا گیا ہے کہ وہاں سورج کی حرارت اتنا قدر ہی پہنچتی ہے جو حیات بخش ہے اور اگر سورج کا درجۂ حرارت بارہ ہزار ڈگری کی بجائے چھ ہزار ڈگری ہوتا تو کرۂ زمین برف کے نیچے دب جاتا اور اگر اٹھارہ ہزار ڈگری ہوتا تو ساری زمین اس کی تمازت سے جل کر راکھ ہوجاتی۔ زمین کا جھکاؤ تیئیس درجے کا زاویہ بناتا ہے۔ اور اسی جھکاؤ سے ہمارے موجودہ موسم مناسب وقفوں کے بعد باری باری آتے ہیں۔ اگر اس میں یہ جھکاؤ نہ ہوتا تو سمندر سے اٹھنے والے بخارات جنوب اور شمال میں حرکت کرتے اور اتنی زور سے برف باری ہوتی کہ ساری زمین ڈھک جاتی۔ اگر چاند کی دوری زمین سے اتنی نہ ہوتی جتنی اب ہے بلکہ صرف پچاس ہزار میل ہوتی تو سمندروں میں مدوجزر اس شدت سے آتا کہ پہاڑوں تک کو بھی بہا کر لے جاتا۔ اگر زمین کی سطح موجودہ سطح سے صرف دس فٹ زیادہ موٹی ہوتی تو یہاں آکسیجن ہی نہ ہوتی اور کوئی جانور زندہ نہ رہتا اور اگر سمندر چند فٹ اور گہرے ہوتے تو ساری کاربن ڈائی آکسائڈ اور آکسیجن صرف ہوجاتی اور روئے زمین پر کوئی سبز پتہ نظر نہ آتا۔ اس حکیمانہ نظام پر غور کرنے سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ کارخانۂ ہستی اتفاقاً معرض وجود میں نہیں آگیا بلکہ ایک حکیم و دانا خالق نے اس کی تخلیق فرمائی ورنہ زندگی کا کوئی امکان نہ تھا'' (1)۔ (ضیاء القرآن، جلد اوّل، الانعام: ۷۳ کا حاشیہ)

1۔ ریڈرز ڈائجسٹ، اکتوبر 1960ء، ص 48

الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ؀۶۱

کے درمیان آڑ ۷۱ کیا کوئی اور خدا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ؟ بلکہ ان میں سے اکثر لوگ بے علم ہیں ۷۲

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْۗءَ وَيَجْعَلُكُمْ

بھلا کون قبول کرتا ہے ایک بیقرار کی فریاد جب وہ اسے پکارتا ہے اور (کون) دُور کرتا ہے تکلیف ۷۳ کو اور (کس نے

اب آپ نے غور فرمایا کہ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا کا کیا مفہوم ہے۔

۶۹ اس کو تمہاری قرار گاہ بنانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر طرف پانی کی بہم رسانی کے لیے ندیاں رواں کر دی ہیں۔ کچھ ظاہری سطح پر دریاؤں، چشموں کی شکل میں تمہیں نظر آتی ہیں اور کچھ زیرِ زمین ہیں جن سے تم کنوئیں کھود کر ٹیوب ویل لگا کر اور دوسرے مختلف طریقوں سے پانی نکالتے ہو۔ ہموار میدان ہوں یا اونچے پہاڑ ہر جگہ ہم نے تمہارے لیے پانی کا ذخیرہ فراہم کر دیا ہے۔ ذرا غور کرو جہاں پانی نایاب ہے یا اس کی سطح کو ہم نے اتنا گہرا کر دیا ہے جہاں تک اس مشینی دور میں بھی تمہاری رسائی نہیں ہوئی وہاں تم کوئی بستی آباد کر کے، کوئی باغ لگا کر یا کوئی فصل کاشت کر کے دکھاؤ تو کوئی بات بھی ہو۔

۷۰ کرۂ زمین محیط ہوا میں معلّق ہے۔ اگر ہم اس کو پہاڑوں کے لنگروں سے ایک حالت پر قرار نہ بخشتے تو یہاں آبادی کا امکان تک نہ ہوتا۔ ہر وقت اسی قسم کے خوفناک جھٹکے آتے رہتے جن کا مشاہدہ تم گاہے گاہے زلزلہ کی صورت میں کرتے ہو۔ جن کی وجہ سے آنِ واحد میں تمہاری فلک بوس عمارتیں اور گنجان آبادیاں پیوندِ خاک ہو جاتی ہیں، دریاؤں کے رخ بدل جاتے ہیں، زمین کے شکم سے آگ کے شعلے نکلنے لگتے ہیں۔ ہم نے اپنی قدرت و حکمت سے پہاڑوں کے کیل گاڑ کر اس کا توازن ایسا برقرار رکھا ہے کہ وہ اپنی طبعی حرکت سے متحرک ہونے کے باوجود تمہارے لیے کسی اضطراب کا باعث نہیں بنتی۔

۷۱ پھر میٹھے اور کھاری پانی کو باہم ملنے سے ہم نے روکا ہوا ہے اور بسا اوقات یہ رکاوٹیں اتنی لطیف اور غیر محسوس ہوتی ہیں کہ تم ان کا انکشاف بھی نہیں کر سکتے لیکن اتنی لطافت کے باوجود وہ اتنی پختہ اور مضبوط ہوتی ہیں کہ کیا مجال کہ دونوں پانی آپس میں خلط ملط ہو سکیں۔

۷۲ اب بتاؤ یہ سب کچھ کس کی قدرت، حکمت اور علم کی جلوہ نمائی ہے؟ کیا کوئی اور خدا ہے جس کو تم شریک کار بتا سکو؟ جب نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر تم کسی کو الٰہ اور معبود کیوں بناتے ہو؟ کیا اس سے بڑی حماقت کوئی اور بھی ہو سکتی ہے؟

۷۳ مُضْطَرّ اس مصیبت زدہ کو کہتے ہیں جسے مصائب اور شدائد نے اتنا گھبرا دیا ہو کہ وہ ہر طرف سے منہ موڑ کر صرف اللہ کی پناہ لینے پر مجبور ہو جائے (1)۔ قَالَ ذُو النُّوْنِ: هُوَ الَّذِیْ قَطَعَ الْعَلَائِقَ عَمَّا دُوْنَ اللهِ (قرطبی) (2)

سہل بن عبداللہ سے اس کا ایک یہ مفہوم بھی مذکور ہے کہ وہ گنہگار جس کی ساری عمر گناہوں میں گزری۔ اس کا نامۂ اعمال نیکیوں اور طاعتوں سے یکسر خالی ہو۔ اور جب وہ دعا کے لیے بارگاہِ الٰہی میں ہاتھ اٹھائے تو اُسے کوئی نیکی نظر نہ آئے جس کے

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 127
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 223

خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾

بنایا ہے تمھیں زمین میں دالگلوں کا خلیفہ۔ کیا کوئی اور خدا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ؟ تم بہت کم غور وفکر کرتے ہو۔

اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ

بھلا کون راہ دکھاتا ہے تمھیں ۱۰۴؎ بر وبحر کے اندھیروں میں اور کون بھیجتا ہے ہواؤں کو خوشخبری دینے کے لیے

وسیلہ سے وہ دعا کر سکے۔ اس کا بھروسہ محض اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمت پر ہو۔ قَالَ سَهْلُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ: اَلْمُضْطَرُّ: هُوَ الَّذِیْ اِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ اِلَی اللّٰهِ دَاعِيًا لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَسِيْلَةٌ مِّنْ طَاعَةٍ قَدَّمَهَا (قرطبی) (1)

کفار سے اب ایک اور بات پوچھی جارہی ہے جس کا تعلق کسی بیرونی چیز کے ساتھ نہیں جس کو وہ ٹھیک طور پر سمجھ نہ سکتے ہوں بلکہ اس کا تعلق ان کی اپنی ذات سے ہے اور جس کو وہ خوب سمجھتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ ہر شخص خواہ وہ کتنا ہی ذی جاہ وذی مال ہو اس پر زندگی میں کوئی نہ کوئی افتاد ایسی پڑتی ہے جب اس کی ذاتی قابلیتیں، ذاتی وسائل، اس کے دوست احباب سب بے بس ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اس کا وہ خود اعتراف بھی کرتا ہے کہ اس گردابِ ہلاکت سے اسے اس کی کوئی تدبیر کوئی حیلہ بچا نہیں سکتا۔ اس وقت اس کی نگاہ اللہ تعالیٰ کی طرف اٹھتی ہے اور وہ یقین کرتا ہے کہ اب اس کی چارہ سازی کے بغیر نجات ناممکن ہے۔ کیونکہ اس قسم کے حالات سے ہر شاہ وگدا، ہر امیر وفقیر، ہر عالم وجاہل کو واسطہ پڑتا ہے۔ اس لیے ان سے سوال کیا جارہا ہے کہ اس وقت تو تم بھی اعتراف کرتے ہو کہ تمہارے بت، یہ معبودانِ باطل تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ ہے جو طوفانوں میں گھری ہوئی تمہاری کشتی کو سلامتی سے کنارے لگادے، تو پھر تم کیوں نصیحت قبول نہیں کرتے اور کیوں اس کی توحید پر پختہ ایمان نہیں لاتے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے غلاموں کو حالتِ اضطرار میں جس طرح اپنے مولائے کریم کے سامنے دعا کرنے کا سبق دیا ہے وہ تحریر ہے تاکہ سب غلامانِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء اس سے استفادہ کر سکیں۔ عَنْ اَبِیْ بَكْرَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ دُعَاءِ الْمُضْطَرِّ:

اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْ فَلَا تَكِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَّ اَصْلِحْ لِیْ شَاْنِیْ كُلَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ۔ (قرطبی عن ابی داود الطیالسی) (2)

''اے اللہ! میں صرف تیری رحمت کا امیدوار ہوں۔ مجھے آنکھ جھپکنے کی دیر بھی میرے نفس کے حوالہ نہ کر۔ میرے کام درست فرمادے۔ تیرے بغیر کوئی معبود نہیں''۔

۱۰۴؎ پھر ان سے پوچھا جارہا ہے کہ جب رات کی تاریکیوں میں تم سفر کر رہے ہوتے ہو۔ اس وقت منزلِ مقصود کا پتہ تمہیں کون دیتا ہے؟ اسی کے روشن کیے ہوئے ستاروں کو دیکھ کر تم اپنا راستہ دریافت کرتے ہو۔ اگر دن کے وقت جبکہ سورج کی روشنی ہر سو پھیلی ہوئی ہوتی ہے یا رات کے وقت جب ستارے چمک رہے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ تمہیں بھٹکا دے تو کوئی اور خدا ہے جو اس

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 13، ص 223 2۔ ایضاً

بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا

اپنی (باراں) رحمت سے پہلے ۷۵ کیا کوئی اور خدا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ برتر ہے اللہ تعالیٰ ان سے جنھیں

يُشْرِكُوْنَ ۞ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ

وہ شریک بناتے ہیں۔ بھلا کون ہے جو آغاز کرتا ہے آفرینش کا پھر دوبارہ پیدا کرے گا اسے اور کون ہے جو رزق دیتا ہے

مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ

تمھیں آسمان سے اور زمین سے ۷۶ کیا کوئی اور خدا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ؟ فرمایئے (اے مشرکو!) پیش کرو

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۞ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اپنی کوئی دلیل اگر تم سچے ہو ۷۷ آپ فرمایئے (خود بخود) نہیں جان سکتے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں غیب کو

الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۞ بَلِ ادّٰرَكَ

سوائے اللہ تعالیٰ کے ۷۸ اور وہ (یہ بھی) نہیں سمجھتے کہ انھیں کب اٹھایا جائے گا ۷۹ بلکہ گم ہو گیا ہے ان کا

وقت تمہاری دستگیری کے لیے آگے بڑھے اور تمہیں تمہاری منزل پر پہنچا دے؟ ہرگز نہیں۔

۷۵ اس کی ایک اور مہربانی پر غور کرو۔ جب مینہ برستا ہے تو اچانک ہی برسنا شروع نہیں ہو جاتا بلکہ اس سے پہلے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آنے شروع ہوتے ہیں جس سے نہ صرف تمہاری بجھی ہوئی طبیعت اور افسردہ مزاج شگفتہ ہو جاتا ہے بلکہ بارش سے پہلے جو احتیاطی تدابیر تم اختیار کرنا چاہتے ہو اس کے لیے تمہیں کافی موقع مل جاتا ہے۔ تو تم ایسے رحیم اور کریم خدا کو چھوڑ کر کیوں دوسری چیزوں کو اپنا خدا بناتے ہو؟ کچھ تو سوچو۔ عقل سے کچھ تو کام لو۔

۷۶ اللہ تعالیٰ کو وہ خالق تو مانتے تھے لیکن اعادۂ حیات اور وقوعِ قیامت کے وہ قائل نہ تھے۔ انہیں سمجھایا جا رہا ہے کہ جب وہ پیدا کر سکتا ہے جو بہت پیچیدہ اور مشکل کام ہے تو وہ اعادہ کیوں نہیں کر سکتا جو پہلے کام سے بدرجہا آسان ہے؟

۷۷ اپنے تمام افعال اور صفاتِ کمال میں وہ یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں تو پھر کسی کو اس کا شریک ٹھہرانا کتنی بڑی حماقت ہے۔ آخر میں فرما دیا کہ یہ روشن حقیقتیں جو تمہارے سامنے پیش کی گئی ہیں اگر تمہارے پاس ان کے خلاف یا ان میں سے کسی ایک کے خلاف بھی کوئی دلیل ہو تو پیش کرو۔ تمہیں اذنِ عام ہے۔

۷۸ اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائلِ واضحہ اور براہینِ ساطعہ ذکر کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ کے علمِ محیط کا بیان ہو رہا ہے۔ اور بتایا جا رہا ہے کہ تخلیقِ کائنات، تدبیرِ شئوونِ عالم، خستہ دلوں اور آشفتہ حالوں کی فریادرسی، رزق رسانی وغیرہا صفات میں جس

طرح اس کا کوئی شریک نہیں اسی طرح اس کی صفتِ علم میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں۔ غیب کسے کہتے ہیں، اس کا مفہوم کیا ہے؟ اس کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: مَالَایَقَعُ تَحْتَ الْحَوَاسِ وَلَا تَقْتَضِیْهِ بِدَایَةُ الْعَقْلِ (1) (المفردات)۔ یعنی وہ علم جو حواس کی رسائی سے بالاتر ہو اور جو قوتِ عقل سے بھی حاصل نہ کیا جاسکے اسے غیب کہتے ہیں۔ آیتِ کریمہ کا مفہوم یہ ہوگا کہ زمین و آسمان میں جو بھی موجود ہیں، فرشتے، جنات، انسان جن میں علماء، اولیاء، انبیاء اور اولوالعزم رسل بھی داخل ہیں اور دیگر لوگ کوئی بھی الغیب کو نہیں جان سکتا۔ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ وہ عالم الغیب ہے۔ جس طرح اس کی ذات میں اور اس کی دیگر صفات میں کوئی ہمسری کا دم نہیں مار سکتا۔ اسی طرح اس کی صفتِ علم میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں ہوسکتا۔ اگر کوئی شخص اس کی صفتِ علم میں کسی کو شریک بنائے گا تو وہ بھی اسی طرح مشرک ہوگا اور دائرۂ اسلام سے خارج ہوگا جس طرح اس کی دوسری صفات میں کسی کو شریک بنانے والا یا اس کی ذات کی طرح کسی کو واجب الوجود ماننے والا مشرک ہے اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

قرآنِ کریم کی آیات کا مفہوم بیان کرتے ہوئے ضروری ہے کہ انسان اس بات کا خیال رکھے کہ آیات کا ایسا مفہوم اور تشریح نہ بیان کی جائے جو قرآن کی دوسری آیات کے سراسر خلاف ہو۔ ورنہ وہ قرآنِ حکیم کی حقانیت ثابت کرنے کے بجائے اپنے سامعین کے دل میں یہ غلط فہمی پیدا کرنے کا سبب بن جائے گا کہ قرآن کی بعض آیتیں دوسری آیتوں سے ٹکراتی ہیں اور تکذیب کرتی ہیں۔ (العیاذ باللہ) اور وہ کتاب جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کا بطلان کر رہا ہو اسے کسی عقلمند انسان کا کلام بھی نہیں کہا جاسکتا چہ جائیکہ اسے خداوندِ علیم وحکیم کا کلام مانا جائے جو ہمہ بین بھی ہے اور ہمہ دان بھی۔

قرآنِ کریم نے اپنے کلامِ الٰہی ہونے پر دیگر دلائل کے علاوہ ایک یہ دلیل بھی پیش کی ہے کہ اس میں اختلاف نہیں پایا جاتا۔ ارشاد ہے لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا۔ (۴:۸۲) (2)

یعنی یہ اگر اللہ تعالیٰ کا کلام نہ ہوتا تو تم اس میں جگہ جگہ پر اختلاف اور تضاد پاتے۔ گویا قرآن میں اختلاف کا نہ پایا جانا اس بات کی محکم دلیل ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

اگر غور وفکر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ کر اس آیت کا ترجمہ کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ زمین و آسمان میں جو مخلوق بھی ہے وہ غیب کو نہیں جانتی۔ حالانکہ قرآن کی بے شمار آیتوں سے ہمیں فرشتوں کا، نزولِ وحی کا، قیامت، جنت و دوزخ کا علم ہے اور ان پر ہمارا ایمان ہے۔ حالانکہ یہ تمام عالمِ غیب کی چیزیں ہیں۔ نیز کثیر آیات اور ہزاروں صحیح احادیث سے حضور اکرم ﷺ کا امورِ غیبیہ پر مطلع ہونا ثابت ہے اس لیے ہمیں اس آیت میں غور کرنا چاہیے کہ اس کا مطلب کیا ہے۔ علمائے کرام نے تصریح کی ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جتائے اور بتلائے بغیر کوئی بھی غیب پر آگاہ نہیں ہوسکتا۔ خود قرآنِ حکیم نے بھی اس قول کی تصدیق فرمادی۔ عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ، (۷۲:۲۶۔۲۷) (3)

اللہ تعالیٰ غیب کا جاننے والا ہے اور وہ اپنے غیب پر کسی کو آگاہ نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

اس آیت نے بتادیا کہ اللہ تعالیٰ کی دوسری تمام صفات کی طرح اس کی یہ صفت بھی قدیم ہے، ذاتی ہے اور غیر متناہی ہے۔

1۔ مفردات راغب، ص 17-616 2۔ سورۃ النساء:82 3۔ سورۃ الجن:26-27

یعنی ایسا نہیں کہ وہ پہلے کسی چیز کو نہیں جانتا تھا اور اب جاننے لگا ہے بلکہ وہ ہمیشہ ہمیشہ سے ہر چیز کو اس کے پیدا ہونے سے پہلے بھی، اس کی حینِ حیات میں بھی اور اس کے مرنے کے بعد بھی اپنے علمِ تفصیلی سے جانتا ہے۔ نیز اس کا یہ علم اس کا اپنا ہے۔ کسی نے اس کو سکھایا نہیں ہے۔ نیز اس کے علم کی نہ کوئی حد ہے نہ نہایت۔ اگر کوئی شخص کمًّا یا کیفًا یعنی مقدار اور کیفیت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کا کسی کے لیے اثبات کرے تو وہ ہمارے نزدیک شرک کا مرتکب ہوگا۔

اس لیے حضور پرنور امام الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علمِ مبارک خداوندِ کریم کے علم کی طرح قدیم نہیں بلکہ حادث ہے یعنی پہلے نہیں تھا بعد میں اللہ تعالیٰ کے تعلیم کرنے سے حاصل ہوا۔ خداوندِ کریم کے علم کی طرح ذاتی نہیں بلکہ عطائی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سکھانے سے حاصل ہوا۔ نیز حضور سرورِ عالم کا علم خداوندِ کریم کے علم کی طرح غیر متناہی اور غیر محدود نہیں بلکہ متناہی اور محدود ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے علمِ محیط کے ساتھ حضور فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کی نسبت اتنی بھی نہیں جتنی پانی کے ایک قطرہ کو دنیا بھر کے سمندروں سے ہے۔

ہاں اتنا فرق ضرور ہے کہ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حادث، عطائی اور محدود علم اتنا محدود نہیں جتنا بعض حضرات نے سمجھ رکھا ہے۔ اس کی وسعتوں کو یا دینے والا جانتا ہے یا لینے والا۔ یا سکھانے والے کو پتہ ہے یا سیکھنے والے کو۔ ہم تم تو کس گنتی میں ہیں؟ جبریل امین بھی وہاں دم مارنے کی مجال نہیں رکھتا۔ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ﴿۱۰﴾ (1) ''اس نے وحی فرمائی اپنے بندے کی طرف جو وحی فرمائی''۔ علم و معرفت کی وہ وسعتیں اور بے کرانیاں جن پر بیان کا ہر جامہ تنگ ہے ان کی حد برآری ہم کرنے لگیں گے تو ٹھوکریں نہیں کھائیں گے تو اور کیا ہوگا؟ اس تلمیذِ رحمٰن نے اپنی زبانِ حق ترجمان سے ہمیں خود جو کچھ بتایا ہے ہم اس کو حق تسلیم کرتے ہیں اور اسی پر ہمارا ایمان ہے اسی کی زبانِ پاک سے نکلا ہوا یہ قولِ طیب ہم نے سنا ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُ رَبِّيْ عَزَّوَجَلَّ فِيْ أَحْسَنِ صُوْرَةٍ قَالَ فِيْمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلٰى قُلْتُ اَنْتَ اَعْلَمُ قَالَ فَوَضَعَ كَفَّهٗ بَيْنَ كَتِفَيَّ فَوَجَدْتُ بَرْدَهٗ بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (2)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آج میں نے اپنے بزرگ و برتر پروردگار کی زیارت کی ہے بڑی حسین اور پیاری صورت میں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ملاءِ اعلیٰ کس چیز کے بارے جھگڑ رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا (الٰہی!) تو بہتر جانتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی ہتھیلی میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھی۔ جس کی ٹھنڈک میں نے سینے میں محسوس کی۔ پھر میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں میں تھا اور زمین میں تھا۔

اس حدیثِ پاک کی شرح کرتے ہوئے حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مشکوٰۃ کی شرح اشعۃ اللمعات میں تحریر فرماتے ہیں:

''پس دانستم ہر چہ در آسمانہا و ہر چہ در زمینہا بود۔ عبارتست از حصول تمامہ علوم جزوی و کلی واحاطۂ آں''۔ (3)

ترجمہ: پس جو چیز آسمانوں میں تھی اسے بھی میں نے جان لیا اور جو چیز زمینوں میں تھی اسے بھی میں نے جان لیا۔

1۔ سورۃ النجم: 10
2۔ مشکوٰۃ المصابیح، باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ، ص 70-69
3۔ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ از شاہ عبدالحق محدث دہلوی، کتاب الصلوٰۃ، ج 1 ص 333، مطبوعہ مطبع منشی نولکشور، لکھنو

(پھر فرماتے ہیں کہ) اس ارشادِ نبوی کا مقصد یہ ہے کہ تمام علومِ جزوی اور کلی مجھے حاصل ہو گئے اور اُن کا میں نے احاطہ کرلیا۔

علامہ علی القاری علیہ الرحمۃ اپنی کتاب المرقاۃ شرح المشکوٰۃ میں پہلے اس حدیث کا مفہوم بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد شارحِ بخاری علامہ ابنِ حجرؒ کا قول نقل کرتے ہیں۔ میں یہاں اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے فقط علامہ ابنِ حجرؒ کے قول پر اکتفا کرتا ہوں۔

قَالَ ابْنُ حَجَرٍ اَیْ جَمِیْعَ الْکَائِنَاتِ الَّتِیْ فِی السَّمٰوٰتِ بَلْ وَمَا فَوْقَهَا ۔۔۔ وَالْاَرْضِ هِیَ بِمَعْنَی الْجِنْسِ اَیْ وَجَمِیْعَ مَا فِی الْاَرْضِیْنَ السَّبْعِ وَمَا تَحْتَهَا ۔۔۔ یَعْنِیْ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی اَرٰی اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَکَشَفَ لَهٗ ذٰلِكَ وَفَتَحَ عَلَیَّ اَبْوَابَ الْغُیُوْبِ۔ (المرقات شرح مشکوٰۃ، جلد ا صفحہ ۴۶۳)(1)

ترجمہ: علامہ ابنِ حجرؒ نے فرمایا کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تمام کائنات جو آسمانوں میں تھی بلکہ ان کے اوپر بھی جو کچھ تھا اور جو کائنات سات زمینوں میں تھی بلکہ ان کے نیچے بھی جو کچھ تھا وہ میں نے جان لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی دکھائی تھی اور اسے آپ پر منکشف کیا تھا اور مجھ پر اللہ تعالیٰ نے غیب کے دروازے کھول دیئے ہیں۔

ممکن ہے اس حدیث کی سند کے بارے میں کسی کو شک ہو اس لیے اس کے متعلق مشکوٰۃ کے مصنف کی رائے غور سے سن لیجیے جو انہوں نے یہ حدیث متعدد طُرُق سے نقل کرنے کے بعد تحریر کی ہے۔ اگر دل میں حق پذیری کا جذبہ موجود ہے تو بفضلہ تعالیٰ یقیناً تسلی ہو جائے گی۔

رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ حَسَنٌ صَحِیْحٌ وَسَاَلْتُ مُحَمَّدَ بْنَ اِسْمٰعِیْلَ الْبُخَارِیَّ مِنْ هٰذَا الْحَدِیْثِ فَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ۔ (مشکوٰۃ شریف۔ کتاب الصلوٰۃ)(2)

''اس حدیث کو امام احمدؒ اور امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے۔ اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کے متعلق امام بخاریؒ سے دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا هٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ: یہ حدیث صحیح ہے''۔

امام مسلم اپنی صحیح میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

قَامَ فِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا مَّا تَرَكَ شَیْئًا یَّکُوْنُ فِیْ مَقَامِهٖ ذٰلِكَ اِلٰی قِیَامِ السَّاعَةِ اِلَّا حَدَّثَ بِهٖ حَفِظَهٗ مَنْ حَفِظَهٗ وَنَسِیَهٗ مَنْ نَسِیَهٗ قَدْ عَلِمَهٗ اَصْحَابِیْ هٰؤُلَآءِ وَاِنَّهٗ لَیَکُوْنُ مِنْهُ الشَّیْءُ قَدْ نَسِیْتُهٗ فَاَرَاهُ فَاَذْکُرُهٗ کَمَا یَذْکُرُ الرَّجُلُ وَجْهَ الرَّجُلِ اِذَا غَابَ عَنْهُ ثُمَّ اِذَا رَاٰهُ۔(3)

ترجمہ: ایک روز حضور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک جگہ تشریف فرما ہوئے اور قیامت تک ہونے والی کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کا ذکر حضور نے نہ فرمایا ہو۔ یاد رکھا اس کو جس نے یاد رکھا۔ بھلا دیا اسے جس نے بھلا دیا۔ میرے یہ سارے صحابہ اس کو جانتے ہیں۔ اور ایسا ہوتا ہے کہ کوئی ایسی شے وقوع پذیر ہوتی ہے جسے میں بھول چکا ہوتا ہوں تو اسے دیکھتے ہی مجھے یاد آ جاتا ہے۔ (کہ حضور نے یونہی فرمایا تھا) بالکل اس طرح جیسے تیرا کوئی واقف آدمی کافی عرصہ

1۔ المرقاۃ شرح مشکوٰۃ، ج 1، ص 463، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ، ملتان 2۔ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الصلوٰۃ، ص 72 3۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن واشراط الساعۃ، فصل فی امارات الساعۃ، ج 2، ص 390

تجھ سے غائب رہا ہو۔ اور جب تو اسے دیکھے تو تو اسے پہچان لیتا ہے۔
امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کی ہے وہ بھی ملاحظہ فرمالیجیے۔

عَنْ عُمَرَ قَالَ قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا فَاَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتّٰى دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ وَاَهْلُ النَّارِ مَنَازِلَهُمْ حَفِظَ ذٰلِكَ مَنْ حَفِظَهٗ وَنَسِيَهٗ مَنْ نَسِيَهٗ (رواہ البخاری) (1)

ترجمہ: حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیام فرما ہوئے اور تخلیقِ کائنات کی ابتدا سے لے کر اہلِ جنت کے اپنی منازل میں اور اہلِ دوزخ کے اپنے ٹھکانوں میں داخل ہونے تک کے تمام حالات سے ہمیں خبر دی۔ یاد رکھا اس کو جس نے یاد رکھا۔ بھلا دیا اسے جس نے بھلا دیا۔

علامہ علی القاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ طیبی کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

قَالَ الطِّيْبِيُّ حَتّٰى غَايَةَ اَخْبَرَنَا اَیْ اَخْبَرَ مُبْتَدِأً مِنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتّٰى انْتَهٰى اِلٰى دُخُوْلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَوَضَعَ الْمَاضِیْ مَوْضِعَ الْمُضَارِعِ مُبَالَغَةً لِلتَّحْقِيْقِ الْمُسْتَفَادِ مِنْ قَوْلِ الصَّادِقِ الْاَمِيْنِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (2)

ترجمہ: علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ حدیث شریف میں حتیٰ کا لفظ بیانِ غایت کے لیے ہے۔ یعنی حضورؐ نے اپنے اس جامع خطبہ میں کائنات کی آفرینش سے لے کر اس وقت تک کے تمام حالات بیان فرمائے جبکہ جنتی اپنے اپنے محلات میں قیام پذیر ہو جائیں گے۔ پھر فرماتے ہیں کہ جنتیوں کا جنت میں دخول تو زمانہ مستقبل میں ہوگا اس لیے حَتّٰى يَدْخُلَ یعنی مضارع کا صیغہ استعمال ہونا چاہیے تھا۔ حدیث میں ماضی کا صیغہ (حَتّٰى دَخَلَ) کیوں استعمال ہوا ہے۔ اس کا جواب دیتے ہیں کہ کیونکہ یہ خبر دینے والا صادق (سچا) اور امین (دیانتدار) رسول ہے۔ اس نے آئندہ کے متعلق جو فرما دیا کہ ایسا ہوگا اس کا ہونا بھی اتنا ہی یقینی ہے جتنا اس بات کا جو پہلے واقع ہو چکی ہو۔

اللہ تعالیٰ اسلافِ کرام کا نورِ ایمان عطا فرمائے تب ہی کتاب وسنت کے آئینہ میں حق کا رخِ زیبا نظر آتا ہے۔ ورنہ ساری عمر شک وشبہ کی جھاڑیوں میں دامن اُلجھا رہتا ہے۔ اور قیل وقال سے ہی فرصت نہیں ملتی۔

قرآنِ کریم کی آیاتِ طیبات اور ان احادیثِ صحیحہ کے بعد ہم کسی سے اپنے مومن ہونے کا سرٹیفکیٹ لینے کے لیے یہ ماننے یا زبان پر لانے یا اس کا تصور کرنے کے لیے بھی تیار نہیں کہ شیطان کا علم فخرِ عالم کے علم سے زیادہ ہے یا ایسا علم تو گاؤخر اور ہر سفیہ کو بھی حاصل ہے۔ اَلْعِيَاذُ بِاللّٰهِ ثُمَّ الْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔

اس آیت کا جو مفہوم میں نے بیان کیا علمائے کرام کی تصریحات بھی اسی کی تائید کرتی ہیں۔ چنانچہ علامہ سید محمود آلوسی بغدادی اس پر سیر حاصل بحث کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

وَلَعَلَّ الْحَقَّ اَنْ يُّقَالَ اِنَّ الْعِلْمَ الْغَيْبَ الْمَنْفِيَّ عَنْ غَيْرِهٖ جَلَّ وَعَلَا هُوَ مَا كَانَ لِلشَّخْصِ لِذَاتِهٖ اَیْ بِلَا وَاسِطَةٍ

1۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب قولہ تعالیٰ وھو الذی یبدء الخلق، ج 1، ص 453
2۔ المرقاۃ شرح مشکوٰۃ، ج 11، ص 4

فِیْ ثُبُوْتِہٖ لَہٗ ۔۔۔۔ وَمَا وَقَعَ لِلْخَوَاصِّ لَیْسَ مِنْ ھٰذَا الْعِلْمِ الْمَنْفِیِّ فِیْ شَیْءٍ ضَرُوْرَۃً اَنَّہٗ مِنَ الْوَاجِبِ عَزَّوَجَلَّ اَفَاضَہٗ عَلَیْھِمْ بِوَجْہٍ مِّنْ وُّجُوْہِ الْاِفَاضَۃِ۔ (روح المعانی جلد ٢٠ صفحہ ١١) (1)

ترجمہ: یعنی حق بات یہ ہے کہ جس علمِ غیب کی نفی کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اسے کوئی نہیں جانتا اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص اسے خود بخود نہیں جان سکتا۔ اور خاص بندوں کو جو علم حاصل ہے وہ یہ علم نہیں جس کی آیت میں نفی کی گئی ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی فیض رسانی سے انہیں حاصل ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی فیض رسانی کے متعدد وجوہ میں سے کسی ایک وجہ سے انہیں مرحمت فرمایا ہے۔

علامہ موصوف اس سے آگے چل کر لکھتے ہیں

وَ بِالْجُمْلَۃِ عِلْمُ الْغَیْبِ بِلَاوَاسِطَۃٍ کُلًّا اَوْ بَعْضًا مَّخْصُوْصٌ بِاللّٰہِ جَلَّ وَ عَلَا لَایَعْلَمُہٗ اَحَدٌ مِّنَ الْخَلْقِ اَصْلًا۔ (2)

ترجمہ: یعنی ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ علم الغیب بلاواسطہ کلاً اور بعضاً اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے۔ یعنی نہ سارا علم غیب بغیر اس کے بتائے کوئی جان سکتا ہے اور نہ بعض کوئی جان سکتا ہے۔

حضرت علامہ ثناء اللہ پانی پتی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وَغَیْرُہٗ تَعَالٰی لَایَعْلَمُ اِلَّا بِاِعْلَامِہٖ (3) یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غیب نہیں جان سکتا مگر اس کے جتانے اور سکھانے سے''۔

آخر میں اپنی رائے ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قُلْتُ وَ یُمْکِنُ اَنْ یَّکُوْنَ التَّقْدِیْرُ لَایَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَیْبَ بِشَیْءٍ اِلَّا بِاللّٰہِ اَیْ بِتَعْلِیْمِہٖ۔ (مظہری) (4)

''یعنی میں کہتا ہوں کہ تقدیرِ عبارت یوں ہے کہ زمین و آسمان کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی تعلیم اور سکھانے کے بغیر غیب کو نہیں جان سکتی''۔

اس تحقیق کے بعد بھی اگر کوئی صاحب ہم اہل السنت پر شرک کا الزام لگائے تو اس کی مرضی۔ اس آزادی کے دور میں ہم اس کے لیے دعائے ہدایت کے بغیر کیا کہہ سکتے ہیں۔ البتہ اسے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس بہتان کے متعلق اس سے بازپرس ہوگی۔ اور اس پُرآشوب دور میں امتِ مصطفویہ علیٰ نبیہا افضل الصلوات وازکی التسلیمات میں فتنہ وفساد کا دروازہ کھولنے پر اسے روزِ حشر جوابدہ ہونا ہوگا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

٧٩؎ کفارِ مکہ نے حضورؐ سے پوچھا کہ جس قیامت سے آپ صبح وشام ہمیں ڈراتے رہتے ہیں، ذرا یہ تو بتایئے وہ کس سن میں، کس تاریخ کو آئے گی۔ ان کے جواب میں فرمایا کہ ان کو اس کا شعور نہیں کہ وہ کب آئے گی؟ (5)

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 11 2۔ ایضاً، ص 12 3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 128
4۔ ایضاً 5۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج 20، ص 7 (ماخوذ)

عِلْمُهُمْ فِي الْآخِرَةِ ۚ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِّنْهَا ۖ بَلْ هُم

علمِ آخرت کے متعلق ۸۰؎ بلکہ وہ تو اس کے بارے میں شک میں ہیں ۔ بلکہ وہ اس سے

مِّنْهَا عَمُونَ ﴿٦٦﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَإِذَا كُنَّا تُرَابًا وَآبَاؤُنَا أَئِنَّا

اندھے ہیں ۔ اور کفار کہنے لگے ۸۱؎ کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے اور ہمارے باپ دادا

لَمُخْرَجُونَ ﴿٦٧﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا هَٰذَا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا مِن قَبْلُ إِنْ

بھی تو کیا ہمیں (پھر) نکالا جائیگا ۔ بیشک قیامت کے آنے کا وعدہ ہم سے بھی کیا گیا اور ہمارے باپ دادا سے بھی اس سے پہلے نہیں ہے

۸۰؎ اِدَّارَكَ اصل میں تَدَارَكَ ہے ۔ تا کو دال میں ادغام کیا اور ہمزہ بڑھا دیا کہ ابتدا ساکن سے نہ ہو (1) ۔ امام فخر الدین رازیؒ لفظ اِدَّارَكَ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کا معنی انتہا کو پہنچنا، فنا ہو جانا ہے ۔ جب پھل پک جاتا ہے اور توڑ لینے کے قابل ہو جاتا ہے تو عرب کہتے ہیں اِدَّرَكَتِ الثَّمْرَةُ: پھل نے اپنی پختگی کی نہایت کو پالیا ہے ۔ اس کے بعد اسے توڑ لیا جاتا ہے اور پھر وہ اپنی شاخ پر لٹکتا ہوا نظر نہیں آتا ۔ نیز جب کوئی قوم یکے بعد دیگرے لقمۂ اجل بن جائے، برباد ہو جائے تو کہا جاتا ہے تَدَارَكَ بَنُوْ فُلَانٍ اِذَا تَتَابَعُوْا فِي الْهِلَاكِ ۔ حضرت حسنؓ سے اس لفظ کا یہ مفہوم منقول ہے: اِضْمَحَلَّ عِلْمُهُمْ ۔ یعنی قیامت کے متعلق ان کا علم مضمحل ہو گیا ۔ وقوعِ قیامت پر انہیں یقین ہی نہ رہا ۔ اور یہ آیت سابقہ آیت کے آخری حصہ وَمَا يَشْعُرُوْنَ کی تفسیر ہے ۔ (کبیر) (2)

علامہ قرطبیؒ نے بڑی سادگی اور عمدگی سے اس کی تشریح ان الفاظ سے کی ہے ۔ بَلْ ضَلَّ وَغَابَ عِلْمُهُمْ فِي الْآخِرَةِ فَلَيْسَ لَهُمْ فِيهَا عِلْمٌ (قرطبی) (3) ۔ یعنی قیامت پر انہیں پختہ یقین ہے ۔ دل ہی دل میں اس کے وقوع کو مانتے ہیں ۔ لیکن ہٹ دھرمی اور تعصب کے باعث اقرار کی جرأت نہیں کر سکتے ۔

۸۱؎ قیامت کے متعلق وہ ہمیشہ ایک ہی رٹ لگاتے رہتے تھے کہ آج ہمیں بھی بار بار قیامت کے آنے کی دھمکیاں دی جا رہی ہیں ۔ ہم سے پہلے ہمارے آباؤ اجداد کو بھی اسی قسم کی دھمکیاں دی جاتی تھیں ۔ صدیاں بیت گئی ہیں ۔ ابھی تک تو قیامت کے آنے کے آثار ہی نظر نہیں آتے ۔ یہ ایک انہونی سی بات ہے ۔ خواہ مخواہ ان پارساؤں نے ہمارا ناک میں دم کر رکھا ہے ۔ خود تو تھے ہی خشک مزاج ہماری محفلِ عیش و طرب کو بھی اس کی رونقوں اور خوشیوں سے محروم کرنا چاہتے ہیں ۔

1 ۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 226　2 ۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 12، جز 24، ص 213　3 ۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 227

هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا

یہ وعدہ مگر پہلے لوگوں کے من گھڑت افسانے ۔ آپ فرمائیے سیر و سیاحت کرو ۸۲ زمین میں پھر اپنی آنکھوں سے

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۶۹﴾ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ

دیکھو کہ کیسا ہولناک انجام ہوا مجرموں کا ۔ (اے محبوب!) آپ غمزدہ نہ ہوں ان (کے رویہ) پر اور دل تنگ

فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ

نہ ہوا کریں ان کے مکر و فریب سے ۸۳ اور وہ پوچھتے ہیں کب (پورا) ہو گا، یہ وعدہ (بتاؤ) اگر تم سچے

صٰدِقِيْنَ ﴿۷۱﴾ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ

ہو آپ فرمائیے قریب ہے کہ تمہارے پیچھے آلگا ہو اس عذاب کا کچھ حصہ جس کے لیے

تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ

تم جلدی مچا رہے ہو ۸۴ اور بے شک آپ کا رب بہت فضل (و کرم) فرمانے والا ہے لوگوں پر، لیکن

۸۲۔ ان کے اس اعتراض کا جواب اس آیت میں دے دیا گیا کہ تم انہی لوگوں کی پیروی کر رہے ہو جنہوں نے تم سے پہلے اپنے رسولوں کو جھٹلایا۔ ان کی دعوت کو قبول نہ کیا۔ قیامت کا انکار کرتے رہے۔ تم زمین میں سیر و سیاحت کرو اور اپنی آنکھوں سے ان قوموں کا عبرتناک انجام دیکھو۔ اگر تم یہ نہیں چاہتے کہ تم بھی اس قسم کے انجام سے دوچار ہو تو ان کے انکار و عناد کی روش ترک کر دو اور اطاعت و انقیاد کا راستہ اختیار کرو۔

۸۳۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دے رہے ہیں۔

۸۴۔ يَكُوْنَ اور رَدِفَ دونوں فعل ہیں۔ اور ان کا فاعل بَعْضُ ہے۔ تنازع فعلین کی وجہ سے ایک کا فاعل اسم ظاہر ہو گا اور دوسرے کا اسم ضمیر جس کا مرجع وہ اسم ظاہر ہو گا۔ (1)

علامہ بیضاوی لکھتے ہیں کہ عَسٰی، لَعَلَّ اور سَوْفَ کے الفاظ سے جب بادشاہ دھمکی دے تو وہ جزم اور یقین کا فائدہ دیتے ہیں۔ بادشاہ رمز و کنایہ سے ہی اپنے ارادہ کا اظہار کرتے ہیں۔ تصریح کی انہیں چنداں ضرورت نہیں ہوتی۔ اسی لیے جب اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ اور وعید میں یہ الفاظ فرمائے تو ان سے مراد یقین و جزم ہی ہوتا ہے۔ وَعَلَيْهِ جَرٰى وَعْدُ اللّٰهِ وَوَعِيْدُهٗ (بیضاوی) (2)

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 130
2۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 508

اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝۷۳ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ

اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں ۸۵ اور یقیناً آپ کا رب خوب جانتا ہے جو کچھ چھپا رکھا ہے

صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝۷۴ وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ

ان کے سینوں نے اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ اور نہیں کوئی پوشیدہ چیز آسمان اور زمین

وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝۷۵ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى

میں مگر اس کا بیان کتابِ مبین میں موجود ہے ۸۶ بلاشبہ یہ قرآن ۸۷ بیان کرتا ہے

بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝۷۶ وَاِنَّهٗ

بنی اسرائیل کے سامنے اکثر ان اُمور (کی حقیقت) کو جن میں وہ جھگڑتے رہتے ہیں۔ اور بلاشبہ یہ

۸۵ ورنہ ادھر وہ گناہ کا ارتکاب کرتے، ادھر ان پر عذاب نازل کر دیا جاتا۔ اس کی اتنی واضح رحمتوں کے باوجود بھی لوگ شکر نہیں کرتے۔

۸۶ ہر مخفی سے مخفی چیز کتابِ مُبین میں لکھ دی گئی ہے۔ کتابِ مُبین سے مراد لوحِ محفوظ ہے۔ اور مُبین کی صفت اس لیے ذکر کی گئی ہے کہ جن ملائکہ کو لوحِ محفوظ دیکھنے کی اجازت ہے وہ جب اسے دیکھتے ہیں تو یہ مخفی اُمور ان پر واضح ہو جاتے ہیں۔

مَا مِنْ شَيْءٍ شَدِيْدِ الْغَيْبُوْبَةِ وَالْخِفَاءِ ..... اِلَّا اَثْبَتَهُ اللّٰهُ فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ وَالْمُبِيْنُ الظَّاهِرُ لِمَنْ يَّنْظُرُ فِيْهِ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ (رازی) (1)۔ اَلظَّاهِرُ لِمَنْ يَّنْظُرُ فِيْهِ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ (بحر) (2)

علامہ آلوسی نے ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ کتابِ مبین سے مراد قرآنِ حکیم ہے۔ پھر لکھتے ہیں کہ بیان کیا جاتا ہے کہ بعض عارفوں نے سلاطینِ عثمانی کے نام، ہر ایک کی مدّتِ حکومت، یہاں تک کہ سب سے آخری سلطان ان میں سے کون ہوگا؟ یہ سب چیزیں سورۂ فاتحہ سے استخراج کی ہیں۔ (روح المعانی) (3)

۸۷ یہود و نصاریٰ کا باہمی اختلاف تو اظہر من الشّمس ہے۔ لیکن ہر قوم آپس میں بھی سینکڑوں فرقوں میں بٹی ہوئی ہے۔ جو ایک دوسرے کی تکفیر کیا کرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق نصاریٰ کے باہمی اختلاف کو دیکھ کر دماغ چکرا جاتا ہے۔ کوئی آپ کو خدا، کوئی خدا کا بیٹا، کوئی تین اقانیم سے ایک اقنوم اور کوئی آپ کو اللہ کا بندہ اور رسول کہتا ہے۔ اسی طرح بیشمار مسائل میں ان کی آپس میں ٹھنی ہوئی ہے۔ قرآنِ کریم نے آکر انہیں حقیقت سے آگاہ کر دیا ہے۔ اگر وہ اس کی دعوت قبول کرلیں تو ان کا یہ

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 12، جز 24، ص 216 2۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 95 3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 17

لَهُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ

قرآن سراپا ہدایت اور مجسّم رحمت ہے مومنین کے لیے ۸۸۔ یقیناً آپ کا رب فیصلہ فرمائے گا ۸۹ ان کے

بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۸﴾ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّكَ عَلَى

درمیان اپنے حکم سے۔ اور وہی ہے زبردست سب کچھ جاننے والا۔ سو آپ بھروسہ کریں اللہ تعالیٰ پر، بیشک آپ

الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ﴿۷۹﴾ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ

روشن حق پر ہیں ۹۰۔ بیشک آپ نہیں سنا سکتے مُردوں کو ۹۱ اور نہ آپ سنا سکتے ہیں بہروں کو

اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۸۰﴾ وَمَاۤ اَنْتَ بِهٰدِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ

اپنی پکار جب وہ بھاگے جا رہے ہوں پیٹھ پھیرے ہوئے۔ اور نہیں آپ ہدایت دینے والے (دل کے) اندھوں کو ان کی

باہمی عناد ختم ہو جائے۔

۸۸۔ اگرچہ یہ کتاب سارے جہان کے لیے ہدایت و رحمت ہے لیکن اس سے فائدہ اٹھانے والے صرف اہلِ ایمان ہیں۔ اس لیے گویا یہ انہی کے لیے ہدایت و رحمت ہے۔ فَاِنَّهُمْ هُمُ الْمُنْتَفِعُوْنَ بِهٖ دُوْنَ الْكُفَّارِ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ وَغَيْرِهِمْ (مظہری) (1)

۸۹۔ ایک دن وہ آنے والا ہے جب خود مولائے کریم ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔

۹۰۔ سارا باطل اگرچہ اسلام کو مٹانے کے لیے ایک دوسرے سے مکمل تعاون کر رہا ہے لیکن آپ خوفزدہ نہ ہوں۔ اپنے رب پر کامل بھروسہ کریں۔ وہ عزیز و حکیم ضرور آپ کی مدد فرمائے گا۔ کیونکہ حق و صداقت کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں ہے۔ سچائی کا نور پھیلانے کے لیے آپ شب و روز کوشاں ہیں۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ کی امداد نہ فرمائی جائے؟ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ کہہ کر حضور کو اطمینان دلا دیا کہ واقعی آپ صراطِ مستقیم پر ثابت قدمی سے چلے جا رہے ہیں۔ اور جب کسی رہرو کو یقین ہو جاتا ہے کہ وہ سیدھا منزلِ محبوب کی طرف گامزن ہے۔ کہیں ادھر ادھر کسی پگڈنڈی پر مارا مارا نہیں پھر رہا تو پھر جس طرح اس کی ہمت جواں ہوتی ہے اور اس کا حوصلہ بلند ہوتا ہے، اس کا اندازہ بس وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کی جانکاہیوں کو محبوبِ حقیقی کی طرف سے اس قسم کی داد ملی ہو، جن کی جانفشانیوں پر کبھی تحسین و آفرین کے گلہائے رنگین نچھاور کیے گئے ہوں۔

۹۱۔ اے نبی مکرم! جن لوگوں نے کفر و شرک کی سمِّ قاتل سے اپنے قلب و روح کو مُردہ بنا دیا ہے انہیں یہ پند و موعظت، یہ تبلیغ و نصیحت اور یہ آیاتِ قرآنی کا پڑھ پڑھ کر سنانا قطعاً فائدہ مند نہیں۔ انہوں نے خود اپنے ہاتھوں اپنی عقل و فہم کا گلا گھونٹ دیا

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 131

اِنۡ تُسۡمِعُ اِلَّا مَنۡ یُّؤۡمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۸۱﴾ وَ اِذَا وَقَعَ

گمراہی سے۔ نہیں سُناتے آپ بجز اُن کے جو ایمان لاتے ہیں ہماری آیتوں پر پھر وہ فرمانبردار بن جاتے ہیں ۹۲؎ اور جب ہماری بات

ہے۔ انہوں نے خود پھونکیں مار مار کر غور وفکر کا چراغ بجھا دیا ہے۔ انہیں یہ روشن سے روشن معجزات بھی حق قبول کرنے پر آمادہ نہیں کر سکتے۔ اس لیے ان کے ہدایت پذیر ہونے کے لیے مزید کوششیں کرنا یا اُن کے کفر پر جمے رہنے سے آزردہ خاطر ہونا مناسب نہیں۔ آپ نے اپنا فرض باحسن وجوہ ادا کر دیا۔ یہ ان کی اپنی بدبختی ہے کہ وہ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔

۹۲؎ آپ تو صرف ان لوگوں کو حق کی آواز سنا سکتے ہیں، آپ کی تبلیغ ان کے لیے ہی کارگر ہو سکتی ہے، یہ آیاتِ بینات فقط ان کو راہ ہدایت پر لا سکتی ہیں جن میں دعوتِ حق قبول کرنے کی استعداد ہو اور جن کا مشرف باسلام ہونا ہم نے مقدر کر دیا ہو۔

کئی ایسے بیباک بھی ہیں جو ان آیات کو لوگوں کے سامنے پڑھتے ہیں اور مقصد حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی تنقیص ہوتا ہے۔ گلا پھاڑ پھاڑ کر کہتے ہیں کہ دیکھو وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ کسی کو راہِ ہدایت پر نہیں لا سکتے۔ بالکل کوئی اختیار نہیں رکھتے وغیرہ وغیرہ۔ کاش! وہ آیت کے اس حصہ کو بھی قابلِ غور تصور کرتے۔ اِنۡ تُسۡمِعُ اِلَّا مَنۡ یُّؤۡمِنُ الآیۃ۔ اگر زیادہ غور وفکر کی فرصت نہیں ملتی تو اتنی بدیہہ بات کو ہی سمجھنے کی کوشش کرتے کہ اگر اندھے کے لیے سورج کی روشنی سودمند نہیں تو کیا یہ کہنا درست ہے کہ سورج روشن ہی نہیں یا اس کی روشنی سے کسی کو فائدہ ہی نہیں۔ اگر چند اندھے دن کے اجالے میں ٹھوکریں کھاتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی اَن گنت مخلوق تو آفتاب کی تابانیوں سے مستفید ہو رہی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان لوگوں نے کسی غلط فہمی کے باعث اپنے آپ کو مردہ، اپنی آنکھوں کو اندھا اور اپنے کانوں کو بہرا فرض کر لیا ہو۔ اور اس لیے شور مچا رہے ہوں کہ دیکھو ہمیں تو کچھ نظر نہیں آرہا ہے، ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا پھیلا ہوا ہے۔ کہاں ہے وہ تمہارا سورج جس کے متعلق تم کہتے ہو کہ وہ طلوع ہو گیا ہے اور اس کی کرنوں نے شرق وغرب کو منور کر دیا ہے؟ کیا اہلِ قبور سنتے ہیں یا نہیں۔ اس پر مفصل بحث سورۃ الروم میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ یہاں آپ اتنا ہی یاد رکھیں کہ آیت میں اِسماعؔ (سنانے) کی نفی ہے۔ سَمۡعٌ (سننے) کی نفی نہیں۔ اور حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب جنت البقیع میں آرام فرمانے والے اپنے غلاموں کے پاس تشریف لے جاتے یا شہدائے اُحد کے مزارات پر قدم رنجہ فرماتے تو ان الفاظ سے اہلِ قبور کو سلام فرمایا کرتے۔

اَلسَّلَامُ عَلَیۡکُمۡ یَا اَهۡلَ الۡقُبُوۡرِ۔

"قبروں میں رہنے والو! تم پر سلام ہو"۔ (1)

اور قبور کی زیارت کے جو آداب حضورؐ نے اپنی اُمّت کو تعلیم فرمائے ان میں بھی اسی طرح انہیں سلام کہنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اور ایک بچہ بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ اس قسم کا کلام انہی سے کیا جاتا ہے جو سن رہے ہوں۔ اگر اہلِ قبور سنا نہ کرتے تو سلام فرمانے کا یہ انداز نہ ہوتا۔ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا جَاءَ بِهٖ رَسُوۡلُهُ الۡکَرِیۡمُ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیۡهِ وَاٰلِهٖ وَاَصۡحٰبِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ۔

1۔ جامع ترمذی، ابواب الجنائز، باب مایقول الرجل اذا دخل المقابر، ج 1، ص 125

الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ

کے ان پر پورا ہونے کا وقت آجائیگا تو ہم نکالیں گے اُن کے لیے ایک چوپایہ زمین سے ۹۳ جو ان سے گفتگو کریگا، کیونکہ

النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۸۲﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ

لوگ ہماری آیتوں پر ایمان نہیں لاتے تھے۔ اور جس روز ہم اکٹھا کریں گے ہر اُمّت سے ایک

فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْ

گروہ ۹۴ جو جھٹلایا کرتا تھا ہماری آیتوں کو تو ان کو (اپنی اپنی جگہ پر) روک لیا جائیگا حتیٰ کہ جب وہ آجائیں گے اللہ

۹۳ قیامت کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے جو چیزیں بطورِ علامت ظاہر ہوں گی ان میں سے ایک خروجِ دآبّہ ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہو رہا ہے۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں یہ حدیث ذکر کی ہے۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیے:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اَوَّلَ الْاٰيَاتِ خُرُوْجًا طُلُوْعُ الشَّمْسِ مِنْ مَّغْرِبِهَا وَ خُرُوْجُ الدَّابَّةِ عَلَى النَّاسِ ضُحًى وَّ اَيَّتُهَا كَانَتْ قَبْلَ صَاحِبَتِهَا فَالْاُخْرٰى عَلٰى اِثْرِهَا قَرِيْبًا (رواہ مسلم)(1)

"حضرت عبداللہؓ بن عمرو فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کی اوّلین علامتوں سے سورج کا مغرب سے طلوع ہونا اور چاشت کے وقت دابّۃٌ (جانور) کا نکلنا ہے۔ ان دو میں سے جو بھی پہلے واقع ہو دوسرا اس کے فوراً بعد ہوگا"۔

اس کے علاوہ اس کے قد و قامت، مقامِ خروج وغیرہ کے متعلق بڑی تفصیلات روایات میں مذکور ہیں لیکن امام رازی فرماتے ہیں:

وَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَا دَلَالَةَ فِي الْكِتَابِ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ هٰذِهِ الْاُمُوْرِ فَاِنْ صَحَّ الْخَبَرُ فِيْهِ عَنِ الرَّسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِلَ وَاِلَّا لَمْ يُلْتَفَتْ اِلَيْهِ (کبیر)(2)

"خوب جان لو کہ کتاب اللہ میں ان اُمور پر کوئی دلالت نہیں۔ جو چیز صحیح احادیث سے ثابت ہوگی وہ مان لی جائے گی ورنہ اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا"۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب ذکر الدجال، ج 2، ص 404
2۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 12، جز 24، ص 219

قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰیٰتِیْ وَ لَمْ تُحِیْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّا ذَا كُنْتُمْ

فرمائیگا کیا تم نے جھٹلایا میری آیتوں کو حالانکہ تم نے اچھی طرح انھیں جانا بھی نہ تھا ۹۵ یا اس کے علاوہ اور کیا تھا جو

تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَ وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا یَنْطِقُوْنَ ﴿۸۵﴾

تم کیا کرتے تھے ۹۶ اور پوری ہوگئی (اللہ کی) بات ان پر بوجہ ان کے ظلم کے ۹۷ تو وہ (اس وقت) بول نہیں سکیں گے

اَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّیْلَ لِیَسْكُنُوْا فِیْهِ وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ

کیا انھوں نے غور نہ کیا کہ ہم نے بنایا ہے رات کو اس لیے تاکہ وہ اس میں آرام کریں اور بنایا ہے دن کو بینا ۹۸

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَ یَوْمَ یُنْفَخُ فِی

بیشک اس میں (ہماری قدرت کی) نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔ اور جس دن پھونکا جائے گا ۹۹

الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ

صُور تو گھبرا جائے گا ہر کوئی جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ مگر جنھیں

۹۴ قیامت کے روز تمام قوموں کے منکروں کو ایک جگہ اکٹھا کیا جائے گا۔ ہر ایک اپنی اپنی جگہ پر کھڑا کر دیا جائے گا۔ کسی میں جرأت نہیں ہوگی کہ اپنی جگہ سے ادھر ادھر سرک سکے۔

۹۵ یعنی تم اتنے مغرور تھے کہ تم نے ہماری آیتوں میں تدبر کرنا ہی کسر شان سمجھا۔ اور غور و فکر کے بغیر ہی ان کو جھٹلا دیا۔

۹۶ یعنی اگر تم نے میری آیتوں کی تکذیب نہیں کی تو بتاؤ تم نے کیا کیا؟ اِس الزام کو غلط ثابت کرنے کے لیے کوئی دلیل پیش کرو۔

۹۷ یعنی جس ظلم و عدوان کا ارتکاب وہ عمر بھر کرتے رہے اور بار بار سمجھانے کے باوجود بھی وہ اس سے باز نہ آئے اس کی وجہ سے ہی انہیں عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا اس وقت وہ اپنی صفائی پیش کرنے سے قاصر ہوں گے۔ کوئی عذر بھی پیش نہ کر سکیں گے۔ چُپ کھڑے رہیں گے گویا ان کے لبوں کو کسی نے سی دیا ہے یا ان کی قوتِ گویائی سلب کر لی گئی ہے۔

۹۸ اپنی رحمتِ بے پایاں اور حکمتِ بالغہ کی نشانیوں کی طرف ایک بار پھر ان کی توجہ مبذول کرا دی۔

۹۹ جب حضرت اسرافیل علیہ السلام کو حکم ملے گا کہ اب صور پھونکو تا کہ قیامت قائم ہو تو جب وہ خدائی بگل بجے گا تو آسمان و

شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَ كُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَ تَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً

خدا نے چاہا وہ نہیں گھبرائیں گے اور سب حاضر ہونگے اسکی بارگاہ میں عاجزی کرتے ہوئے ۱۰۰ اور تو جب (اس روز) پہاڑوں کو دیکھے گا تو گمان کریگا کہ یہ

وَّ هِیَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْۤ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ ؕ

ٹھہرے ہوئے ہیں حالانکہ وہ چل رہے ہونگے بادل کی سی چال ۱۰۱ یہ کاریگری ہے اللہ کی جس نے (اپنی حکمت سے) مضبوط بنایا ہر چیز کو

اِنَّهٗ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَیْرٌ مِّنْهَا ۚ

۱۰۲ بیشک وہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔ جو شخص نیک عمل لے کر آئے گا تو اسے کہیں بہتر اجر ملے گا اس نیک عمل سے

زمین کی ہر چیز گھبرا جائے گی۔ ہر سمت خوف اور دہشت طاری ہو جائے گی۔ البتہ بعض ہستیاں ایسی بھی ہوں گی جو اس دن بھی مطمئن ہوں گی گویا کچھ تشویشناک بات ہوئی ہی نہیں۔ وہ لوگ کون ہوں گے؟ علامہ پانی پتی نے متعدد احادیث لکھنے کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ انبیاء، ملائکہ اور شہداء کو کوئی گھبراہٹ نہ ہوگی۔ لَا یَفْزَعُوْنَ اَلْبَتَّةَ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ (مظہری)(1)

۱۰۰۔ دٰخِرِیْنَ کا معنی عاجز و درماندہ۔(2)

۱۰۱۔ قیامت کے ہولناک مناظر میں سے ایک اور دل کو لرزا دینے والا منظر بیان کیا جا رہا ہے کہ اس روز پہاڑ اپنے حجم اور جسامت کے باعث دیکھنے والوں کو تو حسب سابق کھڑے ہوئے نظر آئیں گے لیکن حقیقت میں وہ بادلوں کی طرح تیزی سے حرکت کر رہے ہوں گے۔ اس کے بعد اچانک ایسا جھٹکا ہوگا کہ پاش پاش ہو جائیں گے۔ ایک بم پھٹنے سے کیا آفت ٹوٹ پڑتی ہے اور جب پہاڑ جنبش میں آجائیں گے اور پھر یک دم انہیں بھک سے اڑا دیا جائے گا اس وقت کی ہولناکیوں کا کیونکر اندازہ کیا جا سکتا ہے؟

۱۰۲۔ کسی چیز کو حکمت و مہارت سے مضبوط بنانے کو عربی میں اَتْقَنَ کہتے ہیں (3)۔ اللہ تعالیٰ نے جو چیز بنائی اسے ایسا مضبوط اور مستحکم بنایا کہ وقت سے پہلے بوسیدگی یا ٹوٹ پھوٹ کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ آسمان ہزاروں صدیوں سے یونہی تنا ہوا ہے۔ اس کا کوئی گوشہ ڈھیلا نہیں ہوا۔ کوئی جگہ مرمت طلب نہیں۔ اس کی بنائی ہوئی کسی چیز کو دیکھو۔ پانی کی مقدار جو اس نے پہلے دن پیدا فرمائی ہے ساری دنیا اسے استعمال کر رہی ہے لیکن اس کی مقدار میں کمی نہیں ہوئی اور نہ ہی مزید پانی بنانے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے اور نہ ہوگی۔ ہوا کا جو ذخیرہ روز اوّل سے فراہم کیا گیا۔ ساری چیزیں اس میں سانس لے رہی ہیں لیکن اس میں کمی نہیں ہوئی اور نہ ہوگی۔ ہر چیز تمہیں بتا رہی ہے کہ وہ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْۤ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ کی قدرت کا شاہکار ہے۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 138 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 242

3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 140۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 13، ص 244

وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ

اور یہ نیک بندے اُس دن کی گھبراہٹ سے محفوظ ہونگے ۱۰۳؎ اور جو بُرائی لے کر آئے گا تو ان کو مُنہ کے بل اوندھا

وُجُوْهُهُمْ فِى النَّارِ ؕ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾

پھینک دیا جائے گا آگ میں (اے بدکارو!) کیا تمھیں بدلہ ملے گا بجز اس کے جو تم عمل کیا کرتے تھے۔ ۱۰۴؎

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِىْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ

مجھے تو صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں عبادت کروں اس (مقدس) شہر کے رب کی جس نے عزت و حرمت والا

حضور کریم کا ایک ارشادِ گرامی بھی سماعت فرمایئے تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ آپ کا نبی مکرم اس بات کو کتنا پسند کرتا ہے کہ حضورؐ کا امتی جو کام کرے اس میں اپنی فنی پختگی اور صنعتی مہارت کا ناقابلِ تردید ثبوت بہم پہنچائے، کسی کام کو نیم دلی اور بے توجہی سے کرنا یا اس میں کوئی خامی اور نقص باقی رہنے دینا ہمارے آقا کو ہرگز پسند نہیں۔ ارشادِ گرامی ہے:۔

رَحِمَ اللّٰهُ مَنْ عَمِلَ عَمَلًا فَاَتْقَنَهٗ۔ خداوندِ عالم اس پر رحم کرے جو جس کام کو کرے بڑی عمدگی سے کرے۔(1)

پختگی، پائیداری اور نفاست کون سی چیز ہے جس کا ذکر اس مختصر سے جملہ میں نہ آ گیا ہو۔ حضورؐ اپنے غلاموں سے اسی چیز کی توقع رکھتے ہیں اور اسی کی تلقین فرماتے ہیں۔ فنی، صنعتی اور دیگر میدانوں میں کام کرنے والوں کو چاہیے کہ اس حدیث کو لکھ کر اپنے سامنے آویزاں کریں۔ علامہ اقبال نے بھی کیا خوب فرمایا ہے: ع

نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر (2)

۱۰۳؎ قیامت کے ہولناک مناظر اور رُوح فرسا واقعات کا ذکر کر کے فرمایا کہ اس روز میرے وہ بندے جو میری رضاء کے حصول کے لیے اپنی زندگی قربان کر کے حاضر ہوں گے وہ پریشاں اور ہراساں نہیں ہوں گے۔ بلکہ آج کا دن تو ان کے لیے بڑی مسرتوں اور شادمانیوں کا دن ہوگا۔ اس دن تو انہیں نیک اعمال کا اجر ملے گا۔ اور اجر دینے والا خود رب العلمین ہوگا، جو بڑا غنی اور بڑا کریم ہے۔ جب دیتا ہے تو بے حساب دیتا ہے۔

۱۰۴؎ نافرمانوں کا جو حال ہوگا اس کو بھی بیان کر دیا تاکہ جو اپنے لیے اس مآل کو پسند نہیں کرتے وہ بروقت اپنی اصلاح کر لیں۔

۱۰۵؎ خانہ کعبہ کی وجہ سے مکہ مکرمہ کو جو عزت و شرف ارزانی ہوا ہے اس کی طرف توجہ دلانے کے لیے رب کی اضافت اس شہر کی طرف فرما دی۔ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ، یعنی میں کسی لات و ہُبل کا پرستار نہیں۔ کسی جھوٹے خدا کا عبادت گزار نہیں۔ میری

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 13، ص 244 2۔ کلیاتِ اقبال، بال جبریل، ص 526

كُلُّ شَيْءٍ ۡ وَّ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۱﴾ لا وَ اَنْ اَتْلُوَا

بنایا ہے اس کو ۱۰۵ اور اسی کی ہے ہر شے ۱۰۶ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں شامل ہو جاؤں فرمانبرداروں کے زمرہ میں۔ نیز یہ بھی کہ میں

الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ

تلاوت کیا کروں قرآن کی ۱۰۷ پس جو ہدایت قبول کرتا ہے وہ اپنے ہی فائدہ کے لیے ہدایت قبول کرتا ہے۔ اور جو

فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ

گمراہ ہوتا ہے (تو اس کی قسمت) فرمائیں میں تو صرف ڈرانے والوں سے ہوں۔ اور آپ کہیے سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے

فَتَعْرِفُوْنَهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ ع

ہیں ۱۰۸ وہ ابھی دکھائیگا تمھیں اپنی نشانیاں۔ تو تم انہیں پہچان لوگے! اور نہیں ہے آپ کا رب بیخبر ان کاموں سے جو (اے لوگو) تم کیا کرتے ہو

عبادتیں، میری نیاز مندیاں اور عاجزیاں تو فقط اس ذاتِ یکتا و بے ہمتا کے لیے مخصوص ہیں جو اس بلدۂ مبارکہ کا، اس شہرِ مقدس کا رب ہے۔ اور جس نے اس شہر کو لازوال سعادتوں کا سرچشمہ بنا دیا ہے۔

۱۰۶ میرا رب فقط اسی شہر کا رب نہیں بلکہ کائنات کی ہر چیز کا وہ مالک ہے۔ عرش اسی کا ہے فرش بھی اسی کا۔ ہم بھی اسی کے تم بھی اسی کے۔ مجھے تو اس نے یہی حکم دیا ہے کہ اسی کی عبادت کروں اور اسی کی جناب میں اپنا سرِ نیاز جھکاؤں۔

۱۰۷ آخر میں پھر ان کی اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا کہ آپ خود یہ کتاب تصنیف کرتے ہیں یا کسی سے سیکھ کر آتے ہیں اور پھر لوگوں کو سناتے ہیں تاکہ لوگ انہیں اپنا پیشوا مان لیں اور ہر طرف ان کی عزّت و تکریم ہونے لگے۔ فرمادیا: نادانو! ایسا نہیں ہے جیسا تم سمجھ رہے ہو۔ مجھے تو اپنے مالک و خالق نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کا کلام پڑھ کر تمہیں سناؤں تاکہ تم لوگ گمراہی سے بچ جاؤ، تاکہ تمہیں اللہ کی معرفت کا سیدھا اور صحیح راستہ معلوم ہو جائے اور جب قیامت کے روز بارگاہِ الٰہی میں تم حاضر ہو تو تمہیں اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی رفاقت نصیب ہو اور جنت کی ابدی نعمتوں سے تمہیں سرفراز کر دیا جائے۔ غور سے سنو! یہ نبوت میرا کاروبار نہیں کہ میں تم سے کوئی دولت بٹورنا چاہتا ہوں، نہ میں سیاسی لیڈر ہوں کہ اپنی ایک جماعت بنا کر مسندِ اقتدار پر قابض ہونا چاہتا ہوں۔ میں تو تمہارا سچا خیر خواہ ہوں۔ تمہیں بر وقت فسق و فجور اور گمراہی کے انجامِ بد سے خبردار کر رہا ہوں۔ اگر تم نے میری بات مان لی تو اس کا فائدہ تمہیں ہی ہوگا۔ اور اگر انکار ہی کرتے رہے تو اس کا وبال بھی تمہیں ہی اٹھانا ہوگا۔

۱۰۸ اے محبوب! ہم نے آپ پر جو فضل و کرم فرمایا ہے، جو عزت و شان بخشی ہے، رحمۃ للعالمینی کی جو خلعتِ فاخرہ آپ کو

ارزانی فرمائی ہے، اور تیرے سرِ نیاز پر محبوبیت کا جو درخشاں تاج رکھا ہے، ختمِ رسالت کے جس عظیم وار جمند منصب پر تجھے فائز کیا ہے اور اس کے علاوہ جو بے انداز عنایات فرمائی ہیں ان پر ہماری حمد وثنا کرتے رہو۔ ان منکروں پر ایک روز حقیقت خود بخود منکشف ہو جائے گی۔

تعارف سورۃ القصص

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اِس سورۂ مبارکہ کا نام القصص ہے۔ اس کی آیات کی تعداد اٹھاسی ہے، رکوع ۹، کلمات چار سو اکتالیس اور حروف پانچ ہزار آٹھ سو ہیں۔

زمانۂ نُزول: یہ بھی مکّی زندگی کے درمیانی عہد میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے ایک سورت ہے۔

مضامین: ویسے تو قرآنِ کریم کی تمام آیات کی طرح اِس سورت کی ہر آیت بھی روشنی کا مینار ہے جس سے عرصۂ حیات جگمگا رہا ہے۔ لیکن یہاں تین امور کی طرف میں ضیاء القرآن کے قاری کی توجہ خصوصیت سے مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

۱۔ استعماری طاقتوں، نورِ ایمان سے محروم جابر حکمرانوں کا ہمیشہ سے یہ دستور رہا ہے کہ وہ اپنے اقتدار کو برقرار رکھنے کے لیے اپنی رعایا کے مختلف طبقات میں منافرت پیدا کرتے رہتے ہیں۔ ان کی ساری ڈپلومیسی باہمی عداوت کی آگ بھڑکانے میں وقف ہوجاتی ہے۔ انہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ منافرت وعداوت کی جو آگ وہ اپنی رعایا میں بھڑکا رہے ہیں کئی جوانیاں اس میں بھسم ہوجائیں گی، کئی سہاگ لٹ جائیں گے، کئی ہنستی مسکراتی بستیاں اجڑ جائیں گی، ملک کی ترقی رُک جائے گی۔ ان کے سامنے فقط اپنے ایوانِ اقتدار کو مستحکم بنانا ہوتا ہے۔ اگر ان کی رعایا میں اتحاد واتفاق پیدا ہوجائے تو وہ ایک دن کے لیے بھی ان کی اس ظالمانہ حکومت کو برداشت نہ کرسکیں۔ یہ لوگ اس خطرہ سے بخوبی آگاہ ہیں۔ قرآن کریم نے اس سورت میں فرعونی سیاست کے خدوخال کو اچھی طرح بےنقاب کردیا ہے تاکہ کوئی شخص ان کے بلند بانگ دعووں سے دھوکا نہ کھائے اور ''رخ ہمچو ماہِ تاباں دل ہمچو سنگِ خارا'' قسم کے حکمرانوں سے ہوشیار رہیں۔

۲۔ دوسری چیز جو اس سورت میں تفصیل سے بیان کی گئی ہے وہ ایک سرمایہ دار کے ذہن کا تجزیہ ہے۔ قارون کے پاس دولت کی اِفراط ہے۔ اس کے خزینوں اور دفینوں میں سمیٹی ہوئی دولت کا شمار آسان نہیں۔ صرف اس سے اندازہ لگایئے کہ اس کے تالوں کی چابیوں کا گچھا اتنا وزنی ہے کہ اسے ایک تنومند جماعت بھی آسانی سے نہیں اُٹھاسکتی۔ دولت کی اس ریل پیل کے باوجود دل اتنا سخت اور سینہ اتنا تنگ ہے کہ اگر اس کو کلیم اللہ جیسا رسول نصیحت کرتا ہے کہ اَحۡسِنۡ کَمَاۤ اَحۡسَنَ اللّٰہُ اِلَیۡکَ (1) تو وہ اسے خاطر میں لانے کے لیے تیار نہیں بلکہ بڑی بےحیائی سے اپنے کریم رازق کی

1۔ سورۃ القصص: 77

کرم گستری کا انکار کر دیتا ہے اور برملا کہتا ہے کہ مجھے سیم وزر کے یہ انبار خدا نے نہیں دیئے بلکہ یہ میری ذہانت، معاملہ فہمی اور کاروباری مہارت کا ثمر ہے۔ جب ذہن میں یہ چیز سما جائے تو اسے کیا پڑی ہے کہ وہ اپنی دولت کو خلقِ خدا کی امداد کے لیے صرف کرے۔ ایسے ہی اہلِ ثروت کے شبستانوں کے سایوں میں انسانیت سسکتی رہتی ہے۔ ایسے ہی دولت مند شرفِ انسانی کی قبا کو تار تار کرتے ہیں۔ انہی کے عشرت کدوں میں گناہ اور رذالتوں کا تھوک بیوپار ہوتا ہے۔ یہیں غربت وافلاس کے پنجوں میں پھنسے ہوئے انسانوں کو ٹھوکریں ماری جاتی ہیں اور آخر کار یہی ٹھوکریں ان راکھ کے ڈھیروں میں انتقام کی چنگاری کو سلگاتی ہیں جو دہک دہک کر جہنم زار بن جاتی ہیں۔ جب ضبط وتحمل کے بند ٹوٹ جاتے ہیں تو سرخ سیلاب بن کر ہر چیز کو زیروزبر کر دیتے ہیں۔ اہلِ ثروت کی سنگدلی، کنجوسی اور سرد مہری سے جو بربادیاں جنم لیتی ہیں، قارون کے رویے پر ملامت کرتے ہوئے حضرت کلیمؑ نے اُن کی طرف واضح اشارہ فرمادیا لَا تَبۡغِ الۡفَسَادَ فِی الۡاَرۡضِ (1)، یعنی اپنے اس طریقۂ کار سے تو ملک میں فساد برپا نہ کر۔ یہ الفاظ اہلِ ذکر کے لیے اپنے دامن میں پند وموعظت کی ایک دنیا سمیٹے ہوئے ہیں۔

۳۔ آخر میں میں آپ کی توجہ آیت ۵۷ کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

اِسلام کے نظامِ معاشیات، اسلام کے نظامِ قانون، اسلام کے نظامِ اخلاق کو اپنے ملک میں رائج کرنے سے ہمارے کوتاہ نظر اعیانِ حکومت کو جو خدشے اور خطرے دکھائی دیتے ہیں ان کا ازالہ فرمادیا۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر بیسویں صدی میں ہم نے چودہ سو سالہ پرانا نظام جاری کر دیا تو دنیا کی ترقی یافتہ قومیں ہم سے آنکھیں پھیر لیں گی اور ہم تنہا رہ جائیں گے۔ اس آیت میں غور کرنے سے یہ تمام غلط فہمیاں کافور ہو جائیں گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

1۔ سورۃ القصص: 77

سُوْرَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّتِسْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورة القصص مکّی ہے اور اس کی ۸۸ آیتیں اور ۹ رکوعات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

طٰسٓمّٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ

طا۔سین۔میم ۱؎ یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی ۲؎ ہم پڑھ کر سناتے ہیں آپ کو موسیٰ

نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳﴾ اِنَّ

اور فرعون کا کچھ واقعہ ٹھیک ٹھیک ان لوگوں (کے فائدہ) کے لیے جو ایمان لاتے ہیں ۳؎ بیشک

فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ

فرعون متکبر (و سرکش) بن گیا سر زمین (مصر) میں اور اس نے بنا دیا وہاں کے باشندوں کو ۴؎ گروہ گروہ۔ وہ

۱؎ یہ حروفِ مقطّعات ہیں۔

۲؎ یعنی خود بھی روشن ہے۔ اور وہ احکام اور قصص وغیرہ جو اس میں مذکور ہیں ان کو بھی بڑی وضاحت سے بیان کرتی ہیں (1)۔

۳؎ موسیٰ علیہ السلام کا قصّہ متعدد مقامات پر بیان ہوا ہے لیکن یہاں اس قصہ کی چند ایسی کڑیاں ذکر کی جا رہی ہیں جو کسی اور جگہ مذکور نہیں۔ اور اس کا مقصد داستان سرائی نہیں بلکہ اُن اہلِ ایمان کے دلوں کو تازہ اور شگفتہ کرنا ہے جو عرصہ سے مشرکین کے مظالم کا ہدف بنے ہوئے تھے تاکہ انہیں یقین ہو جائے کہ جس خداوندِ کریم نے فرعون جیسے متشدّد اور متعصب مطلق العنان بادشاہ اور اس کی کثیر التعداد اور تنگ دل قبطی قوم کو غرق کر دیا تھا اور بنی اسرائیل جیسی کمزور قوم کو کامیاب کیا تھا وہی خدا ان کی مدد فرما رہا ہے۔ آخر کار کامیابی کا سہرا ان ہی کے سر باندھا جائے گا۔

۴؎ یہاں فرعونی سیاست کے سارے خدوخال کو مختصر الفاظ میں جس عمدگی سے بیان کر دیا گیا ہے یہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ قرآنِ حکیم خداوندِ علیم وخبیر کا کلام ہے جس سے کسی جابر بادشاہ کے اسرارِ سربستہ بھی مخفی نہیں۔ پہلے یہ بتایا کہ فرعون مصر کا حکمران تھا لیکن اس کے دل میں اپنی رعایا کے لیے ہمدردی، شفقت اور خیر خواہی کا قطعاً کوئی جذبہ نہ تھا۔ وہ ایک مغرور اور متکبر بادشاہ تھا

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 143

طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَ يَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ

کمزور کرنا چاہتا تھا ایک گروہ کو ان میں سے ۵ ذبح کیا کرتا ان کے بیٹوں کو اور زندہ چھوڑ دیتا ان کی عورتوں کو۔ بیشک

كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۴ وَ نُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا

وہ فساد برپا کرنے والوں سے تھا ۔ اور ہم نے چاہا کہ احسان کریں اُن لوگوں پر جنھیں کمزور بنا دیا گیا تھا

جس کے پیشِ نظر فقط اپنا ذاتی مفاد، اپنی حکومت کا استحکام اور اپنی شوکت وصولت کی بقا تھی۔ اس مقصد کے حصول کے لیے وہ ہر غیر قانونی بلکہ ہر غیر انسانی تجویز پر عمل کرنے سے گریز نہ کرتا تھا۔ خود سوچیے جس بادشاہ کی روش ایسی ظالمانہ اور سنگدلانہ ہو کیا اس کی رعایا اس سے محبت کرے گی؟ کیا اس کے لیے خیر سگالی کا کوئی جذبہ ان کے سینوں میں موجود ہوگا؟ اگر ان میں فکر وعمل کی وحدت پیدا ہو جائے تو وہ ایسے بے رحم حاکم کی حکومت کا تختہ اُلٹنے میں ذرا تامّل نہیں کرے گی۔ ایسے بادشاہوں کی کامیابی کا راز فقط اسی میں مُضمر ہوتا ہے کہ ان کی رعایا میں پُھوٹ پڑی رہے۔ وہ ایک دوسرے سے دست بگریباں رہیں اور انہیں ایک لمحہ بھی ایسا میسّر نہ ہو جس میں وہ ایسے ظالم بادشاہ سے رہائی حاصل کرنے کے متعلق غور وفکر کر سکیں۔ جس بادشاہ کی یہ سیاسی پالیسی کامیاب رہے گی وہ ہر قسم کے خطرات سے محفوظ رہے گا۔ چنانچہ فرعون نے یہی طریقہ اختیار کیا اور اپنی رعایا میں طرح طرح کے فتنے کھڑے کر دیئے جس نے ان کے اتفاق کا دامن تار تار کر کے رکھ دیا۔ ممکن ہے کہ فرعون ہی اس مؤثر طریقۂ کار کا مُوجد ہو جس کو اس کے پیروکار آج تک بڑی احتیاط سے اپنی سیاسی پٹاری میں رکھے ہوئے ہیں اور جب بھی ضرورت پڑتی ہے تو اسی تیر بہدف نسخہ کو استعمال کرتے ہیں۔ علامہ پانی پتی وَ جَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اَوْ اَغْرٰى بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ كَيْلَا يَتَّفِقُوْا عَلَيْهِ (مظہری)(1)۔ یعنی اس نے ان کو مختلف گروہوں میں بانٹ دیا تھا اور ان کے درمیان عداوت کی آگ بھڑکا دی تھی تاکہ وہ متحد ہو کر اس کے خلاف علمِ بغاوت نہ بلند کر سکیں۔

علامہ جوہری علا کا معنی کرتے ہیں: عَلَا فِي الْاَرْضِ اَيْ تَكَبَّرَ۔ (الصحاح)(2) یعنی اس نے تکبّر کیا۔

۵ اپنی قوم کے ساتھ تو اس کا یہ رویہ تھا لیکن بنی اسرائیل کے ساتھ اس کی زیادتیاں ناقابلِ بیان ہیں۔ کیونکہ بنی اسرائیل سے اسے بغاوت کا خطرہ کہیں زیادہ تھا۔ یہ خاندان یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں آبائی وطن سے ہجرت کر کے مصر میں اقامت پذیر ہوا تھا۔ تھوڑے سے عرصہ میں ان کی تعداد میں ہوشرُبا اضافہ ہوا تھا۔ وہ اپنی ذہنی تربیت اور عددی کثرت کے باعث فرعون کے لیے ہر وقت پریشانی کا باعث بنے رہتے تھے۔ اس نے ان کی طاقت کو توڑنے کے لیے متعدد منصوبے بنائے تھے۔ سب سے پہلے اس نے اپنی قوم کے دلوں میں قوم پرستی کا تعصب پیدا کیا۔ اس نے ان کو بھڑکایا کہ یہ اجنبی ہماری زمینوں کے مالک بنے بیٹھے ہیں۔ تجارت میں یہ دخیل ہیں۔ سیاست کے پھڈے میں ٹانگ اڑانے سے یہ باز نہیں آتے۔ اگر تم نے ان کو یونہی

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 143 2۔ الصحاح، ج 6، ص 2435

فِی الْاَرْضِ وَ نَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّ نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِیْنَ ۝۵ وَ

ملک (مصر) میں اور بنا دیں انھیں پیشوا ۵ اور بنا دیں انھیں (فرعون کے تاج و تخت کا) وارث۔ اور تسلط

نُمَكِّنَ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَ نُرِیَ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَ جُنُوْدَهُمَا

بخشیں انھیں سرزمین (مصر) میں اور ہم دکھائیں فرعون اور ہامان اور ان کی فوجوں کو ان کی

مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَحْذَرُوْنَ ۝۶ وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّ مُوْسٰۤى اَنْ

جانب سے (وہی خطرہ) جس کا وہ اندیشہ کیا کرتے تھے ۔ اور ہم نے الہام کیا موسیٰ کی والدہ کی طرف کہ اسے

بے لگام چھوڑے رکھا اور ان کے خلاف اپنا قومی محاذ اُستوار نہ کیا تو یہ کسی وقت بھی انقلاب برپا کر سکتے ہیں۔ صدیوں سے پہلو بہ پہلو شیر و شکر ہو کر بسنے والی دو قوموں (قبطی اور اسرائیلی) میں نفرت و حقارت کی خلیج وسیع کر دی اور قبطیوں کے دل میں اپنے ہمسایہ اسرائیلیوں کے لیے ہمدردی کے جتنے جذبات تھے ان کا قلع قمع کر دیا۔ ان کی بڑھتی ہوئی تعداد کو ختم کرنے کے لیے اس نے یہ سنگدلانہ تجویز سوچی کہ اسرائیل کے ہاں اگر کوئی لڑکا پیدا ہو تو گلا گھونٹ کر اسی وقت اس کو مار ڈالا جائے۔ چنانچہ بائیبل میں ہے:

"تب مصر کے بادشاہ نے عبرانی دائیوں سے کہا کہ جب عبرانی عورتوں کے تم بچہ جناؤ اور ان کو پتھر کی بیٹھکوں پر بیٹھی دیکھو تو اگر بیٹا ہو تو اسے مار ڈالنا اور اگر بیٹی ہو تو وہ جیتی رہے"۔ (خروج ۱۷، ۱۶، ۱۵:۱)(1)

۶ فرعون کے ظالمانہ عزائم تو یہ تھے کہ بنی اسرائیل کو مختلف طریقوں سے بے بس اور کمزور کر دیا جائے تاکہ وہ اپنی قومی انفرادیّت کو برقرار نہ رکھ سکیں اور آہستہ آہستہ قبطی قوم میں گھل مل جائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی یہ مرضی نہ تھی۔ وہ یعقوبؑ کے گھرانے کو برقرار رکھنا چاہتا تھا۔ چنانچہ فرمایا کہ ہم نے چاہا کہ جس قوم کو عرصہ سے ظلم و ستم کی چکی میں پیسا جا رہا ہے ان پر ہم اپنا فضل و کرم فرمائیں اور ان سرکشوں اور ظالموں کا تخت و تاج ان سے چھین کر بنی اسرائیل کو بخش دیں تاکہ فرعون اور اس کے بدنفس مشیر ہامان اور اس کے لشکریوں کو پتہ چل جائے کہ حقیقی بادشاہ ہم ہیں۔ جس کو چاہتے ہیں تختِ سلطانی پر بٹھا دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں خاکِ مذلّت پر لوٹنے کے لیے چھوڑ دیتے ہیں۔ تمہاری ساری احتیاطی تدبیریں، سیاسی حربے اور منصوبے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ عملی صورت میں کس طرح رُونما ہوا، اب اس کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ بھارت کی برہمنی حکومت آج وہاں کی مسلم اقلیت سے بعینہ وہی سلوک کر رہی ہے جو فرعون نے کیا تھا۔ ہمیں یقین ہے قدرتِ خداوندی اس ستم زدہ اقلیّت کی دستگیری کے لیے وہی ارادہ فرما رہی ہوگی۔

1۔ کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ)، خروج، باب:1، آیت 15 تا 17، ص 54

اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِيْ

(بے خطر) دُودھ پلاتی رہ ۔پھر جب اس کے متعلق تمہیں اندیشہ لاحق ہو تو ڈال دینا اسے دریا میں اور نہ ہراساں ہونا

وَلَا تَحْزَنِيْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۷

اور نہ غمگین ہونا ۔یقیناً ہم لوٹا دیں گے اسے تیری طرف اور ہم بنانے والے ہیں اسے رسولوں میں سے ےؐ

فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ۭ اِنَّ

پس (دریا سے) نکال لیا اسے فرعون کے گھر والوں نے تاکہ ۸ (انجام کار) وہ ان کا دشمن اور باعث رنج والم بنے ۹ بیشک

فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِئِيْنَ ۝۸ وَقَالَتِ امْرَاَتُ

فرعون، ہامان اور ان کے لشکری خطا کار تھے ۹ اور کہا فرعون کی بیوی

فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ۭ لَا تَقْتُلُوْهُ ڰ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ

نے (اے میرے سرتاج!) یہ بچہ تو میری اور تیری آنکھوں کے لیے ٹھنڈک ہے، اسے قتل نہ کرنا۔شاید یہ ہمیں نفع دے۔

ےؐ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا اپنے لختِ جگر کو حکمِ الٰہی کے مطابق ایک صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دینا، پھر اس صندوق کا بہتے بہتے فرعون کے محل کے نزدیک سے گزرنا اور فرعون کی اہلیہ کا اسے اٹھانا، پھر قصرِ شاہی میں اس کی تربیت کا انتظام فرما دینا وغیرہ وغیرہ، ان تمام واقعات کی تفصیل سورۂ طٰہٰ کے حواشی (1) میں ملاحظہ فرمائی جائے۔

۸ؐ اگرچہ انہوں نے اس تابوت کو دریا سے اس لیے نہیں نکالا تھا کہ اس میں جو معصوم بچہ ہے وہ ان کی تباہی و بربادی کا باعث بنے لیکن جب ان کے اس فعل کا انجام یہ ظاہر ہوا تو اس لیے لِيَكُوْنَ کا لفظ استعمال کیا۔اس لام کو اہلِ لغت لامِ عاقبت کہتے ہیں۔(2)

۹ؐ بتایا جا رہا ہے کہ فرعون تو خدائی کا دعویدار تھا لیکن وہ یہ بھی نہ جان سکا کہ یہ بچہ انجامِ کار اس کی ہلاکت کا باعث بنے گا۔تو یہ عجیب خدا ہے جس کی بے علمی اور جہالت کا یہ عالم ہے کہ اپنے دشمن کو بھی نہیں پہچان سکتا۔ہامان کو بھی اپنی فراست اور سمجھ بوجھ پر بڑا ناز تھا۔وہ بھی اس چیز کو نہ سمجھ سکا۔یقیناً ایسا جاہل خدا بننے کے قابل نہیں اور ہامان جیسے بدھو وزیر کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ فرعون کی خدائی کا پرچار کرتا رہے۔

1۔جلد 3،ص 110،حاشیہ 22　　2۔تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 3،ص 81-380

اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۹ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ

یا ہم اُسے اپنا فرزند بنالیں اور وہ (اس تجویز کے انجام کو) نہ سمجھ سکے تھے اور موسیٰ کی ماں کا دل بے قرار

مُوْسٰى فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِیْ بِهٖ لَوْلَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى

ہو گیا [۱۱] قریب تھا کہ وہ ظاہر کر دے اس راز کو اگر ہم نے مضبوط نہ کر دیا ہوتا اُس

قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝۱۰ وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّیْهِ ؗ

کے دل کو تاکہ وہ بنی رہے اللہ کے وعدہ پر یقین کرنے والی۔ اور اس نے کہا موسیٰ کی بہن سے کہ اس کے پیچھے پیچھے ہو لے

فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۱۱ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ

پس وہ اُسے دیکھتی رہی دُور سے۔ اور وہ اس (حقیقت کو) نہ سمجھتے تھے۔ اور ہم نے حرام کر دیں اس پر [۱۲]

الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَیْتٍ

ساری دُودھ پلانے والیاں اس سے پہلے تو موسیٰ کی بہن نے کہا کیا میں پتہ دُوں تمہیں ایسے گھر والوں کا جو اس کی

یَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ۝۱۲ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ كَیْ

پرورش کریں تمہاری خاطر اور وہ اس بچہ کے خیر خواہ بھی ہونگے۔ تو (اس طرح) ہم نے لوٹا دیا اس کو اس کی ماں کی طرف

۱۰؎ فرعون اور اُس کے تمام حواری اِس بات کو نہ سمجھ سکے کہ اس بچے کی وجہ سے سمندر کی موجیں انہیں خس وخاشاک کی طرح بہا کرلے جائیں گی۔

۱۱؎ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اپنے نُورِ نظر کی جُدائی سے بے چین ہوگئیں۔ ان کا دل اپنے بچے کی یاد اور خیال کے سوا ہر چیز سے خالی ہو گیا۔ اور بعض نے لکھا ہے کہ انہیں وہ وعدہ بھی یاد نہ رہا جو اللہ تعالیٰ نے ان سے کیا تھا۔ کہتے ہیں کہ شیطان نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو جا کر کہا کہ تو نے بچے کو اس لیے دریا کی موجوں کی نذر کیا کہ فرعون اسے قتل نہ کر دے لیکن تیرے بچے کو تو فرعون نے ہی اٹھایا ہے وہ اسے کب زندہ رہنے دے گا۔ اس نے جب یہ بات سنی تو گھبراہٹ کی وجہ سے انہیں وہ بات بھول گئی۔ اِنْ كَادَتْ: اِنْ اصل میں اِنَّ اور اس کا اسم ضمیر شان ہے۔ اَیْ اِنَّهَا كَادَتْ۔ (1)

۱۲؎ مَرَاضِع یا تو مُرْضِعٌ کی جمع ہے یعنی ہم نے تمام دودھ پلانے والیوں کو آپ پر حرام کر دیا۔ یا مَرْضَعٌ کی جمع ہے۔ اس

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 148

تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ

تاکہ اسے دیکھ کر اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو اور (اس کے فراق میں) غمزدہ نہ ہو اور وہ یہ بھی جان لے کہ بلاشبہ اللہ کا وعدہ سچا ہوتا ہے

اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤى اٰتَيْنٰهُ

لیکن اکثر (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔ اور جب پہنچ گئے موسیٰ اپنے شباب کو اور انکی نشوونما مکمل ہو گئی تو ہم نے انہیں

حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَدَخَلَ

حکم اور علم عطا فرمایا۔ اور ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوکاروں کو ۔ وہ شہر میں داخل

الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا

ہوئے ۱۳ اس وقت جب بے خبر سو رہے تھے اس کے باشندے۔ پس آپ نے پایا وہاں

صورت میں یا تو مصدر میمی ہوگا تو اس کا معنی ہے دودھ پلانا، یا ظرف ہوگا، یعنی دودھ پینے کی جگہ۔ (1)

۱۳ جس طرح ہم دیکھ رہے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام فرعون کے شاہی محل میں پروان چڑھ رہے ہیں۔ جو نوجوان فرعون کا نورِ نظر بنا ہوا ہو وہ جب کسی شہر میں داخل ہوتا ہوگا بڑے تزک واحتشام سے داخل ہوتا ہوگا اور حکومت کے ملازمین اس کے استقبال کے لیے موجود ہوتے ہوں گے۔ اس کے متعلق یہ کہنا کہ وہ شہر میں اس وقت داخل ہوا جب لوگ آرام کر رہے ہوں اور لوگوں کو آپ کی آمد کا پتہ نہ چلے یہ صورتِ حال آپ کی شاہزادگی کے دور سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔ اس لیے مجھے اس اس کی یہی توجیہ زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو روزِ اوّل سے ہی اپنی والدہ کے پاس رہنے اور ان کی باتیں سننے کا موقع مل گیا تھا۔ ساری صورتِ حال سے آپ اچھی طرح آگاہ ہو گئے تھے۔ نیز آپ کو اپنے جلیل القدر آباؤ اجداد کے منصبِ نبوت پر بھی آگاہی ہو چکی تھی۔ آپ نے جب دیکھا کہ فرعون خود خدا بنا بیٹھا ہے اور لوگوں سے اپنی پرستش کراتا ہے تو آپ کا موحّد ذہن اس شرکِ صریح کو زیادہ عرصہ گوارا نہ کر سکا اور آپ کے پُرجلال مزاج نے فرعون کو اس ناشائستہ حرکت پر ٹوکا یہاں تک کہ قطع تعلق تک نوبت پہنچی اور آپ کو مجرم اور باغی سمجھا جانے لگا۔ چنانچہ اس کے شر سے اپنے آپ کو محفوظ کرنے کے لیے رُوپوش ہو گئے اور اگر کسی ضروری کام کے لیے آپ کو شہر میں آنا پڑتا تو آپ ایسے وقت میں آتے کہ کانوں کان کسی کو خبر نہ ہو۔ یہ واقعہ بھی اس وقت پیش آیا جب آپ ایسے وقت شہر میں آئے جبکہ لوگ آرام کر رہے تھے۔ چنانچہ علامہ قرطبی اور دیگر محققین نے اس قول کو ترجیح دی ہے۔ قَالَ ابْنُ اِسْحٰقَ وَكَانَ فِيْ هٰذَا الْوَقْتِ قَدْ اَظْهَرَ خِلَافَ فِرْعَوْنَ وَعَابَ عَلَيْهِمْ عِبَادَةَ فِرْعَوْنَ وَالْاَصْنَامِ فَدَخَلَ مَدِيْنَةَ فِرْعَوْنَ يَوْمًا عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا (2)۔ اور اس سے پہلے

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 149
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 60-259

رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ فَاسْتَغَاثَهُ

دو آدمیوں کو آپس میں لڑتے ہوئے ۱۴؎ یہ ایک ان کی جماعت سے تھا اور یہ دُوسرا ان کے دشمنوں سے پس مدد کے

الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى

لیے پکارا آپ کو اُس نے جو آپ کی جماعت سے تھا اس کے مقابلہ میں جو آپ کے دشمن گروہ سے تھا۔ تو سینہ میں گھونسا مارا

فَقَضٰى عَلَيْهِ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ

موسیٰ نے اس کو اور اس کا کام تمام کر دیا۔ آپ نے فرمایا یہ کام شیطان کی انگیخت سے ہوا ہے بیشک وہ کھلا دشمن ہے بہکا دینے

مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ

والا۔ آپ نے عرض کی میرے پروردگار! میں نے ظلم کیا اپنے آپ پر ۱۵؎ پس بخش دے مجھے، تو اللہ تعالیٰ نے بخش دیا اُسے

اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ

بیشک وہی غفور رحیم ہے۔ عرض کرنے لگے میرے رب! مجھے اُن انعامات کی قسم جو تُو نے مجھ پر

علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں فَكَانَ لَا يَدْخُلُ مَدِيْنَةَ فِرْعَوْنَ اِلَّا خَائِفًا مُّسْتَخْفِيًا (قرطبی) (1)

۱۴؎ جب آپ شہر میں داخل ہوئے تو آپ نے دیکھا کہ دو آدمی آپس میں دست و گریباں ہیں۔ ایک اسرائیلی ہے اور دوسرا قبطی۔ اسرائیلی نے آپ کو دیکھ کر مدد کے لیے پکارا، آپ آگے بڑھے کہ قبطی کو دست درازی سے منع کریں۔ جب اُس نے بات نہ مانی تو آپ نے اسے ایک مُکا رسید کیا۔ اُسے قتل کرنے کا آپ کا کوئی ارادہ نہ تھا لیکن وہ مُکا جان لیوا ثابت ہوا اور اُس کا قصہ تمام ہو گیا۔ اچانک جب یہ حادثہ رُونما ہوا تو یقیناً آپ کو رُوحانی اذیّت بھی ہوئی ہو گی کہ ناحق ایک جان تلف ہو گئی اور پھر یہ خدشہ بھی پیدا ہو گیا ہو گا کہ فرعون پہلے ہی درپئے آزار ہے۔ جب اس کو اس واقعہ کا علم ہو گا تو وہ مجھے جیتا نہ چھوڑے گا۔ چنانچہ جذبات و افکار کی اس کشمکش میں آپ کی زبان سے یہ جملہ نکلا ہو گا هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ (سورۂ قصص: 15) الخ۔

۱۵؎ اس قتل میں اگرچہ آپ کے ارادہ اور قصد کو قطعاً کوئی دخل نہ تھا۔ بہر حال ایک جان تو تلف ہو گئی تھی اس لیے بارگاہِ الٰہی میں بخشش و مغفرت کی التجا کرنے لگے۔ مغفرت کا معنی ڈھانپنا ہے۔ ممکن ہے یہ بھی پیشِ نظر ہو کہ الٰہی پردہ پوشی فرما دے اور میرے دشمنوں کو اس فعل کی اطلاع نہ ملے۔ چنانچہ اس غفور رحیم نے اپنے بندے کی اس التجا کو قبول فرمایا اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 259

اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۷﴾ فَاَصْبَحَ فِى الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا

فرماتے ۱۶؎ اب میں ہرگز مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا پھر آپ نے صبح کی اس شہر میں ڈرتے ہوئے اس

يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِى اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ ؕ قَالَ

انتظار میں کہ کیا ہوتا ہے تو اچانک وہی شخص جس نے کل ان سے مدد طلب کی تھی آج پھر انہیں مدد کے لیے پکارتا ہے

قرآنِ کریم نے اس واقعہ کو جس طرح بیان کیا ہے اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ قتل آپ سے بلا ارادہ سرزد ہوا لیکن آپ کے اُمتیوں نے جس طرح بائیبل میں اس واقعہ کو بیان کیا ہے وہ بھی سن لیجیے:

''اتنے میں موسیٰ جب بڑا ہوا تو باہر اپنے بھائیوں کے پاس گیا اور ان کی مشقتوں پر اُس کی نظر پڑی، اور اس نے دیکھا کہ ایک مصری اس کے عبرانی بھائی کو مار رہا ہے۔ پھر اس نے اِدھر اُدھر نگاہ کی اور جب دیکھا کہ وہاں کوئی دوسرا آدمی نہیں ہے تو اس مصری کو جان سے مار کر اسے ریت میں چھپا دیا''۔ (خروج ۱۲،۱۱:۲)(1)

قرآنِ کریم کا یہ کتنا احسان ہے کہ اس نے انبیائے کرام کے دامن پر لگے ہوئے سارے داغوں کو دھو کر صاف کر دیا، خواہ وہ داغ ان کے دشمنوں نے دانستہ لگائے تھے خواہ ان کے نادان دوستوں نے کرم فرمائی کی تھی۔

قتادہ نے ان دونوں کی لڑائی کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ وہ قبطی اسرائیلی کو لکڑیوں کا ایک بھاری گٹھا اٹھانے کا حکم دے رہا تھا۔ اُس نے اُٹھانے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ اس قبطی نے حاکم قوم کا فرد ہوتے ہوئے اُسے زدوکوب شروع کی۔ اتنے میں آپ تشریف لائے اور اسرائیلی نے آپ سے فریاد کی اور حضرت موسیٰ اس کی فریاد رسی کے لیے محض اس لیے نہیں گئے کہ فریاد کنندہ اسرائیلی تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہر مظلوم کی مدد کرنا ہر دین میں فرض ہے۔ وَاِنَّمَا اَغَاثَهٗ لِاَنَّ نَصْرَ الْمَظْلُوْمِ دِيْنٌ فِى الْمِلَلِ كُلِّهَا عَلَى الْاُمَمِ وَفَرْضٌ فِى جَمِيْعِ الشَّرَائِعِ (قرطبی)(2)

لفظ وَکَزَ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اَلْوَكْزُ وَاللَّكْزُ وَاللَّهْزُ وَاللَّهْدُ بِمَعْنًى وَّاحِدٍ وَّهُوَ ضَرْبٌ بِجُمْعِ الْكَفِّ۔ یعنی یہ چاروں لفظ ہم معنی ہیں ان کا معنی مکا مارنا ہے (قرطبی)(3)

۱۶؎ آپ نے مژدۂ مغفرت سنا تو عرض کی: مجھے تیری عنایات کی قسم جو تو نے مجھ پر فرمائی ہیں! آئندہ مجرموں کا معاون نہیں بنوں گا۔ اس آیت سے علمائے اسلام نے یہ استدلال کیا ہے کہ ظالموں کی امداد اور ان کی خدمت ممنوع ہے۔ وَاحْتَجَّ اَهْلُ الْعِلْمِ بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ عَلَى الْمَنْعِ مِنْ مَّعُوْنَةِ الظَّلَمَةِ وَخِدْمَتِهِمْ۔ (روح المعانی)(4)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بھی سماعت فرمائیے مَنْ مَّشٰى مَعَ مَظْلُوْمٍ لِيُعِيْنَهٗ عَلٰى مَظْلَمَتِهٖ ثَبَّتَ اللّٰهُ قَدَمَيْهِ عَلَى الصِّرَاطِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَوْمَ تَزِلُّ فِيْهِ الْاَقْدَامُ وَمَنْ مَّشٰى مَعَ ظَالِمٍ لِّيُعِيْنَهٗ عَلٰى ظُلْمِهٖ اَزَلَّ اللّٰهُ قَدَمَيْهِ عَلٰى

1۔ کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ)، خروج، باب 2، آیت 12-11، ص 55
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 260
3۔ ایضاً
4۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 56

لَهٗ مُوْسٰۤى اِنَّكَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۸﴾ فَلَمَّاۤ اَنْ اَرَادَ اَنْ یَّبْطِشَ

موسیٰؑ نے اُسے فرمایا بیشک تو کھلا ہُوا گمراہ ہے [1] پس جب آپ نے ارادہ کیا کہ جھپٹ پڑیں اس پر

بِالَّذِیْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ یٰمُوْسٰۤى اَتُرِیْدُ اَنْ تَقْتُلَنِیْ

جو ان دونوں کا دشمن تھا وہ کہنے لگا اے موسیٰ! کیا تو چاہتا ہے کہ مجھے بھی قتل کر ڈالے

كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ۖۗ اِنْ تُرِیْدُ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا

جیسے کل تو نے ایک شخص کو قتل کیا تھا۔ تو نہیں چاہتا بجز اس کے کہ تو ملک میں بڑا جابر بن جائے

فِی الْاَرْضِ وَ مَا تُرِیْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِیْنَ ﴿۱۹﴾ وَ

اور تو نہیں چاہتا کہ اصلاح کرنے والوں میں سے ہو۔ اور

جَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ یَسْعٰى ۫ قَالَ یٰمُوْسٰۤى اِنَّ

آیا ایک آدمی شہر کے آخری گوشہ سے دوڑتا ہُوا۔ اُس نے (آکر) بتایا اے موسیٰ!

الصِّرَاطِ یَوْمَ تَدْحَضُ فِیْهِ الْاَقْدَامُ (قرطبی)(1)

یعنی جو شخص کسی مظلوم کی مدد کے لیے اس کے ساتھ چلے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جو قدموں کے پھسلنے کا دن ہے اس کے قدموں کو پُل صراط پر ثابت قدم رکھے گا اور جو شخص ظالم کے ساتھ اس کے ظلم پر اس کی مدد کرنے کے لیے جاتا ہے تو اس دن اُس کے قدم پُل صراط سے پھسل جائیں گے۔

[1] موسیٰ علیہ السلام کو راز کے افشاء ہونے اور اپنے گرفتار ہونے کا اندیشہ تھا۔ رات اسی طرح گزر گئی۔ دوسرے دن پھر آپ کیا دیکھتے ہیں کہ وہی اسرائیلی ایک دوسرے شخص سے گتھم گتھا ہو رہا ہے۔ اس نے آپ کو دیکھا تو پھر مدد کے لیے پکارا۔ آپ سمجھ گئے کہ یہ شخص لڑاکا ہے۔ ہر روز کسی نہ کسی کے ساتھ اُلجھ رہا ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ نے غصہ سے اسے ڈانٹ پلاتے ہوئے کہا: اِنَّكَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ۔ آپ آگے بڑھے تا کہ انہیں چھڑا دیں۔ وہ سمجھا کہ جس طرح آپ نے مجھے غَوِیٌّ مُّبِیْنٌ کہہ کر ڈانٹا ہے شاید مجھے ہی مارنے کے لیے آگے بڑھ رہے ہیں۔ اس نے یٰمُوْسٰۤى اَتُرِیْدُ کہہ کر سارا راز فاش کر دیا۔ علماء نے لکھا ہے کہ دوسرے روز لڑنے والے بھی ایک قبطی اور ایک اسرائیلی تھے (2)۔ لیکن بائیبل میں لکھا ہے کہ وہ دونوں اسرائیلی تھے (3)۔ قرآن اس کی تردید نہیں کرتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 263
2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 153
3۔ کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ)، خروج، باب 2، آیت 13، ص 55

الۡمَلَاَ یَاۡتَمِرُوۡنَ بِکَ لِیَقۡتُلُوۡکَ فَاخۡرُجۡ اِنِّیۡ لَکَ مِنَ

سردار لوگ سازش کر رہے ہیں آپ کے بارے میں کہ آپ کو قتل کر ڈالیں۔ اس لیے نکل جائیے (یہاں سے) بیشک

النّٰصِحِیۡنَ ﴿۲۰﴾ فَخَرَجَ مِنۡهَا خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِیۡ مِنَ

میں آپکا خیر خواہ ہوں ۱۸ پس آپ نکلے وہاں سے ڈرتے ہوئے (اپنی گرفتاری کا) انتظار کرتے ہوئے ۱۹ عرض کی میرے

الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۲۱﴾ وَ لَمَّا تَوَجَّهَ تِلۡقَآءَ مَدۡیَنَ قَالَ عَسٰی

رب! بچالے مجھے ظلم و ستم کرنے والوں سے۔ اور جب آپ روانہ ہوئے مدین کی جانب (تو دل میں) کہنے لگے امید ہے ۲۰ میرا

رَبِّیۡۤ اَنۡ یَّهۡدِیَنِیۡ سَوَآءَ السَّبِیۡلِ ﴿۲۲﴾ وَ لَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدۡیَنَ

رب میری رہنمائی فرمائے گا سیدھے راستہ کی طرف۔ اور جب آپ مدین کے پانی پر پہنچے تو دیکھا کہ

وَجَدَ عَلَیۡهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ یَسۡقُوۡنَ ۬ وَ وَجَدَ مِنۡ دُوۡنِهِمُ

وہاں پر لوگوں کا ایک انبوہ ہے جو (اپنے مویشیوں کو) پانی پلا رہا ہے ۲۱ اور دیکھیں اس انبوہ سے الگ تھلگ

۱۸ اس اسرائیلی کی بات سے راز فاش ہو گیا۔ فرعون اور اس کے اعیانِ حکومت کو بھی اطلاع مل گئی کہ کل کے مقتول قبطی کا قاتل موسیٰ ہے۔ انہوں نے آپ کو گرفتار کرنے کا منصوبہ بنانا شروع کیا۔ حضرت موسیٰ کے ایک مخلص کو پتہ چلا تو وہ دوڑا دوڑا آیا اور حکومت کے ارادہ سے آپ کو مطلع کر کے کہا کہ آپ یہاں سے جلد نکلنے کی کوشش کیجیے۔ آپ کو گرفتار کرنے کی سازش کی جارہی ہے۔(1)

۱۹ چنانچہ آپ وہاں سے روانہ ہوئے۔ دل میں ہر وقت یہ کھٹکا لگا ہوا تھا کہ پیچھے سے آ کر کوئی پکڑ نہ لے۔ اس لیے بارگاہ ایزدی میں پھر ہاتھ اٹھائے۔ یَتَرَقَّبُ: یَنۡتَظِرُ الطَّلَبَ۔(2)

۲۰ جب مصر میں ٹھہرنا ناممکن ہو گیا تو آپ نے مدین کا رخ کیا۔ کیونکہ یہ ہی ایک ایسا علاقہ تھا جو فرعون کی مملکت سے باہر تھا اور اس کے علاوہ آباد بھی تھا اور قریب بھی تھا۔ نیز آپ کو یہ بھی خبر ہو گی کہ وہاں کے باشندے بھی حضرت ابراہیمؑ کے فرزند مَدۡیَن کی اولاد ہیں اور ان سے خونی قرابت بھی ہے اس لیے آپ مَدۡیَن کی طرف روانہ ہوئے لیکن پاس نہ سواری ہے نہ زادِ راہ، راستہ بھی معلوم نہیں لیکن دل میں یقین ہے کہ میرا پروردگار ضرور میری راہنمائی فرمائے گا۔

۲۱ آپ تھکے ماندے مدین کے باہر جو کنواں تھا وہاں پہنچے تو دیکھا لوگوں کا ایک جمگھٹ ہے اور ہر ایک اپنے اپنے جانوروں کو

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 153 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 266

امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ؕ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى

دو عورتیں کہ اپنے ریوڑ کو روکے ہوئے ہیں۔ آپؑ نے پوچھا تم کیوں اس حال میں کھڑی ہو۔ ان دونوں نے کہا ہم نہیں پلا سکتیں

يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ٚ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى

جب تک ۲۲ چرواہے اپنے مویشیوں کو لیکر واپس نہ چلے جائیں اور ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں ۲۳ تو آپؑ نے پانی پلا دیا ان کے

الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾

ریوڑ) کو ۲۴ پھر لوٹ کر سایہ کی طرف آگئے اور عرض کرنے لگے میرے مالک! واقعی میں اس خیر و برکت کا جو تو نے میری طرف

فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ؗ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ

اُتاری ہے محتاج ہوں۔ کچھ دیر بعد آئی آپ کے پاس ان دونوں میں سے ایک خاتون شرم و حیا سے چلتی ہوئی (اور آکر) کہا میرے

پانی پلانے میں مصروف ہے۔ لیکن دور ایک گوشہ میں دو عورتیں الگ تھلگ کھڑی ہیں اور اپنے ریوڑ کو روکے ہوئے ہیں تا کہ بھیڑ بکریاں اِدھر اُدھر منتشر نہ ہو جائیں۔ آپ نے ان کو یوں چُپ چاپ کھڑے ہوئے دیکھا تو پوچھا: تم اس طرح کیوں کھڑی ہو۔ تمہارا کیا مقصد ہے؟ خَطْبُكُمَا: مَطْلُوْبُكُمَا۔ (1)

۲۲ انہوں نے کہا کہ ہم بھی اپنے ریوڑ کو پانی پلانے کے لیے لائی ہیں۔ لیکن جب تک یہ چرواہے اپنے اپنے جانوروں کو پانی پلا کر چلے نہیں جاتے ہمارے لیے اس بھیڑ میں گھس کر پانی پلانا ممکن نہیں۔ جب یہ چلے جائیں گے تو پھر ہم آگے بڑھ کر اُنہیں پانی پلائیں گی۔

۲۳ انہوں نے خود آ کر ریوڑ کو پانی پلانے کی وجہ بیان کر دی۔

۲۴ آپ اٹھے، ڈول لیا اور پانی نکال کر ان کے ریوڑ کو سیراب کر دیا۔ آپ کی طبعی شرافت اس کو گوارا نہ کر سکی کہ عورتیں یونہی کھڑی رہیں اور دوسرے لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلاتے رہیں۔ وہ اپنے ریوڑ کو ہانک کر چل دیں۔ حضرت موسیٰؑ کی یہاں کسی سے جان نہ پہچان۔ پاس ہی ایک سایہ دار درخت تھا۔ ایک غریب الدیار آدمی کی طرح اس کے نیچے ستانے کے لیے بیٹھ گئے۔ اس کسمپرسی کے عالم میں اپنی غریب الوطنی کا شکوہ کرتے ہوئے رحم کی التجا کی۔ اس فقرے کے دو مطلب بیان کیے گئے ہیں۔ (۱) اَنْزَلْتَ ماضی کا صیغہ ہے۔ لیکن مستقبل کے معنی میں مستعمل ہوا ہے (2)۔ کہ جو مہربانی تو مجھ پر فرمانے والا ہے مجھے اب اس کی اشد ضرورت ہے۔ (۲) اَنْزَلْتَ بِمَعْنٰى قَدَّرْتَ اِنْزَالَهٗ اِلَيَّ (3)۔ جو مہربانی فرمانے کا تو نے فیصلہ فرمایا ہے اس کی طرف میں سخت محتاج ہوں۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 155 2۔ ایضاً، ج 7، ص 156 3۔ ایضاً

لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَ قَصَّ عَلَيْهِ

والد تمھیں بلاتے ہیں تاکہ تم نے ہماری بکریوں کو جو پانی پلایا ہے اس کا تمھیں معاوضہ دیں ۲۵ پس جب آپ انکے پاس آئے اور اپنا واقعہ

الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ۫ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾

ان کے سامنے بیان کیا تو انھوں نے (تسلّی دیتے ہوئے) کہا ڈرو نہیں۔ تم بچ کر نکل آئے ہو ظالموں (کے پنجہ) سے ۲۶

قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ؗ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ

ان دو میں سے ایک خاتون نے کہا میرے محترم باپ اسے نوکر رکھ لیجیے۔ بیشک بہتر آدمی جس کو آپ نوکر رکھیں وہ ہے

الْاَمِيْنُ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ

جو طاقتور بھی ہو دیانتدار بھی ہو ۲۷ آپ نے کہا میں چاہتا ہوں کہ میں بیاہ دوں تمھیں ایک ان اپنی دو بچیوں سے

۲۵ تھوڑی دیر گزری ہوگی کہ ان دو عورتوں میں سے ایک آئی۔ اس نے حضرت موسیٰ کو اپنے والد کے خیال سے آگاہ کیا کہ وہ آپ کو پانی پلانے کا معاوضہ دینا چاہتے ہیں اور ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ جب وہ خاتون آئی تو کس طرح آئی، اس کو خصوصی طور پر بیان کیا تاکہ اُمّت مسلمہ کی بچیاں اس سے سبق سیکھیں۔ فرمایا شرم وحیا کی چادر اوڑھے، شرماتی لجاتی ہوئی آئی۔ عمر بن میمون کہتے ہیں وَلَمْ تَكُنْ سَلْفَعًا مِّنَ النِّسَاءِ خَرَّاجَةً وَّلَّاجَةً (قرطبی)(1)

یعنی وہ ان عورتوں کی طرح نہ تھی جو مردوں کے پاس بڑی بیباکی سے آتی جاتی ہیں اور انہیں کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی۔

اگرچہ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ ان لڑکیوں کے والد کا نام کیا تھا لیکن اکثر مفسرین کی یہی رائے ہے کہ یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادیاں تھیں۔ بائبیل میں بھی یہ واقعہ تقریباً اسی طرح مذکور ہے۔

۲۶ موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے۔ اور اپنا سارا ماجرا کہہ سنایا۔ انہوں نے تسلی دیتے ہوئے کہا: اب فکر و اندیشہ دل سے نکال دو۔ تم ظالموں کی گرفت سے نکل آئے ہو۔ یہاں اب تمہیں کسی قسم کا خطرہ نہیں۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ اُجرت لینے کے لیے نہیں آئے تھے بلکہ آپ کے پیشِ نظر ایک بزرگ کی زیارت کرنا تھی۔ چنانچہ ابن عساکر لکھتے ہیں کہ حضرت شعیبؑ نے کھانا پیش کیا تو آپ نے کھانے سے انکار کر دیا۔ وجہ پوچھی تو بتایا کہ میں اس خاندان سے تعلق رکھتا ہوں جو اپنے نیک عمل کو کسی قیمت پر بیچنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ آپ نے فرمایا: ہم بھی مہمان کی تواضع کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ اسے اجرت خیال نہ کرو بلکہ یہ ضیافت ہے جو ہمارے آبائے کرام کی سُنّت ہے۔(2)

۲۷ ان بچیوں کو ریوڑ چرانے، اس کی حفاظت کرنے اور پھر ان کو اس بھیڑ میں پانی پلاتے وقت بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13 ص 270
2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 20 ص 65

عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ

بشرطیکہ تو میری خدمت کرے آٹھ سال تک ۲۸؎ پھر اگر تم پورے کرو دس سال تو یہ تمھاری اپنی مرضی۔

وَ مَاۤ اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْكَ ؕ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ

اور مَیں نہیں چاہتا کہ تم پر سختی کروں۔ تو پائے گا مجھے اگر اللہ نے چاہا نیک لوگوں سے (جو وعدہ

الصّٰلِحِیْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ ذٰلِكَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكَ ؕ اَیَّمَا الْاَجَلَیْنِ قَضَیْتُ

ایفا کرتے ہیں) موسیٰ نے کہا یہ بات میرے اور آپکے درمیان طے پاگئی ۲۹؎ ان دو میعادوں سے جو میعاد مَیں گزار دوں

فَلَا عُدْوَانَ عَلَیَّ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِیْلٌ ﴿۲۸﴾ ع فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى

تو مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ جو قول و قرار ہم نے کیا ہے اس پر نگہبان ہے پھر جب موسیٰ علیہ السلام

ع ۳
۷

تھا۔ انہوں نے آپ کی جسمانی قوتوں کا اندازہ لگالیا تھا کہ کس طرح بھیڑ کو چیرتے ہوئے انہوں نے تھوڑے سے وقت میں ان کے سارے ریوڑ کو سیراب کردیا۔ پھر ان کے شرم و حیا کو دیکھا کہ وہ کسی اجنبی عورت کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے تو اپنے والد بزرگوار سے یہ عرض کی۔

۲۸؎ حضرت شعیبؑ کو بھی ان دشواریوں کا احساس تھا جن کا ذکر ان کی صاحبزادی نے کیا۔ اولادِ نرینہ نہ ہونے کی وجہ سے جو ان بچیوں کو مال مویشی کی حفاظت، گھر بار کا انتظام اور دیگر ذمہ داریاں انجام دینا پڑتی تھیں اس سے آپ کو یقیناً بڑی کوفت ہوتی ہوگی۔ حضرت موسیٰ کی داستان سن کر ان کے حسب نسب سے آپ آگاہ ہو گئے تھے۔ چنانچہ آپ نے موسیٰ سے کسی مناسب وقت پر اس امر کا اظہار کیا کہ اگر تم یہاں آٹھ دس سال ٹھہرو اور میرا دست و بازو بننا منظور کرو تو میں تم کو اپنی ایک بچی کا نکاح کر کے دے دونگا۔ یوں تمہارا میرے گھر میں ٹھہرنا آسان ہو جائے گا۔ موسیٰ نے اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔ چنانچہ آپ نے اپنی ایک بچی کا نکاح ان کے ساتھ کر دیا۔ آیت کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ یہ گفتگو محض بطورِ مشورہ ہوئی۔ اس گفتگو سے نکاح منعقد نہیں ہوا۔ تاکہ وہ مباحث یہاں چھیڑے جائیں جو عموماً اس آیت میں بیان کیے جاتے ہیں۔

۲۹؎ موسیٰ علیہ السلام نے ان کی یہ شرط منظور کر لی۔ لیکن کہا کہ ان دونوں میعادوں میں سے جو میعاد میں اپنی مرضی سے پوری کر لوں آپ کو اعتراض نہ ہوگا۔ اس وعدہ کو پختہ کرنے کے لیے آپ نے وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِیْلٌ کے الفاظ فرمادیئے۔

الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ

نے مقررہ مدت پوری کر دی ۳۰؎ اور (وہاں سے) چلے اپنی اہلیہ کو ساتھ لے کر تو آپ نے دیکھی طور کے ایک طرف آگ ۳۱؎

لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ

آپ نے اپنے اہل خانہ سے کہا تم ذرا ٹھیرو میں نے آگ دیکھی ہے (میں وہاں جاتا ہوں) شاید میں لے آؤں تمہارے پاس وہاں سے

جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ

کوئی خبر یا آگ کی کوئی چنگاری تاکہ تم اسے تاپ سکو۔ پس جب آپ وہاں گئے تو ندا آئی وادی کے دائیں

شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ

کنارہ سے ۳۲؎ اس بابرکت مقام میں ایک درخت سے کہ اے

يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۰﴾ وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا

موسیٰ! بلاشبہ میں ہی ہوں اللہ جو رب العالمین ہے۔ اور (ذرا) ڈال دو (زمین پر) اپنے عصا کو

رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ

اب جو اسے دیکھا تو وہ اس طرح لہرا رہا تھا جیسے وہ سانپ ہو آپ پیٹھ پھیر کر چل دیئے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا (آواز آئی)

۳۰؎ حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ آپ نے دس سال پورے کیے۔ قَالَ قَضٰى اَكْمَلَهُمَا وَاَوْفَاهُمَا (قرطبی)۔(1)

۳۱؎ موسیٰ علیہ السلام اپنی اہلیہ کو لے کر مصر روانہ ہوئے۔ راہ میں وہی دور سے آگ دیکھنے کا واقعہ پیش آیا جس کا ذکر سورۃ النمل اور دوسری سورتوں میں گزر چکا ہے جَذْوَةٌ: قِطْعَةٌ مِّنَ الْجَمْرِ (2)۔ یعنی چنگاری

۳۲؎ جب آپ آگ لے آنے کے ارادہ سے اس جگہ پہنچے تو اس بابرکت علاقہ میں وادیٔ طور کی دائیں جانب ایک درخت نظر آیا جس میں سے یہ صوت سرمدی سامع نواز ہو رہی تھی۔ اس آواز کی کیفیت کیا تھی؟ کیا وہ الفاظ، حروف اور اصوات سے عبارت تھی اور کیا اس کا سماع ان ظاہری کانوں سے ہوا، اس کے متعلق علامہ قرطبیؒ کی یہ عبارت بڑی بصیرت افروز ہے:

قَالَ اَبُو الْمَعَالِيْ: وَ اَهْلُ الْمَعَانِيْ وَ اَهْلُ الْحَقِّ يَقُوْلُوْنَ مَنْ كَلَّمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى خَصَّهٗ بِالرُّتْبَةِ الْعُلْيَا وَ الْغَايَةِ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13 ص 280
2۔ ایضاً، جز 13 ص 281

وَلَا تَخَفْ قف اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾ اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ

اے موسیٰ! سامنے آؤ اور ڈرو نہیں۔ یقیناً تم (ہر خطرہ سے) محفوظ ہو ۳۳ ڈالو اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں

تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ٞ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ

وہ نکلے گا سفید (چمکتا ہوا) بغیر کسی تکلیف کے ۳۴ اور رکھ لے اپنے سینہ پر اپنا ہاتھ خوف

الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ط

دُور کرنے کے لیے ۳۵ تو یہ دو دلیلیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے درباریوں (کی طرف

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا

لے جانے) کے لیے، بیشک وہ نافرمان لوگ ہیں ۳۶ آپ نے عرض کی میرے رب! میں نے تو قتل کیا تھا ان سے ایک شخص

فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾ وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا

کو پس میں ڈرتا ہوں کہیں وہ مجھے قتل نہ کر ڈالیں۔ اور میرا بھائی ہارون وہ زیادہ فصیح ہے مجھ سے گفتگو کرنے میں تو اسے

فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ ٞ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾

بھیج میرے ساتھ میرا مددگار بنا کر تاکہ وہ میری تصدیق کرے۔ میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے ۳۷

الْقُصْوٰى فَيُدْرِكُ كَلَامَهُ الْقَدِيْمَ ، الْمُتَقَدِّسَ عَنْ مُّشَابَهَةِ الْحُرُوْفِ وَالْاَصْوَاتِ وَالْعِبَارَاتِ وَالنَّغَمَاتِ وَضُرُوْبِ اللُّغَاتِ (1)۔ ”یعنی اہلِ حق کہتے ہیں کہ جس کو اللہ تعالیٰ اپنی ہمکلامی کا شرف بخشتا ہے تو اسے ایسے بلند رتبہ پر فائز کر دیتا ہے کہ وہ کلام الٰہی کو حرف وصوت ونغمہ وغیرہ کی قیود کے بغیر ادراک کر لیتا ہے“۔

۳۳ عصا کے سانپ بننے والا معجزہ عطا ہوا جس کی تفصیل سورۂ نمل میں گزر چکی ہے۔

۳۴ اس کے بعد یدِ بیضا کا اعجاز مرحمت ہوا۔

۳۵ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے ہاتھ کو اپنے سینے کے ساتھ ملا لو تاکہ اللہ تعالیٰ اس خوف کو دور کر دے جو آپ اپنے دل میں محسوس کر رہے ہیں۔ اَلْمَعْنٰى اُضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى صَدْرِكَ لِيُذْهِبَ اللهُ مَا فِيْ صَدْرِكَ مِنَ الْخَوْفِ (قرطبی) (2)

۳۶ فرمایا: تمہارے رب نے تمہیں یہ دو معجزے عطا فرمائے ہیں۔ اب فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس جاؤ اور انہیں

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 282 2۔ ایضاً، جز 13، ص 284

قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَ نَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم مضبوط کر دیتے ہیں تیرے بازو کو تیرے بھائی سے اور ہم عطا کریں گے تمھیں ایسا غلبہ (اور شوکت)

فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚۛ بِاٰيٰتِنَاۤ ۚۛ اَنْتُمَا وَ مَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾

کہ وہ تمھیں (اذیت) نہیں پہنچا سکیں گے۔ ہماری نشانیوں کے باعث تم دونوں اور تمھارے پیروکار ہی غالب آئیں گے ﴿۳۵﴾

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ

پھر جب آئے فرعونیوں کے پاس موسیٰ (علیہ السلام) ہماری روشن نشانیاں لے کر، انھوں نے کہا نہیں ہے یہ مگر جادو

مُّفْتَرًى وَّ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْۤ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِیْنَ ﴿۳۶﴾ وَ قَالَ

گھڑا ہوا ۳۹ اور ہم نے نہیں سُنیں اس قسم کی باتیں اپنے پہلے آباؤ اجداد کے زمانہ میں۔ اور موسیٰ (علیہ السلام)

مُوْسٰى رَبِّیْۤ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَ مَنْ

نے فرمایا میرا رب خوب جانتا ہے اسے جو اس کی بارگاہ سے (نورِ) ہدایت لے کر آیا ہے اور وہی جانتا ہے کہ اس کا انجام

سمجھا وانہوں نے بڑا ادھم مچا رکھا ہے۔

۳۷ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: الٰہی! مجھ سے ایک قبطی قتل ہو گیا تھا۔ میں اگر فرعون کے پاس گیا تو مجھے گرفتار کرلیں گے اور ان سے کوئی بعید نہیں کہ وہ مجھے قتل کر ڈالیں۔ اس کے علاوہ میری زبان میں وہ روانی نہیں جو ایک مبلّغ میں ہونی چاہیے۔ اس لیے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر اور میرا معاون بنا دیجیے تاکہ وہ میری دلجمعی کا باعث ہو اور ہم دونوں اچھی طرح تیرے حکم کی تعمیل کرسکیں۔ رِدْاً: مُعِيْنًا مُشْتَقٌّ مِنْ اَرْدَأْتُهُ اَیْ اَعَنْتُهُ وَالرِّدْءُ الْعَوْنُ (1)۔ یہ واقعہ بھی تفصیلاً بیان ہو چکا ہے۔

۳۸ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہاری دعا منظور ہوئی۔ ہم تیرے بھائی ہارون سے تیرے بازو کو تقویت دیں گے۔ فکر مت کرو۔ جب میں تمہارا معاون ہوں تو پھر بیچارے فرعون کی کیا مجال کہ تمہیں کوئی گزند پہنچا سکے۔ تم بے دھڑک جاؤ۔ اسے میرا پیغام پہنچاؤ۔ اور یقین رکھو کہ تم اور تمہارے پیروکار ہی غالب ہوں گے۔

۳۹ حضرت موسیٰ علیہ السلام حکمِ الٰہی کے مطابق فرعون کے پاس گئے۔ اسے دعوت دی۔ اپنے معجزات دکھائے۔ انہوں نے ایمان لانے کے بجائے آپ کو جادوگر، آپ کے معجزوں کو جادو کا کرشمہ کہہ دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: بے راہ روی اور ظلم و تعدّی سے باز آجاؤ ورنہ برباد کردیئے جاؤ گے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 286

تَكُونُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَقَالَ

اچھا ہو گا۔ بے شک بامُراد نہیں ہوتے ظلم و ستم کرنے والے۔ یہ سُنکر فرعون نے کہا

فِرْعَوْنُ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ

اَے اہلِ دربار! ۵۴؎ مَیں تو نہیں جانتا کہ تمہارے لیے میرے سوا کوئی اور خدا ہے۔ پس آگ جلا میرے لیے

۵۴؎ موسیٰ علیہ السلام نے جب اس کے بھرے دربار میں رب العالمین کا ذکر کیا تو اسے سخت ناگوار گزرا۔ اس نے اپنے وزراء اور رؤسائے مملکت کی طرف دیکھا۔ پھر بڑے غرور سے کہا کہ موسیٰ کی بات کی طرف التفات نہ کرنا۔ میں نے خوب تحقیق کر لی ہے۔ میرے سوا تمہارا اور کوئی خدا نہیں۔ میں ہی تمہارا الٰہ ہوں۔

اِس کے بعد اُس نے اپنے مشیرِ خصوصی ہامان کو حکم دیا کہ موسیٰ جس خدا کا ذکر کر رہا ہے وہ زمین پر تو کہیں کسی کو نظر نہیں آیا، ہو سکتا ہے آسمان پر ہو۔ اس لیے ہامان! تم ایک نہایت بلند محل یا مینار تعمیر کرو تا کہ ہم اس پر چڑھیں اور آسمان میں بھی جھانک کر اچھی طرح تسلی کر لیں۔ اگر موسیٰ کا خدا وہاں ہوا تو ہمیں نظر آجائے گا۔ اور اگر وہاں بھی نظر نہ آیا تو پھر تم سب کو اطمینان ہو جائے گا کہ میرے سوا کوئی اور الٰہ نہیں ہے اور جہاں تک میرا خیال ہے میں تو موسیٰ کو جھوٹا سمجھتا ہوں۔

آیت کا مفہوم سمجھ لینے کے بعد یہاں دو چیزیں غور طلب ہیں:

(۱) فرعون اپنے آپ کو الٰہ کہتا تھا اس سے اس کا مقصد کیا تھا؟

(۲) اس نے ہامان کو بلند مینار بنانے کا حکم کیوں دیا اور کیا وہ بنایا بھی گیا یا نہیں؟

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا اپنے آپ کو الٰہ کہنے کا مقصد ہرگز یہ نہ تھا کہ وہ زمین و آسمان کا خالق ہے۔ کیونکہ اس کے اس دعویٰ کو تو کوئی احمق ترین آدمی بھی ماننے کے لیے تیار نہ تھا۔ اس دنیا میں آئے ہوئے اسے چند سال ہی گزرے تھے۔ ایسے لوگ بھی بکثرت موجود ہوں گے جن کے سامنے اس کی پیدائش ہوئی۔ وہ بڑا ہوا اور بادشاہ بنا۔ اور یہ زمین و آسمان اور دیگر مظاہرِ فطرت تو اس سے لاکھوں سال پہلے کے ہیں اور وہ اتنا نادان ہرگز نہ تھا کہ ایسی بات کا دعویٰ کرتا جو بدیہ البطلان ہو۔ الٰہ کے دعویٰ سے اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ اپنے آپ کو ساری رعایا کا معبود بنا دے۔ وہ یہ چاہتا تھا کہ لوگ اس کے ہر حکم کی تعمیل کریں۔ کسی کو دم مارنے کی اور اعتراض کرنے کی جرأت نہ ہو۔ وہ کہتا میرے ملک میں میرا ہی حکم چلے گا۔ موسیٰ یا ہارون کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ میرے کسی طرزِ عمل پر یہ کہہ کر اعتراض کریں کہ میرا یہ کام "رب العالمین" کی مرضی کے خلاف ہے یا میرا حکم اس کے حکم کے خلاف ہے اور میں اس کی حکم عدولی کا ارتکاب کر رہا ہوں (1)۔ بَلِ الْاِلٰهُ هُوَ الْمَعْبُوْدُ فَالرَّجُلُ مَا كَانَ يَنْفِي الصَّانِعَ وَيَقُوْلُ لَا تَكْلِيْفَ عَلَى النَّاسِ اِلَّا اَنْ يُّطِيْعُوْا مَلِكَهُمْ وَيَنْقَادُوْا لِاَمْرِهٖ فَهٰذَا هُوَ الْمُرَادُ مِنِ ادِّعَائِهِ الْاِلٰهِيَّةَ (کبیر) (2) علامہ آلوسی

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 12، جز 24، ص 253
2۔ ایضاً، ج 12، جز 24، ص 54-253

يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى

اَے ہامان! اور اس پر اینٹیں پکوا میرے لیے ایک اُونچا محل تعمیر کر۔ شاید (اس پر چڑھ کر) میں سُراغ لگا

کے قول سے بھی امام کے قول کی تائید ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں: اِنَّ اللَّعِیْنَ کَانَ مُشْرِکًا یَّعْتَقِدُ اَنَّ مَنْ مَّلَکَ قُطْرًا کَانَ اِلٰهَهٗ وَمَعْبُوْدَ اَهْلِهٖ (روح المعانی) (1) یعنی اس کا یہ عقیدہ تھا کہ ہر بادشاہ اپنے علاقہ اور سلطنت کا خدا اور معبود ہوتا ہے۔

رہی دوسری بات کہ اُس نے ہامان کو یہ حکم کیوں دیا تھا اور کیا یہ مینار تعمیر ہوا بھی تھا یا نہیں؟ تو اس کے بارے میں امام رازی لکھتے ہیں کہ اس کا مقصد قطعاً یہ نہ تھا اور نہ اس کا یہ خیال تھا کہ ایک ایسا اونچا مینار بنایا جا سکتا ہے جس پر چڑھ کر انسان آسمان میں جھانک سکے۔ اس نے یا تو یہ بات ازراہِ مذاق کہی تھی یا اپنی رعایا کو دھوکہ دینے کے لیے ایسا کہا تھا تا کہ لوگوں کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرائی جائے کہ بادشاہ سلامت موسیٰ کے دعویٰ کی تحقیق کر رہے ہیں جب تک اس تحقیق کے نتائج سامنے نہ آ جائیں ایک نووارد کی بات سن کر اپنے قدیم عقائد کو ترک کر دینا بڑی جلدی بازی ہے اور پھر فرعون جیسے جابر بادشاہ کی دشمنی مول لینا بھی کوئی عقلمندی نہیں۔ ابھی کچھ دیر صبر کرو اور دیکھو اس تحقیق کا نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ فرعون اچھی طرح سمجھتا تھا کہ جب ایک مرتبہ موسیٰ کی طرف سے لوگوں کی توجہ ہٹ گئی تو پھر کون اتنی زحمت اٹھا کر یہ پوچھنے آئے گا کہ جہاں پناہ! آپ نے جس تحقیق کا وعدہ کیا تھا اس کا کیا نتیجہ نکلا؟ جس بلند مینار کو تعمیر کرنے کا حکم آپ نے ہامان کو دیا تھا وہ کہاں بنایا گیا؟ وَاِنَّمَا قَالَ ذٰلِكَ عَلٰى سَبِيْلِ التَّهَكُّمِ فَالْاَقْرَبُ اَنَّهٗ كَانَ اَوْهَمَ الْبِنَاءَ وَلَمْ يَبْنِ (کبیر) (2)

یعنی اس نے لوگوں کو اس وہم میں ڈالا تھا کہ وہ ایسا مینار بنائے گا، اس کے لیے تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ ماہر کاریگر اور مسالہ فراہم ہو رہا ہے۔ فکر نہ کرو جلدی کام شروع ہو جائے گا۔ ایسی باتیں کر کے اس نے حضرت موسیٰ کی دعوت سے لوگوں کی توجہ ہٹا دی اور یہی اس کا مقصد تھا۔

باقی رہا وہ قول جو کئی کتابوں میں نقل ہوتا چلا آیا ہے کہ اس نے ایک اونچا مینار تعمیر کیا۔ پھر وہ اُس کے اُوپر چڑھا اور ایک تیرانداز کو آسمان کی طرف تیر چلانے کا حکم دیا۔ جب تیر لوٹا تو وہ خون سے آلودہ تھا اور اُس نے لوگوں کے سامنے اعلان کر دیا کہ دیکھو میں نے موسیٰ کے خدا کا (نعوذ باللہ) کام تمام کر دیا ہے۔ اس قول کے متعلق امام موصوف بڑے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ اس بات کو تو پاگل اور مجنون بھی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ قرآنِ کریم کے قصّوں کی ایسی تشریح کرنا جو بدیہ البطلان ہو اس کی اجازت نہ عقل دیتی ہے اور نہ دین اسے برداشت کرتا ہے۔ اس طرح تو ہم ان لوگوں کے لیے راہ ہموار کر دیں گے جو قرآن پر اعتراض کرنے کے لیے ایسے زرّیں موقعوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔ فَلَا يَلِيْقُ بِالْعَقْلِ وَالدِّيْنِ حَمْلُ الْقِصَّةِ الَّتِيْ حَكَاهُ اللهُ تَعَالٰى فِى الْقُرْاٰنِ عَلٰى مَحْمَلٍ يُّعْرَفُ فَسَادُهٗ بِضَرُوْرَةِ الْعَقْلِ فَيَصِيْرُ ذٰلِكَ شَرْعًا قَوِيًّا لِّمَنْ اَحَبَّ الطَّعْنَ فِى الْقُرْاٰنِ۔ (کبیر) (3)

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 81 2۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 12، جز 24، ص 254 3۔ ایضاً

اللّٰهِ مُوْسٰی ۙ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ۝۳۸ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ

سکوں موسیٰ کے خدا کا۔ اور میں تو اس کے بارے میں یہ خیال کرتا ہوں کہ یہ جھوٹا ہے۔ اور تکبر کیا اس نے اور اس کی

وَجُنُوْدُهٗ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اِلَیْنَا

فوجوں نے زمین میں ناحق ۴۱؎ اور وہ یہ گمان کرتے رہے کہ انھیں ہماری طرف

لَا یُرْجَعُوْنَ ۝۳۹ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ ۚ فَانْظُرْ

نہیں لوٹایا جائے گا۔ پس ہم نے پکڑ لیا اسے اور اس کے لشکریوں کو اور پھینک دیا انھیں سمندر میں۔ دیکھو! کیسا

كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِیْنَ ۝۴۰ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَی

(ہولناک) انجام ہوا ظلم و ستم کرنے والوں کا۔ اور ہم نے بنایا تھا انھیں ایسے پیشوا جو بلا رہے تھے (اپنی رعایا

النَّارِ ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ لَا یُنْصَرُوْنَ ۝۴۱ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِیْ هٰذِهِ

کو) آگ کی طرف۔ اور روزِ حشر ان کی مدد نہیں کی جائے گی ۴۲؎ اور ہم نے ان کے پیچھے اس دنیا میں بھی

الدُّنْیَا لَعْنَةً ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ ۝۴۲ ع

لعنت لگا دی۔ اور قیامت کے دن بھی ان کا شمار ملعونوں میں ہوگا۔ ۴۳؎

۴۱؎ اس نے غرور و سرکشی کی راہ اختیار کی اور اس کا انجام وہ ہوا جو ان آیات میں مذکور ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ کے بغیر جو بھی تکبر کرتا ہے وہ ناحق کرتا ہے۔ حدیثِ قدسی میں ہے "اَلْكِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ وَالْعَظَمَةُ اِزَارِیْ فَمَنْ نَازَعَنِیْ فِیْ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا قَذَفْتُهٗ فِی النَّارِ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ" (1) وَرَوَاهُ الْحَاكِمُ بِسَنَدٍ صَحِیْحٍ۔ "عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ بِلَفْظِ اَلْكِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ فَمَنْ نَازَعَنِیْ فِیْ رِدَائِیْ قَصَمْتُهٗ" (2)۔ یعنی تکبر میری صفتِ خصوصی ہے جو اس میں شریک ہونا چاہے گا اس کی میں کمر توڑ دوں گا اور اسے دوزخ میں پھینک دوں گا۔

۴۲؎ فرعون اور اس کے وزراء و رؤساء کے متعلق فرمایا کہ وہ ایسے منحوس لیڈر اور پیشوا تھے جو خود بھی تباہ و برباد ہوئے اور اپنے ماننے والوں کو بھی جہنم رسید کر کے دم لیا۔

۴۳؎ اس کا معنی مَلْعُوْنِیْنَ کیا گیا ہے۔ حضرت ابنِ عباس نے اس کا معنی فرمایا ہے: جن کے چہرے بگڑ گئے ہوں، رنگ سیاہ ہو

1۔ مسند امام احمد، ج 2، ص 414
2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 166

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ

اور ہم نے دی موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب ۴۴ اس کے بعد کہ ہم نے ہلاک کر دیا تھا پہلی نافرمان قوموں

الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾

کو۔ (یہ کتاب) لوگوں کے لیے بصیرت افروز اور سراپا ہدایت و رحمت تھی تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ

اور آپ نہیں تھے (طور) کی مغربی سمت میں ۴۵ جب ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف (رسالت کا) حکم

وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَلٰكِنَّاۤ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ

بھیجا اور نہ آپ گواہوں میں شامل تھے ۴۶ لیکن ہم نے پیدا فرمائیں کئی قومیں (یکے بعد دیگرے) اور ۴۷

اور آنکھیں نیلی اور جس کو ہر بھلائی سے دور ہانک دیا گیا ہو اسے بھی مَقْبُوْح کہتے ہیں۔ یُقَالُ قَبَحَهٗ قُبُوْحًا اِذَا اَبْعَدَهٗ مِنْ كُلِّ خَيْرٍ (مظہری) (1)

۴۴ آپ کو جو کتاب (تورات) عطا فرمائی گئی اس کی خصوصیات بیان کی جا رہی ہیں۔ کتاب ذوالحال اور بصائر وغیرہ حال ہیں۔ بَصَائِرُ، بَصِيْرَةٌ کی جمع ہے جس کا معنی ہے هِيَ نُوْرٌ فِي الْقَلْبِ يُبْصِرُ بِهٖ قُلُوْبُهُمْ حَقَائِقَ الْاَشْيَاءِ بِقَدْرِ الطَّاقَةِ الْبَشَرِيَّةِ (2)۔ یعنی دل کی وہ روشنی جس سے انسانی طاقت کے مطابق حقیقت اشیاء پر آگاہی ہوتی ہے۔

۴۵ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ جس صحت اور وضاحت سے آپ نے بیان کیا ہے اس کی یہ وجہ نہیں کہ آپ اس وقت موجود تھے اور تمام حالات کا مشاہدہ کر رہے تھے بلکہ اس کا علم آپ کو وحی کے ذریعہ بخشا گیا ہے۔ آپ کی صداقت کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ سینکڑوں سال پہلے کا واقعہ بلاکم و کاست بیان کر دیا جائے اور تمام غلطیوں کا ازالہ کر دیا جائے جس میں وہ لوگ مبتلا تھے۔

۴۶ یعنی جب ہم نے آپ کو نبوت بخشی یا جس وقت ہم نے آپ کو تورات دی۔ اس کا ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا کہ اے محبوب! ہم نے خلوت کی ان گھڑیوں میں تیری بعثت اور تشریف آوری کا ذکر موسیٰ علیہ السلام سے کیا تھا۔ ''اَيْ اِذْ قَضَيْنَا اِلٰى مُوْسٰى اَمْرَكَ وَذَكَرْنَاكَ بِخَيْرٍ ذِكْرًا''۔ (قرطبی) (3)

۴۷ لیکن موسیٰ علیہ السلام کی رحلت کے بعد کئی نسلیں گزر گئیں۔ بعد میں لوگوں نے ان باتوں کو فراموش کر دیا۔ تورات میں تحریف کر دی اور دینِ موسوی کو بگاڑ کر رکھ دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی جو اطلاع دی تھی اور

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 166 — 2۔ ایضاً، ج 7، ص 167 — 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 291

عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَ مَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا

کافی لمبا عرصہ گزر گیا ان پر (اور انھوں نے عہدِ خداوندی بُھلا دیا) اور آپ اہل مدین میں مقیم نہ تھے ۴۸ تاکہ آپ

عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَ لٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَ مَا كُنْتَ بِجَانِبِ

پڑھ کر سناتے ہوں انھیں ہماری آیتیں لیکن ہم ہی رسول بنا کر بھیجنے والے تھے۔ اور آپ (اس وقت) طور کے کنارہ پر بھی

الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَ لٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا

نہ تھے ۴۹ جب ہم نے (موسیٰ کو) ندا فرمائی لیکن یہ آپکے رب کی محض رحمت ہے (کہ اس نے آپکو ان حالات پر آگاہ کر دیا) تاکہ آپ

مَّاۤ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾

(قہر الٰہی سے) ڈرائیں اس قوم کو جن کے پاس نہیں آیا کوئی ڈرانیوالا آپ سے پہلے شاید وہ نصیحت قبول کریں ۵۰ اور اس کی وجہ یہ ہے

ایمان لانے کی تاکید کی تھی اس کو بھی فراموش کر دیا اور ان کے دل سخت ہو گئے اور انہوں نے اپنے نبی کی مخالفت شروع کر دی۔

۴۸ ثَاوِيًا: مُقِيْمًا یعنی آپ اہلِ مدین میں بھی اقامت فرما نہ تھے بلکہ ہم نے آپ کو مکہ میں مبعوث فرمایا۔(1)

۴۹ علامہ قرطبی نے اس آیت کی توضیح کرتے ہوئے حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابنِ عباسؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ وہاں اللہ تعالیٰ نے اُمّتِ محمدیہ کو ندا کرتے ہوئے فرمایا: يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ قَدْ أَجَبْتُكُمْ قَبْلَ أَنْ تَدْعُوْنِيْ وَأَعْطَيْتُكُمْ قَبْلَ أَنْ تَسْأَلُوْنِيْ وَغَفَرْتُ لَكُمْ قَبْلَ أَنْ تَسْتَغْفِرُوْنِيْ وَرَحِمْتُكُمْ قَبْلَ أَنْ تَسْتَرْحِمُوْنِيْ۔(2)

ترجمہ: اے اُمّتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے دعا کرنے سے پہلے میں نے تمہاری دعا کو قبول کیا۔ تمہارے مانگنے سے پہلے میں نے تمہیں دے دیا۔ تمہاری استغفار سے پہلے میں نے تمہیں بخش دیا اور رحم فرمایا۔ حضرت وہب بن منبہ کہتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے حضورؐ کی فضیلت اور حضورؐ کی امت کی شان بیان فرمائی تو آپ نے خواہش ظاہر کی کہ مجھے دیدار کرایا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دیکھ نہیں سکتے۔ اگر تو چاہے تو میں ان کو بلاتا ہوں اور ان کی آواز تمہیں سناتا ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: بَلٰى يَا رَبِّ۔ ہاں مجھے آواز ہی سنوا دے۔ فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ۔ اللہ تعالیٰ نے ندا دی: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت! تو اپنے باپوں کی پشتوں سے امتِ محمدیہ نے جواب دیا۔ تو آیت کا معنی یہ ہوگا کہ آپ اس وقت طور کے پاس نہیں تھے۔ جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور آپ کی امت کو آواز دی اور موسیٰ علیہ السلام کو بتایا کہ ہم نے تجھے اور تیری امت کو اتنی بڑی شان دی ہے۔ وَمَعْنَى الْاٰيَةِ عَلٰى هٰذَا مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ كَلَّمْنَا مُوْسٰى وَ نَادَيْنَا أُمَّتَكَ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 168   2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 292

وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا

کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جب پہنچے انھیں کوئی مصیبت ان اعمال کے باعث جو انھوں نے کیے ہیں تو وہ یہ نہ کہنے لگیں کہ اے

رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ

ہمارے رب! کیوں نہ بھیجا تو نے ہماری طرف کوئی رسول تاکہ ہم پیروی کرتے تیری آیات کی اور ہم ہو جاتے ایمان

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ

لانیوالوں سے ۵۱ پھر جب آ گیا ان کے پاس حق ہماری جناب سے تو وہ کہنے لگے کیوں نہ دیئے گئے انھیں

اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ۭ اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى

اس قسم کے معجزے جو موسیٰ کو دیئے گئے تھے ۵۲ (ان نابکاروں سے پوچھو) کیا انھوں نے انکار نہیں کیا تھا ان معجزات کا جو موسیٰ

مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۣ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ

کو دیئے گئے تھے ۵۳ انہی نے کہا (موسیٰ و ہارون) دو جادوگر ہیں جو ایک دوسرے کی مدد کر رہے ہیں ۵۴ نیز انھوں نے کہا تھا

وَاَخْبَرْنَاهُ بِمَا كَتَبْنَاهُ لَكَ وَلِاُمَّتِكَ مِنَ الرَّحْمَةِ اِلٰى آخِرِ الدُّنْيَا۔ (قرطبی)(1)

۵۰ یعنی ہم نے آپ کو اس قوم میں مبعوث فرمایا جس میں عرصۂ دراز سے کوئی نبی نہیں آیا تھا۔ ہدایت کی روشنی مدت سے ناپید تھی ہر طرف جہالت اور کفر کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ تاکہ آپ انہیں عذاب الٰہی سے بروقت ڈرائیں۔ شاید وہ اس پیغامِ حق کو سُن کر راہِ ہدایت پر گامزن ہو جائیں۔

۵۱ حضورؐ کی بعثت کی حکمت بیان کی جاری ہے۔

۵۲ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب میرا رسول ان میں تشریف لے آیا اور انہیں توحید کی دعوت دی تو کہنے لگے: یہ نبی کیسے ہو سکتے ہیں؟ نبی تو تھے موسیٰ جن کو طرح طرح کے عظیم معجزے دیئے گئے تھے اور لکھی لکھائی کتاب عنایت کی گئی تھی۔ ان کے ہاتھ میں نہ عصا ہے اور نہ ید بیضا اور نہ ایسی مرتّب اور مدوّن کتاب، بھلا ایسے شخص کو آنکھیں بند کیے ہوئے ہم یوں ہی کیسے نبی مان لیں۔

۵۳ کتنا دندان شکن جواب ہے۔ جن معجزاتِ موسوی کا ذکر تم کر رہے ہو کیا انہیں دیکھ کر تمہارے آباؤ اجداد نے موسیٰ کو نبی مان لیا تھا؟ جب تمہارے پیشرو ایمان نہیں لائے تھے اگر وہی معجزات تمہیں بھی دکھا دیئے جائیں تو تم بھی ایمان نہیں لاؤ گے بلکہ اپنی

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج13، ص292

كٰفِرُوْنَ ۝۴۸ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ

ہم ان تمام کا انکار کرتے ہیں ۵۴ آپ فرمائیے تم لے آؤ کوئی کتاب اللہ تعالیٰ کے پاس ۵۶ سے جو زیادہ ہدایت بخش ہو ان دونوں (قرآن و

اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۴۹ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ

تورات) سے تو میں اس کی پیروی کرونگا اگر تم سچے ہو تو پس اگر وہ قبول نہ کریں ۵۷ آپ کے اس ارشاد کو تو جان لو

اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ۭ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ

کہ وہ صرف اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کر رہے ہیں۔ اور کون زیادہ گمراہ ہے اس سے جو پیروی کرتا ہے اپنی خواہش کی اللہ

ضد پر اڑے رہو گے اور جادوگر ہونے کا الزام لگا دو گے۔ ہدایت کے نور سے وہی آنکھ روشن ہو سکتی ہے جس پر تعصب کی پٹی بندھی ہوئی نہ ہو۔

۵۴ اس کا ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اہلِ مکہ نے تحقیقِ حال کے لیے ایک وفد یثرب بھیجا۔ علمائے یہود نے انہیں بتایا کہ تورات میں ایک نبی کی آمد کی بشارت موجود ہے۔ اس کی ایسی ایسی نشانیاں ہیں اور ان کے ظہور کا یہی زمانہ ہے تو کفارِ مکہ نے حضورؐ کے ساتھ موسیٰ کا بھی انکار کر دیا اور کہا دونوں جادوگر تھے۔ ایک دوسرے کی اعانت کرتے رہے لیکن صحیح یہ ہے کہ ساحران سے مراد موسیٰ اور ہارون ہیں۔ (1)

۵۵ انہوں نے بھی ماننے سے انکار کر دیا تھا تم بھی ایسا ہی کرتے ہو۔

۵۶ جب ان کا انکار شدت اختیار کر گیا اور وہ کسی طرح ایمان لانے پر آمادہ نہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو حکم دیا کہ انہیں یہ کہیں کہ قرآن و تورات دونوں کا تم انکار کرتے ہو اب تم کوئی ایسی کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے آؤ جو قرآن و تورات سے زیادہ ہدایت بخش ہو۔ مجھے کوئی ضد نہیں میں اس کی پیروی کرنے لگوں گا۔ میں تمہارے خلاف کوئی محاذ قائم کرنا نہیں چاہتا۔ میرا مقصدِ وحید تو صرف یہ ہے کہ ہدایت کا نور پھیلے اور جہالت کی ظلمت کافور ہو اور تم کوئی ایسی کتاب لا سکتے ہو تو لے آؤ میں بسر و چشم اس کو ماننے کے لیے اور اس کے احکام بجا لانے کے لیے تیار ہوں۔

۵۷ اے حبیب! اگر یہ لوگ آپ کی اس پیش کش کو بھی قبول نہ کریں تو پھر آپ کو یقین ہو جانا چاہیے کہ ان کا حق سے کوئی سروکار نہیں اور نہ ان کے دلوں میں حق کی طلب ہے۔ یہ محض اپنی خواہشاتِ نفسانی کے پیروکار ہیں۔ ان کے سامنے ہزاروں معجزے بھی پیش کیے جائیں تو یہ اسلام قبول نہیں کریں گے۔ اور بندگانِ نفس اگر آپ پر ایمان نہ لائیں تو آپ رنجیدہ خاطر بھی نہ ہوا کریں۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 169

هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵۰ وَلَقَدْ

تعالیٰ کی جانب سے کسی رہنمائی کے بغیر ۵۸ بیشک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ظالم لوگوں کو اور ہم مسلسل

وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝۵۱ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ

بھیجتے رہے ان کی طرف اپنا کلام تاکہ وہ نصیحت قبول کریں ۵۹ جن کو ہم نے عطا فرمائی

الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝۵۲ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْۤا

کتاب (نزول) قرآن سے پہلے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں ۶۰ اور جب یہ ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے تو کہتے

اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ۝۵۳

ہیں ہم ایمان لے آئے اس کے ساتھ بیشک یہ حق ہے ہمارے رب کی طرف سے ۶۱ ہم اس سے پہلے ہی سرِتسلیم خم کر چکے تھے

۵۸ ان لوگوں سے بڑھ کر اور کون گمراہ ہو سکتا ہے جنہوں نے اپنی باگ ڈور اپنے نفس کے ہاتھ میں دے دی ہو؟ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ (1)۔ کہ تم میں سے کوئی کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش میرے حکم کی تابع نہ ہو جائے۔

۵۹ یعنی ان کے انکار کے باوجود بھی نزولِ قرآن کا سلسلہ جاری رہا۔ حسبِ حال اور حسبِ ضرورت آیات اُترتی رہیں۔ شاید کسی وقت ان کا دل پسیج جائے، خوابِ غفلت سے ان کی آنکھیں کھل جائیں اور وہ ہدایت قبول کریں۔

۶۰ حضرت جعفرؓ نے جب نجاشی کے دربار میں اسلام کی حقانیت اور حضور سرورِ کونینؐ کی صداقت پر تقریر کی اور سورۂ مریم کی آیات پڑھ کر سنائیں تو نجاشی اور اس کے درباری اتنے متاثر ہوئے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ نجاشی نے تحقیقِ حال کے لیے بارہ آدمیوں کا ایک وفد مکہ مکرمہ روانہ کیا تاکہ رسولِ کریمؐ سے بالمشافہ گفتگو کر کے اسلام کے بارے میں مزید معلومات حاصل کریں۔ جب یہ وفد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا ابوجہل اور اس کے حواری بھی تماشابین کی حیثیت سے جمع ہو گئے۔ ان لوگوں کی فطرتیں سلیم تھیں۔ دل کے آئینے صاف تھے۔ اسی مجلس میں مشرف باسلام ہو گئے۔ جب وہ لوگ وہاں سے اٹھے تو ابوجہل اور اس کے ساتھی ان کے پیچھے ہو لیے۔ آوازیں کسنے شروع کر دیئے۔ دوسرے ملک کے باشندے تھے، ان کے پاس بطورِ مہمان آئے تھے۔ ابوجہل نے میزبانی کے جملہ آداب کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے انہیں کہا: خَيَّبَكُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى مِنْ رَّكْبٍ وَقَبَّحَكُمْ مِنْ وَّفْدٍ لَّمْ تَلْبَثُوْا اَنْ صَدَّقْتُمُوْهُ وَمَا رَاَيْنَا رَكْبًا اَحْمَقَ مِنْكُمْ وَلَا اَجْهَلَ۔

ترجمہ: خدا تمہارے وفد کو نامراد اور ذلیل کرے۔ تم نے آنِ واحد میں اس کی تصدیق بھی کر دی۔ ہم نے آج تک ایسا

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 170۔ مشکوۃ المصابیح، کتاب الایمان باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، ص 30

أُولَٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ

یہ لوگ ہیں جنھیں دیا جائے گا ان کا اجر دو مرتبہ بوجہ ان کے صبر کے اور وہ دُور کرتے ہیں نیکی کے

السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنَٰهُمْ يُنفِقُونَ ﴿٥٤﴾ وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا

ساتھ بُرائی کو ۶۲؎ نیز اس مال سے جو ہم نے ان کو دیا ہے خرچ کرتے رہتے ہیں۔ اور جب وہ سنتے ہیں کسی بیہودہ بات کو تو

عَنْهُ وَقَالُوا لَنَآ أَعْمَٰلُنَا وَلَكُمْ أَعْمَٰلُكُمْ سَلَٰمٌ عَلَيْكُمْ

مُنہ پھیر لیتے ہیں اس سے اور کہتے ہیں ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمھارے اعمال ہیں تم سلامت رہو۔ ہم

لَا نَبْتَغِى ٱلْجَٰهِلِينَ ﴿٥٥﴾ إِنَّكَ لَا تَهْدِى مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ

جاہلوں (سے اُلجھنے) کے خواہاں نہیں ہیں ۶۳؎ بیشک آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کو آپ پسند کریں البتہ اللہ تعالیٰ

ٱللَّهَ يَهْدِى مَن يَشَآءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِٱلْمُهْتَدِينَ ﴿٥٦﴾ وَقَالُوٓا

ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے ۶۴؎ اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت یافتہ لوگوں کو۔ اور انھوں نے کہا

احمق اور نادان وفد کبھی نہیں دیکھا۔

اتنے ناشائستہ الفاظ کے باوجود اس نیک فطرت جماعت نے تلخ کلامی نہیں کی۔ صرف اتنا کہا، تم سلامت رہو، تمہارے اعمال تمہارے لیے اور ہمارے اعمال ہمارے لیے۔ ہمیں تم سے اُلجھنے کی ضرورت نہیں۔ قَالَ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ (قرطبی) (1) ان کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں۔ اہلِ مکّہ کو غیرت دلائی جا رہی ہے کہ آفتابِ اسلام کی کرنیں حبشہ کے رہنے والوں کے دلوں کو روشن کر رہی ہیں اور تم یہاں رہتے ہوئے اس نعمت سے محروم ہو۔

۶۱؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ لوگ تھے جو حضرت عیسیٰ کے لائے ہوئے دین پر قائم تھے۔ اور انجیل میں حضورؐ کی آمد کے بارے میں جو پیش گوئیاں موجود تھیں اور حضور پر ایمان لانے کی تاکید تھی اس لیے وہ پہلے ہی اس مبشر نبیؐ کی رسالت کو تسلیم کر چکے تھے۔ (2)

۶۲؎ ان کے اخلاقِ عالیہ کا ذکر فرمایا کہ وہ بُرائی کا بدلہ بُرائی سے نہیں دیتے بلکہ نیکی سے دیتے ہیں۔

۶۳؎ یعنی ہم اس بات کے خواہش مند نہیں کہ ان کے ساتھ مباحثہ کرتے رہیں۔ ترکی بہ ترکی جواب دیتے رہیں اور گالی گلوچ پر اُتر آئیں۔ اَیْ لَا نَطْلُبُ لَهُمْ لِلْجِدَالِ وَالْمُرَاجَعَةِ وَالْمُشَاتَمَةِ (قرطبی) (3)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 296 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 72-171 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 299

اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ

اگر ہم اتباع کریں ہدایت کا آپ کی معیت میں تو ہمیں اچک لیا جائے گا ہمارے ملک سے ۶۵ کیا ہم نے بسا نہیں دیا

۶۴ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اس بات پر از حد حریص تھے کہ سب لوگ اسلام کے اس چشمۂ فیض سے سیراب ہوں اور اللہ تعالیٰ کے سارے بندے اس کی بارگاہ میں سرِ نیاز جھکائیں اور اپنے اہلِ شہر، اپنے قبیلے، اپنے رشتہ داروں کے متعلق حضور کریم کی انتہائی دلی آرزو ہوگی کہ ان میں سے کوئی بھی نعمتِ ایمان سے محروم نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلّی دیتے ہوئے فرماتے ہیں: اے حبیب! ہدایت بخشنا تیرا کام نہیں کہ جس کو تو چاہے ہماری مرضی نہ ہو تو بھی اس کو ہدایت دے دے کیونکہ ہم خوب جانتے ہیں کہ کون اس قابل ہے کہ اس کے دل میں ایمان کی شمع فروزاں کی جائے۔ کس میں اس نعمتِ جلیلہ کو قبول کرنے کی استعداد ہے۔

اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ جب حضورؐ کے چچا ابو طالب کا آخری وقت آ پہنچا تو حضورؐ نے جا کر کہا کہ چچا تم صرف اتنا کہہ دو کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، تاکہ میں اپنے رب سے تیری شفاعت کر سکوں۔ لیکن اُنہوں نے ایسا کہنے سے انکار کر دیا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔(1)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بات بھی مروی ہے کہ آخری وقت میں حضرت ابو طالب کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ حضرت عباسؓ نے کان لگا کر سنا۔ حضورؐ نے جب پوچھا کہ کیا کہہ رہے تھے تو آپ نے جواباً عرض کیا کہ وہی کہہ رہے تھے جس کا آپ نے ان سے مطالبہ فرمایا (سیرت ابن ہشام)۔(2)

لیکن اگر کسی کے نزدیک دوسری روایتیں اس روایت سے زیادہ قابلِ اعتبار ہوں تب بھی اسے آپ کے حق میں کوئی ناشائستہ بات کہنے سے احتراز کرنا چاہیے۔ آپ کی بے نظیر خدمات کا یہ معاوضہ ہماری طرف سے نہیں دیا جانا چاہیے کہ ہم منبروں پر کھڑے ہو کر اپنا سارا زورِ بیان ان کو کافر ثابت کرنے اور ان کو کافر کہنے اور کہتے چلے جانے پر ہی صرف کرتے رہیں۔ اس سے بڑھ کر ناشکری اور احسان فراموشی کی کوئی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔ چنانچہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

مَسْئَلَةُ اِسْلَامِهٖ خِلَافِيَّةٌ ..... ثُمَّ اِنَّهٗ عَلَى الْقَوْلِ بِعَدَمِ اِسْلَامِهٖ لَا يَنْبَغِيْ سَبُّهٗ وَالتَّكَلُّمُ فِيْهِ بِفُضُوْلِ الْكَلَامِ فَاِنَّ ذٰلِكَ مِمَّا يَتَأَذّٰى بِهِ الْعَلَوِيُّوْنَ بَلْ لَا يَبْعُدُ اَنْ يَّكُوْنَ مِمَّا يَتَأَذّٰى بِهِ النَّبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ الَّذِيْ نَطَقَتِ الْاٰيَةُ بِنَاءً عَلٰى هٰذِهِ الرِّوَايَاتِ بِحُبِّهٖ اِيَّاهُ وَالْاِحْتِيَاطُ لَا يَخْفٰى عَلٰى ذِيْ فَهْمٍ۔ ع

لِاَجْلِ عَيْنٍ اَلْفُ عَيْنٍ تُكْرَمُ (3)

ترجمہ: ”حضرت ابو طالب کے ایمان کا مسئلہ اختلافی مسئلہ ہے اور جو لوگ آپ کے ایمان کے قائل نہیں انہیں بھی یہ مناسب نہیں کہ اپنی زبان پر کوئی ناروا جملہ لے آئیں۔ کیونکہ اس سے حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ کی اولاد کو اذیت پہنچتی ہے اور کوئی بعید نہیں کہ حضور سرورِ عالم کا دلِ مبارک بھی رنجیدہ ہوتا ہو۔ ہر عقلمند آدمی جانتا ہے کہ ایسے

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 173۔ صحیح مسلم، باب الدلیل علی صحۃ اسلام من حضرہ الموت، ج 1، ص 40
2۔ سیرت ابن ہشام، ج 2، ص 27، مطبوعہ مطبعۃ حجازی، بالقاہرہ 3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 20، ص 97

لَهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰۤى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا

انھیں حرم میں جو امن والا ہے۔۶۶ کھچے چلے آتے ہیں اس کی طرف ہر قسم کے پھل ۶۷ یہ رزق ہے ہماری طرف سے ۶۸

نازک مقامات پر احتیاط سے کام لینا چاہیے"۔

۶۵ کفار کا ایک اور عذر لنگ پیش کر کے اس کا رد کیا جا رہا ہے کہ جب ہر طرح سے لاجواب ہو جاتے تو کہتے آپ کی باتیں سچی ہیں، آپ کا دین بھی برحق ہے اور یہ کتاب بھی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے لیکن ذرا آپ یہ بھی سوچیں کہ ہمارے اردگرد بسنے والے سارے قبیلے مشرک ہیں۔ اگر ہم آپ کا دین قبول کر لیں تو وہ اکٹھے ہو کر ہم پر دھاوا بول دیں گے اور ہمیں اس زمین سے اس طرح اُچک کر لے جائیں گے جس طرح باز چڑیا کو جھپٹ لیتا ہے۔ ہم اپنی بقا اور سلامتی کے لیے مجبور ہیں کہ اپنے پُرانے مذہب پر چلتے رہیں۔ سرِ دست آپ کا دین قبول کرنا مصلحت کے خلاف ہے اس لیے آپ ہمیں زیادہ تنگ نہ کیا کریں۔

۶۶ اللہ تعالیٰ ان کے اس قول کی تردید فرماتے ہیں کہ یہ سارے خطرات فرضی ہیں۔ ہم نے تم کو اپنے حرم کی ہمسائیگی اور پاسبانی کا شرف بخشا ہے۔ اس حرم کے احترام کی وجہ سے کوئی کسی پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔ لوگ اپنے باپ کے قاتل کو بھی یہاں دیکھ کر اس سے آنکھ پھیر لیتے ہیں۔ کسی کی کیا مجال کہ تم اسلام قبول کر لو اور وہ تم پر حملہ کر کے تمہاری تکا بوٹی کر دے بلکہ دوسرے قبائل تو اس انتظار میں ہیں کہ تم پیغمبرِ اسلام کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو؟ اگر تم آج اسلام قبول کر لو تو سورج غروب ہونے سے پہلے فوج در فوج لوگ اسلام کے حلقہ بگوش بن جائیں۔ تمہارا یہ کہنا محض بہانہ ہے جس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ اَیْ اَلَمْ نُسْكِنْهُمْ اِيَّاهُ (غریب القرآن)۔(1)

۶۷ اگر تمہیں یہ خدشہ ہے کہ اسلام لانے کی صورت میں مشرک قبائل تمہارا اقتصادی بائیکاٹ کر دیں گے تو یہ بھی درست نہیں۔ ذرا غور تو کرو۔ مکہ اور اس کا گرد و نواح ریگستان ہی ریگستان ہے۔ یہاں معمولی کھیتی باڑی بھی نہیں ہوتی لیکن اس کے باوجود دنیا بھر کے پھلوں سے تمہارے بازار بھرے پڑے ہیں۔ اس حرم کے زیرِ سایہ جو امن و عافیت تمہیں حاصل ہے۔ اور جس کثرت سے پھل تمہاری طرف کھچے چلے آتے ہیں اس کی مثال دنیا بھر میں نہیں ملتی۔ تم خود سوچو اگر کفر کی حالت میں تمہیں اپنی عنایات سے محروم نہیں کیا تو اگر تم اسلام لاؤ گے تو کیا اس کی رحمت یہ گوارا کرے گی کہ لوگ تم پر ہلہ بول کر تمہیں تباہ کر دیں یا رزق کے دروازے بند کر دیں؟ يُجْبٰى: يُجْمَعُ جمع کرنا۔ عرب کہتے ہیں: جَبَی الْمَاءَ فِی الْحَوْضِ اَیْ جَمَعَهٗ وَالْجَابِيَةُ الْحَوْضُ الْعَظِيْمُ (2)۔ یعنی پانی حوض میں جمع ہو گیا۔ بڑے حوض کو اسی مناسبت سے جابیہ کہتے ہیں۔

۶۸ مِّنْ لَّدُنَّا فرما کر یہ بتا دیا کہ ہر چیز کی فراوانی میں تمہاری کسی تدبیر اور منصوبہ بندی کا کوئی دخل نہیں۔ اگر حضرت ابراہیمؑ کو یہاں کعبہ بنانے کا حکم ہی نہ دیا جاتا بلکہ کوئی اور جگہ منتخب کی جاتی یا اولادِ اسمٰعیل کو اس کی خدمت پر مقرر نہ کیا جاتا بلکہ حضرت اسحاق یا کسی اور کو منتخب کیا جاتا تو پھر کیا یہ مرکزیت، یہ امن و عافیت، یہ معاشی خوشحالی جو آج تمہیں نصیب ہے تمہیں میسر ہوتی؟ ہرگز نہیں۔ یہ سب کچھ ہم نے بہم پہنچایا ہے اور تم پر لازم ہے کہ ہماری بات مانو اور اس دینِ رشد و ہدایت کو کسی مزید تذبذب

1۔ تفسیر غریب القرآن، ص 333 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13 ص 300

وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ

لیکن ان کی اکثریت کچھ نہیں جانتی ۶۹۔ اور ہم نے کتنے شہر برباد کر دیئے جب وہ فخر کرنے

مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا

لگے اپنی خوش حالی پر۔ پس یہ ہیں ان کے گھر جن میں سکونت نہیں کی گئی ان کے بعد مگر بہت

قَلِيْلًا ؕ وَ كُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَ مَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى

کم عرصہ۔ اور (آخر کار) ہم ہی ان کے وارث بنے ۷۰۔ اور نہیں ہے آپ کا رب ہلاک کرنے والا بستیوں

حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْۤ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَ مَا كُنَّا

کو یہاں تک کہ بھیجے ان کے مرکزی شہر میں کوئی رسول جو پڑھ کر سناتے وہاں کے رہنے والوں کو ہماری آیتیں اور ہم نہیں ہیں

مُهْلِكِي الْقُرٰۤى اِلَّا وَ اَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَ مَاۤ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ

ہلاک کرنے والے بستیوں کو مگر یہ کہ ان کے بسنے والے ظالم ہیں ۷۱۔ اور جو چیز دی گئی ہے تمہیں تو

کے بغیر فوراً قبول کر لو ورنہ پچھتاؤ گے۔

۶۹۔ یعنی اکثر لوگ اپنے خود ساختہ اندیشوں میں گھلے جا رہے ہیں اور یہ حقیقت ان کی آنکھوں سے مستور رہتی ہے کہ عزت و عافیت بخشنے والا پاکیزہ اور فراخ رزق عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔

اس میں مُسلم حکومتوں اور مجالسِ قانون ساز کے ارکان کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ تم دینِ اسلام کے احکام و قوانین سے اس لیے گھبراتے ہو کہ لوگ تمہیں پسماندہ اور رجعت پسند کہیں گے۔ بڑی بڑی حکومتیں تمہاری اقتصادی اعانت سے دست کش ہو جائیں گی تو ان کو راضی کرنے کی سعیِ لاحاصل میں اپنے پروردگار کو ناراض نہ کرو، اس کو راضی رکھو، اس کے احکام بجا لاؤ۔ وہ خود تمہاری پاسبانی کرے گا اور خود تمہاری معاشی خوشحالی کے سامان فراہم کر دے گا۔

۷۰۔ خدا کی نافرمانی کے ہولناک انجام سے بچنے کے لیے انہیں گزشتہ قوموں کے کھنڈرات میں غور و فکر کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے۔ اَلْبَطَرُ: اَلطُّغْيَانُ بِالنِّعْمَةِ (قرطبی) (1)۔ اَیْ عَاشُوْا فِی الْبَطَرِ وَ اَكَلُوْا رِزْقَ اللهِ وَ عَصَوْهُ وَ عَبَدُوا الْاَصْنَامَ (مظہری) (2)

۷۱۔ یہ اُجڑی ہوئی بستیاں جو تمہیں دکھائی دے رہی ہیں انہیں یونہی ویران نہیں کر دیا گیا تھا بلکہ آپ کے رب نے اپنی سُنّت

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 1-300

2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 174

شَیۡءٍ فَمَتَاعُ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ زِیۡنَتُہَا ۚ وَ مَا عِنۡدَ اللّٰہِ خَیۡرٌ

یہ سامان ہے دنیوی زندگی کا اور اس کی زیب و زینت ہے ؎۲ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہتر

وَّ اَبۡقٰی ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۰﴾ اَفَمَنۡ وَّعَدۡنٰہُ وَعۡدًا حَسَنًا فَہُوَ

اور دیرپا ہے۔ کیا تم اس حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ (تم خود سوچو) آیا وہ (نیک بخت) جس کے ساتھ ہم نے وعدہ کیا ہے بہت اچھا

لَاقِیۡہِ کَمَنۡ مَّتَّعۡنٰہُ مَتَاعَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ثُمَّ ہُوَ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ

وعدہ ؎۳ اور وہ اسکے پانیوالا بھی ہے اس (بدبخت) کی مانند ہو سکتا ہے جسے ہم نے دنیوی زندگی کا سامان دیا ہے پھر وہ (اس چند

مِنَ الۡمُحۡضَرِیۡنَ ﴿۶۱﴾ وَ یَوۡمَ یُنَادِیۡہِمۡ فَیَقُوۡلُ اَیۡنَ شُرَکَآءِیَ

روزہ آسائش کے بعد) روزِ قیامت (مجرموں کے کٹہرے میں) پیش کیا جائیگا۔ اور اُس دن اللہ انھیں آواز دیگا تو فرمائیگا ؎۴ کہاں

کے مطابق ان کے مرکزی شہروں میں اپنے رسول بھیجے لیکن جب وہاں کے باشندے انکار اور عناد پر اڑے رہے تو انہیں تباہ کر دیا گیا۔ اے اہلِ مکّہ! تمہارے پاس بھی ہم نے رسولوں کا سردار بھیجا، ایسا نہ ہو کہ تم اپنے ان محدود اور فانی دنیاوی مفادات کو بچانے کے لیے میرے رسول کی دعوت کو ٹھکرا دو اور اسی انجام سے دوچار ہو جس سے تمہارے پیشرو ہو چکے ہیں۔

؎۲ یہ جو کچھ تمہارے پاس ہے یہ صرف اس دنیا میں کام آئے گا پھر فنا ہو جائے گا۔ لیکن اللہ نے اہلِ ایمان کے لیے جو نعمتیں تیار کر رکھی ہیں وہ لازوال اور ابدی ہیں۔ تم تو بڑے منجھے ہوئے کاروباری لوگ ہو۔ تم جواہرات دے کر کوڑیاں کیوں لے رہے ہو؟

؎۳ بلال، عمار وغیرہما غریب مسلمانوں کو دیکھ کر کفّار اپنی بہتری اور سلامتی اسی میں سمجھا کرتے کہ اسلام کو قبول نہ کیا جائے ورنہ وہ بھی ان لوگوں کی طرح افلاس کے شکنجہ میں کس دیئے جائیں گے۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ یہ بھی فریبِ نفس ہے۔ کیا ہوا تم نے اگر چار روز عیش و طرب میں گزار لیے اور انہیں فاقوں پر فاقے جھیلنے پڑے۔ لیکن ذرا یہ بھی تو خیال کرو کہ ہم نے ان پاک طینت لوگوں سے بندہ نوازی کے جو وعدے کیے ہوئے ہیں ان کے مقابلے میں تمہاری یہ ساری نعمتیں پرِکاہ کی وقعت بھی نہیں رکھتیں۔

؎۴ اے چار روزہ زندگی پر گھمنڈ کرنے والو! میرے رسولِ اکرمؐ کی دعوت کو ٹھکرانے والو! اُس دن کا بھی خیال کرو جب تمہیں کہا جائے گا کہ کہاں ہیں تمہارے وہ معبود جن کو تم ہمارا شریک ٹھہرایا کرتے تھے؟ اس وقت تم کفِ افسوس ملو گے لیکن بے سود، اس لیے آج ہی اصلاح کر لو۔

الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا

ہیں وہ شریک جنھیں تم (میرا شریک) گمان کیا کرتے تھے۔ کہیں گے وہ لوگ جن پر عذاب کا فرمان ثابت ہو چکا اے ہمارے رب!

هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ ۡ

یہ ہیں وہ جنھیں ہم نے گمراہ کیا۔ ہم نے انھیں بھی گمراہ کیا جیسے ہم خود گمراہ ہوئے۔ ہم (ان سے) بیزار ہو کر تیری

مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ۝ وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ

طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اور وہ ہماری پوجا نہیں کیا کرتے تھے اور (انھیں) کہا جائیگا دلو، اب پکارو اپنے شریکوں کو ۵؎ تو وہ انھیں

فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ۝

پکاریں گے لیکن وہ انھیں کوئی جواب نہیں دیں گے اور دیکھ لیں گے عذاب کو۔ کیا اچھا ہوتا اگر وہ ہدایت یافتہ ہوتے۔

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ فَعَمِيَتْ

اور اس دن اللہ تعالیٰ آواز دیگا انھیں پھر پوچھے گا تم نے کیا جواب دیا تھا (ہمارے) رسولوں کو ۶؎ تو اندھی ہو جائیں گی

عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ۝ فَاَمَّا مَنْ تَابَ

اُن پر خبریں اُس دن۔ پس وہ (مارے دہشت کے) ایک دوسرے سے کچھ پوچھ نہ سکیں گے ۷؎ تو وہ جس نے توبہ کی

۵؎ علامہ قرطبیؒ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے: اَيِ اسْتَغِيْثُوْا بِاٰلِهَتِكُمُ الَّتِيْ عَبَدْتُّمُوْهَا فِي الدُّنْيَا لِتَنْصُرَكُمْ وَتَدْفَعَ عَنْكُمْ (1) کہ جن خداؤں کی تم دنیا میں عبادت کرتے رہے تھے اب ان کے سامنے فریاد کرو تا کہ اب تمہاری مدد کریں اور خدا کے عذاب سے بچائیں۔

۶؎ پھر ان سے پوچھا جائے گا: ہمارے رسول تمہارے پاس آئے تھے، تم نے ان کو کیا جواب دیا؟ اس وقت ان پر سکتہ طاری ہو جائے گا اور کوئی بات نہ کر سکیں گے۔ ان کی اس حیرت زدگی اور لاجواب ہونے کی کیفیت کو قرآن نے فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ کے فقرہ سے تعبیر کیا ہے۔ اس کا لفظی معنی تو یہ ہے کہ فَصَارَتِ الْاَنْبَاءُ عَلَيْهِمْ كَالْعُمْيَانِ (2) یعنی ان کی دلیلیں اندھی ہو کر رہ جائیں گی اور جہاں وہ کھڑے ہوں گے وہاں تک نہ پہنچ سکیں گے۔ مقصد یہ ہے کہ دلیلوں کے وہ پہاڑ جو آج وہ کھڑے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 304 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 177

وَأَمَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسَىٰ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ ﴿٦٧﴾

اور ایمان لایا اور نیک عمل کیے یقیناً وہ کامیاب و کامران لوگوں میں ہوگا ۔ اور

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۚ سُبْحَانَ

آپ کا رب پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے اور پسند کرتا ہے (جسے چاہتا ہے) نہیں ہے انھیں کچھ اختیار ۷۸

اللَّهِ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٦٨﴾ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ

اللہ تعالیٰ پاک ہے اور برتر ہے اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں ۷۹ اور آپ کا رب خوب جانتا ہے جو چھپائے ہوئے ہیں انکے

وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٦٩﴾ وَهُوَ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَىٰ

سینے ۸۰ اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ اور وہی اللہ ہے نہیں کوئی معبود بجز اس کے۔ اسی کو زیبا ہے ہر قسم کی تعریف دنیا میں اور

وَالْآخِرَةِ ۖ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٧٠﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ

آخرت میں ۸۱ اور اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ آپ فرمائیے بھلا اتنا تو سوچو ۸۲ اگر

کرتے ہیں قیامت کے دن انہیں نظر نہیں آئیں گے۔

۷۷ ڈر کے مارے کسی اور سے بھی پوچھنے کی ہمت نہ ہوگی۔

۷۸ کفار حضور کو طرح طرح کے مشورے دیتے۔ ان کی ساری نامعقول تجاویز کے ردّ میں ایک ہی سلطانی فیصلہ سنا دیا کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے مشوروں کی ضرورت نہیں۔ وہ علیم و خبیر اور حکیم و قدیر ہے جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے اور اس کی نگاہِ کرم جس کو منصبِ نبوت کے لیے چن لیتی ہے اُسے فائز کر دیا جاتا ہے۔ تم اس سے بہتر انتخاب نہیں کر سکتے۔

۷۹ جب وہ وحدہٗ لاشریک ہے تو اس کے کاموں میں کسی کو دخل دینے کا کیا حق ہے۔

۸۰ اے محبوب! انہیں بتا دو کہ آج تم ہزاروں بہانے بنا سکتے ہو، اپنی نیتِ بد کو رنگین پردوں میں چھپا سکتے ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہارا کوئی راز مخفی نہیں۔ اس کے سامنے تمہاری فریب کاری اور چرب زبانی کسی کام نہیں آسکے گی۔

۸۱ اس ایک آیت میں اللہ تعالیٰ کی توحیدِ ذاتی اور صفاتی کو بیان کر کے ان کے تمام شکوک اور اعتراضات کا جواب دے دیا۔

۸۲ انہیں تنبیہ کی جارہی ہے کہ غور کرو اور سوچو یہ گوناگوں نعمتیں جن سے تم بہرہ ور ہو رہے ہو تمہیں کس نے عطا کی ہیں؟ کیا کوئی اور

جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيۡكُمُ الَّيۡلَ سَرۡمَدًا اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ مَنۡ

بنا دے اللہ تعالیٰ تم پر رات ہمیشہ کے لیے قیامت کے دن تک تو کون خدا ہے

اِلٰهٌ غَيۡرُ اللّٰهِ يَاۡتِيۡكُمۡ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسۡمَعُوۡنَ ﴿۷۱﴾ قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ

اللہ تعالیٰ کے سوا جو لا دے تمھیں روشنی کیا تم سُن نہیں رہے ہو ۔ فرمائیے بھلا اتنا تو سوچو

اِنۡ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيۡكُمُ النَّهَارَ سَرۡمَدًا اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ مَنۡ

اگر بنا دے اللہ تعالیٰ تم پر دن ہمیشہ کے لیے روزِ قیامت تک تو کونسا خدا ہے

اِلٰهٌ غَيۡرُ اللّٰهِ يَاۡتِيۡكُمۡ بِلَيۡلٍ تَسۡكُنُوۡنَ فِيۡهِ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۷۲﴾

اللہ تعالیٰ کے سوا جو لا دے تمھیں رات جس میں تم آرام کر سکو کیا تمھیں (کچھ) نظر نہیں آتا ؟

وَمِنۡ رَّحۡمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ لِتَسۡكُنُوۡا فِيۡهِ

اور محض اپنی رحمت سے اس نے بنا دیا ہے تمھارے لیے رات اور دن کو تا کہ تم آرام کرو رات میں اور تلاش

وَلِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ وَلَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۷۳﴾ وَيَوۡمَ يُنَادِيۡهِمۡ

کرو (دن میں) اس کے فضل (رزق) سے اور تا کہ تم شکر گزار بنو۔ اور جس دن اللہ تعالیٰ انھیں آواز دے کر

فَيَقُوۡلُ اَيۡنَ شُرَكَآءِىَ الَّذِيۡنَ كُنۡتُمۡ تَزۡعُمُوۡنَ ﴿۷۴﴾ وَنَزَعۡنَا

فرمائے گا کہاں ہیں وہ جنہیں تم میرا شریک خیال کرتے تھے ۸۳؎ اور ہم نکالیں گے

خدا ہے جو ان نعمتوں کے بہم پہنچانے میں حصہ دار ہو؟ جب نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر تم کیوں کسی کو اس کا شریک سمجھتے ہو؟ علامہ راغب اصفہانی اَرَأَيۡتُمۡ کا معنی لکھتے ہوئے کہتے ہیں: فِيۡهِ مَعۡنَى التَّنۡبِيۡهِ (1)۔ اس میں تنبیہ اور سرزنش کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ رَاٰی کا لفظ آنکھ سے دیکھنے اور عقل سے غور و فکر کرنے کے مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ رَاٰی: نَظَرَ بِالۡعَيۡنِ اَوۡ بِالۡعَقۡلِ۔ (المنجد) (2)

۸۳؎ قیامت کے دن کفار کی رسوائی اور بے بسی کا دوبارہ ذکر کر کے لوگوں کو غور و فکر کی دعوت دی جا رہی ہے۔

1۔ مفردات راغب، ص 374 2۔ المنجد، ص 243

مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ

ہر اُمت سے گواہ ۸۴ پھر (ان اُمتوں کو) ہم کہیں گے لے آؤ اپنی دلیل تو وہ جان لیں گے کہ بیشک حق

لِلّٰهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝۷۵ اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ

اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور گم ہو جائیں گے اُن سے جو افتراء وہ باندھا کرتے تھے۔ بیشک قارون ۸۵ موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم

قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۪ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ

میں سے تھا۔ پھر اس نے سرکشی کی ان پر ۸۶ اور ہم نے دے دیئے تھے اُسے اتنے خزانے ۸۷ کہ ان کی

۸۴ ہر اُمت پر گواہی دینے کے لیے گواہ پیش کیا جائے گا جو ان کے اعمال پر گواہی دے گا۔ اس کے بعد انہیں انکار کی مجال نہیں رہے گی۔ سارے شکوک وشبہات دور ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کا یقین بھی آجائے گا اور دنیا میں وہ جس طرح باتوں کا بتنگڑ بنایا کرتے تھے اور بال کی کھال اُتارا کرتے تھے وہ سب چیزیں بھول جائیں گی۔

۸۵ یہاں ایک ضمیر فروش اور قوم فروش انسان کا کردار اور اس کا انجام بیان کیا جارہا ہے۔ قرآنِ کریم میں بتایا گیا ہے کہ قارون بنی اسرائیل کا فرد تھا۔ مفسرین کی رائے میں یہ موسیٰ علیہ السلام کا قریبی رشتہ دار تھا۔ بعض نے چچازاد اور بعض نے خالہ زاد بھائی لکھا ہے (1) لیکن اسے اپنی قوم کی خستہ حالی اور ان کے مصائب وآلام سے کوئی سروکار نہ تھا۔ وہ فرعونی حکومت کا ایجنٹ تھا اور اس کا کام صرف یہ تھا کہ بنی اسرائیل کو اس غلامانہ زندگی پر مطمئن رکھے۔ اور انہیں یہ بات ذہن نشین کرادے کہ آزاد رہنے سے انہیں طرح طرح کے خطرات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اب وہ فرعون کے ظلِّ سلطانی میں بے فکر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں غلامی کی بیڑیاں اور گلے میں غلامی کے طوق باعثِ ننگ وعار نہیں بلکہ ان کے لیے باعثِ صد عزت ہیں۔ اسی قوم فروشی کی وجہ سے فرعون نے اس پر اپنے خزانوں کے منہ کھول دیئے تھے اور اس کو اپنی سلطنت کا رُکن بنالیا تھا۔ اسی لیے قرآنِ کریم نے یہ تشریح کی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون وہامان کے علاوہ قارون کی طرف بھیجا گیا تھا۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝۲۳ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝۲۴ (مومن) (2)
موسیٰ علیہ السلام پر ساحر اور کذاب کا بہتان لگانے میں بنی اسرائیل کا یہ قوم فروش سیٹھ قارون بھی اپنے ولی نعمت فرعون کے ساتھ تھا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اس کی ساری دولت وثروت اسی وقت تک ہے جب تک فرعون شہر یارِ مصر ہے۔

۸۶ یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ قارون اپنی قوم کے مفاد کو فرعون کے مفاد پر قربان کر دیا کرتا تھا۔ اور بنی اسرائیل کے حقوق کو کچلنے اور اُن کو ذلیل ورسوا کرنے میں یہ اہم کردار انجام دیا کرتا تھا۔

۸۷ ایسے شخص کو فرعون یا اس کی حکومت سے کوئی دلی ہمدردی نہیں ہوسکتی تھی۔ اسے تو محض اپنا ذاتی وقار اور مالی منفعت مطلوب

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 179
2۔ سورۃ المؤمن: 24-23

مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِی الْقُوَّةِ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ

چابیاں (اپنے بوجھ سے) جھکا دیتی تھیں ایک طاقتور جتھہ (کی کمروں) کو۔ جب کہا اسے اس کی قوم نے ۸۸ زیادہ

لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ ﴿۷۶﴾ وَ ابْتَغِ فِیْمَاۤ اٰتٰىكَ

خوش نہ ہو بے شک اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا اترانے والوں کو۔ اور طلب کر اس (مال وزر) سے جو دیا ہے تجھے

اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَ لَا تَنْسَ نَصِیْبَكَ مِنَ الدُّنْیَا وَ اَحْسِنْ

اللہ تعالیٰ نے آخرت کا گھر ۸۹ اور نہ فراموش کر اپنے حصّہ کو دنیا سے ۹۰ اور احسان کیا کر (غریبوں پر)

تھی۔ استعماری طاقتوں کی طرح فرعون ایسے ضمیر فروش کے مزاج سے خوب واقف تھا اور اسے جی بھر کر رشوت دیتا تھا۔ اسے کاروباری مواقع اور سہولتیں میسر تھیں جس سے اس کا کاروبار خوب چمکا اور مصر کا رئیس اعظم بن گیا۔ اس کی دولت کا ذکر قرآنِ کریم نے جس انداز سے فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بے حد وحساب دولت کا مالک تھا۔ اس کے خزانوں کے قفلوں کی کنجیاں اتنی بھاری تھیں کہ ایک مضبوط اور طاقتور جتھہ جب اُن کو اٹھاتا تو اس کی کمر جھک جاتی۔ مَفَاتِحُ، مِفْتَحٌ کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے کنجی اور اگر اسے مَفْتَحٌ کی جمع کہا جائے تو اس کا معنی خزانہ ہوگا۔(1)

عُصْبَةٌ دس تا پندرہ کی جماعت کو کہتے ہیں۔(2)

تَنُوْءُ اَیْ تُمِیْلُهُمْ بِثِقْلِهَا بوجھ سے کمر کا جھک جانا۔(3)

جب بنی اسرائیل مصر سے روانہ ہوئے تو اُس نے بھی اپنے ساز وسامان سمیت حضرت موسیٰ کی معیت میں بحرِ احمر کو عبور کیا۔

۸۸ قوم سے مراد بنی اسرائیل ہیں (4)۔ بعض کی رائے میں خود موسیٰ علیہ السلام نے اسے یہ بات فرمائی کہ مال و دولت کی فراوانی سے تو ہر وقت اِتراتا رہتا ہے، اور تیرے دل میں احساسِ برتری اس حد تک پیدا ہو گیا ہے کہ اپنی قوم کے احترام یا ان کے حقوق کی پاسبانی کا تجھے خیال تک کبھی نہیں آیا۔ اس روش سے باز آ جا کیونکہ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔

۸۹ آپ نے اسے فرمایا: یہ دولت جو تجھے اللہ تعالیٰ نے دی ہے اس کو اس طرح خرچ کر کہ قیامت کے روز تیری نجات کی صورت پیدا ہو جائے۔ مومن کا دولت کے متعلق یہی نظریہ ہوتا ہے۔ وہ اسے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اس کے دین کو سربلند کرنے کے لیے صرف کرتا ہے۔ وہ یہ جانتا ہے کہ دنیا اور اس کی ساری متاع چند روزہ ہے۔ اگر یہاں میں اپنے مال وزر کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کروں گا تو یہ چیزیں میری آنے والی زندگی میں میرے کام آئیں گی۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 312　2۔ ایضاً، جز 13، ص 313　3۔ ایضاً، ص 312　4۔ ایضاً، ص 313

كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ؕ اِنَّ

جس طرح اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان فرمایا ہے ۹۱ اور نہ خواہش کر فتنہ و فساد کی ملک میں یقیناً اللہ تعالیٰ

اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۷۷ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ

نہیں دوست رکھتا فساد برپا کرنے والوں کو۔ وہ کہنے لگا مجھے دی گئی ہے یہ (دولت و ثروت) اس علم کی وجہ سے

عِنْدِيْ ؕ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ

جو میرے پاس ہے ۹۲ کیا اس (مغرور) کو اتنا علم بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر ڈالیں اس سے پہلے

۹۰ اس کی اس غلط فہمی کا ازالہ بھی کر دیا کہ مومن اس دنیا کی لذتوں سے بالکل دست کش رہتا ہے۔ فرمایا: اِسراف سے بچتے ہوئے اچھا کھاؤ، اچھا پہنو، اپنے آرام و آسائش میں مناسب وسائل استعمال کرو، یہ قطعاً ممنوع نہیں ہیں۔

۹۱ لیکن ان تمام حالات میں اس بات کو مت فراموش کرو کہ یہ سب اللہ کی عطا ہے اور اس کے اس انعام کا صحیح شکر یہ ہے کہ اس کی مخلوق کو آرام پہنچانے کے لیے اسے خرچ کیا جائے اور فتنہ و فساد برپا کرنے کے لیے اسے استعمال نہ کیا جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فتنہ برپا کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اگر آپ اس آیت میں غور و تامّل فرمائیں گے تو مومن کی سیرت کے خدوخال آپ کو صاف نظر آئیں گے اور دنیا کے مال و متاع کو وہ جس نقطہ نظر سے دیکھتا ہے اس پر آپ کو آگاہی حاصل ہو جائے گی۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ مال و دولت اس لیے نہیں کہ تم عیش و عشرت کرتے رہو اور تمہارے شبستانوں کے سایہ میں زندگی کاٹنے والے غریب لوگ زندگی کی بنیادی ضرورتوں سے بھی محروم ہوں۔ مومن یہ سمجھتا ہے کہ جاہ و منزلت اس لیے نہیں کہ لوگوں پر ظلم کرتے رہو اور ان کے حقوق کو تلف کرتے رہو۔ بلکہ اس لیے ہے کہ خود بھی جائز حد تک اس سے فائدہ اٹھاؤ اور اپنے ہمسایوں، رشتہ داروں اور بنی نوع انسان کے لیے بھی تمہارا وجود، تمہارا اثر و رسوخ اور تمہاری دولت فائدہ مند ثابت ہو۔

۹۲ یہاں سے ایک دنیا پرست انسان کی ذہنیت کو بے نقاب کیا جا رہا ہے کہ وہ یہ نہیں سمجھتا یہ چیزیں اور نعمتیں اس خالق و مالک نے اسے عطا فرمائی ہیں اِس لیے اس پر اس کا شکر لازم ہے۔ اور شکر کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اس کی مخلوق کو آرام پہنچایا جائے۔ بلکہ وہ سرے سے اس بات کو تسلیم نہیں کرتا۔ وہ بڑے فخر و غرور سے یہ کہتا ہے۔ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ مجھے خدا نے نہیں دیا، یہ سب میری قابلیّت، کاروباری مہارت اور مسلسل جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ جب ذہن میں یہ فتور سما جائے تو پھر اسے خرچ کرنے اور خرچ نہ کرنے کے معاملہ میں کچھ سمجھانا بے سود ہے۔ وہ کوئی پابندی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔ آپ اسے یہ نہیں سمجھا سکتے کہ اس میں تیرے پڑوسیوں، غریب رشتہ داروں، نادار یتیموں اور بے سہارا بیواؤں کا بھی کچھ حصہ ہے۔ الٹا وہ انہیں بے کار، نکمے،

الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّ اَكْثَرُ جَمْعًا ؕ وَلَا يُسْـَٔلُ

قومیں ۹۳؎ جو اس سے قوت میں کہیں سخت اور دولت جمع کرنے میں کہیں زیادہ تھیں اور نہیں دریافت

عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۷۸﴾ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ ؕ

کیے جائیں گے مجرموں سے ان کے گناہ۔ الغرض (ایک دن) وہ نکلا اپنی قوم کے سامنے بڑی زیب و زینت ۹۴؎

قَالَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ

کے ساتھ۔ کہنے لگے وہ لوگ جو آرزومند تھے دنیوی زندگی کے اے کاش! ہمیں بھی اسی قسم کا (جاہ و جلال)

اُوْتِیَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ﴿۷۹﴾ وَ قَالَ الَّذِیْنَ

نصیب ہوتا جیسے دیا گیا ہے قارون کو۔ واقعی وہ تو بڑا خوش نصیب ہے۔ اور کہا اُن لوگوں نے جنہیں

اُوْتُوا الْعِلْمَ وَیْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ

(دنیا کی بے ثباتی کا) علم دیا گیا تھا حیف تمہاری عقل پر۔ اللہ کا ثواب بہتر ہے اس کے لیے جو ایمان لے آیا اور نیک عمل کیے ۹۵؎

نالائق، مفت خور کے دل آزار لفظوں سے یاد کرتا ہے اور ملکی معیشت پر انہیں ناقابلِ برداشت بوجھ تصور کرتا ہے۔ ان کے لیے رحم اور ہمدردی کے جذبات اس کے دل میں پیدا نہیں ہوتے بلکہ نفرت و حقارت سے وہ ان کی طرف دیکھتا ہے۔ یہ نظریہ صرف عہدِ موسوی کے قارون کا نہ تھا بلکہ تمام قارون صفت انسانوں میں یہ قدر مشترک ہے۔

۹۳؎ اس کی کم نگاہی اور غلط فہمی کو کتنے واضح الفاظ میں بیان کر دیا۔ اس قسم کے بے رحم سرمایہ داروں کی وجہ سے عالم انسانیت پر جو جو مصیبتیں آئیں اور ہلاکت و بربادی کے جو خونی انقلاب آئے وہ تاریخ کی ایک مسلّمہ حقیقت ہے۔ کوئی نہ مانے تو اس کی مرضی، لیکن اس کی صداقت میں کسی کو کلام نہیں۔

۹۴؎ جب وہ اپنے امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ سے نکلتا تو اسے دیکھ کر ظاہر بین لوگوں کے منہ میں پانی بھر آتا۔ وہ کہتے: کتنا خوش نصیب ہے یہ قارون! کاش ہمیں بھی اس طرح کی نعمت سے کچھ حصہ ملتا!

۹۵؎ لیکن جو دنیا کی اس ناپائداری کو جانتے ہیں اور اس کی حقیقت سے باخبر ہیں ان کے دلوں میں اس قسم کی کوئی خواہش پیدا نہیں ہوتی۔ وہ دوسرے لوگوں کو بھی اس امر پر آگاہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی جناب عالی سے جو اجر مومنِ صالح کو ملنے والا ہے

صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ

اور نہیں مرحمت کی جاتی یہ نعمت بجز صبر کرنے والوں کے ۹۶ پس ہم نے غرق کر دیا اُسے بھی اور اُسکے

الْاَرْضَ قف فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ق

گھر کو بھی زمین میں، تو نہ تھی اس کے حامیوں کی کوئی جماعت جو (اس وقت) اس کی مدد کرتی اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں۔

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ

اور وہ خود بھی اپنا انتقام نہ لے سکا ۹۷ اور صبح کی ان لوگوں نے جو کل تک اس کے مرتبہ کی

بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ

آرزو کر رہے تھے یہ کہتے ہوئے اوہو! (اب پتہ چلا) کہ اللہ تعالیٰ کشادہ کر دیتا ہے رزق کو ۹۸ جس کے لیے چاہتا ہے

اس کے سامنے اس جاہ وحشمت کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ تم قارون بننے کی التجائیں نہ کرو۔ تم اللہ تعالیٰ کا بندہ بننے کی کوشش کرو۔ جب انسان اس مقام کو پالیتا ہے تو اس کی ساری حسرتیں پوری ہو جاتی ہیں۔

۹۶ یہ بھی بتا دیا، یہ ابدی نعمت اور سرمدی دولت فقط باتیں بنانے، خالی دعوے کرنے اور ہوائی قلعے تعمیر کرنے سے حاصل نہیں ہوتی۔ اس کے لیے بڑے صبر کے ساتھ اخلاص و عمل کی راہ پر قدم بڑھائے چلے جانا شرطِ اوّل ہے۔

۹۷ اس کے متعلق مفسرینِ کرام نے لکھا ہے کہ اس نے ایک فاحشہ عورت کے ساتھ سازش کی کہ جب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے سامنے وعظ کر رہے ہوں تو وہ مجمعِ عام میں آپ پر بدکاری کا الزام لگائے۔ اس طرح وہ موسیٰ کی عزت کو ختم کر کے دینی منصب بھی خود سنبھالنا چاہتا تھا۔ اس نے اس عورت کو کئی ہزار درہم بطورِ رشوت دیئے۔ ایک روز آپ وعظ فرما رہے تھے۔ آپ کے وعظ کا موضوع بھی یہی تھا کہ جو چور ہوگا اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ جو بدکاری کا ارتکاب کرے گا اسے رجم کر دیا جائے گا۔ قارون نے اسے زرّیں موقع سمجھا اور اُٹھ کر کہنے لگا: یہ قانون سب کے لیے ہے یا بعض لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ آپ نے فرمایا: سب کے لیے ہے۔ اس نے پوچھا: کیا آپ پر بھی یہ لاگو ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: بیشک۔ اس نے کہا: فلاں عورت آپ کے متعلق ایسا ایسا کہتی ہے اور اسے حمل بھی قرار پا گیا ہے اس لیے اس قانون کے مطابق آپ کو بھی رجم کی سزا ملنی چاہیے۔ آپ نے فرمایا: اس عورت کو مجمعِ عام میں پیش کرو، جب وہ آئی تو حضرت نے کہا: تجھے اس خدا کی قسم جس نے بنی اسرائیل کے لیے سمندر کو شق کیا، جس نے مجھے تورات عطا فرمائی۔ تو سچ سچ بتا دے! اللہ تعالیٰ نے اسے جھوٹ بولنے کی ہمت نہ دی اور ساری حقیقت بیان کر دی کہ مجھے قارون نے آپ پر الزام لگانے کے لیے رشوت دی ہے۔ آپ کو قارون کے اس جرمِ شنیع پر سخت

مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ

اپنے بندوں سے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کے لیے چاہتا ہے) اگر اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو ہمیں بھی زمین میں گاڑ دیتا۔

وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا

او ہو! (اب پتہ چلا) کہ کفار بامراد نہیں ہوتے۔ یہ آخرت کا گھر ہم مخصوص کر دیں گے اس (کی نعمتوں) کو

لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ؕ وَالْعَاقِبَةُ

اُن لوگوں کے لیے جو خواہش نہیں رکھتے زمین میں بڑا بننے کی ۹۹ اور نہ فساد برپا کرنے کی ۱۰۰ اور اچھا انجام

صدمہ بھی ہوا اور غصہ بھی آیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کے حواریوں کے ساتھ زمین میں غرق کر دیا۔ (1)

۹۸ اب ان لوگوں کی آنکھیں کھلیں جو قارون کو حسرت بھری نظروں سے دیکھا کرتے تھے۔ اب انہیں یہ پتہ چلا کہ دولت کی قلّت و کثرت، سعادت و شقاوت کا کوئی معیار نہیں۔ انسان جس حال میں ہو اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اس کے شامل ہو تو وہ کامیاب ہے ورنہ اس کا بھی وہی انجام ہوتا ہے جو قارون کا ہوا۔

۹۹ دنیا کے جاہ و جلال میں مست ہونے والوں کا ذکر کرنے کے بعد اب ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ آخرت کی سرخروئی اور سرفرازی ان کے حصہ میں آئے گی جو یہاں عُلُوّ کے خواہشمند نہیں۔ عُلُوّ کا کیا معنی ہے، عطا کہتے ہیں: لوگوں پر اپنا غلبہ اور تسلط جمانا اور ان کو حقیر و ذلیل سمجھنا۔ قَالَ عَطَاءٌ غَلَبَةً وَّ قَهْرًا عَلَى النَّاسِ وَ تَهَاوُنًا بِهِمْ (2)۔ مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے حقوق کو پامال کر کے ان کے اموال کو غصب کر کے سردار بننا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ اس سے بظاہر شاید کوئی یہ سمجھے کہ کسی اچھے منصب پر فائز ہونا، زمامِ اقتدار سنبھالنا، معاشرہ میں کوئی معزّز و محترم مقام حاصل کرنا بھی قرآنِ کریم کی نظر میں پسندیدہ نہیں اور آخرت کی کامیابی تب ہی حاصل ہو سکتی ہے جب کہ انسان دنیا بھر کی محرومیوں اور نامرادیوں کی گٹھڑی اپنے سر پر اٹھائے رکھے۔ اگر کوئی شخص ایسا سمجھتا ہے تو یہ اس کی اپنی کج نگاہی ہے۔ قرآنِ کریم تو آیا ہی اس لیے ہے کہ اپنے ماننے والوں کے سر پر اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ کا زرنگار تاج رکھے۔ شاید اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے سیدنا حضرت علیؓ نے اس آیت کا مفہوم ان الفاظ میں بیان فرمایا: ''وَعَنْ عَلِيٍّ كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ اَنَّهَا نَزَلَتْ فِيْ اَهْلِ التَّوَاضُعِ مِنَ الْوُلَاةِ وَ اَهْلِ الْقُدْرَةِ۔ (3)'' یہ آیت ایسے حکمرانوں اور ذی استطاعت لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے عمر بھر تواضع اور انکسار کو اپنا شعار بنائے رکھا۔

۱۰۰ فساد سے مراد عام فساد ہے۔ عقیدہ کا فساد ہو یا عمل کا۔ اگر کوئی کفر و شرک کی ترویج کرے گا تو وہ بھی مُفسِد ہے اور اگر کوئی فسق و فجور کا ارتکاب کرے گا اور اس کا بازار گرم کرنے کے لیے کوشش کرے گا تو وہ بھی مُفسِد ہے۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 85-184 2۔ ایضاً، ج 7، ص 186 3۔ ایضاً

لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٨٣﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ

پرہیزگاروں کے لیے ہے۔ جو کرتا ہے نیکی ١٠١ تو اس کے لیے بہتر صلہ ہے اس نیکی سے۔ اور جو ارتکاب کرتا

بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا

ہے بُرائی کا تو نہ بدلہ دیا جائے گا اُنھیں جنھوں نے بدکاریاں کیں مگر اتنا، جتنا اُنھوں نے

يَعْمَلُوْنَ ﴿٨٤﴾ اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى

کیا (اے محبوب!) یقیناً وہ (قادرِ مطلق) جس نے آپ پر قرآن کی تبلیغ فرض کی ہے آپکو واپس لے جانے گا

مَعَادٍ ۭ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى وَمَنْ هُوَ فِيْ

جہاں آپ چاہتے ہیں ١٠٢ آپ فرمائیے میرا رب خوب جانتا ہے اسے جو آیا ہدایت یافتہ ہو کر اور اسے بھی جو کھلی

ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٨٥﴾ وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ

گمراہی میں ہے۔ اور آپ کو تو یہ امید نہ تھی کہ نازل کی جائے گی آپ کی طرف کتاب ١٠٣ مگر

١٠١ جو نیکی کرے گا اس کو اس کی نیکی کا اجر صدہا گنا عطا فرمایا جائے گا۔ اور جو گناہ کا مرتکب ہوگا اس کو سزا ایک گناہ کی ہی ملے گی۔ ادھر رحمت و کرم کی بیکرانیاں ہیں۔ اُدھر عدل و انصاف کے تقاضے۔

١٠٢ معاد کا معنی ہے لوٹنے کی جگہ۔ اس سے مراد مکہ شریف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبِ کریم سے وعدہ فرمایا کہ جس ذاتِ پاک نے آپ پر قرآن نازل کیا اور اس کی تلاوت اور اشاعت کو آپ پر فرض کیا وہ آپ کی پُشت پناہی فرما رہی ہے۔ ایک دفعہ آپ کو مکہ سے ہجرت کرنی پڑے گی۔ لیکن پھر یہاں آپ کی واپسی اس شان و شوکت سے ہوگی کہ سارے دشمن سر جھکائے ہوئے آپ کے سامنے کھڑے ہوں گے اور ان کی قسمت کا فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہوگا۔ چنانچہ فتح مکہ کے دن یہ وعدہ پورا ہوا اور صرف مکہ ہی اسلامی قلمرو میں داخل نہیں ہوا بلکہ اس کے بعد قلیل عرصہ میں سارے جزیرۂ عرب پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ مَعَادٌ کا معنی جنت بھی کیا گیا ہے۔(1)

١٠٣ یعنی جس نعمت نبوت سے آپ کو سرفراز فرمایا گیا ہے اس کے لیے نہ کبھی آپ نے دعا کی، نہ اس منصب کو حاصل کرنے کے لیے آپ نے کبھی کوئی جدوجہد کی اور نہ کبھی آپ کے دل میں ہی یہ خواہش پیدا ہوئی کہ آپ کو نبی بنا کر وحی سے مشرف کیا جائے۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 187

إِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِّلْكٰفِرِينَ ﴿۸۶﴾

یہ محض رحمت ہے آپ کے رب کی (جو آپکو صاحبِ قرآن بنا دیا) تو آپ ہرگز کافروں کے مددگار نہ بنیں۔

وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ إِذْ أُنْزِلَتْ إِلَيْكَ وَادْعُ

اور (خیال رہے) وہ ہرگز نہ روکیں آپ کو اللہ تعالیٰ کی آیات سے اس کے بعد کہ وہ اتاری گئیں آپ کی طرف اور بلایئے

إِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۸۷﴾ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ

(لوگوں کو) اپنے رب کی طرف اور ہرگز نہ ہو جانا شرک کرنے والوں سے۔ اور نہ پکارو اللہ تعالیٰ کے ساتھ

إِلٰهًا اٰخَرَ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ

کسی اور معبود کو۔ نہیں ہے کوئی معبود بجز اس کے۔ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے ۱۰۴ سوائے اس کی ذات کے

لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۸۸﴾

اسی کی حکمرانی ہے۔ اور اسی کی طرف تمھیں لوٹایا جائے گا ۱۰۵

۱۰۴۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو خدا بنا کر مت پکارو۔ اسی وحدہٗ لاشریک کی عبادت و یاد میں اپنی زندگی گزار دو۔ یہ ساری دنیا اپنی جملہ نعمتوں، وسعتوں اور کثرتوں کے باوجود فانی ہے۔ عرش و فرش، مہر و ماہ سب فنا ہو جائیں گے۔ ایک اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک باقی رہے گی۔ اِلَّا وَجْهَهٗ کا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے مگر وہ اعمال جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے کیے گئے ہیں انہیں ہی بقا و دوام حاصل ہوگا۔ (1)

۱۰۵۔ اسی کا حکم ہے جو ہر جگہ نافذ ہے۔ چھوٹی بڑی ہر چیز اس کے فرمان کے سامنے سرافگندہ ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ دم مار سکے۔ اور تمہیں یہاں چند روزہ زندگی گزارنے کے بعد آخر کار اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ اس لیے عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ دنیا میں اس طرح وقت گزارو کہ قیامت کے دن جب تم بارگاہِ رب العٰلمین میں حاضر ہو تو تمہاری جبین پر اس کی بندگی کا روشن نشان چمک رہا ہو۔ تمہارا دل اس کی محبت کے بادۂ لالہ فام سے سرشار ہو۔ تمہارا سینہ اس کے نورِ معرفت سے منور ہو۔ اور جب تم قبروں سے نکلو تو رحمت کے فرشتے تمہارے استقبال کے لیے پرے باندھے کھڑے ہوں اور تمہیں مرحبا اور خوش آمدید کہہ رہے ہوں۔

وَجْهَهٗ: وجہ عربی میں چہرے کو کہتے ہیں لیکن بطور مجاز اس کا اطلاق ساری ذات پر ہوتا ہے۔ اس لیے یہاں وَجْهَهٗ سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ستودہ صفات ہے۔ اَیْ ذَاتَهٗ عَزَّوَجَلَّ (روح المعانی) (2)

1۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 403
2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 130

تعارُف سُورَۃ العنکبُوت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس سورت کا نام اَلْعَنْکَبُوت ہے جس کا ذکر آیت نمبر ۴۱ میں آرہا ہے۔ آیات کی تعداد انہتر ہے۔ اس میں نوسو اسّی کلمات اور چار ہزار ایک سو پینسٹھ حروف ہیں۔

زمانہ نزول: حسن، عکرمہ، عطاء اور جابر رحمہم اللہ کے نزدیک یہ ساری سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ (1)

مضامین:

۱۔ حضور فخرِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت اور دعوتِ توحید سے سارا مکہ آتشِ زیر پا ہوگیا۔ انہوں نے اسلام کی شمع کو گل کرنے کا مصمّم ارادہ کر لیا۔ وہ سلیم الطبع لوگ جو کفر و شرک کی عفونتوں سے دل برداشتہ ہو گئے تھے اور حق کے حسن سے مسحور ہو کر دامنِ حبیبِ کبریا علیہ التحیۃ والثناء میں پناہ لے لیتے ان پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی جاتی۔ بعض لوگ اسلام کی صداقت کے تو معترف تھے لیکن ان مظالم کو برداشت کرنے کی ہمّت ان میں نہ تھی۔ اس لیے ان حالات میں اپنی قسمت کو اسلام کے ساتھ وابستہ کرنا قرینِ دانشمندی نہیں سمجھتے تھے۔ بعض اس قسم کے بھی لوگ تھے جنہوں نے اسلام کو قبول کیا لیکن مصائب و آلام کی آندھیوں میں وہ اپنی شمعِ ایمان روشن نہ رکھ سکے۔ ان سب لوگوں کو بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں صرف وہی لوگ سرفراز ہوتے ہیں جو آزمائش کی کٹھن گھڑیوں میں ثابت قدم رہتے ہیں اور امتحان میں کامیاب ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ جو زبان سے اسلام کا دم بھرتے ہیں اور ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن امتحان کے میدان میں صبر و استقامت کا مظاہرہ نہیں کر سکتے وہ قطعاً قابلِ التفات نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یہی سُنّت ہے۔ اور یہی کسوٹی ہے جس پر اس نے اہلِ ایمان کو پہلے بھی پرکھا اور قیامت تک پرکھے گا۔

۲۔ کُفّارِ مکّہ کو اپنے بے شمار خداؤں پر بڑا گھمنڈ تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ جب اتنے خدا ہماری پُشت پناہی کرنے کے لیے موجود ہیں تو ہمیں محمد (روحی فداہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ایک خدا سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس کے علاوہ مادی وسائل کی بھی ان کے ہاں کمی نہ تھی۔ وہ کعبہ کے متولّی اور خدمتگار تھے۔ سب قبائل ان کی دل سے عزت کرتے اور کسی ہنگامی موقع پر ان کے ادنیٰ اشارہ پر شمشیر بکف میدان میں آنے کے لیے تیار رہتے۔ شجاعت و مردانگی اور جنگی مہارت میں بھی ان کا جواب نہ تھا۔ ان حالات کے پیشِ نظر انہیں اپنے مستقبل کے بارے میں کوئی تشویش نہ تھی۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ ان کا قلعہ اتنا

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جلد 7، جز 13، ص 323

مستحکم اور محفوظ ہے کہ اس پر کوئی یلغار کارگر ثابت نہیں ہوسکتی۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہیں کہ اے حبیب! اِن کے یہ سارے آسرے، اِن کے یہ سارے سہارے مکڑی کے جالے کی مانند ہیں وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ (1) اور تمام گھروں سے کمزور ترین گھر مکڑی کا گھر ہی ہے۔ جو ایسے کمزور اور بودے گھر میں بستا ہو اور پھر قہرِ خداوندی کی بجلیوں کو دعوت دے رہا ہو اس سے زیادہ احمق بھی کوئی اور ہوسکتا ہے؟

۳۔ اس کے بعد دلائل توحید بیان کیے گئے جو آسان اور زود فہم ہونے کے ساتھ ساتھ اتنے مؤثر ہیں کہ خود بخود قلب و روح میں نقش ہوتے چلے جاتے ہیں لیکن ان سے فائدہ وہی شخص اٹھاتا ہے جس کے دل میں حق کی طلب ہو اور جس کی آنکھوں پر تعصّب کی پٹی بندھی ہوئی نہ ہو۔

۴۔ آخر میں ''وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا'' (2) فرما کر اس جانگسل اور کٹھن راہ کے مسافروں کی تسکین اور حوصلہ افزائی کی انتہا فرمادی۔ واقعی اللہ تعالیٰ بڑا بندہ نواز اور ذرّہ پرور ہے وہ اپنے چاہنے والوں کو کبھی تنہا نہیں چھوڑتا۔

سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ

1۔ سورۃ العنکبوت: 41 | 2۔ سورۃ العنکبوت: 49

سُوْرَۃُ الْعَنْکَبُوْتِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ تِسْعٌ وَّسِتُّوْنَ اٰیَۃً وَّسَبْعُ رُکُوْعَاتٍ

سورۃ العنکبوت مکی ہے اور اس کی ۶۹ آیتیں اور ۷ رکوعات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

الٓمّٓ ۞ ﴿۱﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْۤا اَنْ یَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَهُمْ

الف۔لام میم ۱؎ کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ انھیں صرف اتنی بات پر چھوڑ دیا جائیگا کہ وہ کہیں ہم ایمان لے آئے اور انھیں

لَا یُفْتَنُوْنَ ﴿۲﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ

آزمایا نہیں جائے گا ۲؎ اور بیشک ہم نے آزمایا تھا ان لوگوں کو جو ان سے پہلے گزرے ۳؎ پس اللہ تعالےٰ ضرور

۱؎ حروفِ مقطّعات ہیں۔

۲؎ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان لانا اور حضورؐ کے دامن سے وابستہ ہونا کفارِ مکہ کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا تھا۔ خون اور قرابت کے سارے رشتے، دوستی اور محبت کے سارے تعلقات ٹوٹ جاتے حتیٰ کہ مروّت و احسان کے سارے احساسات بھی یک قلم ختم ہو جاتے۔ حق قبول کرنے کے جرم میں ان پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی جاتی۔ کئی کمزور طبع لوگ اسلام کی صداقت پر یقین رکھنے کے باوجود اسے قبول کرنے کی ہمت نہ کر سکتے۔ مئے توحید سے سرشار ہو کر ہر قسم کی اذیتوں کو بخوشی برداشت کرنے والوں کو اللہ تسلی دے رہے ہیں کہ ہماری یہ سنت ہے کہ ہم ہر ایمان لانے والے کو آزمائش کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔ صرف کسی کا یہ کہہ دینا کہ میں مومن ہوں کافی نہیں۔ اس لیے امتحان کے ان مرحلوں کو ہمّت، صبر اور عزم سے طے کرتے جاؤ۔ اس کا انجام بڑا دل خوش کن ہوگا۔

۳؎ پہلے جو ایمان لائے ان کو بھی ہم نے اسی طرح آزمایا جس طرح تم آزمائے جا رہے ہو۔ حضرت خباب بن الارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کعبہ کے سایہ میں اپنی چادر سے تکیہ لگائے تشریف فرما تھے کہ ہم نے حاضرِ خدمت ہو کر عرض کی: یا رسول اللہ! ہم پر مصائب کی حد ہو گئی۔ کیا حضور ہمارے لیے دعا نہیں فرماتے۔ حضور نے فرمایا: یہ مصیبتیں صرف تم ہی برداشت نہیں کر رہے ہو بلکہ تم سے پہلے کفار کا یہ طریقہ تھا کہ مومن کو پکڑتے۔ اس کے لیے ایک گڑھا کھودتے پھر اس گڑھے میں اسے کمر کمر تک گاڑ دیتے پھر آری لا کر اس کے سر پر چلائی جاتی اور کاٹ کر اس کے دو حصے کر دیئے جاتے۔ بعض پر لوہے کی کنگھیاں چلائی جاتیں۔ ان کے گوشت اور ہڈیوں کو ادھیڑ کر رکھ دیا جاتا۔ اس کے باوجود وہ مومن اپنے

اللّٰهُ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا وَ لَیَعۡلَمَنَّ الۡکٰذِبِیۡنَ ﴿۳﴾ اَمۡ حَسِبَ

دیکھے گا کہ ۴ انھیں جو (دعوائے ایمان میں) سچے تھے اور ضرور دیکھے گا (ایمان کے) جھوٹے (دعویداروں) کو کیا خیال کر رکھا ہے

الَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ السَّیِّاٰتِ اَنۡ یَّسۡبِقُوۡنَا ؕ سَآءَ مَا یَحۡکُمُوۡنَ ﴿۴﴾

انھوں نے جو کر رہے ہیں بُرے کرتوت کہ وہ ہم سے آگے نکل جائیں گے ۵ بڑا غلط فیصلہ ہے جو وہ کر رہے ہیں۔

مَنۡ کَانَ یَرۡجُوۡا لِقَآءَ اللّٰہِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ لَاٰتٍ ؕ وَ ہُوَ

جو شخص امید رکھتا ہے اللہ تعالیٰ سے ملنے کی تو (وہ سن لے) کہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا وقت ضرور آنیوالا ہے

السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۵﴾ وَ مَنۡ جَاہَدَ فَاِنَّمَا یُجَاہِدُ لِنَفۡسِہٖ ؕ

اور وہی ہر بات سننے والا، ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ اور جو شخص کوشش کرتا ہے (حق کو سربلند کرنے کی) تو وہ اپنے فائدہ کے لیے

دین پر ثابت قدم رہتے۔ اے خبّاب! اللہ کی قسم! یہ دین ہر سو پھیلے گا۔ اس کے ظلِ ہمایوں میں اتنا امن و امان ہوگا کہ صنعا سے چل کر ایک شخص حضر موت تک سفر کرے گا اور اللہ تعالیٰ کے سوا اسے کسی کا خوف نہ ہوگا۔ آخر میں فرمایا وَلٰکِنَّکُمۡ تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ۔ لیکن تم جلد بازی سے کام لیتے ہو۔ (1)

۴ علامہ قرطبیؒ اس کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: فَلَیُرِیَنَّ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا فِیۡ اِیۡمَانِہِمۡ (2) یعنی اللہ تعالیٰ جن لوگوں کے صدق اور کذب کو اپنے علمِ ازلی قدیم سے جانتا ہے اس کو عالمِ واقع میں ظہور پذیر ہوتے دیکھ لے۔ علامہ پانی پتی اس کی تحقیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ لِیَتَعَلَّقَ عِلۡمُہٗ حَالِیًا یَّتَمَیَّزُ بِہِ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا فِی الۡاِیۡمَانِ مِنَ الَّذِیۡنَ کَذَبُوۡا فِیۡہِ وَیَنُوۡطُ بِہٖ ثَوَابُہُمۡ وَعِقَابُہُمۡ (مظہری) (3)۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے علمِ ازلی سے ہر شخص کے جملہ احوال کو از اوّل تا آخر جانتا ہے۔ فلاں نیک کام کرے گا۔ فلاں بدکاریوں میں مشغول رہے گا۔ فلاں اس سن میں جہاد کرے گا۔ فلاں اس سال میں قتل کرے گا وغیرہ۔ لیکن اس علمِ قدیم پر جزاء و سزا مرتب نہیں ہوتی۔ مثلاً جس کا قاتل ہونا اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ اسے ارتکابِ قتل سے پہلے سولی نہیں دے دیا جائے گا۔ اسی طرح مجاہد کو اس کا اجر میدانِ جہاد میں دادِ شجاعت دینے کے بعد ملے گا۔ اس لیے یہاں علم سے مراد وہ علم ہے جس کے بعد کوئی شخص اپنے نیک و بد اعمال کے لیے جزاء اور سزا کا حقدار ہوتا ہے۔ مزید تحقیق کے لیے ضیاء القرآن جلد اوّل سورۂ بقرہ کا حاشیہ ۱۶۴ ملاحظہ فرمائیے۔

۵ یعنی کیا بدکردار لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ جب ہم ان کو سزا دینے کا ارادہ کریں گے تو وہ کہیں بھاگ جائیں گے اور ہم انہیں پکڑ نہ سکیں گے؟ انہیں چاہیے کہ اس غلط فہمی کو اپنے دل سے نکال دیں۔ جب ہمارا عذاب انہیں گھیر لے گا تو وہ مارے

1۔ صحیح البخاری، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، کتاب المناقب، ج 1، ص 510، وزارت تعلیم
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 13، ص 325
3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 190

إِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

ہی کو شاں ہے ۶؎ بیشک اللہ تعالیٰ غنی ہے تمام کائنات سے ۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے

الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ

تو ہم دُور کر دیں گے ان سے ان کی بُرائیوں (کی نحوست) کو اور ہم انھیں بہت عمدہ بدلہ دیں گے ان (اعمالِ حسنہ)

الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ

کا جو وہ کیا کرتے تھے ۷؎ اور ہم نے حکم دیا انسان کو کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ

حُسْنًا ؕ وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ

اچھا سلوک کرے ۸؎ اور اگر وہ یہ کوشش کریں تیرے ساتھ کہ تو شریک بنائے کسی کو میرا جس کے متعلق تجھے کوئی علم نہیں

فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

تو (اس بات میں) انکی اطاعت نہ کر ۹؎ میری طرف ہی تمھیں لوٹنا ہے۔ پھر میں آگاہ کرونگا تمھیں ان اعمال سے جو تم کیا کرتے تھے

دہشت کے اپنی جگہ سے ہل ہی نہ سکیں گے چہ جائیکہ وہ بھاگ کر ہم سے روپوش ہو جائیں۔

۶؎ جو شخص اسلام کی سربلندی کے لیے مصروفِ جہاد رہتا ہے وہ خداوندِ کریم پر احسان نہیں کر رہا بلکہ اس میں سراسر اس کا اپنا فائدہ ہے، کیونکہ اگر اس نے جہاد نہ کیا اور کافر غالب آگئے تو اس کی آزادی چھن جائے گی، اسے غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا جائے گا، اس کا گھر بار، مال ومتاع تاخت وتاراج کر دیا جائے گا، اس کی آبرو خاک میں مل جائے گی اور یہ بھی ممکن ہے کہ سفاک اور خدا ناترس دشمن اس کو اسلام چھوڑنے پر مجبور کر دے۔ ان تمام حالات میں نقصان اسی کا ہو گا۔ جہاد کی اہمیت کی طرف کس عمدگی سے توجہ دلائی گئی ہے۔

۷؎ جو لوگ صدقِ دل سے ایمان لے آتے ہیں اور پھر اعمالِ صالحہ سے اسے آراستہ کرتے ہیں ہم ان کی غلطیوں اور گناہوں کو اپنے دامنِ رحمت سے ڈھانپ دیں گے۔ کسی عیب چین کو پتہ ہی نہ لگ سکے گا کہ کبھی اس کی سیرت کا دامن اتنا داغدار تھا۔ اَیْ لَنُغَطِّيَنَّهَا عَنْهُمْ بِالْمَغْفِرَةِ لَهُمْ (قرطبی)(1)۔ علامہ پانی پتی نے لکھا ہے نُذْهِبُ سَيِّاٰتِهِمْ بِحَسَنَاتِهِمْ(2) ہم ان کی بُرائیوں کو نیکیوں سے مٹا دیں گے۔

۸؎ قرآنِ حکیم میں ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنے، ان کی خدمت و دلجوئی میں کوشاں رہنے کا بار بار حکم دیا گیا

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 328
2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 92-191

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ⑨

اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال بھی کیے تو ہم ضرور شامل کر لیں گے۔ انھیں نیکوں (کے زمرہ) میں نا

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ

اور بعض لوگ ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے اللہ تعالیٰ پر۔ پھر جب ستایا جاتے اسے راہِ خدا میں تو بنا لیتا ہے لوگوں

فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ

کی آزمائش کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کے برابر ۱۱ اور اگر آجاتے نصرت آپکے رب کی طرف سے تو وہ کہنے

ہے جس طرح متعدد مقامات پر اس کا تفصیلاً ذکر ہو چکا ہے۔ یہاں پھر اس ارشادِ گرامی کو دہرایا جا رہا ہے۔ وَصَّيْنَا: اَمَرْنَا۔ یعنی ہم نے حکم دیا۔

۹ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی تائید کرنے کے بعد یہ امر بھی واضح کر دیا کہ اگر والدین بھی شرک کا حکم دیں تو یہ حکم ان کا بھی نہ مانا جائے۔ یہ درست ہے کہ ماں باپ کے بڑے حقوق ہیں لیکن اللہ کا حق دنیا بھر کے حقداروں کے حقوق سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ یہ آیت میرے حق میں نازل ہوئی۔ میں اپنی ماں کا بڑا فرمانبردار اور خدمت گزار تھا۔ جب میں مشرّف باسلام ہوا تو میری ماں نے کہا: یا تو تم اپنے نئے دین کو چھوڑ دو ورنہ میں کھانا پینا چھوڑ دونگی اور اسی طرح بھوکی پیاسی مر جاؤں گی۔ پھر لوگ تمہیں یہ کہہ کر عار دلائیں گے یَا قَاتِلَ اُمِّہٖ۔ اے اپنی ماں کے قاتل۔ دو دن تو میں نے انتظار کیا کہ جب اسے بھوک تنگ کرے گی خود بخود کھانا کھالے گی لیکن میں نے دیکھا کہ وہ اپنی ضد پر قائم ہے تو میں نے اس کو صاف الفاظ میں بتا دیا: یَا اُمَّاهُ لَوْ كَانَتْ لَكِ مِائَةُ نَفْسٍ فَخَرَجَتْ نَفْسًا نَفْسًا مَا تَرَكْتُ دِيْنِيْ۔ اے ماں! اگر ایک کے بجائے تیری سو جانیں ہوں اور بھوک کی وجہ سے وہ ایک ایک کر کے بھی نکل جائیں تب بھی میں اپنا دین نہیں چھوڑوں گا۔ اس نے میرا یہ عزمِ مصمّم دیکھا تو اس نے کھانا شروع کر دیا۔(1)

۱۰ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی سنگت اور ان کی معیت بہت بڑی نعمت ہے اور ایمان اور عملِ صالح کی بہترین جزاء ہے۔

۱۱ وہ لوگ جو اسلام کی پاکیزہ تعلیمات سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ راستہ ہموار ہے۔ یہاں کوئی نشیب و فراز نہیں۔ کوئی زحمت گوارا کیے بغیر منزلِ مقصود تک پہنچ جائیں گے لیکن ان کی توقع کے خلاف جب مصائب و آلام کے کالے بادل گھر کر آجاتے ہیں تو اس وقت وہ اپنے بچاؤ کی خاطر اسلام سے اپنا رشتہ توڑ لیتے ہیں۔ ان کے متعلق فرمایا جا رہا ہے کہ انہیں رحمتِ الٰہی سے محروم کر دیا جائے گا۔ کیونکہ دشمنانِ اسلام کے ظلم و ستم سے تو وہ خائف ہو گئے لیکن اللہ تعالیٰ کے

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 192۔ معالم التنزیل، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 386، مطبوعہ دار الفکر، بیروت

لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۭ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ

لگتے ہیں ہم تو تمھارے ساتھ تھے ۱۲ کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہر اُس چیز کو جو لوگوں کے سینوں میں

الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ۝۱۱

(پنہاں) ہے اور ضرور دیکھ لے گا اللہ تعالیٰ انھیں جو ایمان لاتے اور ضرور دیکھ لے گا منافقوں کو۔ اور

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ

کہا کافروں نے ۱۳ ایمان والوں سے تم چلو ہماری راہ پر اور ہم اُٹھا لیں گے

خَطٰيٰكُمْ ۭ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ اِنَّهُمْ

تمھارے گناہوں (کے بوجھ) کو۔ اور وہ نہیں اٹھا سکتے ان کے گناہوں سے کچھ بھی ۱۴ وہ بالکل جھوٹ

لَكٰذِبُوْنَ ۝۱۲ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۡ وَ

بول رہے ہیں۔ اور وہ ضرور اٹھائیں گے اپنے بوجھ ۱۵ اور دوسرے کئی بوجھ اپنے (گناہوں کے) بوجھوں کے

قہر وغضب سے انہیں ڈر نہ آیا۔ محض اپنی جان بچانے کے لیے یا دیگر مالی منفعتوں کی خاطر انہوں نے عہدِ وفا توڑ ڈالا۔ وہ اس قابل نہیں کہ انہیں بلالؓ وصہیبؓ ، عمارؓ و یاسرؓ جیسے عاشقانِ باوفا کے زُمرہ میں شامل کیا جائے۔ یہ عشق کی توہین ہے۔ یہ حسنِ ازل کی ناقدری ہے اور خدائے غیور اس کو برداشت نہیں کرتا۔

۱۲ جو لوگ ہوا کا رُخ دیکھ کر اپنے نظریات وعقائد میں ردوبدل کر لینے کے خوگر ہیں اگر وہ اسلام قبول کرنے کا اقرار بھی کر لیں جبکہ انہیں اپنی جان اور اپنے مال کا کوئی خطرہ نہ ہو تو ان کا اقرار قابلِ اعتماد نہیں۔ یہ کھوٹے سکّے ہیں، اخلاص ووفا کے بازار میں چلنے کے قابل نہیں۔

۱۳ کفار مسلمانوں کو کہا کرتے کہ پہلے تو عقل اس کو تسلیم ہی نہیں کرتی کہ مرنے کے بعد ہمیں پھر زندہ کیا جائے گا اور ہمیں اپنے نیک اور بُرے عملوں کی کوئی جزا یا سزا ملے گی۔ بفرضِ محال اگر ایسا ہوا بھی تو ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم تمہارے گناہوں کا بوجھ بھی خود اٹھا لیں گے۔ اس لیے تم بے فکر ہو جاؤ اور اس دین کو چھوڑ کر اپنے پرانے مذہب پر ہی کاربند رہو۔ دنیا تو ظاہر ہے کہ آرام اور ٹھاٹھ باٹھ سے گزارو گے۔ باقی رہی قیامت تو اس کے لیے تمہیں فکر مند ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں، ہم خود نمٹ لیں گے۔

لَيُسۡـَٔلُنَّ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ ﴿۱۳﴾ وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا

ساتھ۔ اور ان سے باز پرس ہو گی قیامت کے دن ان (جھوٹوں) کے متعلق جو وہ گھڑا کرتے تھے۔ اور بیشک ہم نے بھیجا نوح

اِلٰى قَوۡمِهٖ فَلَبِثَ فِيۡهِمۡ اَلۡفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمۡسِيۡنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ

(علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف تو وہ ٹھہرے رہے ان میں پچاس کم ہزار سال[16] آخر کار آلیا انہیں

۱۴ کتنا سفید جھوٹ بول رہے ہیں۔ ان سے تو اپنا بوجھ بھی نہ اٹھایا جا سکے گا چہ جائیکہ وہ کسی دوسرے کا بوجھ اُٹھانے کی طاقت رکھتے ہوں۔

۱۵ البتہ جن لوگوں کو انہوں نے گمراہ کیا، اپنے گناہوں کے بارگراں کے ساتھ ساتھ ان کی پُشت پر ان گمراہ ہونے والوں کا بوجھ بھی لاد دیا جائے گا۔ کیونکہ ان کے گمراہ ہونے میں ان گمراہ کرنے والوں کا بھی حصہ ہے۔ بلکہ ان کی گمراہی ان کی کوشش کا نتیجہ ہے۔ اس لیے گویا یہ بھی ان ہی کا عمل ہے اور وہ اس کی سزا کے بجا طور پر مستحق ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ مَنۡ دَعَا اِلٰی ھُدًی فَاتُّبِعَ عَلَیۡہِ وَعَمِلَ بِہٖ فَلَہٗ مِثۡلُ اُجُوۡرِ مَنِ اتَّبَعَہٗ وَلَا یَنۡقُصُ ذٰلِکَ مِنۡ اُجُوۡرِھِمۡ شَیۡئًا وَ اَیُّمَا دَاعٍ دَعَا اِلٰی ضَلَالَۃٍ فَاتُّبِعَ عَلَیۡھَا وَعَمِلَ بِھَا بَعۡدَہٗ فَعَلَیۡہِ مِثۡلُ اَوۡزَارِ مَنۡ عَمِلَ بِھَا مِمَّنِ اتَّبَعَہٗ لَا یَنۡقُصُ ذٰلِکَ مِنۡ اَوۡزَارِھِمۡ شَیۡئًا۔ (قرطبی)(1)

ترجمہ: نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا: جس نے ہدایت کی طرف لوگوں کو دعوت دی اور لوگوں نے اس ہدایت کو قبول کیا اور اس پر عمل کیا تو سارے عمل کرنے والوں کا ثواب اس داعی کو ملے گا اور ان کے ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں ہو گی اور جس نے گمراہی کی دعوت دی اور لوگوں نے اسے قبول کیا اور اس کے مطابق عمل کیا تو سب گمراہوں کی گمراہی کا بوجھ اس پر لادا جائے گا اور ان کے بوجھ میں بھی ذرا کمی نہیں ہو گی۔

۱۶ جب انسان کو کسی اچھے کام کے لیے شدائد و مصائب برداشت کرنے کی تلقین کی جا رہی ہو اور پھر اس کے سامنے ایک ایسے شخص کی مثال بیان کر دی جائے جس نے آزمائشوں اور تکلیفوں میں صبر و استقامت کا بہترین نمونہ پیش کیا ہو تو انسان بڑی تسکین محسوس کرنے لگتا ہے اور اس کی ہمت بلند ہو جاتی ہے۔ وہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ مجھ سے پہلے بھی مردانِ خدا پر امتحان کی گھڑیاں آئیں اور انہوں نے اپنے ایمان و یقین کی پختگی کا یوں شاندار مظاہرہ کیا۔ اسی مقصد کے پیشِ نظر اس موقع پر حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر فرمایا۔ کیونکہ جس اُجڈ قوم سے آپ کو واسطہ پڑا تھا اور جتنا طویل عرصہ، دس، بیس یا سو دو سو سال نہیں پوری ساڑھے نو صدیاں ان کے ظلم و ستم کو سہتے ہوئے گزاری تھیں لیکن اپنی روش اور عزیمت میں ذرا لچک نہ آنے دی۔ اس وقت کے حالات کے مطابق یہ بہترین مثال تھی بلکہ قیامت تک اہلِ حق کے لیے اس میں صبر، ہمت اور ثابت قدمی کا ایک دل نشیں درس ہے۔ کہتے ہیں آپ نے اپنی رہائش کے لیے سرکنڈوں کا ایک مکان بنایا ہوا تھا کسی نے عرض کی: حضرت! کوئی پختہ اور عمدہ مکان بنائیے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 331

الطُّوفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَ

طوفان نے ۱۷ اس حال میں کہ وہ ظالم تھے ۔پس ہم نے نجات دے دی نوح کو اور کشتی والوں کو اور

جَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۵﴾ وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا

ہم نے بنا دیا اس کشتی کو ایک نشانی سارے جہان والوں کے لیے ۔اور ابراہیم کو یاد کرو جب آپ نے فرمایا اپنی قوم کو کہ عبادت کرو

اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ۚ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ

اللہ تعالیٰ کی ۱۸ اور اس سے ڈرتے رہا کرو ۔یہی بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم (حقیقت کو) جانتے ہو ۔تم تو پوجا کرتے ہو

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ

اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کی اور تم گھڑا کرتے ہو بڑا جھوٹ ۔ بیشک جن کو تم پوجتے ہو

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ

اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر وہ مالک نہیں تمہارے رزق کے پس طلب کیا کرو اللہ تعالیٰ سے رزق کو ۱۹

فرمایا: هٰذَا كَثِيْرٌ لِّمَنْ يَّمُوْتُ: جس نے موت کا پیالہ پینا ہے اسے اتنا ہی کافی ہے (1)۔ عبدالوہاب نجار نے قصص الانبیاء میں آپ کا یہ نسب نامہ بیان کیا ہے: نوح بن لامك بن متوشالح بن اخنوح وهو ادريس بن يارد بن مهلئيل بن قينان بن انوش بن شيث بن آدم عليه السلام (2)۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ۔

۱۷ جب سمجھاتے سمجھاتے ساڑھے نو سو سال کا طویل عرصہ گزر گیا لیکن انہوں نے ہدایت کو قبول نہ کیا تو انہیں اس مسلسل نافرمانی کی پاداش میں غرق کر دیا گیا اور نوحؑ اور آپ کے غریب ساتھیوں کو بچا لیا گیا جنہیں دیکھ کر کفار حقارت سے آنکھیں پھیر لیا کرتے تھے اور انہیں خاطر میں ہی نہ لاتے تھے۔ نوح کا ذکر مفصّل طور پر سورۂ اعراف، ہود، المومنون، الشعراء میں گزر چکا ہے۔ ملاحظہ فرمایا جائے۔

۱۸ اب ابوالانبیاء جدِ حبیبِ کبریا علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ذکر فرمایا جارہا ہے کہ انہوں نے اپنی بت پرست قوم کو اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانے کی یوں دعوت دی۔

۱۹ یہاں بت پرست قوموں کی ایک مخصوص ذہنیت کو واضح کیا جارہا ہے کہ انہوں نے پتھر اور مختلف دھاتوں سے بنے ہوئے ان بتوں کو جو خدا بنا رکھا تھا تو اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ یہ بت انہیں راہِ ہدایت پر چلنے کی تلقین کرتے تھے۔ انہیں برائیوں سے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 333

2۔ قصص الانبیاء، ص 30، مطبوعہ المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، مصر

وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۱۷ وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ

اور اس کی عبادت کیا کرو ۲۰ اور اس کا شکر ادا کیا کرو اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے ۲۱ اور اگر تم جھٹلانے ہو تو یہ کوئی

كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝۱۸

نئی بات نہیں) ۲۲ جھٹلایا (اپنے نبیوں کو) ان اُمتوں نے بھی جو تم سے پہلے تھیں۔ اور رسول پر فرض نہیں بجز اس کے کہ وہ (اللہ کا

روکتے تھے یا ان کے معاشرہ کو فسق و فجور سے پاک کرنے کے اصول بتاتے تھے یا ان کی روحانی قوتیں ان کی توجہ سے نشوونما پاتی تھیں ان میں سے کوئی چیز بھی انہیں ان بتوں سے حاصل نہیں ہوتی تھی اور سچ تو یہ ہے کہ ان چیزوں کی ان کی نظروں میں کوئی اہمیت بھی نہ تھی اور نہ ان کی طلب کا ولولہ ان کے دلوں میں کبھی پیدا ہوا تھا۔ ان کے سامنے دولت کا حصول ہی مقصدِ حیات بن کررہ گیا تھا۔ وہ بتوں کے سامنے اس لیے آکر ماتھا ٹیکتے، ان کی پوجا کرتے، ان کے بھجن گاتے کہ ان کا کاروبار ترقی کرے۔ ان کی دولت میں اضافہ ہو۔ اس لیے ان کی ذہنی سطح کے مطابق انہیں سمجھایا جارہا ہے کہ جس رزق کے لیے تم ان کے چرنوں میں آکر سیس جھکاتے ہو ان کے پاس تو اس کا ایک دانہ تک نہیں۔ یہ بیچارے اندھے، بہرے بے جان مجسمے تمہیں کچھ بھی نہیں دے سکتے۔ اگر صرف دولت کی ہی طلب ہے تو خداوندِ ذوالجلال کی بارگاہِ عظمت میں حاضر ہو کر دامن پھیلاؤ جس کے پاس رزق کے خزانے بھرے پڑے ہیں اور جو بڑا سخی اور کریم ہے۔ جس کی شانِ کریمی یہ گوارا ہی نہیں کرتی کہ کوئی خالی ہاتھ اس کے سامنے اٹھائے اور وہ انہیں یونہی خالی واپس کردے۔ جو کچھ تمہارے پاس فی الحال موجود ہے وہ بھی ربِّ کریم کی عطا ہے اور مزید کچھ لینا ہے تو اسی سے مانگو وہی دے گا۔

۲۰ رزق اور دولت کوئی ایسی چیز نہیں کہ انسان لے کر اس پر قانع ہو جائے بلکہ اس کی عبادت کرو اور مقامِ عبدیت کی رفعتوں تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ اسی میں انسانی عظمت کا راز مضمر ہے۔ یہی کمالِ انسانیت ہے کہ انسان اپنی حقیقت کو سمجھ لے اور اللہ تعالیٰ کا عرفان اسے حاصل ہو جائے۔ اے خود فراموشو! کہاں مارے مارے پھر رہے ہو؟ اس نے بن مانگے جن گراں بہا نعمتوں، زندگی، صحت وغیرہ سے تمہیں سرفراز فرمایا ہے ان کا شکریہ ادا کرو۔ وہ ان نعمتوں سے بھی اعلیٰ نعمتوں کے خزانے تمہارے لیے کھول دے گا۔

۲۱ اگر عمر بھر اپنے معبودِ برحق سے منہ موڑے رہے اور دنیا کی فانی لذتوں کے حصول میں ہی مگن رہے تو یاد رکھو تمہیں ایک دن اس کے حضور میں پیش کیا جائے گا۔ اس دن تمہیں معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر جو فرمایا کرتے تھے وہی سچ تھا۔

۲۲ حضرت ابراہیمؑ نے جب کفر پر ان کے اصرار اور حق سے ان کے عناد کو دیکھا تو فرمایا کہ میرے لیے تمہارا یہ رویہ قطعاً باعثِ حیرت نہیں۔ مجھ سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ کے جو رسول آئے ان کی قوموں نے ان کے ساتھ یہی سلوک کیا جو تم میرے ساتھ کررہے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جو عبرتناک انجام ان کا ہوا تمہیں بھی اس سے دوچار ہونا پڑے۔ رسول کا فرض تو یہ ہے کہ وہ بڑے

أَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللَّهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى

حکم صاف طور پر پہنچا دے۔ کیا انہوں نے کبھی نہیں دیکھا کہ کس طرح آغاز فرماتا ہے اللہ تعالیٰ پیدا کرنے کا پھر وہ (کس طرح)

اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿١٩﴾ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ

اس کا اعادہ کرتا ہے۔ بلاشبہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے لیے بالکل آسان ہے۔ فرمائیے سیر و سیاحت کرو زمین میں ۲۳ اور غور سے دیکھو

ثُمَّ اللَّهُ يُنشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٠﴾

کس طرح اس نے خلق کی ابتدا فرمائی پھر اللہ تعالیٰ (اسی طرح) پیدا فرمائے گا دوسری بار بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے

يُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَيَرْحَمُ مَن يَشَاءُ ۖ وَإِلَيْهِ تُقْلَبُونَ ﴿٢١﴾

سزا دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور رحم فرماتا ہے جس پر چاہتا ہے ۲۴ اور اسی کی طرف تم پھیرے جاؤ گے۔

اخلاص اور کمال دلسوزی سے حق کی دعوت دے۔ بہر حال وہ فرض میں نے پوری طرح ادا کر دیا ہے۔

۲۳۔ قُلْ میں خطاب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہے (1) یا سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو۔ مقصد یہ ہے کہ اے منکرینِ قیامت! تم مختلف ممالک کی سیر کرو۔ وہاں تمہیں رنگارنگ مخلوق نظر آئے گی جو اپنی شکل و صورت، اپنی خصوصیات، اپنے اثرات وغیرہ سے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے۔ غور کرو جس قادرِ مطلق نے ان کو یہ خوبیاں اور مخصوص صلاحیتیں عطا فرما کے پیدا کیا ہے اس کے لیے کیا مشکل ہے کہ وہ پھر انہیں زندہ کر دے۔

۲۴۔ وہ جس کو چاہتا ہے عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اس کو اپنی رحمتِ بے پایاں سے خورسند کر دیتا ہے۔ عارف پانی پتی لکھتے ہیں کہ عذابِ الٰہی کی متعدد صورتیں ہیں۔ قیامت کے دن دوزخ میں پھینک دینا بھی عذاب ہے اور دنیا میں ذلیل و خوار کرنا، دل میں حرص و طمع پیدا کر دینا، بدخلق بنا دینا، اپنی یاد اور ذکر سے دل کو پھیر دینا، اتباعِ سنت کے بجائے بدعات کا شیدائی بنا دینا، یہ سب اس کے عذاب کی متنوع شکلیں ہیں (2)۔ الٰہی! تجھے واسطہ ہے اپنے محبوب بندے محمد مصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ اجمل الثناء کا کہ اس رُوسیاہ اور خطا کار کو اپنے ہر قسم کے عذاب سے بچا لے۔ میرے ماں باپ کو بھی اور میری ذریّت کو بھی اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ساری اُمّت کو بھی اپنے ہر قسم کے عذاب سے محفوظ فرما، یا ارحم الراحمین! جس طرح اس کے عذاب کی کئی صورتیں ہیں اسی طرح اس کی رحمت کے بھی کئی انداز ہیں۔ آخرت میں جنت الفردوس میں داخل کرنا، اپنے دیدار کی نعمت بخشنا، دنیا میں اپنی مدد سے سرفراز رکھنا، قناعت و حسنِ خُلق کے زیور سے آراستہ کرنا، اپنی محبت اور اپنی یاد کی طرف دل کو مائل کرنا اور

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 196 2۔ ایضاً، ج 7، ص 197

وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ ۡ وَمَا لَكُمْ

اور نہیں ہو تم بے بس کرنے والے (اللہ تعالیٰ کو) زمین میں (بھاگ کر) اور نہ آسمان میں (پناہ لے کر) ۲۵؎ اور نہیں ہے تمھارے

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۲۲﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ

لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار۔ اور جن لوگوں نے انکار کیا اللہ تعالیٰ کی آیات کا

اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِىْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ

اور اس کی ملاقات کا، وہ لوگ مایوس ہو گئے ہیں میری رحمت سے اور وہی لوگ ہیں جن کے لیے

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۳﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ

عذاب الیم ہے۔ آپ کی قوم سے کوئی جواب نہ بن آیا بجز اس کے کہ انھوں نے کہا کہ اسے قتل کر ڈالو

اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ۭ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

یا اسے جلا دو۔ سو بچا لیا اسے اللہ تعالیٰ نے آگ سے ۲۶؎ بیشک اس واقعہ میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے

اور اپنے حبیبِ معظّم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنّت پر عمل کرنے کی توفیق بخشنا۔ الٰہی! اپنے حبیبِ کریم علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کے صدقے اس رُوسیاہ اور خطاکار کو اپنی ہر قسم کی رحمتوں سے بہرہ ور فرما۔ میرے ماں باپ کو بھی، میری ذرّیّت کو بھی اور فخرِ عرب و عجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری امت کو بھی۔ آمین یارب العالمین یا اکرم المسؤلین۔

۲۵؎ تم یہ چاہو کہ زمین و آسمان میں کوئی گوشہ تمہیں ایسا مل جائے جہاں تم اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ جاؤ۔ ناممکن۔

۲۶؎ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب انہیں توحید کی دعوت دی اور ناقابلِ تردید دلائل سے ان کے بتوں کی بے بسی کو اظہر من الشّمس کر دیا اور آخر وہ لاجواب ہو گئے تو انہوں نے اِن سے نمٹنے کے لیے باہمی مشورہ کیا۔ کسی نے رائے دی: اسے قتل کر دو۔ کسی نے کہا: انہیں آگ میں ڈال دو۔ آخر کار فیصلہ یہی ہوا کہ ایک بڑا الاؤ جلا کر اس میں انہیں پھینک دیا جائے۔ جل کر راکھ ہو جائے گا اور جان چھوٹ جائے گی۔ چنانچہ انہوں نے بڑے اہتمام اور مذہبی جوش وخروش سے ایندھن کے انبار لگا دیئے اور اسے آگ لگا دی۔ جب اس کے شعلے خوب بھڑک اٹھے اور انگارے خوب چٹخنے لگے تو آپ کو ایک منجنیق پر باندھ دیا۔ انہیں خیال تھا ابھی معافی مانگ لے گا۔ ابھی اپنے دین سے بیزاری کا اعلان کر دے گا۔ ان بیچاروں کو کیا خبر کہ جب ایمان کی شمع فروزاں ہو جاتی ہے، جب یقین کی قوت رگ و پے میں سما جاتی ہے تو انسان کیا سے کیا بن جاتا ہے۔ اس وقت وہ خطرات کی

يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ

جو ایمان لائے ہیں۔ اور ابراہیم نے کہا کہ تم نے بنا لیا ہے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کو باہمی محبت (و پیار) کا

بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ

ذریعہ اس دُنیوی زندگی میں ۲۷ پھر قیامت کے دن تم انکار کرو گے ایک دوسرے کا،

بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۫ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا

اور پھٹکار بھیجو گے ایک دوسرے پر اور تمہارا ٹھکانا آتش (جہنم) ہوگا اور نہیں ہوگا

لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ

تمہارا کوئی مددگار۔ تو ایمان لائے ان پر لوط ۲۸ اور ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا میں ہجرت

وقف لازم

ہولنا کیوں سے سراسیمہ نہیں ہوتا بلکہ وہ ان خطرات سے برسر پیکار ہونے میں بڑی لذت محسوس کرتا ہے۔ چنانچہ

ع بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق (1)

اور جب عشق نے اپنی پختگی کا ثبوت مہیّا کر دیا تو حسنِ ازل کی دلرُبائیوں کے بے نقاب ہونے کا وقت آ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل پر اس آگ کو گلزار بنا دیا۔ سورۃ الانبیاء اور دیگر مقامات پر یہ واقعہ تفصیلاً مذکور ہے۔

۲۷ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ آج تو تم ان بتوں کے پجاری ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ بڑی محبت اور پیار کا مظاہرہ کر رہے ہو اور کفر و شرک کے پرچم تلے جمع ہو کر تم نے میرے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کر لیا ہے لیکن قیامت کے روز تمہیں اس محبت اور دوستی کا انجام معلوم ہوگا، اس وقت تمہاری حالت دیدنی ہوگی۔ تم ایک دوسرے کو پہچانو گے بھی نہیں۔ ایک دوسرے پر پھٹکار بھیجو گے۔ ہر شخص دوسرے کو اس بدبختی اور عذابِ الیم میں مبتلا کرنے کا ذمہ دار ٹھہرائے گا۔ اس دن تم اپنے آپ کو بری الذمہ ثابت کرنے کے لیے بڑا شور مچاؤ گے۔ لیکن تمہاری فریاد سنی نہیں جائے گی اور تم سب کو ایک ساتھ دھکا دے کر آتشِ جہنم میں پھینک دیا جائے گا اور تم میں سے کوئی بھی کسی کی اعانت نہیں کر سکے گا۔ مَوَدَّةَ بَيْنِكُمْ اَىْ سَبَب مَوَدَّةِ بَيْنِكُمْ (مظہری) (2)

۲۸ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام آتشِ نمرود سے صحیح سلامت نکل آئے تو آپ نے پھر تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔ اور ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ اتنا عظیم الشان معجزہ دیکھنے کے باوجود بھی، انہیں حضرت ابراہیمؑ پر

1۔ کلیات اقبال، بانگ درا، ص 392، فضلی سنز، کراچی۔ 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 198

إِلَىٰ رَبِّيْ ۖ إِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۶﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ إِسْحٰقَ وَ

کرنیوالا ہوں اپنے رب کی طرف ۲۹؎ بیشک وہی سب پر غالب بڑا دانا ہے۔ اور ہم نے عطا فرمایا آپ کو اسحٰق (جیسا فرزند) اور

يَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ

یعقوب (جیسا پوتا)، ۳۰؎ اور ہم نے رکھ دی ان کی اولاد میں نبوّت اور کتاب۔ اور ہم نے دیا ان کو ان (کی جانثاری)

ایمان لانے کی توفیق نہ ہوئی۔ پہلے کی طرح اپنے کفروشرک پر ڈٹے رہے۔ ساری قوم میں ایک لوط ایسے شخص تھے جنہوں نے آپ کی صداقت کو تسلیم کیا اور آپ کی دعوت کو قبول کیا۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ حضرت لوط پہلے نعوذ باللہ اپنی قوم کی طرح شرک کے مرتکب رہے اور اب اس سے تائب ہو کر اللہ تعالیٰ کی توحید کے قائل ہوئے۔ کیونکہ آپ کو آگے چل کر شرفِ نبوت سے نوازا جانے والا تھا اور ہر نبی نبوت سے پہلے بھی کفروشرک اور قبائح اور رذائل سے پاک ہوتا ہے۔ اس لیے علامہ آلوسی لکھتے ہیں: اس آیت سے صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ اس قوم سے صرف لوط علیہ السلام آپ پر ایمان لائے اور آپ کے سوا کسی دوسرے کو یہ سعادت نصیب نہ ہوئی۔ (1)

۲۹؎ جب آپ اپنی قوم سے مایوس ہو گئے اور ان کے ایمان لانے کی کوئی توقع نہ رہی تو آپ نے اپنے وطن سے ہجرت کا عزم کر لیا۔ کیونکہ وہ زمین اتنی سنگلاخ تھی کہ وہاں ایمان کا درخت بارآور نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے وہاں مزید وقت صرف کرنا مناسب نہ تھا۔ آپ اپنے "شہر کوثا" سے ہجرت کر کے پہلے حرّان آئے۔ وہاں سے چل کر شام میں اقامت اختیار کی۔ اس سفر میں آپ کی اہلیہ حضرت سارہ اور آپ کے بھتیجے حضرت لوطؑ ہمراہ تھے۔ (2)

۳۰؎ یہاں تک تو حضرت ابراہیمؑ کی شانِ بندگی کا بیان تھا کہ آپ نے اپنے ربِ کریم کے نام کو بلند کرنے کے لیے، اس کے پیغام کو عام کرنے کے لیے، کن کن مشکلات کا مسکراتے ہوئے مقابلہ کیا، ساری قوم کی دشمنی مول لی، حکومت کی نگاہوں میں معتوب بلکہ باغی قرار پائے، آگ میں پھینکے گئے اور آخر کار اپنے وطن کو بھی چھوڑ دیا۔ شانِ بندگی کے ذکر کے بعد اب ارحم الراحمین اپنی شانِ بندہ نوازی کا ذکر فرما رہے ہیں کہ جب ابراہیمؑ نے مجبور وضعیف ہونے کے باوجود اپنی بندگی کا ایسا شاندار مظاہرہ کیا تو ہم جو قادر و توانا بھی ہیں اور غنی و کریم بھی ہم نے اس کے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔ فرمایا: ہم نے اسے اسحٰق جیسا فرزند اور یعقوب جیسا پوتا مرحمت فرمایا۔ پھر ان کی اولاد میں نبوت کا سلسلہ جاری کیا۔ بڑے بڑے نامی گرامی عظیم المرتبت رسول و نبی پیدا ہوئے۔ یوسف، موسیٰ، داؤد، سلیمان علیہم السلام کی عظمت کا کسے علم نہیں؟ یہ سب ابراہیمی لڑی کے تابندہ موتی ہیں۔ اور سب سے بڑا احسان اور انعام یہ بخشا کہ سید الاولین والآخرین خاتم الانبیاء والمرسلین محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ان کی ذریتِ طاہرہ سے پیدا کیا۔ اور ان تمام انبیاء کو ایسی کتابیں اور صحیفے عطا کیے جو رحمت و ہدایت کو اپنے اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں۔

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 152
2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 199

اَجْرَهٗ فِی الدُّنْیَا ۚ وَ اِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۲۷﴾

کا اجر اِس دنیا میں ۳۱ اور بلاشبہ وہ آخرت میں صالحین (کے زمرہ) میں ہوں گے۔

وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۫ مَا

اور (ہم نے) لُوط کو رسول بنا کر بھیجا جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا تم ایسی بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو کہ نہیں پہل کی

۳۱۔ سلسلۂ نبوت کو ماننے والی جتنی قومیں اس سطحِ زمین پر بستی ہیں خواہ آپس میں ان کے سنگین اختلافات ہوں لیکن وہ سب دل سے حضرت خلیل کا احترام کرتی ہیں۔ بلکہ اپنی اس نسبت پر فخر کرتی ہیں۔ پھر بزمِ کونین کی صدر نشینی کی عزت جب سے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارزانی ہوئی ہے، عظمتِ ابراہیمی کو چار چاند لگ گئے ہیں۔ ان کے اس دین کا احیاء ہوا جس کو آپ کے ماننے والوں اور آپ کے ہم قوموں نے فراموش بلکہ مٹا کر رکھ دیا تھا۔ آپ کا بنایا ہوا کعبہ پھر آباد ہوا۔ حرم کی اُداس فضا نغمہائے توحید سے پھر گونجنے لگی۔ جہاں بھی اسلام کا کوئی فرزند موجود ہے اس کی زبان خلیل اور آلِ خلیل پر درود وسلام کے تحائف بھیجتی ہی رہتی ہے۔ بلکہ نماز ختم کرنے سے پہلے ہر مسلمان اپنے نبی مکرمؐ اور آپ کی آلِ محتشم پر درود وسلام پڑھنے کے ساتھ ساتھ وہ حضرت ابراہیمؑ اور آلِ ابراہیم پر درود وسلام پڑھتا ہے۔ دنیا کے کسی دولتمند، کسی شہنشاہِ اعظم، کسی فاتحِ عالم کو کیا عزت واحترام نصیب ہوا ہوگا جو بارگاہِ رب العزت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عنایت ہوا۔ یہ انعام تو وہ ہے جو اس دنیا میں آپ کو مرحمت فرمایا گیا اور آخرت میں جو ملنے والا ہے اس کا تو تصوّر کرنا بھی ہمارے لیے ممکن نہیں۔

وہ تھی شانِ بندگی اور یہ ہے شانِ بندہ نوازی۔ دونوں کا حُسن اور دونوں کا بانکپن اہلِ دل کے لیے حشر برپا کر رہا ہے۔ فقط یہاں ہی نہیں جہاں بھی بندے نے اپنی بندگی کا حق ادا کرنے کی کوشش کی اس کے معبودِ برحق نے اپنی شانِ بندہ نوازی کے پھول نچھاور کرنے میں پوری فیاضی دکھائی۔

چوں تمام افتد، سراپا ناز میگردد، نیاز قیس رالیلی ہے نامند درصحرائے من (1)

ہمیں اپنے محبوب نے جس خدا کی وحدانیت کا طوق زیبِ گلو کرنے کی دعوت دی، جس کی کبریائی اور عظمت کے گیت گانے کا حکم دیا وہ تو یہ خدا ہے۔ جس کی شانِ بندہ نوازی کا یہ عالم ہے جو تشنہ لب آیا سیراب کر دیا گیا۔ جو خالی دامن حاضر ہوا مالا مال ہو کر لوٹا۔ اور جس نے اس کی محبت کا جام ہونٹوں سے لگایا اس کے لیے حریمِ ناز کے دروازے کھول دیئے گئے۔ اور اس کی چشمِ مشتاق اور دلِ بے تاب کو اس کی استعداد اور ہمت کے مطابق اپنے جلووں کا دیدار کرا دیا۔ ہم تو ایسے خدا کے بندے ہیں۔

1۔ کلیاتِ اقبال فارسی، ص 352، پیام مشرق، مئی باقی (غزلیات)، ص 182

سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝٢٨ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ

تم سے اس (بے حیائی) کی طرف کسی قوم نے دنیا بھر میں ۳۲ کیا تم بدفعلی کرتے ہو مردوں

الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ

کے ساتھ اور ڈاکے ڈالتے ہو عام راستوں پر۔ اور اپنی کھلی مجلسوں میں گناہ کرتے

الْمُنْكَرَ ۭ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا

ہو ۳۳ تو نہیں تھا کوئی جواب آپ کی قوم کے پاس بجز اس کے کہ انھوں نے کہا اے لوط! لے آؤ ہم پر

بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝٢٩ قَالَ رَبِّ

اللہ کا عذاب ۳۴ اگر تم (اپنے دعویٰ میں) سچے ہو۔ آپ نے عرض کی میرے مالک!

۳۲ حضرت لوط علیہ السلام کو جس نابکار اور ذلیل قوم سے واسطہ پڑا وہ صرف بدکار اور فاسق و فاجر ہی نہ تھے بلکہ فسق و فجور کی گھناؤنی صورتوں کے مُوجِد بھی تھے۔ گناہ کی جس پستی میں ان کے پیش رؤوں کو جھانکنے کی ہمت بھی نہ ہوئی تھی وہ ان پستیوں میں بھی گر چکے تھے۔ خلافِ وضعِ فطرت کام کیا کرتے، وہ بھی پسِ پردہ اور چھپ کر نہیں بلکہ برسرِ مجلس، دن کی روشنی میں اور تمام حاضرین کی آنکھوں کے سامنے۔ اس کے علاوہ راہزنی اور قزاقی بھی ان کا پیشہ تھا۔ راستہ میں اگر کوئی مسافر مل گیا اسے لوٹ لیا، اس کے کپڑے تک بھی اُتار لیے۔ اگر کوئی مہمان ان کے ہاں آ کر ٹھہرتا تو صبح کو اس کا سامان گم ہو چکا ہوتا۔ مہمان کی جوتیاں تک چُرانا بھی ان کے نزدیک معیوب نہ تھا۔

۳۳ نادِیْ کا معنی ہے محفل مجلس۔ یعنی جس چیز کا نام شرم وحیا ہے وہ عرصہ سے ان کے ہاں سے رخصت ہو چکی تھی۔ بلکہ انہوں نے خود اسے دھکے مار مار کر اپنے ہاں سے نکال دیا تھا۔ فحش گفتگو، قمار بازی، راہگیروں سے ٹھٹھا مذاق۔ ان پر کنکریاں پھینکنا اور پھر ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو جانا۔ غرضیکہ ہر گھٹیا سے گھٹیا اور کمینہ سے کمینہ فعل وہ اپنی بیٹھکوں اور عام محفلوں میں کرتے اور اس پر اتراتے اور فخر کرتے۔ (1)

۳۴ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو ان پستیوں سے نکالنے کے لیے بڑے جتن کیے۔ انہیں ہر طرح سمجھایا۔ انہیں انسانیت کا واسطہ دیا۔ آخر انہیں عذاب الٰہی سے ڈرایا لیکن سب بے سود۔ کیونکہ انہیں یقین تھا کہ لوط خشک مُلا ہے۔ سب کچھ اپنی طرف سے کہہ رہا ہے۔ قیامت نہ اب تک آئی ہے اور نہ آئندہ آئے گی۔ اس لیے انہوں نے آپ کو چیلنج دے دیا کہ تم ہم پر یونہی رُعب گانٹھ رہے ہو اگر تمہاری ان دھمکیوں میں کچھ سچائی ہے تو انتظار کیوں کر رہے ہو؟ لے آؤ اُس عذاب کو جس کے بار بار کے ذکر

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 42-341

انْصُرْنِیْ عَلَی الْقَوْمِ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۳۰﴾ وَ لَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ

مدد فرما میری ان فسادی لوگوں کے مقابلہ میں ۳۵؎ اور جب آئے ہمارے فرشتے

اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰی ۙ قَالُوْۤا اِنَّا مُهْلِكُوْۤا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ ۚ

ابراہیمؑ کے پاس خوشخبری لے کر۔ انھوں نے بتایا کہ ہم ہلاک کرنے والے ہیں۔ اس گاؤں کے باشندوں کو

اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِیْنَ ﴿۳۱﴾ ۚۖ قَالَ اِنَّ فِیْهَا لُوْطًا ؕ قَالُوْا

بیشک یہاں کے رہنے والے بڑے ظالم تھے ۳۶؎ آپ نے کہا اس میں تو لوطؑ بھی رہتا ہے۔ فرشتوں نے عرض

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِیْهَا ٚ لَنُنَجِّیَنَّهٗ وَ اَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۗ

کی ہم خوب جانتے ہیں جو وہاں رہتے ہیں۔ ہم ضرور بچالیں گے اسے اور اس کے گھر والوں کو سوائے اس کی عورت کے۔ وہ

كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ ﴿۳۲﴾ وَ لَمَّاۤ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ

پیچھے رہ جانے والوں سے ہے۔ اور جب آئے ہمارے فرشتے لوط (علیہ السّلام) کے پاس تو بڑے غمزدہ

بِهِمْ وَ ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّ قَالُوْا لَا تَخَفْ وَ لَا تَحْزَنْ ۫ قف

ہوئے ان کی آمد سے اور دل تنگ ہوئے اور (انھیں پریشان دیکھ کر) فرشتوں نے کہا نہ خوفزدہ ہو اور نہ رنجیدہ خاطر

سے تو نے ہمارا ناک میں دم کیا ہوا ہے۔

۳۵؎ آخر ان کے مظالم سے تنگ آ کر اور ان کی اصلاح سے مایوس ہو کر آپ نے بارگاہِ الٰہی میں یہ دعا کی۔

۳۶؎ فرشتے جب بیٹے کی بشارت دینے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تو انہوں نے قومِ لوط کو برباد کرنے کے الٰہی فیصلہ سے آپ کو آگاہ کیا۔ آپ نے فرمایا: وہاں تو اللہ تعالیٰ کا نبی لوط بھی ہے۔ انہوں نے عرض کی: ہمیں خوب معلوم ہے، اس پر کوئی آنچ نہیں آنے دی جائے گی۔ اس کو اور اس کے خاندان کو بچالیا جائے گا، لیکن اس کی بیوی کو نہیں بچایا جائے گا۔ چنانچہ علاقہ سدوم پر پتھراؤ کیا گیا اور ان کی ساری بستیاں تہ و بالا کر دی گئیں۔ فرشتوں کی آمد پر حضرت لوطؑ کی پریشانی کا مفصّل ذکر سورۂ ہود اور الحجر میں گزر چکا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

إِنَّا مُنَجُّوكَ وَأَهْلَكَ إِلَّا امْرَأَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِينَ ﴿۳۳﴾

ہم نجات دینے والے ہیں تجھے اور تیرے کنبہ کو سوائے تمہاری بیوی کے، وہ پیچھے رہ جانے والوں میں ہے ۔

إِنَّا مُنْزِلُونَ عَلٰى أَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ

بیشک ہم اُتارنے والے ہیں اس بستی کے باشندوں پر عذاب آسمان سے اس وجہ سے

بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿۳۴﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَا آيَةً بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ

کہ وہ نافرمانیاں کیا کرتے تھے۔ اور بے شک ہم نے باقی رہنے دیئے اس بستی کے کچھ واضح آثار ان لوگوں کی

يَعْقِلُونَ ﴿۳۵﴾ وَإِلٰى مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا

عبرت کے لیے جو عقلمند ہیں۔ اور (ہم نے بھیجا) مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو ۳۷؎ آپ نے کہا اے

اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْآخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿۳۶﴾

میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور امید رکھو پیچھے آنے والے دن کی اور ملک میں فتنہ و فساد برپا نہ کرو

فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جٰثِمِينَ ﴿۳۷﴾

پھر انھوں نے آپ کو جھٹلایا تو آلیا انھیں زلزلہ (کے جھٹکوں) نے پس صبح ہوئی تو وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل گرے پڑے تھے

وَعَادًا وَّثَمُودَا وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ۖ وَزَيَّنَ لَهُمُ

اور ہم نے برباد کیا، عاد اور ثمود کو۔ اور واضح ہیں تمہارے لیے ان کے مکانات ۔ اور آراستہ کر دیا تھا ان کے لیے

الشَّيْطٰنُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَكَانُوا مُسْتَبْصِرِينَ ﴿۳۸﴾

شیطان نے ان کے (برے) عملوں کو اور روک لیا انھیں راہ (راست) سے حالانکہ وہ اچھے بھلے سمجھدار تھے ۳۸؎

۳۷؎ اہلِ مَدیَن کی طرف حضرت شعیبؑ کو مبعوث فرمایا گیا۔ آپ نے بھی اپنے پیغمبرانہ فرائض کو بڑی دلسوزی، اخلاص اور کوشش سے ادا کیا لیکن اہلِ مدین اپنی گمراہی پر اڑے رہے۔ انجامِ کار انہیں بھی اپنے کیے کی سزا مل گئی۔ سورۃ الاعراف اور

وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ ۣ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ

اور (ہم نے ہلاک کر دیا) قارون، فرعون اور ہامان کو۔ اور بلاشبہ تشریف لائے ان کے پاس موسیٰ روشن دلیلوں کے ساتھ

فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ۝٣٩ۚ فَكُلًّا اَخَذْنَا

پھر بھی وہ غرور و تکبر کرتے رہے زمین میں اور وہ (ہم سے) آگے بڑھ جانیوالے نہ تھے پس ہر (سرکش) کو ہم نے پکڑا

بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ

اس کے گناہ کے باعث پس ان میں سے بعض پر ہم نے برسائے پتھر ۳۹ اور ان میں سے بعض کو آ لیا

اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ

شدید کڑک نے اور بعض کو ہم نے غرق کر دیا زمین میں۔ اور بعض کو ہم نے

مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

(دریا میں) ڈبو دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ نہیں کہ وہ ان پر ظلم کرے بلکہ وہ اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے

يَظْلِمُوْنَ ۝٤٠ مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ

رہے تھے۔ ان نادانوں کی مثال جنھوں نے بنا لیے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور دوست، مکڑی کی سی ہے ۴۰

سورۂ ہود میں ان کا تذکرہ تفصیلاً بیان ہوا ہے۔ ملاحظہ فرمایا جائے۔

۳۸ شیطان نے ان کو بھی راہِ راست پر نہ آنے دیا۔ وہ حق کو اچھی طرح پہچان لینے کے بعد بھی اس کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے، جیسا کہ مُسْتَبْصِرِیْنَ کے لفظ سے واضح ہے۔ مُسْتَبْصِرِیْنَ: قَدْ عَرَفُوا الْحَقَّ مِنَ الْبَاطِلِ بِظُهُوْرِ الْبَرَاهِيْنِ (قرطبی) (1)۔ یعنی واضح اور روشن دلائل کی وجہ سے انہوں نے حق کو خوب پہچان لیا تھا۔

۳۹ حق سے دانستہ اعراض کرنے والی اور باطل پر جمے رہنے والی ہر قوم کو ہم نے تباہ و برباد کر دیا۔ حاصب اس تیز ہوا کو کہتے ہیں جو اپنے ساتھ پتھر، روڑے اور کنکریاں اڑا کر لے آئے۔ اب ہر قسم کے عذاب پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ حَاصِبٌ. رِيْحٌ يَأْتِيْ بِالْحَصْبَاءِ وَهِيَ الْحَصَى الصِّغَارُ وَتُسْتَعْمَلُ فِيْ كُلِّ عَذَابٍ (قرطبی)۔(2)

۴۰ پہلے مختلف اقوام کی اعتقادی اور عملی خرابیوں کا ذکر ہوا جس کے تجزیہ اور مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی اخلاقی بے راہروی

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 344 2۔ ایضاً

الْعَنْكَبُوتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۖ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ

اس نے (جالے کا) گھر بنایا۔ اور (تم سب جانتے ہو) کہ تمام گھروں سے کمزور ترین مکڑی کا

الْعَنْكَبُوتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ

گھر ہُوا کرتا ہے۔ کاش! وہ بھی اس (حقیقت) کو جانتے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جس چیز کو وہ پُوجتے ہیں

دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۴۲﴾ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ

اس کو چھوڑ کر اسے اور وہی سب پر غالب حکمت والا ہے۔ اور یہ مثالیں ہیں

نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ

ہم بیان کرتے ہیں انھیں لوگوں (کو سمجھانے) کے لیے اور نہیں سمجھتے انھیں مگر اہلِ علم۔ پیدا فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں

اور دیگر بدکاریوں کا سبب ان کے عقیدہ کی خرابی تھی۔ نہ انہیں خداوند کریم کی توحید پر ایمان تھا اور نہ روزِ قیامت پر یقین تھا۔ اس لیے وہ بڑے مزے سے حیوانی زندگی گزار رہے تھے۔ وہ بسا اوقات ان پستیوں میں گرنے میں بھی کوئی باک محسوس نہیں کرتے تھے جہاں قدم رکھتے ہوئے حیوانوں پر بھی کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔ انہوں نے اپنے بتوں کو معبود بنا رکھا تھا جن کی طرف سے کوئی اخلاقی پابندی عائد نہیں کی جاتی تھی، کسی چیز کے کرنے اور کسی سے باز آنے کا کوئی حکم صادر نہیں ہوتا تھا۔ ان کے زعمِ باطل میں ان کے ان معبودوں کا یہ کام تھا کہ وہ اُنہیں مصیبتوں سے چھڑائیں اور ان کی دولت و عزت میں اضافہ کرتے چلے جائیں۔ لیکن جب بھی اللہ نے ان کی نافرمانیوں کے باعث ان پر عذاب نازل کیا تو یہ بت ان کے کسی کام نہ آسکے۔ اس حقیقت کو جو سابقہ آیات میں تفصیل سے بیان کی گئی ہے یہاں بڑے اختصار سے اور بڑے دلنشیں انداز میں ذکر کیا جا رہا ہے۔ ارشاد فرمایا: وہ بدبخت جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے معبودوں کو اپنا سرپرست اور دوست سمجھتے ہیں اور ان سے یہ اُمیدیں وابستہ کیے بیٹھے ہیں کہ جب ان پر کوئی اُفتاد پڑے گی تو وہ آکر انہیں بچالیں گے۔ فرمایا: ان کی یہ توقعات مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور ہیں۔ مکڑی کا جالا تو ہوا کے ایک جھونکے کی تاب نہیں لا سکتا چہ جائیکہ عذابِ الٰہی کے طوفانوں کے سامنے ٹھہر سکے۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق توڑ کر غیروں کے ساتھ تعلق قائم کرنے والے اور ان پر بھروسہ کرنے والے ایسے ہی ہیں جیسے وہ نادان جو مکڑی کے جالے پر اپنی اُمیدوں کے محلات تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔

حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ کا یہ ارشاد بھی سُن لیجیے۔ "طَهِّرُوْا بُيُوْتَكُمْ مِنْ نَّسْجِ الْعَنْكَبُوْتِ فَاِنَّ تَرْكَهٗ فِي الْبُيُوْتِ يُوْرِثُ الْفَقْرَ" (قرطبی)(1)۔ گھروں کو مکڑی کے جالوں سے صاف رکھا کرو کیونکہ مکڑی کے جالوں کا گھر میں ہونا افلاس کا باعث ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 346

وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴۴﴾

اور زمین کو حق کے ساتھ۔ بیشک اس میں (اس کی قدرت کی) نشانی ہے ایمان والوں کے لیے۔ ۱۴۱

اُتْلُ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ

آپ تلاوت کیجیے اس کتاب کی جو وحی کی گئی ہے آپکی طرف ۱۴۲ اور نماز صحیح صحیح ادا کیجیے ۱۴۳ بے شک نماز

۱۴۰ ان معبودانِ باطلہ کی ناتوانی اور کمزوری سے اللہ تعالیٰ خوب آگاہ ہے۔

۱۴۱ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس تو وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو ایسی حکمت سے پیدا فرمایا کہ اگر ان میں بال برابر ردو بدل کر دیا جائے تو سارا نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے۔ اس نے ان کو پیدا فرمانے کے بعد نظر انداز نہیں کر دیا بلکہ اپنی قدرت اور اپنے علم سے اس کی تدبیر بھی فرما رہا ہے۔ اہلِ ایمان کے لیے اس میں اس کی قدرت وحکمت کی بڑی نشانیاں ہیں۔

مظاہرِ فطرت میں جو قوتیں پنہاں ہیں، جو اثرات مخفی ہیں، جس پیچیدہ اور نازک نظام کے ماتحت باقاعدگی سے اپنا طبعی فریضہ انجام دے رہے ہیں ان سے نقاب اٹھانا بندۂ مومن کا کام تھا اور ہر مناسب موقع پر قرآنِ کریم نے مومن کے اس فرضِ اوّلین کی طرف بڑے معنی خیز اشارے فرمائے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ بندۂ مومن آج اپنے فرض سے یکسر غافل ہے۔ ان نوجوانانِ ملّت کے دل میں کبھی بھولے سے بھی اس فرض کی اہمیّت کا احساس پیدا نہیں ہوا۔ ان کے سامنے تحصیلِ علم کا مقصد اور سائنسی علوم میں ڈگریوں کا حصول اس لیے نہیں کہ ان کے دل میں تحقیق کے ارمان مچل رہے ہیں اور وہ قرآنِ کریم کے ارشادات کے مطابق تسخیر کائنات کے میدان میں سب سے پہلے اپنی کامیابی اور اولوالعزمی کا پرچم لہرانا چاہتے ہیں بلکہ وہ ان ڈگریوں کے ذریعہ فقط اعلیٰ ملازمتوں کے خواہشمند ہیں جہاں تنخواہ بہت زیادہ ہو اور کام کچھ بھی نہ ہو۔ جہاں آسائشیں تمام میسّر ہوں لیکن عرق ریزی اور جانفشانی کا موقع شاذونادر ہی پیش آئے

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا (1)

الٰہی! وہ صبحِ سعید کب طلوع ہوگی جب بندۂ مومن کی بے خبری اور بے حسی کا طلسم ٹوٹے گا، وہ کب خود آشنا ہوگا، وہ کب تیری مخلوقات کے آئینوں میں تیرے حسن کے چمکتے ہوئے جلوؤں کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کرائے گا؟ ربِ کریم! ہم پر کرم فرما اور ہمیں

تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے دلِ مُرتضٰی سوزِ صدیق دے (2)

۱۴۲ اللہ تعالیٰ اپنے رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو اور حضورؐ کے ذریعہ آپ کی ساری امت کو یہاں دو باتوں کا حکم دے رہا ہے۔ پہلا حکم ہے تلاوتِ قرآن اور دوسرا اقامتِ صلوٰۃ۔ تلاوتِ قرآن کے روحانی، اخلاقی، اصلاحی پھر لازمی اور متعدی اتنے فوائد و برکات ہیں جن کا حصر ممکن نہیں۔ جب انسان اللہ تعالیٰ کا کلام پڑھتا ہے تو اس پر انوار و تجلیات کی بارش ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی خصوصی

1۔ کلیاتِ اقبال، بانگ درا، ص 282
2۔ کلیاتِ اقبال، بالِ جبریل، ص 554

توجہ اس کی طرف مبذول ہوتی ہے، اس کے دل کا زنگار صاف ہوتا ہے، اس کی کسل مندی دور ہوتی ہے، وہ ایک نئی تازگی اور شگفتگی محسوس کرنے لگتا ہے۔ یہ ایسی واضح کیفیت ہے جس سے قرآنِ کریم کا ہر پڑھنے والا اپنی صلاحیت اور اپنے ظرف کے مطابق سرشار ہوتا ہے۔

جب وہ قرآن کریم میں انبیائے کرام اور مومنینِ کاملین کی زندگیوں کا مطالعہ کرتا ہے، ان کی عالی ظرفی، بلند حوصلگی، بیگانوں کے لیے ان کے جذبہ خیر خواہی کو دیکھتا ہے، مسرّت و کامیابی کے لمحوں میں ان کا اندازِ تشکّر اور ان کی بے مثال تواضع و انکساری، مصائب وشدائد کے ہجوم میں ان کا صبر اور صبر میں مسرّت ولذّت کے احساسات سے وہ آگاہ ہوتا ہے اور پھر ان کے مبارک انجام سے واقف ہوتا ہے تو اس کے دل میں بھی اس راہ پر چلنے کا شوق اور ولولہ پیدا ہوتا ہے جس راہ پر چلنے والوں کی آبلہ پائی کے طفیل انسانیت کا سرِ افتخار بلند ہے، جن کے زخموں سے ابلتے ہوئے خونِ ناب نے اخلاقِ عالیہ اور اعمالِ صالحہ کے حسن کو دل فریبیاں اور رعنائیاں بخشی ہیں۔ ان کے مقابلہ میں جب وہ سرکشوں اور منکروں کی گھناؤنی زندگی کا جائزہ لیتا ہے، پھر انہیں اپنے گناہوں کے سیلاب میں حقیر تنکوں کی طرح بہتا ہوا دیکھتا ہے تو اسے دنیا کی بے ثباتی اور زندگی کے اس جاہ وجلال کا کھوکھلا پن صاف دکھائی دینے لگتا ہے اور وہ حتی المقدور کوشش کرتا ہے کہ ایسے لوگوں کی راہ اختیار نہ کرے جو خود بھی برباد ہوئے اور اپنی قوموں کا بیڑا بھی غرق کر دیا۔ اسی قرآن کے صفحات کا مطالعہ کرتے وقت قرآن کا پیش کردہ دستورِ حیات اس کے دامنِ دل کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنے اعمال واطوار کو اس دستورِ حیات کے سانچے میں ڈھال لے۔ یوں قرآن کے چشمہ سے جب وہ سیراب ہو کر اٹھتا ہے تو انسانِ کامل بن کر دنیا کے سامنے پیش ہوتا ہے اور اپنی خیرات وبرکات سے اپنوں اور بیگانوں کو بلا استثناء مستفید کرتا ہے۔

لیکن ان برکات سے صرف وہی فیضیاب ہو سکتا ہے جو قرآن کو کلامِ الٰہی یقین کرتا ہے، جو اس کو اس نیت سے پڑھتا ہے کہ وہ اس سے ہدایت کی روشنی حاصل کرے گا اور اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے میں کسی تذبذب کا مظاہرہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ قرآن کی تلاوت ان فوائد کی حامل تھی اس لیے اسے پڑھنے اور بار بار پڑھنے کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو متوجہ فرمایا۔

۴۳ے دوسرا حکم ہے کہ نماز قائم کرو۔ پھر فرمایا: نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔ اس پر کئی صاحبان یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ہم نے کئی نمازیوں کو دیکھا ہے کہ ساری عمر نماز پڑھتے پڑھتے گزر گئی لیکن وہ جھوٹ بولتے ہیں، چور بازاری سے وہ باز نہیں آتے، کم تولنے اور کم ماپنے سے انہیں احتراز نہیں تو ہم کیسے یہ تسلیم کر لیں کہ نماز کے متعلق قرآن کا یہ ارشاد مبنی بر حقیقت ہے؟ ان کی خدمت میں بصد ادب یہی گزارش کی جائے گی کہ آپ نے یہ اعتراض کرنے میں بڑی جلد بازی سے کام لیا ہے اور قرآن کے کلمات میں غور کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ قرآنِ کریم نے نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا بلکہ نماز قائم کرنے کا حکم دیا ہے جس کا معنی ہے اِقَامَةُ الشَّیْءِ: تَوْفِیَةُ حَقِّهٖ (مفردات)(1)

یعنی نماز کو اس کے تمام ظاہری اور باطنی حقوق کے ساتھ ادا کرو۔ نماز کے ظاہری حقوق تو یہ ہیں کہ سنتِ نبوی کے مطابق تمام ارکان بجالائے جائیں اور باطنی حقوق یہ ہیں کہ تو سراپا عجز و نیاز بنا ہوا ہو، احسان کی کیفیت تجھ پر طاری ہو۔ یعنی تو محسوس کر

1۔ مفرداتِ راغب، ص 692

رہا ہو کہ کَاَنَّکَ تَرَاہُ گویا تو اپنے ربِّ کریم کو دیکھ رہا ہے ورنہ کم از کم اتنا تو ضرور ہو کہ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ: تیرا ربِّ کریم تجھے دیکھ رہا ہے۔ اس ذوق وشوق اور خضوع وخشوع سے ادا کی ہوئی نماز ہی وہ نماز ہے جو دین کا ستون اور مومن کی معراج ہے۔ یہی وہ نماز ہے جو گناہوں کے قریب نہیں جانے دیتی اور بے حیائیوں اور بدکاریوں سے روکتی نہیں بلکہ متنفر کر دیتی ہے۔ مومن کی ساری خوشیاں اور مسرتیں انہی چند لمحوں میں سمٹ کر رہ جاتی ہیں جب وہ سراپا نیاز بن کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوتا ہے اور دل وزبان سے اس کی تعریف وثنا کرتا ہے۔ وہ عذاب سے ڈر کر وہاں حاضری لگوانے کے لیے نہیں جاتا بلکہ اس کا قلبِ ناصبور، اس کی روحِ بیتاب کشاں کشاں اسے کوئے محبوب کی طرف لے جاتی ہے۔

وہ نماز جس کا آغاز بھی غفلت سے ہو اور جس کی انتہاء بھی غفلت سے ہو اور ان کے مابین بھی بے خبری کی حالت طاری رہی ہو اسے پتہ ہی نہ ہو کہ وہ کہاں ہے اور کس کے آگے کھڑا ہے تو اس نے نماز پڑھی سہی لیکن اس نے نماز قائم تو نہ کی جس کا اسے حکم دیا گیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود یہ نماز پڑھنا بھی اسے کبھی نہ کبھی اس کیف ومستی سے سرشار کر دے گا جو نماز قائم کرنے والوں کے لیے مخصوص ہے۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک نوجوان انصاری کی شکایت کی گئی کہ وہ نماز بھی پڑھتا ہے لیکن کسی گناہ سے بھی باز نہیں آتا لَا یَدَعُ شَیْئًا مِّنَ الْفَوَاحِشِ وَالسَّرِقَۃِ اِلَّا رَکِبَہٗ۔ تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا اِنَّ الصَّلٰوۃَ سَتَنْھَاہُ۔ یہ نماز ایک نہ ایک دن اسے ان برائیوں سے روک دے گی۔ چنانچہ چند ہی روز گزرے کہ اس کی حالت یکسر بدل گئی۔ اس نے تمام گناہوں سے سچے دل سے توبہ کر لی۔ یہ سن کر حضورؐ نے فرمایا اَلَمْ اَقُلْ لَّکُمْ، کیا میں نے تمہیں کہا نہ تھا؟ (1) اس لیے وہ صاحبان جو چند نماز پڑھنے والوں کو (نماز قائم کرنے والوں کو نہیں) بعض گناہوں میں مبتلا دیکھ کر نماز سے بیزار اور اس کی برکات کا انکار کر دیتے ہیں وہ یہ سمجھ لیں کہ ان گنہگاروں کے اصلاح پا جانے کا تو امکان ہے کیونکہ جس راہ پر وہ چل رہے ہیں وہ ان لوگوں کی راہ ہے جو صالح اور پارسا تھے، ہوسکتا ہے کہ کسی وقت اللہ تعالیٰ ان ست نہاد رہروؤں پر نظرِ رحمت فرمادے اور انہیں اپنی بارگاہ میں حاضری کی لذت سے آشنا کر دے کیونکہ ؏

مے شود از جبر پیدا اختیار

لیکن آپ لوگ تو اس راستہ سے ہی دور بھاگ رہے ہیں۔ آپ نے بھی کبھی اپنے انجام پر غور کیا۔ بہر حال حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان غافل نمازیوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لیے خوب جھنجھوڑا ہے۔ ارشادِ گرامی ہے۔ مَنْ لَّمْ تَنْھَہٗ صَلَاتُہٗ عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ لَمْ تَزِدْہُ مِنَ اللّٰہِ اِلَّا بُعْدًا وَّلَمْ یَزْدَدْ بِھَا مِنَ اللّٰہِ اِلَّا مَقْتًا (2) ''جس آدمی کو اس کی نماز بے حیائی اور برے کاموں سے نہیں روکتی۔ وہ نماز اسے خدا سے دور کر دے گی اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا نہیں بلکہ ناراضگی کا باعث ہوگی۔''

نیز آیت میں تو یہ فرمایا گیا ہے کہ نماز فحشاء اور منکر سے روکتی ہے اور اس میں کیا شک ہے۔ لیکن ان امور سے رُکنا یا نہ رُکنا ہمارا کام ہے۔ نماز تو ہمارے قلب وروح کی تربیت کا زرّیں موقع فراہم کرتی ہے۔ دنیا کے جھمیلوں سے نکال کر احکم الحاکمین کی بارگاہ میں لے جا کر کھڑا کر دیتی ہے۔ اب بھی اگر کوئی طبیعت متاثر نہیں ہوتی اور اسے یہ خیال نہیں آتا کہ ظہر کے وقت تو مجھے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 48-347۔ مسند امام احمد، ج 2، ص 447، دار صادر، بیروت

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 49-348۔ مجمع الزوائد، ج 2، ص 531، رقم الحدیث 3557، دار الفکر، بیروت

تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

منع کرتی ہے بے حیائی اور گناہ سے ۔ اور واقعی اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑا ہے ۴۴ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے

مَا تَصْنَعُوْنَ ۝۴۵ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ

جو تم کرتے ہو ۔ اور (اے مسلمانو!) بحث مباحثہ نہ کیا کرو اہل کتاب سے مگر شائستہ طریقہ

اَحْسَنُ ڰ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ

سے ۴۵ مگر وہ جنھوں نے ظلم کیا ان سے اور تم کہو ہم ایمان لاتے ہیں اس پر جو اُتارا گیا

اپنے رب کے حضور میں جا کر کھڑا ہونا ہے۔ اگر میں نے اپنا دامن اس کی نافرمانی سے داغدار کر لیا تو میں کس منہ سے اس کے حضور میں حاضر ہونگا؟ اس طرح تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد دربارِ الٰہی میں حاضری سے دل میں اطاعت وانقیاد کا جذبہ یقیناً پیدا ہو جاتا ہے اور اس کو گناہوں سے نفرت سی ہو جاتی ہے۔

۴۴ یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں۔ جس کو یہ سعادت حاصل ہوگئی، جس کو یہ نعمت بخش دی گئی گویا اس نے سب کچھ پالیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز تشریف لائے تو اپنے صحابہ کو حلقہ بنائے ہوئے ملاحظہ فرمایا۔ پوچھا کیوں اس طرح بیٹھے ہو؟ عرض کیا: جَلَسْنَا نَذْكُرُ اللّٰهَ وَنَحْمَدُهٗ عَلٰى مَا هَدَانَا لِلْاِسْلَامِ وَمَنَّ بِهٖ عَلَيْنَا: ''یارسول اللہ! ہم اس لیے بیٹھے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں اور جو اس نے اسلام کی دولت سے ہمیں مالا مال فرمایا ہے اس کے اس احسان پر اس کا شکریہ ادا کریں۔'' حضور نے ارشاد فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يُبَاهِيْ بِكُمُ الْمَلَآئِكَةَ (مظہری) (1) ''اے اللہ کے ذکر وشکر کے لیے بیٹھنے والو! اللہ تعالیٰ تم پر فرشتوں سے فخر کر رہا ہے''۔ بخاری شریف کی حدیث میں ہے اگر کوئی شخص یادِ الٰہی میں مصروف رہنے والوں کے پاس آکر بیٹھ جائے اگرچہ وہ کسی دوسرے مقصد کے لیے آیا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بھی بخش دیتا ہے اور فرماتا ہے لَهٗ غَفَرْتُ هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقٰى بِهِمْ جَلِيْسُهُمْ (2): ''میں نے ان کی محفل میں بیٹھنے والے کو بھی معاف کر دیا۔ میری یاد کرنے والے ایسے لوگ ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی بدبخت نہیں رہتا۔

اس آیت کا یہ معنی بھی لیا گیا ہے کہ جب بندہ اپنے رب کا ذکر کرتا ہے تو ربّ کریم بھی اپنے اس بندے کو یاد فرماتا ہے اور ربّ کریم کا اپنے مسکین بندے کو یاد فرمانا سب سے بڑا ذکر ہے لَذِكْرُ اللّٰهِ اِيَّاكُمْ اَفْضَلُ مِنْ ذِكْرِكُمْ اِيَّاهُ (3)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام سے یہ معنی مرفوعاً نقل کیا ہے، فرماتے ہیں: عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمَعْنٰى اَنَّهٗ لَا تَقْصُرُوْا فِيْ ذِكْرِ اللّٰهِ فَاِنَّ ذِكْرَكُمْ اِيَّاهُ يُفْضِيْ اِلٰى ذِكْرِهٖ اِيَّاكُمْ وَلَذِكْرُهٗ اِيَّاكُمْ اَفْضَلُ مِنْ ذِكْرِكُمْ اِيَّاهُ (مظہری) (4) یعنی ذکرِ الٰہی میں کوتاہی

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 207، صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن وعلی الذکر، ج 2، ص 346

2۔ صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل مجالس الذکر، ج 1، ص 344 3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 207 4۔ ایضاً

اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾

ہماری طرف اور اُتارا گیا تمہاری طرف اور ہمارا خدا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے اور ہم اس کے سامنے گردن جھکانیوالے ہیں ۴۶

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ

اور (اے حبیب!) اس طرح ہم نے نازل کی آپکی طرف کتاب۔ پس وہ جنھیں ہم نے دی تھی کتاب (تورات) وہ ایمان لاتے

يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰۤؤُلَاۤءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَمَا يَجْحَدُ

ہیں قرآن پر۔ اور ان اہلِ مکہ سے بھی کئی لوگ ایمان لارہے ہیں قرآن پر ۴۷ اور نہیں انکار کرتے ہماری

بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ

آیتوں کا مگر کفار ۴۸ اور نہ آپ پڑھ سکتے تھے اس سے پہلے کوئی

نہ کرو، تم اس کو یاد کرو گے وہ تمہیں یاد کرے گا۔ اس کا تمہیں یاد کرنا تمہارے ذکر سے افضل ہے۔

۴۵ اہلِ کتاب کو جب سمجھانے لگو تو تمہارا اسلوبِ تبلیغ بڑا شائستہ اور پسندیدہ ہونا چاہیے۔ دلیل کی قوت اور بُرہان کی پختگی تو ہو لیکن اس میں خشونت اور سخت کلامی کی بو نہ پائی جائے۔ اپنے عقائد کی حقانیت اور اپنے دین کی صداقت کا زوشن بیان تو ہو لیکن اس میں ذاتی حملہ کا اثر نہ ہو۔

۴۶ حسنِ مجادلہ کا طریقہ بتایا جارہا ہے کہ تم انہیں پہلے ہی بیگانہ اور مدِّ مقابل حریف بنا کر خطاب نہ کرو بلکہ انہیں یوں کہو کہ تمہارے انبیائے کرام توحید کا جو دین لے کر آئے تھے ہمارے نبی مکرم بھی وہی دین لے کر آئے ہیں۔ تمہارے انبیاء نے بھی اسی وحدہٗ لاشریک کی عبادت کا حکم دیا، ہمارے نبی مکرم بھی یہی حکم دیتے ہیں۔ ہم صرف قرآنِ کریم کو ہی کلامِ الٰہی نہیں مانتے بلکہ تورات وانجیل کے متعلق بھی ہمارا یہی ایمان ہے۔ ہدایت کی جو شمع تمہارے انبیاء نے روشن کی ہم بھی اسی کو روشن رکھنا چاہتے ہیں۔ اس لیے ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی ایسی بات نہیں جو وجہِ اختلاف اور باعثِ افتراق ہو۔ مُرورِ وقت سے جو عمل اور عقیدے کی خرابیاں تمہارے ہاں رائج ہو چکی ہیں ان کی اصلاح کر لو پھر ہم سب ایک ہی ملّت مُسلمہ کے فرد بن جائیں گے۔

۴۷ جس طرح ہم نے پہلے انبیاء پر آسمانی صحیفے نازل کیے اسی طرح ہم نے آپ پر بھی قرآنِ حکیم اُتارا۔ ان اہلِ کتاب میں ایسے سلیم الطبع لوگ بھی ہیں جنہوں نے جب قرآنِ مجید میں وہ نورِ ہدایت درخشاں دیکھا تو بلا تامل اس پر بھی ایمان لے آئے اور اہلِ مکہ سے بھی کئی لوگ کفر وشرک سے بیزار ہو کر دینِ اسلام میں داخل ہوئے۔

۴۸ جن کے دلوں پر کفر کی سیاہی جم چکی ہے وہی اس کتاب پر ایمان نہیں لائیں گے ورنہ کوئی سلیم الفطرت انسان انکار کی جرأت نہیں کر سکتا۔

كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝۴۸ بَلْ

کتاب اور نہ ہی اسے لکھ سکتے تھے اپنے دائیں ہاتھ سے ۴۹؎ (اگر آپ لکھ پڑھ سکتے) تو ضرور شک کرتے اہل باطل۔ بلکہ

هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۭ وَمَا يَجْحَدُ

وہ روشن آیتیں ہیں جو ان کے سینوں میں محفوظ ہیں جنھیں علم دیا گیا۔ اور ظالموں کے بغیر

بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ۝۴۹ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ

ہماری آیتوں کا کوئی انکار نہیں کر سکتا اور انھوں نے کہا کیوں نہ اتاری گئیں ان پر نشانیاں ان کے رب کی

رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۵۰

طرف سے آپ فرمایئے نشانیاں تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔ اور میں تو صرف صاف صاف ڈرانے والا ہوں

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ

کیا انھیں یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر اتاری ہے کتاب جو انھیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے ۔ بے شک

فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۵۱ ع قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ

اس میں رحمت اور نصیحت ہے مومنوں کے لیے ۵۰؎ آپ فرمایئے کافی ہے اللہ تعالیٰ

ع ۱

۴۹؎ قرآنِ کریم کے کلامِ الٰہی ہونے کی ایک اور روشن دلیل پیش کی جارہی ہے کہ اعلانِ نبوت سے پہلے کا چالیس سالہ دور آپ نے ان لوگوں کے سامنے گزارا ہے۔ ان سب کو اچھی طرح معلوم ہے کہ اس اثنا میں نہ آپ نے کبھی کسی کتاب کا مطالعہ کیا اور نہ کبھی کچھ لکھا۔ اگر آپ پہلے کتابوں کے مطالعہ میں مستغرق رہا کرتے اور لکھنے کا شغف ہوتا تو کوئی یہ شبہ کرنے میں حق بجانب ہو سکتا تھا کہ سب کچھ انہی کتابوں سے اخذ کیا گیا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان شکوک وشبہات سے پاک رکھا۔ اب کوئی یہ اعتراض نہیں کرسکتا کہ یہ آپ کا اپنا کلام ہے بلکہ یقیناً یہ کلامِ الٰہی ہے جو اس نے آپ پر اتارا ہے۔ صرف ظالم لوگ ہی اس درخشاں حقیقت کا انکار کرسکتے ہیں۔

۵۰؎ کس نشانی اور معجزہ کا مطالبہ کر رہے ہو؟ کیا قرآنِ حکیم سے بڑھ کر بھی کوئی اور نشانی اور کوئی دوسرا معجزہ تمہیں درکار ہے؟ اگر اس سے تم نصیحت قبول نہیں کرتے، اگر تمہیں یہ راہِ راست پر نہیں لے جاسکتا تو پھر کسی اور معجزہ سے تمہارے ہدایت یافتہ ہونے

بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ؕ

میرے اور تمہارے درمیان گواہ - وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ۵۱

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۵۲﴾

اور وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں باطل پر اور انکار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا وہی لوگ گھاٹے میں ہیں۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَلَوْلَآ أَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ

وہ آپ سے جلدی عذاب نازل ہونے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اور اگر میعاد مقرر نہ ہوتی تو آجاتا اُن پر

الْعَذَابُ ؕ وَلَيَأْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۳﴾ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ

عذاب ۵۲ اور (اپنے وقت پر) وہ ان پر اچانک آئیگا اور انھیں ہوش تک نہ ہوگا۔ وہ آپ سے جلدی عذاب

بِالْعَذَابِ ؕ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ يَوْمَ يَغْشٰهُمُ

لانے کا مطالبہ کرتے ہیں (ذراسی دیر ہے) جہنم یقیناً گھیرے گا ان کافروں کو جس دن ڈھانپ لیگا انھیں

الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا

عذاب ان کے اُوپر سے اور ان کے پاؤں کے نیچے سے اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا لو اب چکھو

کی کوئی امید ہی نہیں۔

۵۱ اے حبیب! آپ ان منکرین کو فرما دیجیے کہ مجھے اپنی صداقت کے ثبوت کے لیے نہ کسی دلیل کی ضرورت ہے اور نہ کسی معجزہ کی۔ میرے لیے یہ ہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ میری صداقت اور میری رسالت کی گواہی دے رہا ہے۔ وہ خدا جو ہر چیز کو جانتا ہے، جس سے کوئی چیز مخفی نہیں جب وہ یہ گواہی دے رہا ہے کہ میں اس کا سچا رسول ہوں تو اب ساری دنیا میرا انکار کرتی رہے اور میری تکذیب کرتی رہے مجھے اس کی ذرا پروا نہیں۔

۵۲ پہلی گمراہ قومیں بھی جب دلائل کے میدان میں شکست کھا جاتیں تو اپنا دل بہلانے کے لیے اپنے نبی کو کہتیں کہ ہم تیرے دین کو قبول نہیں کرتے۔ اگر تم سچے ہو تو ہم پر عذاب نازل کردو۔ یہی وطیرہ اہلِ مکہ کا ہے۔ وہ بھی کسی قیمت پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں۔ بلکہ کہہ رہے ہیں کہ ہم جو سالہا سال سے تمہاری دعوت کو ٹھکرا رہے ہیں اور تمہیں طرح طرح کی تکلیفیں پہنچا رہے

مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۵۵ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ

اپنے کرتوتوں کا مزہ ۵۳ اے میرے بندو! جو ایمان لے آئے ہو میری زمین بڑی

وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ۝۵۶ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ

کشادہ ہے سو میری ہی تم عبادت کیا کرو ۵۴ ہر ایک موت کا مزہ چکھنے والا ہے ۵۵

ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ۝۵۷ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

پھر ہماری طرف ہی تم لوٹائے جاؤ گے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے،

ہیں اگر تم سچے ہو تو ہم پر جلدی عذاب اتارنے کا بندوبست کیوں نہیں کرتے؟ فرمایا: تمہارے عذاب کے لیے قدرت نے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ جب وہ وقت آجائے گا تو تمہیں خود ہی عذاب کی چکی میں پیس دیا جائے گا۔ تمہیں خبر ہی نہ ہوگی اور تمہیں چشم زدن میں نیست و نابود کر دیا جائے گا۔

۵۳ اے حبیب! انہیں فرمایئے: دوزخ میں آگ تمہارے لیے بھڑکائی جارہی ہے، تمہیں اس میں پھینکا جائے گا۔ تمہارے اوپر بھی نہ درتہ آگ ہوگی اور تمہارے نیچے بھی، اس وقت تمہیں اپنی سرکشی کا لُطف آجائے گا۔

۵۴ بے بس مسلمانوں پر مکہ کے شداد و نمرود ظلم کے ایسے ہتھوڑے چلاتے کہ پہاڑوں کے دل بھی لرز جاتے۔ ان اذیتوں سے ڈر کر بعض لوگ اپنے ایمان کو ظاہر نہیں کیا کرتے تھے۔ انہیں بتایا جارہا ہے کہ اگر کوئی سرزمین ایسی ہو جہاں مومن اپنی مومنانہ زندگی کے تقاضوں کو پورا کرنے سے عاجز ہو، وہ اپنے رب کی عبادت نہ کرسکتا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے وطن کو چھوڑ کر کسی ایسی جگہ چلا جائے جہاں وہ بے خوف و خطر اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی عبادت میں مصروف رہ سکے۔ اس کا یہ عذر ہرگز قابلِ قبول نہ ہوگا کہ میں دل سے تو اسلام کو سچا دین تسلیم کرتا تھا لیکن میرے شہر یا علاقہ کے حالات اس قدر ناموافق تھے کہ اگر میں اپنے قلبی ایمان کا اظہار کرتا تو مجھے جان سے مار ڈالا جاتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میری زمین بڑی فراخ ہے۔ یہاں نہیں تو وہاں چلے جاؤ جہاں تمہیں میری یاد سے روکنے والا کوئی نہ ہو۔

۵۵ یہ زندگی فانی ہے۔ ہر شخص نے ایک نہ ایک دن موت کا پیالہ ہونٹوں سے لگانا ہے۔ اس وقت گھر بار بھی چھوٹ جائے گا، فرزند و زن، دوست احباب بھی پیچھے رہ جائیں گے۔ بجائے اس کے کہ مرتے وقت حالتِ اضطرار میں تم ان چیزوں کو چھوڑو کیا بہتر نہیں کہ اپنی مرضی اور اختیار سے اپنے معبودِ برحق کو راضی کرنے کے لیے ان سب علائق کو قطع کر دو۔ اگر ضروری ہو تو خوشی خوشی اپنے ہاتھوں سے محبت کی ان زنجیروں کو کاٹ دو۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

جاں بجاناں دِہ و گرنہ از تو بستاند اجل   فیصلہ بر تُست اے دل ایں بکُن یا آں بکُن

لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

اُنھیں ہم ٹھہرائیں گے جنت کے بالاخانوں میں ۵۶ رواں ہوں گی جن کے نیچے نہریں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝۵۸ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى

وہ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ کتنا عمدہ صلہ ہے نیک کام کرنے والوں کا۔ وہ جنھوں نے (ہر حال میں) صبر کیا اور صرف

رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝۵۹ وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ

اپنے رب پر بھروسہ کیے ہوتے ہیں۔ اور کتنے ہی زمین پر چلنے والے ہیں ۵۷ جو اٹھاتے نہیں پھرتے اپنا رزق۔

اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ۖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۶۰ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ

اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے انھیں بھی اور تمھیں بھی اور وہ سب باتیں سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ اور (اے حبیب!) اگر آپ

مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ

پوچھیں ان (مشرکوں) سے کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور کس نے فرمانبردار بنا دیا ہے سورج اور چاند کو تو

۵۶ غُرَفًا غُرْفَةٌ کی جمع ہے اس کا معنی بالاخانہ ہے(1)۔ حضرت سیدنا علیؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم نے فرمایا: اِنَّ فِی الْجَنَّةِ لَغُرَفًا یُرٰی ظُهُوْرُهَا مِنْ بُطُوْنِهَا وَبُطُوْنُهَا مِنْ ظُهُوْرِهَا۔ یعنی جنت میں ایسے بالاخانے ہیں کہ ان کی دیواریں اتنی شفاف ہوں گی کہ نگاہ کے سامنے حجاب نہیں ہونگی۔ باہر والے لوگ اندر والوں کو اور اندر والے لوگ باہر والوں کو دیکھ سکیں گے۔
ایک اعرابی نے جب حضور کا یہ ارشاد سنا تو کھڑا ہو کر عرض کرنے لگا: یارسول اللہ! یہ کس کو ملیں گے۔ قَالَ هِیَ لِمَنْ اَطَابَ الْكَلَامَ وَاَطْعَمَ الطَّعَامَ وَاَدَامَ الصِّيَامَ وَصَلّٰی لِلّٰهِ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ (ترمذی) (2)۔ حضورؐ نے فرمایا: یہ ان لوگوں کو ملیں گے جن کی گفتگو پاکیزہ ہوتی ہے، جو لوگوں کو کھانا کھلایا کرتے ہیں، جو ہمیشہ روزہ رکھا کرتے ہیں اور آدھی رات کو اٹھ کر جب لوگ سو رہے ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہو کر نماز پڑھتے ہیں۔

۵۷ جب کفارِ مکہ نے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔ ایمان کے بچانے کے لیے اب اس کے بغیر کوئی چارہ نہ رہا کہ مکہ کو چھوڑ کر کسی اور جگہ کو اپنا مسکن بنایا جائے جہاں ایمان کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ چنانچہ حضور سرورِ عالم ﷺ نے اپنے ماننے والوں کو ہجرت کر کے مدینہ طیبہ جانے کا حکم دیا تو بعض صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! نہ وہاں ہمارا کوئی پڑوسی، نہ کوئی رشتہ دار۔ ہم جب لٹے پٹے وہاں جائیں گے تو ہمارے کھانے پینے کا انتظام کون کرے گا؟ انہیں اطمینان دلانے کے لیے یہ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 13، ص 359 2۔ جامع ترمذی، ابواب صفۃ الجنۃ، باب ما جاء فی صفۃ غرف الجنۃ، ج 2، ص 75

لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝۶۱ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ

وہ ضرور کہیں گے، اللہ تعالیٰ نے، پھر وہ کہاں (توحید سے) پھیرے جاتے ہیں ۵۸۔ اللہ تعالیٰ کشادہ کرتا ہے رزق کو جس کے لیے

يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۶۲

چاہتا ہے اپنے بندوں سے اور تنگ کرتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ۵۹۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ

اور اگر آپ پوچھیں ان سے کہ کس نے اُتارا آسمان سے پانی، پھر زندہ کر دیا اس کے ساتھ

آیتِ کریمہ نازل ہوئی (1) کہ ذرا دیکھو یہ ان گنت قسم کے بے شمار جانور جو تمہیں ہر جگہ دکھائی دے رہے ہیں کیا انہوں نے اپنی پُشت پر اپنی خوراک کے ذخیرے لادے ہوئے ہیں؟ اگر انہیں اللہ تعالیٰ وقت پر خوراک مہیا فرما دیتا ہے تو فکر نہ کرو وہ تمہیں فراموش نہیں کرے گا۔ بلکہ وہ تمہارے کھانے پینے، رہائش وغیرہ کے جملہ انتظامات اپنی حکمت سے اس طرح کرے گا کہ تم حیران ہو کر رہ جاؤ گے۔ اس لیے اس چیز کی فکر میں خواہ مخواہ اپنے آپ کو پریشان نہ کرو جس کی ضمانت اللہ تعالیٰ نے لے رکھی ہے اور جو حکم تمہیں تمہارا آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیتا ہے بلا تامل اسے قبول کرو۔

۵۸ کفار کی زبان سے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اعتراف کرایا جا رہا ہے، پھر اس کی دو عملی پر اظہارِ تعجب کیا جا رہا ہے۔ یعنی اگر ان سے پوچھا جاتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کا خالق کون ہے؟ سورج اور چاند کس کے حکم کے مطابق اپنے طبعی فرائض انجام دے رہے ہیں؟ کس کی بندگی کا طوق ان کے گلے میں آویزاں ہے؟ تو کہتے ہیں کہ زمین و آسمان کا خالق بھی صرف اللہ تعالیٰ ہے اور سورج اور چاند بھی اسی کے حکم سے بے چون و چرا مصروفِ خدمت ہیں۔ اور ساتھ ہی اپنے بتوں کو بھی خدا مانتے ہیں، ان کی عبادت کرتے ہیں۔ عجیب ہیں یہ لوگ کہ ایسی چیزوں کو الوہیت اور خدائی میں اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہیں جن کا آفرینشِ عالم یا تدبیرِ عالم میں قطعاً کوئی حصہ نہیں۔ کسی رائے سے پھر جانے، کسی نظریہ سے روگردانی کرنے کو عربی میں افک کہتے ہیں۔ اَفَكَ عَنْ رَّاْیِهٖ: قَلَّبَ رَاْیَهٗ۔ (2)

۵۹ کفار مسلمانوں کو عار دلایا کرتے کہ تم کہتے ہو کہ تم خدائے برحق کے پرستار ہو جو ہر چیز کا مالک ہے۔ اگر تمہاری اس بات میں ذرا بھی صداقت ہوتی تو تمہاری خستہ حالی کا یہ عالم ہوتا؟ پاؤں میں جوتا نہیں۔ بدن پر چیتھڑے ہیں۔ کھانے کو باسی روٹی کبھی کبھار میسر ہوتی ہے۔ کیا خدا کے ماننے والے ایسے ہوا کرتے ہیں؟ اس کا رد فرما دیا کہ دولت کی کثرت و قلت حق و باطل کی شناخت کا کوئی معیار نہیں۔ وہ اپنے بندوں کے حالات کو خود بہتر جانتا ہے۔ دولت کی تقسیم اس کی حکمت کے مطابق کی جاتی ہے۔ اور اس حکمت کو تم نہیں جان سکتے۔ وہی خوب جانتا ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 360   2۔ المنجد، ص 13

مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ

زمین کو اس کے بنجر بن جانے کے بعد تو ضرور کہیں گے اللہ تعالیٰ نے ۶۰ آپ فرمائیے الحمد للہ (حق واضح ہو گیا) ۶۱

لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۶۳ وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ وَ

بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نادان ہیں۔ اور نہیں یہ دنیوی زندگی مگر لہو و لعب ۶۲ اور

اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝۶۴ فَاِذَا

دارِ آخرت کی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے (جسے موت نہیں) کاش! وہ اس حقیقت کو جانتے۔ پھر جب

رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ

سوار ہوتے ہیں کشتی میں تو دعا مانگتے ہیں اللہ تعالیٰ سے خالص کرتے ہوئے اس کے لیے اپنے دین کو ۶۳ پھر جب

۶۰ پھر ان سے توحید کا اقرار کرایا جا رہا ہے۔

۶۱ جس توحید کا وہ انکار کیا کرتے تھے اسی کا اقرار اپنی زبان سے کر رہے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حمد و شکر بجا لانے کا حکم فرما رہے ہیں کہ آپ کی دعوت کی صداقت اتنی عیاں ہے کہ دشمن بھی اسے ماننے پر مجبور ہو گیا۔ عَلٰی تَصْدِيْقِكَ وَاظْهَارِ حُجَّتِكَ (مظہری)(1)

۶۲ کفار اس دنیوی زندگی کی لذتوں پر فریفتہ تھے اور آخرت کا کبھی انہیں خیال تک بھی نہ آتا تھا۔ انہیں حقیقتِ حال سے آگاہ کیا جا رہا ہے کہ یہ دنیا اور اس کی زیب و زینت تو ایک کھیل تماشا سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ لمحہ بھر کے لیے تو بڑی رونق ہوتی ہے۔ تماشا دیکھنے والوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ جمع ہو جاتے ہیں۔ لیکن ادھر کھیل ختم ہوا ادھر ہر کوئی اپنے اپنے گھر کو سدھار گیا۔ وہی میدان جہاں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی وہاں اب خاک اڑنے لگتی ہے۔ کتنا نادان ہے جو یہ خیال کرتا ہے کہ یہ محفل یونہی سجی رہے گی۔ یہ تماشا یونہی جاری رہے گا۔ یہ قہقہے اسی طرح بلند ہوتے رہیں گے۔ بس بعینہٖ یہی مثال اس بزمِ ہستی کی ہے۔ مانا آج ہر طرف بڑی چہل پہل ہے۔ پھول کھل رہے ہیں۔ کلیاں مسکرا رہی ہیں۔ ہری ہری شاخوں پر بیٹھے ہوئے طیور نغمہ سنجی کر رہے ہیں۔ لیکن ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا رہے گا۔ اس لیے نادان نہ بنو، اپنی اس ابدی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے فرصت کے ان لمحوں کو غنیمت جانو۔ تمہیں تو اپنی دانشمندی اور زیرکی پر بڑا ناز ہے۔ تم اتنا بھی نہیں سوچتے کہ ابدی اور دائمی زندگی کو نظر انداز کر کے اس ناپائیدار زندگی کی عشرتوں میں محو رہنا بڑے گھاٹے کا سودا ہے۔

۶۳ کفار کی ایک دوسری حماقت بلکہ زیادتی اور بے انصافی کا بیان ہو رہا ہے کہ یہ بھی عجیب لوگ ہیں۔ جب یہ کشتیوں پر سوار ہو

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 214

اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٥﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ وَلِيَتَمَتَّعُوْا

سلامتی سے پہنچاتا ہے انھیں خشکی پر تو اس وقت وہ شرک کرنے لگتے ہیں۔ وہ ناشکری کریں جو نعمت ہم نے انھیں دی ہے ۶۴ اور لطف

فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٦﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ

اٹھالیں (اس سے) وہ عنقریب جان لیں گے (حقیقت کو) کیا انھوں نے (غور سے) نہیں دیکھا کہ ہم نے بنا دیا ہے حرم کو امن والا حالانکہ اچک لیا

النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ

جاتا ہے لوگوں کو ان کے آس پاس سے ۶۵ کیا وہ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں

کر سمندری سفر پر روانہ ہوتے ہیں اور راستہ میں کوئی طوفان انہیں گھیر لیتا ہے، کشتی ہچکولے کھانے لگتی ہے، سمندر کی بپھری ہوئی موجیں کشتی سے آ کر ٹکرانے لگتی ہیں اور نجات کی بظاہر کوئی صورت باقی نہیں رہتی تو اُس وقت اپنے بتوں سے منہ پھیر لیتے ہیں اور صرف اللہ تعالیٰ کی جناب میں بڑے خلوص سے فریادیں کرتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے انہیں سلامتی کے ساتھ ساحل پر پہنچا دیتا ہے تو پھر خداوندِ کریم کو بُھلا دیتے ہیں، فوراً شرک کرنا شروع کر دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہمیں ہمارے فلاں معبود نے اس طوفان کی زد سے بچالیا۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہلِ جاہلیت کا یہ دستور تھا کہ جب سمندری سفر پر جاتے تو اپنے ساتھ اپنے بتوں کو بھی لے جاتے اور ہوا تیز ہو جاتی اور آندھی آ جاتی تو ان بتوں کو سمندر میں پھینک دیتے اور کہتے یارب، یارب۔ اے ہمارے رب، اے ہمارے رب! (مظہری) (1)

۶۴ یہ لامِ امر ہے۔ مقصد انہیں ڈرانا اور دھمکی دینا ہے کہ کر لو کفر اور اٹھا لو لطف اس فانی زندگی کی لذتوں سے ابھی تمہیں اس کا انجام معلوم ہو جائے گا۔ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٤٠﴾ (2) کرو جو تم چاہتے ہو۔ وہ تمہارے سارے کرتوتوں کو خوب دیکھ رہا ہے (3)۔ یہاں اِعْمَلُوْا امر ہے لیکن اس کا یہ مقصد نہیں کہ انہیں اجازت دی جارہی ہے کہ جو تمہاری مرضی ہے کرتے رہو۔ بلکہ مقصد دھمکی دینا ہے۔ اور بعض علماء نے اسے ''لامِ کَی'' کہا ہے۔ یعنی ہم نے ان کو اس لیے نجات دی کہ وہ کفر کریں، عیش و عشرت کریں۔

۶۵ اپنا ایک عظیم احسان مکہ والوں کو یاد دلایا جارہا ہے کہ ملک بھر میں کہیں امن نہیں، ہر طرف لوٹ کھسوٹ کی گرم بازاری ہے۔ کسی کی جان، کسی کا مال محفوظ نہیں۔ ہم نے تم کو حرم شریف کا پڑوسی بنا کر ہر قسم کی دست درازیوں سے بچالیا۔ بجائے اس کے کہ تم صرف مجھے جو تمہارا خالق بھی ہوں اور رازق بھی، اپنا الٰہ اور معبود بناتے۔ الٹا تم نے میری عبودیت و بندگی کا رشتہ تو گلے سے اُتار کر پھینک دیا اور ۳۶۰ بتوں کو اپنا خدا، معبود اور حاجت روا سمجھ رہے ہو۔ آخر ناشکری اور احسان فراموشی کی بھی کوئی حد ہونی چاہیے۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 215 2۔ سورہ حم السجدہ: 40 3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 215

يَكْفُرُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ

اور کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان لگایا ٦٦ یا

كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى

حق کو جھٹلایا جب وہ اس کے پاس آیا ٦٧ کیا نہیں ہے جہنم میں ٹھکانا کفار

لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٨﴾ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ

کے لیے۔ اور جو (بلند ہمت) مصروفِ جہاد رہتے ہیں ہمیں راضی کرنے کے لیے ہم ضرور دکھا

وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٦٩﴾

دینگے انھیں اپنے راستے۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ (ہر وقت) محسنین کے ساتھ ہے ٦٨

٦٦ اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھنے کا یہ مطلب ہے کہ کسی کو اس کا شریک ٹھہرایا جائے یا کسی کو اس کا بیٹا یا بیٹی تسلیم کیا جائے حالانکہ وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ کائنات کی ہر چیز اُس کی وحدانیت پر گواہی دے رہی ہے۔ وہ ہر قسم کی ضرورت اور احتیاج سے پاک ہے تاکہ اسے بیٹے اور بیٹی کی حاجت ہو۔ واقعی اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس کا کسی کو شریک بنایا جائے یا اس کے لیے اولاد کی احتیاج ثابت کی جائے؟

نیز کفار کو جب ان کی بدکرداریوں پر ٹوکا جاتا اور فسق و فجور سے منع کیا جاتا تو بجائے اس کے کہ وہ نادم ہو کر توبہ کرتے وہ غایت درجہ بے حیائی سے یہ کہا کرتے کہ یہ کام ہم حکمِ الٰہی کے مطابق کیا کرتے ہیں۔ اس نے ہمیں ایسا کرنے کا حکم دیا ہے وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا۔ یہ بھی ان کی افتراپردازیوں میں سے ایک سنگین قسم کی افتراء پردازی تھی۔ (1)

٦٧ حق سے مراد قرآنِ کریم بھی ہو سکتا ہے اور ذاتِ حبیبِ کبریاء محمد مصطفیٰ بھی۔ یعنی جب قرآنِ کریم ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو وہ اس میں غور و فکر ضروری نہیں سمجھتے اور فوراً اس کا انکار کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ خدا کا کلام نہیں بلکہ کسی انسان کا بنایا ہوا کلام ہے۔ یا اللہ تعالیٰ کا رسول جب انہیں اپنی رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے تو اس کو بھی جھٹلا دیتے ہیں۔ خود غور کرو جو قوم اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھے اور قرآنِ کریم اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جھٹلانے میں شرم محسوس نہ کرے تو اس کا ٹھکانا جہنم کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ (2)

٦٨ اس آیت سے سورۂ عنکبوت کا اختتام ہو رہا ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 364 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 216

منزلِ محبت کی راہ بڑی طویل اور کٹھن ہے۔قدم قدم پر کانٹے بکھرے پڑے ہیں۔مشکلات کی چٹانیں سینہ تانے کھڑی ہیں مہیب جنگلوں اور سنسان صحراؤں کا ختم نہ ہونے والا سلسلہ، اس راہ پر قدم بڑھاتے چلے جانا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ لیکن اس آیتِ طیبہ میں سالک راہِ حقیقت کو جو نوید جانفزا سنائی جارہی ہے اس کے بعد کانٹے پھولوں سے بھی پیارے لگنے لگتے ہیں۔راستہ کی ویرانیاں، فردوس بداماں دکھائی دینے لگتی ہیں۔ ہر رکاوٹ، ہر مشکل راہوارِ شوق کے لیے مہمیز کا کام دینے لگتی ہے۔آیئے! اس آیتِ طیبہ کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کریں۔لغتِ عرب میں جہاد کا یہ مفہوم بیان کیا گیا ہے: اَلْجِهَادُ وَالْمُجَاهَدَةُ اسْتِفْرَاغُ الْوُسْعِ فِيْ مُدَافَعَةِ الْعَدُوِّ (1)۔یعنی ''دشمن سے بچاؤ کرنے کے لیے اپنی امکانی قوت وطاقت کو صرف کردینا جہاد اور مجاہدہ کہلاتا ہے۔'' اس سے معلوم ہوا کہ ایسی کوشش جس میں بے دلی سے کام لیا گیا ہو، اسے جہاد نہیں کہیں گے۔جن دشمنوں کے خلاف جہاد کرنے کی رغبت دلائی جارہی ہے ان سے مراد ظاہری اور باطنی دونوں دشمن ہیں۔یعنی اسلام کے ظاہری دشمنوں کے خلاف میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت دینا بھی جہاد ہے اور ہوائے نفس اور شیطان کے وسوسوں سے برسرِ پیکار رہنا بھی جہاد ہے۔حدیثِ پاک میں ہے: جَاهِدُوْا اَهْوَاءَكُمْ كَمَا تُجَاهِدُوْنَ اَعْدَاءَكُمْ جس طرح تم اپنے ظاہری دشمنوں سے جہاد کرتے ہو اسی طرح اپنی نفسانی خواہشات کے خلاف بھی جہاد کرو۔

''فِيْنَا'' کا لفظ بڑا غور طلب ہے۔اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اس جہاد اور سرتوڑ کوشش کے پیشِ نظر کوئی دنیوی مقصد نہ ہو۔ساری دوڑ دھوپ اپنی ناموری اور حصولِ جاہ ومنصب کے لیے نہ ہو، بلکہ اس ساری جدوجہد کا مدعا اللہ تعالیٰ کی رضا ہو۔اگر اس میں ذرا سا فتور بھی آگیا تو اسے بھی قرآن کی اصطلاح میں جہاد نہیں کہا جائے گا۔(2)

ان الفاظ کا خلاصہ یہ ہوا کہ وہ لوگ جو ہماری رضا کے حصول کے لیے دینِ حق کی سربلندی کے لیے ظاہری وباطنی دشمنوں سے برسرِ پیکار رہتے ہیں۔تو ان پر یہ مہربانی کی جاتی ہے جس کا ذکر اگلے فقرے میں آرہا ہے۔یعنی لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا الخ ہدایت کا معنی ہے اَلدَّلَالَةُ اِلٰى مَا يُوْصِلُ اِلَى الْمَطْلُوْبِ ''ایسی چیز تک رسائی جو مطلوب تک پہنچادے''۔نونِ تاکید ثقیلہ اور لامِ تاکید سے کلام میں جو زور پیدا ہوگیا ہے وہ اہل نظر سے مخفی نہیں۔''سُبُل'' جمع ہے سبیل کی۔اس کی تشریح کرتے ہوئے امام راغب رقمطراز ہیں: اَلسَّبِيْلُ: اَلطَّرِيْقُ الَّذِيْ فِيْهِ سُهُوْلَةٌ(3)۔یعنی وہ راستہ جو منزل تک بآسانی پہنچادے۔یہاں سُبُل جمع کا لفظ استعمال ہوا کیونکہ ہر بندہ کا اپنے مولا کریم سے راہِ نیاز اور رابطہ بندگی جدا جدا ہے۔ ع

ہر گدا را بردرت نازِ دگر

مطلب یہ ہوا کہ جو اولوالعزم، کلمۂ حق بلند کرنے کے لیے خلوصِ نیت کے ساتھ سردھڑ کی بازی لگادیں گے ہم انہیں ان راستوں تک پہنچادیں گے جن پر چل کر وہ بآسانی منزلِ مقصود تک پہنچ جائیں گے۔

وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ الخ یہ ارشاد کتنا اطمینان خیز ہے۔بتادیا کہ راہِ محبت کے راہرو اپنے آپ کو تنہا خیال نہ کریں۔ان کا کریم پروردگار ان کے ساتھ ہے۔قدم قدم پر ان کی راہنمائی فرمارہا ہے۔ہر مشکل مرحلہ پر ان کی دستگیری کررہا ہے۔جب بھی ان کے قدم پھسلنے لگتے ہیں اس کی توفیق آگے بڑھ کر ان کو سنبھال لیتی ہے اور گرنے نہیں دیتی۔اور جس مسافر کو محبوبِ حقیقی

1۔تفسیر روح البیان، زیر آیت ہذا، ج6، ص497 2۔ایضاً، ج6، ص498 3۔مفرداتِ راغب، ص395

کی معیت نصیب ہو تو منزل کتنی بلند، دور اور کٹھن کیوں نہ ہو، خود بخود ان کے قریب ہو جایا کرتی ہے۔ نیز اپنے بندوں کے بدخواہوں کو بھی خبردار کر دیا کہ وہ انہیں اکیلا اور بے یار و مددگار مت سمجھیں۔ میری نصرت، میری تائید ان کے شریکِ حال ہے۔ تمہارا کوئی مکر و فسوں، تمہارا کوئی حیلہ اور تدبیر انہیں گزند نہیں پہنچا سکتی۔

اِنَّ تاکید کے لیے ہے۔ پھر مَعَ پر لامِ تاکید ہے۔ نیز یہاں علَمِ ذات مذکور ہے تاکہ کسی کو شک وشبہ کی گنجائش ہی باقی نہ رہے۔

بے شک جنہیں اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہوتی ہے نہ انہیں نفس فریب دے سکتا ہے، نہ انہیں شیطان بہکا سکتا ہے اور نہ کوئی جابر دشمن ان کا بال بیکا کر سکتا ہے۔ خلوصِ نیت سے مصروفِ جہاد رہنا، اپنی توانائیوں اور وسائل کو آخری حد تک بروئے کار لانا ان کا کام ہے اور منزلِ مقصود تک پہنچانا ان کے ربِ کریم کی ذمہ داری ہے۔ وَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ۔

تعارف سُورۃ الرّوم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس سورت کا نام الروم ہے جو دوسری آیت غُلِبَتِ الرُّوۡمُ سے ماخوذ ہے۔ یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی (1)۔ اس میں چھ رکوع، ساٹھ آیتیں، آٹھ سو انیس کلمات، تین ہزار پانچ صد چونتیس حروف ہیں۔

زمانۂ نزول: اس سورت کی پہلی پانچ آیتیں اس بات کی ناقابلِ تردید دلیل ہیں کہ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو علیم بھی ہے اور خبیر بھی۔ جس کے علمِ محیط کے سامنے ماضی اور مستقبل کا ہر واقعہ عیاں ہے اور حضور نبی رحمت محمد مصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ افضل التحیۃ واجمل الثناء اسی ہمہ دان اور ہمہ بین رب العالمین کے سچے رسول ہیں۔ لیکن یہ حجتِ قاطعہ اس وقت تک اپنی عظمت وجلالت کے ساتھ جلوہ نما نہیں ہوتی جب تک کہ روم وفارس کی باہمی طویل اور خونریز آویزش کا تذکرہ نہ کیا جائے۔ اس لیے طوالت سے دامن بچاتے ہوئے ان آیات کا تاریخی پسِ منظر قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

خسرو اوّل جو نوشیروان عادل کے نام سے معروف ہے کی وفات کے بعد اس کا چہیتا بیٹا ہرمز تختِ ساسان کا وارث بنا۔ اپنے نامور باپ کی وسیع وعریض مملکت کے علاوہ اسے اپنے باپ کی شہرت، نیک نامی، عادلانہ اور دانشمندانہ آئینِ جہانبانی بھی ورثہ میں ملا۔ مزید برآں اسے بزرجمہر جیسے نیک نفس اور پاک طینت استاد اور فلسفی کی سرپرستی بھی میسر آئی جو اپنی علمی قابلیت اور فلسفیانہ اندازِ فکر میں بے مثال تھا، لیکن جب بزرجمہر پیرانہ سالی کے باعث اُمورِ سلطنت سے الگ ہوکر گوشہ نشین ہوگیا، تو اس کے نوجوان شاگرد ہرمز کے اِردگرد خوشامدی اور بددیانت لوگوں کا جمگھٹا ہوگیا۔ انہوں نے چُن چُن کر نوشیروان کے مخلص اور زیرک مشیروں کو دربارِ شاہی سے نکال دیا اور آہستہ آہستہ ہرمز کے دل کو عدل وانصاف، نیکی ورعایا پروری کے جذبات سے متنفر کردیا۔ رفتہ رفتہ ملک کا نظم ونسق تباہ ہونے لگا۔ جن لوگوں نے ازراہِ خیر خواہی بادشاہ کی توجہ کو بگڑتے ہوئے حالات کی طرف مبذول کرایا، انہیں قتل کردیا گیا۔ جہاں کہیں اس ظلم وستم کے خلاف فریاد اور احتجاج کی آواز بلند ہوئی اسے عسکری قوت سے کچل دیا گیا۔ ہرمز نے اعلان کردیا کہ وہ صرف بادشاہ ہی نہیں، قاضی الحاجات بھی ہے اور اسی کا فیصلہ آخری فیصلہ ہے۔ شاہی محلات کے درودیوار، شاہی دربار کا کونہ کونہ مملکت کے تمام شہر اور دیہات اور دجلہ کا پانی بے گناہوں کے خون سے رنگین نظر آنے لگا۔ اور اسی جبر وتشدد پر ہرمز اظہارِ فخر ومباہات کیا کرتا۔

آخر تنگ آکر ملک کے مختلف صوبوں، بابل، سوسا اور کارمینہ نے علمِ بغاوت بلند کردیا۔ عرب وہند کے باجگزار سلاطین نے خراج ادا کرنے سے انکار کردیا۔ ایران کے ملکی حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے رومیوں نے بھی ازسرِنو اپنی ترک تازیوں اور

1۔ تفسیر قرطبی، جز 14، ص 1

غارتگریوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔

ترکستان کا خانخاناں تین چار لاکھ ترکوں کی جمعیت لے کر ایران کی مشرقی سرحد پر آپہنچا اور ظاہر یہ کیا کہ وہ رومیوں کے مقابلہ میں ہرمز کی امداد کرنے کے لیے یہ لشکرِ جرار لے کر آیا ہے۔ ناعاقبت اندیش ہرمز اس دامِ فریب میں پھنس گیا۔ اُس نے اپنے شہروں کے دروازے ترکوں کے لیے کھول دیئے۔ جب وہ اپنے قدم جما چکے تو اُسے اس وقت معلوم ہوا کہ وہ تو فقط مملکتِ ساسان کا چراغ ہمیشہ کے لیے گل کرنے کے لیے آئے تھے اور ترکوں نے رومیوں کے ساتھ ساز باز کرنے کے بعد ادھر کا رخ کیا تھا۔ اب ایران دو جابر اور طاقتور دشمنوں کے چنگل میں پھنس چکا تھا۔ سارے خوشامدی لرزہ براندام تھے۔ ہرمز خود پریشان تھا۔ اُس وقت بہرام آگے بڑھا اور دس بارہ ہزار بہادر سپاہیوں کو لے کر ترکوں کی ٹڈی دل افواج کو شکست فاش دی۔ ہرمز کے دل میں اس کے خلاف حسد کی آگ سلگنے لگی۔ اس کے حواریوں نے یہ چغلی کھائی کہ بہرام نے لوٹ کے مال سے قیمتی اشیاء اپنے لیے مختص کر لی ہیں، اس سے وہ اور بھڑکا، لیکن رومیوں کے اچانک حملہ نے اسے انتقامی کارروائی سے روک دیا۔ بہرام کو بڑی پذیرائی بخشی گئی اور اسے رومیوں کے مقابلہ کے لیے مقرر کیا گیا۔ اس جنگ میں بہرام کا ایک جنگی منصوبہ بادشاہ کو پسند نہ آیا اور اس نے اسے بہانہ بنا کر اپنے ایک شاہی قاصد کے ذریعے اسے ایک سوت یا اون کاتنے کی لکڑی، چرخہ اور ایک زنانہ جوڑا بھیجا۔ اس نے بادشاہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے یہ زنانہ لباس پہنا اور اسی طرح اپنے لشکر کے سامنے آیا۔ اپنے بہادر جرنیل کی اس بے عزتی پر افواج کو یارائے صبر نہ رہا۔ سب نے بغاوت کر دی اور بہرام کے ساتھ حلفِ وفاداری اٹھایا۔ دوسرا شاہی قاصد جو بیڑیاں لے کر آیا تھا تاکہ بہرام کو ان میں جکڑ کر حاضر دربار کرے۔ اسے لوگوں نے شدتِ غضب سے اپنے پاؤں کے نیچے روند ڈالا۔ قلیل عرصہ میں لوگ بہرام کے پرچم کے نیچے جمع ہو گئے۔ سارا ملک اور دار السلطنت مدائن بھی ہرمز کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا بڑا لڑکا خسرو دوم اس شور و شغب میں شہر سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ ایک ساسانی شہزادہ بندوز (BINDOES) کی ترغیب پر وہ واپس آیا اور تاجِ شاہی اس کے سر پر رکھ دیا گیا۔ ایک عام عدالت میں ہرمز کو بطورِ مجرم پیش کیا گیا اس کا اترا ہوا چہرہ خلعتِ شاہی کے بجائے اس کے بدن پر چیتھڑے، اس کی اشک بار آنکھیں، وہ زنجیریں جن میں اسے جکڑا گیا تھا، دُرّوں کے وہ نشان جو اس کے جسم پر جگہ جگہ نظر آ رہے تھے، اس کے ظالمانہ، سفاکانہ اور وحشیانہ افعال کی شدت کو کم نہ کر سکے۔ اس نے مطالبہ کیا کہ خسرو کو معزول کر دیا جائے اور اس کے چھوٹے بیٹے کو تخت نشین کیا جائے، لیکن اس کی یہ خواہش ٹھکرا دی گئی، بلکہ اس کے سامنے اس کی ملکہ اور اس کے لڑکے کی لاش رکھ دی گئی۔ اس کی آنکھوں میں گرم سوئیاں چبھو دی گئیں۔ ہرمز کو یہ لرزہ خیز سزا دینے کے بعد اس کے بیٹے خسرو کی رسمِ تاجپوشی بڑی دھوم دھام سے منائی گئی۔ خسرو نے اپنے باپ کو زمین دوز قید خانہ سے نکالا اور اسے محل میں ٹھہرایا۔ اس کے آرام و آسائش کے سارے اسباب فراہم کیے اور بڑے صبر و تحمل سے اس کی گالی گلوچ کو برداشت کرتا رہا، لیکن بہرام نے خسرو کو بادشاہ تسلیم نہ کیا اور اس کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ خسرو میں مقابلہ کی تاب نہ تھی۔ حالات بھی اس کے موافق نہ تھے۔ اسے اپنی جان کا بھی خطرہ تھا۔ چنانچہ اپنے دوستوں سے طویل مشورے کے بعد ترکوں کے ہاں پناہ لینے کے بجائے اُس نے رومی حکومت میں پناہ لینے کا فیصلہ کیا۔ رومی سلطنت کی سرحد بھی قریب تھی اور راہِ فرار بھی آسان تھی۔ چنانچہ وہ اپنی داشتہ عورتوں کو لے کر صرف تیس پہرہ دار سپاہیوں کی معیت میں رومی مملکت میں پناہ گزین ہو گیا۔ سرحدی حکام نے اسے پناہ دی۔ بڑے احترام کے ساتھ

اسے بیزنطینہ کے بادشاہ ماریس MAURICE کے پاس پہنچا دیا گیا۔ رومی بادشاہ نے اس کا شاہانہ استقبال کیا۔ سابقہ رنجشوں کو بھلا کر اس کی خاطر مدارت کی حد کر دی۔ جلاوطن شہزادہ کو اس نے قیمتی تاج پہنایا۔ گراں بہا لعل و جواہر اسے بطور تحفہ دیے اور اپنے بہادر، وفا شعار جرنیل نارسس (NARSES) کو ایک لشکرِ جرار دے کر حکم دیا کہ وہ خسرو کا کھویا ہوا تخت اسے واپس دلائے۔ اس عرصہ میں لوگ بھی بہرام سے دل برداشتہ ہو چکے تھے اور اپنے کیے پر نادم تھے۔ جب خسرو رومی لشکر کو لے کر واپس آیا تو ایرانیوں نے اپنے معزول بادشاہ کا بڑے تپاک سے استقبال کیا اور اس کی فوج میں شامل ہو گئے۔ بہرام نے دو مقامات دریائے زور کے کنارے اور میڈیا کی سرحد پر خسرو کا مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی۔ وہاں سے بھاگ نکلا، راستہ میں کسی نے زہر دی اور یہ ہلاک ہو گیا۔ اس طرح خسرو نے رومی بادشاہ ماریس کی اعانت سے اپنا کھویا ہوا تخت واپس لیا۔

خسرو ماریس کی اس اعانت اور عنایت کے باعث اسے اپنا باپ کہا کرتا تھا۔ ابنِ خلدون نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ خسرو کی خواہش پر رومی بادشاہ نے اپنی بیٹی مریم کی اس سے شادی کر دی۔ ایک فائدہ اس کا یہ ہوا کہ ایران اور روم کے درمیان آئے روز جنگوں کا سلسلہ ختم ہو گیا اور دونوں حکومتوں میں صلح ہو گئی اور امن قائم ہو گیا۔ رومی مملکت اور اس کے بادشاہ کی دھاک بیٹھ گئی اور ایران میں اس کا اثر و نفوذ اس حد تک بڑھ گیا کہ خیال کیا جانے لگا کہ خسرو عیسائیت قبول کر لے گا۔ لیکن ماگی (MAGI) کی شخصیت نے اس تصور کو ملیامیٹ کر دیا۔

مشرق میں ماریس کا طوطی بول رہا تھا، لیکن یورپ میں حالات کا رخ اس کے خلاف تھا۔ ماریس سے چند ایسی غلطیاں ہوئیں (جن کی تفصیل کا یہ مقام نہیں) کہ وہاں کے لوگ اس سے متنفر ہو گئے اور انہوں نے ایک معمولی فوجی فوکس (PHOCAS) کو اپنا سپہ سالار مقرر کر لیا اور قسطنطینیہ پر چڑھائی کر دی۔ لیکن باغیوں کو اپنی اس جلد بازی پر ندامت ہونے لگی۔ اس کے باوجود وہ ماریس کو بادشاہ بنائے رکھنے پر رضا مند نہ ہوئے۔ البتہ اس کے بیٹے تھیوڈوسس (THEODOSIUS) اور اس کے سسر جرمانوس (GERMANUS) کے ساتھ دوستانہ خط و کتابت شروع کر دی۔ فوکس ایک بالکل غیر معروف آدمی تھا۔ شاہِ روم اس کے نام تک سے واقف نہ تھا۔ جب اسے بتایا گیا کہ فوکس سازشی ہونے کے باوجود بزدل ہے تو اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ افسوس! اگر وہ بزدل ہے تو یقیناً ایک قاتل ثابت ہو گا۔

حالات تیزی سے بگڑتے گئے۔ آخر کار بدقسمت ماریس اپنی بیوی اور نو بچوں کو لے کر ایک چھوٹی سی کشتی میں ایشیائی ساحل کی طرف بھاگ نکلا مگر بادِ مخالف کی شدت نے اسے مجبور کر دیا کہ کالسیڈن کے قریب سینٹ آٹونومس میں پناہ لے۔ یہاں سے اس نے اپنے لڑکے کو ایران بھیجا تا کہ خسرو شاہِ ایران سے امداد طلب کرے لیکن خود اس نے بھاگنے سے انکار کر دیا۔ اسے طرح طرح کی جسمانی اذیتیں دی گئی، لیکن یہ صبر سے برداشت کرتا رہا۔ جب اسے شاہی تخت سے اُتار دیا گیا، تو اس کے جانشین کے بارے میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ آخر کار نظرِ انتخاب فوکس پر پڑی اور اس کے سر پر بیزنطینی مملکت کا تاج رکھ دیا گیا۔ اس نے اپنے حامیوں پر انعام و اکرام کی بارش کر دی۔ ان کے لیے خزانوں کے منہ کھول دیئے۔ پادریوں نے بھی اس کی شاہی کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ یوحنا کے کلیسا میں لے جا کر اسے خراجِ عقیدت پیش کیا گیا۔ تیسرے روز وہ ایک شاہی رتھ پر سوار ہو کر جسے چار سفید براق گھوڑے کھینچ رہے تھے۔ نکلا تو بے شعور عوام نے اس پر داد و تحسین کے پھول برسانے میں حد کر دی۔

اسے معلوم ہوا کہ ماریس ابھی زندہ ہے۔ اس نے جلادوں کو بھیجا کہ اسے پکڑ کر لائیں۔ چنانچہ ماریس اپنے پانچ بیٹوں کے ساتھ اس مقدس کلیسا سے پکڑ کر لایا گیا۔ اس کے سامنے اس کے پانچوں بیٹوں کو یکے بعد دیگرے قتل کر دیا گیا۔ جب بھی جلاد اس کے کسی بیٹے کا سر قلم کرنے کے لیے ضرب لگاتا وہ بڑی جرأت سے کہتا ''اے خدا تو عادل ہے اور تیرے فیصلے درست ہیں''۔ آخر اس کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ ان کی لاشوں کو سمندر میں پھینک دیا گیا اور ان کے سروں کو سر بازار لٹکا دیا گیا۔ اس وقت اس کی عمر ۶۳ سال تھی اور اس کا دورِ حکومت بیس سال۔

کچھ عرصہ بعد ماریس کی بیوہ کانسٹنٹینیا (CONSTANTINIA) کو اس کی تین معصوم بچیوں سمیت کالسیڈن کے اسی میدان میں ذبح کر دیا گیا جہاں چندروز پہلے اس کے خاوند اور اس کے پانچ بچوں کو قتل کر دیا گیا تھا۔

جب ان خونی واقعات کا علم خسرو کو ہوا تو وہ آپے سے باہر ہو گیا اور اعلان کیا کہ وہ اپنے محسن اور باپ ماریس، اس کی بیوہ، اس کے بچوں اور بچیوں کا انتقام فوکس سے ضرور لے گا۔ چنانچہ خسرو نے فوکس کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا اور رومی مملکت پر چڑھائی کر دی۔

جلد ہی ماردین، دارا، امیڈا اور ایڈیسا کے قلعوں کا محاصرہ کیا اور انہیں خاک سیاہ بنا کر رکھ دیا۔ دریائے فرات کو عبور کر کے اُس نے شام کے مشہور شہروں الیسپو وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ ادھر رومی فوکس کے مظالم اور ایرانیوں کے مقابلہ میں اس کی شکست کے باعث اس سے دل برداشتہ ہو گئے۔ انہوں نے افریقہ کے گورنر ہرقل سے ساز باز شروع کی کہ وہ روم کا تخت سنبھالے اور رومی سلطنت کو تباہی اور بربادی سے بچائے۔ ہرقل بوڑھا ہو چکا تھا اِس لیے اُس نے اپنے جواں سال بیٹے ہرقل ثانی کو اس مہم کے لیے نامزد کیا۔ اس نے بڑی جُرأت اور تیزی سے پیشقدمی کی اور فوکس کو اس کے حملہ کی اس وقت خبر ہوئی جب اس نے اپنے محل کی کھڑکیوں سے ہرقل کے جنگی بیڑے کے بادبان اور بلند پرچم لہراتے ہوئے دیکھے۔ معمولی جھڑپ کے بعد ہرقل فتح کے شادیانے بجاتا ہوا قسطنطنیہ میں داخل ہوا۔ فوکس کو پابجولاں حاضر کیا گیا۔ اس کا سر کاٹ کر پھینک دیا گیا۔ اس کی لاش کو نذرِ آتش کر دیا گیا اور ہرقل نے فوکس کے حامیوں پر وہی ظلم وستم کیے جو انہوں نے زمامِ اقتدار سنبھالتے وقت اپنے دشمنوں پر کیے تھے۔ یہ واقعہ ۶۱۰ عیسوی کا ہے۔ یہ وہی سال ہے جب حضور سرورِ عالم ﷺ نے نبوت کا اعلان فرمایا تھا۔ خسرو جو اپنے محسن کا انتقام لینے کے لیے بڑھا چلا آ رہا تھا۔ اس کو پتہ چل گیا کہ اس کے محسن کا قاتل فوکس کیفرِ کردار کو پہنچ چکا ہے۔ اگر اس کی چڑھائی کا مقصد صرف انتقام لینا تھا تو وہ پورا ہو چکا تھا۔ اسے چاہیے تھا کہ وہ اب واپس لوٹ آتا، لیکن اس نے ایک فرضی آدمی کو ماریس کا بیٹا ظاہر کیا اور اپنا حملہ جاری رکھا۔ رومی مملکت کے جن علاقوں سے اس کا گزر ہوتا انہیں تاخت وتاراج کر دیا جاتا۔ ظاہر یہ کرتا کہ میں ماریس کے اس بیٹے کو تخت نشین کرنا چاہتا ہوں۔ یہ محض بہانہ تھا۔ حقیقت میں وہ رومی مملکت پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنی اس مہم کو زیادہ زوردار اور پُر جوش بنانے کے لیے اسے مذہبی رنگ دے دیا اور اسے مجوسیت اور عیسائیت کے درمیان جنگ قرار دے دیا۔ دوسری مذہبی اقلیتیں جو رومیوں کے متعصب حاکموں اور تنگ دل پادریوں کے مظالم کا شکار بنتی چلی آئی تھیں، انہوں نے ایرانیوں کا ساتھ دیا۔ چنانچہ چھبیس ہزار یہودی خسرو کی فوج میں بھرتی ہو گئے۔ صرف غیر عیسائی اقلیتیں ہی نہیں بلکہ وہ عیسائی فرقے جن کو کلیسا نے ملحد قرار دے دیا تھا نسطوری، یعقوبی وغیرہ وہ بھی خسرو کے ساتھ ہو گئے۔

ایرانی فوجوں نے انطاکیہ پر قبضہ کرلیا۔ ۶۱۳ عیسوی میں دمشق میں داخل ہوئیں۔ ۶۱۴ عیسوی میں بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ ہیلینا اور قسطنطین کے شاہی قلعے مسمار کردیئے گئے۔ کلیسوں کی ساری دولت لوٹ لی گئی۔ وہاں کا لاٹ پادری زکریا گرفتار کرلیا گیا اور اصلی صلیب جس پر عیسائیوں کے خیال کے مطابق حضرت مسیح کو سولی دی گئی تھی پرشیا بھیج دی گئی۔ اور ۹۰ ہزار عیسائیوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کردیا گیا۔

انہی ایام میں مکہ میں توحید وشرک کی آویزش سنگین صورت اختیار کرتی جارہی تھی۔ مکہ اور مضافات کے مشرکین اسلام کی اس شمع کو بجھانے کے درپے ہوگئے تھے۔ مسلمان اپنی قوتِ ایمانی کے بل بوتے پران کے پیہم مظالم کو برداشت کررہے تھے اور وہ نورِ اسلام کو پھیلانے کے لیے ہر طرح سے کوشاں تھے۔ جب شام اور فلسطین میں ایرانی مجوسیوں کی کامیابی اور رومی عیسائیوں کی شکست کی خبریں پہنچیں تو کفارِ مکہ کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اور کہنے لگے: جس طرح ہمارے آتش پرست اور مشرک بھائی تمہارے ہم مسلک اہلِ کتاب کی مرمت کررہے ہیں اور قدم قدم پر انہیں شکست دے رہے ہیں، ہم تمہیں بھی اسی طرح نیست ونابود کرکے رکھ دیں گے۔

حالات کفارِ مکہ کی تائید کررہے تھے۔ رومیوں کی قوت دن بدن دم توڑ رہی تھی۔ ایرانی فوج اور ان کے شہنشاہ کی طاقت میں اضافہ ہورہا تھا۔ رومی مملکت کے مفتوحہ صوبوں کے خزانے لدلد کر کسریٰ کے قدموں میں ڈھیر ہورہے تھے۔ اس کی فوجیں جدھر کا رُخ کرتیں فتح وکامیابی ان کے قدم چومتی۔ شام، فلسطین، اردن، لبنان پر خسرو کا پرچم لہرانے لگا۔ افریقہ میں مصر سے لیبیا تک کا علاقہ فتح کرلیا گیا۔ دوسرے محاذ پر ایرانی فوجیں خود قسطنطنیہ کے دروازے پر دستک دینے لگیں اور ۶۱۶ میں شہر کے سامنے ایک بلند پہاڑی پر ایرانی فوجوں نے اپنا کیمپ قائم کرلیا۔ ان حیرت انگیز فتوحات کے علاوہ مشہور انگریز مؤرخ گبن EDWARD GIBBON خسرو کے جاہ وحشم کا یوں ذکر کرتا ہے۔

''ایرانی شہنشاہ کی سطوت کے اظہار کے لیے ۹۶۰ ہاتھی ہر وقت تیار رہتے۔ بیس ہزار اونٹوں پر شاہی سامانِ سفر لدا ہوتا تھا۔ شاہی اصطبل میں چھ ہزار خچر اور اصیل گھوڑے موجود رہتے جن میں سے شبدیز اور بریدا اپنے حسن اور خوبیوں کی وجہ سے لازوال شہرت حاصل کرچکے تھے۔ شاہی محل کے دروازوں کے سامنے چھ ہزار شہ سوار پہرے دار مقرر تھے۔ محل کے اندر بارہ ہزار غلام مختلف خدمات سرانجام دینے کے لیے مامور تھے۔ تین ہزار کنواری دوشیزائیں ان کے علاوہ تھیں۔ دنیائے حسن وجمال کی ملکہ، شیریں کا نام کون نہیں جانتا۔ وہ خسرو کے محل کو چار چاند لگارہی تھی، لیکن خسرو کے ساتھ شیریں کی سردمہری اور بے التفاتی کی تلافی کے لیے ایشیا کی حسین وجمیل عورتیں موجود تھیں۔ قیمتی ہیرے، جواہرات، سونے چاندی کے نوادرات کا شمار تک نہ تھا''۔

گبن نے یہاں خوب لکھا ہے:

''جب خسرو اپنے عظمت وعروج کے نشہ میں مخمور تھا، اسے دنیا بھر میں اپنا کوئی ہمسر نظر نہ آتا تھا۔ اس وقت اسے ایک مکتوب موصول ہوا۔ ایک ایسی ہستی کی طرف سے جو مکہ کا باشندہ ہے اور غیر معروف ہے۔ اس خط میں خسرو کو یہ دعوت دی گئی ہے کہ تم سلامتی چاہتے ہو تو اسلام کو قبول کرلو، اللہ تعالیٰ کی توحید اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت پر ایمان لے آؤ۔ خسرو نے اس دعوت کو مسترد کردیا اور اس نامہ کو پرزہ پرزہ کردیا۔ اس کی اس نازیبا حرکت پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یوں ارشاد فرمایا کہ خسرو نے

میرا مکتوب پھاڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی مملکت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پارہ پارہ کر دیا ہے"۔ (رومن ایمپائر جلد ۴۔ ص ۵۱۴)

خسرو کی نخوت اور غرور کا اندازہ اس خط سے بھی لگایا جا سکتا ہے جو اس نے بیت المقدس سے ہرقل کو لکھا تھا۔ اس کی عبارت پڑھ کر انسان کانپ اٹھتا ہے۔ خسرو نے ہرقل کو لکھا:

"سب خداؤں کے بڑے خدا، تمام روئے زمین کے مالک خسرو کی طرف سے اس کے کمینے اور بے شعور بندے کے نام۔ تو کہتا ہے کہ تجھے اپنے رب پر بھروسہ ہے کیوں نہ تیرے رب نے یروشلم کو میرے ہاتھ سے بچالیا"۔

ایک ایرانی جرنیل سین (SAIN) نے جب ہرقل کو مشورہ دیا کہ وہ صلح کے لیے اپنا سفیر خسرو کی خدمت میں بھیجے شاید جان بخشی کی صورت نکل آئے۔ اس رسوا کن تجویز کو ہرقل نے فوراً قبول کر لیا اور اپنا سفیر امن اور معذرت خواہی کے لیے خسرو کے دربار میں بھیجا۔ اس نے جب یہ درخواست پیش کی تو خسرو غصہ سے بے قابو ہو گیا اور گرج کر بولا:

"سفیر نہیں بلکہ خود ہرقل کو زنجیروں میں جکڑ کر میرے تخت کے سامنے لایا جائے اور میں شاہِ روم کو کبھی امن نہیں دوں گا جب تک اپنے مصلوب خدا کا انکار کر کے سورج دیوتا کی پوجا شروع نہ کر دے اور میرا مذہب نہ اختیار کر لے"۔

یہ حالات تھے جب قرآنِ کریم کی یہ آیات طیبات اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے اور آخری رسول پر نازل فرمائیں جن میں یہ مژدہ سنایا گیا کہ چند سال میں رومی غالب آجائیں گے اور ایرانیوں کو شکست ہوگی۔ چنانچہ گبن لکھتا ہے:

"کہ جس وقت یہ پیشین گوئی کی گئی تھی اس وقت اس کا پورا ہونا ناممکن تھا، کیونکہ ہرقل کے عہدِ حکومت کے پہلے بارہ سالوں میں ہر وقت یہ خطرہ لاحق تھا کہ رومی مملکت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔" تاریخ گبن جلد چار صفحہ ۵۱۴

AT THE TIME THIS PREDICTION IS SAID TO HAVE BEEN DELIVERED, NO PROPHECY COULD BE MORE DISTANT FROM ITS ACCOMPLISHMENT SINCE THE FIRST TWELVE YEARS OF HERACLIUS ANNOUNCED THE APPROACHING DISSOLUTION OF THE EMPIRE.

جب اس ظالم وسفاک کے پنجۂ استبداد سے نجات کی کوئی راہ نظر نہ آئی تو ہرقل نے اپنی عظیم مملکت کو بچانے کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دینے کا عزمِ مصمم کر لیا۔ سب سے پہلے اسے جنگی تیاریوں کے لیے روپیہ کی ضرورت تھی۔ شاہی خزانہ پیہم جنگ و جدال اور فتنہ وفساد کی وجہ سے خالی ہو چکا تھا۔ چنانچہ اس نے کلیساؤں میں جمع شدہ دولت حاصل کرنے کی کوشش کی اور بڑی منت سماجت کے بعد پادری لوگ بھاری شرحِ سود پر قرضہ دینے پر رضامند ہوئے۔ انہوں نے قیصر سے پختہ وعدہ لیا کہ وہ یہ رقم بمع سود واپس کر دے گا۔ مالی مشکلات پر قابو پانے کے بعد اس نے آزمودہ کار سپاہیوں کا ایک لشکر فراہم کیا اور ایسٹر کی عید کے دو روز بعد اس نے کوچ کا طبل بجا دیا۔ اس نے شاہی خلعتِ فاخرہ اتار دی اور سپاہیانہ سادہ لباس زیبِ تن کیا اور اس عظیم تاریخی مہم پر روانہ ہو گیا۔ اُس نے بری راستہ کے بجائے بحری راستہ اختیار کیا اور بڑی سرعت کے ساتھ اپنے جنگی بیڑے کو شام کے ساحل پر لنگر انداز کر دیا۔ ایرانی فوجیں عرصہ سے قسطنطنیہ کے قریب خیمہ زن تھیں۔ ان کے نرغے سے قیصر کس طرح نکلا اس کی تفصیل علامہ ابنِ کثیر نے لکھی ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں۔ قیصر اپنے جنگی بیڑے کے ساتھ شام کے ساحل پر لنگر انداز ہو گیا

اور آرمینیا کے کوہستانی دشوار راستوں سے ہوتا ہوا ایران کے قلب پر حملہ آور ہوا۔ اور ابنِ کثیر کے قول کے مطابق وہ بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ ایران کے پایہ تخت مدائن پر قبضہ کرلیا۔ وہاں بے شمار لوگوں کو تہ تیغ کیا اور خزانہ میں جو دولت تھی اسے لوٹ لیا۔ کسریٰ کی بیویوں اور اس کے اہلِ خانہ کو گرفتار کرلیا۔ اس کے لڑکے کا سر مونڈ دیا اور اسے گدھے پر سوار کر کے کسریٰ کی طرف بھیج دیا۔ کسریٰ جواب تک قسطنطنیہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھا چالیس ہزار کا لشکر لے کر واپس لوٹا۔ ہرقل کی پیش قدمی جاری رہی۔ اس نے ان کے سب سے بڑے مقدس آتشکدہ کو بجھا دیا۔ ان کی عبادت گاہوں کو تباہ و برباد کر دیا اور زرتشت کے مقامِ پیدائش آرمیا کو تباہ کر دیا۔ اس طرح اس نے اپنے مقاماتِ مقدسہ کی بے حرمتی کا انتقام لیا۔

یہی وہ سال ہے جب کفر اور اسلام کی پہلی جنگ بدر کے میدان میں لڑی گئی جس میں کفار کو قوت و طاقت کے باوجود شکست فاش ہوئی اور ساری بے سروسامانیوں کے باوجود مسلمان کامیاب و سرخرو ہوئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں رومیوں کے غلبہ اور مسلمانوں کی فتحیابی اور فرحت و شادمانی کی جو خبر دی تھی وہ دس سال کے کم عرصہ میں پوری ہوئی۔ اور وَعۡدَ اللّٰهِ لَا يُخۡلِفُ اللّٰهُ وَعۡدَهٗ کی عملی تفسیر مہرِ نیمروز کی طرح طالبِ حق کی شاہراہِ حیات کو منور کرنے لگی۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ عَلٰی كِبۡرِيَآئِهٖ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَيِّدِ اَنۡۢبِيَآئِهٖ وَاٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ اَجۡمَعِيۡنَ

نوٹ: یہ معلومات مندرجہ ذیل کتب سے حاصل کی گئیں:

تاریخ زوال رومن ایمپائر۔ گبن۔ تاریخ ابنِ خلدون۔ تفسیر ابنِ کثیر، انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا ص ۵۶۸، جلد: ۱۷

مضامین سورت: اس تاریخی پسِ منظر کو سمجھ لینے کے بعد اب اس سورت کے مضامین اپنی بھرپور معنویت اور اثر انگیزی کے ساتھ عیاں ہوتے ہیں۔

ابتدائی آیات میں بتایا کہ انسان اپنی ظاہری جاہ و حشمت پر اتنا مغرور ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے اعمالِ بد کے نتائج سے بھی بے فکر ہو جاتا ہے۔ وہ یہی سمجھتا ہے کہ اس کا آفتاب اقبال سدا یوں ہی چمکتا رہے گا۔ اس کے حسن و شباب کی بہار کبھی خزاں آشنا نہیں ہوگی۔ وہ قریبی عوامل بھی اس کی نگاہوں سے اوجھل رہتے ہیں جو عنقریب اس کی عیش و نشاط کی بساط کو الٹنے والے ہوتے ہیں۔

انسان کو خوابِ غفلت سے جگانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو نظامِ حیات اپنے محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذریعے بھیجا اسے دینِ فطرت کہا گیا ہے جس سے یہ اشارہ کرنا مقصود ہے کہ یہ دین انسان کی فطری صلاحیتوں کو ختم نہیں کر دیتا، اس کی ترقی میں سنگ راہ ثابت نہیں ہوتا بلکہ ان کی اس طرح آبیاری کرتا ہے کہ وہ برگ و بار لا کر اس خاکدانِ ارضی کی زینت اور رونق میں اضافہ کرتی ہیں، اس لیے اس کی پابندی ہر سلیم الفطرت آدمی کے لیے ضروری ہے۔

سورت کے مختلف مقامات پر اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کی روشن دلیلیں ذکر کر کے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ وہی خدا ہے جو ان صفاتِ کمال سے متصف ہے۔ اس کے علاوہ سب اس کے عاجز بندے ہیں۔ کسی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ اس کی ہمسری کا خیال کرے، کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی کو اس کا شریک بنائے۔

دیگر مضامین اپنے اپنے مقام پر ملاحظہ فرمائیے اور حسبِ شوق قرآنِ کریم کے خیابانِ عرفان سے پھول چُن چُن کر زیبِ دستار بنائیے۔

سُوۡرَةُ الرُّوۡمِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتُّوۡنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوۡعَاتٍ

سورۃ الروم مکی ہے اس کی آیتیں ۶۰ اور رکوع ۶ ہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

الٓمّٓ ﴿۱﴾ غُلِبَتِ الرُّوۡمُ ﴿۲﴾ فِيۡۤ اَدۡنَى الۡاَرۡضِ وَهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ

الف۔لام۔میم لے ہرا دیے گئے رومی ۲ے پاس کی زمین میں اور وہ ہار جانے کے بعد

۱ے الف۔لام۔میم۔ یہ حروف مقطعات ہیں۔ جن کے متعلق تفصیلی بحث اس سے پہلے متعدد مقامات پر گزر چکی ہے۔ یہاں علامہ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تاویل پیشِ خدمت ہے۔ فرماتے ہیں: عالم تین ہیں: عالمِ امر، عالمِ ارواح اور عالمِ ملک۔ عالمِ امر اس عالم کو کہتے ہیں جہاں ہر چیز کو اس کا تعین اور تشخص دیا جاتا ہے۔ هُوَ الْمَبْدَأُ يَعْنِي ہر چیز کو اس کی موجودہ صورت اور خصوصیات مرحمت کی جاتی ہیں۔ هُوَ الْمَبْدَأُ لِجَمِيْعِ التَّعَيُّنَاتِ۔ الف سے اسی کی طرف اشارہ ہے۔ عالمِ ارواح ایک درمیانی کڑی ہے۔ اَلَّذِيْ هُوَ الْوَسْطُ بَيْنَ الْوُجُوْدِيَّاتِ۔ لام سے اس کی طرف اشارہ ہے اور عالمِ الملک تنزلات اور استر سالات کا آخری درجہ ہے۔ میم سے اسی کی طرف اشارہ ہے۔ پھر فرماتے ہیں ثُمَّ اَسْرَارُ الْحُرُوْفِ الْمُقَطَّعَاتِ وَالْمُتَشَابِهَاتِ الْقُرْاٰنِيَّةِ مِمَّا يَنْكَشِفُ لِاَهْلِ اللّٰهِ بَعْدَ الْوُصُوْلِ اِلٰى غَايَةِ الْمَرَاتِبِ۔ یعنی جب بندگانِ خدا قرب و معرفت کی اعلیٰ ترین منزل پر فائز ہوتے ہیں تو حروفِ مقطعات اور متشابہات کے اسرار و معارف اُن پر آشکارا ہو جاتے ہیں (1)۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ وَعَطَاؤُهٗ اَتَمُّ وَهِبَاتُهٗ لَا تُعَدُّ وَلَا تُحْصٰى۔

۲ے غُلِبَتِ الرُّوْمُ: اَدْنٰى: دُنُوٌّ سے ہے جس کا معنی ہے بہت قریب (2)۔ اَلْاَرْضُ: ملک اور علاقہ، حجاز کے شرق میں ایرانیوں کی وسیع و عریض مملکت تھی جو مشرک اور آتش پرست تھے۔ مغرب میں رومی سلطنت تھی جو اہلِ کتاب اور حضرت مسیح کے پیروکار تھے۔ ان کا پرچم یورپ، افریقہ، ایشیا کے مغربی ممالک، شام، اردن، فلسطین کی فضاؤں میں لہرا رہا تھا۔ جب مکہ میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توحید کی تبلیغ شروع کی تو مکہ کی آبادی دو حصوں میں بٹ گئی۔ ایک گروہ مشرکین کا تھا جو بت پرست تھے اور دوسرا گروہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں کا تھا جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو دل و جان سے تسلیم کر چکے تھے اور ہر قسم کے شرکِ جلی اور خفی سے ان کا دل پاک ہو چکا تھا۔ کفر و اسلام کی یہ کشمکش دن بہ دن شدت اختیار کرتی جا رہی تھی۔ مکہ میں جب یہ اطلاع پہنچی کہ ایران اور روم باہم برسرِ پیکار ہیں، تو طبعی طور پر مشرکینِ مکہ کی دلچسپیاں ایران کے آتش پرست مشرکوں کے ساتھ تھیں اور فرزندانِ اسلام کی ہمدردیاں رومیوں کے ساتھ تھیں جو اہلِ کتاب تھے۔ انہی ایام میں خسرو، کسریٰ ایران کی جنگ قیصر روم کی فوجوں کے ساتھ شام کے نواحی علاقہ میں ہوئی جس میں ایرانیوں کا پلہ بھاری رہا۔ اپنے ہم مشربوں کی کامیابی کی خبر سن کر مشرکینِ مکہ کی خوشی کی انتہا نہ رہی

1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 3-4
2۔ ایضاً، ج 7، ص 4

غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ﴿۳﴾ فِىْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۗ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ

ضرور غالب آئیں گے ۳؎ چند برس کے اندر ۴؎ اللہ ہی کا حکم ہے پہلے بھی

وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۴﴾ بِنَصْرِ اللّٰهِ ۭ يَنْصُرُ

اور بعد بھی اور اس روز خوش ہوں گے اہل ایمان اللہ تعالیٰ کی مدد سے۔ وہ مدد

اور لگے ڈینگیں مارنے کہ جس طرح آگ کے پجاریوں نے شام کے علاقہ میں اہل کتاب کو شکست دی ہے اسی طرح یہاں بھی بہت جلد لات وہبل کے پرستار اللہ تعالیٰ کی توحید کے علمبرداروں کو نیست و نابود کر کے رکھ دیں گے۔ مسلمانوں کے دل بھی رومیوں کی شکست سے بڑے رنجیدہ ہوئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کر کے ایرانیوں کی شکست فاش اور رومیوں کی فتح مبین کی پیشین گوئی فرمائی۔ اور اپنے بندوں کو تسلی دی کہ کفر کی یہ کامیابی عارضی ہے۔ چند سالوں میں حالات کا رخ بدل جائے گا اور رومیوں کا بول بالا ہوگا (1)۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جس کا مفصل بیان اس سورت کے تعارف میں آپ پڑھ چکے ہیں۔

۳؎ یہاں س تاکید کے لیے ہے۔ یعنی رومی ضرور غالب ہوں گے۔ مستقبل قریب کا معنی فِىْ بِضْعِ سِنِيْنَ سے واضح ہے۔ ایک مفہوم ادا کرنے کے لیے دو لفظ شانِ فصاحت سے بعید ہیں۔ وَفِیْ ذٰلِكَ تَاْكِيْدٌ لِمَا يُفْهَمُ مِنَ السِّيْنِ اَیْ سَيَغْلِبُوْنَ فَارِسَ اَلْبَتَّةَ۔ (روح المعانی) (2)

۴؎ علامہ جوہری اپنی لغت کی مشہور کتاب الصحاح میں اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وَبِضْعٌ فِی الْعَدَدِ بِكَسْرِ الْبَاءِ وَبَعْضُ الْعَرَبِ يَفْتَحُهَا وَهُوَ مَا بَيْنَ الثَّلَاثِ اِلَى التِّسْعِ (3) (بِضْعٌ تین سے لے کر نو تک کے اعداد پر بولا جاتا ہے) جب یہ آیات نازل ہوئیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کفار کے پاس گئے اور کہا کہ اپنے مشرک بھائیوں کے غلبہ پر زیادہ خوشیاں نہ مناؤ۔ کیونکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بتایا ہے کہ عنقریب رومی ایرانیوں کو شکست دیں گے۔ یہ سن کر اُبی ابن خلف سے نہ رہا گیا اور کھڑا ہو کر کہنے لگا: اے ابوبکر! تم جھوٹ بول رہے ہو۔ حضرت صدیق نے فرمایا: اَنْتَ اَكْذَبُ يَا عَدُوَّ اللّٰهِ۔ اے اللہ کے دشمن! تم جھوٹے ہو۔ میں اس پر شرط بدنے کے لیے تیار ہوں اگر تین سال تک ایرانی غالب آ گئے تو تمہیں دس اونٹ دوں گا۔ اور اگر رومی فتح یاب ہوئے تو تمہیں دس اونٹ دینا ہوں گے۔ اُبی نے یہ شرط منظور کر لی۔ حضرت صدیق وہاں سے بارگاہِ رسالت میں آئے اور سارا ماجرا عرض کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: بِضْعِ سِنِيْنَ کا لفظ تین سے نو تک بولا جاتا ہے۔ آپ واپس جائیں اور اُبی ابن خلف سے مدت میں توسیع اور شرط میں زیادتی کا مطالبہ کریں۔ چنانچہ مدت نو سال قرار پائی اور اونٹوں کی تعداد دس سے سو کر دی گئی۔ وقت گزرتا گیا۔ جس دن اللہ تعالیٰ نے غلامانِ مصطفےٰ علیہ اطیب التحیۃ والثناء کو میدانِ بدر میں فتحِ مُبین سے شادکام فرمایا اُسی روز یہ خبر بھی پہنچی کہ رومیوں نے ایرانیوں کو شکست فاش دی ہے۔ مسلمانوں کو ایک وقت میں دو خوشیاں نصیب ہوئیں۔ اُبی ابن خلف اس واقعہ سے پہلے ہلاک ہو چکا تھا۔ چنانچہ حضرت صدیقؓ نے شرط کے سو اونٹ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 219 2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 21، ص 17 3۔ الصحاح، ج 3، ص 1186

مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝۵ۙ وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ

فرماتا ہے جس کی چاہتا ہے اور وہی سب پر غالب ہے ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ یہ وعدہ اللہ نے کیا ہے ۵ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کی

وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۶ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا

خلاف ورزی نہیں کرتا، لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے ۶ وہ جانتے ہیں دنیوی زندگی کے

اس کے وارثوں سے وصول کیے اور انہیں لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسولِ مکرم نے فرمایا تَصَدَّقْ بِهٖ۔ اے ابو بکر! انہیں صدقہ کر دو۔ اپنے آقا کا اشارہ پاتے ہی اس پیکرِ تسلیم و رضا نے سو کے سو اونٹ راہِ خدا میں صدقہ کر دیئے اور مدّعیانِ محبّت کے سامنے ارشادِ محبوب کی تعمیل کی ایک تابندہ مثال پیش کر دی۔ (1)

مسئلہ: شریعتِ اسلامی میں شرط بدنا حرام ہے۔ جس وقت حضرت صدیق نے یہ شرط لگائی تھی اس وقت تک اس کی حُرمت کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ بعد میں اسے حرام کر دیا گیا۔ اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان اونٹوں کو صدقہ کرنے کا حکم فرمایا۔

۵ یہ مفعول مطلق ہے۔ اس کا عامل محذوف ہے۔ تقدیرِ کلام یوں ہے وَعَدَ اللّٰهُ وَعْدًا۔ اس کا مقصد کلامِ سابق کی تاکید بالائے تاکید ہے یعنی رومی ضرور غالب آئیں گے اور مسلمانوں کو یقیناً اس روز خوشی ہوگی۔ (2)

۶ کیونکہ وعدہ خلافی عیب ہے اور جو شخص وعدہ خلافی کرتا ہے وہ اپنی بے بسی اور کمزوری کا اعتراف کرتا ہے کہ وہ اس وعدہ کو ایفاء تو کرنا چاہتا تھا، لیکن اپنی بے بسی کے باعث ایسا نہ کر سکا۔ یا وعدہ خلافی کرنے والے کے خُبثِ باطن کی دلیل ہے کہ اُس نے جو وعدہ کیا وہ اسے پورا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے محض دوسرے آدمی کو دھوکہ اور فریب دینے کے لیے یہ وعدہ کر لیا تھا۔ یہ سب عیب ہیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ تمام عیوب سے مُبرّا اور منزّہ ہے۔

ان آیات کی ایک دوسری تفسیر علامہ کلینی نے اپنی مشہور کتاب الکافی میں حضرتِ امام باقر علیہ وعلی آباءہ الکرام افضل الصلوٰۃ والسلام سے نقل کی ہے۔ ممکن ہے اس کے مطالعہ سے کسی کے دل میں صحابہ کرام خصوصاً حضرت فاروقِ اعظم کے خلاف جو بغض و عناد ہے وہ دور ہو جائے، اس لیے اس روایت کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔

ابو عبیدہ نے حضرت امام ابو جعفر باقر والدِ ماجد حضرت جعفر صادق سے ان آیات کا مطلب پوچھا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا: ان آیات کی ایک ایسی تاویل ہے جسے صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو لوگ راسخون فی العلم کی صفت سے متصف ہیں، وہ جانتے ہیں۔ پھر فرمایا حضور جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حضور نے ایک گرامی نامہ قیصرِ روم کو لکھا اور اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ شاہِ روم کے پاس جب قاصد یہ نامہ مُبارک لے کر پہنچا، تو اُس نے بڑی تعظیم کی اور قاصد سے بھی بڑی عزت واحترام سے پیش آیا۔ لیکن شاہِ ایران نے والا نامہ کی بے ادبی کی اور اسے پارہ پارہ کر دیا اور قاصد کی بھی توہین کی۔ ان دنوں میں شاہِ ایران اور شاہِ روم کی لڑائی شروع تھی۔ مسلمانوں کی آرزو تھی کہ شاہ روم کامیاب ہو،

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 14، ص 2-3۔ جامع ترمذی، ابواب التفسیر، ومن سورۃ روم، ج 2، ص 150
2۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 7

مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۖ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۷﴾ اَوَلَمْ

ظاہری پہلو کو ۷ اور وہ آخرت سے بالکل غافل ہیں۔ کیا انہوں نے

لیکن جنگ کا نتیجہ مسلمانوں کی خواہش کے برعکس نکلا۔ ایرانی کامیاب ہو گئے۔ رومیوں کو شکست ہوئی۔ مسلمانوں نے یہ خبر سنی تو انہیں بہت دُکھ ہوا۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ اِن کا مطلب یہ ہے

کہ رومی قریب کے علاقہ میں شام واردن میں شکست کھا گئے۔ وَهُمْ يَعْنِيْ وَفَارِسٌ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ (الروم) سَيَغْلِبُوْنَ يَعْنِيْ يَغْلِبُهُمُ الْمُسْلِمُوْنَ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ۔ ترجمہ: اور یہ فارسی رومیوں کو شکست دینے کے بعد خود مغلوب ہو جائیں گے یعنی مسلمان ان پر غالب آجائیں گے چند سالوں میں۔ اللہ تعالیٰ کا ہی حکم ہے پہلے بھی اور پیچھے بھی۔ اس دن اہلِ ایمان خوش ہوں گے اللہ کی مدد سے۔ اللہ تعالیٰ مدد فرماتا ہے جس کی چاہتا ہے۔

جب مسلمانوں نے ایران پر حملہ کیا اور اسے فتح کر لیا تو مسلمان اللہ کی اعانت اور نصرت سے خوش ہوئے۔ ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی کہ اے امام عالی مقام قرآن نے تو بِضْعِ سِنِيْنَ (چند سال) کی مدت مقرر کی ہے اور مسلمانوں نے ان آیات کے نزول کے کافی سال بعد حضورؐ کی معیت میں گزارے، پھر حضرت ابوبکر کی خلافت کا زمانہ گزرا۔ پھر یہ ملک حضرت عمر کی امارت میں فتح ہوا۔ تو آپ نے فرمایا: اے ابوعبیدہ! کیا میں نے تمہیں پہلے ہی نہیں کہہ دیا تھا کہ ان آیات کی ایسی تاویل اور تفسیر ہے جسے اللہ تعالیٰ اور ائمہ اہلِ بیت ہی جانتے ہیں۔ (کتاب الروضہ جلد دوم ص ۱۲۹،۳۰۔ مطبوعہ مکتبہ الاسلامیہ تہران ایران)۔ (1)

حضرت امام باقر کی اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ ان آیات میں فتح ایران کی بشارت دی گئی ہے اور یہ فتح محض اللہ تعالیٰ کی تائید، نصرت اور اعانت سے حاصل ہوئی اور اس فتح سے اہلِ ایمان کو خوشی اور شادمانی نصیب ہوئی۔ اب آپ خود ہی اندازہ فرمالیں جس خلیفہ کی افواج کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی امداد ہو، جس خلیفہ کی فتوحات کی خوشخبریاں اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں دی ہوں، جس خلیفہ کی فتوحات سے اہلِ ایمان کے دلوں میں فرحت وشادمانی کی بہار آگئی ہو، اسلام کی عزت واقبال کا آفتاب نورافشاں ہوا ہو، کیا اس خلیفہ کے برحق ہونے میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش ہے؟ جو لوگ اس عظیم المرتبت خلیفہ کے درخشاں کارناموں کے باوجود اس پر زبانِ طعن دراز کریں، یا اس کے ایمان پر معترض ہوں، ان کا انجام کیا ہوگا؟ آیاتِ ربّانی کے اس شفّاف آئینہ میں اور حضرت امام باقر کی اس تفسیر کی روشنی میں لوگ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت کا مطالعہ کیوں نہیں کرتے؟ اللہ تعالیٰ ہم سب کو راہِ حق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور تعصب اور ہٹ دھرمی سے رہائی بخشے! آمین بجاہ طٰہٰ ویٰس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

۷۔ یعنی ظاہری حالات تو ایسے ہی تھے کہ رومیوں کی کامیابی کا قطعاً کوئی امکان ہی نہ تھا اور صرف ظاہری احوال واطوار پر نظر رکھنے والے کبھی یہ باور نہیں کر سکتے تھے کہ تباہ حال رومی قہر وجبروت کے پیکر خسرو پرویز کو ناک چنے چبوا دیں گے اور خسرو کے سرِ غرور کو اس کے اپنے بیٹے کی تلوار قلم کر کے رکھ دے گی۔ اس لیے وہ لوگ قرآنِ کریم کی اس پیش گوئی کو تسلیم کرنے کے لیے قطعاً تیار نہیں تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ جس نے سبب اور مسبب، علت اور معلول میں مستحکم رابطہ قائم کیا ہے، وہ اس رابطہ کو بے اثر بھی بنا سکتا ہے اور اسباب و علل کی اثرانگیزی کو یک قلم موقوف بھی کر سکتا ہے اور انہیں بدل دینے کا بھی پورا اختیار رکھتا ہے۔ اس لیے جس بات کو مکہ کے زیرک

1۔ فروع الکافی، کتاب الروضۃ، ج2، ص30-129۔ مطبوعہ مکتبۃ الاسلامیہ تہران، ایران

يَتَفَكَّرُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ قف مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ

کبھی غور نہیں کیا اپنے جی میں ؎ نہیں پیدا فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو

وَ مَا بَيْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ

کچھ ان کے درمیان ہے مگر حق کے ساتھ اور ایک مقررہ مدت تک کے لیے۔ اور بلاشبہ اکثر لوگ

النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ۝۸ اَوَ لَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ

اپنے رب کی ملاقات کے سخت منکر ہیں۔ کیا انہوں نے سیر و سیاحت نہیں کی زمین میں۔

فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْۤا اَشَدَّ

تاکہ وہ دیکھتے کیسا ہوا انجام ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے ؏ وہ زیادہ تھے

اور معاملہ فہم سردارانِ قریش نہ سمجھ سکے اسے صدیق کے نورِ فراست نے دیکھ بھی لیا اور اُس کے دل نے اسے تسلیم بھی کر لیا۔

اس آیت کا یہ مفہوم بھی بتایا گیا ہے کہ وہ لوگ جن کا آنے والی زندگی پر ایمان نہیں وہ اس دنیوی زندگی کو پُر لطف اور باوقار بنانے کے لیے ہر وقت مصروف رہتے ہیں، اس معاملہ میں ان کی فہم و فراست کو دیکھ کر انسان عش عش کر اٹھتا ہے۔ تجارت، حرفت، صنعت، زراعت اور دیگر دنیاوی امور میں ان کی جدت طرازیاں اور قُدرت آفرینیاں لوگوں کو حیران کر دیتی ہیں۔ لیکن یہی لوگ بایں ہمہ عقل و دانش اپنی عاقبت سنوارنے کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اور ایسی نیکیاں کرنے کا شوق ان کے دلوں میں پیدا نہیں ہوتا جو آسان بھی ہیں اور ارزاں بھی۔ اس معاملہ میں ان کی کوتاہیوں پر جب نظر پڑتی ہے تو ان کی نادانی اور حماقت پر ہنسی آجاتی ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؏

وَمِنَ الْبَلِيَّةِ اَنْ تَرٰى لَكَ صَاحِبًا   فِيْ صُوْرَةِ الرَّجُلِ السَّمِيْعِ الْمُبْصِرِ

فَطِنَ بِكُلِّ مُصِيْبَةٍ فِيْ مَالِهٖ   وَاِذَا يُصَابُ بِدِيْنِهٖ لَمْ يُشْعِرِ (قرطبی)(1)

یعنی یہ بڑی الم انگیز بات ہے کہ تیرا ایک دوست جو عقل و دانش میں لاجواب ہے اور اپنے مالی نقصان سے بچنے کے لیے بڑی عقلمندی کا ثبوت دیتا ہے لیکن اس کے دین پر قیامت ہی کیوں نہ ٹوٹ پڑے اور اس کے ایمان کا چراغ بجھ ہی کیوں نہ جائے اسے احساس تک نہیں ہوتا؟

۸۔ کفر و گمراہی کی اندھیری رات میں فکر و تدبر کا چراغ روشن کرنے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ اپنے جسم کی ظاہری ساخت، اس کے ظاہری اور باطنی قویٰ مختلف اعضاء اور ان کے متعلقہ وظائف میں غور و فکر کرو۔ آسمان کی بلندی، زمین کی پستی پر نگاہِ عبرت ڈالو، ہر چیز گواہی دے رہی ہے کہ ان کو پیدا کرنے والا، ان کو مختلف خوبیوں اور خصوصیتوں سے متصف کرنے والا قادر بھی ہے اور حکیم و علیم

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 14، ص 8

مِنْهُمْ قُوَّةً وَّ اَثَارُوا الْاَرْضَ وَ عَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا

ان سے زور میں اور اُنہوں نے خوب ہل چلائے زمین میں ؎۱۰ اور انہوں نے اسے آباد کیا اس سے زیادہ جتنا انہوں نے اسے آباد کیا

بھی۔ اس غور وفکر سے کفر کے گھٹا ٹوپ اندھیرے کافور ہو جائیں گے، حق وصداقت کا اجالا ان کی زندگی کے سارے شعبوں کو منور کر دے گا۔ لیکن مصیبت تو یہ ہے کہ اکثر لوگ آیاتِ الٰہی میں غور وتدبّر کی زحمت گوارا نہیں کرتے اور ساری عمر بھٹکتے رہتے ہیں۔

۹؎ غور وفکر کی صلاحیّت ہر شخص میں یکساں نہیں ہوتی۔ اور جنہیں یہ صلاحیت بخشی جاتی ہے ان میں سے بھی بہت کم اس سے استفادہ کی زحمت گوارا کرتے ہیں۔ لیکن گزری ہوئی قوموں کے اُجڑے ہوئے محلات اور قلعوں کے کھنڈرات ہر ملک میں بکثرت موجود ہیں اور ہر آنکھ ان کا مشاہدہ کرتی ہے۔ اس لیے اب دنیا کی بے ثباتی اور بُرے کاموں کے ہولناک نتائج سے انہیں باخبر کرنے کے لیے سرکش اقوام کے اُجڑے ہوئے کھنڈروں اور برباد محلوں کو نگاہِ عبرت سے دیکھنے کی طرف انہیں راغب کیا جا رہا ہے۔ فرمایا کہ تمہارے تجارتی کارواں مشرق ومغرب کا سفر کرتے ہیں۔ راستے میں تم نے کئی اجڑی ہوئی بستیاں، کئی ویران محلات، کئی شکستہ قلعے دیکھے ہوں گے۔ کسی دن ان کے پاس کھڑے ہو کر ان سے پوچھ کہ تمہارے بنانے والے، اور تمہاری تزئین وآراستگی پر پانی کی طرح روپیہ بہانے والے تمہیں یوں سونا چھوڑ کر کدھر چلے گئے ہیں؟ آج تمہارے شبستانوں میں چراغ کیوں نہیں جلتے؟ آج تمہارے گلستانوں میں پھول کیوں نہیں کھلتے؟ جہاں زندگی اپنی ساری زیبائشوں کے ساتھ محوِ رقص رہا کرتی تھی وہاں آج خاک کیوں اڑ رہی ہے؟ وہ تمہیں بتائیں گے کہ ہمارے بنانے والے اپنے رب کی یاد سے غافل ہو گئے تھے۔ انہوں نے گناہ اور بدی کا راستہ اختیار کر لیا تھا، وہ غریبوں پر ظلم ڈھاتے، وہ حقداروں کا حق چھین کر اپنی عیش ونشاط کی بزمیں سجاتے، وہ اپنے خالق کے منکر ہو گئے تھے اور قیامت کے دن پر ان کا ایمان نہ رہا، مکافاتِ عمل کے اٹل قانون سے غافل ہو کر انہوں نے ظلم اور گناہ کی حد کر دی۔ انہی کے گناہ، انہی کے مظالم، انہی کا فسق وفجور، انہی کے کرتوت قہر وعذاب کی بجلی بن کر گرے اور انہیں اور ان کے سامانِ تعیش کو خاکِ سیاہ بنا کر رکھ دیا، ان کی جاہ وحشمت افسانہ بن کر رہ گئی۔ یہ شکستہ دیواریں اور اجڑی ہوئی روشیں صرف ان کی تباہی وبربادی کی داستان سنانے کے لیے باقی رہ گئی ہیں اور اپنے پاس سے گزرنے والوں کو اپنی زبانِ حال سے یہ نصیحت کر رہی ہیں کہ اپنی قوت وطاقت پر، اپنی صحت وجوانی پر، اپنے وسائل کی کثرت اور ثروت کی فراوانی پر مغرور مت ہو، اپنے خالق کا انکار نہ کرو۔ اس کی مخلوق جو اسے بہت پیاری ہے اس پر جبر وتشدد نہ کرو ورنہ تمہارا حشر بھی وہی ہو گا جو تم سے پہلے سرکش لوگوں کا ہو چکا ہے۔

۱۰؎ عام طور پر اَثَارُوا الْاَرْضَ کا معنی زمین میں ہل چلانا کیا جاتا ہے، لیکن علامہ ابوحیان نے اس لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے۔ قَلَّبُوْا وَجْهَ الْاَرْضِ لِاسْتِنْبَاطِ الْمِيَاهِ وَاسْتِخْرَاجِ الْمَعَادِنِ وَاِلْقَاءِ الْبَذْرِ فِيْهَا لِلزِّرَاعَةِ: وَالْاِثَارَةُ تَحْرِيْكُ الشَّيْءِ حَتّٰى يَرْتَفِعَ تُرَابُهٗ (البحر)(1) یعنی اثار کا لغوی معنی تو کسی چیز کو اس طرح متحرک کرنا اور اسے جنبش دینا ہے کہ اس سے گرد وغبار اڑنے لگے، لیکن اہلِ عرب اَثَارُوا الْاَرْضَ کا یہ معنی مراد لیتے ہیں کہ زمین کی سطح کو اس طرح الٹ پلٹ کرنا تا کہ اس سے پانی نکالا جا سکے، معدنیات نکالی جا سکیں اور کھیتی باڑی کے لیے اس زمین میں بیج ڈالا جا سکے۔ اس لفظی تشریح کے بعد اب آیت کا مفہوم سمجھیے۔ یعنی وہ برباد شدہ قومیں جن کے کھنڈرات تمہیں درسِ عبرت دے رہے ہیں وہ قوت وطاقت میں زرعی

1۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 164

وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ

اور آئے ان کے پاس ان کے رسول روشن نشانیاں لے کر۔ پس نہ تھی اللہ کی یہ شان کہ وہ ان پر ظلم کرتا، بلکہ وہ

كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۹ۭ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَاۗءُوا

خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرتے رہتے تھے۔ آخر کار ان کا انجام جنہوں نے بُرائی کی تھی، بہت بُرا

السُّوْٓاٰۗى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ۱۰ اَللّٰهُ

ہوا [11] کیونکہ انہوں نے جھٹلایا اللہ کی آیتوں کو اور وہ ان کے ساتھ مذاق کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ

يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۱۱ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ

ابتداء کرتا ہے تخلیق کی پھر (فنا کرنے کے بعد) دوبارہ پیدا کرے گا اسے پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ اور جس روز

يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ۱۲ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَاۗىِٕهِمْ شُفَعٰۗؤُا وَكَانُوْا

برپا ہو گی قیامت مجرموں کی آس ٹوٹ جائے گی [12] اور نہیں ہوں گے ان کے لیے ان کے شریکوں میں سے شفاعت کرنے والے

مہارت اور صنعتی قابلیت میں تم سے کہیں زیادہ تھیں۔ انہوں نے پہاڑوں کے جگر چیر کر معدنیات کے چھپے ہوئے خزانے نکالے، انہوں نے زمین کھود کر کنوئیں بنائے، نہریں نکالیں، بند باندھے اور بنجر زمینوں میں ہل چلا کر انہیں زراعت کے قابل بنا دیا۔ ان کی عقلمندی اور ہنرمندی کے باعث وہاں سرسبز کھیت لہلہانے لگے۔ جگہ جگہ شہر اور گاؤں آباد ہو گئے لیکن یہ ساری مہارتیں اور قابلیتیں انہیں اُن کے جرائم کی پاداش سے نہ بچا سکیں۔ جب ان کی سرکشیاں حد سے بڑھ گئیں تو مکافاتِ عمل کا قانون سیلاب بن کر امڈ آیا اور انہیں تنکوں کی طرح بہا کر لے گیا۔ اے کفارِ مکہ! اگر تم بھی اپنی اس روش سے باز نہ آئے، تو تمہارا انجام بھی یہی ہو گا۔

[11] حُسنٰی کے وزن پر اَسوَأ کی تانیث ہے۔ عَاقِبَةَ، كَانَ کی خبر مقدم ہے اور السُّوْٓاٰۗى اس کا اسم ہے اور بعض نے عَاقِبَةُ کو مرفوع پڑھا ہے اور اسے كَانَ کا اسم بنایا ہے (1) اور السُّوْٓاٰۗى کو خبر۔ عَاقِبَة مؤنث غیر حقیقی ہے اس لیے كَانَ کی تذکیر جائز ہے۔ بعض علمائے نحو نے اَنْ كَذَّبُوْا کے جملے کو كَانَ کا اسم بنایا ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی تکذیب کی اور ان کا مذاق اڑایا، ان کی ان بداعمالیوں کے باعث انہیں ہولناک انجام سے دوچار ہونا پڑا۔

[12] جب انسان لاجواب ہو جائے۔ اس کے پاس اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے کوئی دلیل نہ رہے اور اس پر حیرت و یاس کی کیفیت طاری ہو جائے تو عرب کہتے ہیں: اَبْلَسَ الرَّجُلُ اِذَا سَكَتَ وَ انْقَطَعَتْ حُجَّتُهٗ وَ قَرِيْبٌ مِنْهُ تَحَيَّرَ۔ (قرطبی) (2) مجرموں کی کیفیت کی کتنی مؤثر تصویر کشی ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 14، ص 10
2۔ ایضاً

بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور وہ اپنے شریکوں کے منکر ہو جائیں گے۔ ۱۴؎ اور جس روز برپا ہو گی قیامت اس دن وہ جدا جدا ہو جائیں گے ۱۵؎

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ﴿۱۵﴾

تو وہ جو ایمان لائے تھے اور نیک عمل کرتے رہے تھے وہ باغ (جنت) میں مسرور (اور محترم) ہوں گے ۱۶؎

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي

اور جنہوں نے کفر کیا تھا اور جھٹلایا تھا ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو تو وہ عذاب میں حاضر

الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿۱۷﴾

رکھے جائیں گے ۱۷؎ سو پاکی بیان کرو اللہ تعالیٰ کی جب تم شام کرو اور جب تم صبح کرو ۱۸؎

۱۳؎ یعنی دنیا میں جن بتوں کو انہوں نے معبود بنا رکھا تھا، جن کو وہ خدائے واحد کا شریک ٹھہراتے تھے اور جن کی عبادت اور پوجا کیا کرتے تھے وہ اس روز ان کی کوئی سفارش نہیں کریں گے۔

۱۴؎ جب ایسے لوگ روزِ حشر خلافِ توقع اپنی قبروں سے نکال کر کھڑے کر دیے جائیں گے اور جہنّم کے غضبناک شعلے ان کو بھسم کرنے کے لیے لپک رہے ہوں گے اور ان کے یہ جھوٹے معبود ان کی سفارش کرنے اور ان کی دستگیری کرنے سے انکار کر دیں گے تو ان کے پجاری ان کا انکار کرنے لگیں گے اور وہ معبودانِ باطل سے اپنی قطع تعلقی کا اظہار کرنے لگیں گے۔ شفاعت کے مقام پر انبیاء اور صلحاء فائز ہوں گے۔ جھوٹے خداؤں کی کیا مجال کہ لب کشائی کر سکیں۔ نیز شفاعت اہلِ ایمان گنہگاروں کے لیے ہے، کفار و مشرکین کے لیے تو شفاعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ۱۵؎ روزِ حشر اہلِ ایمان کو کفار کے زمرہ سے الگ کر دیا جائے گا۔

۱۶؎ رَوْضَةٌ: جنت اور باغ۔ يُحْبَرُوْنَ: حبور ایسی مسرت و فرحت کو کہتے ہیں جس کے ساتھ عزت و اکرام بھی ہو۔ چنانچہ علامہ جوہری اس آیت کی لغوی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: اَیْ يُنَعَّمُوْنَ وَيُكْرَمُوْنَ (1) وَيُسَرُّوْنَ۔ مسرت و فرحت بذاتِ خود بھی بڑی اعلیٰ چیز ہے لیکن ایسی مسرت جس کے ساتھ انعام و اکرام بھی ہو اس کا کیا کہنا يُحْبَرُوْنَ کے اس مفہوم کو ذہن میں رکھتے ہوئے مومن کی شادمانی کا اندازہ لگائیں تو آیت کا صحیح مفہوم آپ کو سمجھ آئے گا۔

۱۷؎ اہلِ ایمان کی عزت افزائی کے ذکر کے بعد اب جو برتاؤ کفار کے ساتھ کیا جائے گا اس کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ مُحْضَرُوْنَ کا لفظ غور طلب ہے۔ علامہ ابنِ منظور لسان العرب میں اس کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اَلْحَاضِرُ اَلْقَوْمُ النُّزُوْلُ عَلٰى مَاءٍ يُّقِيْمُوْنَ بِهٖ وَلَا يَرْحَلُوْنَ عَنْهُ (2): یعنی وہ قوم جو کسی چشمہ پر اقامت گزیں ہو جائے اور وہاں سے کوچ کرنے کا کوئی ارادہ نہ رکھتی ہو اسے اہلِ عرب الحاضر کہتے ہیں۔ آیت میں بھی المحضرون کا یہی معنی ہے کہ انہیں عذابِ جہنم میں مبتلا کر دیا جائے گا نہ اس کی میعاد ختم ہو گی

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 14، ص 12
2۔ لسان العرب، ج 4، ص 199

وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿۱۸﴾

اور اسی کے لیے ساری تعریفیں ہیں آسمانوں میں اور زمین میں نیز (پاکی بیان کرو) سہ پہر کو اور جب تم دوپہر کرتے ہو۔

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ

نکالتا ہے زندہ کو مُردہ سے ۱۹ اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے مُردہ

الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ

ہونے کے بعد اور یونہی (قبروں سے) تمہیں نکالا جائے گا اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں

خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ

سے (ایک یہ) ہے کہ اس نے پیدا کیا تمہیں مٹی سے پھر تم اچانک بشر بن کر (زمین میں) پھیل رہے ہو ۲۰ اور اسکی (قدرت کی)

نہ وہ کسی حیلہ سے وہاں سے راہِ فرار اختیار کرنے پر قادر ہوں گے۔ یعنی ہمیشہ ہمیشہ اس میں مبتلا رہیں گے۔ اسی لیے علامہ قرطبی نے مُحْضَرُوْنَ کی تفسیر مُقِيْمُوْنَ سے کی ہے(1)۔ علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: مُدْخَلُوْنَ لَا يَغِيْبُوْنَ عَنْهُ(2) اہل ایمان کے لیے يُحْبَرُوْنَ مضارع کا صیغہ استعمال ہوا ہے جو تجدد پر دلالت کرتا ہے یعنی ہر آن انہیں نئی لذت اور ہر لحہ انہیں نئے اکرام سے نوازا جائے گا۔ اس کے برعکس کفار کے لیے مُحْضَرُوْنَ اسمِ مفعول کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے جو دوام اور ثبوت پر دلالت کرتا ہے۔

۱۸ سبحان مصدر ہے۔ اس کا فعل محذوف ہے۔ اصل یوں ہے فَسَبِّحُوا اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ(3) یعنی اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرو۔ حضرت ابنِ عباس و دیگر مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہاں تسبیح اور حمد سے مراد نماز ہے۔ اور ان دو آیتوں میں چار نمازوں کے اوقات بیان کیے گئے ہیں۔ مغرب، صبح، عصر اور ظہر۔ عشاء کی نماز کا وقت ایک دوسری آیت میں مذکور ہے و زلفا من اللیل۔ اور ابنِ عباس کی یہ تفسیر ہی زیادہ مناسب ہے کیونکہ محض تسبیح اور حمد کے لیے وقت کی پابندی ضروری نہیں، وہ ہر آن اور ہر لحہ کی جاسکتی ہے۔ جس عبادت میں وقت کی پابندی شرط ہے وہ نماز ہے۔(4) ۱۹ اللہ تعالیٰ کی اس عظیم قدرت کا مشاہدہ تم ہر روز کرتے رہتے ہو۔ ایسی عظیم قدرت والے کے لیے یہ ذرا مشکل نہیں کہ وہ تمہیں مارنے کے بعد پھر زندہ کر دے۔ ۲۰ یہاں سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، کبریائی، اس کی قدرت اور حکمت کے دلائل کا سلسلہ شروع ہو رہا ہے۔ ان میں سے ہر دلیل اتنی مؤثر اور یقین افزا ہے کہ انسان جب اس پر غور کرتا ہے تو اس کا دل و دماغ بے ساختہ یہ شہادت دینے لگتا ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ۔

انسان کو مٹی سے بنایا۔ وہ مٹی محض بے جان ہے۔ دیکھنے سننے کی صلاحیت سے محروم، عقل و فہم سے یکسر عاری۔ ایسی مٹی سے انسان کو بنایا اور اسے احسنِ تقویم کے شرف سے نوازا۔ چاند کی چاندنی اس کے نورِ جمال کے سامنے شرمندہ، سروِ چمن اس کی

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 14، ص 14
2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 227
3۔ ایضاً
4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 14، ص 14

اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ

ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے پیدا فرمائیں تمہارے لیے تمہاری جنس سے بیویاں تاکہ تم سکون حاصل کرو ان سے اور پیدا فرما دیئے تمہارے

مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿٢١﴾ وَمِنْ

درمیان محبت اور رحمت (کے جذبات) ۲۱؎ بے شک اس میں بہت نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غوروفکر کرتے ہیں ۲۲؎ اور اس کی

اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ؕ

نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی تخلیق ہے نیز تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف۔

قامتِ زیبا کے آگے دم بخود، مہر بلب۔ غنچوں کا تبسم اس کی مسکراہٹ پر قربان، پھولوں کی تازگی اور لطافت اس کی رعنائی و دلربائی پر نثار۔ غرضیکہ حسن و جمال کے سارے مظہر اس آئینۂ انوارِ الٰہی کے سامنے سر افگندہ ہیں۔ اس کی عقل و فہم کی جولانیوں کے سامنے افلاک کی بلندیاں سرنگوں اور فضا کی وسعتیں سمٹ کر رہ گئی ہیں۔ تم ہی بتاؤ جس ربِ قدوس نے اس بے جان مٹی سے ایسا شاہکار تخلیق فرمایا اُس کی عظمتوں کا کیا ٹھکانہ۔

۲۱؎ زندگی کی شاہراہ بڑی ہی کٹھن ہے۔ قدم قدم پر رکاوٹیں ہیں۔ ہجومِ مصائب ہے۔ غموں کے اندھیرے ہیں۔ ناکامیوں کے چرکے اور مایوسیوں کی وحشتیں ہیں۔ اس کے باوجود حکم یہ ہے کہ اپنے خالق کو پہچانو اور اس کی مخلوق پر بھی ابرِ رحمت بن کر برسو۔ قعرِ دریا میں تختہ بند بھی کر دیا گیا ہے اور دامن تر مکن ہوشیار باش کا فرمانِ واجب الاذعان بھی سنا دیا گیا ہے۔

یہ طولِ سفر، یہ نشیب و فراز مسافر کہاں تک سنبھلتا رہے

لیکن اس کریم نے انسان کے شکستہ حوصلوں کو بلند رکھنے کے لیے، اس کے ڈگمگاتے قدموں کو ثبات بخشنے کے لیے، آلام و مصائب کے بوجھ کو ہلکا کرنے کیلئے اسی کی جنس سے بیوی کی صورت میں اسے ایک رفیقِ سفر بھی عطا کر دیا۔ جنسی یگانگت کے علاوہ دونوں کے دلوں کو محبت اور رحمت کے پاکیزہ اور پختہ تعلقات سے جوڑ دیا ہے۔ یہ سنگت صرف ان دنوں تک محدود نہیں جب صحت وشباب کا آفتاب چمک رہا ہو، جب حالات سازگار ہوں اور بخت بیدار ہو بلکہ محبت و پیار اور شفقت و ہمدردی کا یہ رشتہ کسی صورت میں بھی نہیں ٹوٹتا۔ غموں کے اندھیرے جیسے جیسے گہرے ہوتے جاتے ہیں، محبت کی یہ شمع زیادہ نور افشانی کرنے لگتی ہے۔ جب حالات ناسازگار ہوں اس کی رفاقت میں مزید پختگی آجاتی ہے۔ نیز ان کی تخلیق اس طرح کی گئی ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے بغیر ادھورے ہیں۔ دونوں کی حسرتوں، آرزوؤں، امنگوں اور خوشیوں کی تکمیل کا راز ایک دوسرے سے وابستہ رہنے میں ہے۔

خود سوچیے اگر محبت کا چراغ زندگی کی اس کٹھن راہ کو روشن نہ کرتا اور رحمت کا جذبہ ایک دوسرے کی دستگیری نہ کرتا، تو اس سفرِ حیات کا انجام کتنا حسرت ناک ہوتا۔ تو ہزار جان قربان ہو اس خالقِ کریم پر جس نے مرد کی جنس سے عورت کو پیدا کیا اور پھر انہیں محبت اور رحمت کے رشتوں میں یوں پرو دیا کہ علیحدگی کا تصور تک پریشان کر دیتا ہے۔

میاں بیوی کے تعلقات پر انسان جتنا غور کرے پھر آیت کے ان کلماتِ طیبات جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً میں جتنا

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ ﴿۲۲﴾ وَ مِنْ اٰیٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّیْلِ

بیشک اس میں بھی نشانیاں ہیں اہلِ علم کے لیے ۲۳ اور اس کی نشانیوں میں سے ہے تمہارا سونا رات

وَ النَّهَارِ وَ ابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ

کے وقت اور دن کے وقت اور تمہارا تلاش کرنا اس کے فضل کو ۲۴ بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں

یَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَ مِنْ اٰیٰتِهٖ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ یُنَزِّلُ

کے لیے جو (غور سے) سنتے ہیں اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ دکھاتا ہے تمہیں بجلی ڈرانے اور امید

مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَیُحْیٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ

دلانے کے لیے ۲۵ اور اتارتا ہے آسمان سے پانی اور زندہ کرتا ہے اس سے زمین کو اس کی موت کے بعد۔ یقیناً اس میں بہت سی

لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ

نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقلمند ہیں اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ قائم ہے آسمان اور زمین

بِاَمْرِهٖ ؕ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖۗ مِّنَ الْاَرْضِ ۖۗ اِذَاۤ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴿۲۵﴾

اس کے حکم سے ۲۶ پھر جب بلائے گا تمہیں زمین سے تو تم فوراً باہر نکل آؤ گے۔ ۲۷

تدبر کرے اللہ تعالیٰ کی رحمت، حکمت اور قدرت کے جلوے اتنے ہی نمایاں ہوتے چلے جاتے ہیں۔

۲۲ مرد اور عورت کی آفرینش اور ان میں محبت و رحمت کے یہ تعلقات اللہ تعالیٰ کی کبریائی کی صرف ایک دلیل نہیں، بلکہ اس میں بے شمار دلیلیں سمودی گئی ہیں۔ جتنا کوئی سوچے گا اتنی ہی اسے معرفت نصیب ہوتی جائے گی۔

۲۳ ایک آدم کی اولاد اور اتنی کثیر زبانیں اور اتنے مختلف رنگ، پھر ہر زبان اپنی اپنی جگہ گنجِ علم و دانش اور مخزنِ ادب و فن! ہر رنگ پرکشش اور دل موہ لینے والا۔ اہلِ علم ان امور میں غور کریں اور پھر فرمائیں کہ جس خالق نے ایک آدم سے گوناگوں اولاد پیدا فرمادی اس کی حکمت و قدرت کا کون انکار کرسکتا ہے؟

۲۴ یہ بھی اس کی شانِ رحمت ہے کہ اس نے دن کام کے لیے اور رات آرام کے لیے مخصوص فرمادی تاکہ ہر صبح انسان تازہ دم ہوکر اٹھے اور نئے جوش و نشاط کے ساتھ نئے دن کا استقبال کرے۔ ۲۵ یہ بھی اس کی قدرت و رحمت کی نشانیاں ہیں۔

۲۶ آسمان کا سائبان طناب و چوب کا محتاج نہیں۔ کرۂ زمین کسی نے کندھوں پر اٹھا نہیں رکھا۔ پھر ہر چیز کیوں کر اپنی اپنی جگہ

وَ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَ هُوَ الَّذِیْ
اور اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ۔ سب اسی کے تابع فرمان ہیں اور وہی ہے جو

یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَ هُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ ؕ وَ لَهُ الْمَثَلُ
تخلیق کی ابتداء کرتا ہے پھر (فنا کرنے کے بعد) اسے دوبارہ بنائے گا اور یہ آسان تر ہے اور اسی کے لیے برتر شان

الْاَعْلٰی فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۷﴾ ضَرَبَ
ہے آسمانوں اور زمین میں ۲۸ اور وہی سب پر غالب، حکمت والا ہے اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہے

لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ
تمہارے لیے ایک مثال تمہارے ہی حالات میں سے ۲۹ (یہ بتاؤ) کیا تمہارے غلام تمہارے حصہ دار

قائم ہے اور ہزاروں لاکھوں برسوں سے قائم ہے؟ آج تک اس کی ایک چول بھی ڈھیلی نہیں ہوئی۔ آج تک کہیں اس میں شگاف پیدا نہیں ہوا۔ اس نظام بدیع کے مطابق عالم کی تخلیق اور پھر اس کی بقا کس کی وحدانیت اور کبریائی کی گواہ ہے؟

۲۷ جب تم مرجاؤ گے اور زمین میں دفن کر دیے جاؤ گے اور تمہیں دفن ہوئے سینکڑوں صدیاں بیت جائیں گی اور اللہ تعالیٰ جب تمہیں زمین سے باہر نکل آنے کا حکم دے گا، تو تم ایک آن دیر کیے بغیر دامن جھاڑتے ہوئے نکل آؤ گے۔

۲۸ طرح طرح کے دلائل و براہین ذکر کرنے کے بعد اس سلسلہ کا اختتام ان پر جلال اور دلنشین کلماتِ طیبات سے فرمایا: اَلْمَثَلُ الْاَعْلٰی، یعنی اعلیٰ و برتر شان۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ ان الفاظ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اَلْمَثَلُ الْوَصْفُ الْعَجِیْبُ الشَّاْنِ كَالْقُدْرَةِ الْعَامَّةِ وَالْحِكْمَةِ التَّآمَّةِ وَسَائِرِ صِفَاتِ الْكَمَالِ الْاَعْلَی الَّذِیْ لَیْسَ لِغَیْرِهٖ مَا یُدَانِیْهِ فَضْلًا عَمَّا یُسَاوِیْهِ (1)
یعنی مثل: عظیم الشان وصف کو کہتے ہیں جیسے قدرتِ عامہ، حکمتِ تامہ اور دیگر صفاتِ کمال اور اعلیٰ و بلند تر جس کا کوئی ہم پلہ نہ ہو۔

۲۹ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور وقوعِ قیامت پر گوناگوں دلائل پیش کیے گئے۔ اب شرک کا بطلان کر کے توحید کے عقیدہ کی صداقت اور حقانیت کو ثابت کیا جا رہا ہے۔ اس کے لیے ایک ایسی مثال پیش کی جا رہی ہے جو عام فہم بھی ہے اور دلنشین بھی۔ پوچھا جا رہا ہے کہ اے خداوندِ عالم کے ساتھ مختلف قسم کے شریک ٹھہرانے والو! تم ہی یہ بتاؤ جو رزق ہم نے تم کو عطا کیا ہے کیا تمہارے زرخرید غلام اس میں اس طرح کے حصہ دار ہوتے ہیں کہ ملکیت کے جملہ حقوق، ان میں تصرّف کے جملہ اختیارات، انہیں حسبِ منشا استعمال کرنے کی مکمل آزادی میں تم اور وہ یکساں ہو؟ اور اگر تم اپنی مرضی سے ان کی اجازت کے بغیر خرچ کرنے لگو تو تمہیں ان کی طرف سے مزاحمت کرنے، اعتراض کرنے، بلکہ دنگا فساد کرنے کا اندیشہ ہو؟ اگر ایسا نہیں اور یقیناً ایسا نہیں تو تم خود ہی انصاف کرو کہ اگر تم اپنے غلاموں کی اس قسم کی شرکت گوارا نہیں کرتے تو تمہیں شرم نہیں آتی کہ اللہ تعالیٰ

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 21، ص 37

مِنْ شُرَكَآءَ فِي مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ

ہوتے ہیں اس مال میں جو ہم نے تم کو عطا فرمایا ہے یوں کہ تم (اور وہ) اس میں برابر کے حصہ دار بن جاؤ۔ حتیٰ کہ تم ڈرنے لگو ان سے

كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾

جیسے تم ڈرتے ہو آپس میں ایک دوسرے سے۔ یوں ہم کھول کر بیان کرتے ہیں (اپنی) نشانیاں اس قوم کے لیے جو عقلمند ہے۔

جو کائنات کی ہر چیز کا خالق بھی ہے اور مالک بھی تم اس کے ساتھ بے جان مورتیوں یا فنا ہو جانے والے انسانوں کو شریک بناتے ہو؟ تم خود ہی سوچو یہ کتنی بے انصافی ہے بلکہ یہ ایسی حماقت ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی دوسری حماقت اور ابلہی نہیں۔ اور تم تو بڑے عقلمند اور زیرک ہو۔ تمہارا ذہنِ رسا ہر بات کی تہ کو پہنچ جاتا ہے۔ تمہاری ذہانت اور معاملہ فہمی کا غلغلہ تو دور و نزدیک تک ہے۔ تمہیں ایسی بے انصافی، حماقت اور ابلہی قطعاً زیب نہیں دیتی۔

اب ذرا آیت کے الفاظ میں غور فرمائیے مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَیْ مِنْ اَحْوَالِ اَنْفُسِكُمْ یعنی یہ مثال تمہارے حالات سے ماخوذ ہے۔ شب و روز تم اس کا تجربہ کرتے رہتے ہو۔ هَلْ لَّكُمْ یہ استفہام انکاری ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہوتا۔ لَكُمْ خبر مقدم ہے۔ اور مِنْ شُرَكَآءَ مبتداء موخر ہے۔ یہاں مِنْ زائدہ ہے اور استفہام انکاری سے نفی کا جو مفہوم سمجھا جاتا ہے اس میں مزید تاکید پیدا کرنے کے لیے مستعمل ہوا ہے اور مِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ حال ہے اور مِنْ شُرَكَآءَ ذوالحال۔ کیونکہ ذوالحال نکرہ ہے اس لیے اس کا حال پہلے ذکر کیا جاسکتا ہے۔ فَاَنْتُمْ میں یا تو وَهُمْ کا لفظ مقدر ہے یعنی تم اور وہ۔ یا اَنْتُمْ ہی بطور تغلیب مخاطبین اور ان کے غلاموں کو شامل ہے۔ سَوَآءٌ اَیْ مُسْتَوُوْنَ فِيْهِ لَا فَرْقَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ فِي التَّصَرُّفِ فِيْهِ: یعنی تم اور تمہارے غلام اس مال کی ملکیت میں برابر کے شریک ہیں اور یکساں قسم کے تصرف کا اختیار رکھتے ہیں۔ (1)

علامہ قرطبی نے اس آیت کی شانِ نزول بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کفارِ عرب جب حج کے لیے احرام باندھتے تھے تو ان الفاظ سے تلبیہ کرتے: لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهٗ وَمَا مَلَكَ (2): یعنی اے اللہ تعالیٰ! ہم حاضر ہیں۔ تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اس کے جس کو تو نے خود اپنا شریک بنایا ہے تو اس کا بھی مالک ہے اور اس چیز کا بھی تو مالک ہے جس کا وہ مالک ہے۔

غور فرمائیے کفار اسی حماقت کا ارتکاب کر رہے ہیں جس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے کہ کفار ایک طرف تو اپنے معبودوں کو خدا کا مملوک قرار دے رہے ہیں اور پھر انہیں اللہ تعالیٰ کی خدائی میں اور تصرف میں اس کا ایسا شریک بنا رہے ہیں جو اس کا ہم پایہ ہو (فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ) اور مزید برآں یہ سفید جھوٹ اور صریح کذب بیانی کر رہے ہیں کہ خود اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا شریک بنایا ہے اور انہیں مساوی حقوقِ ملکیت بخش دیئے ہیں۔ اَلْعِيَاذُ بِاللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔

بعض حضرات کفار کی اس "لبیک" کو اور اس آیت کو پڑھ کر ہم اہلِ سنت پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ تمہارا ابھی یہی عقیدہ ہے جو کفار کا اپنے بتوں کے بارے میں تھا۔ آیت کی اس سادہ توضیح کے بعد آپ خود فیصلہ فرمالیں کہ یہ لوگ یہ الزام لگانے میں کتنی زیادتی کرتے ہیں۔ کیا کوئی کلمہ گو کسی کو خواہ اس کا مرتبہ کتنا بلند اور اس کی شان کتنی ارفع ہو کیا کسی چیز میں کسی پہلو سے کسی حیثیت

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 21، ص 38-37
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 14، ص 23

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ یَّهْدِیْ

بلکہ پیروی کرتے رہے ظالم اپنی (نفسانی) خواہشات کی بغیر کسی دلیل کے ۳۰ پس کون ہدایت دے

مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ

سکتا ہے جسے (پیہم نافرمانی کے باعث) اللہ تعالیٰ گمراہ کردے۔ اور ان لوگوں کا کوئی مددگار نہیں۔ پس آپ کرلیں اپنا رُخ دین

حَنِیْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ

(اسلام) کی طرف پوری یکسوئی سے ۳۱ (مضبوطی سے پکڑلو) اللہ کے دین کو جس کے مطابق اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے ۳۲ کوئی ردّوبدل

سے اللہ تعالیٰ کا ہم پلہ خیال کرتا ہے۔ اور تو اور ہم تو اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق بھی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضور محبوب رب العالمین، رحمۃ للعالمین، شفیع المذنبین سید الاوّلین والآخرین، صاحب مقامِ محمود، حاملِ لواء الحمد ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

۳۰ یہ لوگ نہ خود عقل سے کام لیتے ہیں نہ کسی خیر خواہ کی نصیحت قبول کرتے ہیں۔ جہالت و بے خبری کے گھپ اندھیروں میں اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے سرپٹ دوڑے چلے جارہے ہیں۔ ایسے ہٹ دھرم اور کودن لوگ قطعاً اس کے مستحق نہیں کہ ہدایت کے دروازے ان کے لیے کھول دیے جائیں۔ پیہم نافرمانی اور مسلسل سرکشی کے باعث انہوں نے ہدایت پذیری کی صلاحیت کو ختم کردیا ہے اور توفیقِ الٰہی سے وہ محروم کردیئے گئے ہیں۔ اب انہیں راہِ راست پر نہیں لایا جاسکتا۔

۳۱ یہاں فاء تاکید کے لیے ہے (1) یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی قدرتِ کاملہ دلائل وشواہد سے ثابت ہوگئی۔ قیامِ قیامت کے بارے میں جو شکوک وشبہات تھے ان کا ازالہ ہوچکا۔ اب ہر طرف سے رُخ پھیر کر اور توجہ ہٹا کر اس دینِ حق پر مرکوز کردو۔ اَقِمْ اقام العود سے ماخوذ ہے (2)۔ یعنی لکڑی کو ایسا درست اور سیدھا کرنا کہ اس میں کجی کا نام ونشان تک نہ رہے۔ مراد یہ ہے کہ دین اسلام پر پوری طرح کاربند ہوجاؤ اور ارشاد ربانی کی تعمیل میں استقامت اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کرو۔

بعض فضلاء نے لکھا ہے کہ اَنَّ اِقَامَةَ الْوَجْهِ لِلشَّیْءِ كِنَایَةٌ مِّنْ كَمَالِ الْاِهْتِمَامِ بِهٖ یعنی کسی چیز کی طرف ہمہ تن توجہ کو اس عبارت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ حَنِیْفًا حال ہے اور اَقِمْ میں ضمیر فاعل اَنْتَ ذوالحال ہے۔ اَصْلُ الْحَنَفِ الْمَیْلُ مِنَ الضَّلَالِ اِلَی الْاِسْتِقَامَةِ۔ گمراہی سے رخ پھیر کر ہدایت وراستی کی طرف متوجہ ہونے کو عربی میں حنف کہتے ہیں۔ جس طرح ہدایت سے روگردانی کرکے کجی وگمراہی کی طرف مائل ہونے کو جنف کہتے ہیں (3)۔

۳۲ عرب جب کسی کام پر کسی کو برانگیختہ کرتے ہیں تو فعل کو حذف کردیتے ہیں اور اس کے مفعول کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔ کلام میں اس طرح جو زور پیدا ہوتا ہے وہ اظہارِ فعل سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ یہاں بھی فطرت اللہ علی سبیل الاغراء منصوب ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے۔ اِلْزَمُوْا فِطْرَةَ اللّٰهِ تَعَالٰی یعنی اللہ تعالیٰ کی فطرت کو مضبوطی سے پکڑلو اور اس پر کاربند ہوجاؤ۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج7، ص232 2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج21، ص39 3۔ ایضاً

اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾

نہیں ہو سکتا اللہ کی تخلیق میں ۳۳ یہی سیدھا دین ہے ۳۴ لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔

مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۳۱﴾

(اے غلامانِ مصطفیٰ تم بھی اپنا رخ اسلام کی طرف کرلو) اللہ کی طرف رجوع کرتے ہوئے اور ڈرو اس سے اور قائم کرو نماز کو اور نہ ہو جاؤ (ان) مشرکوں

مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ

میں سے۔ جنہوں نے پارہ پارہ کر دیا اپنے دین کو اور خود گروہ گروہ ہو گئے ہر گروہ جو اس کے پاس ہے

فِطْرَةٌ کا وزن اور معنی خِلْقَةٌ ہے یعنی آفرینش، اختراع۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم وعالمیان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فطرت اللہ کا معنی دینِ اسلام بیان فرمایا۔ عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا دِيْنُ اللّٰهِ تَعَالٰى۔ علامہ آلوسی نے اس آیت کا معنی ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ اَلْمُرَادُ لِفِطْرِهِمْ عَلٰى دِيْنِ الْاِسْلَامِ خَلْقُهُمْ قَابِلِيْنَ لَهٗ غَيْرَ نَابِيْنَ عَنْهُ وَلَا مُنْكِرِيْنَ لَهٗ لِكَوْنِهٖ مُجَاوِبًا لِلْعَقْلِ مُسَاوِقًا لِلنَّظَرِ الصَّحِيْحِ (روح المعانی) (1)

یعنی کیونکہ یہ دین عقلِ سلیم سے کلیۃً ہم آہنگ اور فہمِ صحیح کے عین مطابق ہے اسی لیے فطری طور پر انسان نہ اس سے منہ موڑ سکتا ہے اور نہ اس کا انکار کر سکتا ہے۔

نیز انسانی فطرت کے جتنے تقاضے ہیں وہ جنسی ہوں، معاشی ہوں، اخلاقی ہوں، عقلی ہوں یا روحانی۔ یہ دین ہر قسم کے تقاضوں کو صحت مند انداز میں پورا کرتا ہے۔ جس کے باعث زندگی کا دامن سچی مسرت کے پھولوں سے بھر جاتا ہے اور ابدی سعادت کا تاج اس کے سر پر رکھ دیا جاتا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کی زمین پر اس کی خلافت کے منصبِ جلیلہ کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے جو صلاحیتیں اور استعدادیں اس کو ودیعت کی گئی ہیں ان کی صحیح نشوونما کا اہتمام صرف یہی دین کرتا ہے۔ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے ایک حدیث نقل کی ہے جس سے اس مفہوم کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مَّوْلُوْدٍ اِلَّا يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ كَمَا تُنْتِجُ الْبَهِيْمَةُ بَهِيْمَةً جَمْعَاءَ هَلْ تُحِسُّوْنَ فِيْهَا مِنْ جَدْعَاءَ (2): یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہر بچہ دینِ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پس اس کے والدین اسے یہودی بناتے ہیں یا عیسائی بناتے ہیں یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ جس طرح جانور کا بچہ صحیح وسلامت پیدا ہوتا ہے بعد میں اس کے کان وغیرہ کاٹے جاتے ہیں۔ ۳۳ تمہیں اس نے اپنا بندہ بنا کر پیدا فرمایا ہے۔ تم لاکھ چاہو کہ اس کی بندگی سے نکل جاؤ ناممکن ہے۔ تم لاکھ چاہو کہ اس کے علاوہ کسی اور کو اپنا خدا بنا لو قطعاً محال ہے۔ اس آیت کا یہ مفہوم بھی بتایا گیا ہے کہ دینِ اسلام نے جو نظامِ حیات ہمیں دیا ہے وہ ہماری فطرت کے عین مطابق ہے۔ اگر تم چاہو کہ اس نظامِ فطرت کو چھوڑ کر

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 21، ص 41-39 2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 21، ص 40، صحیح مسلم، کتاب القدر، باب معنی کل مولود یولد علی الفطرۃ، ج 2، ص 336

فَرِحُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ

اسی پر خوش ہیں ۳۵ اور جب پہنچتی ہے لوگوں کو کوئی تکلیف تو پکارنے لگتے ہیں اپنے رب کو رجوع کرتے ہوئے

اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ

اس کی طرف پھر جب (ان کی فریاد کو قبول فرما کر) چکھاتا ہے انہیں رحمت اپنی جناب سے تو یکایک ایک گروہ ان میں سے اپنے

يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۪ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَمْ

رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے ۳۶ (اچھا!) ناشکری کرلیں اس نعمت کی جو ہم نے دی ہے انہیں پس (اے ناشکرو!) لطف اٹھالو ۳۷

کوئی دوسرا نظامِ حیات تجویز کرلو جو اسلام کی طرح تمہاری فطرت کے عین مطابق ہو تو ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔

۳۴ قَیِّمٌ مبالغہ کا صیغہ ہے (1)۔ اس کا معنی ہے اَلْمُسْتَوِی الَّذِیْ لَا عِوَجَ فِیْهِ وَلَا انْحِرَافَ عَنِ الْحَقِّ بِوَجْهٍ مِّنَ الْوُجُوْهِ: یعنی ایسا سیدھا جس میں ذرا کجی نہیں، ایسا صحیح جس میں غلطی کا ادنیٰ احتمال تک نہیں۔

یہاں سے اُمت محمدیہ علیٰ صاحبہا افضل الصلوٰۃ والسلام کو دینِ فطرت کی پیروی کی ترغیب دلائی جا رہی ہے۔ مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ اَیْ رَاجِعِیْنَ اِلَیْهِ بِالتَّوْبَةِ وَالْاِخْلَاصِ۔ (قرطبی) (2) فراء نے تقدیرِ کلام یوں ذکر کی ہے فَاَقِمْ وَجْهَكَ وَمَنْ مَّعَكَ مُنِيْبِيْنَ یعنی آپ بمع اپنے ساتھیوں کے توبہ اور اخلاص سے دینِ فطرت کی طرف متوجہ ہوں۔

۳۵ امت میں اتحاد و اتفاق تب ہی برقرار رہ سکتا ہے جب سب صدقِ دل سے احکامِ اسلامیہ کی پیروی کر رہے ہوں اور اللہ تعالیٰ کے رسول کی اطاعت کا دامن مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہوں۔ اگر ہر شخص اپنی خواہشات کا پیروکار بن جائے اور اپنی رائے کو ہی واجب الاتباع خیال کرے تو پھر وہ وحدت برقرار نہیں رہ سکتی اور ایک امت مختلف فرقوں میں بٹتی چلی جاتی ہے جس سے اس کی ہوا اکھڑ جاتی ہے۔ پہلی امتوں میں بھی اس قسم کی فرقہ بندیاں پیدا ہوگئیں تھیں، ان کے علماء اور ان کے امراء نے اپنے ذاتی وقار اور اپنے سیاسی اقتدار کو برقرار رکھنے کے لیے مذہب کو اپنی اغراض کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک امت بیسیوں فرقوں میں بٹ کر رہ گئی اور ہر فرقہ کے درمیان نفرت اور تعصب کی ایسی خلیج حائل ہوگئی کہ وہ آپس میں مل بیٹھنے کے قابل بھی نہ رہے۔ یہودی اور عیسائی ایسے گروہوں میں بٹ گئے تھے کہ ہر ایک گروہ اپنے سوا سب کو گمراہ کہتا اور اسے قابلِ گردن زدنی خیال کرتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو اس قسم کی تفرقہ اندازی سے منع فرما رہا ہے۔ تَاَوَّلَهٗ اَبُوْهُرَيْرَةَ وَعَائِشَةُ وَاَبُوالْعَالِيَةِ اَنَّهٗ لِاَهْلِ الْقِبْلَةِ مِنْ اَهْلِ الْاَهْوَاءِ وَالْبِدَعِ (قرطبی) (3)

۳۶ یعنی ان کفار و مشرکین کا یہ حال ہے کہ جب رنج و غم کے بادل گھر کر آجاتے ہیں، جب قحط سالی کا دور دورہ ہوتا ہے تو سارے معبودوں سے ان کی آس ٹوٹ جاتی ہے۔ اس وقت ہر طرف سے منہ موڑ کر بارگاہ رب العزت میں فریاد کرنے لگتے ہیں۔ لیکن جب وہ کریم و رحیم پروردگار ان کی حالت زار پر نگاہ کرم فرماتا ہے اور ان کی مشکل آسان ہو جاتی ہے، تو پھر اپنے باطل خداؤں کو

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 21 ص 41 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 14 ص 32-31 3۔ ایضاً، جز 14 ص 32

أَمْ أَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَإِذَآ

تمہیں (اس کا انجام) معلوم ہو جائے گا۔ کیا ہم نے اتاری ہے ان پر کوئی دلیل۔ پس وہ گواہی دیتی ہے اس شرک (کی سچائی) کی جو وہ کرتے ہیں ۳۸ اور

أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ؕ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ

جب ہم چکھاتے ہیں لوگوں کو رحمت (کا مزہ) تو وہ اس پر پھولے نہیں سماتے اور اگر پہنچتی ہے انہیں کوئی تکلیف بوجہ ان کرتوتوں کے

أَيْدِيْهِمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ﴿۳۶﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ

جو آگے بھیجے ہیں ان کے ہاتھوں نے تو وہ مایوس ہو جاتے ہیں ۳۹ کیا انہوں نے (بارہا) مشاہدہ نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ کشادہ کر دیتا ہے رزق

خداوند کریم کا شریک بنانے لگتے ہیں اور ان کی پوجا پاٹ میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اَیْ یُشْرِکُوْنَ بِہٖ فِی الْعِبَادَۃِ (1)

۳۷ یہاں لام امر کا ہے اور تہدید اور دھمکی کا معنی دیتا ہے کہ بیشک وہ کفر کی روش اختیار کر لیں اور چند روزہ زندگی میں خوب لطف اندوز ہو لیں عنقریب انہیں اپنا انجام معلوم ہو جائے گا۔ اس وقت وہ چیخیں گے، چلائیں گے لیکن بے سود۔ هِیَ لَامُ اَمْرٍ فِیْهِ مَعْنَی التَّهْدِیْدِ (قرطبی وغیرہ)(2)۔ بعض علماء نے اس لام کو لامِ عاقبت قرار دیا ہے۔ اَللَّامُ فِیْهِ لِلْعَاقِبَةِ قِیْلَ هِیَ لَامُ کَیْ۔ (قرطبی، مظہری)(3) فَتَمَتَّعُوْا غائب کا صیغہ بھی بن سکتا ہے اور خطاب کا بھی۔ دوسری صورت میں اس میں غائب سے مخاطب کی طرف التفات ہوگا۔ فِیْهِ الْتِفَاتٌ مِّنَ الْغَیْبَةِ اِلَی الْخِطَابِ(4)۔ ۳۸ سابقہ آیت میں خطاب کا صیغہ تھا، اب پھر غائب کی طرف التفات ہو رہا ہے۔ یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اس قابل ہی نہیں کہ انہیں شرفِ تخاطب سے نوازا جائے۔ اَیْ اِیْذَانًا بِالْاِعْرَاضِ عَنْهُمْ۔ سلطان سے مراد اگر رسول یا فرشتہ ہو تو یتکلم سے مراد کلام کرنا، گفتگو کرنا ہوگا۔ اگر سلطان سے مراد دلیل و حجت ہو تو پھر اس کا معنی دلالت کرنا ہوگا۔ نطقاً او دلالۃً: یعنی کفر و شرک پر ان کے اس طرح جمے رہنے سے یوں ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں کسی فرشتہ یا کسی پیغمبر نے آ کر کہا کہ کفر و شرک کی راہ ہی سیدھی راہ ہے، اسے مت چھوڑیئے یا انہیں کوئی ایسی محکم دلیل مل گئی ہے کہ جس کے باعث اس باطل کی صداقت کا یقین ان کے دلوں میں پیدا ہو گیا ہے لیکن نہ کوئی نبی اور نہ کوئی فرشتہ ایسی بات کہہ سکتا ہے اور نہ سراسر باطل پر انہیں کوئی دلیل مل سکتی ہے۔ ان کا اس باطل سے چمٹے رہنا محض ان کی نادانی، اکھڑپن اور ہٹ دھرمی کے باعث ہے۔(5)

۳۹ مومن کو جب اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے نوازتا ہے تو وہ اپنے مُنعمِ حقیقی کی بارگاہ میں سجدۂ شکر ادا کرتا ہے اور جب اسے تکلیف یا گزند پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ اس کا مالک اور کارساز اس کی تکالیف کو دور کر دے گا۔ لیکن جن کے دلوں میں ایمان کی شمع روشن نہیں ہوتی، ان کا ردعمل دونوں صورتوں میں بالکل مختلف ہوتا ہے۔ خوشی کے لمحوں میں وہ پھولے نہیں سماتے۔ اپنی کامیابی کے نشہ سے وہ یوں بدمست ہو جاتے ہیں کہ ان میں نیک و بد کی تمیز بھی باقی نہیں رہتی اور اگر انہیں ان کی کارستانیوں کی پاداش میں غم و اندوہ میں مبتلا کر دیا جاتا ہے تو مایوس و ناامید ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 14، ص 33
2۔ ایضاً
3۔ ایضاً تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 235
4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 235
5۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 21، ص 42

لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ فَاٰتِ

کو جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کے لیے چاہتا ہے) بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو ایمان لے آئے ہیں۔ ۴۰

ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ

پس دو رشتہ دار کو اس کا حق نیز مسکین اور مسافر کو ۴۱ یہ بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو

كَحِمَارِ السُّوْءِ اِنْ عَالَفْتَهٗ رَمَحَ النَّاسَ وَاِنْ جَاعَ نَهَقَ (1)

"یعنی بدخصلت گدھے کی طرح اگر تو گھاس سے اس کا شکم پر کردے تو لوگوں کو دولتیاں مارنے لگتا ہے اور اگر بھوکا ہو تو ہینگنا شروع کر دیتا ہے۔"

دل شکستگی اور افسردہ خاطری کے عام طور پر دو نتیجے نکلتے ہیں۔ یا تو کام کرنے کی صلاحیت اور حوصلہ دم توڑ دیتا ہے اور زندگی کی ہنگامہ خیزیوں سے الگ ہو کر گمنامی کے اندھیروں میں کھو جاتا ہے یا غلط کاریوں اور بد دیانتیوں کو اپنا شعار بنا لیتا ہے اور یہ دونوں صورتیں اس کے لیے تباہ کن ہیں۔

۴۰ اس آیت کا آخری جملہ بڑا معنی خیز ہے۔ کسی کے لیے رزق کا کشادہ ہونا اور کسی کے لیے اس کا تنگ ہو جانا، اس کا مشاہدہ ہم روز کرتے رہتے ہیں۔ ہر شخص پر بھی مختلف قسم کے حالات وارد ہوتے رہتے ہیں۔ کبھی روپے پیسے کی ریل پیل ہوتی ہے اور کبھی جیب میں دمڑی تک بھی نہیں ہوتی۔ اہل ایمان کو حالات کے اس ردّ و بدل میں حکمتِ الٰہی کے صدہا جلوے نظر آتے ہیں۔

۴۱ یہاں خطاب حضور فخرِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے اور حضور کی وساطت سے ساری امت کو یہ حکم دیا جا رہا ہے۔ (2)

سابقہ آیت میں بتایا گیا ہے کہ رزق کی تنگی اور فراخی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور وہ اپنی حکمت سے اس کی مناسب تقسیم فرماتا ہے۔ اس آیت میں ان لوگوں کو ہدایت کی جا رہی ہے جنہیں کشادہ رزق دیا گیا ہے کہ تم دولت کو جمع کرنے کے لالچ میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔ سانپ بن کر اس پر بیٹھ نہ رہو، اس کو عیش و عشرت میں لٹانا شروع نہ کر دو، بلکہ خدا کی دی ہوئی دولت کو اس کی رضاجوئی کے لیے خرچ کرو۔ اللہ تعالیٰ اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرتا کہ تمہیں تو عیش و آرام کے سارے وسائل میسر ہوں اور تمہارے دوسرے بھائی زندگی کی بنیادی ضرورتوں سے بھی محروم ہوں۔ اللہ کریم نے جو رزق تمہیں عطا فرمایا ہے اس میں صرف تمہارا حق نہیں، بلکہ اس میں تمہارے نادار رشتہ داروں کا بھی حق ہے۔ وہ مسافر جن کے پاس زادِ راہ نہیں اور وہ غریب و مفلس لوگ جو ضروریاتِ زندگی کے لیے ترس رہے ہیں ان کا بھی تمہارے مال میں حق ہے۔ اس لیے ان مستحقین کو خدا کے دیئے ہوئے رزق سے بڑی فراخدلی اور کشادہ روئی سے ان کا حق ادا کرو۔

آیت میں حَقَّهٗ کا لفظ بڑا غور طلب ہے یعنی اپنے غریب رشتہ داروں اور مسافروں اور دوسرے محتاج انسانوں کو جو کچھ تم دے رہے ہو وہ کوئی انعام نہیں کہ دے کر تم ان پر احسان جتلاتے پھرو اور ان کو ہر محفل میں رسوا کرتے رہو۔ بلکہ یہ ان کا حق ہے جو تمہارے ذمہ واجب الادا ہے اور جو تمہیں ضرور ادا کرنا چاہیے۔ وہ تم سے بھیک نہیں مانگ رہے بلکہ اپنا حق لے رہے ہیں۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 14، ص 34
2۔ ایضاً، ص 35

يُرِيدُونَ وَجْهَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٣٨﴾ وَمَآ اٰتَيْتُمْ

رضائے الٰہی کے طلبگار ہیں اور وہی لوگ دونوں جہانوں میں کامیاب ہوں گے۔ ۴۲ اور جو روپیہ تم دیتے

مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ

ہو بیاج پر تاکہ وہ بڑھتا رہے لوگوں کے مالوں میں (سُن لو!) اللہ کے نزدیک یہ نہیں بڑھتا ۴۳ اور جو

اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿٣٩﴾

زکوٰۃ تم دیتے ہو رضائے الٰہی کے طلبگار بن کر پس یہی لوگ ہیں (جو اپنے مالوں کو) کئی گنا کر لیتے ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۭ هَلْ

اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا پھر تمہیں رزق دیا پھر (مقرّر وقت پر) تمہیں مارے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا ۴۴ کیا

علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر غریب اور مفلس رشتہ دار کی ضروریات کی بہم رسانی اس کے متموّل رشتہ دار پر فرض ہے۔ وَحُكِيَ اَنَّ اَبَا حَنِيْفَةَ اسْتَدَلَّ بِالْاٰيَةِ عَلٰى وُجُوْبِ النَّفَقَةِ لِكُلِّ ذِيْ رَحِمٍ مَّحْرَمٍ ذَكَرًا كَانَ اَوْ اُنْثٰى اِذَا كَانَ فَقِيْرًا اَوْ عَاجِزًا عَنِ الْكَسْبِ (روح المعانی)(1)

نیز یہاں مال زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم نہیں دیا جا رہا ہے بلکہ ان لوگوں کا زکوٰۃ کے علاوہ بھی متموّل لوگوں کے اموال میں حق ہے۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں: بَلْ لِلْقَرِيْبِ حَقٌّ لَازِمٌ فِي الْبِرِّ عَلٰى كُلِّ حَالٍ وَهُوَ الصَّحِيْحُ قَالَ مُجَاهِدٌ وَّقَتَادَةُ صِلَةُ الرَّحِمِ فَرْضٌ مِّنَ اللّٰهِ تَعَالٰى حَتّٰى قَالَ مُجَاهِدٌ لَا تُقْبَلُ الصَّدَقَةُ عَلٰى اَحَدٍ (2)۔ یعنی قریبی رشتہ دار سے ہر حالت میں بھلائی کرنا ایسا حق ہے جس کا ادا کرنا لازم ہے اور یہی قول صحیح ہے۔ مجاہد اور قتادہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے صلہ رحمی کو فرض کیا ہے۔ مجاہد نے تو یہاں تک فرمایا کہ اس آدمی کا صدقہ قبول نہیں ہوتا جس کا کوئی رشتہ دار محتاج ہو۔

۴۲ دوسری قوموں میں دولتمند لوگ بھی ہوتے ہیں اور وہ خرچ بھی کرتے ہیں۔ مسلمان اغنیاء کو جو چیز ان لوگوں سے ممتاز کرتی ہے وہ اس آیت میں مذکور ہے کہ ان کا خرچ کرنا فقط اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرنے کے لیے ہوتا ہے۔

۴۳ اس آیت کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں: ایک یہ کہ "ربا" سے مراد یہاں اس کا مشہور معنی سود ہے اور حرمتِ سود کا حکم جو بڑی وضاحت سے مدینہ طیبہ میں ہجرت کے بعد نازل ہوا اس آیت میں اس حکم کی طرف پہلا قدم ہے۔ قرآنِ کریم کا یہ دستور ہے کہ وہ برائی جس کی جڑیں اس معاشرہ میں بڑی گہری چلی گئی ہوں اُس کی حُرمت کا یک لخت حکم نہیں دے دیا جاتا بلکہ تدریجی احکام سے پہلے ایسی فضا تیار کی جاتی ہے کہ لوگوں کی وابستگی اس سے ختم ہو جائے۔ اور اس سے نفرت کے جذبات پیدا ہو جائیں، پھر اس کی حرمت کا قطعی حکم صادر فرمایا جاتا ہے جس طرح شراب وغیرہ کے احکام میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ سود عرب کے

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 21، ص 44 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 14، ص 35

مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى

تمہارے (ٹھہرائے ہوئے) شریکوں میں بھی کوئی ہے جو کر سکتا ہو اِن کاموں میں سے کوئی۔ پاک ہے اللہ تعالیٰ (ہر

عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۴۰ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي

عیب سے) اور بلند ہے اُن سے جنہیں یہ شریک ٹھیراتے ہیں۔ پھیل گیا ہے فساد بَرّ اور بحر میں بوجہ ان کرتوتوں کے جو لوگوں ۴۵

جاہلی معاشرہ میں مروّج تھا اور لوگ اپنی نجی اور کاروباری ضروریات کے لیے سودی قرض مکہ کے بڑے بڑے ساہوکاروں سے لیا کرتے تھے۔ اس آیت میں سود کے متعلق اس تصوّر کا بطلان کیا کہ اس سے مال بڑھتا ہے اور دولت میں زیادتی ہوتی ہے، بتا دیا کہ سودی کاروبار سے مال و دولت میں اضافہ نہیں ہوتا اور نہ اللہ تعالیٰ اس میں برکت دیتا ہے بلکہ جو لوگ محض رضائے الٰہی کے لیے صدقہ خیرات کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں ہی اپنی برکتوں سے مالا مال فرما دیتا ہے۔

اس آیت کا دوسرا مفہوم یہ بتایا گیا ہے کہ بعض لوگ تحفے اس لیے دیتے ہیں کہ تحفہ لینے والا اس سے کئی گنا زیادہ اس کے بدلے میں انہیں تحفہ دے۔ اگرچہ ایسا کرنا حرام نہیں لیکن معیوب ضرور ہے۔ فرمادیا کہ ایسے تحفے دینے سے مال میں برکت نہیں ہوتی۔ (1)

۴۴ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی عنایاتِ بے پایاں کے ذکر سے شرک کا بطلان کیا جا رہا ہے۔

۴۵ دنیا میں امن وسکون تو تب ہی برقرار رہ سکتا ہے کہ ہر شخص اپنا فرض پوری دیانتداری سے ادا کرے، ہر شخص کے حقوق محفوظ ہوں اور ان سے بہرہ اندوز ہونے کی پوری آزادی ہو۔ جب لوگ اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی اور بددیانتی سے کام لینے لگتے ہیں یا جب کسی کے حقوق غصب کر لیے جاتے ہیں، تو پھر بحر و بر میں فتنہ وفساد کے شعلے بھڑکنے لگتے ہیں۔

ہر شخص کے فرائض کیا ہیں جو اسے ادا کرنا چاہئیں؟ ہر شخص کے حقوق کیا ہیں جو اسے ہر قیمت پر ملنے چاہئیں؟ ان کا تعین دین اسلام نے کیا ہے جو دینِ فطرت ہے اور جو اس خالق و مالک کا دین ہے جس نے کائنات کی ہر چیز کے فطری تقاضوں کو پورا کیا اور ان کی تسکین کے سامان بڑی فیاضی سے مہیّا فرما دیئے۔ جہاں بھی کسی قوم نے اس نظامِ حیات کو اپنایا اسی قدر ان کی زندگیاں اور ان کا ماحول خوشی اور مسرت سے ہمکنار ہوا۔ اور جہاں بھی کسی قوم نے اس نظام سے روگردانی کی وہاں اسی انداز سے امن وسکون رخصت ہوا، بے چینی اور اضطراب کے اندھیرے پھیلنے لگے۔ عقائد کی قوت مُسلّم ہے۔ عملی زندگی میں ان پر مرتب ہونے والے نیک و بد اثرات کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ جب عقائد صحیح ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفاتِ عالیہ پر ایمان پختہ ہوتا ہے وہاں قلب و روح کی دنیا میں بہار تو آہی جاتی ہے عملی دنیا میں بھی دیانتداری، اخلاص، حق گوئی، جرأت، بے نیازی اور استغناء کے پھول مہکنے لگتے ہیں اور جہاں بندے کا تعلق اپنے ربِّ کریم سے ٹوٹ جاتا ہے، جہاں کفر و شرک کی عفونت پھیل جاتی ہے تو وہاں انسان کی عملی زندگی بھی بدکاریوں، بداعمالیوں کی آماجگاہ بن کر رہ جاتی ہے۔ اگر وہ طاقتور ہے تو شُترِ بے مہار بن کر لوگوں کے حقوق پامال کرنے لگتا ہے۔ اگر وہ کمزور ہے تو گرے ہوئے سوکھے پتے کی طرح ہچکولے کھاتا ہے۔ اسے کہیں قرار نہیں ملتا۔ وہ خسیس ترین حرکات کے ارتکاب سے بھی نہیں شرماتا۔

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 539

النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۱﴾ قُلْ

نے کیے ہیں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ چکھائے انہیں کچھ سزا ان کے (بُرے) اعمال کی شاید وہ باز آجائیں ۴۶ (اے محبوب)

سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ

آپ (انہیں) فرمایئے سیر و سیاحت کرو زمین میں اور دیکھو کیسا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گزرے۔

كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ﴿۴۲﴾ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ

ان میں سے اکثر مشرک تھے۔ پس کرلو اپنا رُخ اس دین قیم کی طرف ۴۷ اس سے

قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ﴿۴۳﴾

پہلے کہ آجائے وہ دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے جسے ٹلنا نہیں اس روز یہ لوگ جُدا جُدا ہو جائیں گے ۴۸

جس معاشرہ میں انسان کی جان، عزت و ناموس اور مال محفوظ نہ ہو کیا وہاں امن و سکون میسر آسکتا ہے؟ آپ عہد جاہلیت کی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالیں۔ ہر ملک میں آپ کو اس آیت کی عملی تفسیر دکھائی دینے لگے گی۔ اور اگر آپ عصرِ حاضر کے حالات کا جائزہ لیں، تو آپ کو پتہ چلے گا کہ انسان کو خدا فراموشی، نوامیسِ فطرت سے سرتابی اور اسلام کے پیش کیے ہوئے نظامِ حیات سے روگردانی کی سزا کس طرح مل رہی ہے؟ نہ خشکی پر کہیں امن ہے، نہ سمندر کی بیکراں وسعتوں میں کوئی گوشۂ عافیت نظر آتا ہے۔ زمین پر جگہ جگہ میزائل کے اڈے قائم ہیں۔ جہاں سے ایک برِّ اعظم سے دوسرے برِّ اعظم پر ایٹم بم برسا کر ہر چیز کو خاک سیاہ بنایا جاسکتا ہے، سمندر کی سطح بلکہ سمندروں کو ابلتے ہوئے جہنم میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ کرۂ ہوائی میں بڑی بلندیوں پر امریکہ کا ہوائی بیڑہ جو ہزاروں طیاروں پر مشتمل ہے ہر وقت مصروف پرواز رہتا ہے۔ اس میں مہلک قسم کے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم فِٹ کر دیئے گئے ہیں۔ ایک سگنل سے وہ کہرام رستاخیز برپا کر سکتے ہیں۔ بڑی قوتیں مہلک سے مہلک اسلحہ بنانے کی دوڑ میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لیے ملکی ثروت کو پانی کی طرح بہا رہی ہیں۔ خانگی زندگی بھی ہماری بداعمالیوں سے جنم لینے والے فساد سے محفوظ نہیں۔ میاں بیوی کے درمیان اعتماد جو خانگی زندگی کی مسرتوں کے لیے شرطِ اوّل ہے تیزی سے مفقود ہوتا چلا جارہا ہے۔ ماں باپ اپنی عیش کوشی کے باعث اولاد کی صحیح تربیت سے قاصر ہیں۔ غیر تربیت یافتہ اولاد بڑی ہو کر اپنے والدین کا ادب ملحوظ نہیں رکھتی بلکہ انہیں ایک ناقابل برداشت بوجھ خیال کرتی ہے۔ بڑوں کے دلوں میں چھوٹوں کے لیے رحم اور شفقت نہیں رہی۔ چھوٹوں کی آنکھیں شرم و حیا کے نور سے محروم ہوگئی ہیں اور اپنے سے بڑوں کی پگڑی اچھالنا فیشن بن گیا ہے۔ جب ہمارے گرد و پیش اس قسم کے حالات ہوں تو پھر اس آیت کا مفہوم سمجھنے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی۔

۴۶ یعنی اپنے چمنِ حیات کو جن خار دار جھاڑیوں سے لوگوں نے بھر دیا ہے اس کے کانٹوں کی چبھن تو وہ بھی محسوس کریں۔ اپنے گناہوں اور بدکرداریوں کی سزا وہ بھی تو چکھیں۔ اور اس میں حکمت یہ ہے کہ شاید وہ لوگ اپنے اعمالِ بد کی تباہ کاریوں سے

مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ

جس نے کفر کیا تو اسی پر ہے اس کے کفر کا وبال ۴۹ اور جنہوں نے نیک عمل کیے تو وہ اپنے لیے ہی راہ ہموار

يَمْهَدُوْنَ ﴿۴۴﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ

کر رہے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ بدلہ دے انہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اپنے فضل و کرم سے ۵۰

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ

بیشک وہ پسند نہیں کرتا کفار کو اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ بھیجتا ہے ہواؤں کو

وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ

(بارش کا) مژدہ سناتے ہوئے۔ نیز تاکہ وہ تمہیں چکھائے اپنی رحمت سے اور تاکہ چلیں کشتیاں اس کے حکم سے اور تاکہ تم طلب کرو

عبرت حاصل کریں اور موت سے قبل اپنی اصلاح کرلیں۔

۴۷ مختلف ممالک کی سیر و سیاحت کے دوران تم نے اُجڑے ہوئے امصار و دیار دیکھے ہوں گے جن کے ویران اور سنسان کھنڈرات یہ گواہی دے رہے ہیں کہ یہاں بسنے والوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا، فسق و فجور میں مبتلا رہے اور ظلم و ستم کی حد کر دی تو مکافاتِ عمل کے بے لاگ قانون نے انہیں تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ جس طرح پہلے لوگ تمہارے لیے عبرت کا باعث بنے، تم آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے باعثِ عبرت نہ بنو بلکہ دینِ قیم کو مضبوطی سے پکڑ لو اور اس دن سے پہلے پہلے اپنی اصلاح کرلو جسے کوئی ٹال نہیں سکتا۔ علامہ راغب اصفہانی نے اَلدِّيْنُ الْقَيِّمُ کی یہ تشریح کی ہے۔ اَىْ ثَابِتًا مُّقَوِّمًا لِّاُمُوْرِ مَعَاشِهِمْ وَمَعَادِهِمْ (1) یعنی وہ دین جو ان کی دنیوی معیشت کی ترقی اور اخروی فلاح کا ضامن ہے۔

۴۸ اس دن کی ایک خصوصیت یہ ہوگی کہ اس روز اولادِ آدم کی تقسیم عربی، عجمی، رومی، حبشی، امیر و فقیر، شاہ و گدا کی بنیادوں پر نہیں ہوگی، بلکہ کفر و اسلام پر ہوگی۔ کفر کرنے والوں کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

يَتَصَدَّعُوْنَ کا مادہ اَلصَّدْعُ ہے جس کا معنی پھاڑ دینا۔ اَلصَّدْعُ الشَّقُّ يُقَالُ صَدَعْتُهٗ فَانْصَدَعَ هُوَاَىِ انْشَقَّ تَصَدَّعَ الْقَوْمُ: تَفَرَّقُوْا (الصحاح) (2) یعنی صدع کا معنی پھاڑ دینا ہے اور تَصَدَّعَ الْقَوْمُ کا معنی ہے قوم کا جدا جدا ہو جانا، مختلف ٹولیوں میں بٹ جانا۔

۴۹ جو لوگ کفر کو اختیار کرتے ہیں وہ اللہ جل مجدہ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے بلکہ وہ اپنا ہی ستیاناس کرتے ہیں اور جو لوگ نیکی کو اپنا شعار بناتے ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ پر کوئی احسان نہیں کر رہے بلکہ اپنے دونوں جہاں سنوارتے ہیں۔ دنیا میں بھی ان کی راہ میں آنکھیں بچھائی جائیں گی اور حشر کے روز بھی اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتوں کا ان پر نزول ہوگا۔

يَمْهَدُوْنَ کی تشریح کرتے ہوئے علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں: مِنْهُ مَهْدُ الصَّبِيِّ وَ الْمِهَادُ: الْفِرَاشُ وَقَدْ مَهَدْتُّ الْفِرَاشَ

1۔ مفرداتِ راغب، ص 691 2۔ الصحاح، ج 3، ص 42-1241

فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا

اس کے فضل سے اور تاکہ تم شکر ادا کرو ۵۰؎ اور بیشک ہم نے بھیجے آپ سے پہلے پیغمبر

اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ؕ

انکی قوموں کی طرف۔ پس وہ لے کر آئے ان کے پاس روشن دلیلیں۔ پس ہم نے بدلہ لیا ان سے جنہوں نے جرم کیے۔

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ

اور ہمارے ذمۂ کرم پر ہے اہلِ ایمان کی امداد فرمانا ۵۱؎ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو

فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِى السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا

پس وہ اٹھاتی ہیں بادل کو پس اللہ تعالیٰ پھیلا دیتا ہے اسے آسمان پر جس طرح چاہتا ہے اور کردیتا ہے اسے

فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ

ٹکڑے ٹکڑے پھر تو دیکھتا ہے بارش کو کہ ٹپکنے لگتی ہے اس میں سے پھر جب پہنچاتا ہے اسے جس کو چاہتا ہے

مَهَدًا بَسَطَهٗ وَ وَطَّاَهٗ: یعنی بچے کے پنگھوڑے کو مہد اور بستر کو مہاد کہتے ہیں۔ بستر بچھانے اور اسے نرم و گداز کرنے کو مَهَدَ الْفِرَاشَ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس آیت میں يَمْهَدُوْنَ کا معنی ہوگا کہ وہ اپنی ابدی آرام گاہ کو درست و ہموار بنا رہے ہیں۔ اَیْ يُوَطِّئُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ فِى الْاٰخِرَةِ فِرَاشًا وَّ مَسْكَنًا وَّ قَرَارًا بِالْعَمَلِ الصَّالِحِ (قرطبی) (1) علامہ جوہری نے بھی الصحاح میں اس لفظ کی یہی تشریح کی ہے (2)۔ ۵۰؎ اس آیت میں مِنْ فَضْلِهٖ کا لفظ آپ کی خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ اگر وہ اہلِ ایمان کے ایمان اور صالحین کے اعمالِ صالحہ کو شرف پذیرائی بخشتا ہے اور اس پر انہیں اجر عطا فرماتا ہے تو یہ محض اس کا فضل و کرم ہے۔ ساری عمر بھی اگر کوئی شخص اس کی یاد اور ذکر میں بسر کردے تو اس کی کسی ایک نعمت کا شکر بھی ادا نہیں ہوسکتا۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ اپنے صحابہ کو بڑی پیاری نصیحت فرمائی۔ فرمایا: سَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَاَبْشِرُوْا فَاِنَّهٗ لَا يُدْخِلُ الْجَنَّةَ اَحَدًا عَمَلُهٗ قَالُوْا وَلَا اَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ يَّتَغَمَّدَنِىَ اللّٰهُ بِمَغْفِرَتِهٖ وَرَحْمَتِهٖ (رواہ الشیخان) (3)

ترجمہ: راہِ راست اختیار کرو۔ اللہ تعالیٰ کا قرب چاہو اور خوش رہو۔ کیونکہ کسی کو اس کا عمل جنت میں نہیں لے جائے گا۔ صحابہ کرام نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ کا عمل بھی؟ فرمایا: ہاں۔ میرا عمل بھی، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے دامنِ مغفرت و رحمت میں ڈھانپ لے۔ ۵۱؎ اب پھر اپنی قدرتِ قاہرہ کے دلائل ساطعہ کا بیان ہو رہا ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج14، ص42 2۔ الصحاح، ج1، ص538

3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج7، 240۔ صحیح مسلم، کتاب صفة المنافقین، باب لن یدخل احد الجنة بعمله بل برحمة الله تعالیٰ، ج2، ص377

مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ

اپنے بندوں سے اس وقت وہ خوشیاں منانے لگتے ہیں ۵۳ اگرچہ وہ بندے اس سے پہلے کہ ان

اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ

پر بارش ہوتی مایوس ہو چکے تھے۔ پس (چشم ہوش سے) دیکھو رحمت

اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ

الٰہی کی علامتوں کی طرف (تمہیں پتہ چلے گا) کہ وہ کیسے زندہ کرتا ہے زمین کو اسکے مردہ ہونے کے بعد۔ بیشک وہی خدا مُردوں کو زندہ

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾ وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا

کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ اور اگر ہم بھیج دیتے ایسی ہوا (جس کے اثر سے) وہ دیکھتے اپنے سرسبز

لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ

کھیتوں کو کہ وہ زرد ہوگئے ہیں، تو اسکے باوجود وہ کفر پہ اڑے رہتے ۵۴ پس آپ مُردوں کو نہیں سُنا سکتے ۵۵ اور نہ آپ بہروں کو

۵۲ یہ فرما کر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی عزت افزائی فرمائی ہے یعنی انہوں نے میری طاعت و بندگی کو اپنا شیوہ بنالیا ہے تو میں نے بھی ان کی اعانت فرمانا اور ہر میدان میں ان کی فتح و نصرت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ ضرور پورا کرتا ہے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يَّذُبُّ عَنْ عِرْضِ اَخِيْهِ اِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى اَنْ يَّرُدَّ عَنْهُ نَارَ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ تَلَا وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (1)

ترجمہ: یعنی میں نے حضور کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو مسلمان اپنے بھائی کی ناموس کو بچاتا ہے اللہ تعالیٰ پر اس کا حق ہو جاتا ہے کہ وہ اسے آتشِ جہنم سے بچائے۔ پھر حضور نے یہ آیت تلاوت کی۔

۵۳ ایسی ہوا بھیجتا ہے جو بادل کو اٹھا کر لاتی ہے اور سارا آسمان اس سے ڈھک جاتا ہے۔ تُثِيْرُ سَحَابًا تُحَرِّكُهٗ وَتُنْشِرُهٗ۔

كِسَفًا: یہ کسفة کی جمع ہے۔ اس کا معنی ٹکڑا ہے۔ اَلْوَدْقُ: بارش۔ (2)

۵۴ ایسی ہوائیں بھی ہیں کہ جب چلتی ہیں تو سرسبز و شاداب کھیت زرد ہو کر خشک ہونے لگتے ہیں۔

۵۵ اس آیت میں الموتیٰ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دل مر چکے ہیں۔ کُفر و شرک پر پیہم اصرار کے باعث ان کی عقل و فہم

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 14، ص 43۔ مشكوٰة المصابيح، باب الشفقة والرحمة على الخلق، ص 424 2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 21، ص 52

کے چراغ بجھ گئے ہیں اور کسی بات میں سنجیدگی اور متانت سے غور و فکر کی صلاحیت دم توڑ چکی ہے (1)۔ علامہ خازن الموتیٰ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ یعنی مَوْتَی الْقُلُوْبِ وَھُمُ الْکُفَّارُ۔ (النمل) (2) علامہ بغوی فرماتے ہیں یَعْنِیْ الْکُفَّارَ (معالم التنزیل، النمل) (3) علامہ قرطبی نے فرمایا مَوْتَی الْقُلُوْبِ (جن کے دل مردہ ہیں)

اور اَلصُّمَّ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کے کان بہرے ہو چکے ہیں، جنہوں نے اپنے گوشِ ہوش میں تعصب کی انگلیاں ٹھونس دی ہیں تاکہ انہیں حق کی صدا سنائی نہ دے۔ (4)

آیت کا مقصد یہ ہے کہ توحید پر مُسکت دلائل ان کے سامنے پیش کیے گئے۔ انہیں بار بار دل نشین انداز سے دعوتِ حق دی گئی۔ اس کے باوجود یہ کفر پر اڑے ہوئے ہیں۔ ان کے اس طرزِ عمل سے اے محبوب! آپ رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ ان کے دل مر چکے ہیں، ان کے کانوں سے حق سننے کی طاقت سلب ہوگئی ہے۔ آپ نے اپنا فریضہ تبلیغ ادا کرنے میں ذرا کوتاہی نہیں کی۔ اگر یہ کفر اور گمراہی کے اندھیروں سے باہر نہیں نکلنا چاہتے تو ان کی قسمت۔

آج کل یہ بحث بڑے زوروں پر ہے کہ میت کوئی آواز سن سکتی ہے یا نہیں۔ سماعِ موتی کے منکرین استدلال کے طور پر یہ آیت پیش کرتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ سے توفیق طلب کرتے ہوئے بڑے اختصار کے ساتھ آیاتِ قرآنیہ، احادیث طیبہ اور علمائے ربانیین کے اقوال سے جو کچھ سمجھا ہوں وہ عرض کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیبِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل کجروی سے بچائے اور راست روی کی توفیق عطا فرمائے۔ کیونکہ اس کی توفیق اور دستگیری کے بغیر علم، عقل اور سعی سب بے حاصل ہیں۔

یہ مسئلہ عہدِ قدیم سے متنازعہ فیہ ہے۔ اس کے بارے میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ بڑے سے بڑے فضلا نے اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کی ہے لیکن جس شرح و بسط سے علامہ ابنِ قیم نے اس پر قلم اٹھایا ہے اور اس مسئلہ کے مختلف گوشوں کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے میرے مطالعہ کی حد تک یہ انہی کا حصہ ہے۔

سب سے پہلے یہ سمجھنا چاہیے کہ موت کیا چیز ہے، اس کا مفہوم کیا ہے؟ علامہ مذکور لکھتے ہیں کہ موت عدمِ محض اور فناءِ مطلق کا نام نہیں کہ انسان مرے تو بالکل نیست و نابود ہو کر رہ جائے بلکہ ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہو جانے کو موت کہتے ہیں۔ اِنَّ الْمَوْتَ لَیْسَ بِعَدَمٍ مَّحْضٍ وَّاِنَّمَا ھُوَ انْتِقَالٌ مِّنْ حَالٍ اِلٰی حَالٍ (کتاب الروح ص ۴۳)

اللہ تعالیٰ نے شہداء کے متعلق فرمایا ہے کہ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ يَسْتَبْشِرُوْنَ (آل عمران: 70-169) یعنی وہ مجاہدین جن کو کفار قتل کر دیتے ہیں، تو پھر بھی وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔ انہیں رزق دیا جاتا ہے، بڑے خوش اور مسرور رہتے ہیں۔ جب ظاہری طور پر موت طاری ہونے کے باوجود شہداء کا یہ حال ہے تو صدیقین اور انبیاء جن کا رتبہ شہداء سے بدر جہا اعلیٰ اور ارفع ہے، ان کی کیا کیفیت ہوگی۔

علامہ ابنِ قیم نے یہاں حیاتِ انبیاء پر متعدد دلائل بیان کیے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ شب معراج بیت المقدس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات انبیاء کرام کے ساتھ ہوئی۔

۲۔ اسی سفرِ معراج میں مختلف آسمانوں پر مختلف انبیاء سے ملاقات ہوئی۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 232
2۔ تفسیر خازن، ج 5، ص 129
3۔ تفسیر بغوی برحاشیہ تفسیر خازن، ج 5، ص 129
4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 13، ص 232

۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تو بار بار ملاقات اور نمازوں کی تعداد پچاس سے گھٹا کر پانچ کروانے کا واقعہ ہر خاص و عام کے علم میں ہے۔

ان دلائل کے ذکر کرنے کے بعد ابن قیم لکھتے ہیں یَحْصُلُ مِنْ جُمْلَتِهِ الْقَطْعُ بِاَنَّ مَوْتَ الْاَنْبِيَاءِ اِنَّمَا هُوَ رَاجِعٌ اِلٰى اَنْ غُيِّبُوْا عَنَّا بِحَيْثُ لَانُدْرِكُهُمْ وَاِنْ كَانُوْا مَوْجُوْدِيْنَ اَحْيَاءً (کتاب الروح ص ۴۳) کہ مذکورہ دلائل سے اور ان کے علاوہ دوسرے دلائل سے جن سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ انبیائے کرام کی موت کا فقط یہ مطلب ہے کہ وہ ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہو گئے ہیں، ہم ان کو نہیں پا سکتے حالانکہ وہ زندہ موجود ہیں۔(1)

موت کا مفہوم ذہن نشین کر لینے کے بعد اب آپ یہ سمجھنے کی کوشش فرمائیں کہ موت کے بعد روح اور جسم کا باہمی تعلق کیسے باقی رہتا ہے؟ اس کے بارے میں علامہ مذکور فرماتے ہیں کہ جسم کے ساتھ روح کے تعلق کی پانچ حالتیں ہیں۔ ہر حالت پر مختلف احکام مترتّب ہوتے ہیں۔

(۱) شکمِ مادر میں جب جسم میں روح پھونکی جاتی ہے۔ (۲) جب انسان اس جہان میں قدم رکھتا ہے۔ (۳) حالتِ خواب میں۔ (۴) عالم برزخ میں اگرچہ روح جسم سے جدا ہو جاتی ہے لیکن یہ جدائی کلیۃً نہیں ہوتی بلکہ روح کا تعلق جسم کے ساتھ کسی نہ کسی طرح باقی رہتا ہے۔ تَعَلُّقُهَا بِهٖ فِي الْبَرْزَخِ فَاِنَّهَا وَاِنْ فَارَقَتْهُ وَتَجَرَّدَتْ عَنْهُ فَاِنَّهَا لَمْ تُفَارِقْهُ فِرَاقًا كُلِّيًّا بِحَيْثُ لَايَبْقٰى لَهَا الْتِفَاتٌ اِلَيْهِ اَلْبَتَّةَ اور اسی تعلق کی وجہ سے وہ اپنے زائر کے سلام کا جواب دیتا ہے اور اس کا اسے علم ہوتا ہے۔ (تفصیلی بیان آگے آ رہا ہے)۔

(۵) قبروں سے جی اٹھنے کے بعد روح کا تعلق جسم سے۔ اس تعلق کے متعلق علامہ لکھتے ہیں: فَهُوَ اَكْمَلُ اَنْوَاعِ التَّعَلُّقِ اِذْ هُوَ تَعَلُّقٌ لَّا يَقْبَلُ الْبَدَنُ مَعَهٗ مَوْتًا وَّلَا نَوْمًا وَّلَا فَسَادًا یعنی روح کا جسم کے ساتھ یہ تعلق تمام تعلقات سے اکمل ہے کیونکہ اس کے بعد جسم کو نہ موت آتی ہے نہ نیند آتی ہے اور نہ اس کے عناصر میں فساد رونما ہوتا ہے۔(2)

موت کے بعد حشر تک روح کا مقرّ اور مقام کہاں ہے؟ اس کے متعلق علامہ نے تقریباً سولہ قول لکھے ہیں جن میں سے ایک قول یہ ہے کہ موت کے بعد روح بھی عدم محض ہو جاتی ہے جسم کی دوسری صفات علم، قوت وغیرہ کی طرح حیات بھی اس کی ایک صفت ہے جسم کے فنا ہو جانے سے جس طرح دوسری صفات فنا ہو جاتی ہیں اسی طرح روح بھی فنا ہو جاتی ہے لیکن یہ قول سراسر باطل ہے۔ کتاب و سنت اور اجماعِ صحابہ کے علاوہ دلائلِ عقلیہ بھی اس کی تردید کرتے ہیں۔ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ (سورۃ الفجر: 30-27) (اے اطمینان والی جان! اپنے رب کی طرف واپس ہو یوں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ پھر میرے خاص بندوں میں داخل ہو اور میری جنت میں آ)۔ یہاں خطاب روحِ مطمئنہ کو ہو رہا ہے اور اس وقت ہو رہا ہے جب وہ جسم سے الگ ہوتی ہے اگر روح کا اپنا مستقل وجود نہ ہوتا، تو پھر اس سے خطاب کیسے کیا جاتا؟ احادیث کثیرہ سے بھی یہ ثابت ہے کہ روح کا اپنا مستقل وجود ہے۔ وَهُوَ قَوْلٌ لَّمْ يَقُلْ بِهٖ اَحَدٌ مِّنْ سَلَفِ الْاُمَّةِ وَلَا مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ وَلَا اَئِمَّةِ الْاِسْلَامِ (ابن قیم) یعنی یہ ایسا قول ہے جسے نہ سلف صالحین میں سے کسی نے تسلیم کیا ہے نہ صحابہ، تابعین اور ائمہ اسلام کا یہ خیال ہے۔(3)

دوسرا قول: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس بارے میں یہ قول ہے کہ مومنین کی ارواح برزخ میں ہیں اور جدھر چاہتی ہیں جاتی ہیں۔

اِنَّ اَرْوَاحَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ بَرْزَخٍ مِّنَ الْاَرْضِ تَذْهَبُ حَيْثُ شَاءَتْ فَهٰذَا مَرْوِيٌّ عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ: وَالْبَرْزَخُ هُوَ الْحَاجِزُ

1۔ کتاب الروح از علامہ ابن قیم، ص 36، مطبوعہ دار الندوۃ الجدیدۃ، بیروت، لبنان 2۔ کتاب الروح، ص 44-43 3۔ ایضاً، ص 11-110

بَيْنَ الشَّيْئَيْنِ۔ وَكَانَ سُلْمَانُ اَرَادَ بِهَا فِي اَرْضٍ بَيْنَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ مُرْسَلَةً هُنَاكَ تَذْهَبُ حَيْثُ شَاءَتْ۔

برزخ کے لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں اَصْلُهُ الْحَاجِزُ بَيْنَ الشَّيْئَيْنِ دو چیزوں کے درمیان جو چیز حائل ہو اس کو برزخ کہا جاتا ہے۔ یہاں برزخ سے مراد دنیا اور آخرت کا درمیانی جہان ہے۔

فَالْبَرْزَخُ هٰهُنَا مَا بَيْنَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔

تیسرا قول: مومنین کی روحیں حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں جانب ہیں اور کفار کی روحیں آپ کی بائیں جانب۔

چوتھا قول: ابو محمد بن ابی حزم کا قول یہ ہے کہ اجسام کے پیدا کرنے سے پہلے روح جہاں تھی موت کے بعد لوٹ کر پھر وہاں ہی چلی جاتی ہے۔ اِنَّ مُسْتَقَرَّهَا حَيْثُ كَانَتْ قَبْلَ خَلْقِ اَجْسَادِهَا۔ (1)

پانچواں قول: بعض نے یہ کہا کہ مومنین کی روحیں اللہ تعالیٰ کے پاس ہوتی ہیں۔ اس سے زیادہ ان لوگوں نے مزید کہنے کی جرأت نہیں کی اور جتنا کچھ قرآن میں ہے ادب اور احترام کے تقاضے کے پیش نظر اتنا کہنے پر ہی توقف کرتے ہیں۔ اَرْوَاحُ الْمُؤْمِنِيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ وَلَمْ يَزِدْ عَلٰى ذٰلِكَ فَاِنَّهٗ تَاَدُّبٌ مَعَ لَفْظِ الْقُرْاٰنِ حَيْثُ يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ۔ (2)

چھٹا قول: بعض کی رائے یہ ہے کہ ارواح اپنے مزارات کے اوپر ہوتی ہیں۔ اَلْاَرْوَاحُ عَلٰى اَفْنِيَةِ قُبُوْرِهَا۔ (3)

ساتواں قول: اہل ایمان کی روحیں اگر کوئی گناہ کبیرہ یا قرض رکاوٹ نہ بنے تو وہ جنت میں ہوتی ہیں لیکن اپنے جسد خاکی پر ان کی توجہ اس طرح ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص ان کے مزارات پر حاضر ہو تو وہ اسے دیکھتے ہیں اور اگر کوئی سلام کہے تو اس کا جواب دیتے ہیں۔ اس شبہ کا ازالہ کرنے کے لیے کہ روح اگر جنت میں یا اعلیٰ علیین میں ہو تو اپنی قبر پر آنے والے کو اتنی دور سے کس طرح پہچانتی ہے اور کس طرح اس کا سلام سنتی ہے اور کیونکر اس کا جواب دیتی ہے؟ علامہ ابن قیم لکھتے ہیں: لَا يَضِيْقُ عَنْ كَوْنِ الرُّوْحِ فِي الْمَلَاءِ الْاَعْلٰى تَسْرَحُ فِي الْجَنَّةِ حَيْثُ شَاءَتْ وَتَسْمَعُ سَلَامَ الْمُسَلِّمِ عَلَيْهَا عِنْدَ قَبْرِهَا وَتَدْنُوْ حَتّٰى تَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ وَلِلرُّوْحِ شَاْنٌ اٰخَرُ غَيْرُ شَاْنِ الْبَدَنِ (کتاب الروح ص ۱۲۶) یعنی تو اس چیز کو تسلیم کرنے سے تنگ دل نہ ہو کہ روح جب ملاء اعلیٰ میں ہے اور جنت میں سیر و سیاحت میں مصروف ہے تو وہ کس طرح اپنی قبر پر آنے والے کا سلام سنتی ہے؟ پھر کس طرح نزدیک ہو کر اس سلام کرنے والے کو جواب دیتی ہے؟ کیونکہ روح کی شان اور ہے اور جسم کی شان اور۔ علامہ نے بڑی شرح و بسط سے اس چیز کو ثابت کیا ہے کہ روح کے لیے یہ بُعدِ مکانی اور یہ مسافت کی دوریاں کوئی معنی نہیں رکھتیں۔ وہ ایک لمحہ میں ملاء اعلیٰ سے زمین پر اور زمین سے اعلیٰ علیین پر آجا سکتی ہے۔ وہ لوگ سخت دھوکہ میں ہیں جو روح کو جسم کی طرح ان مسافتوں کے طے کرنے سے قاصر سمجھتے ہیں (4)۔ وہ فرماتے ہیں کیا تم نہیں جانتے کہ حضور ﷺ جب شب معراج موسیٰ علیہ السلام کے مزار کے پاس سے گزرے تو انہیں اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا اور جب حضور کا موکب ہمایوں افلاک کی بے پایاں رفعتوں کو سمند ہمت سے روندتا ہوا چھٹے آسمان تک پہنچا تو وہاں پھر موسیٰ علیہ السلام کو اپنا منتظر پایا۔ جبریل امینؑ ایک لمحہ پہلے آسمان کی بلندیوں پر پرکشا نظر آتے تو دوسرے لمحے بارگاہِ رسالت میں دست بستہ بیٹھے ہوئے حاضر دکھائی دیتے۔ لیکن اِن اُمور کو ہر آدمی تسلیم نہیں کرتا۔ صرف انہی سعید روحوں کو یہ استعداد بخشی جاتی ہے جو ان حقائق کو سمجھتے بھی ہیں، تسلیم بھی کرتے ہیں اور ان پر یقین بھی رکھتے ہیں۔ (5)

اس کے بعد علامہ نے ایک مستقل فصل تحریر کی ہے جس میں انہوں نے اس حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے کہ ساری روحوں کی

1۔ کتاب الروح، ص 9-108 2۔ ایضاً ص 104 3۔ ایضاً ص 100 4۔ ایضاً ص 102 5۔ ایضاً ص 101

حالت یکساں نہیں ہوتی بلکہ قوت اور ضعف، کبر اور صغر کے اعتبار سے ہر ایک کا رتبہ الگ الگ ہوتا ہے۔ عظیم اور کبیر روحوں کا مقام اتنا بلند ہوتا ہے جس کو ان سے کم درجہ والی روحیں نہیں پاسکتیں۔ روحوں کے درمیان یہ تفاوت ہم اس مادی جہان میں بھی مشاہدہ کرتے رہتے ہیں اور جب روح جسمانی علائق اور مادی پابندیوں سے رستگاری حاصل کر لیتی ہے، تو اسے تصرّف، قوت، ہمت اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق میں جو مقام نصیب ہوتا ہے، وہ ان روحوں کو نصیب نہیں ہوتا جو جسم کے اس قفس میں قید ہیں اور جنہیں مادی دنیا کی زنجیروں نے جکڑ رکھا ہے۔ عظیم روحیں جب قفسِ عنصری کو توڑ کر آزاد ہوتی ہیں تو ان کی شان اور علو ہمتی کا اندازہ ہی نہیں لگایا جاسکتا۔ اور ان سے ایسے ایسے کارہائے نمایاں ظہور پذیر ہوتے ہیں جن کا تصور کرنا بھی ہمارے بس کی بات نہیں۔ پھر علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ بارہا لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خواب میں زیارت کی کہ حضور کے ساتھ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ بھی ہیں اور انہوں نے کفّار و مشرکین کے جرّار لشکروں کو شکست فاش دی اور ان کو مغلوب و مقہور کر دیا۔ حالانکہ مسلمانوں کی فوج ہر لحاظ سے کمزور تھی۔ علامہ کی عبارت غور سے پڑھیے۔ آپ کا ایمان تازہ ہو جائے گا۔

وَكَمْ رُئِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ وَمَعَهُ اَبُوْبَكْرٍ وَّعُمَرُ فِي النَّوْمِ قَدْ هَزَمَتْ اَرْوَاحُهُمْ عَسَاكِرَ الْكُفْرِ وَالظُّلْمِ فَاِذَا بِجُيُوْشِهِمْ مَغْلُوْبَةٌ مَّكْسُوْرَةٌ مَعَ كَثْرَةِ عَدَدِهِمْ وَعُدَدِهِمْ وَضُعْفِ الْمُسْلِمِيْنَ وَقِلَّتِهِمْ (کتاب الروح ص ۱۲۷) (1) ان کے علاوہ مصنّف نے متعدد دوسرے قول ذکر کیے ہیں جن میں سے بعض سراسر باطل ہیں اور بعض کی کچھ تاویل کی جاسکتی ہے۔ آخر میں علامہ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ ان متعدد اقوال میں سے تمہارے نزدیک راجح قول کونسا ہے جس کے مطابق اعتقاد رکھا جائے تو جواب میں کہا جائے گا کہ ساری روحیں یکساں نہیں۔ ان میں بڑا تفاوت ہے اور اسی تفاوت کی وجہ سے ان کی منزلیں جدا جدا ہیں اور مختلف احادیث میں روحوں کے مختلف ٹھکانوں کا جو ذکر ہے ان میں تضاد نہیں بلکہ مختلف ارواح کے مختلف مقامات ذکر کیے گئے ہیں۔ اس بحث کو سمیٹنے سے پہلے علامہ مذکور لکھتے ہیں کہ روح اور بدن کے احکام اور حالات مختلف ہیں۔ رُوح جنّت میں ہونے کے باوجود اپنی قبر سے اور اس میں مدفون اپنے بدن سے اتّصال رکھتی ہے اور اوپر جانے اور نیچے اترنے میں، ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچنے میں اس کی سرعتِ رفتار کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا اور اس کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) آزاد روحیں (۲) مقیّد روحیں (۳) علوی روحیں (۴) سِفلی روحیں

وَاِنَّ لَهَا شَاْنًا غَيْرَ شَاْنِ الْبَدَنِ وَاِنَّهَا مَعَ كَوْنِهَا فِي الْجَنَّةِ فَهِيَ فِي السَّمَاءِ وَتَتَّصِلُ بِفِنَاءِ الْقَبْرِ وَبِالْبَدَنِ فِيْهِ وَهِيَ اَسْرَعُ شَيْءٍ حَرَكَةً وَّانْتِقَالًا وَّصُعُوْدًا وَّهُبُوْطًا وَاِنَّهَا تَنْقَسِمُ اِلٰى مُرْسَلَةٍ وَّمَحْبُوْسَةٍ وَّعُلْوِيَّةٍ وَّسُفْلِيَّةٍ (کتاب الروح ص ۱۴۴) (2)

احادیثِ صحیحہ کثیرہ سے یہ ثابت ہے کہ صاحبِ مزار اپنے زائر کو پہچانتا ہے اور اس کی آواز کو سنتا ہے۔ ان میں سے چند حدیثیں پیش کی جاتی ہیں:

(۱) اَخْرَجَ الشَّيْخَانِ وَغَيْرُهُمَا مِنْ طَرِيْقِ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا وُضِعَ فِيْ قَبْرِهٖ وَتَوَلّٰى عَنْهُ اَصْحَابُهٗ اِنَّهٗ يَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ۔ (3)

ترجمہ: امام بخاری، امام مُسلم اور دیگر محدّثین نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے کہا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جب بندے کو اس کی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے دوست دفن کرنے کے بعد واپس لوٹتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔

1۔ کتاب الروح، ص 103 2۔ ایضاً، ص 116 3۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر، ج 1، ص 84-183

(۲) اَخْرَجَ ابْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ وَالطَّبْرَانِیُّ فِی الْاَوْسَطِ وَابْنُ حِبَّانَ فِیْ صَحِیْحِهٖ وَالْحَاکِمُ وَالْبَیْهَقِیُّ فِیْ حَدِیْثِ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ اِنَّ الْمَیِّتَ اِذَا وُضِعَ فِیْ قَبْرِهٖ اِنَّهٗ یَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِهِمْ حِیْنَ یُوَلُّوْنَ عَنْهُ۔ (1)

ترجمہ: ابن ابی شیبہ، طبرانی، ابن حبان، حاکم اور بیہقی (جیسے جلیل القدر محدثین) نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ جب میّت کو اس کی قبر میں رکھا جاتا ہے تو وہ اسے دفن کر کے واپس لوٹنے والوں کی جوتیوں کی آہٹ سنتی ہے۔

(۳) اَخْرَجَ ابْنُ اَبِیْ دُنْیَا فِیْ کِتَابِ الْقُبُوْرِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ رَّجُلٍ یَّزُوْرُ قَبْرَ اَخِیْهِ وَیَجْلِسُ عِنْدَهٗ اِلَّا اسْتَاْنَسَ وَرَدَّ عَلَیْهِ حَتّٰی یَقُوْمَ۔ (2)

ترجمہ: حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنے بھائی کی قبر کی زیارت کے لیے جاتا ہے اور اس کے پاس بیٹھتا ہے تو صاحب مزار کو اس سے بڑی راحت ہوتی ہے اور وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

(۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ اِذَا مَرَّ الرَّجُلُ بِقَبْرٍ یَّعْرِفُهٗ فَسَلَّمَ عَلَیْهِ رَدَّ عَلَیْهِ السَّلَامَ وَعَرَفَهٗ وَاِذَا مَرَّ بِقَبْرٍ لَّا یَعْرِفُهٗ فَسَلَّمَ عَلَیْهِ وَرَدَّ عَلَیْهِ السَّلَامَ۔ (البیہقی) (3)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنے جاننے والے کی قبر پر آتا ہے اور اسے سلام کہتا ہے تو صاحب مزار اُس کے سلام کا جواب بھی دیتا ہے اور اسے پہچانتا بھی ہے اور اگر کسی ایسے شخص کے مزار پر آتا ہے جس سے جان پہچان نہیں تھی اور اسے سلام کہتا ہے تو قبر والا اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

(۵) بعینہٖ یہی الفاظ علامہ ابن عبد البر نے بروایت ابن عباس حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیے ہیں۔

یہ احادیث اور ان کے علاوہ متعدد کئی حدیثیں نقل کرنے کے بعد علامہ ابن قیم نے سماعِ موتی کے متعلق اپنی تحقیق کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں: وَالسَّلَفُ مُجْمِعُوْنَ عَلٰی هٰذَا وَقَدْ تَوَاتَرَتِ الْاٰثَارُ عَنْهُمْ (4) بِاَنَّ الْمَیِّتَ یَعْرِفُ زِیَارَةَ الْحَیِّ لَهٗ وَیَسْتَبْشِرُ بِهٖ۔ یعنی سلف صالحین کا سماعِ موتی پر اجماع اور اتفاق ہے۔ ان سے درجہ تواتر تک ایسی روایات مروی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ میت کی زیارت کے لیے جب کوئی شخص آتا ہے تو میت کو اس کی آمد کا علم بھی ہوتا ہے اور اُس سے اسے بڑا سرور حاصل ہوتا ہے۔

علامہ عثمانی نے فتح الملہم شرح صحیح مسلم میں اس مسئلہ کی خوب تحقیق کی ہے۔ متعدد احادیث اور اقوالِ علماء تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وَالَّذِیْ یَحْصُلُ لَنَا مِنْ مَّجْمُوْعِ النُّصُوْصِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ اَنَّ سِمَاعَ الْمَوْتٰی ثَابِتٌ فِی الْجُمْلَةِ بِالْاَحَادِیْثِ الْکَثِیْرَةِ الصَّحِیْحَةِ (5)

یعنی ان متعدد روایات سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ صحیح اور کثیر التعداد احادیث سے سماعِ موتی کا مسئلہ ثابت ہے۔ واللہ اعلم

یہ ثابت کرنے کے بعد کہ میت سنتی ہے علامہ مذکور نے ان آیات کا مفہوم واضح کیا ہے جن سے بظاہر سماعِ موتی کی نفی سمجھی جاتی ہے۔ وہ مولانا محمد قاسم صاحب کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ افعال کی دو قسمیں ہیں (۱) افعالِ عادیہ: یعنی جن کا وقوع عادت کے مطابق اسباب و علل کے پائے جانے سے ہوتا ہے۔ مثلاً کسی نے کسی پر بندوق سے فائر کیا اور وہ مر گیا، ایسے افعال کی نسبت اس بندوق چلانے والے کی طرف کی جاتی ہے۔ (۲) افعالِ غیر عادیہ: جو ظاہری اسباب و علل کے پائے جانے کے بغیر وقوع پذیر

1۔ مستدرک للحاکم، کتاب الجنائز، ج 1، ص 536، رقم الحدیث 1404 2۔ کتاب الروح، ص 12 3۔ ایضاً، ص 5 4۔ ایضاً
5۔ فتح الملہم شرح صحیح مسلم، ج 2، ص 479، مطبوعہ کتب خانہ محمودیہ دیوبند، ضلع سہارنپور

ہوتے ہیں جیسے کسی نے کنکریوں کی مٹھی پھینکی اور ایک لشکرِ جرار کو شکست دے دی۔ ایسے افعال کی نسبت اس ظاہری فاعل کی طرف نہیں کی جاتی بلکہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف کی جاتی ہے جیسے مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی (سورۂ انفال: 17)۔

یہاں بھی میت زیر زمین دفن ہے۔ اس کے اوپر منوں مٹی کا انبار لگا ہے۔ نہ وہاں ہوا کا گذر ہے اور نہ روشنی کا۔ آواز کو کسی تک پہنچانے کے لیے ظاہری سبب ہوا ہے۔ جو یہاں قطعاً مفقود ہے، اس لیے میت اگر سنتی ہے تو اس کو سنانے والا وہ زائر نہیں کیونکہ ہوا کے فقدان کے باوجود آواز کو سنا دینا کسی انسان کے بس کا روگ نہیں۔ چنانچہ ان آیات میں اس بات کی نفی نہیں کی گئی کہ میت نہیں سنتی بلکہ اس کی نفی کی گئی ہے کہ تم نہیں سنا سکتے۔ مَاۤ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ (سورۂ فاطر: 22)۔ لیکن اس سے یہ تو ہرگز ثابت نہیں کہ جسے تم نہیں سنا سکتے اسے خداوندِ عالم بھی نہیں سنا سکتا۔ اس کی قدرت اسباب اور علل کی محتاج نہیں۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

سید انور شاہ صاحب فیض الباری شرح بخاری میں رقمطراز ہیں:

وَلَہٗ جَوَابٌ آخَرُ وَھُوَ اَنَّ الْمَنْفِیَّ فِی الْاٰیَۃِ ھُوَ الْاِسْمَاعُ دُوْنَ السِّمَاعِ (فیض الباری جلد دوم ص ۴۷)(1)

علامہ موصوف اسی کتاب کی اسی جلد کے صفحہ ۴۶۷ پر اپنا عقیدہ تحریر فرماتے ہیں:

اَقُوْلُ: وَالْاَحَادِیْثُ فِیْ سَمْعِ الْاَمْوَاتِ قَدْ بَلَغَتْ مَبْلَغَ التَّوَاتُرِ وَفِیْ حَدِیْثٍ صَحَّحَہٗ اَبُوْعَمْرٍو اَنَّ اَحَدًا اِذَا سَلَّمَ عَلَی الْمَیِّتِ فَاِنَّہٗ یَرُدُّ عَلَیْہِ وَیَعْرِفُہٗ اِنْ کَانَ یَعْرِفُہٗ فِی الدُّنْیَا (2)۔ ترجمہ: میں (سید انور شاہ) کہتا ہوں کہ سماعِ موتی کے ثبوت کے لیے اتنی احادیث ہیں جو درجہ تواتر کو پہنچ چکی ہیں اور حدیثِ صحیح میں ہے کہ جب کوئی شخص میت کو سلام دیتا ہے تو وہ اس کا جواب دیتی ہے اور اگر صاحب مزار اس کو دنیا میں پہچانتا تھا تو اب بھی وہ اس کو پہچان لیتا ہے۔

اکابر علمائے دیوبند کی تصریحات کا مطالعہ آپ نے فرمالیا۔ معلوم نہیں اب ان کے شاگرد اور پیروکار اپنے ان بزرگوں کے عقیدہ کے برعکس سماعِ موتی کا انکار کیوں کرتے ہیں اور اولیائے کرام کے مزاراتِ پرانوار پر حاضر ہونے والوں پر کفر و شرک کا فتویٰ کیوں لگاتے ہیں؟

بعض علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ آیات میں مطلق سماع کی نفی نہیں بلکہ ایسے سماع کی نفی ہے جو مفید اور نفع رساں ہو۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

سِمَاعُ مَوْتٰی کَلَامَ الْخَلْقِ قَاطِبَۃً — قَدْ صَحَّ فِیْھَا لَنَا الْاٰثَارُ بِالْکُتُبِ

وَاٰیَۃُ النَّفْیِ مَعْنَاھَا سِمَاعُ ھُدًی — لَا یَسْمَعُوْنَ وَلَا یُصْغُوْنَ لِلْاَدَبِ

یعنی میت کا لوگوں کے کلام کو سننا صحیح دلائل سے ثابت ہے۔ اور جن آیات میں سنانے کی نفی کی گئی ہے اس سے مراد ایسا سنانا ہے جو ہدایت کا باعث ہو اور نفع رساں ہو۔

جنگِ بدر میں جب بڑے بڑے مشرکینِ مکہ ہلاک ہوئے تو ابوجہل، عتبہ وغیرہا مشرکین کی لاشیں ایک گڑھے میں پھینک دی گئیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وہاں تشریف لائے اور ایک ایک کا نام لے کر فرمایا: یَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ، یَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ هَلْ وَجَدْتُّمْ مَا وَعَدَکُمْ رَبُّکُمْ حَقًّا فَاِنِّیْ وَجَدْتُّ مَا وَعَدَنِیْ رَبِّیْ حَقًّا؟ اے فلاں فرزندِ فلاں! اے فلاں پسرِ فلاں! ذلت اور عذاب کا جو وعدہ تمہارے رب نے تم سے کیا تھا کیا اس کو تم نے سچا پالیا؟ بیشک میرے رب نے نصرت و کامرانی کا جو وعدہ

1۔ فیض الباری شرح صحیح بخاری، ج 2، ص 47، مطبوعہ مطبعہ حجازی، بالقاہرہ 2۔ ایضاً، ص 467

میرے ساتھ فرمایا تھا، میں نے تو اسے سچا پا لیا۔

قَالَ لَهٗ عُمَرُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! مَا تُخَاطِبُ مِنْ اَقْوَامٍ قَدْ جِیْفُوْا۔

حضرت عمرؓ نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ ایسے لوگوں کو خطاب فرما رہے ہیں جو بے جان لاشے ہیں۔

فَقَالَ وَالَّذِیْ بَعَثَنِیْ بِالْحَقِّ مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ لِمَا اَقُوْلُ وَلٰکِنَّهُمْ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ جَوَابًا (1)۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے اس کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا! میری بات تم اُن سے زیادہ نہیں سن رہے لیکن وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔

اس حدیث سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان تو مسلمان کفار و مشرکین کے مردے بھی سنتے ہیں۔ سماعِ موتی کے منکرین نے اس حدیث کے جواب میں کہا ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس حدیث کی تاویل کی ہے، اس لیے یہ حدیث اس مسئلہ کی دلیل نہیں بن سکتی۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ جمہور محدثین نے حضرت صدیقہؓ کی اس تاویل کو قبول نہیں کیا بلکہ حضرت ابنِ عمر کی روایت کو قبول کیا ہے کیونکہ اسے بہت سے صحابہ کی تائید حاصل ہے جو خود اس موقع پر بارگاہِ رسالت میں حاضر تھے اور حضرت صدیقہؓ وہاں خود موجود نہ تھیں۔ نیز ام المومنین نے سماعِ موتی کی نفی پر اس آیت (انک لا تسمع الموتی) سے جو استدلال کیا ہے اس کا جواب جمہور محدثین نے بایں الفاظ دیا ہے:

اَمَّا اسْتِدْلَالُهَا بِقَوْلِهٖ تَعَالٰی اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی فَقَالُوْا مَعْنَاهَا لَا تُسْمِعُهُمْ سِمَاعًا یَّنْفَعُهُمْ اَوْ لَا تُسْمِعُهُمْ اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ۔ یعنی تم ان کو کوئی ایسی بات نہیں سنا سکتے جو انہیں نفع پہنچائے یا تم خود اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر انہیں کچھ نہیں سنا سکتے۔

کتبِ حدیث میں ایسی روایات بھی ملتی ہیں جن سے حضرت صدیقہؓ کا اس مسئلہ سے رجوع ثابت ہوتا ہے۔ اُن میں سے ایک روایت وہ ہے جو ابن اسحٰق نے المغازی میں یونس بن بکیر سے بسند جید نقل کی ہے جس کے الفاظ بعینہ حدیثِ ابی طلحہ جیسے ہیں۔

وَمِنَ الْغَرِیْبِ اَنَّ فِی الْمَغَازِیْ لِابْنِ اِسْحٰقَ رِوَایَةَ یُوْنُسَ بْنِ بُکَیْرٍ بِاِسْنَادٍ جَیِّدٍ عَنْ عَائِشَةَ مِثْلُ حَدِیْثِ اَبِیْ طَلْحَةَ وَ فِیْهِ مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ لِمَا اَقُوْلُ مِنْهُمْ: یعنی جو میں کہہ رہا ہوں اسے تم ان سے زیادہ نہیں سن سکتے۔

اس کے علاوہ علامہ ابن عبد البر نے حضرت صدیقہؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے۔

قَالَ یُرْوٰی مِنْ حَدِیْثِ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا اَنَّهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ رَّجُلٍ یَّزُوْرُ قَبْرَ اَخِیْهِ فَیَجْلِسُ عِنْدَهٗ اِلَّا اسْتَاْنَسَ بِهٖ حَتّٰی یَقُوْمَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنے بھائی کی قبر کی زیارت کے لیے جاتا ہے اور اس کے پاس بیٹھتا ہے تو صاحبِ مزار کو اس سے بڑی تسکین اور راحت ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ وہاں سے اٹھ جائے۔ اس روایت سے بھی حضرت صدیقہؓ کا رجوع ثابت ہوتا ہے۔

علامہ عثمانی نے سماعِ موتی کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ محمود الآلوسی صاحب روح المعانی کی یہ عبارت بھی نقل کی ہے۔

قَالَ الْعَلَّامَةُ الْاٰلُوْسِیُّ الْبَغْدَادِیُّ وَالْحَقُّ اَنَّ الْمَوْتٰی یَسْمَعُوْنَ فِی الْجُمْلَةِ۔ حق یہ ہے کہ مُردے یقیناً سنتے ہیں اور اس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ فتح الملہم جلد دوم ص ۴۷۸۔۹ (2)

علامہ ابن کثیر نے بھی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کو صحیح فرمایا ہے کیونکہ اس کی تائید دیگر شواہد کثیرہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب التوبۃ، باب عرض المقعد علی المیت، ج2، ص387، قدیمی کتب خانہ۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب قتل ابی جہل، ج2، ص566 2۔ فتح الملہم شرح صحیح مسلم، ج2، ص79-478

الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْیِ عَنْ

سنا سکتے ہیں اپنی پکار (خصوصاً) جب وہ پیٹھ پھیر کر جا رہے ہوں۔ اور نہ آپ ہدایت دے سکتے ہیں اندھوں کو

ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾

اُن کی گمراہی سے۔ آپ نہیں سناتے مگر انہیں جو ایمان لائے ہماری آیتوں پر پس وہ گردن جھکائے ہوئے ہیں ۵۶

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ

اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہیں (ابتداء میں)، کمزور پیدا فرمایا ۵۷ پھر عطا کی (تمہیں)، کمزوری کے بعد

سے ہوتی ہے وَالصَّحِیْحُ عِنْدَ الْعُلَمَاءِ رِوَایَةُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ لِمَا لَهَا مِنَ الشَّوَاهِدِ عَلٰی صِحَّتِهَا مِنْ وُجُوْهٍ كَثِیْرَةٍ۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۴۳۸) (1) حجرۂ مقدسہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دفن ہونے سے پہلے حضرت صدیقہؓ کا یہ معمول تھا کہ جب زیارت کے لیے حاضر ہوتیں تو اوڑھنی کا زیادہ اہتمام نہ کرتیں۔ فرماتیں یہاں ایک میرے سرتاج ہیں اور دوسرے میرے والد محترم، مجھے پردہ کی ضرورت نہیں۔ لیکن حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے وہاں دفن ہونے کے بعد جب سلام عرض کرنے کے لیے حاضر ہوتیں تو بڑے اہتمام سے سر کو اوڑھنی سے ڈھانپ کر حاضر ہوتیں۔ (2)

علامہ ابن کثیر اپنی شہرۂ آفاق تفسیر میں اس آیت کی توضیح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

وَالسَّلَفُ مُجْمِعُوْنَ عَلٰی هٰذَا وَقَدْ تَوَاتَرَتِ الْاٰثَارُ عَنْهُمْ بِاَنَّ الْمَیِّتَ یَعْرِفُ بِزِیَارَةِ الْحَیِّ لَهٗ وَیَسْتَبْشِرُ۔ (3)

یعنی سلف صالحین کا اس بات پر اجماع ہے اور متواتر روایات سے یہ مسئلہ ثابت ہے کہ میّت اپنے زیارت کرنے والے کو پہچانتی ہے اور اس سے خوش ہوتی ہے۔

علامہ مذکور نے اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں کئی دیگر مسائل بھی شرح و بسط سے بیان کیے ہیں۔ جن کا مطالعہ حق کی جستجو کرنے والوں کے لیے بہت مفید ہے۔

۵۶ آیتِ کریمہ کے اس جملہ نے یہ بات واضح کر دی کہ یہاں موتٰی سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دل مر چکے ہیں اور الصُّمَّ (بہرے) سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دل کے کان حق بات سننے سے بہرے ہو چکے ہیں اور الْعُمْیِ (اندھے) سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کی آنکھیں نورِ حق دیکھنے سے اندھی ہو چکی ہیں۔ اور سماع سے مراد فقط سننا نہیں بلکہ وہ سننا ہے جو سودمند اور نفع بخش ہو۔ چنانچہ علامہ قرطبی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اَیْ وَضَحَتِ الْحُجَجُ یَا مُحَمَّدُ (صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْكَ وَسَلَّمَ) لٰكِنَّهُمْ لِاِلْفِهِمْ تَقْلِیْدَ الْاَسْلَافِ فِی الْكُفْرِ مَاتَتْ عُقُوْلُهُمْ وَعَمِیَتْ بَصَائِرُهُمْ فَلَا یَتَهَیَّاُ لَكَ اَسْمَاعُهُمْ وَهِدَایَتُهُمْ وَهٰذَا رَدٌّ عَلَی الْقَدَرِیَّةِ (القرطبی) (4)

یعنی اے محبوب! آپ نے حق کو دلائل کے ساتھ واضح کر دیا ہے لیکن وہ اپنے گمراہ اور مشرک آباء و اجداد کی اندھی تقلید میں

1۔ تفسیر ابن کثیر، ج 3، ص 438 2۔ مشکوٰۃ المصابیح، باب زیارۃ القبور، ص 154 3۔ تفسیر ابن کثیر، ج 3، ص 438 4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 14، ص 46

قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَّشَيْبَةً ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ

قوت۔ پھر قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دے دیا۔ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے

وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ﴿۵۴﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ڏ

اور وہی سب کچھ جاننے والا بڑی قدرت والا ہے۔ اور جس روز قیامت قائم ہوگی قسمیں اٹھائیں گے مجرم ۵۸

مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ۭ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ

کہ نہیں ٹھیرے وہ (دُنیا میں) مگر ایک گھڑی۔ یونہی وہ (پہلے بھی) غلط بیانی کیا کرتے تھے۔ اور کہیں گے وہ لوگ

اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ۡ

جنہیں علم اور ایمان دیا گیا (انہیں)، کہ تم ٹھیرے رہے ہو نوشتہ الٰہی کے مطابق روزِ حشر تک ۵۹

اتنے مگن ہیں کہ ان کی عقلیں مرچکی ہیں، ان کی بصیرت اندھی ہوگئی ہے۔ پس آپ نہ ان کو سنا سکتے ہیں اور نہ ہدایت دے سکتے ہیں۔ ان آیات سے قدریہ کی تردید ہوتی ہے۔

وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ۔

۵۷ اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت کاملہ کی ایک اور دلیل پیش کی جارہی ہے۔ یعنی اگر تمہاری نگاہ کائنات کی دوسری اشیاء تک نہیں پہنچ سکتی اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے دیگر دلائل وشواہد سے تم استفادہ کرنے سے قاصر ہو تو کم ازکم اپنی ذات پر ہی نگاہ ڈالو۔ جب تم پیدا ہوئے تمہاری ناتوانی اور بے بسی کی کیا کیفیت تھی؟ پھر رفتہ رفتہ تم جوان ہوئے، پھر تمہاری بدنی، عقلی قوتوں پر شباب آ گیا، لیکن اس کے بعد پھر تمہارے ظاہری اور باطنی قویٰ میں کمزوری اور بڑھاپے کے آثار ظاہر ہونے لگے یہاں تک کہ تم اپنا مقررہ وقت ختم کرنے کے بعد موت کی آغوش میں جا پہنچے۔ زندگی کے اس مختصر عرصہ میں جن گوناگوں حالات سے تمہیں دوچار ہونا پڑا، قدم قدم پر جو حیرت انگیز تبدیلیاں تمہارے اعضاء میں اور ذہنی قوتوں میں رونما ہوئیں، ان کا اگر تم نے نظرِ غائر سے مطالعہ کیا ہوتا تو تم کبھی اپنے رب کی نافرمانی نہ کرتے بلکہ صدق دل سے اس کی عظمت اور کبریائی کے سامنے سرِ نیاز خم کردیتے اور شرح صدر سے پورے یقین کے ساتھ یہ اعلان کرتے کہ میرا پروردگار جس طرح چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے۔ نہ اس کے علم سے کوئی چیز مخفی ہے اور نہ اس کی قدرت کے سامنے کوئی چیز ناممکن ہے۔

آیت میں مِّنْ ضُعْفٍ کا یہ مفہوم بھی بتایا گیا ہے کہ انسان کی تخلیق کمزور مادے سے ہوئی ہے۔ ای مِنْ نُّطْفَةٍ ضَعِيْفَةٍ اور یہ معنی بھی کیا گیا ہے کہ انسان کی پیدائش ایسی حالت میں ہوتی ہے جب کہ وہ بالکل بے بس اور ناتواں ہوتا ہے۔ اَیْ فِيْ حَالِ ضُعْفٍ وَهُوَ مَا كَانُوْا عَلَيْهِ فِي الْاِبْتِدَاءِ مِنَ الطُّفُوْلَةِ وَالصِّغَرِ۔ (1)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 14، ص 46

فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ

پس یہ (آگیا) ہے یوم محشر لیکن تم نہیں جانتے تھے۔ پس اس دن نہ نفع دے گی

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا

ظالموں کو ان کی عذر خواہی اور نہ انہیں اجازت ہو گی کہ توبہ کر کے اللہ کو راضی کرلیں اور بے شک ہم نے بیان

لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ

فرمائی ہے لوگوں (کے بھلے) کے لیے اس قرآن میں ہر قسم کی مثال اور اگر آپ لے آئیں ان کے پاس کوئی

لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ

نشانی تو (جواباً) یہی کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا نہیں ہو تم مگر باطل پرست ۶۰ یونہی مہر لگا دیتا ہے اللہ

عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۹﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ

تعالیٰ ان لوگوں کے دلوں پر جو (حق کو) نہیں جانتے سو آپ صبر فرمائیں بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے ۶۱ اور

۵۸ روز محشر جب مجرموں کو بارگاہِ الٰہی میں جواب دہی کے لیے پیش کیا جائے گا تو وہ قسمیں اٹھا اٹھا کر کہیں گے کہ ہم تو دنیا میں پل بھر رہے ہیں۔ ہم سے اتنا سخت محاسبہ کیوں کیا جا رہا ہے؟ ان کی یہ صریح کذب بیانی قطعاً تعجب انگیز نہیں کیونکہ ان کا تو یہ پرانا دستور ہے کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں اور واضح عقائد کا انکار کر دیتے ہیں۔

یُؤْفَکُوْنَ کی تشریح کرتے ہوئے علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

اَیْ کَانُوْا یَکْذِبُوْنَ فِی الدُّنْیَا (1)۔ یعنی دنیا میں بھی جھوٹ بولا کرتے تھے۔

پھر فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص سچائی اور بھلائی سے روگرداں ہو جائے تو اہلِ عرب کہتے ہیں۔ اُفِكَ الرَّجُلُ اور وہ زمین جہاں مینہ برسنا بند ہو جائے اس کو اَرْضٌ مَّاْفُوْکَۃٌ کہا جاتا ہے۔

۵۹ اہلِ علم اور اہلِ ایمان ان کی اس کذب بیانی کی پرزور تردید کر دیں گے۔

۶۰ یعنی قرآنِ کریم میں لوگوں کو گمراہی کی ظلمتوں سے نکالنے کے لیے ہر طرح کی مثالیں دی گئی ہیں اور طرح طرح کے دلنشیں دلائل پیش کیے گئے ہیں جن سے عقیدہ توحید کی حقانیت اور رسولوں کی صداقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو رہی ہے۔ اگر وہ ذرا بھی تدبّر سے کام لیتے تو وہ یوں دشتِ ضلالت میں سرگرداں نہ پھرتے۔ لیکن ان عقل کے اندھوں کا تو ہمیشہ سے یہی وطیرہ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 14، ص 47

ع ۶/۷ ۹

لَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۶۰﴾

آپ کو بہلا نہ دیں (راہ حق سے) وہ لوگ جو یقین نہیں رکھتے ۶۲

رہا ہے کہ جب بھی آپ نے ان کے سامنے کوئی دلیل پیش کی یا اپنی صداقت کو ثابت کرنے کے لیے انہیں کوئی معجزہ دکھایا تو انہوں نے اسے ماننے بلکہ اس میں غور وفکر کرنے سے ہی انکار کردیا۔ اور الٹا آپ پر اور آپ کے متبعین پر یہ الزام لگا دیا کہ تم باطل کے پیروکار ہو۔ تمہارا ہدایت سے کوئی واسطہ نہیں اور یہ عجیب وغریب امور جو تم ہمیں دکھاتے ہو یہ محض جادو کے کرشمے ہیں۔ مُبۡطِلُوۡنَ اَیۡ تَتَّبِعُوۡنَ الۡبَاطِلَ وَالسِّحۡرَ۔(1)

۶۱ یہاں اگرچہ خطاب سرورِ کون ومکان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے لیکن اس سے مراد حضور کی امت ہے۔ وَالۡخِطَابُ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ وَالۡمُرَادُ اُمَّتُہٗ (2): یعنی اے غلامانِ مصطفےٰ! مردانگی کا تقاضا یہ ہے کہ فتنوں کے طوفان آئیں، سر پھوڑ پھوڑ کر واپس لوٹ جائیں اور تم چٹان کی طرح سینہ تانے کھڑے رہو۔ شکوک وشبہات کی آندھیاں چلیں لیکن تمہاری شمعِ ایمان کو بجھا نہ سکیں۔ ثابت قدمی اور مستقل مزاجی ازل سے اہلِ حق کا شیوہ رہا ہے۔ انہوں نے ظلم وجفا کے ہر تیر کو ہمیشہ صبر کی ڈھال پر روکا ہے۔ آج حق کے علمبردار تم ہو، اس کی لاج تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ ہاتھ کٹ جائیں، سر قلم ہو جائیں لیکن خبردار! دینِ محمدی کا پرچم سرنگوں نہ ہونے پائے۔

امتحان کے میدان میں ابتلاء وآزمائش کے روح فرسا لمحوں میں تم صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہو۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت آئے گی اور یقیناً آئے گی جو طاغوتی قوتوں کے تمام منصوبوں کو خاک میں ملا دے گی اور تمہارے سر پر فتح وکامرانی کا تاج سجا دے گی۔

۶۲ کسی کو بہلا پھسلا کر گمراہ کر لینے کو اہلِ عرب اِسۡتَخَفَّ کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ علامہ قرطبی "یَسۡتَخِفُّوۡنَ" کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اِسۡتَخَفَّ فُلَانٌ فُلَانًا اَیِ اسۡتَجۡھَلَہٗ حَتّٰی حَمَلَہٗ عَلَی اتِّبَاعِہٖ فِی الۡغَیِّ(3): یعنی فلاں شخص نے فلاں کو بےوقوف بنا لیا اور اسے راہِ حق سے ہٹا کر گمراہی کے راستے پر گامزن کر دیا جس پر وہ خود چل رہا تھا۔

اس آیت میں لَا یُوۡقِنُوۡنَ کا لفظ بڑا توجہ طلب ہے۔ یعنی اہلِ ایمان کے یقین کو برباد کرنیوالے وہ لوگ ہیں جو خود بے یقینی کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ وہ لوگ جو دولتِ ایمان سے مالا مال ہیں اور جن کے دلوں میں نورِ یقین اجالا کر رہا ہے، وہ اگر ایسے لوگوں کا اتباع شروع کر دیں جو اس نعمت سے بے بہرہ ہیں تو اس سے بڑا ظلم اور کیا ہوگا۔

آج جن حالات سے ہم دوچار ہیں ایسے سنگین حالات سے اُمّت مصطفویہ علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ وسلام کو شاید ہی کبھی واسطہ پڑا ہو۔ اسلام کے دشمنوں کے پاس مہلک ترین اسلحہ کی جتنی فراوانی آج ہے پہلے کبھی نہیں ہوئی ہوگی۔ ہر اسلامی ملک ان کے فتنوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ ہر اسلامی حکومت ان کی سازشوں سے لرزہ براندام ہے لیکن ہمیں ان کے ایٹم بموں سے زیادہ خطرہ شکوک وشبہات کے ان لشکروں سے ہے جن سے وہ ہماری نظریاتی سرحدوں پر تابڑ توڑ حملے کر رہے ہیں اور ہمارے عقائد کے ہر مورچہ پر شب خون مار رہے ہیں۔ کاش! ہمارے نوجوان اور ہمارے سیاسی اور فکری قائدین اس آیت کے مضمون پر

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 14، ص 49 　 2۔ ایضاً 　 3۔ ایضاً

سنجیدگی سے غور کریں اور شیاطینِ جن وانس میں سے جب بھی کوئی شیطان پھونک مار کر ان کے یقین کے چراغ کو گل کرنا چاہے تو بے ساختہ اس آیتِ طیبہ کا ورد کرنے لگیں۔ یہ ایسی سپر ہے جس پر آپ اپنے جان وایمان کے ہر دشمن کا وار بڑے وثوق سے روک سکتے ہیں۔ لیکن جرأت اور حوصلہ مندی شرط ہے۔ ایک مرتبہ پھر پڑھیے۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ۝۶۰ ۔

یعنی ہر ہجومِ بلا میں، ہر سیلِ حوادث میں، شک وشبہات کی ہر خونخوار موج کے سامنے ثابت قدم رہو، صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ تمہاری دستگیری اور نصرت کا جو وعدہ فرمایا ہے وہ سچا ہے۔ یقیناً اس کی مدد تمہاری پشت پناہی کرے گی۔ وہ بدنصیب جو وہم وگمان کے اندھیروں میں عرصۂ دراز سے بھٹک رہے ہیں، وہ بدبخت جنہیں بے یقینی کے اژدہا ڈس رہے ہیں۔ خبردار! ان کے جھانسے میں نہ آجانا۔ وہ ڈوب رہے ہیں، وہ تمہیں بھی اپنے ساتھ ڈبونا چاہتے ہیں۔ دانشمند لوگ ایسی فحش غلطی کا ارتکاب نہیں کیا کرتے۔

کتنی روح پرور ہے یہ آیت، کتنا ایمان افروز ہے یہ پیغام، شاندار آغاز کی یہ کتنی دلفریب انتہا ہے۔ بیشک قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ بِمَنِّهٖ تَعَالٰى وَبِفَضْلِهٖ وَكَرَمِهٖ فَرَغْتُ مِنْ تَسْوِيْدِ هٰذِهِ السُّطُوْرِ فِيْ صَبَاحِ يَوْمِ الْخَمِيْسِ ۱۷ ربیع الاوّل ۱۳۹۱ھ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔

عبدہ الضعیف: محمد کرم شاہ

تعارف سورۂ لقمان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اس سورت کا نام لقمان ہے۔ یہ نبوت کے مکی دور کے وسط میں نازل ہوئی۔ اس سورت میں چار رکوع، چونتیس آیتیں، پانچ صد اڑتالیس کلمے، دو ہزار ایک سو دس حروف ہیں۔

قرآنِ کریم کی پُرازحکمت تعلیمات انسانی زندگی کو جن بے پایاں برکتوں سے مالا مال کرتی ہیں اور اپنے ماننے والوں کے عقیدہ، عمل اور سیرت میں جو روح پرور انقلاب برپا کرتی ہیں ان کے ذکرِ جمیل سے اس سورت کا آغاز ہو رہا ہے۔ اس کے بعد بتایا کہ جو لوگ قرآن کی دعوتِ حق کو قبول نہیں کرتے ان کی زندگیاں ہر قسم کی معنویت اور مقصدیت سے محروم ہو جاتی ہیں۔ ان کے سامنے سفلی جذبات کی تسکین اور دولت سمیٹنے کے بغیر کوئی منزل ہی نہیں ہوتی۔ اس کے لیے وہ ہر قسم کی لغویات وخرافات کا بیوپار کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ انہیں اس بات کا ذرا احساس نہیں ہوتا کہ ان کے طریقۂ کار سے ان کی قوم اخلاقی لحاظ سے دیوالیہ ہو جائے گی اور رزمگاہِ حیات میں بری طرح پٹ جائے گی۔ ان بدبختوں کے دلوں میں قبولِ حق کی استعداد بھی دم توڑ چکی ہے۔ وہ اندھیروں کے خوگر ہیں، روشنی کی ایک کرن بھی ان کے لیے ناقابلِ برداشت ہے۔ جس سمت سے حق کی صدائے دلنواز آ رہی ہو وہ ادھر پیٹھ پھیر دیتے ہیں اور دُم دبا کر بھاگ نکلتے ہیں تاکہ وہ اتنی دور چلے جائیں کہ حق کی آواز انہیں سنائی تک نہ دے۔

اس سورۂ پاک کی خصوصیت یہ ہے کہ تعلیماتِ اسلامی کا اعلان ایک مردِ دانا لقمان سے کرایا جا رہا ہے جو نُوبہ کے گمنام اور پسماندہ علاقہ کا باشندہ ہے اور جس کی رنگت حبشیوں کی طرح سیاہ ہے اور اسی کے نام سے سورت کو معنون فرمایا۔ لقمان بڑے پیارے انداز سے اپنے لختِ جگر کو نصیحت کرتے ہوئے سنائی دیتے ہیں۔ اس میں حکمت، اس حقیقت کو آشکار کرنا ہے کہ ان محاسن سے جو بھی اپنے آپ کو آراستہ کر لے وہ ساری انسانیت کی نگاہوں میں محترم ہو جاتا ہے۔ ساری قومیں اس کا ذکر بڑی عزت سے کرتی ہیں اور اس کی حکمت آموز باتوں کو اپنے دلوں میں جگہ دیتی ہیں۔ عقائدِ صحیحہ کا نور، اعمالِ صالحہ کا حسن اور سیرت کی دلکشی، کالے حبشی کو بھی سب کا محبوب بنا دیتی ہے۔ جسمانی حسن سے سیرت کا جمال کہیں دلکش ہے۔ اس کی برکت سے بھدے نقوش اور کالی رنگت پر بھی ایک ایسا روپ آ جاتا ہے کہ بڑے بڑے حسینانِ عالم مبہوت ہو کر رہ جاتے ہیں۔ انسان کو انسانِ کامل بنانے کے لیے جن تعلیمات کی ضرورت تھی وہ دلنشین اسلوب میں حضرت لقمان کی زبان سے کہلوا دی گئیں اور انہیں ''من عزم الامور'' فرما کر ان کی اہمیت کا اظہار کر دیا گیا۔

علاوہ ازیں ان ظاہری و باطنی انعامات کا ذکر فرمایا جو بڑی فیاضی سے انسان کو بخشے گئے، لیکن اس کے باوجود بعض لوگ جدل ومکابرہ اور ناشکری کی روش سے باز نہیں آتے۔ بعض جہالت اور بیجا ضد سے اہلِ حق سے جھگڑتے رہتے ہیں۔ گویا وہ ادھار کھائے بیٹھے ہیں کہ وہ شیطان کا دامن کسی قیمت پر نہ چھوڑیں گے خواہ وہ انہیں جہنم کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں ہی کیوں نہ پھینک دے۔ لیکن سب انسان یکساں نہیں۔ ان میں ایسے سلیم الطبع افراد بھی ہیں جنہوں نے صدقِ دل سے اللہ تعالیٰ کے رسول کی دعوت کو قبول کر لیا ہے۔ اپنے آپ کو، اپنے تمام معاملات کو کلیۃً اپنے پروردگار کے سپرد کر دیا ہے۔ بتا دیا کہ یہی لوگ ہیں جنہوں نے ایک ایسے حلقے کو پکڑ لیا ہے جو ٹوٹنے والا نہیں۔

متعدد تکوینی دلائل ذکر کر کے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، قدرتِ کاملہ، حکمتِ بالغہ اور علمِ محیط کو ثابت کیا گیا ہے۔ آخر میں بتا دیا کہ ظاہری علوم تو بجائے خود اس کی ہمہ دانی کا تو یہ حال ہے کہ پوشیدہ سے پوشیدہ چیز بھی اس سے مخفی نہیں۔ وہ امور جن کو جاننے سے انسان کی ظاہری و باطنی قوتیں اور اس کے سائنسی آلات سراسر عاجز ہیں، جن اسرار پر آگاہی حاصل کرنا انسان کے حیطۂ امکان سے بھی خارج ہے، وہ واقعات جو ابھی وقوع پذیر ہی نہیں ہوئے بلکہ پردۂ غیب میں مستور ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جانتا ہے۔ اس کا علم اتنا کامل اور محیط ہے کہ ہر چیز بہمہ وجوہ اس پر منکشف ہے۔

سُوْرَةُ لُقْمٰنَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ لقمان مکّی ہے اس کی آیتیں ۳۴ اور رکوع ۴ ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

الٓمّٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳﴾

الف۔ لام۔ میم ۱؎ یہ آیتیں ہیں کتاب حکیم کی ۲؎ سراپا ہدایت اور رحمت ہے ۳؎ نیکوکاروں کے لیے ۴؎

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ

وہ جو صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز کو اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور یہی لوگ ہیں جو آخرت پر پختہ

۱؎ یہ حروف مقطعات ہیں ان کی تفصیل متعدد مقامات پر پہلے گزر چکی ہے۔

۲؎ اس آیت میں حکیم کا لفظ غور طلب ہے۔ یہ لفظ یہاں کتاب کی صفت واقع ہوا ہے۔ علامہ ابن منظور نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا کہ جب یہ لفظ قرآنِ کریم کی صفت ہو، تو اس کا معنی اَلْحَاكِمُ لَكُمْ وَعَلَيْكُمْ ہوتا ہے (لسان العرب)(1) یعنی قرآنِ کریم ایک قوت حاکمہ ہے جس کا فیصلہ دوٹوک اور بے لاگ ہوتا ہے اگر تم راستی اور سچائی پر ہو تو اس کا فیصلہ تمہارے حق میں ہوگا اور اگر تم راہِ حق سے روگردانی کرنے لگے تو وہ تمہیں تمہاری غلطی پر آگاہ کرے گا اور اس کے نتائج بد سے تمہیں بروقت متنبّہ کرے گا۔

قرآنِ کریم کو حکیم کہنے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ یہ کتاب حکمت و دانش کا خزینہ ہے۔ لِتَضَمُّنِهٖ لِلْحِكْمَةِ(2): اس کا ایک معنی محکم بھی کیا گیا ہے۔ یعنی اس میں کسی قسم کا خلل اور تناقض نہیں۔ اَیْ لَا خَلَلَ فِيْهِ وَلَا تَنَاقُضَ۔(3)

۳؎ فرمایا: یہ کتاب سراپا ہدایت اور سراپا رحمت ہے، یہاں ہدایت اور رحمت کا امتزاج بڑا خوبصورت ہے۔ یعنی شریعتِ اسلامیہ، اس کے اوامر و نواہی، اس کا مالی اور بدنی نظام عبادات، اس کے مقرر کیے ہوئے حقوق و فرائض سراپا رشد و ہدایت بھی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ یہ رحمتِ خداوندی کا مظہر بھی ہیں۔ ایسا نظام جو ہدایت بھی ہو اور رحمت بھی، اس کے احکام کی بجا آوری سے تغافل قرینِ دانشمندی نہیں۔

۴؎ اگرچہ اس کا آفتابِ ہدایت انسانی زندگی کے گوشہ گوشہ کو منور کر رہا ہے اور اس کا ابرِ رحمت ہر جگہ برس رہا ہے، لیکن اس سے استفادہ کرنے والے صرف محسنین ہیں۔

لِاَنَّهُمُ انْتَفَعُوْا وَ نَظَرُوْهُ بِعَيْنِ الْحَقِيْقَةِ۔ (بحرِ محیط)(4)

1۔ لسان العرب، ج12، ص141 2۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج7، ص183 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز14، ص50 4۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج7، ص183

هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝٤ أُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ

یقین رکھتے ہیں۔ یہ لوگ ہدایت پر ہیں اپنے رب کی توفیق سے اور یہی لوگ دونوں جہانوں میں

الْمُفْلِحُوْنَ ۝٥ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ

کامران ہیں ۵۔ اور کئی ایسے لوگ بھی ہیں جو بیوپار کرتے ہیں (مقصدِ حیات سے) غافل کر دینے والی باتوں کا ٦

۵۔ وہ محسنین کون ہیں جن کے لیے قرآنِ کریم ہدایت اور رحمت ہے؟ اس کی وضاحت ان آیات میں کر دی۔ ان آیات کی تشریح سورۂ بقرہ کے پہلے رکوع میں گزر چکی ہے۔ ملاحظہ ہو ضیاء القرآن جلد اوّل۔ البقرہ: ۵، ۴، ۳۔

٦۔ قرآنِ کریم نے انسانی زندگی کا جو تصور پیش کیا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ زندگی بڑی قیمتی چیز ہے۔ اس کا ایک ایک لمحہ گراں بہا ہے۔ یہ ایسی مہلت ہے جو صرف ایک مرتبہ ہی ارزانی ہوتی ہے۔ انسان جب اپنا مقررہ وقت بسر کر بیٹھتا ہے تو پھر دنیا بھر کے خزانے دے کر بھی اس میں ایک گھڑی کا اضافہ نہیں کیا جا سکتا۔ اچھے یا برے جو اعمال وہ کرتا ہے ان کے اچھے یا برے نتائج ضرور مرتّب ہوتے ہیں اور وہ اپنے تمام اعمال وافعال کے لیے اپنے خالق و مالک کے ہاں جواب دہ ہے۔ اسی محدود اور مقررہ مدت میں اس نے اپنی عاقبت کو بھی سنوارنا ہے، اپنی دنیوی زندگی کو بھی با مقصد، باوقار اور حتی الوسع آرام دہ بنانا ہے۔ مزید برآں اپنی ذہنی، فکری اور روحانی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر گلشنِ ہستی کے حسن اور بہار میں بھی اضافہ کرنا ہے۔

جو دین زندگی کو اتنی اہمیت دیتا ہے اس سے یہ توقع عبث ہے کہ وہ اپنے ماننے والوں کو عیش و عشرت اور لہو و لعب کی کھلی چھٹی دے گا اور انہیں بے مقصد زندگی بسر کرنے کی اجازت دے گا۔ اسی لیے قرآنِ کریم اور احادیثِ نبویہ میں تمام ایسے کاموں سے اجتناب کی بار بار تاکید کی گئی ہے جو لغو اور لایعنی ہوں۔ اس آیتِ طیبہ میں بھی اسی قسم کا تاکیدی فرمان ہے۔ چنانچہ علامہ آلوسی نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے لہو الحدیث کی یہ تفسیر نقل کی ہے۔ عَنِ الْحَسَنِ كُلُّ مَا شَغَلَكَ عَنْ عِبَادَةِ اللّٰهِ وَذِكْرِهٖ مِنَ السَّمَرِ وَالْأَضَاحِيْكِ وَالْخُرَافَاتِ وَالْغِنَاءِ وَنَحْوِهَا (روح المعانی)(1) یعنی ہر وہ بات لہو الحدیث ہے جو تجھے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے ذکر سے غافل کر دے۔ رات گئے تک قصہ گوئیاں، ہنسانے والے چٹکلے، ہر طرح کے خرافات، گانا بجانا وغیرہ اس میں شامل ہیں۔

بیشک ہر وہ چیز جو عبادتِ الٰہی اور ذکرِ خداوندی سے محرومی کا باعث ہو اسلام میں اس کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ بعض جلیل القدر صحابہ اور تابعین مثلاً ابنِ مسعود، ابنِ عباس، حسن، عکرمہ، سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم نے لہو الحدیث کی تشریح غنا اور گانے بجانے سے کی ہے۔ کیونکہ یادِ الٰہی سے غافل کرنے کا یہ ایک قوی سبب ہے، اس لیے اس کی اہمیت کے پیشِ نظر اس کو خصوصیت سے ذکر کیا، لیکن آیت کا لفظ خاص نہیں عام ہے۔ اس لیے لہو الحدیث کے مفہوم کا غنا میں منحصر کرنا درست نہیں۔ لٰكِنَّ اللَّفْظَ عَامٌّ وَالْعِبْرَةُ لِعُمُوْمِ اللَّفْظِ لَا لِخُصُوْصِ السَّبَبِ (مظہری)

علامہ آلوسی نے اسباب النزول للواحدی کے حوالہ سے اور دیگر مفسرین نے اس آیت کا شانِ نزول بیان کرتے ہوئے

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 21، ص 67

تحریر فرمایا ہے کہ کفارِ مکہ کی شدید مخالفت کے باوجود جب دینِ اسلام روز بروز پھیلتا چلا گیا اور قرآن کا حسنِ اعجاز لوگوں کے دلوں کو موہنے لگا تو اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کو ختم کرنے کے لیے نضر بن حارث نے ایک چال چلی۔ یہ تجارت پیشہ آدمی تھا۔ اپنے کاروبار کے سلسلہ میں مختلف ممالک، ایران، عراق، شام وغیرہ میں اس کی بکثرت آمدورفت تھی۔ وہاں سے وہ رستم و اسفندیار کے قصے، بادشاہوں کی جنگوں کی کہانیاں اور افسانے خرید کر لے آیا اور جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو کلامِ الٰہی پڑھ کر سنانے لگتے تو وہ بالمقابل اپنی مجلس جماتا اور لوگوں کو دلچسپ افسانے اور بے سروپا کہانیاں سناتا جو کم فہم لوگوں کی تفریحِ طبع کا باعث ہوتیں، چنانچہ کئی لوگ قرآنِ کریم سننے کے بجائے اس کی مجلس میں شرکت کو ترجیح دیتے۔ اس ظالم نے فقط اسی پر اکتفا نہ کیا، بلکہ اس نے کئی پری پیکر لونڈیاں بھی خرید رکھی تھیں، جو رقص و سرود کے فن میں بھی ماہر تھیں۔ جب اسے پتہ چلتا کہ فلاں شخص اسلام کی طرف مائل ہو رہا ہے تو وہاں مہ وشوں کو اس کے اوپر مسلط کر دیتا جو گاتیں، ناچتیں اور ہر ذلیل حرکت سے اس کے دل کو لبھاتیں حتیٰ کہ وہ حق کے حسنِ دلکش سے بے خبر ہو جاتا (1)۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی اور فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ فرما کر ایسے لوگوں کے انجامِ بد سے پردہ اٹھا دیا۔ (2)

علماء کرام کے ایک طبقہ نے غنا کے مطلقاً حرام ہونے کا فتویٰ دیا ہے اور اس میں انہوں نے موقع محل، سننے والے اور سنانے والے میں کوئی تفریق نہیں کی بلکہ ہر غنا کو حرام قرار دیا ہے خواہ وہ کبھی بھی ہو۔ خوشی کی کسی مخصوص تقریب کے موقع پر ہو، خواہ اس سماع سے محبتِ الٰہی کے جذبہ کو تقویت حاصل ہوتی ہو۔ چنانچہ اس ضمن میں انہوں نے صوفیائے کرام کے سماع کو بھی ہدفِ تنقید بنایا ہے اور ان پر خوب برسے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ کیونکہ اعمال کا دارومدار نیّت پر ہے اور ان اکابر فضلاء کے حسنِ نیت کے متعلق کسی کو بھی شک وشبہ کی مجال نہیں۔

لیکن علماء محققین نے ان کے اس فتویٰ کی تائید نہیں کی بلکہ بڑی وضاحت سے اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ ہر غنا حرام نہیں، بلکہ بعض ایسے مقامات بھی ہیں جہاں اس کی اباحت ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ چنانچہ علامہ قرطبی لکھتے ہیں: وَهُوَ الْغِنَاءُ الْمُعْتَادُ عِنْدَ الْمُشْتَهِرِيْنَ بِهِ الَّذِيْ يُحَرِّكُ النُّفُوْسَ وَيَبْعَثُهَا عَلَى الْهَوٰى وَالْغَزَلِ وَالْمُجُوْنِ الَّذِيْ يُحَرِّكُ السَّاكِنَ وَيَبْعَثُ الْكَامِنَ وَهٰذَا النَّوْعُ اِنْ كَانَ فِيْ شِعْرٍ يُشَبَّبُ فِيْهِ بِذِكْرِ النِّسَاءِ وَوَصْفِ مَحَاسِنِهِنَّ وَذِكْرِ الْخُمُوْرِ الْمُحَرَّمَاتِ لَا يُخْتَلَفُ فِيْ تَحْرِيْمِهٖ لِاَنَّهُ اللَّهْوُ وَالْغِنَاءُ الْمَذْمُوْمُ بِالْاِتِّفَاقِ وَاَمَّا مَا سَلِمَ مِنْ ذٰلِكَ فَيَجُوْزُ الْقَلِيْلُ مِنْهُ فِيْ اَوْقَاتِ الْفَرَحِ كَالْعُرْسِ وَالْعِيْدِ وَعِنْدَ التَّنْشِيْطِ عَلَى الْاَعْمَالِ الشَّاقَّةِ۔ (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی) (3)

ترجمہ: اس غنا سے مراد وہ غنا ہے جو نفس کو حرکت دیتا ہے اور اسے ہوا و ہوس اور فسق و فجور پر برانگیختہ کرتا ہے۔ اس قسم کا غناء جس میں عورتوں کے حسن و جمال کا بیان ہو، جس میں شراب اور دیگر محرمات کی تعریف ہو اس کے حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ بالاتفاق یہ لہو مذموم ہے۔ لیکن وہ غناء جو اس قسم کی قباحتوں سے پاک ہو، اس کا قلیل وقت کے لیے خوشی کے مواقع پر سننا جائز ہے۔ مثلاً شادی اور عید وغیرہ یا مشقت طلب کاموں پر جوش دلانے کے لیے۔ اس کے بعد علامہ موصوف نے صوفیہ کے سماع پر اپنی مخصوص رائے ظاہر کی ہے۔

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 21 ص 67 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 14 ص 54

علامہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ غناء حرام ہے اور یہ آیت اس کی حرمت کی دلیل ہے کیونکہ غناء لہوالحدیث ہے اور لہوالحدیث حرام ہے۔ اس کی حرمت اس آیت اور متعدد احادیث سے ثابت ہے، اس لیے غناء حرام ہے۔ اس کے بعد آپ لکھتے ہیں کہ صوفیۂ کرام نے اپنے سماع کے جواز کے لیے چند شرطیں مقرر کی ہیں۔ (۱) سننے والے کا دل ذکرِ الٰہی سے مطمئن ہو، اسی کی یاد میں مستغرق ہو، کسی غیر کی طرف التفات نہ ہو (۲) گانے والا محلِ شہوت نہ ہو یعنی عورت یا نوخیز لڑکا نہ ہو۔ (۳) محفلِ سماع اغیار سے خالی ہو (۴) نماز اور دیگر عبادات کی ادائیگی کا وقت بھی نہ ہو۔ جب یہ شرائط پائی جائیں تو سماع جائز ہے بلکہ مستحب ہے۔ کیونکہ سماع کی یہ تاثیر ہے کہ دل میں محبت کا جو جذبہ خُفتہ اور پنہاں ہوتا ہے سماع اس محبت کی آگ کو بھڑکا دیتا ہے۔ جن لوگوں کے دلوں میں عورتوں کا عشق سمایا ہوتا ہے ان کے لیے سماع حرام ہے کیونکہ وہ نفس کو برائی پر بھڑکاتا ہے لیکن جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت خیمہ زن ہوتی ہے، سماع ان کے ذوق وشوق میں اضافہ کا موجب ہوتا ہے، ان کے لیے سماع مستحب ہے۔

وہ نصوص جن سے غناء کی حرمت ثابت ہوتی ہے ان کا جواب دیتے ہوئے علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ اس آیت میں لہو الحدیث کو حرام کیا گیا ہے اور صوفیہ کا سماع لہوالحدیث کے زُمرہ میں نہیں۔ وہ احادیث جن سے غنا کی حرمت ثابت ہوتی ہے وہ بھی مخصوص بالبعض ہیں کیونکہ ایسی احادیث بھی ہیں جن سے اس کا مباح اور جائز ہونا ثابت ہوتا ہے۔ دونوں قسم کی احادیث میں ہم تطبیق اس طرح کریں گے کہ جو غنا فسق وفجور کا محرک ہو وہ حرام ہے اور جو یادِ الٰہی کی آگ کو بھڑکا دے وہ جائز ہے۔ آپ نے متعدد ایسی احادیث لکھی ہیں جن سے غناء کا مباح ہونا ثابت ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک خادمہ تھیں، اس کا نکاح انہوں نے انصار کے قبیلہ میں کر دیا۔ حضور گھر تشریف لائے تو دریافت فرمایا کہ اس بچی کو تم نے کچھ تحائف دیے ہیں۔ عرض کی گئی: ہاں یارسول اللہ! پھر پوچھا: أَرْسَلْتِ مَعَهَا مَنْ تُغَنِّيْ، کیا اس کے ساتھ تم نے کوئی گانے والیاں بھی بھیجی ہیں۔ حضرت صدیقہؓ نے عرض کیا: نہیں۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اِنَّ الْاَنْصَارَ قَوْمٌ فِيْهِ غَزَلٌ فَلَوْ بَعَثْتُمْ مَعَهَا مَنْ يَّقُوْلُ۔ اَتَيْنَاكُمْ اَتَيْنَاكُمْ۔ فَحَيَّانَا وَحَيَّاكُمْ۔(1)

"حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ انصار گیتوں کو پسند کرتے ہیں، اچھا ہوتا اگر دلہن کے ساتھ تم بھیجتے جو یہ گیت گاتے اَتَيْنَاكُمْ الخ ہم آئی ہیں تمہارے پاس، ہم آئی ہیں تمہارے پاس۔ سلام ہو ہم پر، سلام ہو تم پر"۔

عید کا دن تھا۔ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں کپڑا اوڑھے آرام فرمارہے تھے۔ دو بچیاں دف بجا بجا کر گا رہی تھیں۔ اچانک صدیقِ اکبر تشریف لائے اور انہیں ڈانٹنا شروع کیا۔ حضور نے رخ انور سے پردہ اٹھایا اور فرمایا دَعْهُمَا يَا اَبَابَكْرٍ فَاِنَّهَا اَيَّامُ عِيْدٍ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ(2)۔ وَعِنْدَ ابْنِ مَاجَةَ۔ اِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيْدًا وَهٰذَا عِيْدُنَا(3)۔ اے ابوبکر انہیں کچھ نہ کہو کیونکہ یہ عید کے دن ہیں۔

حضرت صدیقہ فرماتی ہیں کہ جس روز حضور نبی کریم رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ جَعَلَ النِّسَاءُ وَالْوَلَائِدُ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 250۔ سنن ابن ماجہ، ابواب النکاح، باب الغناء والدف، ص 138
2۔ صحیح بخاری، کتاب العیدین، باب اذا فاتہ العید، ج 1، ص 135
3۔ سنن ابن ماجہ، باب الغناء والدف، ص 138

وَالصِّبْيَانُ يَقُلْنَ : طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ (1)

أَيُّهَا الْمَبْعُوثُ فِيْنَا جِئْتَ بِالْأَمْرِ الْمُطَاعِ

یعنی عورتیں، بچیاں اور بچے یہ گا رہے تھے طلع البدر الخ ''وداع کی چوٹی سے چودھویں کے چاند نے ہم پر طلوع کیا ہے جب تک کوئی اللہ تعالیٰ کی یاد کرنے والا باقی رہا، اس وقت تک اس نعمت کا شکر ہم پر واجب ہے۔ اَيُّهَا الْمَبْعُوثُ الخ اے ہم میں نبی بن کر تشریف لانے والے! آپ ایسا حکم لے کر آئے ہیں جس کی تعمیل کی جائے گی۔

یہ احادیث اور متعدد دوسری احادیث ذکر کرنے کے بعد علامہ ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں: ظَهَرَ اَنَّ الْمُحَرَّمَ مِنَ الْغِنَاءِ مَا يَدْعُوْا اِلَى الْفِسْقِ وَلِيُشْغِلَ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا لَيْسَ كَذٰلِكَ فَلَيْسَ بِحَرَامٍ غَيْرَ اَنَّهُ لَمْ يَثْبُتْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ وَلَا مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اسْتِمَاعَ الْغِنَاءِ تَقَرُّبًا اِلَى اللّٰهِ وَلِاَجْلِ ذٰلِكَ مَا اخْتَارَ الْكِرَامُ مِنَ النَّقْشَبَنْدِيَّةِ وَغَيْرِهِمْ اِرْتِكَابَهٗ وَاِنْ لَّمْ يَرْتَكِبُوا الْاِنْكَارَ عَلَيْهِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ (2)

یعنی ان احادیث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ صرف وہ غنا حرام ہے جو فسق و فجور کا باعث بنے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل کر دے اور جو غنا ایسا نہیں وہ حرام نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ امر ثابت نہیں کہ انہوں نے غنا کو تقرّب الی اللہ تعالیٰ کا ذریعہ سمجھ کر سنا ہو۔ اس لیے خاندانِ نقشبندیہ کے صوفیہ سماع نہیں سنتے اگرچہ انہوں نے سماع کے قائلین پر بھی اعتراض نہیں کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس مقام پر علامہ موصوف نے حاشیہ لکھا ہے جس میں امام غزالی علیہ الرحمۃ کی یہ عبارت درج کی ہے: فِي الْاِحْيَاءِ السَّمَاعُ فِيْ اَوْقَاتِ السُّرُوْرِ تَاكِيْدًا لِلسُّرُوْرِ تَهْيِيْجًا لَهٗ مُبَاحٌ اِنْ كَانَ ذٰلِكَ السُّرُوْرُ مُبَاحًا كَالْغِنَاءِ فِيْ اَيَّامِ الْعِيْدِ وَفِي الْعُرْسِ وَفِيْ وَقْتِ قُدُوْمِ الْغَائِبِ وَفِي الْوَلِيْمَةِ وَالْعَقِيْقَةِ وَعِنْدَ وِلَادَةِ الْوَلَدِ وَخِتَانِهٖ وَعِنْدَ حِفْظِ الْقُرْاٰنِ۔ قُلْتُ وَكَذَا عِنْدَ تَفْوِيْضِ الْوَلَدِ لِلْمُقْرِئِ لِاَجْلِ التَّعْلِيْمِ (3)۔ یعنی احیاء العلوم میں ہے کہ اگر سرور مباح قسم کا ہو، تو اس پر اظہار مسرت کے لیے سماع جائز ہے۔ جیسے عید، شادی کے ایام، کسی غائب کے سفر سے واپس آنے کے وقت، ولیمہ، عقیقہ، لڑکے کی پیدائش، اس کا ختنہ اور حفظ قرآن کے وقت۔ میں کہتا ہوں اسی طرح لڑکے کو جب پڑھنے کے لیے استاد کی خدمت میں حاضر کیا جائے۔

علامہ پانی پتی نے فقہ کی چند جلیل المرتبت کتابوں کے حوالے بھی حاشیہ میں نقل کیے ہیں۔ چند ایک آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

فِيْ شَرْحِ الْكَافِيْ وَاعْلَمْ اَنَّ الْمَكْرُوْهَ مِنَ السَّمَاعِ عِنْدَ عُلَمَائِنَا مَا يَكُوْنُ عَلٰى سَبِيْلِ اللَّهْوِ وَاِرَادَةِ النِّسْيَانِ بِاَنْ يَّجْتَمِعَ الْفُسَّاقُ عَلٰى ذٰلِكَ وَيَتْرُكُوْنَ الصَّلٰوةَ وَقِرَاءَةَ الْقُرْاٰنِ وَاَمَّا مَا كَانَ مِنْ اَهْلِ الصَّلٰوةِ وَاَهْلِ الْقُرْاٰنِ مِنْ جُمْلَةِ الصَّالِحِيْنَ فَسَمَاعُ هٰؤُلَاءِ حَلَالٌ بِلَا خِلَافٍ بَيْنَ عُلَمَائِنَا اِذْ لَا يُرِيْدُوْنَ بِذٰلِكَ اِلَّا وَجْهَ اللّٰهِ وَحُضُوْرَهُمْ وَيَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ فِيْ خَوْفِ الْاٰخِرَةِ وَكُلُّ ذٰلِكَ مَحْمُوْدٌ غَيْرُ مَذْمُوْمٍ وَالتَّوَاجُدُ وَالرَّقْصُ اَيْضًا غَيْرُ مَذْمُوْمٍ لِهٰذَا الْمَعْنٰى (4)۔ یعنی شرح کافی میں ہے کہ اچھی طرح جان لو کہ ہمارے علمائے کرام کے نزدیک وہ سماع مکروہ ہے جو لہو اور گناہ کا باعث ہو۔ فاسقوں کا مجمع ہو جو تارکِ صلاۃ ہوں اور قرآنِ کریم

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 250۔ سبل الہدی والرشاد، ج 3، ص 271، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت
2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 51-248
3۔ احیاء العلوم، ج 2، ص 277، مطبوعہ دار المعرفۃ، بیروت
4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 249

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّ يَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ

تاکہ بھٹکاتے رہیں راہِ خدا سے ۷ (اس کے نتائج بد سے) بیخبر ہوکر ۸ اور اسکا مذاق اڑاتے رہیں ۹ یہ لوگ ہیں جنکے

عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ

لیے رسواکن عذاب ہے ۱۰ اور جب پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اسے ہماری آیتیں تو منہ پھیر لیتا ہے تکبر کرتے ہوئے۔ گویا

کی تلاوت سے غافل ہوں۔ لیکن جس سماع سے اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہو وہ محمود ہے مذموم نہیں۔ وجد وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے۔

علامہ ابوالقاسم بن محمد بن عبد اللہ الدمشقی نے شرح البزدوی میں اس مسئلہ کے متعلق اپنی یہی رائے ظاہر کی ہے۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ العوارف میں لکھتے ہیں اَلسِّمَاعُ يَسْتَجْلِبُ الرَّحْمَةَ مِنَ اللّٰهِ الْكَرِيْمِ (1)۔ کہ سماع اللہ تعالیٰ کی رحمت کا جاذب ہے۔ لیکن یہ سب اسی وقت جائز ہے جب ان شرائط کا سختی سے التزام کیا جائے جن کا ذکر پہلے ہو چکا۔

۷ نضر بن حارث اور اس کی قماش کے لوگ کم فہم عوام کے سفلی جذبات کو مشتعل کرنے اور ان کی نفسانی شہوات میں آگ لگانے کا جو بیوپار کر رہے ہیں، اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے بھٹکا دیں جس پر چل کر وہ اپنی منزلِ حیات کو پا سکتے ہیں، جس پر چل کر انہیں عرفانِ ذات اور معرفتِ خداوندی کی نعمت مل سکتی ہے۔

۸ یعنی انہیں خبر ہی نہیں کہ جو کاروبار انہوں نے شروع کر رکھا ہے، اس کے نتائج کتنے ہولناک ہیں۔ وہ لمحہ بھر کی عیش ونشاط کے لیے اپنی دولت، صحت اور نیک نامی کو برباد کر رہے ہیں اور اپنے ربِ کریم کی آتشِ غضب کو بھڑکا کر اپنی عاقبت بھی تباہ کر رہے ہیں۔

۹ "ھَا" کی ضمیر کا مرجع سبیل ہے۔ یہ مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے (2)۔ مطلب یہ ہے کہ وہ تقویٰ اور پارسائی کی راہ پر چلنے والوں پر طرح طرح کے آوازے کستے ہیں، ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ بیوقوف خود ہیں، دن کے اجالے میں راہِ راست کو چھوڑ کر خارزاروں میں الجھتے پھر رہے ہیں، مگر بیوقوفی، کور ذوقی اور نادانی کی تہمت ان حقیقت شناسوں پر لگا رہے ہیں جنہوں نے سچے دل سے حق کو قبول کیا ہے اور ہر قیمت پر اس کا ساتھ دینے کا عزمِ مصمم کر لیا ہے۔

۱۰ جو لوگ اپنی قوم کو راہِ حق سے بھٹکاتے ہیں، اپنے نوجوانوں کے شہوانی جذبات کو مشتعل کرنے کے اسباب فراہم کر کے اپنی تجوریاں بھرتے ہیں، زندگی کی تلخ حقیقتوں اور سنگین ذمہ داریوں سے غافل کر کے انہیں عیش ونشاط کا خوگر بناتے ہیں، ان کی حیاء وعفت کی چادر کو لطائف الحیل سے تار تار کرتے ہیں اور انہیں فسق وفجور کے بازار میں لاکر ننگا کھڑا کر دیتے ہیں، وہ خوب جان لیں اور کان کھول کر سن لیں کہ یہ سودا انہیں مہنگا پڑے گا۔ انہیں یہاں بھی اور وہاں بھی رسواکن حالات سے دوچار کر دیا جائے گا۔ آج ہم اپنے معاشرہ میں عُریانی اور بے حیائی کا امڈ کر آتا ہوا سیلاب دیکھ رہے ہیں جس کی چیختی، چنگھاڑتی موجوں کی ہیبت سے دین اور اخلاقِ حسنہ کے مضبوط قلعے تھرّا رہے ہیں۔ ہماری مخصوص اخلاقی، عمرانی عزیز قدریں ایک ایک کر کے تلف کی جا رہی ہیں۔ ہماری زندگی سراسر لہو ولعب بنتی جا رہی ہے۔ سنجیدگی اور متانت کا عنصر تیزی سے ناپید ہو رہا ہے۔ جاہ طلبی، لذت کوشی اور زر وسیم کی ہوس کی قربان گاہ پر ملّی اور قومی مفادات کو بھینٹ چڑھا دینا ہمارے لیے کوئی مشکل نہیں۔ ہمارے اہلِ قلم کی عظیم اکثریت، ہماری فلم انڈسٹری، شبینہ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 249
2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 21، ص 80

لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۷

اس نے انہیں سنا ہی نہیں ۱۱ جیسے اس کے دونوں کان بہرے ہیں سو آپ اسے دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیں ۱۲

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ۝۸ خٰلِدِيْنَ

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، ان کے لیے خوشیوں والے باغات ہیں ۱۳ وہ اُن میں ہمیشہ

فِيْهَا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۹ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

رہیں گے۔ اللہ کا یہ سچا وعدہ ہے۔ اور وہی سب پر غالب، بڑا دانا ہے۔ اس نے پیدا فرمایا آسمانوں کو ۱۴

بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ

ایسے ستونوں کے بغیر جنہیں تم دیکھ سکو ۱۵ اور گاڑ دیئے ہیں زمین میں اُونچے پہاڑ تاکہ زمین ڈولتی نہ رہے ساتھ تمہارے

کلبیں، ثقافتی تقریبیں اور مینا بازار قیامت برپا کر رہے ہیں۔ یہ سب کچھ کھلے بندوں، بے روک ٹوک ہماری اسلامی مملکت کے مسلمان حکام کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے اور کوئی باز پرس نہیں کرتا۔ بلکہ ان تباہ کن عوامل کو حکومت کی سرپرستی اور حکام کی حمایت حاصل ہے۔ یہ سوچ کر دل کانپ جاتا ہے کہ کہیں ہم اپنے آپ کو عذاب مہین کے لیے تو تیار نہیں کر رہے۔ العیاذ باللہ۔

۱۱ ان لوگوں کے ضمیر مردہ ہو چکے ہیں۔ شرافت اور نیکی کا جذبہ دم توڑ چکا ہے۔ اگر انہیں اللہ تعالیٰ کی آیات سنا کر نصیحت کی جاتی ہے کہ خدارا اپنی نوخیز نسل پر رحم کرو، اپنی قوم پر ترس کھاؤ، معاشرہ کے امن وسکون کو غارت نہ کرو، دولت کی محبت میں اتنے دیوانے نہ بن جاؤ کہ تمہیں اپنے انجام کا بھی ہوش نہ رہے تو ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا، الٹا غصے اور غرور سے منہ پھیر لیتے ہیں اور اکڑ کر گزر جاتے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے گویا انہوں نے کوئی بات سنی ہی نہیں۔ کیا ان کے کان بہرے ہیں انہیں کچھ سنائی دیتا ہی نہیں؟ "وَقْر" کانوں کی گرانی جس کے باعث بات سنائی نہیں دیتی (1)۔ ۱۲ اے محبوب! ایسے ناہنجار لوگوں کو دردناک عذاب کا مژدہ سنا دو۔

۱۳ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف ان لوگوں کو شرف پذیرائی بخشا جائے گا جن کے دلوں میں ایمان کی شمع روشن ہے اور اس کی پاکیزہ کرنیں ان کے عمل کی دنیا کو بھی بقعۂ نور بنا رہی ہیں۔ ان کا ہر عمل شائستگی اور متانت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ ان کا ہر کام تعمیری ہوتا ہے۔ وہ بگاڑتے نہیں، سنوارتے ہیں۔ ان کے ہنر، فن، علم اور دولت سے عروسِ گیتی کی زلفیں سنورتی ہیں، انسانیت کے حسن وجمال پر بہار آتی ہے۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے جنت کی بہاریں چشم براہ ہیں اور فردوس کی حوریں مہکتے ہوئے رنگین پھولوں کے ہار پرو رہی ہیں۔ ۱۴ اللہ تعالیٰ کے عزیز اور حکیم ہونے کی دلیل پیش کی جا رہی ہے۔

۱۵ تَرَوْنَهَا کی ضمیر کے دو مرجع بیان کیے گئے ہیں (۱) آسمان (۲) عمد وستون۔ پہلی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اُس نے آسمانوں کو

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 251

وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۗ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا

اور پھیلا دیے ہیں اس میں ہر قسم کے جانور اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی پس اُگائے ہم نے

فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۰﴾ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ

زمین میں ہر نوع کے نفیس جوڑے یہ تو ہے اللہ کی تخلیق ۱۶ (اے مشرکو!) اب ذرا دکھاؤ مجھ کو کیا بنایا

الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۗ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۱﴾ وَلَقَدْ

ہے اوروں نے اس کے سوا؟ (کچھ بھی نہیں) مگر یہ ظالم کھلی گمراہی میں ہیں اور ہم نے

اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۗ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ

عنایت فرمائی لقمان کو حکمت ۱۷ (و دانائی) ۱۸ اور فرمایا اللہ کا شکر ادا کرو ۱۹ اور جو شکر ادا کرتا ہے تو وہ شکر ادا کرتا ہے

ستونوں کے بغیر پیدا فرمایا ہے اور تم مشاہدہ کر رہے ہو کہ آسمان ستونوں کے بغیر قائم ہیں۔ دوسری صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ آسمان کے لیے ایسے ستون نہیں بنائے جو تمہیں نظر آئیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہاں ستون ہوں لیکن غیر مرئی ہوں جنہیں تم آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ یہ دونوں قول لکھنے کے بعد فرماتے ہیں: فَهِيَ قُدْرَةُ اللّٰهِ وَاِرَادَتُهٗ؛ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی قُدرت اور ارادہ ہے۔ جن کے سہارے یہ عالمِ افلاک اپنے ان گنت روشن ستاروں، بیکراں وسعتوں اور بُلندیوں کے ساتھ قائم و دائم ہے۔ سائنس کی جدید اصطلاح میں آپ اسے جذب و کشش کا قانون کہہ لیں یا کل اس کی کوئی اور توجیہ پیش کریں بہر حال یہ نظامِ شمسی اپنی عظمت اور پیچیدگیوں سمیت اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظہر اور اس کے ارادے کا ظہور ہے۔ (1)

۱۶ آسمان کا یہ رفیع اور وسیع گنبد جسے تھامنے کے لیے کوئی ستون اور سہارے نظر نہیں آتے، یہ کشادہ زمین اور اس میں گڑے ہوئے فلک بوس پہاڑ، یہ گوناگوں جانور، مُناسب اوقات پر بارش کا برسنا، رنگارنگ فصلوں، سبزیوں، درختوں کا اُگنا، پھلنا، پھولنا اور ان کے علاوہ جو کچھ تمہیں نظر آ رہا ہے اسے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قُدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے تخلیق فرمایا ہے۔ اور تم بھی اس کے انکار کی جرأت نہیں کر سکتے۔ اب یہ بتاؤ جن جھوٹے خداؤں کی پوجا پاٹ میں تم روز و شب مشغول رہتے ہو اور انہیں اپنا خدا یقین کرتے ہو، انہوں نے آخر اپنی قدرت اور حکمت کا کونسا کمال دکھایا ہے کہ تم ان کو بھی خدا ماننے لگے ہو؟ شرک کے بطلان کی یہ کتنی زبردست اور عام فہم دلیل ہے۔

۱۷ یہ لقمان کون تھے؟ مورخین اور مفسّرین نے ان کے بارے میں مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔ کسی نے انہیں ''نُوبہ'' کا باشندہ قرار دیا ہے اور کسی نے انہیں عاد کے خاندان سے منسوب کیا ہے، کسی نے انہیں آزاد کردہ غلام کہا ہے اور کسی کے نزدیک یہ

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 13، جز 25، ص 144

لِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیۡدٌ ﴿۱۲﴾ وَاِذۡ قَالَ لُقۡمٰنُ لِابۡنِهٖ

اپنے بھلے کے لیے ۲۰ اور جو کفران نعمت کرتا ہے تو بیشک اللہ تعالیٰ غنی ہے حمید ہے۔ اور یاد کرو جب لقمان نے اپنے بیٹے

حضرت ایوب علیہ السلام کے بھانجے یا خالہ کے لڑکے ہیں۔ بعض نے ان کی نبوت کا قول کیا ہے لیکن جمہور علماء نے انہیں فقط مردِ دانا اور حکیم تسلیم کیا ہے۔ قرآنِ کریم نے ان تفصیلات کو غیر ضروری سمجھ کر نظر انداز کر دیا ہے۔ فقط ان کے حکیمانہ پند و موعظت کے ذکر پر اکتفا کیا ہے۔ ہمیں بھی اس لا حاصل بحث و تمحیص میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ علامہ ابو حیان الاندلسی لکھتے ہیں: وَهٰذَا الْاِضْطِرَابُ فِیْ كَوْنِهٖ حُرًّا وَ عَبْدًا وَ فِیْ جِنْسِهٖ وَ فِیْمَا كَانَ یُعَانِیْهِ یُوْجِبُ اَنْ لَّا یُكْتَبَ شَیْءٌ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا یُنْكَرُ لٰكِنَّ الْمُفَسِّرُوْنَ مُوْلَعُوْنَ بِنَقْلِ الْمُضْطَرِبَاتِ حَشْوًا وَّ تَقْصِیْرًا وَّ الصَّوَابُ تَرْكُهٗ۔ (بحر محیط)(1)

علامہ قرطبی نے حضرت ابن عمر سے ایک روایت نقل کی ہے۔ اس سلسلہ میں اُسی کا ذکر کر دینا کافی ہے۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ اٰلِهٖ وَ سَلَّمَ یَقُوْلُ لَمْ یَكُنْ لُقْمَانُ نَبِیًّا وَّلٰكِنْ كَانَ عَبْدًا كَثِیْرَ التَّفَكُّرِ حَسَنَ الْیَقِیْنِ اَحَبَّ اللّٰهَ تَعَالٰی وَاَحَبَّهٗ وَمَنَّ عَلَیْهِ بِالْحِكْمَةِ وَخَیَّرَهٗ فِیْ اَنْ یَّجْعَلَهٗ خَلِیْفَةً یَّحْكُمُ بِالْحَقِّ وَقَالَ رَبِّ اِنْ خَیَّرْتَنِیْ قَبِلْتُ الْعَافِیَةَ وَتَرَكْتُ الْبَلَاءَ وَاِنْ عَزَمْتَ عَلَیَّ فَسَمْعًا وَّ طَاعَةً فَاِنَّكَ سَتَعْصِمُنِیْ۔ ذَكَرَهُ ابْنُ عَطِیَّةَ۔(2)

ترجمہ: حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ لقمان نبی نہیں تھے، بلکہ وہ غور و فکر کے خوگر اور دولتِ یقین سے مالا مال بندے تھے۔ انہیں اللہ تعالیٰ سے محبت تھی۔ اللہ تعالیٰ بھی ان سے محبت کرتے اور انہیں حکمت کی نعمت عطا فرمائی اور فرمایا: اگر تم پسند کرو تو تمہیں خلیفہ بنا دیا جائے تاکہ تم عدل و انصاف کو قائم کرو۔ انہوں نے عرض کی: میرے پروردگار! اگر تو آپ مجھے اختیار دیتے ہیں تو میں عافیت کو قبول کروں گا اور اس آزمائش سے بچوں گا اور اگر منصبِ خلافت سنبھالنے کے متعلق قطعی حکم ہے، تو میں دل و جان سے حاضر ہوں کیونکہ مجھے تیرے کرم پر یہ بھروسہ ہے کہ تو مجھے غلطی سے بچائے گا۔

۱۸۔ حضرت ابنِ عباس نے حکمت کی تشریح عقل، فہم اور فراست سے کی ہے۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَلْعَقْلُ وَ الْفَهْمُ وَ الْفِطْنَةُ۔ علامہ راغب کہتے ہیں کہ حکمت سے مراد موجودات کا صحیح علم اور اچھے کام کرنا۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ علم کے مطابق عمل کرنے کی توفیق حکمت ہے۔ قَالَ الْاِمَامُ هِیَ عِبَارَةٌ عَنْ تَوْفِیْقِ الْعَمَلِ بِالْعِلْمِ۔ (روح المعانی)(3)

۱۹۔ یہاں یا تو "وَقُلْنَا" محذوف ہے یا "اَنْ" یہاں مفسرہ ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے اسے دانائی عطا فرمائی یعنی اسے شکر کی توفیق بخشی۔ اس صورت میں حکمت سے مراد شکر ہوگا۔ وَهٰذَا یَدُلُّ عَلٰی اَنَّ الْحِكْمَةَ هُوَ الشُّكْرُ۔

شکر اظہارِ نعمت کو کہتے ہیں اس کے مقابلہ میں کفران ہے یعنی نعمت کا چھپانا اور اس کا اعتراف نہ کرنا۔ وَفِی الْقَامُوْسِ الشُّكْرُ عِرْفَانُ الْاِحْسَانِ(4): نعمت کے اظہار اور اعتراف کی تین صورتیں ہیں۔ (۱) دل میں یہ تصور کرنا کہ میرے اللہ نے مجھ پر یہ نوازش فرمائی ہے۔ (۲) زبان سے اس کی بندہ پروری کی تعریف کرنا۔ (۳) اعضا سے کہ جب اللہ تعالیٰ انعام و اکرام فرمائے تو

1۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 186
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 14، ص 60-59
3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 21، ص 83
4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 254

وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿١٣﴾

کو کہا اسے نصیحت کرتے ہوئے اے میرے پیارے فرزند! کسی کو اللہ کا شریک نہ بنانا۔ یقیناً شرک ظلم عظیم ہے ۲۱

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰي وَهْنٍ وَّ

اور ہم نے تاکیدی حکم دیا انسان کو ۲۲ کہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ شکم میں اٹھائے رکھا ہے اسے اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری کے باوجود ۲۳

اس کی عبادت اور اطاعت میں انسان زیادہ سے زیادہ مصروف ہو جائے اور ان نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری اور اس کی رضا کے حصول میں خرچ کرے۔(1)

۲۰۔ ادائے شکر کا حکم دینے کے بعد اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا کہ اس کے شکر کرنے سے اللہ تعالیٰ کی شانِ کبریائی میں اضافہ نہیں ہوتا اور کسی کی ناشکری سے اس کی شانِ عظمت میں کمی نہیں آتی، اگر کوئی شکر کرے گا تو اس کا اپنا بھلا ہوگا، ناشکری کرے گا تو خود ہی نقصان اٹھائے گا۔ اللہ تعالیٰ غنی ہے۔ سارا جہان اس کا محتاج ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں۔ وہ حمید ہے۔ اگر کسی کی زبانِ قال اس کی حمد وثنا سے گنگ ہوگئی ہے، تو کائنات کا ذرہ ذرہ زبانِ حال سے اس کی حمد کے قصیدے گا رہا ہے۔

آیت میں ''اللہ'' کا کلمہ مقدر ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے مَنْ شَكَرَ اللّٰهَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ اللّٰهَ لِنَفْسِهٖ یعنی جو اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر اپنے فائدہ کے لیے کرتا ہے۔ اس میں سراسر اسی کا بھلا ہے۔ کسی عارف نے کیا خوب فرمایا ہے۔ اَلشُّكْرُ قَيْدٌ لِلْمَوْجُوْدِ وَصَيْدٌ لِلْمَفْقُوْدِ وَمُوْجِبُ تَقَرُّبٍ اِلَى الْمَعْبُوْدِ وَثَوَابٌ فِيْ دَارِ الْخُلُوْدِ۔ یعنی شکر کرنے سے جس لطف واحسان سے اسے نوازا گیا انہیں بقا و دوام نصیب ہوتا ہے، جن انعامات سے تاحال وہ بہرہ ور نہیں شکر ان کو شکار کرتا ہے، شکر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تقرب کا باعث ہے اور اس کا ثواب دار الخلد میں ملے گا۔(2)

۲۱۔ حضرت لقمان کے بحرِ حکمت کے چند سچے موتی قرآنِ کریم کے قارئین کی خدمت میں پیش کیے جا رہے ہیں۔

آپ نے اپنے فرزند دلبند کو سب سے پہلے جو نصیحت کی وہ یہ ہے کہ شرک سے بڑا اور کوئی ظلم نہیں۔ اسے چاہیے کہ ہر حالت میں اپنے دامن کو شرک کی آلودگی سے پاک رکھے۔ لقمان، حکیم ہیں انہوں نے اپنے حکیمانہ کلام سے صرف اپنے بیٹے کو ہی نوازا نہیں ہوگا بلکہ عام لوگوں کو بھی اپنی دلنواز پند ونصائح سے سرفراز کیا ہوگا، لیکن قرآنِ کریم میں ان کے صرف وہ حکیمانہ اقوال ذکر کیے گئے ہیں جو انہوں نے اپنے بیٹے کو فرمائے۔ مقصد یہ بھی ہے کہ دوسروں کے ساتھ تو معاملہ کی بنیاد ریاکاری، تصنع اور فریب دہی ہو سکتی ہے، لیکن ایک باپ جب اپنے بیٹے کو نصیحت کرتا ہے اس میں سراسر سچائی اور اخلاص ہی ہوتا ہے۔ وہاں غلط بیانی اور عیاری کا امکان تک نہیں ہوتا۔ اہلِ عرب جو بری طرح شرک میں مبتلا تھے انہیں بتایا جا رہا ہے کہ لقمان کو تو تم بھی حکیم اور مرد دانا تسلیم کرتے ہو، ان کے اقوال کو اپنے اشعار میں اور اپنے خطبوں میں فخریہ نقل کرتے ہو، ذرا اس کی تعلیم پر غور کرو۔ اس کی ان نصیحتوں کو گوشِ ہوش سے سنو جو اس نے اپنے لختِ جگر کو کیں۔ کیا اس کے بعد بھی تمہیں شرک کی قباحت میں شک باقی رہے گا؟ اب تو تم اس قسم کی خرافات سے باز آ جاؤ۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 254 2۔ ایضاً، ص 255

فِصٰلُهٗ فِیۡ عَامَیۡنِ اَنِ اشۡکُرۡ لِیۡ وَ لِوَالِدَیۡكَ ؕ اِلَیَّ الۡمَصِیۡرُ ﴿۱۴﴾ وَ

اور اس کا دودھ چھوٹنے میں دو سال لگے (اس لیے ہم نے حکم دیا) کہ شکر ادا کرو میرا اور اپنے ماں باپ کا ۲۴ (آخر کار) میری طرف ہی (تمہیں) لوٹنا ہے

اِنۡ جَاهَدٰكَ عَلٰۤی اَنۡ تُشۡرِكَ بِیۡ مَا لَیۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ ۙ فَلَا تُطِعۡهُمَا

اور اگر وہ دباؤ ڈالیں تم پر کہ تو میرا شریک ٹھہرائے اسے کہ جس کا تجھے علم تک نہیں، تو ان کا یہ کہنا نہ مان ۲۵

پہلی آیت میں شرک کے بطلان پر عقلی دلیل پیش کی۔ اس آیت میں نقلی دلیل پیش کی جا رہی ہے۔ گویا عقل اور نقل دونوں شرک کے بطلان پر متفق ہیں۔ اب تو اس لغو عقیدے کو چھوڑ دو اور اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان لے آؤ۔

۲۲ یہ دونوں آیتیں حضرت لقمان کے وعظ کے درمیان بطور جملہ معترضہ ذکر کی گئی ہیں۔ ان سے ایک مقصد تو یہ ہے کہ آپ کے کلام کی تصدیق ہو جائے۔ دوسرا مقصد یہ بھی ہے کہ حضرت لقمان نے از راہ اخلاص و محبت اپنے بیٹے کو شرک سے باز رہنے کی تلقین کی اور اسے ظلم عظیم کہہ کر نفرت دلائی۔ اللہ تعالیٰ نے اس پدری خلوص و شفقت کے صلے کے طور پر اولاد کو اپنے ماں باپ کی فرمانبرداری اور خدمت گزاری کا حکم دیا اور وہ حدود بھی متعیّن کر دیں جہاں تک ماں باپ کے ارشاد کو تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

۲۳ بیشک ماں باپ دونوں کا اپنی اولاد پر بڑا حق ہے لیکن دونوں میں سے ماں کا حق بہت زیادہ ہے۔ نو ماہ تک وہ بچے کو شکم میں اٹھائے پھرتی ہے۔ مرد سے پہلے ہی وہ نسبتاً کمزور ہوا کرتی ہے اور اس پر حمل کی گرانی اس کو مزید کمزور اور ناتواں بنا دیتی ہے۔ اس طویل عرصہ میں آئے دن اسے طرح طرح کی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پھر پیدائش کا مرحلہ بڑا جانگسل اور صبر آزما ہوتا ہے۔ اگر ماں ان جانگسل مرحلوں سے بچ نکلے تو پھر عرصہ تک وہ اسے اپنا خونِ جگر پلاتی ہے، اس کے علاوہ دن رات ماں اپنے اس نورِ نظر کی خدمت میں گزارتی ہے۔ یہ ساری جانکاہیاں اور خدمات کسی لالچ کی وجہ سے نہیں، کسی احسان جتلانے کے خیال سے نہیں بلکہ محض محبت اور پیار کے جذبہ سے سرشار ہو کر انجام دی جاتی ہیں۔ اسی لیے حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بار بار ماں کی خدمت گزاری کی تلقین فرمائی ہے جن کا تفصیلی بیان مناسب مقامات پر گزر چکا ہے۔ یہاں فقط ایک ارشاد نبوی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

کسی شخص نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر دریافت کیا: یا رسول اللہ! مَنۡ اَبَرُّ؟ میں کس کے ساتھ احسان کروں؟

فرمایا: اُمَّكَ۔ ''اپنی ماں کے ساتھ''۔ اس نے دوبارہ عرض کیا: ثُمَّ مَنۡ ''اس کے بعد کس کے ساتھ؟''

فرمایا: اُمَّكَ ''اپنی ماں کے ساتھ''۔ سہ بارہ گزارش کی: ثُمَّ مَنۡ۔ ''اس کے بعد کس کے ساتھ''؟ فرمایا: اُمَّكَ ''اپنی ماں کے ساتھ''۔ چوتھی بار جب اس نے پوچھا: ثُمَّ مَنۡ؟

فرمایا: اَبُوۡكَ ''اپنے باپ کے ساتھ (1)

۲۴ یہاں اپنا شکر کرنے کے ساتھ والدین کا شکر ادا کرنے کا حکم بھی ملا دیا۔ اس طرح بندہ نوازی کی حد کر دی اور اسلامی معاشرہ میں والدین کا جو اعلیٰ اور ارفع مقام ہے اس کی وضاحت فرما دی۔ اس کے بعد بھی اگر مسلمان بچے اپنے والدین کی

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 14، ص 64۔ جامع ترمذی، کتاب ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی برّ الوالدین، ج 2، ص 12-11

وَ صَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا ۫ وَّ اتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ ۚ

البتہ گزران کرو ان کے ساتھ دُنیا میں خوبصورتی سے۲۶ اور پیروی کرو اس کے راستہ کی جو میری طرف مائل ہوا ۲۷

خدمت میں کوتاہی کریں اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کر کے ان کی دعائیں نہ لیں تو بڑی بدقسمتی ہے۔

۲۵ والدین کی اطاعت کا بار بار تاکیدی حکم قرآنِ کریم میں دیا گیا۔ اس سے یہ غلط فہمی پیدا ہو سکتی تھی کہ والدین کا ہر حکم ماننا اور ان کی ہر خواہش کو پورا کرنا ضروری ہے۔ اگرچہ وہ شرک کرنے اور نافرمانی کرنے کا بھی حکم دیں۔ اس آیت میں اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا اور بتا دیا کہ بیشک والدین کا بڑا حق ہے اور ان کی خوشنودی حاصل کرنا بہت بڑی سعادت ہے لیکن بہر حال ان کا حق اللہ تعالیٰ کے حق سے کم ہے۔ اگر وہ اس کے ساتھ شرک کرنے پر اصرار کریں گے یا کسی ارشادِ الٰہی سے سرتابی پر مجبور کریں گے تو اس وقت ان کے حکم کو مسترد کر دینا ضروری ہوگا۔ کیونکہ اب وہ اپنی حد سے تجاوز کر رہے ہیں۔ حدیث پاک میں ہے: لَا طَاعَةَ لِلْمَخْلُوْقِ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ (1) کہ کسی مخلوق کی ایسی اطاعت نہ کرو جس سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو۔

۲۶ چاہیے تو یہ تھا کہ جب والدین اپنے خالق اور مالک کے سرکش ہوں اور شرک کے مرتکب ہوں، تو ان سے قطع تعلق کر لیا جائے اور کسی قسم کی شفقت اور محبت کا مظاہرہ ان سے نہ کیا جائے۔ لیکن انسان قربان جائے اس دینِ فطرت کی پاکیزہ تعلیمات پر۔ فرمایا: ان کی یہ بات نہ مانو۔ اس کے علاوہ ان کے ساتھ حسنِ سلوک کے سارے تقاضے پورے کرو۔ وہ بیمار ہوں تو ان کی تیمارداری کرو۔ وہ مفلس ہوں تو اُن کے اخراجات کا بوجھ تم اٹھاؤ، ان کا ادب اور احترام ہر حالت میں ملحوظ رکھو۔ ان کی زیادتیوں کے باوجود تمہاری طرف سے تلخ کلامی اور بے مہری کی نوبت نہ آنے پائے۔ بیشک قرآن خداوندِ عالم کا کلام ہے۔ بیشک اسلامی شریعت پر عمل پیرا ہو کر ہم دونوں جہانوں کی سعادتوں سے بہرہ اندوز ہو سکتے ہیں۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ یہ آیت میرے حق میں نازل ہوئی۔ میں اپنی والدہ کا بڑا فرمانبردار اور اطاعت گزار تھا۔ اس کی خدمت اور دلجوئی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جب مجھے نعمتِ ایمان سے مشرف کیا تو میری ماں سخت برافروختہ ہوئی۔ مجھے کہنے لگی: اے سعد! تم نے یہ کیا حرکت کی ہے؟ اگر تو نے اس نئے دین کو نہ چھوڑا تو میں کھانا پینا بند کر دوں گی، یہاں تک کہ مر جاؤں گی اور لوگ تجھے اپنی ماں کا قاتل، کہہ کر عار دلائیں گے اور تو ملک بھر میں رسوا ہوگا۔ میں نے کہا: اماں! ایسا نہ کرو۔ میں کسی قیمت پر بھی اپنا دین نہیں چھوڑوں گا، لیکن وہ بضد رہی۔ دن بھر نہ کچھ کھایا اور نہ پیا۔ رات بھی یوں ہی گزار دی۔ جس کے باعث وہ بہت کمزور ہو گئی۔ دوسرا دن اور رات اُس نے فاقہ سے گزار دیا۔ اب تو اس کی کمزوری حد کو پہنچ گئی۔ جب میں نے اس کی یہ ضد دیکھی تو میں نے کہا:

یَا اُمَّهْ! تَعْلَمِیْنَ وَاللهِ لَوْ كَانَتْ لَكِ مِائَةُ نَفْسٍ فَخَرَجَتْ نَفْسًا نَفْسًا مَّا تَرَكْتُ دِیْنِیْ هٰذَا الشَّیْءَ فَاِنْ شِئْتِ كُلِیْ وَاِنْ شِئْتِ لَا تَاْكُلِیْ۔ اے ماں! تو خوب جان لے اگر تیری سو جانیں ہوں اور سب ایک ایک کر کے نکل جائیں تو خدا کی قسم! میں اپنے دین کو پھر بھی نہیں چھوڑوں گا۔ اب تیری مرضی ہے تو کھا اور نہیں ہے تو بے شک نہ کھا۔ میں اپنا دین چھوڑنے کے لیے کسی

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 256۔ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الامارۃ والقضاء، ص 321

ثُمَّ اِلَیَّ مَرۡجِعُكُمۡ فَاُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۵﴾ یٰبُنَیَّ اِنَّهَاۤ

پھر میری طرف ہی تمہیں لوٹنا ہے۔ پس میں آگاہ کروں گا تمہیں ان کاموں سے جو تم کیا کرتے تھے۔ (لقمان نے کہا) پیارے فرزند! ۲۸

اِنۡ تَكُ مِثۡقَالَ حَبَّةٍ مِّنۡ خَرۡدَلٍ فَتَكُنۡ فِیۡ صَخۡرَةٍ اَوۡ فِی

اگر کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر وزنی ہو یا پھر وہ کسی چٹان میں یا

السَّمٰوٰتِ اَوۡ فِی الۡاَرۡضِ یَاۡتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِیۡفٌ خَبِیۡرٌ ﴿۱۶﴾

آسمانوں یا زمین میں (چھپی) ہو تو لے آئے گا اسے اللہ تعالیٰ۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت باریک بین، ہر چیز سے باخبر ہے۔

یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاۡمُرۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَانۡهَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَاصۡبِرۡ

میرے پیارے بچے! نماز صحیح صحیح ادا کیا کرو ۲۹ نیکی کا حکم دیا کرو۔ اور برائی سے روکتے رہو اور صبر کیا کرو

قیمت پر تیار نہیں۔ میرا عزمِ مصمم دیکھ کر میری ماں نے بھوک ہڑتال ختم کر دی۔ (1)

اللہ تعالیٰ دینِ حق پر ہمیں بھی اسی قسم کی استقامت عطا فرمائے۔ آمین

۲۷۔ کسی کے ساتھ حسنِ خُلق کا مظاہرہ کرنا، خندہ پیشانی سے پیش آنا، مروّت واحسان کرنا اور بات ہے لیکن کسی کی اطاعت و اتباع کا معاملہ بالکل دوسرا ہے۔ اتباع فقط اسی کی کرنی چاہیے جو ہر طرف سے رخ پھیر کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجّہ ہو۔ محبّت و مودّت کے سارے رشتے توڑ کر ایک اللہ کی محبّت اپنے دل میں بسائے اور جس کسی کے ساتھ وہ محبت کرے فقط اسی لیے کہ یہ اس کے محبوب کا محبوب اور پیارا ہے۔ علمائے تفسیر نے فرمایا ہے کہ ''مَنۡ اَنَابَ'' سے یہاں مراد حضرت ابوبکر صدیق ہیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) آپ کی انابت الی اللہ کی شان دیکھنی ہو تو آپ کی کتابِ زندگی کا مطالعہ کیجیے۔ آپ کو پتہ چلے گا کہ اللہ کے بندے کیسے ہوتے ہیں اور مصطفےٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مریدانِ باصفا کا کیا مقام ہے؟ آپ جب مشرف باسلام ہوئے تو حضرات سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمٰن ابن عوف، عثمان، طلحہ، زبیر اور سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو فہم و فراست، دنیاوی وجاہت، کاروباری مہارت میں مکہ کے سر برآوردہ لوگوں میں سے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور آکر دریافت کیا:

''اے ابوبکر! کیا تم نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کر دی ہے اور ان پر ایمان لے آئے ہو؟'' آپ نے کہا: ''ہاں! میں تو ایمان لے آیا ہوں اور صدقِ دل سے ان کی رسالت کو تسلیم کر لیا ہے۔'' اتنا جواب سنتے ہی یہ حضرات بارگاہِ مصطفوی میں حاضر ہوئے۔ کلمۂ شہادت پڑھا اور مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ مکہ کے ان زیرک اور معاملہ فہم لوگوں کے نزدیک اسلام کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل یہ تھی کہ ابوبکر جیسا دانا اور ہوشمند شخص اس کو قبول کر چکا ہے۔ (2)

1۔ درمنثور، زیر آیت ہذا، ج5، ص19-318 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج7، ص256

عَلٰى مَاۤ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۚ﴿۱۷﴾ وَ لَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ

ہر مصیبت پر جو تمہیں پہنچے ۳۰؎ بیشک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں ۳۱؎ اور (ذ نکبر کرتے ہوئے) نہ پھیرلے اپنے رخسار کو

لِلنَّاسِ وَ لَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ كُلَّ

لوگوں کی طرف سے اور نہ چلا کر زمین میں اتراتے ہوئے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتا کسی

مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۚ﴿۱۸﴾ وَ اقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ وَ اغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ

گھمنڈ کرنیوالے، فخر کرنیوالے کو ۳۲؎ اور درمیانہ روی اختیار کر اپنی رفتار میں اور دھیمی کر اپنی آواز ۳۳؎

الٰہی! ہمیں بھی ان لوگوں کی پیروی نصیب کر جو تیری یاد، تیرے ذکر اور تیری محبت میں سرشار رہتے ہیں۔ آمین

۲۸؎ اب پھر حضرت لقمان کی موعظت کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ سب سے پہلے آپ نے اپنے بچے کو شرک سے باز رہنے کا حکم دیا۔ اب وہ اسے اللہ تعالیٰ کے علمِ محیط اور قدرتِ کاملہ کا درس دے رہے ہیں۔ رائی کے دانے کی کیا حقیقت ہے۔ سامنے رکھا ہو۔ دن کی روشنی ہو۔ پھر بھی وہ قریب سے ہی نظر آتا ہے۔ لیکن اتنی باریک چیز اگر پتھر کی کسی چٹان میں مستور ہو یا کوئی ذرّہ زمین کی وسعتوں اور آسمان کی پہنائیوں میں گم ہو جائے تو کون انسان ایسا ہے یا کونسا آلہ ہے جس کی مدد سے اس ذرہ کا سراغ لگایا جا سکے؟ ہمارے لیے بیشک یہ ازحد مشکل کام ہے، مگر اتنی چھوٹی چیز کہیں بھی ہو، اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں۔

۲۹؎ مومن کی دو ذمہ داریاں ہیں۔ اپنی ذات کی تکمیل اور دوسروں کی صلاحیتوں کی حتی الوسع نشوونما۔ اپنی ذات کی تکمیل کے لیے نماز کا حکم دیا۔ دوسروں کی تربیت اور تکمیل کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیا۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں: اَقِمِ الصَّلٰوۃَ تَكْمِیْلًا لِنَفْسِكَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ تَكْمِیْلًا لِغَیْرِكَ۔ (روح المعانی) (1)

۳۰؎ اپنے نفس کی اصلاح بھی کوئی آسان کام نہیں۔ صبح شام اپنی خواہشات سے برسرِ پیکار رہنا، نفس کی سرکشی اور غفلت پر اسے ہر وقت جھڑکتے رہنا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ اس کے لیے بڑے صبر اور حوصلہ کی ضرورت ہے۔ اسی طرح ان لوگوں کو جو نیکی سے کوسوں دور ہیں، تقویٰ اور پارسائی کی راہ سے عمر بھر گریزاں رہے ہیں، ان کے دلوں میں نیکی کی الفت پیدا کرنا، انہیں طغیان و عصیاں کی زندگی سے باز رہنے کا حکم دینا ہر کس و ناکس کے بس کا روگ نہیں۔ طعن و تشنیع کے تیروں سے گھائل ہونا پڑتا ہے۔ مالی خساروں اور جسمانی اذیتوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ کبھی کبھی جان کی بازی لگانا پڑتی ہے۔ یہ مرحلہ بھی صبر اور استقامت کے بغیر طے نہیں ہو سکتا، اس لیے حضرت لقمان اپنے فرزند دلبند کو تکمیلِ ذات اور اصلاحِ معاشرہ کی ذمہ داری قبول کرنے کے بعد صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑنے کی تلقین فرما رہے ہیں۔ یہ راہ بڑی جانگداز اور کٹھن ہے، مردانِ پاکباز ہی اس پر گامزن ہو سکتے ہیں۔

۳۱؎ علامہ راغب اصفہانی نے عزم کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے: اَلْعَزْمُ وَالْعَزِیْمَةُ عَقْدُ الْقَلْبِ عَلٰی اِمْضَاءِ الْاَمْرِ (المفردات) (2)

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 21، ص 89   2۔ مفرداتِ راغب، ص 565

یعنی کسی کام کو کرنے کا پختہ ارادہ کر لینا۔ یعنی مذکورہ احکام ان اہم اُمور سے ہیں جن کو انجام دینے کے لیے انسان کو ہمت اور مردانگی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ اَوِ الْمَعْنٰى مِنَ الْاُمُوْرِ الَّتِيْ يَعْزِمُ عَلَيْهَا بِجِدٍّ لِوُجُوْبِهَا (مظہری) (1) یا یہ وہ احکام ہیں جن کو بجا لانے کا اللہ تعالیٰ نے قطعی حکم دیا ہے۔ اَيْ مِمَّا عَزَمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَطَعَهُ قَطْعَ اِيْجَابٍ (روح المعانی) (2)

۳۲ اس آیت کا مطلب بیان کرنے سے پہلے اس کے چند کلمات کی تشریح ضروری ہے۔ تُصَعِّرْ: علامہ ابنِ منظور لکھتے ہیں کہ ''صعر'' اونٹوں کی ایک بیماری کا نام ہے۔ جب یہ لگتی ہے تو اونٹ کی گردن ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔ اَلصَّعَرُ دَاءٌ يَاْخُذُ الْبَعِيْرَ فَيَلْوِيْ مِنْهُ عُنُقَهُ وَيُمِيْلُهُ۔ اسی مناسبت سے جب کوئی شخص ازراہِ غرور ونخوت اپنا منہ لوگوں کی طرف سے موڑ لیتا ہے تو عرب کہتے ہیں قَدْ صَعَّرَ خَدَّهٗ وَصَاعَرَهٗ: اَمَالَهٗ مِنَ الْكِبْرِ۔ اس مفہوم کی تائید کے لیے انہوں نے جریر کا یہ شعر نقل کیا ہے:

وَكُنَّا اِذَا الْجَبَّارُ صَعَّرَ خَدَّهٗ   اَقَمْنَالَهٗ مِنْ مَيْلِهٖ فَتَقَوَّمَا   لسان العرب (3)

''یعنی جب کوئی جابر شخص ازراہِ تکبر اپنے رخسار پھیر لیتا ہے تو ہم بزور شمشیر اس کی کجی کو دور کر دیتے ہیں اور وہ درست ہو جاتا ہے۔''

مَرَحًا: فِي الْمُفْرَدَاتِ الْمَرَحُ شِدَّةُ الْفَرَحِ وَالتَّوَسُّعُ فِيْهِ وَمَرَحَ مَرَحًا اِذَا خَفَّ قَالَهُ ابْنُ الْاَثِيْرِ۔ (تاج العروس) (4) شدتِ فرح وسرور کو ''مَرَحٌ'' کہتے ہیں۔ علامہ ابنِ منظور نے اس کی مزید وضاحت کی ہے۔ لکھتے ہیں: اَلْمَرَحُ شِدَّةُ الْفَرَحِ وَالنَّشَاطُ حَتّٰى يُجَاوِزَ قَدْرَهٗ۔ وَفِيْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ زَعَمَ ابْنُ النَّابِغَةِ اَنِّيْ تِلْعَابَةٌ تِمْرَاحَةٌ۔ قَالَ ابْنُ الْاَثِيْرِ هُوَ مِنَ الْمَرَحِ وَهُوَ النَّشَاطُ وَالْخِفَّةُ۔ وَقَدْ قِيْلَ فِيْ مَرِحَتِ الْعَيْنُ اِنَّهَا بِمَعْنٰى اَسْبَلَتِ الدَّمْعَ وَكَذٰلِكَ السَّحَابُ اِذَا اَسْبَلَ الْمَطَرَ (لسان العرب) (5) یعنی مرح اس شدتِ فرح ونشاط کو کہتے ہیں جو حد سے بڑھی ہوئی ہو۔ علامہ ابنِ اثیر کا حوالہ دیتے ہیں کہ اُن کے نزدیک مرح اس نشاط کو کہتے ہیں جس میں خفت یعنی ہلکا پن اور سُبکی پائی جائے۔ جس طرح کم ظرف لوگ خوشی اور مسرّت کے وقت ادب واخلاق کے تقاضوں کو بھی پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ حیاء اور مروّت کی چادر بھی اتار کر پرے پھینک دیتے ہیں اور ایسی ناشائستہ حرکتیں کرتے ہیں جنہیں دیکھ کر شرم کی آنکھ نمناک ہو جاتی ہے۔ مُخْتَالٍ: اس متکبر کو کہتے ہیں جس میں تکبّر کے علاوہ خود پسندی کا عیب بھی پایا جاتا ہو۔ اَلْمُخْتَالُ مُتَكَبِّرٌ ذُوْ خُيَلَاءَ مُعْجَبٌ بِنَفْسِهٖ (تاج) (6) علامہ ابنِ منظور نے اس لفظ کی تشریح کے ضمن میں ابواسحٰق کا یہ قول بھی نقل کیا ہے۔ قَالَ اَبُوْ اِسْحٰقَ الْمُخْتَالُ الصَّلِفُ الْمُتَبَاهِيْ الْجَهُوْلُ الَّذِيْ يَاْنَفُ مِنْ ذَوِيْ قَرَابَتِهٖ اِذَا كَانُوْا فُقَرَاءَ وَمِنْ جِيْرَانِهٖ اِذَا كَانُوْا كَذٰلِكَ وَلَا يُحْسِنُ عِشْرَتَهُمْ (لسان العرب) (7) یعنی مختال اس لاف زنی کرنے والے نادان کو کہتے ہیں جو اپنے غریب رشتہ داروں سے نفرت کرتا ہے اور مفلس پڑوسیوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک نہیں کرتا۔ فَخُوْرٍ: مبالغہ کا صیغہ ہے۔ بہت اترانے والا، فخر کرنے والا۔ خصوصاً وہ شخص جو ایسی چیزوں پر فخر کرے جو اس کے ذاتی کمالات سے نہیں، بلکہ خارجی امور کی بنا پر اترائے مثلاً مال و دولت، جاہ ومنصب وغیرہ (8)۔ ان کلمات کی لغوی تحقیق کے بعد اب اس آیت کو پڑھیے اور اس کے مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کیجیے آپ کو مزہ آ جائے گا۔ اور قرآن کے حسنِ اعجاز پر آپ سو جان سے قربان ہونے لگیں گے۔ آیت کا مُدعا تو تکبّر وغرور سے اجتناب کرنے کی تاکید کرنا ہے،

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 258
2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 21، ص 89
3۔ لسان العرب، ج 4، ص 456
4۔ تاج العروس، ج 2، ص 221
5۔ لسان العرب، ج 2، ص 92-591
6۔ تاج العروس، ج 7، ص 314
7۔ لسان العرب، ج 11، 228
8۔ تاج العروس، ج 3، ص 465

إِنَّ أَنكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ﴿١٩﴾ أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم

بیشک سب سے وحشت انگیز آواز گدھے کی آواز ہے کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمانبردار بنا

مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَ

دیا ہے تمہارے لیے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے ۳۴ اور تمام کردی ہیں اُس نے تم پر ہر قسم کی نعمتیں

بَاطِنَةً ۗ وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى

ظاہری بھی اور باطنی بھی ۳۵ اور بعض ایسے (نادان) لوگ بھی ہیں جو جھگڑتے ہیں (رسولِ کریم سے) اللہ تعالیٰ کے بارے میں نہ انکے پاس علم

وَلَا كِتَابٍ مُّنِيرٍ ﴿٢٠﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ

ہے نہ ہدایت اور نہ کوئی روشن کتاب ۳۶ اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ پیروی کرو جو اللہ تعالےٰ نے اتارا ہے ۳۷ کہتے ہیں (نہیں) بلکہ ہم تو پیروی

لیکن غرور کی کوئی ایک شکل تو نہیں۔ اس کے متعدد مظاہر اور رُوپ ہیں۔ کئی جلی اور کئی خفی۔ ایک جملہ میں سبھی کی نشاندہی بھی کردی اور اُن سے دور رہنے کا حکم بھی دے دیا۔ اس جامعیت اور اعجاز نے فصحائے عرب کو جو لُغت کی لطافتوں کو جانتے تھے، دنگ کر دیا تھا۔ اسی کلامِ معجز نظام کو سن کر بڑے بڑے شعراء نے شعر گوئی ترک کردی تھی۔ اسلام کے دشمن قرآن کی اس رعنائی کے باعث شمعِ اسلام کے پروانے بن گئے تھے۔ سُبْحَانَ مَنْ اَنْزَلَهٗ وَسَلَامٌ عَلٰی مَنْ اُنْزِلَ عَلَيْهِ وَاَرْسَلَهٗ بَشِيْرًا وَنَذِيْرًا۔

علامہ آلوسی نے لا تصعر کا ایک معنی ابن خویز منداد سے نقل کیا ہے، وہ بھی خوب ہے ”کہ اپنے نفس کو کسی کے سامنے بلاوجہ ذلیل نہ کرے اور احساسِ کہتری سے کسی کے سامنے ہر وقت گردن نہ جھکائے رکھے۔ وَقَالَ ابْنُ خُوَيْزِ مَنْدَادُ نَهٰى اَنَّهٗ يُذِلُّ نَفْسَهٗ مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ فَيَلْوِىْ عُنُقَهٗ (روح المعانی) (1) بیشک فخر وغرور بھی بری چیز ہے لیکن بے جا تواضع، ذلتِ نفس اور اپنے آپ کو ہر وقت حقیر بنائے رکھنا اس سے بھی بری بات ہے۔ قرآن نے ان دونوں چیزوں سے اپنے ماننے والوں کو باز رہنے کا حکم دیا ہے۔

۳۳ رفتار اور گفتار کے آداب سکھائے کہ چلو تو وقار و متانت کے ساتھ۔ بات کرو تو بلاضرورت آواز کو بلند نہ کرو کہ طبعِ سلیم پر گراں گزرے اور سننے والا وحشت محسوس کرنے لگے۔ جس طرح گدھا زور سے ہینگتا ہے اور سارا ماحول ناگوار شور سے بھر جاتا ہے۔

۳۴ حضرت لقمان کا بیان ختم ہوا۔ اب پھر منکرینِ توحید کے سامنے توحید کے تکوینی دلائل پیش کیے جا رہے ہیں اور ان میں غور وفکر کی پُرخلوص دعوت دی جا رہی ہے۔

کسی چیز کو جبراً وقہراً کسی خاص مقصد کے لیے مصروفِ کار کر دینے کو تسخیر کہتے ہیں۔

اَلتَّسْخِيْرُ سِيَاقَةٌ اِلَى الْغَرَضِ الْمُخْتَصِّ قَهْرًا (المفردات) ارشاد ہے(2) ذرا بلندیوں اور پستیوں پر نظرِ عبرت ڈالو۔ آسمان، ستارے، مہر و ماہ، زمین، پانی، کھلے میدان، ان میں لہلہاتے ہوئے کھیت، اونچے اونچے پہاڑ، سرسبز وادیاں، طیور و

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 21، ص 90 2۔ مفردات راغب، ص 402

مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ

کریں گے اس کی جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادا کو۔ کیا وہ (انہیں کا اتباع کریں گے) خواہ شیطان انہیں (اس طرح) دعوت دے

السَّعِيْرِ ﴿۲۱﴾ وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ

رہا ہو بھڑکتے ہوئے عذاب کی ۳۸ اور جو شخص اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیتا ہے درآں حال کہ وہ محسن ہو، تو بیشک

بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۲۲﴾ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ

اس نے مضبوطی سے پکڑ لیا مضبوط حلقہ کو ۳۹ اور اللہ کی طرف ہی ہے تمام کاموں کا انجام ۴۰ اور جس نے کفر کیا تو نہ غمزدہ کرے

وحوش ہر چیز تمہاری مختلف قسم کی خدمات انجام دے رہی ہے۔ بعض سے تم خود کام لیتے ہو اور بعض تمہاری دسترس سے باہر ہیں۔ لیکن خالقِ کریم نے اپنے اوامرِ تکوینی سے انہیں تمہاری خدمت پر کمربستہ کر دیا ہے۔

۳۵ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ظاہری اور باطنی نعمتوں کی تم پر انتہا کر دی ہے۔ اگر انہیں گننا چاہو تو گن نہ سکو۔ ساری عمر سجدۂ شکر ادا کرتے رہو تو شکر کا حق ادا نہ ہو سکے گا۔ اتنی نوازشات اور عنایات کے باوجود اگر تم اپنے رب کو نہ پہچانو تو ظلم کی انتہا ہے۔

ظاہری نعمتوں سے مراد حسنِ صورت، اعضاء کا صحیح و کامل ہونا، رزق، عافیت اور دوسری دنیاوی نعمتیں، ان کے علاوہ ایمان، قرآن محبوبِ رب العلمین کی غلامی کا شرف، اطاعتِ نبوی کی توفیق، اسلام کی فتح، کفر کی شکست بھی اللہ تعالیٰ کی ظاہری جلیل القدر نعمتیں ہیں۔ اور باطنی نعمتوں کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ پانی پتی لکھتے ہیں: ''دل، عقل، حواسِ باطنہ، حسنِ اخلاق، الہام سے رہنمائی، گناہوں کا ڈھانپنا اور جلدی مؤاخذہ نہ کرنا''۔ آخر میں فرماتے ہیں: وَنُوْرُ مَعْرِفَةِ اللّٰهِ وَنَارُ عِشْقِهٖ وَرَسُوْلِهٖ وَشَفَاعَةُ رَسُوْلِهٖ (مظہری)(1) اور باطنی نعمتوں میں سے سب سے بڑی اللہ کی معرفت کا نور، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے عشق کی آتشِ سوزاں اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت۔

۳۶ جو شخص علم سے بے بہرہ ہو، نورِ ہدایت سے محروم ہو، اس کے پاس کوئی ایسی کتاب بھی نہ ہو جو اپنی روشنی سے جہالت کی تاریکیوں کو منور کر رہی ہو اس شخص کو قطعاً یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ اس ہستی سے الجھے جس کے سینے میں علمِ لدنی کے سمندر موجزن ہیں جس کی ذاتِ اقدس رشد و ہدایت کا منبع ہے اور جو قرآنِ کریم جیسی تابندہ اور درخشندہ کتاب کی امین ہے۔ عرب کے یہ مشرک بھی کیا کندۂ ناتراش ہیں جو میرے مصطفیٰ سے اُلجھ رہے ہیں۔

۳۷ جب انہیں قرآنِ کریم کی پیروی کی دعوت دی جاتی ہے، تو عقل کے دشمن اسے ٹھکرا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اسی ڈگر پر عقل و دانش کا منہ چڑاتے ہوئے آنکھیں بند کیے چلے جائیں گے جس پر ہمارے باپ دادا چلتے رہے تھے۔

۳۸ ان کی یہ بہکی بہکی باتیں شیطان کی وسوسہ اندازی کا نتیجہ ہیں۔ اس لعین کی تو یہ کوشش ہے کہ وہ انہیں جہنّم کے دہکتے ہوئے شعلوں میں دھکیل دے۔ یہ تو ان کا کام تھا کہ اپنی اس بے جا ضد کے انجام سے بچتے، وقت گزرنے سے پہلے اپنی اصلاح کر

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 260

كُفْرُهٗ ؕ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ

آپ کو اس کا کفر۔ ہماری طرف ہی انہیں لوٹنا ہے پس ہم آگاہ کریں گے انہیں جو انہوں نے کیا تھا۔ بیشک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے جو

الصُّدُوْرِ ﴿۲۳﴾ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۲۴﴾

کچھ سینوں میں (چھپا) ہے ۔ ہم لطف اندوز ہونے دیں گے انہیں تھوڑی دیر پھر ہم انہیں ہانک کر لے جائیں گے سخت عذاب کی طرف ۴۲

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ

اور اگر دریافت کریں ان سے کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے فرمایئے

الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

الحمد للہ (حق واضح ہو گیا) بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے ۴۳ اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ

یقیناً اللہ ہی بے نیاز ہے (اور) ہر تعریف کے لائق ۴۴ اور اگر زمین میں جتنے درخت ہیں قلمیں بن جائیں اور

لیتے لیکن یہ تو ادھار کھائے بیٹھے ہیں کہ ہر حال میں وہ شیطان کی پیروی کریں گے خواہ ان کی یہ احمقانہ حرکت انہیں جہنم رسید کر دے۔

۳۹ علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ تسلیم کی طرح یہاں اسلام کا معنی بھی تفویض ہے یعنی اپنے تمام امور کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دینا۔ اپنے جسم اور روح کو، اپنے قالب اور قلب کو اس کے احکام کے سامنے سرافگندہ کر دینا (1)، لیکن اس کے لیے صرف زبان سے کہہ دینا کافی نہیں، ورنہ سچے اور جھوٹے کی پہچان کیسے ہوگی؟ اس لیے ساتھ ہی وھو محسنٌ فرمادیا کہ زبان سے بھی یہ کہے کہ میرے سارے کام اللہ کے سپرد ہیں اور حسنِ عمل سے اپنے اس قول کی صداقت بھی ثابت کر دے۔ اگر اس نے یہ دونوں کام کر لیے تو اس نے ایک ایسی مضبوط رسی کو پکڑ لیا جو کبھی نہ ٹوٹے گی اور اسے مضبوطی سے پکڑ لینے کے بعد اسے گرنے کا اندیشہ نہیں رہے گا۔

مُحْسِنٌ، احسان سے ہے۔ احسان کی تشریح حدیثِ جبریل میں مذکور ہے۔ حضرت جبریل بارگاہِ رسالت میں زانو شکستہ با ادب بیٹھے ہیں اور سوال پوچھ رہے ہیں۔ ان میں ایک سوال یہ تھا۔ مَا الْاِحْسَانُ؟ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اے اللہ کے رسول! احسان کا کیا مطلب ہے؟ اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ (2)۔ یعنی احسان اس کیفیت کو کہتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو گویا تم اس کے نورِ جمال کا مشاہدہ کر رہے ہو اور اگر تمہاری اس منزل پر رسائی نہیں تو کم از کم یہ تصور تو پختہ ہو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

۴۰ سب کاموں کا انجام پانا اسی کے دستِ قدرت میں ہے۔ اس سے روگردانی کر کے غیروں کو اس کا شریک بنانا کہاں کی

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 21، ص 95   2۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب سوال الجبرائیل النبی ﷺ، ج 1، ص 12

وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ

سمندر سیاہی بن جائے اور اس کے علاوہ سات سمندر اسے (مزید) سیاہی مہیا کریں تو پھر بھی ختم نہیں ہوں گی اللہ کی باتیں بیشک

اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۷﴾ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ اِنَّ

اللہ سب پر غالب، بڑا دانا ہے ۴۵ نہیں ہے تم سب کو پیدا کرنا اور مارنے کے بعد پھر زندہ کرنا (اللہ کے نزدیک) مگر ایک نفس کی مانند

اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۸﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ

بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے ۴۶ کیا تم نے ملاحظہ نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن

فِى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِىْۤ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّ

کو رات میں اور اس نے کام میں لگا دیا ہے سورج اور چاند کو، ہر ایک چل رہا ہے (اپنے مدار میں) وقت مقرر تک اور

دانشمندی ہے؟ ۴۱ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی دے رہے ہیں۔

۴۲ اہلِ حق باطل پرستوں کی شان وشوکت اور کروفر سے مرعوب نہ ہوں، یہ تو محض چار دن کی چاندنی ہے اور پھر اندھیری رات۔

۴۳ کفر وشرک میں مگن یہ لوگ خرمستیاں کر رہے ہیں۔ ان خود فراموشوں سے پوچھو کہ آسمانوں کا خالق کون ہے؟ زمین کو کس نے پیدا کیا؟ کیا تمہارے ان خداؤں نے؟ جنہیں تم نے کل اپنے ہاتھوں سے گھڑا اور انہیں اپنا مسجود بنا لیا۔ کیا ارض وسماء کے خالق یہ ہیں؟ انہیں ناچار یہ کہنا پڑے گا کہ ارض وسماء کا پیدا کرنے والا اللہ ہے۔ اے مسلمانو! اللہ کا شکر ادا کرو کہ حقیقت واضح ہوگئی، سچ ظاہر ہوگیا اور منکرینِ توحید کو بھی توحید کا اقرار کرنا پڑا۔

۴۴ آسمانوں اور زمین کا خالق بھی وہی ہے اور ان میں جو کچھ ہے اس کا مالک بھی وہی ہے۔ زبانِ قال سے نہ سہی ہر چیز زبانِ حال سے تو اس کی ثناء گستری میں زمزمہ سنج ہے۔ وہ غنی ہے، اسے کسی کی ضرورت نہیں سب کو اسی کی ضرورت ہے۔

۴۵ روئے زمین پر جتنے درخت ہیں ان کی قلمیں بنالی جائیں اور سمندر روشنائی بن جائے اور جب ایک سمندر کا پانی ختم ہونے لگے تو یکے بعد دیگرے سات سمندروں کے پانی روشنائی بنتے چلے جائیں، قلمیں گھس کر رہ جائیں گی، سات سمندروں کا پانی ختم ہو جائے گا، لیکن علمِ الٰہی کا ایک قلیل حصہ بھی رقم نہیں ہو سکا ہوگا۔ دانائے شیراز نے بھی اپنی حد تک خوب کہا ہے۔

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر ماہمچناں در اوّلِ وصفِ تو ماندہ ایم (1)

"کاغذ ختم ہو گیا، عمر انتہا کو پہنچ گئی۔ ہم ساری زندگی سمندِ قلم دوڑاتے رہے، تیری صفات کا احاطہ تو کجا ابھی تو تیرے پہلے وصف کا بیان بھی مکمل نہیں ہوا"۔

اب ذرا آیت کے کلمات میں غور کیجیے، وَالْبَحْرُ کے بعد لفظ مِدَادٌ مقدر ہے۔ کیونکہ یَمُدُّهٗ کا لفظ اس کے معنی پر دلالت کر

1۔ گلستان سعدی، ص 8، مکتبہ امدادیہ، ملتان

اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿٢٩﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا

یقیناً اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو خوب جاننے والا ہے ۴۷ یہ ہیں اس کی قدرت کے کرشمے تا کہ وہ جان لیں کہ اللہ ہی حق ہے

يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿٣٠﴾ اَلَمْ تَرَ

اور بلاشبہ جنہیں وہ پکارتے ہیں اسکے سوا وہ سب باطل ہیں اور بلاشبہ اللہ ہی بڑی شان والا بزرگ ہے ۴۸ کیا تم ملاحظہ

اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ

نہیں کرتے کہ کشتی چلتی ہے سمندر میں محض اس کی مہربانی سے تا کہ وہ دکھائے تمہیں اپنی (قدرت کی) نشانیاں۔ بیشک

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿٣١﴾ وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا

اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ہر صبر کرنے والے شکر گزار کے لیے ۴۹ اور جب ڈھانپ لیتی ہیں انہیں پہاڑوں جیسی موجیں

رہا ہے، اس لیے اس کا عدم ذکر باعث خلل نہیں۔(1)

وَالْبَحْرُ مبتدا ہے یَمُدُّهٗ اس کا حال بھی بن سکتا ہے اور خبر بھی۔ پھر یہ جملہ حال واقع ہوگا۔ كَلِمٰتُ اللّٰهِ سے مراد اللہ تعالیٰ کے علوم ہیں کیونکہ وہ غیر متناہی ہیں، اس لیے ان کی گنتی اور شمار محال ہے۔ وَالْمُرَادُ بِكَلِمَاتِهٖ تَعَالٰى كَلِمَاتُ عِلْمِهٖ سُبْحَانَهٗ وَحِكْمَتِهٖ جَلَّ ثَنَاءُهٗ (روح المعانی)(2)

۴۶ کفار وقوعِ قیامت کے قائل نہ تھے۔ انہیں یہ بات سمجھ نہ آتی تھی کہ صدہا بلکہ ہزارہا ہزار سال گزرنے کے بعد مردوں کو کس طرح زندہ کیا جائے گا؟ ان کی اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا کہ ایسا کرنے والا ماوشما قسم کا انسان نہیں جس کا علم بھی ناقص ہو اور قدرت بھی ناتمام، بلکہ مردوں کو دوبارہ زندگی بخشنے والا اللہ تعالیٰ ہے جس کا علم ہر چھوٹی بڑی چیز کو محیط ہے اور جس کی قدرت کے سامنے کوئی چیز محال نہیں۔ اس کے لیے ایک آدمی کو پیدا کرنا اور اس کو مار کر دوبارہ زندہ کرنا جس طرح آسان ہے اسی طرح سب کو پیدا کرنا اور انہیں مار کر دوبارہ زندہ کرنا بھی اس کے لیے ذرا مشکل نہیں۔

۴۷ پہلی آیت میں بتایا کہ ایک فرد کو پیدا کرنا، مارنا اور مار کر جلانا اور کروڑوں کھربوں انسانوں کو پیدا کرنا اور مارنا، مار کر جلانا اللہ تعالیٰ کے لیے یکساں ہے۔ اس آیت میں قدرتِ خداوندی کے چند عظیم الشان کارناموں کی طرف انسان کی توجہ مبذول کرائی اور اس کی غلط فہمی کا ازالہ کر دیا۔

۴۸ اللہ تعالیٰ کا علمِ محیط، قدرتِ کاملہ، آفرینشِ عالم میں اس کی حکمتِ بالغہ کی جلوہ طرازیاں اس بات کی تصدیق کر رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا وجود حق ہے۔ اس کی قدرت حق ہے، اس کی کبریائی اور عظمت حق ہے، وہی اور صرف وہی معبودِ برحق ہے۔ اس کے علاوہ وہ جسے خدا سمجھ کر پکارتے ہیں یا جس کی عبادت کرتے ہیں، وہ باطل ہے۔ باطل کا مفہوم علامہ آلوسی یوں تحریر فرماتے ہیں: اَلْمَعْدُوْمُ فِيْ حَدِّ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 261 2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 21، ص 100-98

اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ وَمَا

اس وقت پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ کو خالص کرتے ہوئے اس کے لیے اپنے عقیدہ کو۔ پھر جب بچا لاتا ہے انہیں ساحل تک تو ان میں سے

يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا

(چند ہی) حق پر رہتے ہیں۔ اور نہیں انکار کرتا ہماری آیتوں کا مگر ہر وہ شخص جو غدّار (اور) ناشکرا ہے۔ اے لوگو! ڈرتے رہا کرو اپنے رب سے اور ڈرو

ذَاتِهٖ وَهُوَ الْمُمْكِنُ الَّذِيْ لَا يُوْجَدُ اِلَّا بِغَيْرِهٖ(1)۔ جو چیز اپنی ذات کے اعتبار سے معدوم ہو اور خالق کے ارادہ کے بغیر وہ نیست سے ہست نہ ہو سکتی ہو۔ وَاَنَّمَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ اِلٰهًا الْبَاطِلُ (روح المعانی) (2) یعنی جنہیں وہ خدا سمجھ کر پکارتے ہیں، وہ سب باطل ہیں۔ علامہ پانی پتی نے بھی یہی لکھا ہے۔ وَاَنَّمَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ (مِنَ الْاٰلِهَةِ) الْبَاطِلُ (مظہری) (3) علامہ قرطبی نے مِنْ دُوْنِهٖ کی تفسیر شیطان سے کی ہے۔ ایک قول یہ بھی لکھا ہے: مَا اَشْرَكُوْا بِهِ اللّٰهَ تَعَالٰى مِنَ الْاَصْنَامِ وَالْاَوْثَانِ (4)۔ یعنی وہ بت جنہیں وہ اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا کرتے تھے، وہ باطل ہیں۔ مولانا تھانوی نے اس جملہ کا یوں ترجمہ کیا ہے: ''اور جن چیزوں کی یہ اللہ کے سوا عبادت کر رہے ہیں بالکل لچر ہیں۔ (5)'' حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو'' کہ آنچہ مے پرستند بجز وے بے اصل است'' (6)۔

۴۹ قدرتِ خداوندی کے مزید دلائل بیان کیے جا رہے ہیں۔ سمندر کی وسعتیں، اس کی گہرائیاں، اس میں پہاڑوں کی طرح اٹھنے والی موجیں، قدم قدم پر حلقہ ہائے گرداب اور ان میں ایک کشتی اپنی پشت پر سینکڑوں ہزاروں انسانوں کو بٹھائے، اپنے دامن میں لاکھوں ٹن سامان لیے بپھری ہوئی لہروں سے آنکھ مچولی کرتی، گردابوں سے دامن بچاتی اپنی منزل کی طرف چلی جا رہی ہے۔ کیا یہ قدرتِ خداوندی کا اعجاز نہیں؟ سمندر میں بھی آیاتِ ربانی کا مینا بازار سجا ہوا ہے اور اس کے ایک ایک قطرے میں کئی جہاں آباد ہیں، کئی خزانے چھپے ہیں، کئی قوتیں خوابیدہ ہیں۔ لیکن قدرت کے یہ جلوے صرف ان باہمت لوگوں کے لیے اپنے رُخ سے نقاب اٹھاتے ہیں جو صبر کی صفت سے متصف ہیں، غور و تدبر کے خوگر ہیں۔ پیہم ناکامیوں سے شکستہ خاطر نہیں ہوتے بلکہ ہمت سے آگے ہی بڑھنے کی دھن ان کو بیقرار رکھتی ہے۔ انہی باہمت لوگوں پر انعام و اکرام کی بارش ہوتی ہے۔ صَبَّارٌ شَكُوْرٌ کے کلمات کیا ہمارے نوجوانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لیے، تن آسانی اور آرام طلبی کے گوشوں سے باہر نکال دینے کے لیے، ان کے منجمد جذبات میں آتشِ شوق لگانے کے لیے کافی نہیں؟ کاش! ہم اس کتابِ حکیم کی طرف ایسی توجہ کرتے جس کی وہ مستحق ہے، تو آج ہم اپنی پستی پر سرد آہیں نہ بھرتے اور اغیار کی سرعتِ رفتار پر تصویرِ حیرت بنے کھڑے نہ ہوتے۔

اے تماشہ گاہِ عالم روئے تو تو کجا بہر تماشہ می روی (7)

ہمارے اسلاف جنہوں نے قرآنِ کریم کو پڑھا جس طرح اس کو پڑھنے کا حق تھا، جنہوں نے اس میں غور و تدبر کیا جس طرح اس میں غور و تدبر کرنے کا حکم دیا گیا تھا، اور جنہوں نے اس پر عمل کرنا باعثِ سعادت جانا ان کے کارواں جن صحراؤں

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 21، ص 103 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 262

4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 14، ص 79 5۔ ترجمہ و تفسیر بیان القرآن از اشرف علی تھانوی، ص 809، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور، کراچی

6۔ ترجمہ قرآن مجید از شاہ ولی اللہ مع تفسیر حسینی، ص 665، مطبوعہ بمبئی 7۔ کلیاتِ اقبال فارسی، اسرار و رموز، پیش کش بحضور ملت اسلامیہ، ص 81

يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۫ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ

اس دن سے کہ نہ بدلہ دے سکے گا کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے اور نہ ہی بیٹا بدلہ دے سکے گا اپنے باپ کی جانب

شَيْـًٔا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ٙ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ

سے کچھ بھی بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور نہ دھوکہ دے تمہیں دنیوی زندگی ٥١ اور نہ فریب میں

سے گزرے وہاں علم و حکمت کے گلشن آباد ہو گئے۔ جن ویرانوں سے گزرے وہاں شہر بسا دیئے۔ جس سنگِ خارا کو چھوا اسے حسن و جمال کا مظہر بنا دیا۔ انہوں نے مردہ علوم کو حیاتِ نو بخشی اور نئے علوم کی تخم ریزی کی۔ جب اپنے اسلاف کے علمی، تحقیقی اور تخلیقی کارناموں سے فائدہ اٹھانے کا وقت آیا تو ہم غفلت کی چادر تان کر سو گئے۔ شاعرِ مشرق نے یہ منظر دیکھا، تو فرمایا:

دانہ آں صحرا نشیناں کاشتند حاصلش افرنگیاں برداشتند

''یعنی علم و حکمت کا بیج تو عرب کے صحرا نوردوں نے بویا تھا، لیکن جب فصل پک گئی تو ان کی آنے والی نسلیں سو گئیں اور افرنگی اس فصل کو کاٹ کر لے گئے''۔ صبّارٌ اور شکورٌ دونوں مبالغے کے صیغے ہیں یعنی بہت صبر کرنے والے۔ طویل عرصہ تک انتھک کوشش کرنے والے، بہت شکر کرنے والے، اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو اس کی مخلوق کی بہبود اور فلاح میں خرچ کر کے حق شکر ادا کرنے والے۔ معلوم ہوا کہ یہاں تھوڑے سے صبر سے کام نہیں چلے گا اور زبانی اظہارِ تشکّر کافی نہیں ہو گا بلکہ اس کے لیے صَبَّارٌ شَكُوْرٌ کے معیار پر پورا اترنا پڑے گا۔

۵۰ کفار و مشرکین کی احسان فراموشی کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ ظُلَلٌ کا واحد ظُلَّةٌ ہے۔ جو چیز سایہ کرے۔ پہاڑ، بادل وغیرہ اسے ظلہ کہتے ہیں۔ مُقْتَصِدٌ: میانہ رو۔ خَتَّارٌ: خَتَرَ سے ہے اس کا معنی سخت قسم کا دھوکہ اور غداری ہے۔ (1)

۵۱ دلائلِ توحید کے اثر انگیز بیان کے بعد سب لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور روزِ محشر کی رسوائی سے بچنے کی ہدایت کی جا رہی ہے۔ اسلام نے اصلاحِ نفس کے لیے تعزیرات اور سزاؤں پر اتنا اعتماد نہیں کیا جتنا انسان کے دل کی دنیا بدلنے اور اس کے نظریات میں انقلاب برپا کرنے پر زور دیا ہے۔ انسان بعض غلط فہمیوں میں مبتلا ہو کر گناہ کا ارتکاب کرتا رہتا ہے، اس لیے سورت کے اختتام سے پہلے ان غلط فہمیوں کا ازالہ بھی کر دیا۔ کبھی یہ غلط فہمی انسان کو گناہ پر برانگیختہ کرتی ہے کہ اس کا بوجھ کوئی اور اٹھا لے گا۔ اس کا بارِ گناہ کسی دوسرے کی گردن پر لاد دیا جائے گا اور وہ بچ جائے گا۔ بتا دیا کہ دنیا میں باپ اور بیٹے کا تعلق محتاجِ بیان نہیں۔ والدین اپنی اولاد کے آرام کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی دینے سے گریز نہیں کرتے، اولاد بھی والدین کی پریشانی اور تکلیف کسی قیمت پر برداشت نہیں کرتی، لیکن قیامت کے روز نہ کوئی باپ اپنے بیٹے کو عذابِ الٰہی میں مبتلا دیکھ کر یہ کہے گا مجھ سے اپنے بیٹے کی چیخ و پکار سنی نہیں جا سکتی اسے بخش دو اور اس کی جگہ مجھے دوزخ میں ڈال دو۔ اسی طرح کوئی بیٹا بھی اپنے باپ کے بارِ گناہ کو اٹھانے کے لیے تیار نہ ہو گا۔ ہر ایک کو اپنا بوجھ خود اٹھانا ہو گا۔ ہر ایک کو اپنے کیے کی سزا خود بھگتنی

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 263

بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَ

مبتلا کرے تمہیں اللہ سے، وہ بڑا مکار دھوکہ باز۔ بیشک اللہ کے پاس ہی ہے قیامت کا علم اور وہی اتارتا ہے مینہ اور

يَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِيْ

جانتا ہے جو کچھ (ماؤں کے) رحموں میں ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کمائے گا۔ اور کوئی نہیں جانتا

نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۳۴﴾

کہ کس سرزمین میں مرے گا ۵۲ بیشک اللہ تعالیٰ علیم (اور) خبیر ہے۔

ہوگی۔ دوسری غلط فہمی جس کا ازالہ یہاں مقصود ہے یہ ہے کہ دنیا کی زیب و زینت دل موہ لیتی ہے۔ نشاط و سرور کے جو جام اس میخانہ میں پلائے جاتے ہیں ان کا نشہ بھی ہوشربا ہوتا ہے۔ بڑے بڑے زیرک متاعِ دین و ہوش کو اس کے قدموں پر نثار کر دیتے ہیں۔ فرمایا: اس عروسِ ہزار داماد کے فریب میں نہ آنا۔ اس نے آج تک کسی کے ساتھ وفا نہیں کی۔ تم اس سے وفا کی توقع کیونکر رکھتے ہو؟ ہوش کرو اس طوطا چشم عجوزہ کے لیے اپنے رب کریم سے تعلق منقطع نہ کرو ورنہ پچھتاؤ گے، ہونٹ کاٹو گے لیکن بے سود۔ تیسری غلط فہمی جس کا یہاں ازالہ مقصود ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حلم پر مغرور نہ ہو جاؤ۔ اگر تمہاری پے در پے سرکشیوں کے باوجود اس نے تمہیں عذاب کے شکنجہ میں نہیں کسا تو یہ نہ سمجھو کہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہے گا۔ یہ محض نفس کا فریب اور شیطان کا دھوکہ ہے۔ اس کریم نے مہلت کی جو گھڑیاں تمہیں عطا فرمائی ہیں انہیں غنیمت جانو اور توبہ کر لو۔ ایسا نہ ہو کہ کسی ایسے عذاب میں مبتلا کر دیئے جاؤ کہ نجات کی ساری راہیں مسدود ہو جائیں۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ غرور کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں "کہ انسان گناہ کرتا رہے اور مغفرت کی تمنا بھی ہو"۔ هُوَ اَنْ يَّعْمَلَ بِالْمَعْصِيَةِ وَيَتَمَنَّى الْمَغْفِرَةَ۔(1)

علامہ زبیدی لفظ غرور کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وَالْغَرُوْرُ اَيْضًا (مَا غَرَّكَ) مِنْ اِنْسَانٍ وَّ شَيْطَانٍ وَّ غَيْرِهِمَا۔ قَالَهُ الْاَصْمَعِيُّ وَقَالَ الْمُصَنِّفُ فِي الْبَصَائِرِ مِنْ مَّالٍ وَّجَاهٍ وَّ شَهْوَةٍ وَّ شَيْطَانٍ (اَوْ يَخُصُّ بِالشَّيْطَانِ) لِاَنَّهٗ يَغُرُّ النَّاسَ بِالْوَعْدِ الْكَاذِبِ وَالتَّمْنِيَةِ وَبِهٖ فُسِّرَ قَوْلُهٗ تَعَالٰى وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ (تاج العروس)(2) ترجمہ: جو چیز تجھے دھوکہ دے اسے غرور کہتے ہیں، چاہے انسان ہو یا شیطان یا کوئی اور یہ اصمعی کا قول ہے۔ مصنف نے بصائر میں لکھا ہے مال، جاہ، شہوت اور شیطان، سب کو غرور کہا جاتا ہے۔ یا اس لفظ سے مراد صرف شیطان ہے کیونکہ وہ جھوٹے وعدوں اور سنہری تمناؤں سے انسان کو دھوکہ دیتا ہے۔ اس آیت میں اَلْغَرُوْرُ کی تفسیر شیطان سے ہی کی گئی ہے۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کسی کے دل میں اس آیت سے یہ شبہ پیدا ہو کہ حدیث شریف میں تو مذکور ہے کہ جس آدمی کے تین کم سن بچے فوت ہو جائیں تو اسے دوزخ کی آگ نہیں جلائے گی۔ اِلَّا تَحِلَّةَ الْقَسَمِ مگر صرف قسم پوری کرنے کے لیے (3)۔ دوسری حدیث شریف میں ہے: مَنِ ابْتُلِيَ بِشَيْءٍ مِّنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ فَاَحْسَنَ اِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهٗ حِجَابًا مِّنَ النَّارِ۔ جس کو بچیوں کا

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 14، ص 81 2۔ تاج العروس، جز 3، ص 443 3۔ مسند امام احمد، ج 2، ص 276

باپ بننے کے امتحان میں مبتلا کیا گیا اور اس نے ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا تو وہ بچیاں اس کے لیے دوزخ سے حجاب بن جائیں گی۔

احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کمسن بچے اور بچیاں والدین کی نجات کا باعث بنیں گی، لیکن آیت سے اس کے برعکس مفہوم اخذ ہوتا ہے۔ علامہ فرماتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ایسا نہیں ہوگا کہ گناہ تو کیا ہو بیٹے نے اور دھر لیا جائے اس کے باپ کو یا نافرمانی تو کی ہو باپ نے اور اس کی جگہ پکڑ لیا جائے اس کے بیٹے کو۔ بلکہ ہر ایک اپنے اپنے اعمال کے لیے جواب دہ ہوگا۔ البتہ شفاعت کا دروازہ کھلا ہوگا اور جس کو اذنِ شفاعت ملے گا وہ شفاعت کرے گا اور ان لوگوں میں نابالغ بچے بھی ہیں اور بچیاں بھی (1)۔ علامہ پانی پتی نے اس آیت کی یہ تفسیر بیان کی ہے: اَیْ لَایَجْزِیْ فِیْهِ وَالِدٌ مُّؤْمِنٌ عَنْ وَلَدِهِ الْكَافِرِ وَلَا مَوْلُوْدٌ مُّؤْمِنٌ عَنْ وَّالِدِهِ الْكَافِرِ۔ (مظہری) (2) یعنی مومن والد کافر بیٹے کے کام نہیں آئے گا اور نہ مومن بیٹا کافر والد کی بخشش کا ذریعہ بنے گا۔ اس تفسیر کے بعد کوئی شبہ پیدا ہی نہیں ہوتا کیونکہ شفاعت گنہگار اہلِ ایمان کے لیے ہے کافر کے لیے نہیں۔

۵۲ علامہ قرطبی اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ هٰذِهِ الْخَمْسَةُ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا اللّٰهُ وَلَا يَعْلَمُهَا مَلَكٌ مُّقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُّرْسَلٌ فَمَنِ ادَّعٰی اَنَّهٗ يَعْلَمُ شَيْئًا مِّنْ هٰذِهٖ فَقَدْ كَفَرَ بِالْقُرْاٰنِ لِاَنَّهٗ خَالَفَهٗ ثُمَّ اِنَّ الْاَنْبِيَاءَ يَعْلَمُوْنَ كَثِيْرًا مِّنَ الْغَيْبِ بِتَعْرِيْفِ اللّٰهِ تَعَالٰی اِيَّاهُمْ وَالْمُرَادُ اِبْطَالُ كَوْنِ الْكَهَنَةِ وَالْمُنَجِّمِيْنَ وَمَنْ يَّسْتَسْقِیْ بِالْاَنْوَاءِ۔

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ یہ پانچ چیزیں وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی نہیں جانتا حتیٰ کہ کوئی مقرب فرشتہ اور کوئی نبی مرسل بھی انہیں خود بخود نہیں جان سکتا۔ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ ان چیزوں میں سے کوئی چیز خود بخود جانتا ہے، اس نے قرآنِ کریم کا انکار کیا کیونکہ اس نے قرآنِ کریم کی مخالفت کی۔ انبیاء ان امورِ غیبیہ میں سے بہت کچھ جانتے ہیں۔ ان کا یہ جاننا اللہ تعالیٰ کی تعلیم اور سکھانے سے ہے۔ اس آیت سے مراد (انبیاء کے علوم کی نفی نہیں بلکہ) کاہنوں، نجومیوں اور جو لوگ بارش کے نزول کو مخصوص ستاروں کے طلوع وغروب سے وابستہ سمجھتے ہیں، ان کی تردید ہے۔ علامہ موصوف اس کے بعد لکھتے ہیں کہ کبھی کبھی طویل تجربہ کے باعث حمل کے لڑکا یا لڑکی ہونے کا علم ہو جاتا ہے لیکن اسے یقینی علم نہیں کہا جا سکتا۔ بڑے بڑے تجربہ کاروں کے تخمینے غلط ثابت ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بات کی تصدیق ہوتی ہے (3)۔ علامہ ثناء اللہ پانی پتی رقمطراز ہیں:

اِنَّمَا جُعِلَ الْعِلْمُ لِلّٰهِ وَالدِّرَايَةُ لِلْعَبْدِ لِاَنَّ فِيْهَا مَعْنَی الْحِيْلَةِ فَيُشْعِرُ بِالْفَرْقِ بَيْنَ الْعِلْمَيْنِ۔ فِی الْقَامُوْسِ دَرَيْتُهٗ عَلِمْتُهٗ اَوْ بِضَرْبٍ مِّنْ حِيْلَةٍ فَفِيْهِ اِشَارَةٌ اِلٰی اَنَّ الْعَبْدَ اِنْ عَمِلَ حِيْلَةً وَّ بَذَلَ فِيْهَا وُسْعَهٗ لَمْ يَعْرِفْ مَا هُوَ لَاحِقٌ بِهٖ مِنْ كَسْبِهٖ وَعَاقِبَتِهٖ فَكَيْفَ بِغَيْرِهٖ مَالَمْ يَحْصُلْ لَهٗ عِلْمٌ بِتَعْلِيْمٍ مِّنَ اللّٰهِ تَعَالٰی بِتَوَسُّطِ الرُّسُلِ اَوْ بِنَصْبِ دَلِيْلٍ عَلَيْهِ۔

ترجمہ: آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف علم کی نسبت کی گئی ہے اور بندے کے لیے درایت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کیونکہ درایت اس جاننے کو کہتے ہیں جس میں ذاتی حیلہ اور غور وفکر کا دخل ہو۔ اس سے دونوں علموں (علم اور درایت) کا فرق معلوم ہو جاتا ہے۔ قاموس میں ہے دَرَيْتُهٗ عَلِمْتُهٗ اَوْ بِضَرْبٍ مِّنْ حِيْلَةٍ کہ درایت کا معنی جاننا یا حیلہ اور فکر ونظر سے کسی چیز کو سمجھنا۔ آیت میں اس چیز کی طرف اشارہ ہے کہ بندہ خواہ کتنا ہی حیلہ کرے اور اپنی ساری ظاہری اور باطنی قوتوں کو صرف کر دے وہ ان چیزوں کو بھی نہیں جانتا جن کا تعلق اس کے ذاتی کسب اور انجام سے ہے، تو وہ دوسری چیزوں کو کیسے جان سکتا ہے؟ ان امور کے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 14، ص 81 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 264 3۔ تفسیر قرطبی، جز 14، ص 82

جاننے کی ایک ہی صورت ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا علم سکھادے، خواہ رسولوں کے ذریعے سے یا اس پر دلائل قائم کر کے۔(1)

علامہ ابنِ کثیر نے ایک فقرے میں ہی ساری الجھنوں کا خاتمہ کر دیا۔ لکھتے ہیں: هٰذِهٖ مَفَاتِيْحُ الْغَيْبِ الَّتِيْ اِسْتَاْثَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِعِلْمِهَا وَلَا يَعْلَمُهَا اَحَدٌ اِلَّا بَعْدَ اِعْلَامِهٖ تَعَالٰى بِهَا(2)۔ یعنی یہ امورِ خمسہ مفاتیح الغیب (غیب کی کنجیاں) ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے ساتھ مختص کر لیا ہے پس انہیں کوئی نہیں جان سکتا سوائے اس بات کے کہ اللہ تعالیٰ اس کا علم سکھادے۔

علامہ آلوسی روح المعانی میں لکھتے ہیں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری شرح بخاری میں علامہ قرطبی کا یہ قول نقل کیا ہے: مَنِ ادَّعٰى عِلْمَ شَيْءٍ مِّنَ الْخَمْسِ غَيْرَ مُسْنَدِهٖ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ كَانَ كَاذِبًا فِيْ دَعْوَاهُ(3)۔ یعنی اگر کوئی شخص ان پانچ امور میں سے کسی کے جاننے کا دعوی کرے اور یہ نہ کہے کہ مجھے یہ علم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطہ سے ملا ہے تو وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہوگا۔

ان تصریحات سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ اُمورِ غیبیہ کے متعلق یہ خیال کہ کوئی خواہ وہ کتنا رفیع المرتبت ہو خود بخود انہیں جان لیتا ہے یہ کذبِ صریح اور افتراءِ محض ہے، بلکہ قرآنِ کریم کی آیاتِ کثیرہ کا انکار ہے۔ اسی طرح یہ گمان کرنا کہ ان امور کو اللہ تعالیٰ کے جتانے سے بھی کوئی نہیں جانتا یا سرورِ کون ومکان، فخرِ زمین وزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خداداد علومِ غیبیہ کثیرہ کا انکار بھی سراسر جہالت اور بدنصیبی ہے اور آیاتِ کثیرہ اور احادیثِ عدیدہ کا انکار ہے۔ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے صدر الافاضل حضرت مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: خلاصہ یہ کہ علمِ غیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ اور انبیاء واولیاء کو غیب کا علم اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے بطریقِ معجزہ وکرامت عطا ہوتا ہے۔ یہ اس اختصاص کے منافی نہیں اور کثیر آیتیں اور حدیثیں اس پر دلالت کرتی ہیں۔ بارش کا وقت، حمل میں کیا ہے اور کل کو کیا کرے گا اور کہاں مرے گا، ان امور کی خبریں بکثرت اولیاء وانبیاء نے دی ہیں۔ اور قرآن وحدیث سے ثابت ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرشتوں نے حضرت اسحاق علیہ السلام کے پیدا ہونے کی اور حضرت زکریا علیہ السلام کو حضرت یحییٰ علیہ السلام کے پیدا ہونے کی اور حضرت مریم کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیدا ہونے کی خبریں دیں تو ان فرشتوں کو بھی پہلے سے معلوم تھا کہ ان حملوں میں کیا ہے اور ان حضرات کو بھی جنہیں فرشتوں نے اطلاعیں دی تھیں، اور سب کا جاننا قرآنِ کریم سے ثابت ہے۔ تو آیت کے معنی قطعاً یہی ہیں کہ بغیر اللہ تعالیٰ کے بتائے کوئی نہیں جانتا۔ اس کے معنی یہ لینا کہ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے بھی کوئی نہیں جانتا محض باطل اور آیات واحادیث کے خلاف ہے۔ (خزائن العرفان)(4) امید ہے کہ ان تفصیلات سے اہلِ سنت کے متعلق طرح طرح کی جو غلط فہمیاں پیدا کرنے کی مذموم کوشش کی جاتی ہے، بفضلہ تعالیٰ ان کا ازالہ ہو جائے گا۔ مزید وضاحت کے لیے سورۃ الاعراف آیت ۱۸۷ ضیاء القرآن، جلد دوم اور سورت النمل آیت ۶۵ ضیاء القرآن جلد ہذا کا مطالعہ بھی فرمائیے۔

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ بِتَوْفِيْقِكَ اِيَّايَ فَرَغْتُ مِنْ تَسْوِيْدِ هٰذِهِ السُّطُوْرِ۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى حَبِيْبِكَ وَمَحْبُوْبِكَ سَيِّدِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج7، ص265
2۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج3، ص453
3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز21، ص112
4۔ خزائن العرفان، زیر آیت ہذا، ص746

عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ۔

صباح یوم الثلاثاء ۴ جمادی الاولی ۱۳۹۱ھ
محمد کرم شاہ

تعارف سورۃ السجدۃ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس سورۂ مبارکہ کا نام ''السجدۃ'' ہے جو اس کی آیت ۱۵ کے مضمون سے ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول: یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ آیات کے اسلوب سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا تعلق مکی زندگی کے درمیانی دور سے ہے جب کہ اسلام کے خلاف کفار نے طعن و تشنیع، استہزاء و تمسخر کی مہم زور شور سے شروع کر دی تھی لیکن ابھی عمومی ظلم وستم اور جور و جفا کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ اس سورت کی آیات کی تعداد تیس ہے۔ یہ تین صد اسی کلمات پر مشتمل ہے اور اس کے ایک ہزار پانچ سو اٹھارہ حروف ہیں۔ (خزائن العرفان)(1)

مضامین: اس سورت کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قوم کو تین امور کے ماننے کی دعوت دی تھی اور وہ کسی قیمت پر انہیں ماننے کے لیے تیار نہیں تھے۔ (۱) اللہ تعالیٰ ہے اور وحدہٗ لاشریک ہے۔ (۲) یہ کتاب جس کی آیتیں میں تمہیں پڑھ کر سناتا ہوں یہ اسی وحدہٗ لاشریک نے تمہاری ہدایت کے لیے مجھ پر نازل کی ہے۔ (۳) تمہیں مرنے کے بعد بھلا نہیں دیا جائے گا بلکہ قیامت کے روز تمہیں اپنی قبروں سے زندہ کر کے اٹھایا جائے گا اور تمہارے ایک ایک عمل کی تم سے باز پُرس کی جائے گی۔ یہی تین باتیں تھیں جن کی حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں بار بار دعوت دیتے تھے اور یہی تین باتیں ایسی تھیں جن سے انہیں چڑ تھی اور وہ انہیں ماننے کے لیے قطعاً آمادہ نہ تھے۔ اس سورت میں ان امور کے متعلق ان کے شکوک وشبہات کا بڑے حقیقت پسندانہ اور اثر انگیز اسلوب میں ردّ کیا گیا ہے۔ اگر انسان غور وفکر کی قوتوں سے محروم نہ کر دیا گیا ہو تو وہ ان پر ایمان لانے کے لیے مجبور ہو جاتا ہے۔

منکرین کا یہ عام دستور ہے کہ جب انہیں ان کی بدکرداریوں سے روکا جاتا ہے اور انہیں روز قیامت سے ڈرایا جاتا ہے تو وہ عبرت پذیری کے بجائے یہ سوال کرنے لگتے ہیں کہ قیامت کب آئے گی۔ حالانکہ ان کا فائدہ قیامت کا انتظار کرنے میں نہیں بلکہ اپنی اصلاحِ حال کرنے میں ہے۔ جب قیامت قائم ہو گی تو ان کی کوئی آہ و فغاں سنی نہیں جائے گی۔

سورت کی آخری آیت میں اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ اب انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔ ان کی اصلاح کے لیے خواہ مخواہ اپنے آپ کو ہلکان نہ کرو، یہ اس قابل ہی نہیں ہیں کہ تمہاری دعوت کو سمجھ سکیں اور اسے قبول کر سکیں۔

1۔ خزائن العرفان، ص 747

سورة السجدة مكية وهي بسم الله الرحمن الرحيم ثلثون اية وثلث ركوعات

سورۃ السجدہ مکی ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانیوالا ہے۔ اسکی آیتیں ۳۰ اور رکوع ۳ ہیں

الٓمّٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿۲﴾ أَمْ يَقُولُونَ

الف۔ لام۔ میم [۱] اس کتاب کا نزول [۲] اس میں ذرہ شک نہیں، سب جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے۔ کیا وہ کہتے ہیں

افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ أَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيرٍ

کہ اس شخص نے اسے خود گھڑا ہے [۳] ہرگز نہیں، بلکہ وہی حق ہے آپ کے رب کی طرف سے تاکہ آپ ڈرائیں اس قوم کو نہیں آیا جنکے پاس

[۱] یہ حروف مقطعات ہیں جن کی وضاحت متعدد مقامات پر گزر چکی ہے۔

[۲] بتایا جا رہا ہے کہ یہ کتاب کسی دانشور، کسی فلسفی، کسی مؤرخ کی تصنیف نہیں ہے، فصاحت و بلاغت کے کسی امام کا شاہکار نہیں ہے، کسی شاعرِ رنگین نوا کی طبعِ رسا کا کرشمہ نہیں ہے۔ ورنہ یہ ناتمام اور ادھوری ہوتی، اس کی تعلیمات زندگی کے سارے شعبوں کو محیط نہ ہوتیں، اس میں اپنے مصنف کا جزوی کمال بیشک پوری آب و تاب سے جلوہ گر ہوتا لیکن اس میں جامعیت مفقود ہوتی اور دنیائے انسانیت کو جس صحیفۂ رشد و ہدایت کی شدید ضرورت تھی، وہ اس کتاب سے پوری نہ ہوتی۔ بلکہ اس کو نازل فرمانے والا رب العالمین ہے۔ یعنی وہ ذات جو کائنات کے ذرہ ذرہ کا خالق بھی ہے اور مالک بھی۔ جس نے ہر چیز کو اس کی استعداد کے مطابق بے پناہ صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں۔ پھر ان کی نشوونما کر کے انہیں مرتبۂ کمال تک پہنچایا ہے۔ اس کتاب کا نازل کرنے والا اپنی قدرت میں ہمہ گیر، اپنی حکمت میں بے مثال، اپنی شانِ ربوبیت کے اظہار میں بڑا فیاض اور کریم ہے۔ اس لیے فقط یہی کتاب جامع اور مکمل بھی ہے اور گردشِ لیل و نہار کا ساتھ دینے کی اہلیت بھی رکھتی ہے اور ہر زمانہ کے بدلتے ہوئے تقاضوں کی تکمیل کر سکتی ہے۔ درمیان میں "لا ریب فیہ" فرما کر یہ بتا دیا کہ اس کتاب کا منزّل من اللہ ہونا اتنا روشن ہے جس میں شک و شبہ کی ذرا گنجائش نہیں۔

اس کی ترکیب میں علماء کے متعدد اقوال ہیں:

۱۔ تنزیل مصدر بمعنی منزل ہے اور یہ خبر ہے مبتدا محذوف کی۔ اَیْ هٰذَا تَنْزِيلٌ الخ

۲۔ تنزیل مبتدا ہے اور اس کی خبر لَا رَيْبَ فِيهِ ہے اور مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِينَ، فِيهِ کی ضمیر کا حال ہے یا مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِينَ خبر ہے اور لَا رَيْبَ فِيهِ جملہ معترضہ ہے۔ اور اس ترکیب کو علامہ قرطبی نے زیادہ پسند کیا ہے۔ لکھتے ہیں: قَالَ مَكِّيٌّ هُوَ اَحْسَنُهَا (قرطبی) (1)

[۳] کفار کے دلوں میں اسلام اور پیغمبرِ اسلام سے جو شدید عداوت تھی اس نے انہیں غور و فکر کرنے سے محروم کر دیا تھا۔ اس اسلام دشمنی کے باعث وہ سورج سے زیادہ روشن اور واضح صداقتوں کا انکار کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہ کرتے تھے۔ اگرچہ قرآنِ کریم کی فصاحت و بلاغت نے ان پر سکتہ طاری کر دیا تھا، اس کی تعلیمات، قوی اور دلنشین دلیلوں کے باعث وہ حیرت

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز14، ص85-84

مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۳﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ

کوئی ڈرانے والا آپ سے پہلے ؁ تاکہ وہ ہدایت پائیں۔ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو

الْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۭ

اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں پھر متمکن ہوا تختِ (سلطانی) پر۔ ؁

زدہ ہو کر رہ گئے تھے لیکن پھر بھی وہ یہ رٹ لگائے رہتے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے۔ انہوں نے خود اسے گھڑا اور خواہ مخواہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا۔ ان کے اس اعتراض کی لغویت سب جہان پر اور خود ان پر بھی آشکارا تھی۔ اس لیے ان کے اس اعتراض کی تردید کے لیے صرف اتنا کہہ دینا ہی کافی تھا بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ۔ جس نظریہ کا بطلان اظہر من الشّمس ہو، اس کے ابطال کے لیے دلائل کے انبار لگانا وقت ضائع کرنا ہے۔

؁ یہاں قرآنِ کریم کے نازل کرنے کی غرض و غایت بیان کر دی کہ وہ لوگ جو عرصۂ دراز سے دشتِ ضلالت میں بھٹک رہے تھے، اپنے نفس کی رذیل خواہشات کی تکمیل کے بغیر ان کے سامنے زندگی کا کوئی مقصد نہیں تھا، جو اپنے انجام سے بے خبر فسق و فجور کا ارتکاب کر رہے تھے، جنہیں عرصۂ دراز سے کسی نے آ کر ٹوکا نہیں تھا۔ اے محبوب! ہم نے یہ کتاب منیر اس لیے نازل فرمائی ہے کہ آپ انہیں خوابِ غفلت سے بیدار کر دیں اور کفر و شرک کے بھیانک انجام سے بروقت متنبہ کر دیں تا کہ وہ راہِ ہدایت اختیار کر لیں۔

علامہ ابنِ منظور لسان العرب میں لکھتے ہیں: اَلْاِنْذَارُ الْاِبْلَاغُ وَلَا يَكُوْنُ اِلَّا فِي التَّخْوِيْفِ ۔ (لسان العرب)(1) یعنی ایسی بات پہنچانا جس میں خوف دلانا مقصود ہو۔ علامہ زرکشی نے اپنی مشہور کتاب "البرہان فی علوم القرآن" میں لکھا ہے: حَكَى الْبَغَوِيُّ فِيْ تَفْسِيْرِهٖ عَنِ الْوَاقِدِيِّ اَنَّ جَمِيْعَ مَا فِي الْقُرْاٰنِ مِنْ لَّعَلَّ فَاِنَّهَا لِلتَّعْلِيْلِ (2)۔ کہ بغوی نے اپنی تفسیر میں واقدی سے نقل کیا ہے کہ قرآنِ کریم میں جہاں بھی "لَعَلَّ" استعمال ہوا ہے اس کا مقصد علت بیان کرنا ہے۔ یعنی آپ کے ڈرانے کا مقصد یہ ہے کہ وہ ہدایت پا جائیں اور جن لوگوں نے بعض مقامات پر "لَعَلَّ" کو ترجّی یعنی آرزو اور امید کے معنی میں استعمال کیا ہے تو وہ آرزو متکلم یا مخاطب کی طرف سے ہو گی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہو گی۔ کیونکہ یہ جہالت کو مستلزم ہے اور اللہ تعالیٰ اس عیب سے پاک ہے۔

؁ یہاں سے اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کے متعدد شواہد ذکر کر کے اس کی وحدانیت پر استدلال کیا جا رہا ہے۔ اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے ان کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور اس نے اس سارے کارخانۂ ہستی کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا۔ پیدا فرمانے کے بعد وہ اس سے بے تعلق ہو کر کہیں گوشہ نشین نہیں ہو گیا بلکہ تختِ فرمانروائی پر وہ متمکن ہے، اور کائنات کی ہر بات اس کے حکم کے مطابق طے پا رہی ہے۔

مَا لَكُمْ الخ فرما کر انہیں متنبہ کر دیا کہ اگر تم ایسے خالقِ اکبر سے اپنی عبودیت کا رشتہ منقطع کر لو گے اور کسی دوسری چیز کے ساتھ اپنی بندگی کا رشتہ استوار کرو گے تو یاد رکھو اس وقت نہ تمہارا کوئی مددگار ہو گا اور نہ کسی میں یہ ہمت ہو گی کہ وہ تمہاری سفارش

1۔ لسان العرب، ج 5، ص 202
2۔ البرہان فی علوم القرآن، ج 4، ص 394

مَا لَكُم مِّن دُونِهِۦ مِن وَلِيٍّ وَلَا شَفِيعٍ ۚ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ④ يُدَبِّرُ

نہیں تمہارے لیے اس کے بغیر کوئی مددگار اور نہ کوئی سفارشی کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے ۶ تدبیر فرماتا ہے

ٱلْأَمْرَ مِنَ ٱلسَّمَآءِ إِلَى ٱلْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ

ہر (چھوٹے بڑے) کام کی آسمان سے زمین تک ۷ پھر رجوع کرے گا ہر کام اس کی طرف اس روز جس کی

مِقْدَارُهُۥٓ أَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ⑤ ذَٰلِكَ عَٰلِمُ ٱلْغَيْبِ وَٱلشَّهَٰدَةِ

مقدار ہزار سال ہے اس اندازہ سے جس سے تم شمار کرتے ہو۔ وہی جاننے والا ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر کا

ٱلْعَزِيزُ ٱلرَّحِيمُ ⑥ ٱلَّذِىٓ أَحْسَنَ كُلَّ شَىْءٍ خَلَقَهُۥ ۖ وَبَدَأَ خَلْقَ

سب پر غالب، ہمیشہ رحم فرمانے والا ۸ وہ جس نے بہت خوب بنایا جس چیز کو بھی بنایا ۹ اور ابتداء فرمائی انسان کی

کر سکے۔ چھ دنوں سے کیا مراد ہے؟ اِسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ کا کیا مفہوم ہے؟ اس کا تفصیلی بیان متعدد مقامات پر گزر چکا ہے۔ (ملاحظہ فرمایئے ضیاء القرآن جلد دوم سورۂ یونس : ۳)۔

۶۔ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا حامی و ناصر خیال کرتے ہو۔ سمجھتے ہو کہ اگر خدا نے بفرضِ محال پکڑ بھی لیا تو یہ معبود اور دیوتا تمہیں چھڑا لیں گے یا تمہاری سفارش کریں گے۔ اس خیالِ فاسد کو دل سے نکال دو۔ کسی میں یہ جرأت نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اجازت کے بغیر تمہیں بچا لے۔ شفاعت کے متعلق کفار و مشرکین کا جو غلط تصور تھا اس کو رد کر دیا۔ اسلام نے جس شفاعت کو جائز قرار دیا ہے وہ شفاعت انبیاء، اولیاء، صلحاء، شہداء باذنِ الٰہی کریں گے اور معصوم بچے بھی اپنے ماں باپ کی بخشش کا باعث بنیں گے۔

۷۔ یہ بتانے کے بعد کہ ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور کائنات کے تختِ حکومت پر وہ متمکن ہے۔ اب اس آیت میں اس حقیقت کو بیان کیا جا رہا ہے کہ آسمان سے لے کر زمین تک ہر چھوٹی بڑی چیز کا وہ خود انتظام فرماتا ہے۔ ہر چیز اس کے لطف و کرم سے نشوونما پا رہی ہے۔ کوئی کام اس کی مرضی کے خلاف انجام نہیں پا سکتا اور جب قیامت برپا ہوگی تو تمام امور اس کے حضور پیش ہوں گے اور وہ ان کے متعلق فیصلہ فرمائے گا۔ وہ دن کوئی چھوٹا سا دن نہیں ہوگا بلکہ انسانی اندازوں کے مطابق وہ ہزار سال کے برابر ہوگا۔(1)

مفسرین کرام نے اگرچہ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ (السجدہ:5) کی اور بھی تاویلیں کی ہیں، لیکن مجھے سب سے زیادہ یہی تفسیر پسند ہے اور ثم کا لفظ اس کی تائید کرتا ہے۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ بِاَسْرَارِ كِتَابِهٖ۔

قیامت کے دن کا اندازہ ہزار سال بھی بتایا گیا ہے اور پچاس ہزار سال بھی (المعارج) اور احادیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ قیامت کا دن اتنا طویل ہوگا جتنے وقت میں چند رکعت نماز ادا کی جا سکتی ہے۔ اس کی توجیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ کفار جس کرب و

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 14، ص 87

الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ۝۷ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ۝۸

تخلیق کی گارے سے [11] پھر پیدا کیا اس کی نسل کو ایک جوہر سے یعنی حقیر پانی سے [11]

اضطراب میں مبتلا ہوں گے اس کی وجہ سے انہیں یہ دن پچاس ہزار سال لمبا معلوم ہوگا اور گنہگاروں کو ہزار سال کے برابر اور اہلِ ایمان کے لیے وہ دن خوشیوں اور مسرّتوں سے لبریز ہوگا اس لیے انہیں وہ بہت مختصر معلوم ہوگا۔(1)

۸۔ پہلی آیت میں اس کی قُدرتِ کاملہ کا ذکر تھا۔ دوسری میں اس کی حکمتِ بالغہ کا اور اس آیت میں اس کے علمِ محیط کا بیان ہوا۔ اور العزیز الرحیم فرما کر سابقہ مضامین کی تصدیق فرمادی۔ کیونکہ صرف وہی ہستی اتنی عظیم اور محیّر العقول چیزوں کو پیدا کرسکتی ہے جو العزیز (سب پر غالب) ہو اور ہر چھوٹی بڑی چیز کی تربیت اور نشوونما کا وہی ہستی اہتمام کرسکتی ہے جو الرحیم ہو۔ اسی مناسبت سے ان دو صفات کا یہاں ذکر فرمایا گیا۔ ۹۔ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمالیہ میں سے ایک اور صفت بیان کی جارہی ہے۔

پہلے ارشاد فرمایا کہ اُس نے ہر چیز کو پیدا کیا، اب بتایا جارہا ہے کہ اس نے جس چیز کو پیدا کیا اس کے مقصدِ تخلیق کے نقطۂ نظر سے ازحد حسین وجمیل اور کامل ومکمل پیدا کیا۔ پھول ہو یا خار، مچھر ہو یا شاہین، چیونٹی ہو یا ہاتھی۔ آپ ان میں لاکھ نظر دوڑائیں آپ اس میں ذرا ترمیم کی گنجائش نہیں نکال سکتے۔ ہر چیز اسی طرح ہے جس طرح ہونی چاہیے تھی۔ اگر آپ چیونٹی کی کمزور اور منحنی ٹانگوں کو بدلنا چاہیں یا ان کی تعداد میں کمی بیشی کرنا چاہیں، تو آپ ایسا نہیں کرسکیں گے۔ نباتات، حیوانات بلکہ جمادات تک جس چیز کو جس شکل وصورت، وضع قطع اور حجم میں پیدا فرمایا اس سے عمدہ شکل وصورت کا تصوّر تک نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت ابنِ عباس نے اَحْسَنَ کا مفہوم بتایا ہے: اَتْقَنَهٗ وَاَحْكَمَهٗ۔ قتادہ سے مروی ہے: اَحْسَنَ خَلْقَ كُلِّ شَیْئٍ مُوَافِقًا عَلَيْهِ مَا يَسْتَعِدُّهٗ وَيَلِيْقُ بِهٖ عَلٰى وَفْقِ الْحِكْمَةِ (مظہری)(2) ہر چیز کی استعداد اور مقصدِ تخلیق کے مطابق اسے مکمل بنایا۔

۱۰۔ پہلے بتایا کہ اللہ تعالیٰ زمین وآسمان اور ان میں جو کچھ ہے، سب کا خالق ہے۔ پھر جس حکمت اور رحمت سے وہ امورِ کائنات کی تدبیر فرمارہا ہے، اس کو بیان کیا۔ پھر یہ تصریح کی کہ ہر چیز کو اس طرح پیدا کیا کہ اس میں ردّوبدل یا ترمیم کی گنجائش نہیں۔ اپنی کارکردگی اور تکمیلِ مقصد کے لیے اس میں کسی اصلاح یا تحسین کا امکان نہیں۔ ان تمام امور کا ذکر کرنے کے بعد حضرتِ انسان کی آفرینش کا حال بیان کیا جو اس کی شانِ تخلیق کا شاہکار ہے۔

انسان کی پیدائش کے متعلق دو نظریئے زیادہ مشہور ہیں: ایک وہ جس کا ذکر قرآنِ کریم نے کیا اور سابقہ آسمانی صحائف سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانِ اوّل (آدم علیہ السلام) کو براہِ راست پیدا فرمایا اور اس کو ایسی نادر قوتوں کی جلوہ گاہ بنایا جس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ اس کے سینے کو علوم ومعارف سے مُنوّر کیا، اس کو نُورِ نبوت عطا فرمایا اور اسے خلافتِ ارضی کے تخت پر متمکن کیا۔ وہی اشرف المخلوقات ہے اور سارا نظامِ ہستی اسی کی خدمت اور چاکری کے لیے سرگرمِ عمل ہے۔ دوسرا نظریہ ڈارون کا نظریۂ ارتقاء ہے کہ زندگی رینگتی رینگتی ہزاروں صدیوں میں مختلف ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی بندر اور بندر سے انسانی شکل میں نمودار ہوئی۔ ڈارون نے جب اپنے اس نظریہ کا اعلان کیا اس وقت یورپ مذہب دشمنی کی رو میں بہتا چلا جارہا تھا۔ لوگ مسیحیت کی خلاف

1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 109
2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 269

عقل، ناقابلِ فہم تعلیمات سے اُکتا گئے تھے۔ عقل وفہم کے صبر کی انتہا ہوگئی تھی، اب وہ بغاوت پر آمادہ تھے۔ مسیحیت کے علمبرداروں کی انسانیت سوز حرکات کے خلاف اس وقت ایک طوفان اُمڈا ہوا تھا۔ ہر وہ بات جو مسیحی تعلیمات سے متصادم ہوتی لوگ اسے دیوانہ وار قبول کر لیتے۔ ہر قدیم نظریہ کو مسترد کر دینا فیشن بن گیا تھا۔ مذہب سے بیزاری کا جو عام رجحان پیدا ہو گیا تھا اس کے باعث ڈارون نے جب یہ نظریہ پیش کیا تو لوگوں نے آنکھیں بند کر کے اس کو خوش آمدید کہا۔ اس نظریہ کو معرضِ وجود میں آئے ہوئے تقریباً ڈیڑھ صدی کا طویل عرصہ گزر چکا ہے۔ اس کے پرستاروں نے عمریں صرف کر دیں کہ اس نظریہ کے لیے کوئی ٹھوس بنیاد فراہم کی جائے اور اسے ایسے دلائل مہیا کیے جائیں جن کے باعث اس نظریہ کی صداقت ہر شک وشبہ سے بالاتر ہو جائے لیکن انہیں اس میں بری طرح ناکامی ہوئی۔ روزِ اوّل کی طرح آج بھی ان کے پاس ظن وتخمین کے بغیر اور کوئی سہارا نہیں۔ کہتے ہیں: فلاں غار سے ایک انسانی ڈھانچہ ملا ہے جو دس لاکھ سال پرانا ہے۔ اس کے سر کی ساخت فلاں قسم کے بندر کی ساخت سے کچھ کچھ مشابہت رکھتی ہے، اس لیے انسان بندر کی ترقی یافتہ صورت ہے۔ پھر فرماتے ہیں: مختلف جانوروں میں نسل کشی کے ذریعے مختلف قسم کی تبدیلیاں بروئے کار لائی جاسکتی ہیں، اس لیے انسان میں اگر تبدیلی رونما ہوگئی ہو تو کیا بعید ہے؟ کبھی ارشاد ہوتا ہے: تشریح الابدان کے ماہرین نے ثابت کیا ہے کہ انسانی جسم میں چند ایسے اعصاب ہیں جن کا اب کوئی مصرف نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ پہلے یہ جن اعضاء کو مصروفِ کار رکھتے تھے، وہ مختلف ارتقائی مدارج میں ناپید ہو گئے اور یہ اعصاب باقی رہ گئے۔ معلوم ہوا کہ کسی زمانہ میں انسان کی دم بھی تھی جو آہستہ آہستہ گھستی چلی گئی اور یہ اعصاب باقی رہ گئے۔ کبھی فرماتے ہیں: کہ ہم آج بھی جغرافیائی اثرات اور آب وہوا کے اختلافات کے باعث ایک برِّ اعظم کے انسان کو دوسرے برِّ اعظم کے انسان سے کسی نہ کسی صورت میں مختلف دیکھتے ہیں۔ جب یہ اختلاف موجود ہے تو انسان میں تدریجی اِختلاف کا پایا جانا بھی بعید از امکان نہیں۔ یہ اور اسی قسم کے دوسرے دلائل بلکہ قیاساتِ فاسدہ ہیں جن پر یہ نظریہ قائم ہے۔ آپ خود فیصلہ کیجیے کہ اس قسم کے تخمینوں اور اندازوں سے حتمی طور پر کوئی چیز ثابت ہوسکتی ہے؟ نظریۂ ارتقاء کے ثبوت کے لیے انہوں نے ڈیڑھ سو سال میں جتنے دلائل پیش کیے ہیں، وہ فکر ونظر کے کسی معیار پر پورے نہیں اترتے۔ کیا ایسے نظریے کو سائنٹفک کہا جاسکتا ہے جس کی اساس محض ظنون وتخمینات ہوں اور جس کی ہر دلیل سے عقل کو وحشت ہوتی ہو۔ ایک پیچیدگی کو دور کرنے کے لیے انسان جو قدم اٹھائے وہ ہزاروں پیچیدگیوں سے دوچار کر دے؟

سیدھی سی بات ہے کہ ہر نوع کی تخلیق براہ راست ہوئی اور اس کے بعد ہر نوع میں ایسی خصوصیات رکھ دی گئیں، اور ایسے خودکار انتظامات کر دیئے گئے کہ آگے اس نوع کی افزائش نسل خود بخود ہوتی جائے۔

اگر انسان مذہب دشمنی کی وبا میں اس طرح مبتلا نہ ہو کہ اس کی عقل وفکر کی قوتیں ہی اپاہج ہو چکی ہوں تو اسے ماننا پڑے گا کہ تخلیق انسان کے متعلق جو نظریہ قرآنِ کریم نے پیش کیا ہے وہ ہی برحق ہے۔

۱۱۔ انسانِ اوّل کو براہ راست گارے سے پیدا کیا گیا۔ اس کے بعد اس کی افزائشِ نسل کا ایسا انتظام کر دیا گیا کہ طبعی عوامل کے باعث خود بخود اس میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ نئی نسل کی پیدائش، پرورش اور تربیت کے لیے جتنے رُوح فرسا خطرات اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اپنے عیش وآرام، اپنی صحت، دولت اور وقت کی جو گراں قدر قربانیاں دینی پڑتی ہیں، وہ کسی سے مخفی نہیں۔ لیکن اس نے اپنی حکمتِ کاملہ سے ان تمام چیزوں کو ایک ایسی زبردست لذت سے وابستہ کر دیا کہ انسان اس کے حصول

ثُمَّ سَوّٰىهُ وَ نَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ

پھر اس (کے قد و قامت) کو درست فرمایا ۱۲ اور پھونک دی اس میں اپنی روح ۱۳ اور بنا دیئے تمہارے لیے کان آنکھیں

کی خاطر یہ ساری قربانیاں خوشی سے دینے کے لیے تیار بلکہ بیقرار ہو جاتا ہے۔

کسی چیز کے نچوڑ اور خلاصہ کو سُلٰلَۃٌ کہتے ہیں۔ کیونکہ منی بھی سارے جسم کا نچوڑ اور خلاصہ ہوا کرتی ہے، اس لیے اسے بھی سُلٰلَۃٌ کہا گیا ہے۔ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ میں مِنْ بیانیہ ہے۔ یعنی وہ خلاصہ جو حقیر پانی ہے۔ اور اگر مِنْ بعضیہ ہو تو سُلٰلَۃٌ سے مراد وہ جرثومہ ہے جو استقرارِ حمل کا باعث بنتا ہے۔ (1)

۱۲ رحمِ مادر میں اس بے وقعت پانی کا قطرہ یا اس قطرہ میں سے اَن گنت جرثوموں میں سے ایک جرثومہ قرار پذیر ہوتا ہے تو اس میں طرح طرح کی عجیب و غریب تبدیلیاں وقوع پذیر ہونے لگتی ہیں۔ صرف خوردبین سے دکھائی دینے والا جرثومہ چند دنوں میں ایک لوتھڑے کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ وہ لوتھڑا کچھ دیر کے بعد گوشت بن جاتا ہے۔ اس گوشت میں قُدرت کی قُدرت آفرینیوں کے باعث طرح طرح کی ہڈیاں، چھوٹی بڑی، سیدھی ٹیڑھی بننے لگتی ہیں۔ پھر وہیں مختلف قسم کے بیرونی اعضاء ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان، ناک وغیرہ نمودار ہونے لگتے ہیں۔ اسی گوشت کے لوتھڑے میں سے ایک حصہ کو دل بنا دیا جاتا ہے۔ کوئی جگر اور معدہ بنتا ہے۔ پھر جسم کے ان مختلف حصوں کے درمیان رگوں اور شریانوں کا جال بچھ جاتا ہے۔ اعصاب کے ذریعے تمام اعضاء کے درمیان مواصلاتی نظام قائم ہو جاتا ہے۔ ایک دماغ کی ساخت پر ہی نظر ڈالیے، یہ نازک مشینری چھوٹے چھوٹے کروڑوں خلیوں سے مرکّب ہے۔ اس قطرۂ آب یا جرثومہ کو مختلف مدارج طے کر کے انسانِ کامل بننے میں صرف نو ماہ کا عرصہ لگتا ہے۔

نظریہ ارتقاء کے حاملین کے نزدیک تو ایسی تبدیلیاں وقوع پذیر ہونے کے لیے اربوں سال چاہئیں تھے۔ لیکن طبِ جدید، علمِ تشریح الابدان، علم الجنین اور عام مشاہدہ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ یہ سارے حیران کُن تغیّرات نو ماہ میں ہوئے۔ جب ہم ہر روز اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا یوں مشاہدہ کرتے ہیں تو پھر انسانِ اوّل کے معرضِ وجود میں آنے کے لیے جو افسانوی طرزِ فکر ڈارون اور اس کے شاگردوں نے اختیار کر رکھا ہے کیونکر اُسے قبول کیا جا سکتا ہے؟ سَوّٰى کی تشریح کرتے ہوئے علامہ آلوسی لکھتے ہیں: عَدَلَهٗ بِتَكْمِيْلِ اَعْضَائِهٖ فِي الرَّحِمِ وَ تَصْوِيْرِهَا عَلٰى مَا يَنْبَغِيْ (روح المعانی) (2) یعنی رحم میں اس کے تمام اعضاء کو مکمل اور درست کر دیا اور جس طرح اس کے مختلف اعضاء کی تصویر کشی کرنی چاہیے تھی اس طرح کر دی۔

۱۳ جب انسانی ڈھانچہ شکمِ مادر میں تیار ہو جاتا ہے تو پھر اس میں ایک معزز و محترم رُوح پھونک دی جاتی ہے جو اسے زندگی سے روشناس کرا دیتی ہے۔ انسانی روح کی عظمتِ شان کو بیان کرنے کے لیے اس کی نسبت اپنی طرف فرما دی۔ مِنْ رُّوْحِهٖ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی روح کا کوئی حصّہ اس سے جُدا کر کے انسان میں پھونک دیا جاتا ہے۔ معاذ اللہ۔ یہ اضافت تشریفی ہے۔ اور لغتِ عرب میں اس کا استعمال عام ہے۔ (3)

اس آیت سے عیسائیوں کے اس عقیدہ کا بھی بطلان ہو گیا کہ حضرت مسیح اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں کیونکہ ان میں روحِ

1۔ تفسیر مظہری، روح المعانی اور روح البیان کا خلاصہ   2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 21، ص 124   3۔ ایضاً

وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ⑨ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ

اور دل ۱۴ تم لوگ بہت کم شکر بجالاتے ہو۔ اور کہنے لگے کیا جب (مرنے کے بعد) ہم گم ہو جائینگے زمین میں

ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ؕ بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ⑩ قُلْ

تو کیا ہم از سر نو پیدا کیے جائیں گے ۱۵ درحقیقت یہ لوگ اپنے رب کی ملاقات سے انکار کر رہے ہیں ۱۶ فرمایئے

يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ⑪ ع

جان قبض کرے گا تمہاری موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کر دیا گیا ہے ۱۷ پھر اپنے رب کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

خداوندی پھونکی گئی اور قرآنِ کریم نے انہیں رُوْحٌ مِّنْهُ فرمایا ہے۔ اگر عیسائیوں کا یہ استدلال ایک لحظہ کے لیے مان بھی لیا جائے تو پھر حضرت مسیح کی اس میں کون سی خصوصیت ہے؟ ہر انسان کو فرزند خدا ماننا پڑے گا۔ تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا۔

۱۴ یہاں ان ظاہری اور باطنی قوتوں اور صلاحیتوں کا ذکر فرما دیا جن سے اس پیکرِ خاکی کو سرفراز کیا گیا۔

۱۵ قیامت کے متعلق وہ جس شبہ میں مبتلا تھے اس کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد جب ہم خاک میں مل جائیں گے اور ہوائیں ہماری خاک کے ذروں کو زمین کی وسعتوں میں منتشر کر دیں گی تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ہزاروں سال سے ہمارے ان بکھرے ہوئے ذروں کو یکجا کر کے انہیں پھر زندہ کر دیا جائے۔ پہلے تو ان ذروں کا سُراغ لگانا ہی محال ہے اور اگر کوئی سراغ لگا بھی لے تو انہیں یکجا کرنا اور پھر ان میں زندگی پیدا کرنا تو بالکل بعید از فہم ہے، اس لیے جو دین ایسی باتوں کو تسلیم کرنے کی دعوت دیتا ہے جو بعید از امکان ہوں اس کو مان لینا اور اس پر ایمان لانا قطعاً قرینِ دانشمندی نہیں۔

۱۶ ان کی اس حجت بازی کا رد فرما دیا کہ تم اس قسم کی یاوہ گوئی کا سہارا کیوں لیتے ہو؟ صاف صاف کہہ دو کہ تم اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہو۔ تمہاری اس بات سے تو پتہ چلتا ہے کہ تمہارے نزدیک تمہارا رب بھی تمہارے منتشر ذروں کو یا تو جانتا نہیں کہ کہاں کہاں ہیں؟ یا جانتا تو ہے لیکن ان کو یکجا کرنے سے عاجز ہے۔ اے حقیقت ناشناسو! کیا اللہ تعالیٰ کے علم میں بھی تمہیں کوئی شک ہے؟ کیا اس کی قدرت کے بارے میں بھی تم متردّد ہو؟ جس کی قدرت و حکمت کی آیاتِ بینات کا تذکرہ ابھی تم سن چکے ہو کیا اس کے متعلق تمہارا یہ خیال ہے؟ کتنے نادان ہو تم۔ بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ کے بظاہر سادے سے جملہ میں ان کے جملہ اعتراضات کی تردید کر دی۔

آیت کی ابتدا میں ضَلَلْنَا کا لفظ مذکور ہے جو تحقیق طلب ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ جب کوئی تھوڑی سی چیز زیادہ مقدار والی چیز میں مل جائے یہاں تک کہ اس کا کوئی اثر یا نام و نشان بھی باقی نہ رہے تو عرب کہتے ہیں: قَدْ ضَلَّ یعنی فلاں چیز فلاں چیز میں گم ہو گئی۔ جب بہت سے دودھ میں پانی کا ایک گلاس انڈیل دیا جائے تو عرب کہتے ہیں: ضَلَّ الْمَاءُ فِي اللَّبَنِ وَالْعَرَبُ

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا

اور کاش! تم دیکھو جب مجرم اپنے سر جھکائے ہوئے اپنے رب کے حضور پیش ہونگے (کہیں گے) اے ہمارے رب! ہم نے (اپنی

وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا

آنکھوں سے) دیکھ لیا اور (کانوں سے) سن لیا پس (ایکبار) بھیج ہمیں (دنیا میں) اب ہم نیک عمل کرینگے۔ ہمیں اب پورا یقین آگیا ہے (جواب ملیگا)

تَقُوْلُ لِلشَّيْءِ غَلَبَ عَلَيْهِ غَيْرُهٗ حَتّٰى خَفِيَ فِيْهِ اَثَرُهٗ: قَدْ ضَلَّ۔ اور جب میت کو زمین میں دفن کر دیا جائے تب بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ يُقَالُ اَضَلَّ الْمَيِّتَ اِذَا دُفِنَ (قرطبی) (1)

۱۷ے جس فرشتہ کو روح قبض کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے، اُس کا نام عزرائیل علیہ السلام ہے۔ عزرائیل کا معنی عبداللہ (اللہ کا بندہ) ہے۔ مومن و کافر ہر شخص کی روح وہ ہی قبض کرتے ہیں (2) لیکن جب کافر کی روح قبض کی جاتی ہے تو اس وقت ان کی شکل بڑی خوفناک اور ڈراؤنی ہوتی ہے اور ان کا رویہ بڑا سخت ہوتا ہے، اور جب کسی مومن کی جان نکالتے ہیں تو سراپا حسن و جمال بن کر تشریف لاتے ہیں اور بڑے محبت بھرے انداز سے مومن کی روح قبض کرتے ہیں۔ حضرت امام جعفر نے اپنے والد ماجد حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ملک الموت کو ایک انصاری کے سرہانے دیکھا تو فرمایا: اُرْفُقْ بِصَاحِبِيْ فَاِنَّهٗ مُؤْمِنٌ۔ میرے صحابی کے ساتھ نرمی اور شفقت کے ساتھ پیش آنا کیونکہ وہ مومن ہے۔ ملک الموت نے عرض کی: طِبْ نَفْسًا وَ قَرَّ عَيْنًا فَاِنِّيْ بِكُلِّ مُؤْمِنٍ رَفِيْقٌ (3)۔ اے مصطفےٰ! آپ خوش ہوں، آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں، میں آپ پر ایمان لانے والے ہر شخص کے ساتھ بڑی نرمی اور شفقت سے پیش آتا ہوں۔

۱۸ے آج تو کفار و مشرکین فخر و غرور سے دندناتے پھرتے ہیں، حق سننے سے اور حق کو ماننے سے انکار کر رہے ہیں۔ ذرا اس وقت کا خیال کرو جب انہیں خداوند ذوالجلال کی بارگاہ میں لا کھڑا کر دیا جائے گا۔ اس وقت فرطِ ندامت سے ان کے سر جھکے ہوئے ہوں گے۔ شرم کے مارے آنکھیں نہ اٹھا سکیں گے، عرض کریں گے:

"اے ہمارے رب! تیرے رسول نے جن حقائق کے متعلق ہمیں خبردار کیا تھا اور دنیا میں جن کو تسلیم کرنے سے ہم انکار کرتے رہے تھے آج ہم نے ان حقائق کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور اپنے کانوں سے سن لیا۔ اب ہم غفلت کی نیند سے بیدار ہو گئے ہیں اور پکا وعدہ کرتے ہیں کہ تیری نافرمانی نہیں کریں گے، تو بڑا کریم ہے۔ ایک مرتبہ ہمیں موقع دیا جائے تاکہ ہم اپنی بندگی کا اظہار کر سکیں اور تیری اطاعت و فرمانبرداری کر کے سابقہ نافرمانیوں کے داغ دور کر سکیں"۔ لیکن ان کی عرضداشت ٹھکرا دی جائے گی۔

دانائے شیراز نے کیا خوب کہا ہے۔

سر از جیب غفلت برآور کنوں ۔۔۔ کہ فردا نہ ماند بخجلت نگوں (4)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 14، ص 91
2۔ ایضاً، جز 14، ص 93
3۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 458، درمنثور، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 334
4۔ دیوان شیخ سعدی، باب نہم، ص 326، مطبوعہ تہران

كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ

اور اگر ہم چاہتے تو ہم دے دیتے ہر شخص کو اس کی ہدایت ۱۹ لیکن یہ بات طے ہو چکی ہے میری طرف سے ۲۰ کہ میں ضرور بھروں گا

الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳﴾ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ

جہنم کو تمام (سرکش) جنوں اور (نافرمان) انسانوں سے ۲۱ پس اب چکھو سزا اس جرم کی کہ تم نے بھلا دیا تھا اپنے اس روز کی

(اب غفلت کے گریبان سے سر کو اٹھاؤ تا کہ کل ندامت و خجالت کے باعث وہ جھک نہ جائے۔)

کنونت کہ چشمست اشکے ببار زبان در دہانست عذرے بیار

(اب جب کہ تیری آنکھیں سلامت ہیں اپنے گناہوں پر آنسو بہا اور آج جب کہ تیرے منہ میں زبان ہے عذر خواہی کر لے۔)

نہ پیوستہ باشد رواں در بدن نہ ہموارہ گردد زبان در دہن(1)

(یاد رکھ جسم میں جان ہمیشہ نہیں رہے گی اور نہ منہ میں زبان ہمیشہ رہے گی)

۱۹ اور انہیں بتایا جائے گا کہ اگر ہم چاہتے تو کوئی شخص گمراہ نہ ہوتا۔ ہر شخص کی جبلت اور فطرت میں ہدایت کا نور رکھ دیا جاتا۔ سرکشی اور گناہ کرنے کی کسی میں طاقت ہی نہ ہوتی۔ فرشتوں کی طرح سب انسان متقی اور پرہیزگار ہوتے، لیکن ہماری حکمت کا یہ تقاضا نہیں۔ اس طرح نوع انسانی کی پیدائش کا مقصد فوت ہو جاتا اور انسان کو جس شرف و کرامت سے سرفراز کرنا مقصود تھا اس کے لیے کوئی وجہ جواز نہ رہتی۔

انسان کی تخلیق سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ اسے عقل اور فہم کا نور بخشا جائے۔ حق اور باطل کی راہوں کو اس کے سامنے واضح کر دیا جائے۔ انبیائے کرام آ کر اسے راہِ حق پر چلنے کی دعوت دیں اور غلط روی سے بچنے کی تلقین کریں۔ اس کے بعد انسان کو ایک گونہ آزادی دی جائے کہ چاہے تو ایمان لائے اور چاہے تو کفر کرے۔ چاہے تو راہِ حق کو بطیب خاطر قبول کرے اور چاہے تو لذت کوشی کی طلب میں غلط راستہ پر سرپٹ دوڑنا شروع کر دے۔ جب وہ اپنی مرضی سے ہماری رضا کی خاطر ساری رکاوٹوں کو روندتا ہوا، مشکلات کا مقابلہ کرتا ہوا آئے گا تو ہم اپنے دستِ کرم سے اس کے سر پر اپنی رضا کا تاج رکھ دیں گے اور اگر اس نے عقل و فہم کے تقاضوں کو پسِ پشت ڈال دیا، انبیاء کی دعوت کو جان بوجھ کر ٹھکرا دیا، ہماری آیات سننے، سمجھنے اور ان پر عمل کرنے سے انکار کر دیا، تو اسے واصل بجہنم کر دیا جائے گا اور اس کا ذمہ دار وہ خود ہوگا۔

۲۰ لیکن میری بارگاہِ عالی سے یہ فیصلہ صادر ہو چکا ہے کہ جبر و اکراہ سے کام نہیں لیا جائے گا۔ نہ کسی کو زبردستی راہِ حق پر چلنے کے لیے مجبور کیا جائے گا۔ اور نہ کسی کو جبراً فسق و فجور میں مبتلا کیا جائے گا۔ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ۔(2) دعوتِ حق دے دی گئی ہے۔ حق و باطل میں امتیاز کر دیا گیا ہے۔ اب جس کا جی چاہے وہ ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کر لے۔

۲۱ اس کا مطلب یہ نہیں کہ تمام جنوں اور انسانوں سے دوزخ کو بھر دیا جائے گا۔ بلکہ الجِنّۃ اور الناس پر الف لام عہد

1۔ بوستانِ سعدی، ص 419 2۔ سورۃ الکہف: 29

هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۴ اِنَّمَا

ملاقات کو ۲۲ ہم نے تم کو نظر انداز کر دیا اور چکھو ابدی عذاب ان (کرتوتوں) کے عوض جو تم کیا کرتے تھے۔ صرف

يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ سَبَّحُوْا بِحَمْدِ

وہی لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں جنہیں جب ہماری آیتوں سے نصیحت کی جاتی ہے تو گر پڑتے ہیں سجدہ کرتے ہوئے اور

رَبِّهِمْ وَ هُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝۱۵ السجدة تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ

پاکی بیان کرتے ہیں اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اور وہ غرور تکبر نہیں کرتے ۲۳ دور رہتے ہیں ان کے پہلو (اپنے) بستروں سے ۲۴

يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ۖ وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۱۶ فَلَا تَعْلَمُ

پکارتے ہیں اپنے رب کو ڈرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے اور ان نعمتوں سے جو ہم نے انہیں دی ہیں خرچ کرتے رہتے ہیں۔ پس نہیں جانتا

خارجی ہے اور اس سے مراد سرکش جن اور نافرمان انسان مراد ہیں۔(1)

۲۲ نسیان کا معنی بھلا دینا اور فراموش کر دینا ہے لیکن کسی چیز کو ترک کرنے اور نظر انداز کر دینے کے معنی میں بھی یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے خصوصاً جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو۔ کیونکہ وہاں بھولنا اور فراموش کرنا مراد نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ عیب ہے اور اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے۔ وہاں فقط ترک کرنا، نظر انداز کرنا کے معنی میں یہ لفظ مستعمل ہوگا۔ علامہ ابن منظور لکھتے ہیں:

قَوْلُهٗ عَزَّوَجَلَّ: نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ اِنَّمَا مَعْنَاهُ تَرَكُوا اللّٰهَ فَتَرَكَهُمْ (لسان العرب)(2)

کفار کو کہا جا رہا ہے کہ تم نے روزِ قیامت کو آج تک بھلائے رکھا۔ اب اللہ تعالیٰ نے تمہیں نظر انداز کر دیا اور اپنی رحمت سے تمہیں محروم کر دیا۔ اب اس عذاب کا مزا چکھو جس سے بچنے کی تلقین تمہیں صدہا بار کی گئی لیکن تم نے پرواہ نہ کی۔ اب ہمیشہ کے لیے تمہیں جہنم میں رہنا ہوگا۔ یہاں سے نکلنے کے لیے سارے راستے بند کر دیئے گئے ہیں۔

۲۳ حضور نبی کریم علیہ وعلیٰ آلہ اطیب الصلوٰۃ وازکی التسلیم نے کفار کو سمجھانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ دلائل سے، معجزات سے، اپنی دلآویز باتوں سے، اپنے دلکش عمل سے انہیں حق کی طرف بلایا لیکن ان کی ہٹ دھرمی میں سر مو فرق نہ آیا۔ جس سے حضور کے قلبِ مبارک کو سخت اذیت پہنچتی۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو تسلی دیتے ہیں کہ آپ پریشان نہ ہوں۔ یہ اس لیے ایمان سے محروم نہیں ہیں کہ آپ نے تبلیغ میں کوئی کوتاہی کی ہے بلکہ قبولِ حق کی ان میں سرے سے اہلیت ہی نہیں۔ اگر سورج کی کرنوں سے پتھر روشن نہیں ہوتا تو یہ اس کی نااہلی ہے۔ سورج کی کرنوں کی تابانی تو ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ ایمان کی دولت تو ان لوگوں کو عطا کی جاتی ہے جن میں یہ صفات موجود ہوں جن کا ذکر ان آیات میں ہے۔ ان بدبختوں میں تو ان صفات کا نشان تک نہیں، انہیں نعمتِ ایمان کیسے بخشی جاسکتی ہے؟

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 272 2۔ لسان العرب، ج 15، ص 322

نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٧﴾

کوئی شخص جو (نعمتیں) چھپا کر رکھی گئی ہیں ان کیلئے جن سے آنکھیں ٹھنڈی ہونگی ۲۵ یہ صلہ ہے ان (اعمال حسنہ) کا جو وہ کیا کرتے تھے

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا يَسْتَوٗنَ ﴿١٨﴾ اَمَّا الَّذِيْنَ

تو کیا جو شخص ایمان دار ہو وہ اسکی مانند ہو سکتا ہے جو فاسق ہو؟ (نہیں، یہ یکساں نہیں ۲۶ پس جو لوگ ایمان لائے

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ۡ نُزُلًۢا بِمَا كَانُوْا

اور نیک عمل کرتے رہے ۲۷ تو ان کے لیے جنتیں ہمیشہ کا ٹھکانا ہیں بطور ضیافت ان (نیکیوں) کے عوض جو وہ

۲۴ اہلِ ایمان کی مذکورہ بالا صفات کے علاوہ ایک یہ صفت بھی ہے کہ جب دوسرے لوگ اپنے نرم و گداز بستروں پر محوِ استراحت ہوتے ہیں، گہری اور میٹھی نیند کے مزے لوٹتے ہیں تو یہ دردِ محبت کے مارے اپنے پہلوؤں کو اپنے بستروں سے دور رکھتے ہیں۔ اپنے رب کے حضور میں دست بستہ کھڑے ہو کر کبھی اس کی حمد و ثنا کرتے ہیں، کبھی اس کی بارگاہِ اقدس میں جبینِ نیاز جھکاتے ہیں، کبھی دعا کے لیے دامن پھیلا دیتے ہیں اور اپنے کریم و رحیم پروردگار سے اس کے فضل و کرم کی بھیک مانگتے ہیں۔ ان کے دعا کرنے اور مانگنے کا انداز بھی نرالا ہے۔ ساری رات اس کے ذکر میں گزر گئی، لیکن پھر بھی اپنی کوتاہیوں کا احساس بے چین کر رہا ہے اور اس کی بے نیازی کا تصور کر کے دل کانپ رہا ہے، لیکن اس کی بے نیازی اور اپنی کوتاہیوں کے شدید احساس کے باوجود مایوس نہیں ہیں بلکہ اس کے فضل و کرم پر تکیہ کیے ہوئے دامن پھیلا رہے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ ان کا رب بڑا رحیم و کریم ہے۔ جو شخص اس کے حضور میں دستِ سوال پھیلاتا ہے، اس کی شانِ کریمی اُسے خالی واپس نہیں کرتی۔ بیم و رجا کی اسی کشمکش میں وہ اپنے شب و روز گزارتے ہیں۔ اس آیت میں ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو رات ڈھلنے کے بعد اپنے بستروں سے اٹھتے ہیں اور نمازِ تہجد ادا کرتے ہیں۔ بعض علماء نے اس سے اوابین کے نفل بھی مراد لیے ہیں جو مغرب اور عشا کی نماز کے درمیان پڑھے جاتے ہیں۔ ''تَتَجَافٰی'' کا معنی دوری اور بُعد ہے۔ مَضَاجِعُ، مَضْجَعٌ کی جمع ہے، اس کا معنی سونے کی جگہ۔ (1)

۲۵ یعنی کوئی شخص ان انعامات اور نوازشات کا تصور بھی نہیں کر سکتا جو ہم نے اپنے بندوں کے لیے مخصوص کر رکھی ہیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں یہ حدیث موجود ہے۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی اَعْدَدْتُّ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِیْنَ مَالَا عَیْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ (2)۔ ''حضرت ابو ہریرہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جن کو آج تک کسی آنکھ نے نہیں دیکھا، کسی کان نے نہیں سنا اور نہ کوئی انسان اپنے دل میں ان کا تصوّر کر سکتا ہے۔ اس کے بعد حضور نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

۲۶ ارشاد ہوتا ہے کہ مومن اور فاسق یکساں نہیں ہیں۔ فاسق سے مراد یہاں باغی ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت ترک کر کے خود

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 14، ص 99، روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 119

2۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب فلا تعلم نفس، ج 2، ص 704، صحیح مسلم، کتاب الجنة وصفة نعیمها واهلها، ج 2، ص 378

يَعْمَلُوْنَ ۝۱۹ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ

کیا کرتے تھے اور جنہوں نے نافرمانی کی تو ان کا ابدی ٹھکانا آگ ہے۔ جتنی مرتبہ وہ ارادہ کریں گے کہ

يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَ قِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ

(کسی طرح) یہاں سے نکل جائیں تو (ہر بار) انہیں لوٹا دیا جائے گا اس میں اور انہیں کہا جائے گا چکھو آگ کا عذاب جسے

كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝۲۰ وَ لَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ

تم جھٹلایا کرتے تھے۔ اور ہم ضرور چکھاتے رہیں گے انہیں تھوڑا عذاب

الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝۲۱ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ

بڑے عذاب سے پہلے ۲۸؎ تاکہ وہ (فسق و فجور سے) باز آجائیں۔ اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جسے نصیحت کی گئی

رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ؕ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ۝۲۲ وَ لَقَدْ

اس کے ربّ کی آیتوں سے پھر اس نے روگردانی کی ان سے۔ بیشک ہم مجرموں سے ضرور بدلہ لیں گے اور بیشک ہم نے

اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَ جَعَلْنٰهُ

عطا فرمائی تھی موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب، تو آپ شک میں مبتلا نہ ہوں ایسی کتاب کے ملنے سے ۲۹؎ اور ہم نے بنایا تھا

ع ۱۱ ۱۵

مختاری کا دعویٰ کرتا ہے۔ یا غیر خدا کی اطاعت اختیار کرتا ہے۔

۲۷؎ مومن اور کافر کی زندگی، عمل اور انجام میں واضح تضاد ہے اس لیے وہ یکساں کیسے ہو سکتے ہیں۔ ان آیات میں اس تضاد کی وضاحت فرمادی۔ ۲۸؎ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ابدی عذاب میں گرفتار ہونے سے پہلے ان غافلوں اور سرکشوں کو ہم طرح طرح کی مصیبتوں اور رنج والم میں مبتلا کر دیتے ہیں تا کہ وہ خوابِ غفلت سے بیدار ہو کر اپنی اصلاح کر لیں اور عذابِ جہنّم سے بچنے کی تدبیر سوچ لیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی ہے کہ وہ کسی تکلیف اور مصیبت کو انسان کی اصلاح کا ذریعہ بنا دیتا ہے۔ وہ نعمت وراحت جو انسان کو غافل اور سرکش بنادے اس سے وہ مصیبت ہزار درجہ بہتر ہے جو انسان کو گناہوں سے باز رکھنے کا سبب بن جائے۔ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

۲۹؎ اعلانِ نبوت سے پہلے حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں نہ نبی بننے کی کبھی خواہش پیدا ہوئی تھی اور نہ آپ کو یہ توقع تھی کہ آپ

هُدًى لِّبَنِىٓ اِسۡرَآءِيۡلَ ۚ‏ ﴿۲۳﴾ وَجَعَلۡنَا مِنۡهُمۡ اَٮِٕمَّةً يَّهۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا

اسے ہدایت بنی اسرائیل کے لیے اور ہم نے بنایا ان میں سے بعض کو پیشوا، وہ رہبری کرتے رہے ہمارے حکم سے

لَمَّا صَبَرُوۡا ؕ وَكَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا يُوۡقِنُوۡنَ ﴿۲۴﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفۡصِلُ بَيۡنَهُمۡ

جب تک وہ صابر رہے اور جب تک وہ ہماری آیتوں پر پختہ یقین رکھتے تھے ۳۰۔ بیشک آپ کا پروردگار، وہی فیصلہ کرے گا

يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ فِيۡمَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۲۵﴾ اَوَلَمۡ يَهۡدِ لَهُمۡ كَمۡ

ان کے درمیان قیامت کے دن، جن امور میں وہ باہمی، اختلاف کیا کرتے تھے۔ کیا یہ چیز ان کی ہدایت کا باعث نہ بنی ۳۱

اَهۡلَـكۡنَا مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّنَ الۡقُرُوۡنِ يَمۡشُوۡنَ فِىۡ مَسٰكِنِهِمۡ ؕ اِنَّ

کتنی قومیں تھیں جن کو ہم نے ان سے پہلے ہلاک کر دیا حالانکہ یہ چل پھر رہے ہیں ان کے مکانوں میں۔ بیشک

پر وحی خداوندی نازل ہوگی (1)۔ توقع کے خلاف یکایک جبرئیلِ امین کا وحی لے کر آنا حیرت اور شک کا باعث بن سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا ازالہ فرمادیا کہ جبرئیل کے آنے اور وحی کے اترنے سے آپ کو کسی شک میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ کوئی اچنبھا نہیں ہے جو آج تک کبھی نہ ہوا ہو۔ آپ سے پہلے بھی انبیاء تشریف لائے۔ ان پر وحی نازل ہوئی۔ انہیں صحائف اور کتابوں سے مشرف کیا گیا۔ موسیٰ علیہ السلام کا نام کس نے نہیں سنا؟ وہ بھی منصبِ نبوت پر فائز کیے گئے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تورات جیسی کتاب مرحمت فرمائی گئی۔ اب قدرت کی نگاہِ انتخاب نے سارے جہاں کی راہنمائی کے لیے اے یتیمِ مکہ! آپ کو چن لیا اور قرآنِ حکیم جیسے صحیفۂ رشد وہدایت کے نزول کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اس میں قطعاً نہ حیران ہونے کی بات ہے اور نہ شک وشبہ کی گنجائش ہے۔ آیت میں بظاہر اگرچہ خطاب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے لیکن مراد وہ لوگ ہیں جو حضور کی نبوت میں اور قرآن کے منزل من اللہ ہونے میں شک اور تعجب کا اظہار کیا کرتے تھے (2)۔

۳۰۔ موسیٰ علیہ السلام کی اُمت میں سے ہم نے بعض کو امام اور پیشوا بنادیا تاکہ وہ ہمارے فرمان کے مطابق لوگوں کی راہنمائی کریں۔ امامت وپیشوائی کے اس اعلیٰ منصب کے لیے وہی لوگ چنے گئے جو صبر واستقامت سے عبادت وطاعت کی کٹھن اور دشوار راہ پر گامزن رہے۔ دینِ حق کی تبلیغ میں مخالفین کی طرف سے ان پر مصائب کے پہاڑ توڑے گئے مگر وہ گھبرائے نہیں بلکہ بڑی ثابت قدمی اور جوانمردی سے اپنا فرض ادا کرتے رہے۔ جو لوگ عبادت وطاعت سے اُکتا جاتے ہیں اور مصائب وآلام کے مہیب بادلوں کو دیکھ کر گھبرا جاتے ہیں، انہیں امامت کے عظیم منصب کے لیے منتخب نہیں کیا جاتا۔ ائمہ سے مراد یا بنی اسرائیل کے انبیاء تھے کہ وہ اپنے اپنے زمانہ میں دینِ موسوی کی دعوت دیتے رہے یا ان کے وہ علماء وفقہاء تھے جو نبی کے نائب کی

1۔ تفسیر کبیر، جلد 16، جز 31، سورۃ الضحیٰ، زیر آیت نمبر 7 2۔ تفسیر روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 21، ص 137 (تفصیل سورۃ شوریٰ آیت نمبر 52 کا حاشیہ)

فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍؕ اَفَلَا یَسْمَعُوْنَ ﴿۲۶﴾ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى

ان میں (عبرت کی) کئی نشانیاں ہیں۔کیا وہ (ان در و دیوار سے داستان عبرت) نہیں سن رہے ہے؟ کیا انہوں نے ملاحظہ نہیں کیا کہ ہم لے جاتے

الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَ اَنْفُسُهُمْؕ

ہیں پانی بنجر زمین کی طرف ۳۲؎ پھر ہم نکالتے ہیں اس کے ذریعے سے کھیتی، کھاتے ہیں اس سے ان کے چوپائے اور وہ خود بھی

اَفَلَا یُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۸﴾

کیا وہ (یہ بھی) نہیں دیکھتے؟ اور (بار بار) پوچھتے ہیں یہ فیصلہ کب ہوگا؟ (بتاؤ) اگر تم سچے ہو ۳۳؎

حیثیت سے نبوت کے مشن کی تکمیل میں عمر بھر کوشاں رہے۔(1)

۳۱؎ اہلِ مکہ کے تجارتی کارواں مشرق و مغرب کا سفر کرتے تھے۔ان کے راستوں میں کئی اُجڑی ہوئی بستیاں آتی تھیں۔کئی ویران قلعوں اور محلات کے پاس سے ان کا گزر ہوتا تھا۔جن کے کھنڈرات، جن کے شکستہ در و دیوار پکار پکار کر اپنے مکینوں کی بداعمالیوں اور بربادیوں کی عبرت آموز داستانیں دہرا رہے ہوتے ہیں۔ان سے پوچھا جا رہا ہے: کیا تم نے ان عبرت بھری داستانوں کو سننے کی زحمت کبھی گوارا کی۔اگر ان میں سننے کی صلاحیت ہوتی تو وہ ضرور اپنی ہٹ دھرمی سے باز آجاتے۔کفر و شرک کو چھوڑ کر دعوتِ توحید کو بصد شوق قبول کر لیتے۔(2)

۳۲؎ قدرتِ الٰہی کا ایک اور ثبوت پیش کیا جا رہا ہے۔''اَلْجُرُز'' اُس زمین کو کہتے ہیں جو ویسے تو زرخیز ہو لیکن پانی دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے بنجر ہوگئی ہو، گھاس اور چارہ جڑ سے اکھڑ کر رہ گیا ہو یا اونٹوں اور بکریوں نے اسے چر کر ختم کر دیا ہو اور اب وہاں سبز تنکا تک دکھائی نہ دیتا ہو۔علامہ زمخشری لکھتے ہیں: اَلْجُرُزُ اَلْاَرْضُ الَّتِیْ جُرِزَ نَبَاتُهَا اَیْ قُطِعَ اِمَّا لِعَدَمِ الْمَاءِ وَ اِمَّا لِاَنَّهٗ رُعِیَ وَ اُزِیْلَ (3)۔علامہ قرطبی لکھتے ہیں: جو زمین شور اور تھور کی وجہ سے ناقابلِ کاشت ہوگئی ہو، اسے جرز نہیں کہتے۔بلکہ ایسی زمین جو ہو تو زرخیز لیکن پانی نہ ملنے کی وجہ سے بالکل سوکھ گئی ہو۔لَا یُقَالُ لِلَّتِیْ لَا تُنْبِتُ كَالسِّبَاخِ جُرُزٌ۔(4)

کیا یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ نہیں کہ جب خشک سالی کے باعث زرخیز زمینیں بنجر ہو جاتی ہیں اور ان میں کوئی چیز نہیں اگتی، تو اللہ تعالیٰ بارانِ رحمت نازل فرما کر انہیں از سرِ نو سرسبز و شاداب کر دیتا ہے۔اگر وہ اسی ایک چیز میں غور کریں تو اللہ تعالیٰ کا انکار کرنے سے باز آجائیں۔

اس سے اس امر کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ تم اسلام کی ظاہری کمزوری دیکھ کر اس کے مستقبل سے مایوس نہ ہو جاؤ۔اگر بارش کے ایک چھینٹے سے چشم زدن میں بنجر زمین کی کیفیت بدلنے لگتی ہے اور وہاں چند روز کے بعد سرسبز کھیت لہلہانے لگتے ہیں، تو اس سے کوئی بعید نہیں کہ وہ مسلمانوں کی حالتِ زار پر بھی اپنی نظرِ رحمت فرمائے اور چشمِ زدن میں ان کی پستی کو بلندی سے،

1۔تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 14، ص 109
2۔روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 128
3۔تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 516
4۔تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 14، ص 110

قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۲۹﴾

آپ فرمایئے فیصلہ کے دن نہ فائدہ پہنچائے گا کافروں کو ان کا ایمان لانا ۳۴؎ اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿۳۰﴾

ع ۳ | ۸ | ۱۶

پس (اے حبیب!) رُخِ (انور) پھیر لیجیے ان سے ۳۵؎ اور انتظار فرمائیے۔ وہ بھی منتظر ہیں ۳۶؎

ان کی پریشانی کو خوشحالی سے اور ان کی شکست کو فتح سے بدل دے۔

۳۳؎ ''اَلْفَتْحُ'' سے مراد فیصلہ کا دن یعنی روزِ قیامت ہے۔ قَالَ مُجَاهِدٌ يَعْنِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

اہلِ ایمان کفار کو کہا کرتے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا۔ نیک لوگوں کو ان کے نیک اعمال کی جزا ملے گی اور بدکاروں کو آتشِ جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ کفار از راہِ تمسخر پوچھتے کہ وہ فیصلہ کا دن جس کی آمد سے تم ہمیں ہر روز ڈرایا کرتے ہو از راہِ کرم یہ تو بتادو کہ وہ کب آئے گا؟ (1)

۳۴؎ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے محبوب! ان ستم کیشوں سے کہہ دو کہ فیصلہ کا دن آئے گا اور ضرور آئے گا، لیکن اگر تم نے ہولِ قیامت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور اس کے بعد ایمان لانے پر آمادہ ہوئے تو اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اس دن تمہاری ندامت اور خجالت تمہارے کسی کام نہیں آئے گی۔ عقلمندی کا تقاضا تو یہ ہے کہ اب آنکھیں کھولو، اب ہوش میں آؤ اور دعوتِ محمدی علیٰ صاحبہا افضل الصلوٰۃ واجمل السلام قبول کرلو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہیں فلاحِ دارین کا مژدہ سنایا جائے گا اور روزِ محشر اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے انعامات سے مالا مال فرمادے گا۔

۳۵؎ اے محبوب! آپ نے اپنا فرض ادا کردیا۔ ان کو ہلاکت کے گڑھے میں گرنے سے بچانے کے لیے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی لیکن یہ باز نہیں آئے۔ اب ان کی طرف سے رُخِ انور پھیر لیجئے۔ اب یہ نگاہِ التفات کے مستحق نہیں ہیں۔

۳۶؎ آپ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور امداد کا انتظار فرمایئے اور انہیں اپنی بربادی اور تباہی کی گھڑی کا انتظار کرنے کے لیے چھوڑ دیجیے۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ الْعِبَادِ وَمُوَفِّقَهُمْ بِفَضْلِكَ لِلرَّشَادِ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى حَبِيْبِكَ الْاَكْرَمِ وَنَبِيِّكَ الْمُعَظَّمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ وَتَقَبَّلْ مِنِّيْ بِجَاهِهٖ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَوَفِّقْنِيْ لِاِتْمَامِهٖ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ۔ قَدْ فَرَغْتُ مِنْ تَسْوِيْدِ هٰذِهِ السُّطُوْرِ فِيْ ضُحٰى يَوْمِ الثُّلَاثَا

۱۷ جمادی الثانی ۱۳۹۱ھ وَاَنَا نَزِيْلٌ بِمَسْجِدِ ضَاحِيَةٍ مِّنْ ضَوَاحِيْ قَرْيَةِ مَكْهَال۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 14، ص 111

سرٹیفکیٹ

میں نے اِس قرآنِ مجید کو حرفاً حرفاً نہایت غور اُور امعانِ نظر سے پڑھا ہے اُور میں تصدیق کرتا ہُوں کہ اِس کے متن میں کوئی کمی بیشی اُور کتابت کی کوئی غلطی نہیں ہے۔

اَبُوالفیض محمدؐ عبدالکریم
خطیب جامع مسجد خانقاہ ڈوگراں
ضلع شیخوپورہ

طبع جدید سرٹیفکیٹ

ہم نے اس قرآن مجید کو حرفاً حرفاً نہایت غور اور امعان نظر سے پڑھا ہے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" ہم تصدیق کرتے ہیں کہ ان شاء اللہ اس کے متن میں کوئی کمی بیشی یا کتابت کی غلطی نہیں ہے۔

قاری محمد اشرف خوشابی
رجسٹرڈ پروف ریڈر حکومت پنجاب (پاکستان)

مولانا ملک محمد بوستان
فاضل دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف

علامہ محمد زاہد سیفی
فاضل دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف

علامہ غلام علی
فاضل دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف

التحقیقات اللغویہ

	سورت نمبر	حاشیہ نمبر
ا		
استبرق	۱۸	۵۳
ارائک	۱۸	۵۳
موئلا	۱۸	۸۳
اِمرا	۱۸	۹۵
اثاثا	۱۹	۷۱
اَزّ	۱۹	۷۸
اِدّا	۱۹	۸۵
آنست	۲۰	۷
اَزری	۲۰	۱۸
امتا	۲۰	۷۸
امۃ	۲۱	۷۶
ایکہ	۲۶	۹۱
یؤفکون	۲۹	۵۸
ً	۳۰	۵۸
اساطیر	۲۳	۵۲
افک	۲۴	۱۵
ایامیٰ	۲۴	۵۰
ب		
بخعٌ	۱۸	۸
بغیاً	۱۹	۲۰
تبہتہم	۲۱	۳۴
لبلاغًا	۲۱	۸۸
اَلْبَادُ	۲۲	۲۶
بوّأنا	۲۲	۲۸
بُدُن	۲۲	۴۹
بیعٌ	۲۲	۵۶
بُورا	۲۵	۱۷
یُبلس	۳۰	۱۲
بضع	۳۰	۴
ت		
تترا	۲۳	۲۷
ث		
ثمر	۱۸	۵۵
ثریٰ	۲۰	۴
اثاروا	۳۰	۱۰
تثیر	۳۰	۵۳
ج		
اجاء	۱۹	۲۵
جنیا	۱۹	۲۷
جثیا	۱۹	٦۷
یجئرون	۲۳	۳۸

	سورت نمبر	حاشیہ نمبر
یجُبیٰ	۲۸	۶۷
جُرز	۳۲	۳۲
ح		
حُسبان	۱۸	۶۳
اُحیط	۱۸	۶۵
حنانا	۱۹	۱۴
حفیّا	۱۹	۵۰
حصیدا	۲۱	۱۲
یستحسرون	۲۱	۱۶
فحَاق	۲۱	۳۵
حدب	۲۱	۸۱
حصب	۲۱	۸۲
احادیث	۲۳	۲۷
حاصب	۲۹	۳۹
یحبرون	۳۰	۱۶
محضرون	۳۰	۱۷
حکیم	۳۱	۲
حجرا محجورا	۲۵	۲۲
خ		
مخاض	۱۹	۲۵
اخفی	۲۰	۵
خامدین	۲۱	۱۲
مخبطین	۲۲	۴۸
لم یخرّوا	۲۵	۷۱
مختال	۳۱	۳۲

	سورت نمبر	حاشیہ نمبر
ختار	۳۱	۵۰
د		
لِیُدحضوا	۱۸	۸۲
فیدمغه	۲۱	۱۵
یدافع	۲۲	۵۲
ادارك	۲۷	۸۰
یدعون	۳۱	۴۸
ر		
الرقیم	۱۸	۱۲
رشدا	۱۸	۱۳
مرفقا	۱۸	۲۱
ترهقنی	۱۸	۹۶
رُحما	۱۸	۱۰۲
رسول	۱۹	۵۴
رِئیًا	۱۹	۷۱
رکزا	۱۹	۸۵
رکض	۲۱	۱۲
رتقا	۲۱	۲۳
رجالا	۲۲	۳۰
رکاما	۲۴	۷۴
ردأ	۲۸	۳۷
ز		
زلقا	۱۸	۶۳
یُزجی	۲۴	۷۴
زفیرا	۲۵	۱۳

	سورت نمبر	حاشیہ نمبر
س		
سرادق	۱۸	۵۱
اساور	۱۸	۵۳
سندس	۱۸	۵۳
سمیا	۱۹	۸
سریّا	۱۹	۲۶
سِرّ	۲۰	۵
فیسحت	۲۰	۴۴
یسطون	۲۲	۸۶
سامرا	۲۳	۴۱
سراب	۲۴	۶۹
سوای	۳۰	۱۱
سلالة	۳۲	۱۱
سویّٰ	۲۰	۴۱
سَخّر	۲۱	۶۳
ش		
یشوی	۱۸	۵۱
شِعر	۲۶	۱۱۶
شہاب	۲۷	۹
ص		
صعیدا	۱۸	۶۳
صدفین	۱۸	۱۱۵
صدیقا	۱۹	۴۳
صفصفا	۲۰	۷۸
صواف	۲۲	۴۹

	سورت نمبر	حاشیہ نمبر
صوامع	۲۲	۵۶
صلوات	۲۲	۵۶
صبغ	۲۳	۱۵
صافات	۲۴	۷۲
اصطلیٰ	۲۷	۹
یصّدّعون	۳۰	۴۸
تصعّر	۳۱	۳۲
ض		
ضنکاً	۲۰	۹۱
الضامر	۲۲	۳۰
ضللنا	۳۲	۱۶
ط		
طرائق	۲۳	۱۱
ظ		
ظلل	۳۱	۵۰
ع		
عوج	۱۸	۲
عقبا	۱۸	۶۷
عتیّا	۱۹	۹
ً	۱۹	۶۸
العاکف	۲۲	۲۶
عمیق	۲۲	۳۰
معتر	۲۲	۴۹
عقیم	۲۲	۶۹
عزم	۳۱	۳۱

	سورت نمبر	حاشیہ نمبر
ع		
عاکفین	۳۶	۴۳
غفلة	۲۱	۱
غثاء	۲۳	۲۶
ف		
فتیة	۱۸	۱۳
فرط	۱۸	۴۹
فریّا	۱۹	۳۱
یفترون	۲۱	۱۶
فجاجا	۲۱	۲۶
ففتقنا	۲۱	۲۳
فارهین	۲۶	۸۳
الفتح	۳۲	۳۳
فخورٌ	۳۱	۳۲
ق		
قیّما	۱۸	۳
قبلا	۱۸	۸۰
قطر	۱۸	۱۱۵
قصیّا	۱۹	۲۵
قبس	۲۷	۹
قاعًا	۲۰	۷
	۲۰	۷۸
قصما	۲۱	۱۲
نقذف	۲۱	۱۵
نقدر	۲۱	۷۳
القانع	۲۲	۴۹

	سورت نمبر	حاشیہ نمبر
قیعة	۲۴	۶۹
قواعد	۲۴	۸۷
مقرنین	۲۵	۱۳
لم یقتروا	۲۵	۶۵
مقبوحین	۲۸	۴۳
اقم	۳۰	۳۱
قیّم	۳۰	۳۴
	۳۰	۴۷
مقتصد	۳۱	۵۰
ک		
کهف	۱۸	۱۲
کان	۱۹	۳۵
اکاد	۲۰	۱۲
الکرب	۲۱	۶۰
کالحون	۲۳	۶۹
کبکبوا	۲۶	۵۶
کسفا	۳۰	۵۳
ل		
ملتحدا	۱۸	۴۵
لسان صدق	۱۹	۵۲
لُدًّا	۱۹	۸۵
تلقف	۲۰	۵۴
لهوٌ	۲۱	۳
لُجّی	۲۴	۷۰
لعلّ	۳۲	۴

	سورت نمبر	حاشیہ نمبر
م		
مُہل	۱۸	۵۱
مرید	۲۲	۳
المثل الاعلیٰ	۳۰	۲۸
یمہدون	۳۰	۴۹
مرحا	۳۱	۳۲
مہین	۳۲	۱۱
ن		
منتصرا	۱۸	۶۶
نزلا	۱۸	۱۲۲
نبی	۱۹	۵۴
ندیا	۱۹	۷۰
نسف	۲۰	۷۸
نسی	۲۰	۸۵
ینسلون	۲۱	۸۱
منسکا	۲۲	۴۵
منکر	۲۲	۸۶
نادی	۲۹	۳۳
نبینا کم	۳۲	۲۲

	سورت نمبر	حاشیہ نمبر
و		
وصید	۱۸	۲۴
ولایة	۱۸	۶۷
موبقا	۱۸	۷۸
وفدا	۱۹	۸۰
وردا	۱۹	۸۱
اتوکأ	۲۰	۱۴
وجبت	۲۲	۴۹
الودق	۲۴	۷۴
	۳۰	۵۳
ہ		
ھدّا	۱۹	۸۵
ھدی	۲۰	۷
اھش	۲۰	۱۴
ھمسا	۲۰	۷۸
ھامدة	۲۲	۷
ھبآءً	۲۵	۲۳
ھضیم	۲۶	۸۲

التحقیقات النحویہ

	سورت نمبر	حاشیہ نمبر
کبُرت کلمة کی ترکیب	۱۸	۷
ایّ الحزبین احصیٰ کی ترکیب	۱۸	۱۵
بئس الشراب	۱۸	۵۱
ساءت مرتفقا	۱۸	۵۱
لکنا هو الله ربّی	۱۸	۵۹
لا تکلم النّاس ثلاث لیال سویّا	۱۹	۱۲
اشد علی الرّحمٰن عتیّا	۱۹	٦۸
آیاتنا بیّنات	۱۹	۷۰
اِن هذان لساحران	۲۰	۴۷
وَالذی فطرنا	۲۰	۵۸
لکان لزاما و اجل مسمّی	۲۰	۹٦
مامتعنا به ازواجًا منهم	۲۰	۹۸
اسرّ النجویٰ الذین ظلموا	۲۱	۴
الموازین القسط	۲۱	۴۲
سامرا تهجرون	۲۳	۴۱
ینزّل من السماء من جبال فیها من برد	۲۴	۷۵
ثم کان عاقبة الذین اساء والسوآی	۳۰	۱۱
هل لکم مما ملکت ایمانکم	۳۰	۲۹
فطرة الله	۳۰	۳۲
وعدالله	۳۰	۵
والبحر یمده	۳۱	۴۵
تنزیل الکتاب	۳۲	۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فہرست مطالب

اللہ جلّ مجدہٗ

۱۔ توحید

	سورت نمبر	آیت نمبر
وہی حمد کا مستحق ہے۔	۱۸	۱
ہر چیز اسی کی حمد و تسبیح کرتی ہے۔	۲۴	۴۱
اوّل و آخر حمد کا وہی مستحق ہے۔	۲۸	۷۰
صبح و شام اس کی تسبیح کیا کرو۔	۳۰	۱۷
آسمان و زمین میں اسی کی حمد ہو رہی ہے	۳۰	۱۸
رحمٰن عرش پر مستوی ہوا۔	۲۰	۵
〃 〃 〃 〃	۳۲	۴
〃 〃 〃 〃	۲۵	۵۹
وہ وحدہٗ لاشریک ہے، اسکے خوبصورت نام ہیں	۲۰	۸
وہی ایک خدا ہے	۲۱	۲۵۔۱۰۸
〃 〃 〃	۲۲	۳۴
〃 〃 〃 〃	۲۳	۱۱۶
مشرکین کا اقرار کہ زمین و آسمان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا۔	۳۱	۲۵
ہر چیز طوعاً کرہاً اسی کو سجدہ کرتی ہے۔	۲۱	۲۵
ہم نے زمین و آسمان کو دل لگی کے لیے پیدا نہیں کیا۔	۲۱	۱۶،۱۷
شمس و قمر، دشت و جبل سب اس کو سجدہ کناں ہیں۔	۲۲	۱۸
وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔	۲۲	۵۸
اللہ نور السمٰوات والارض	۲۴	۳۵ مع حاشیہ
اس کے نور کی مثال	۲۴	۳۵
خلق و امر اور تدبیر کا وہی مالک ہے۔	۴	۳۲
زمین و آسمان کی تخلیق چھ دنوں میں	۲۵	۵۹
اس کی صحیح تشریح		۵۶ حاشیہ
سمندر سیاہی بن جائیں تب بھی اس کی تعریف کا حق ادا نہ ہو سکے گا۔	۳۱	۲۷
مشرکین کے تلبیہ سے اہلِ سُنّت پر اعتراض اور اس کا ردّ۔	۳۰	۲۹ حاشیہ
تخلیق، رزق، موت و حیات سب اسی کے قبضہ اختیار میں ہیں۔	۳۰	۴۰
تدبیرِ کائنات اسی کے دستِ قدرت میں ہے	۳۲	۵
بنجر زمین کو سرسبز کر دیتا ہے۔ تم اور تمہارے جانور اس سے خوراک حاصل کرتے ہو۔	۳۲	۲۷
زمین و آسمان کی ہر چیز کو تمہارے لیے مسخر کر دیا		
ظاہری اور باطنی نعمتوں کی حد کر دی۔	۳۱	۲۰
اس کا کوئی بیٹا نہیں۔	۱۹	۹۲،۹۳
اسے زیبا نہیں کہ کسی کو بیٹا بنائے	۱۹	۳۵
فرشتے اس کے معزز بندے ہیں اولاد نہیں	۲۱	۲۶۔۲۷

۲۔ دلائلِ توحید

	سورت نمبر	آیت نمبر
زمین کی زینتیں اسی نے پیدا فرمائی ہیں۔	۱۸	۷
اس نے زمین کو پنگھوڑا بنایا اور اس میں راستے بنائے۔	۲۰	۵۳ تا ۵۵
اگر کوئی دُوسرا خدا ہوتا تو نظامِ عالم درہم برہم ہو جاتا	۲۱	۲۲ حاشیہ
زمین و آسمان جڑے ہُوئے تھے (کانتا رتقاً)، پھر ہم نے ان کو الگ الگ کر دیا اور دیگر دلائل	۲۱	۳۰ تا ۳۳
فلک اور سماء دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ اس کی تحقیق	۲۱	حاشیہ ۲۹
لیل و نہار، شمس و قمر کا وہی خالق ہے	۲۱	۳۳
آسمانوں کو بلند کرنا، شمس و قمر کی تسخیر، تدبیرِ امر، زمین کا بچھانا، انہار و اثمار، لیل و نہار	۲۲	۶۱ تا ۶۵
کفار کا اعتراف توحید۔	۲۳	۸۴ تا ۹۰
وہ پانی کو اندازے سے اتارتا ہے۔	۲۳	۱۸
کھجوروں اور انگوروں کے باغات	۲۳	۱۹
زیتون کا درخت	۲۳	۲۰
جانوروں میں قدرت کی نشانیاں	۲۳	۲۱،۲۲
وہی زندہ کرنے والا وہی مارنے والا ہے	۲۳	۸۰
اختلاف لیل و نہار۔	″	″
دلائل تکوینی	۲۴	۴۳ تا ۴۵
سایہ کا پھیلنا وغیرہ، آیات تکوینیہ	۲۵	۴۵ تا ۵۰
میٹھے کڑوے پانی کا یکجا ہونے کے باوجود آپس میں نہ ملنا۔	۲۵	۵۳
دلائلِ توحید	۲۸	۷۰ تا ۷۳

	سورت نمبر	آیت نمبر
توحید کے قرآنی دلائل	۲۷	۶۰ تا ۶۶
وجعل الارض قرارا کی تشریح	۲۷	حاشیہ ۶۸
آسمانوں اور زمین کی تخلیق زبانوں اور رنگوں میں اختلاف اہلِ علم کے لیے ان میں روشن نشانیاں ہیں۔	۳۰	۲۲
رات کی نیند، دن کی تگ و دو میں غور سے سُننے والوں کے لیے آیات ہیں۔	۳۰	۲۳
بجلی کا چمکنا، بارش کا برسنا، پھر زمین کا زندہ ہونا اہلِ عقل کے لیے اس میں بڑی نشانیاں ہیں	۳۰	۲۴
آسمان و زمین اسکے حکم سے اپنی اپنی جگہ قائم ہیں	۳۰	۲۵
ایسی قدرت والا تمہیں قیامت کے دن زندہ کرے گا	۳۰	۲۵
جب تم اپنے اموال میں اپنے غلاموں کو برابر کا حصّہ دار بنانا گوارا نہیں کرتے تو پھر خدا کی خدائی میں کون اس کا حصّہ دار بن سکتا ہے۔	۳۰	۲۸
مُشرکین کے تلبیہ سے اہلِ سُنّت پر اعتراض اور اس کا رد۔	۳۰	حاشیہ ۲۹
ہواؤں کا چلنا، پانی میں کشتیوں کا تیرنا اُس کی قُدرت کی نشانیاں ہیں۔	۳۰	۴۶
ہواؤں کا چلنا، بادلوں کا چھانا، بارش کا برسنا اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔	۳۰	۴۸
آسمانوں اور زمین کی چھ دنوں میں تخلیق۔	۳۲	۴
آسمانوں کو بغیر ستونوں کے پیدا کیا اور زمین میں پہاڑ جمائے تاکہ وہ ڈولتی نہ رہے۔	۳۱	۱۰
زمین و آسمان کی ہر چیز کو تمہارے لیے مسخر کر دیا۔ ظاہری باطنی نعمتوں کی حد کر دی۔	۳۱	۲۰

	سورت نمبر	آیت نمبر
رات کو دن میں، دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ تسخیر شمس وقمر، ہر چیز اپنے وقت مقررہ تک رواں دواں ہے۔	۳۱	۲۹
کشتی کے سطح آب پر چلنے میں صبار شکور کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔	۳۱	۳۱
انسان کی تخلیق کے مراحل۔	۲۲	۵
مٹی سے انسان کی تخلیق	۳۰	۲۰
سلسلہ ازدواج اور باہمی مودّت ورحمت	۳۰	۲۱
کمزوری سے قوت اور قوت سے ضعف و بڑھاپا	۳۰	۵۴
جس چیز کو بنایا خوب بنایا۔	۳۲	۷
انسان کی تخلیق طین سے	۳۲	۷
اس کی نسل ماء مہین سے	۳۲	۸

۳ صفات الٰہی

(ا) علم الٰہی

	سورت نمبر	آیت نمبر
وہ رازوں اور پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔	۲۰	۷
وہ گزشتہ آئندہ سب حالات کو جانتا ہے۔	۲۰	۱۱۰
اسکی حقیقت کو کوئی نہیں سمجھ سکتا۔	۲۰	۱۱۰
وہ ہر بات کو جانتا ہے۔	۲۱	۱۱۰
وہ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔	۲۲	۱۷
وہ لطیف خبیر ہے۔	۲۲	۶۳
	۳۱	۱۶
سمیع بصیر ہے۔	۲۲	۶۱
وہ العلی الکبیر ہے	۲۲	۶۲
وہ غنی حمید ہے۔	۲۲	۶۴
وہ زمین وآسمان کی ہر چیز کو جانتا ہے۔	۲۲	۷۰
وہ دلوں کے راز جاننے والا ہے۔	۲۸	۶۹
" " "	۲۷	۷۴
" "	۳۱	۲۳
وہ عالم الغیب ہے	۲۷	۶۵
علم غیب کی تفصیلی بحث	۲۷	حاشیہ ۷۸
زمین وآسمان کی ہر چیز کو جانتا ہے	۲۹	۵۲
وہ سمیع علیم ہے	۲۹	۵، ۶۰
بکل شیءٍ علیم	۲۹	۶۲
عالم الغیب والشہادۃ	۳۲	۶
رائی سے بھی چھوٹی چیز یا چٹان کے اندر جو چیز ہو اس کو جانتا ہے۔	۳۱	۱۶
سارے درخت قلمیں اور سارے سمندر سیاہی بن جائیں تب بھی اسکے علم کا بیان مکمل نہیں ہوتا	۳۱	۲۷
وہ سمیع بصیر ہے	۳۱	۲۸
بما تعملون خبیر۔	۳۱	۲۹

(ب) رحمت ومغفرت الٰہی

	سورت نمبر	آیت نمبر
آپ کا رب غفور اور رحمت والا ہے۔	۱۸	۵۸
وہ مجرم کو فوراً نہیں پکڑتا بلکہ مہلت دیتا ہے۔	۱۸	۵۸
اپنے بندے زکریا علیہ السلام پر خصوصی رحمت	۱۹	۲
انبیاء پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور ان کیلئے دائمی تعریف	۱۹	۵۰
اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کے لیے غفار ہے	۲۰	۸۲
وہ لوگوں کے لیے رؤف رحیم ہے	۲۲	۶۵
عفو غفور ہے	۲۲	۶۰
اس کی رحمت اور اس کا فضل نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی بھی پاک نہ ہوتا۔	۲۴	۲۱

	سورت نمبر	آیت نمبر		سورت نمبر	آیت نمبر
وہ برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے	۲۵	۷۰	تمہاری ظاہری اور باطنی قوتیں اسی نے پیدا کیں۔	۲۳	۷۸
وہ غفور رحیم ہے۔	”	”	اسی نے تمہیں زمین میں پھیلایا وہی تمہیں	۲۳	۷۹،۸۰
آپ کا رب لوگوں پر فضل و کرم فرمانے والا ہے	۲۷	۷۳	زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔		
وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا لوگ ہی اپنے اُوپر	۲۹	۴۰	ہر جانور کو پانی سے پیدا کیا اور جیسے چاہا۔	۲۴	۴۵
ظلم کرتے ہیں۔			اس نے زمین و آسمان کو حق کیساتھ پیدا کیا۔	۲۹	۴۴
جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور	۲۹	۲۱	وہ غنی عن العالمین ہے۔	۲۹	۶
جس پر چاہتا ہے رحمت فرماتا ہے۔			تخلیق کی ابتدا اور اس کا اعادہ اس	۲۹	۱۹-۲۰
اس کے عذاب اور رحمت کی مختلف صورتیں	۲۹	حاشیہ ۲۴	کے لیے آسان ہے۔		
وہ عزیز رحیم ہے۔	۳۰ ۳۱	۵ ۶	زمین و آسمان کی ہر چیز اسی کی ہے اور	۳۰	۲۶
وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا، لوگ خود اپنے اُوپر	۳۰	۹	اسی کی فرمانبردار ہے		
ظلم کرتے ہیں۔			تخلیق، رزق، موت و حیات، سب اسی	۳۰	۴۰
نجات اس کی رحمت سے ہی ہوگی	۳۰	۴۵	کے قبضۂ اختیار میں ہیں۔		
مومنوں کی نصرت اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ہے	۳۰	۴۷	وہ غنی حمید ہے	۳۱	۲۶
کان حقا علینا نصر المومنین			(د) وہ ہر چیز پر قادر ہے		
اللہ تعالیٰ کی مختلف قسم کی نعمتیں اُن میں	۳۱	۲۰	جسے وہ گمراہ کردے اُسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا	۱۸	۱۷
عرفانِ الٰہی اور آتشِ عشق سرِ فہرست ہے۔			بڑھاپے میں بچہ دینا اس کے لیے آسان ہے	۱۹	۹
(ج) اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق و مالک ہے			بغیر باپ بیٹا دینا اس پر آسان ہے۔	۱۹	۲۱
زمین اور جو کچھ اُس کے اُوپر ہے اس کے	۱۹	۴۰	اس کے امرِ کُن سے ہر چیز ہو جاتی ہے۔	۱۹	۳۵
ہم وارث ہیں۔			اس سے کوئی باز پُرس نہیں کر سکتا۔	۲۱	۲۳
آسمانوں اور زمین کا وہ خالق ہے	۱۹	۶۵	جو چاہتا ہے کرتا ہے۔	۲۲	۱۴-۱۸
آسمانوں، زمین اور مافیھا کا وہی	۲۴	۶۴	وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے	۲۲	۶۶
مالک ہے	۲۰	۶			
	۲۲	۶۴	جس کو وہ ذلیل کرے اسے کوئی عزت	۲۲	۱۸
	۲۱	۱۹،۶۰			
	۲۵	۲	دینے والا نہیں۔		
	۳۱	۲۶	جس کو چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے۔	۲۴	۴۶
ہر چیز کو پیدا کیا اور اسے نورِ ہدایت بخشا۔	۲۰	۵۰			
(اعطی کل شیئ خلقہ ثم ھدیٰ)			ہر چیز پر قادر ہے۔	۲۹	۱۹تا۲۲

	سورت نمبر	آیت نمبر
تمہارا رازق اللہ تعالیٰ ہے بُت نہیں۔	۲۹	۱۷
آفرینش کا آغاز اُس نے کیا اور اعادہ	۳۰	۱۱۔۲۷
اس پر مشکل نہیں۔	۲۹	۱۹۔۲۰
وہ ہر چیز پر قادر ہے۔	۲۹	۲۰
جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے رحمت فرماتا ہے۔	۲۹	۲۱
اسکے عذاب اور رحمت کی مختلف صورتیں	۲۹	حاشیہ ۲۴
جس کی چاہتا ہے مدد فرماتا ہے	۳۰	۵
زندہ کو مُردہ سے اور مُردہ کو زندہ سے وہی نکالتا ہے	۳۰	۱۹
جس کو چاہتا ہے وسیع رزق دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے مفلس کر دیتا ہے۔	۳۰	۳۷
اس کی اس تقسیم میں اسکی حکمت کی نشانیاں ہیں۔		
وہ مُردوں کو زندہ کر سکتا ہے ہر چیز پر قادر ہے	۳۰	۵۰
وہ جسے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے وہ علیم قدیر ہے	۳۰	۵۴
تم سب کو پیدا کرتا، پھر مارنے کے بعد زندہ کرنا اُس کے لیے آسان ہے۔	۳۰	۲۷
وہ علیٌّ کبیر ہے۔	۳۱	۳۰
(۵) اللہ تعالیٰ کسے ہدایت دیتا ہے۔		
جسے وہ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے۔	۱۸	۱۷
جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔	۲۲	۱۶
ایمان والوں کو صراطِ مستقیم کی ہدایت دیتا ہے	۲۲	۵۴
جس کو چاہتا ہے راہِ راست کی ہدایت دیتا ہے	۲۴	۴۶
تمہارا اور جملہ حیوانات کا وہی رازق ہے	۲۹	۶
جسے چاہتا ہے فراخ روزی دیتا ہے، جسے چاہتا ہے مُفلس کر دیتا ہے۔	۲۹	۶۲

	سورت نمبر	آیت نمبر
اللہ تعالیٰ محسنین کے ساتھ ہے	۲۹	۶۹
(و) کس کو ہدایت نہیں دیتا اور محبت نہیں کرتا		
وہ گمراہ کرنے والوں کا حامی نہیں	۱۸	۵۱
وہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔	۲۸	۵۰
وہ مُفسدین کو پسند نہیں کرتا	۲۸	۷۷
اتباعِ اھواء کے باعث جسے خدا گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔	۳۰	۲۹
وہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا	۳۰	۴۵
متفرق		
اگر سارے سمندر سیاہی بن جائیں۔ الخ	۱۸	۱۰۹
ہم باطل پر حق سے چوٹ لگاتے ہیں اور اسے پاش پاش کر دیتے ہیں۔	۲۱	۱۸
جسے خدا ذلیل کرے اُسے کوئی عزت دینے والا نہیں	۲۲	۱۸
جو اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسکی مدد کرتا ہے	۲۲	۴۰
جن پر زیادتی کی گئی اللہ تعالیٰ انکی مدد فرمائے گا۔	۲۲	۶۰
اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہے باقی سب جھوٹے خدا ہیں	۲۲	۶۲
قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان فیصلہ فرمائیگا	۲۲	۶۹
بیشک اللہ تعالیٰ قوی عزیز ہے۔	۲۲	۷۴
سمیع بصیر ہے۔	۲۲	۷۵
اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو ایک اندازہ سے پیدا کیا ہے	۲۵	۲
بیشک آپ کا رب عزیز رحیم ہے۔ (یہ آیت اس سورت میں کئی بار آئی ہے۔)	۲۶	۹
اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو نہایت عمدہ طریقہ سے بنایا ہے۔	۲۷	۸۸
مسلم صنعتکاروں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت	۲۷	حاشیہ ۱۵۲
وہ غنی عن العالمین ہے۔	۲۹	۶
وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔	۳۰	۶

سیّدنا و مولانا محمّد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم

۱۔ نبوّت و رسالت

	سورت نمبر	آیت نمبر
انبیاء کی میراث کی تحقیق	۱۹	حاشیہ ۵ تا ۷
نبوّت و رسالت کا مفہوم	۱۹	حاشیہ ۵۴
انبیاء پر اللہ تعالیٰ کے انعامات	۱۹	۵۸
انسانوں کی طرف انسان ہی نبی بن کر آئے افادہ و استفادہ اسکے بغیر ناممکن ہے۔	۲۱	۷
رسُول ہمیشہ مرد ہی آئے ہیں	۲۱	۷
ہم نے انبیاء سے اپنا وعدہ پورا کیا وہ نجات پاگئے اور اُن کے دشمن ہلاک ہوگئے۔	۲۱	۹
مَیں تمہارے لیے نذیر مبین ہوں۔	۲۲	۴۹
ہر اُمت کے لیے ایک شریعت ہے۔	۲۲	۶۷
بیشک آپ ہدایت پر ہیں۔	۲۲	۶۷
اگر وہ آپ سے جھگڑیں تو آپ اللہ تعالیٰ کے سپرد کریں	۲۲	۶۸
حضورؐ سارے عالموں کے لیے نذیر ہیں۔	۲۵	۱
حضورؐ کی رسالت پر کفار کے اعتراضات اور ان کے جوابات	۲۵	۷ تا ۱۱
آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں۔	۲۶	۲۱۴
رسول کے ذمّہ بلاغ مبین ہے۔	۲۹	۱۸
حضورؐ کی ذات شک و شبہ سے بالاتر ہے	۲۹	۴۸

۲۔ رحمت و خلق عظیم

	سورت نمبر	آیت نمبر
کیا آپ ان کے غم میں جان دے دیں گے	۱۸	حاشیہ ۸
آپ انکی رفاقت پر صبر فرمائیں جو اہلِ ایمان ہیں	۱۸	۲۸
فقرائے اُمت پر آپ کی نگاہِ شفقت ہمیشہ رہے	۱۸	۲۸
ستر ہزار بے حساب ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ستر ہزار بخش دیے جائیں گے۔	۱۹	حاشیہ ۸۰
حضورؐ کی رحمۃ للعالمینی کے صدقے کفار پر فوراً عذاب نہیں ہوتا	۲۰	حاشیہ ۹۶
بریئا ممّا تعملون فرمایا بریٔ منکم نہیں فرمایا۔ اس کی حکمت۔	۲۶	۲۱۶ حاشیہ ۱۱۱

۳۔ شانِ مصطفوی

	سورت نمبر	آیت نمبر
اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندے پر کتاب نازل کی۔	۱۸	۱
حضورؐ کی بشریت کی حقیقت۔	۱۸	حاشیہ ۱۲۴
شانِ بندگی میں آپ کا کوئی ہمسر نہیں	۱۸	۱
نُورِ محمدی کی تخلیق۔	۱۸	حاشیہ ۱۲۴
ربّکَ، ربوبیت کی نسبت آپ کی طرف۔ (آپ کا رب)	۱۹	۲
شفاعت کا ضابطہ	۱۹	۸۷

	سورت نمبر	آیت نمبر
طٰہٰ (اے چودھویں کے چاند)	۲۰	۱
آپکا مبداء تعین محبوبیت ہے اور آپ	۲۰	۳۹
سب محبوبوں کے سردار ہیں	"	حاشیہ۲۳
آپ صبر فرمائیے صبح شام رات دن تحمید و تسبیح کرتے رہیے۔	۲۰	۱۳۰
ذکرِ الٰہی سے آپکو قلبی خوشی نصیب ہوگی۔	۲۰	۱۳۰
پہلے انبیاء بھی بشر ہی تھے	۲۱	۷
بارگاہِ رسالت میں بے ادبی بربادی کا باعث ہے	۲۱	حاشیہ۱۹
حضرت انسؓ کی عرض پر حضورؐ کا ارشاد کہ قیامت کے روز مجھے تین جگہ تلاش کریں۔	۲۱	حاشیہ۴۳
حضور رحمت للعالمین ہیں۔	۲۱	حاشیہ۸۹
جو خیال کرتا ہے اللہ اپنے رسول کی مدد نہیں فرمائے گا وہ گلے میں رسی ڈال کر خودکشی کرلے۔	۲۲	۱۵
تلك الغرانيق العلىٰ کی روایت موضوع ہے	۲۲	حاشیہ۶۵
حضور تم پر گواہ اور تم لوگوں پر گواہ	۲۲	۷۸
آپ ہدایت مستقیم پر ہیں۔	۲۲	۶۷
حضور کی رشتہ داری قیامت کو بھی نفع دیگی	۲۳	۱۰۱
حضرت سیدہ کی فضیلت	۲۳	حاشیہ۶۶
بارگاہِ رسالت میں استغاثہ شرک نہیں	۲۳	حاشیہ۵۸
حضرت مریم اور یوسفؑ کی براءت کا اعلان	۲۴	حاشیہ۳۱
کسی اور حضرت عائشہ کی براءت کا اعلان خود فرمایا	"	"
مثل نورہ کا مرجع حضورؐ کی ذات ہے	۲۴	حاشیہ۶۲
حضور جس کو چاہیں اجازت دیں اور ان کے لیے مغفرت طلب کریں۔	۲۴	۶۲
حضور کو بلانے کے آداب	۲۴	۶۳

	سورت نمبر	آیت نمبر
آپکا رب آپکا ہادی اور مددگار ہے	۲۵	۳۱
آپ مبشر اور نذیر ہیں۔	۲۵	۵۶۔۵۷
حضور کی شان رفیع	۲۵	حاشیہ۱۰
زمین کے خزانوں کی کنجیاں	۲۵	حاشیہ۱۱
حبیب و کلیم میں فرق	۲۶	حاشیہ۳۹
اپنے غلاموں کے لیے اپنے پروں کو بچھا کیجیے۔	۲۶	۲۱۵
اس پر توکل فرمائیے جو ہر وقت آپکو دیکھ رہا ہے	۲۶	۲۱۷
حين تقوم وتقلبك فى الساجدين	۲۶	۲۱۸تا۲۱۹
حضورؐ کے والدین کا ایمان	۲۶	حاشیہ۱۱۴
اللہ پر توکل فرمائیے آپ حق مبین پر ہیں۔	۲۷	۷۹
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شیخین کو ساتھ لے کر عساکرِ اسلام کی مدد فرمانا۔	۳۰	حاشیہ۵۵
سماع موتٰی کی تفصیلی بحث		حاشیہ۵۵
میری صداقت کے لیے اللہ کی گواہی کافی ہے	۲۹	۵۲
رومیوں کے غلبہ کی پیشگوئی	۳۰	۲تا۶

۴۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم

	سورت نمبر	آیت نمبر
ذوالقرنین کے بارے میں سوال اور اسکا جواب	۱۸	۸۳
ربّ زدنی علما کی دعا	۲۰	۱۱۴
حضور کے علم لدنی کی کیفیت	۲۰	حاشیہ۸۳
ما فی الارحام کا علم	۲۲	۵
واقعہ افک سے حضور کے علم کا شبہ اور اس کا ازالہ	۲۴	حاشیہ۲۱

	سورت نمبر	آیت نمبر
حضور کا علم خداداد تفصیلی بحث	۲۷	حاشیہ ۷۸
کسریٰ کی حکومت کی تباہی کی پیشگوئی پوری ہوگئی	تعارف سورہ روم	
۵۔ حضور کی اطاعت		
جو حضور کی اطاعت کرتے ہیں وہی کامیاب ہیں	۲۴	۵۱
〃 〃 〃 〃 〃	۲۴	۵۲
〃 〃 〃 〃 〃	۲۴	۵۴
حضور کے نافرمان روزِ حشر ندامت سے ہاتھ کاٹیں گے۔	۲۵	۲۷ تا ۲۹
۶۔ اظہارِ عبودیت		
قُل انما انا بشر مثلکُم		
حضور کی بشریت کے بارے میں تفصیلی بحث	۱۸	حاشیہ ۱۲۴
آپ مجرموں کی امداد نہ کیجیے۔	۲۸	۸۶
آپ مُشرکوں میں سے نہ بنیے	۲۸	۸۷
آپ مُردہ دِلوں کو نہیں سُنا سکتے۔	۳۰	۵۲
سماعِ موتیٰ کی تفصیلی بحث۔	۳۰	حاشیہ ۵۵

اسلام

	سورت نمبر	آیت نمبر
مبلغ اسلام کو نرم خُو اور خوش گفتار ہونا چاہیے	۲۰	۴۴
سب انبیاء دینِ توحید لے کر آئے تھے	۲۱	۹۲
اہلِ غرض نے اسے پارہ پارہ کر دیا	۲۱	۹۳
〃 〃 〃 〃	۲۳	۵۳
ہر گروہ اپنے نظریات پر خوش ہے	۲۳	۵۳
اگر حق لوگوں کی نفسانی خواہشات کی پیروی کرے تو نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے	۲۳	۷۱
والدین سے حُسنِ سلوک کا حکم	۲۹	۸
اہلِ کتاب کو اسلام کی دعوت کیسے دی جائے۔	۲۹	۴۶
اسلام دینِ فطرت ہے،	۳۰	۳۰
اس کی تشریح۔		حاشیہ ۳۲
یہ دینِ قیّم ہے۔ دقیّم کی توضیح،	۳۰	حاشیہ ۳۴
دینِ قیّم کی پیروی کا حکم	۳۰	حاشیہ ۴۷

انبیاء علیہم السّلام

	سورت نمبر	آیت نمبر
سب انبیاء ایک دین لے کر آئے	۲۱	۹۲
خود غرضوں نے دین کو پارہ پارہ کر دیا	۲۱	۹۳
" " " " "	۲۳	۵۳
انبیاء کے اخلاق، وہ نیکی کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جاتے ہیں امید و بیم سے ہمیں پکارتے ہیں۔ اور عاجزی اختیار کرتے ہیں۔	۲۱	۹۰
ا۔ آدم علیہ السّلام		
فرشتوں کو سجدہ آدم کا حکم	۱۸	۵۰
سجدہ آدم کا حکم	۲۰	۱۱۶
اولاد آدم کو نصیحت کہ شیطان تمہارا دشمن ہے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اسکو دوست نہ بناؤ۔	۱۸	۵۰
یہ تمہارا دشمن ہے تمہیں گمراہ نہ کر دے۔	۲۰	۱۱۷
آپ کی بھول، لیکن عزم نہیں تھا۔	۲۰	۱۱۵
شیطان کی فریب دہی۔	۲۰	۱۲۰
عصیٰ آدم ربّہٗ فغویٰ کی تحقیق۔	۲۰	۱۲۱
آدم کو چن لیا۔	۲۰	۱۲۲
آپ کا جنت سے زمین پر ہبوط اور اللہ تعالیٰ کی نصیحت۔	۲۰	۱۲۳
ب۔ ابراہیم علیہ السلام		
آپ صدیقاً نبیّا تھے۔	۱۹	۴۱

	سورت نمبر	آیت نمبر
اپنے باپ کو دعوت توحید اور اس کا انداز	۱۹	۴۲ تا ۴۸
آپ کو اولاد صالح، رحمت خاص اور لسان صدق علیا سے سرفراز کیا گیا۔	۱۹	۴۹، ۵۰
ابراہیم علیہ السّلام اور بتوں کو توڑنے کا واقعہ آگ کا گلزار بننا۔	۲۱	۵۱ تا ۷۰ مع حواشی
آپ کا اپنی قوم کو دعوت توحید دینا۔	۲۱	۶۶، ۶۷
بتوں کی بے بسی کا بیان۔	"	"
کفار کا آگ میں جلانے کا منصوبہ اور آپ کیلئے آگ کا گلزار ہونا۔	۲۱ / ۲۹	۶۸ تا ۷۰ / ۲۴
تعمیر بیت اللہ کی جگہ کا تعین، شرک سے بچنے کی تاکید اور کعبہ کو پاک صاف رکھنے کی تاکید۔	۲۲	۲۶
حج کے بارے میں اعلان عام کرنے کا حکم	۲۲	۲۷
حج کے لیے بعض ہدایات اور احکام	۲۲	۲۸، ۲۹
آپ کی دعوتِ توحید	۲۶	۶۹ تا ۸۲
اپنے لیے دعا	۲۶	۸۳ تا ۸۵
اپنے باپ کے لیے دعائے مغفرت	۲۶	۸۶ تا ۸۷
آپ کی دعوت توحید	۲۹	۱۶، ۱۷
آپ پر انعامات الٰہی اسحاق، یعقوب نبوّت، کتاب	۲۹	۲۶، ۲۷
آپ کی شانِ بندگی اور ربِّ کریم کی شانِ بندہ نوازی۔	۲۹	حاشیہ ۳۰، ۳۱

	سورت نمبر	آیت نمبر
ج) ادریس علیہ السلام		
آپ صدیقاً نبیا تھے۔	۱۹	۵۶
آپ صاحب مقام رفیع تھے	۱۹	۵۷
د) اسحٰق علیہ السلام		
آپ صالح پیشوا اور ہدایت یافتہ تھے	۲۱	۷۲،۷۳
اسمٰعیل علیہ السلام		
آپ صادق الوعد اور رسول نبی تھے	۱۹	۵۴
آپ اپنے اہل کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے	۱۹	۵۵
آپ اپنے ربکے پسندیدہ بندے تھے۔	۱۹	۵۵
ایوب علیہ السلام		
آپ کی آزمائش اور کامیابی	۲۱	۸۳،۸۴
بائبل میں قصہ ایوب کا ذکر اور تقابلی مطالعہ۔	۲۱	حاشیہ ۷۰
داؤد علیہ السلام		
کھیتی کے جھگڑے کا فیصلہ	۲۱	۷۸،۷۹
آپ کے لیے پہاڑوں اور پرندوں کو مسخر کر دیا۔	۲۱	۷۹
زرہ سازی کا فن عطا ہوا	۲۱	۸۰
آپکو علم مرحمت ہوا اور دیگر عزت افزائیاں	۲۷	۱۵

	سورت نمبر	آیت نمبر
سلیمان علیہ السلام آپ کے وارث بنے	۲۷	۱۶
انبیاء کی وراثت کی تحقیق		حاشیہ ۲۲
ذوالقرنین		
اس کے متعلق تفصیلی بحث	۱۸	۸۳ تا ۹۸
یہ کون تھے؟ کیا یہ پیغمبر تھے یا نہیں۔ انکے مذکورہ سفروں کی تفصیل		حاشیہ ۱۰۵
زکریا علیہ السلام		
آپ کی دُعا، اندازِ دُعا۔ دُعا کی قبولیت' آپ کی نیازمندی' بیٹے کا مژدہ	۱۹	۲ تا ۱۱
حضرت زکریا اور یحییٰ کا کردار قرآن کے آئینے ہیں۔	۱۹	۱۲
بائبل انکے متعلق کیا کہتی ہے تقابلی مطالعہ	۱۹	حاشیہ ۱۳
اولاد کے لیے دُعا۔	۱۹	۱۵
سلیمان علیہ السلام		
کھیتی کے جھگڑے کا تصفیہ	۲۱	۷۸،۷۹
آپکے لیے ہوا اور جنّات کو مسخّر کر دیا	۲۱	۸۱،۸۲
وادیٔ نمل پر آپ کا گزر اور عنایات ربّانی پر اظہارِ تشکّر۔	۲۷	۱۸،۱۹
حضرت داؤد علیہ السلام کے کئی بیٹے تھے	۲۷	حاشیہ ۲۲
ہُدہُد کا قصہ، ملکہ سبا کا واقعہ اور دیگر ضمنی مباحث	۲۷	۲۰ تا ۴۴

	سورت نمبر	آیت نمبر
آپ کے اُمتی کی کرامت	۲۷	۴۰
کرامات اولیاء کا ثبوت	۲۷	حاشیہ ۴۵
آپ کے مکتوب کا پُر جلال مضمون	۲۷	۳۰ تا ۳۲
بادشاہ جب کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اسے برباد کر دیتے ہیں۔	۲۷	۳۴

شعیب علیہ السلام

	سورت نمبر	آیت نمبر
اپنی قوم کو وعظ و نصیحت	۲۶	۱۷۷، ۱۷۸
تقویٰ اور اطاعت کی دعوت	۲۶	۱۷۹
مَیں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا	۲۶	۱۸۰
ناپ تول صحیح رکھو، ورنہ فساد برپا ہو جائے گا۔	۲۶	۱۸۱ تا ۱۸۳
قوم کا ردِّ عمل اور اس کا عبرتناک انجام	۲۶	۱۸۶ تا ۱۹۱
آپ کی دعوت، قوم کا ردِّ عمل اور اس کا عبرتناک انجام۔	۲۹	۳۶، ۳۷

صالح علیہ السلام

	سورت نمبر	آیت نمبر
آپ کی دعوت	۲۶	۱۴۱ تا ۱۴۴
میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔	۲۶	۱۴۵
تم باغوں، چشموں، کھیتوں میں عیش کرنے کے لیے چھوڑ نہیں دیے جاؤ گے۔	۲۶	۱۴۶ تا ۱۴۸
سنگ تراشی کی مہارت	۲۶	۱۴۹
آپ کی دعوت	۲۶	۱۵۰ تا ۱۵۲
قوم کا ردِّ عمل آپ ہماری طرح بشر ہیں،	۲۶	۱۵۳، ۱۵۴
آپ پر جادو کر دیا گیا ہے۔	۲۶	۱۵۳
اونٹنی بطور معجزہ۔	۲۶	۱۵۵/۱۵۶
انہوں نے اسکی کونچیں کاٹ ڈالیں اور برباد کر دیے گئے۔	۲۶	۱۵۷/۱۵۸

عیسیٰ علیہ السلام

	سورت نمبر	آیت نمبر
آپ کے اُمتیوں، اصحاب الکہف والرقیم کے تفصیلی حالات۔	۱۸	حاشیہ ۱۱، ۱۲
آپ کی ولادت کا تفصیلی بیان۔	۱۹	۱۶ تا ۳۵
حضرت مریم کے تفصیلی حالات	۱۹	۱۶ تا ۳۵
بن باپ ولادت پر طرح طرح کے شکوک اور ان کا ازالہ		۳۰ تا ۳۶ حواشی
آتانی الکتاب وجعلنی نبیاً کہنے کا وقت	۱۹	۳۰
حضرت مسیح کے بارے میں عیسائیوں کا اختلاف اور جدید رجحان کہ مسیح اللہ کے بندے ہیں۔	۱۹	۳۷ حاشیہ ۴۰
آپ اور آپ کی والدہ آیت ربّانی ہیں۔	۲۳	حاشیہ ۵۰

لُوط علیہ السلام

	سورت نمبر	آیت نمبر
آپ کی قوم کا اخلاقی انحطاط، آپ کا اضطراب، قوم کا انجام	۲۱	۷۱، ۷۴ ۷۵
آپ کی قوم کی بدکاری، آپ کی دعوت کا ردِّ عمل اور انجام	۲۶	۱۶۰ ۱۷۴
آپ کی قوم کے جرائم کی فہرست	۲۹	۲۸، ۲۹
آپ کی سرزنش اور قوم کا ردِّ عمل	۲۹	۲۹

	سورت نمبر	آیت نمبر
ان کے لیے آپ کی بددُعا	۲۹	۳۰
عذاب کے فرشتوں کی حضرت خلیل سے گفتگو	۲۹	۳۱، ۳۲
فرشتوں کی آمد سے آپکی پریشانی اور انکی تسلی	۲۹	۳۳
ان کی بدکاریوں کے باعث ان پر عذاب کا نزول	۲۹	۳۴، ۳۵

موسیٰ و ہارون علیہما السّلام

	سورت نمبر	آیت نمبر
موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کا واقعہ	۱۸	۶۰ تا ۸۲
حضرت خضرؑ کی نبوّت کی تحقیق	۱۸	حاشیہ ۸۴
آپ مخلص اور رسول نبی تھے۔	۱۹	۵۱
آپ کو ہارون جیسا بھائی بخشا گیا	۱۹	۵۳
طویٰ کی مقدّس وادی میں آپکا ندرانہ	۲۰	۱۰
جُوتا اتارنے کا حکم	۲۰	۱۲
شرفِ ہمکلامی	۲۰	۱۳ تا ۲۴
میں نے تجھے چُن لیا میری بات غور سے سنو	۲۰	۱۳
وحدانیت باری تعالیٰ	۲۰	۱۴
عبادت اور نماز کا حکم	۲۰	۱۴
مُنکرِ قیامت کا کہنا نہ مانو	۲۰	۱۵، ۱۶
کلیم سے پیاری پیاری باتیں' تیرے	۲۰	۱۷
ہاتھ میں کیا ہے ؟	۲۰	۱۷
عصا کا معجزہ	۲۰	۲۰
یدِ بیضا کا معجزہ	۲۰	۲۲
سرکش فرعون کی طرف جانے کا حکم	۲۰	۲۴
آپ کی دُعا ربِّ اشرح لی صدری آلایہ اور دیگر دعائیں۔	۲۰	۲۵ تا ۳۵

	سورت نمبر	آیت نمبر
آپکی والدہ محترمہ کا بحکم الٰہی آپکو دریا میں پھینکنا	۲۰	۳۸، ۳۹
	۲۸	۷ تا ۱۳
آپ پر اپنی محبت کا پرتاؤ ڈالا	۲۰	۳۹
والدہ کی طرف واپسی	۲۰	۴۰
قتل نفس سے نجات	۲۰	۴۰
فرعون کو دعوتِ حق پہنچانے کے لیے جانے کا حکم	۲۰	۴۲
	۲۸	۳۲
آدابِ تبلیغ	۲۰	۴۴
فرعون نے پُوچھا آپ کا رب کون ہے،	۲۰	۴۹
آپ کا جواب۔	″	۵۰
دیگر سوالات وجوابات	۲۰	۵۱، ۵۲
فرعون کا الزام کہ آپ حکومت چاہتے ہیں اور اپنے سحر سے تخت چھینناچاہتے ہیں۔	۲۰	۵۷
آپ کے مقابلہ کی تیّاری اور اسکا انجام	۲۰	۵۸ تا ۶۳
ساحرانِ مصر کو فرعون کی ترغیب اور لالچ	۲۰	۶۴
ساحروں کا پاسِ ادب	۲۰	۶۵
مقابلہ	۲۰	۶۶
ساحرانِ فرعون کی شعبدہ بازیاں	۲۰	۶۶
اللہ تعالیٰ کا فرمان اے مُوسٰی ڈرو نہیں تم ہی غالب ہو۔	۲۰	۶۷، ۶۸
آپ کو عصا ڈالنے کا حکم اور آپ کی کامیابی	۲۰	۶۹
ساحرانِ فرعون کا مشرف باسلام ہونا	۲۰	۷۰
فرعون کا ان پر الزام اور عذاب کی دھمکی	۲۰	۷۱
ان کا چیلنج فاقض ما انت قاض	۲۰	۷۲ تا ۷۶
مِصر سے ہجرت کا حکم	۲۰	۷۷

	سورت نمبر	آیت نمبر
فرعون کا تعاقب اور اس کا انجام	۲۰	۷۸
موسیٰ کا طور پر آنا اور سامری کا فتنہ	۲۰	۸۳ تا ۹۸
بنی اسرائیل کے زیورات کے متعلق بائیبل	۲۰	۹۰
کی روایت بائیبل کا الزام کہ بچھڑا ہارون نے بنایا	۲۰	حاشیہ ۶۸
حضرت موسیٰ کی ہارون پر ناراضگی	۲۰	۹۲ تا ۹۴
سامری کا جواب	۲۰	۹۶
سامری کون تھا	۲۰	حاشیہ ۷۱
موسیٰ و ہارون	۲۳	۴۵ تا ۴۸
	۲۵	۳۵، ۳۶
جادوگر ہونے کا الزام	۲۶	۳۰ تا ۳۵
فرعون کے سامنے آپ کا خطبہ توحید	۲۶	۲۳ تا ۳۰
موسیٰ کو فرعون کے پاس جانے کا حکم	۲۶	۱۰، ۱۱
آپ کے اندیشے اور ہارون کو ساتھ بھیجنے کی التجا	۲۶	۱۲ تا ۱۷
فرعون کا احسان جتلانا، آپ کا جواب کہ تو نے	۲۶	۲۳ تا
بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے کیا اس بات کا	۲۶	۲۹
تم احسان جتلاتے ہو، فرعون کیساتھ سوال و جواب	۲۶	〃
فرعون نے معجزے کا مطالبہ کیا۔	۲۶	۳۰، ۳۱
آپ کا عصا اور ید بیضا دکھانا	۲۶	۳۲-۳۳
آپ پر جادوگر ہونے کا الزام اور اپنی	۲۶	۳۴-۳۵
قوم سے مشورہ		
جادوگروں کا مقابلہ کے لیے جمع کرنا اور ان سے وعدہ کہ اگر تم کامیاب ہو گئے تو تمہیں مقربین میں شمار کیا جائے گا۔	۲۶	۳۶ تا ۴۲
مقابلہ اور ناکامی	۲۶	۴۴، ۴۵
ان کا مشرف باسلام ہونا	۲۶	۴۶، ۴۷

	سورت نمبر	آیت نمبر
فرعون کا ان پر الزام اور عذاب الیم کی دھمکی	۲۶	۴۹
ان کا استقلال	۲۶	۵۰، ۵۱
آپ کو ہجرت کرنے کا حکم	۲۶	۵۲
فرعون کا تعاقب کے لیے نکلنا	۲۶	۵۳ تا ۵۶
ان کی بربادی	۲۶	۵۷ تا ۶۰
دونوں جماعتوں کا ایک دوسرے کو دیکھنا	۲۶	۶۱
اور اصحاب موسیٰ کا اضطراب		
موسیٰ علیہ السلام کے ایمان کی پختگی	۲۶	۶۲
(ان معی ربی)		
سمندر کو عصا مارنے کا حکم آپ کی نجات اور	۲۶	۶۳ تا ۶۸
فرعونیوں کی غرقابی		
آپ کی مدین سے واپسی	۲۷	۷
نبوت و معجزات کا ملنا	۲۷	۸ تا ۱۳
قبطی کے قتل کا واقعہ	۲۸	۱۵ تا ۲۱
آپ کی مدین کو روانگی وہاں کے حالات	۲۸	۲۲ تا ۲۸
مدین سے واپسی، طور سے انی انا اللہ کی صدا، نبوت و معجزات	۲۸	۲۹، ۳۰
معجزات کا عطا ہونا	۲۸	۳۱، ۳۲
فرعون کا دعویٰ ما علمت لکم من الٰہ غیری	۲۸	۳۸
کا مطلب۔		حاشیہ ۴۰
فرعون کا انجام	۲۸	۳۴ تا ۴۰
آپ کی آمد فرعونیوں کی سرکشی اور تباہی۔	۲۹	۳۹ تا ۴۰
حضرت نوح علیہ السلام		
کرب عظیم سے نجات اور قوم کا غرق ہونا	۲۱	۷۶، ۷۷
آپ کی دعوت	۲۳	۲۴

	سورت نمبر	آیت نمبر
قوم کا ردِ عمل کہ یہ ہماری طرح بشر ہیں	٢٣	٢٤ تا ٢٥
نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم	٢٣	٢٧
طوفان کی آمد	″	″
کشتی سے اُترتے وقت آپ کی دُعا	٢٣	٢٩
نوح علیہ السلام	٢٥	٣٧
آپ کی دعوت	٢٦	١٠٥ تا ١١٠
آپ کی قوم کا ردِ عمل، تمہارے ماننے والے صرف کمینے لوگ ہیں۔	٢٦	١١١
آپ کا جواب	٢٦	١١٢ تا ١١٥
قوم کی دھمکی تم باز نہ آئے تو سنگسار کر دینگے	٢٦	١١٦
آپ کی بد دُعا اور ان کی غرقابی	٢٦	١١٧ تا ١٢٠
آپ کا ساڑھے نو سو سال تبلیغ کرنا۔ قوم کا انجام	٢٩	١٤، ١٥
آپ کا زہد	٢٩	حاشیہ ١٤، ١٦
آپ کا نسب نامہ	٢٩	حاشیہ ١٦

هُود علیہ السلام

	سورت نمبر	آیت نمبر
آپ کی دعوت	٢٦	١٢٥ تا ١٢٧
آپ کی پند و موعظت	٢٦	١٢٨ تا ١٣٥
ان کا ردِ عمل	٢٦	١٣٦ تا ١٤٠

یحییٰ علیہ السلام

	سورت نمبر	آیت نمبر
آپ کی ولادت، آپکے خصائلِ حمیدہ۔	١٩	١٢ تا ١٥
آپ کا یومِ ولادت، یوم وفات اور یوم حشر سب برکت والے ہیں۔	١٩	١٥

	سورت نمبر	آیت نمبر
آپ کی حق گوئی اور شہادت۔	١٩	حاشیہ ١٣
آپ کی سیرت بائیبل کے آئینہ میں	١٩	١٢
(تقابلی مطالعہ)		حاشیہ ١٣
خذ الکتاب بقوۃ کے حکم کی تعمیل	١٩	حاشیہ ١٣

یعقوب علیہ السلام

	سورت نمبر	آیت نمبر
انہیں نبی بنایا گیا۔	١٩	٤٩
انہیں اپنی رحمت بخشی گئی اور لسان صدق علیاً سے سرفراز کیا گیا۔	١٩	٥٠

یونس علیہ السلام

	سورت نمبر	آیت نمبر
آپ کا ہجرت کرنا، مچھلی کا نگلنا، آپ کی دُعا اور اس کی مقبولیت۔	٢١	٨٧، ٨٨

بعض قومیں

	سورت نمبر	آیت نمبر
یاجوج ماجوج	١٨	٩٤ تا ٩٨
″ ″	٢١	٩٦
حضرت لقمان کون تھے آپ کے پند و مواعظ	٣١	١٢ تا ١٩

انسان

اور اسکی عظمت کا قرآنی تصوّر

	سورت نمبر	آیت نمبر
ہم اپنے انعامات سے انسان کو آزماتے ہیں۔	۱۸	۷
انسان کو سجدہ کرنے کا حکم۔ شیطان کا انکار اور اس کا راندہ جانا۔	۱۸	۵۰
انسان بڑا جھگڑالو ہے۔	۱۸	۵۴
اے اولادِ آدم تم اپنے دشمن کو اپنا دوست نہ بناؤ۔	۱۸	۵۰
انسان کی تخلیق مٹی سے ہوئی، پھر اسی میں اسے لوٹایا جائیگا، پھر اسی سے دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔	۲۰	۵۵
اللہ تعالیٰ انسان کا رازق ہے۔	۲۰	۱۳۲
فکرِ آخرت کرنے والا اور فکرِ دنیا کرنے والا دونوں کی حالت میں بڑا فرق ہے۔	۲۰	۱۳۲ حاشیہ ۱۰۱
انسان بڑا جلد باز ہے۔	۲۱	۳۷
انسان فطرۃً سعید ہے	۲۱	حاشیہ ۱
تخلیق انسان کے مختلف مرحلے اور زندگی کے مختلف مدارج	۲۳	۱۲ تا ۱۴
رُوح پھونک کر انسان کو ایک نئی مخلوق بنادیا۔	۲۳	۱۴
ہم نے انسان کو بیکار پیدا نہیں کیا۔	۲۳	۱۱۵
ایمان بچانے کے لیے ترکِ وطن ناگزیر ہوجائے تو وہاں سے ہجرت کرلو۔	۲۹	۵٦
ہر شخص نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کے پاس لوٹنا ہے۔	۲۹	۵۷

	سورت نمبر	آیت نمبر
دُنیوی زندگی لہو و لعب ہے۔ آخرت کی زندگی ہی دائمی ہے۔	۲۹	٦۴
عبرت پذیری کے لیے زمین میں سیر و سیاحت کی دعوت۔	۳۰	۹،۴۲
انسان پر رحمت کی جاتی ہے وہ پھولے نہیں سماتا تکلیف آتی ہے تو مایوس ہوجاتا ہے۔	۳۰	۳٦
اِنسان کے کُفر کا نقصان اور نیک اعمال کا فائدہ اسی کو ہوتا ہے۔	۳۰	۴۴،۴۵
تخلیق انسان کا آغاز، کیچڑ سے پھر اس کی نسل ماءِ مہین سے۔	۳۲	۷،۸
تخلیق انسانی کے بارے میں اسلامی نظریہ اور ڈارون کا نظریہ	۳۲	حاشیہ ۱۰
اس ماءِ مہین میں محیّر العقول تبدیلیاں	۳۲	حاشیہ ۱۲،۱۳
زمین و آسمان کی ہر چیز کو تمہارے لیے مسخر کردیا۔	۳۱	۲۰
ظاہری اور باطنی نعمتوں سے تمہیں نوازا	۳۱	۲۰

اوامر

	سورت نمبر	آیت نمبر
جب کوئی کام کرنے کا ارادہ کرو، تو انشاء اللہ کہو۔	۱۸	۲۳،۲۴
اپنے اہل کو نماز کا حکم دو اور خود بھی پابند رہو۔	۲۰	۱۳۲
اے ایمان والو! عبادت کرو اور نیک کام کرو۔	۲۲	۷۷
حلال روزی کھاؤ اور نیک عمل کرو۔	۲۳	۵۱
بُرائی کا بدلہ نیکی سے دو۔	۲۳	۹٦

	سورت نمبر	آیت نمبر
لوگوں کو معاف کیا کرو تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کردے	۲۴	۲۲
مساجد کو مزیّن کرنے صاف ستھرا رکھنے چراغاں کرنے کی ہدایت	۲۴	۳۶ حاشیہ ۶۵
مسجد میں داخل ہونے کے آداب	۲۴	حاشیہ ۶۵
غیر شادی شدہ مردوں اور عورتوں کی شادیاں کرانے کا حکم	۲۴	۳۲
والدین سے حسنِ سلوک کا حکم	۲۹	۸
اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر ادا کرو	۲۹	۱۷
اپنے بندوں کو اپنی عبادت کا حکم	۲۹	۵۶
اس کا شکر کرو، شکر میں تمہارا ہی بھلا ہے	۳۱	۱۲
ماں باپ کی خدمت کا حکم،	۳۱	۱۴
ماں کا حق سب سے زیادہ ہے	۳۱	حاشیہ ۲۳
والدین کی فرمانبرداری کی حدود	۳۱	۱۵
اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ قیامت سے خوف کرو جب نہ باپ بیٹے کے کام آئے گا اور بیٹا باپ کے۔	۳۱	۳۳
تمہیں دُنیوی زندگی اور دھوکہ باز شیطان فریب میں مُبتلا نہ کردے۔	۳۱	۳۳

بنی اسرائیل

	سورت نمبر	آیت نمبر
اصحاب الکہف والرقیم کے تفصیلی حالات دقیانوس کا عہد جبر و تشدّد	۱۸	۹ حاشیہ ۱۱،۱۲
اصحاب کہف کا وطن، ایڈورڈ گبن کی تصریحات و دیگر مباحث	۱۸	حاشیہ ۱۱،۱۲
بنی اسرائیل کو انعامات کی یاد دہانی	۲۰	۸۰
سرکشی نہ کرو ورنہ غضبِ الٰہی آئیگا۔	۲۰	۸۱
پادریوں کی سُود خوری کی انتہا۔	تعارف سورۂ روم	

جبر و قدر

	سورت نمبر	آیت نمبر
جنہوں نے آیات سے مُنہ موڑا ہم نے ان کے دل اور کان بیکار کر دیے۔	۱۸	۵۷
گمراہوں کو زیادہ گمراہ کر دیا جاتا ہے۔	۱۹	۷۵
راہ ہدایت پر چلنے والوں کے نُور ہدایت میں اضافہ کر دیا جاتا ہے۔	۱۹	۷۶
آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل اندھے ہوتے ہیں۔	۲۲	۴۶
جو ہدایت اختیار کرتا ہے وہ اپنا بھلا کرتا ہے	۲۷	۹۲
اگر ہم چاہیں تو آسمان سے ایسی نشانیاں نازل کریں جو ان کو عاجز کر دیں۔	۲۶	۴

جہاد

	سورت نمبر	آیت نمبر
میدانِ بدر میں شجاعت و جاں نثاری کا منظر۔	۲۲	۱۹ حاشیہ ۲۱
مُسلمانوں کو اذنِ جہاد کیوں دیا گیا، جہاد کی	۲۲	۳۹
حکمت، اگر جہاد کی اجازت نہ ہوتی تو کسی کا جان و مال اور دین محفوظ نہ رہتا۔	۲۲	۴۰
اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس طرح جہاد کرو جس طرح جہاد کرنے کا حق ہے۔	۲۲	۷۸
جہاد کی لغوی تحقیق، اسلامی جہاد اور دوسری جنگوں میں فرق۔		۹۳،۹۴ حواشی

	سورت نمبر	آیت نمبر
جو شخص جہاد کرتا ہے، وہ اپنا بھلا کرتا ہے	۲۹	حاشیہ ٦
دُعائیں		
اصحابِ کہف کی دُعا	۱۸	۱۰
شرک سے بچنے کی دُعا	۱۸	۱۰
نظرِ بد سے بچنے کی دُعا۔	۱۸	۳۹، حاشیہ ٦۰
غم واندوہ سے بچنے کا طریقہ	۱۸	۴٦، حاشیہ ۷۰
دعائے عہد جس کے طفیل اللہ تعالے بخشش فرماتا ہے۔	۱۹	۸۷
حضرت زکریا کی نیاز بھری دُعا	۱۹	۴ تا ٦
شرح صدر کی دُعا	۲۰	۲۵ تا ۲۷
اولاد کے لیے حضرت زکریا کی دُعا	۲۱	۸۹
حضرت ایّوب کی دُعا	۲۱	۸۳
حضرت یونس کی دُعا (لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ الخ)	۲۱	۸۷
دفع مشکلات کے لیے نوافل کی تلقین	۲۱	حاشیہ ۷۱
قربانی دیتے وقت جو دُعا پڑھی جاتی ہے۔	۲۲	حاشیہ ۴۹
کسی نئی جگہ اُترنے کی دُعا	۲۳	۲۹
دُعا کی قبولیت کی شرط۔	۲۳	حاشیہ ۳۰
شرِ شیطان سے بچنے کی دُعا	۲۳	۹۷، ۹۸
بے خوابی کے دفعیہ کی دُعا	۲۳	حاشیہ ٦۵
تعویذ باندھنے کا حکم	۲۳	حاشیہ ٦۵
مغفرت و رحمت کی دُعا	۲۳	۱۱۸
عباد الرحمٰن کی دُعا کہ ہمیں ایسی بیویاں اور بچے عطا فرما جو آنکھوں کی ٹھنڈک ہوں اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا۔	۲۵	۷۴
دُعاء ابراہیمی کہ مجھے نیکوں کی سنگت نصیب فرما۔	۲٦	۸۳ تا ۸۸
دُعاء سلیمانی، مجھے شکر کی توفیق عطا فرما۔ (رب اوزعنی)	۲۷	۱۹
حالت اضطرار کی دُعا۔	۲۷	٦۲، حاشیہ ۷۳
دعاء موسوی	۲۸	۲۱
سیاسیات		
طاقت کا توازن	۲۲	۴۰
مُسلمان حکومت کی خصوصیات و فرائض۔ اقامت صلوٰۃ۔ ایتاء الزکوٰۃ۔ امر بالمعروف۔ نہی عن المنکر۔	۲۲	۴۱
اللہ تعالیٰ مظلوم کی مدد کرتا ہے۔	۲۲	٦۰
مُسلمان اور ذمی یا دونوں ذمیوں کے باہمی تنازعہ کا فیصلہ کون کرے۔	۲۴	حاشیہ ۷۹
فرعونی سیاست انبیاء پر تہمت کہ وہ اقتدار چاہتے ہیں۔	۲٦	۳۴، ۳۵
″ ″ ″ ″	۲٦	۵۳، ۵۴
فرعونی سیاست تفریق و انتشار	۲۸	حاشیہ ۴
بنی اسرائیل کی ہجرت، فرعون کا تعاقب اور عبرتناک انجام۔	۲٦	۵۲ تا ٦۸
فتنہ و فساد برپا کرنے والوں کا حکم مت مانو۔	۲٦	۱۵۱، ۱۵۲
حاکم پر اپنی رعایا کی خبرگیری فرض ہے۔	۲۷	حاشیہ ۳۹
ملوکیت کا مزاج۔	۲۷	۳۴

	سورت نمبر	آیت نمبر
ظالموں کی خدمت اور اعانت حرام ہے	۲۸	حاشیہ ۱۶
اس اندیشہ سے شریعت کا انکار نہ کرو کہ بڑی حکومتیں تم سے قطع تعلق کر لیں گی۔	۲۸	حاشیہ ۶۵
لوگوں کی بداعمالیوں کے باعث برو بحر میں فساد کا برپا ہونا۔	۳۰	۴۱

شرک کا بطلان

	سورت نمبر	آیت نمبر
مشرک اپنے معبودوں کو پکاریں گے لیکن وہ انہیں کوئی جواب نہ دیں گے۔	۱۸	۵۲
اصنام، دوزخ کا ایندھن ہیں۔	۲۱	۹۸ تا ۱۰۰
شرک کی ممانعت	۲۲	۳۰
مشرک کی مثال	۲۲	۳۱
بت تو مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے۔	۲۲	۷۳
یہ مکھی سے بھی کمزور ہیں۔	۲۲	۷۳
اگر اس کا کوئی بیٹا یا شریک ہوتا تو نظام عالم درہم برہم ہو جاتا۔	۲۳	۹۱
اس کا نہ کوئی بیٹا ہے نہ شریک۔	۲۵	۲
ان کے معبود نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان	۲۵	۵۵
نہ مار سکتے ہیں نہ زندہ کر سکتے ہیں۔	۲۵	۵۵
والدین بھی شرک کا حکم دیں تو نہ مانو۔	۲۹	۸
حضرت سعد اور ان کی ماں کا واقعہ	۲۹	حاشیہ ۹
شرک کا بطلان: تم اپنے غلاموں کو اپنے اموال میں شریک نہیں مانتے۔ تو خدا کی خدائی میں کسی کو اس کا ہمسر ماننا بہت بڑا جرم ہے۔	۳۰	۲۸ حاشیہ ۲۹
اللہ تعالیٰ تخلیق، رزق، موت و حیات پر قادر ہے۔	۳۰	۴۰
لیکن معبودان باطل کچھ بھی نہیں کر سکتے۔	۳۰	۴۰
یہ کائنات تو خدا تعالیٰ نے پیدا فرمائی تمہارے معبودوں نے کیا پیدا کیا۔	۳۱	۱۱
شرک ظلم عظیم ہے۔	۳۱	۱۳
جب طوفان میں گھر جاتے ہیں تو اسکو پکارتے ہیں جب ساحل پر اترتے ہیں تو شرک کرنے لگتے ہیں۔	۳۱	۳۲

شریعت

۱۔ شریعت اسلامیہ کی خصوصیات

	سورت نمبر	آیت نمبر
دین میں کوئی حرج نہیں۔	۲۲	۷۸
کسی ولی کے مزار کے قریب مسجد بنانے کا حکم	۱۸	حاشیہ ۳۴
کوئی کام کرنے کا ارادہ کرو تو انشاء اللہ کہو۔	۱۸	۲۳
عرس و میلاد کا ثبوت	۱۹	۱۵
کافر کو سلام دینے کا حکم	۱۹	حاشیہ ۵۰
حرم مکہ میں سب مسلمان یکساں حقوق رکھتے ہیں۔	۲۲	۲۵

۲۔ نماز

	سورت نمبر	آیت نمبر
نماز فحشا اور منکر سے روکتی ہے	۲۹	۴۵
اس پر شبہ اور اس کا جواب	۲۹	حاشیہ ۴۳
اوقات نماز	۳۰	۱۷، ۱۸
جو اذان دے وہی اقامت کہے	۱۹	۲۸

۳۔ حج

	سورت نمبر	آیت نمبر
تعمیرِ کعبہ	۲۲	حاشیہ ۲۸
تطہیرِ کعبہ	۲۲	حاشیہ ۲۹
اعلانِ حج	۲۲	۲۷
احکامِ حج	۲۲	۲۷ تا ۲۹
حج کی دینی اور دُنیوی حکمتیں	۲۲	حاشیہ ۳۱
حرمِ مکّہ میں سب مسلمانوں کے حقوق یکساں ہیں	۲۲	۲۵
حرم میں الحاد و زندقہ باعث عذابِ الیم ہیں۔	۲۲	۲۵
شعائر اللہ کی تعظیم تقویٰ کی علامت ہے	۲۲	۳۲
قربانی کی جگہ بیتِ عتیق کے قریب ہے۔	۲۲	۳۳
قربانی کے جانور ذبح کرنے کا طریقہ اور اس کی حکمت۔	۲۲	۳۶، ۳۷

۴۔ جرائم و عقوبات

ا۔ زنا

	سورت نمبر	آیت نمبر
متعہ کی حرمت	۲۳	حاشیہ ۵
حرمت زنا اور اس کی حکمت	۲۴	۲
اس کی سزا	۲۴	۲
اس پر تفصیلی بحث	۲۴	حاشیہ ۳
سزا میں نرمی نہ کرو۔	۲۴	۲
سزا مجمع عام میں دی جائے	۲۴	۲
زانی اور زانیہ کے نکاح کا حکم	۲۴	۳
کنیزوں سے بدکاری کرانے کی ممانعت	۲۴	حاشیہ ۵۵
کفار کے طریقِ بد کا استیصال	۲۴	حاشیہ ۵۵
قحبہ گری کا انسداد	۲۴	۳۳
غیر شادی شدہ مردوں، عورتوں کی شادیاں کرانے کا حکم	۲۴	۳۲

(ب) حد قذف

	سورت نمبر	آیت نمبر
قذف کیا ہے	۲۴	۸ تا ۱۰ حواشی
حد قذف کا حکم	۲۴	۴، ۵
قذف لگانے والے پر حد	۲۴	۴، ۵

(ج) لِعان

	سورت نمبر	آیت نمبر
لِعان کیا ہے؟ اس کا حکم، اس کا طریقہ۔	۲۴	۶ تا ۹
جھوٹے گواہ کی سزا	۲۵	۷۲، حاشیہ ۶۹

(د) پردہ کے احکام

	سورت نمبر	آیت نمبر
مومن مرد بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں	۲۴	۳۰
مومن عورتیں اپنی نگاہیں نیچی رکھیں	۲۴	۳۱
اس کی حکمت	〃	حواشی ۳۶ تا ۳۸
اسلامی پردہ کے تفصیلی احکام	۲۴	حاشیہ ۳۹
گھر میں بچوں اور غلاموں کے داخلہ کا قانون	۲۴	۵۸
بوڑھی عورتوں کے پردہ کا حکم	۲۴	۶۰
کسی کے گھر میں بلا اجازت داخل نہ ہو۔	۲۴	۲۷
اس کی حکمت	۲۴	حاشیہ ۳۲
کسی کے گھر میں داخل ہو تو سلام کہو	۲۴	۶۱
اپنے قریبی رشتہ داروں کے ہاں سے کھانے کا حکم۔	۲۴	۶۱

شیطان

	سورت نمبر	آیت نمبر
شیطان جنات سے تھا	۱۸	۵۰

عنوان	سورت نمبر	آیت نمبر
کیا تم اپنے دشمن کو دوست بناتے ہو	۱۸	۵۰
شیطان کفار کو گمراہی پر برانگیختہ کرتا ہے۔	۱۹	۸۳
شیطان اپنے ماننے والوں کو گمراہ کرتا ہے اور دوزخ کی طرف لے جاتا ہے۔	۲۲	۳،۴
شیطان بے حیائی اور بُرائی کا حکم دیتا ہے	۲۴	۲۱
شیطان ہر افّاک اثیم پر نازل ہوتا ہے۔	۲۶	۲۲۱ تا ۲۲۳
شیطان نے عاد و ثمود کے اعمالِ بد کو مزین و آراستہ کر دیا	۲۹	۳۸

صحابہ کرام اور اُمّت مصطفٰی علیہ التحیّۃ والثناء

عنوان	سورت نمبر	آیت نمبر
حضرت سیّدنا علیؓ نے فرمایا ان الّذین سبقت لھم منا الحسنیٰ سے مُراد ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔	۲۱	حاشیہ ۸۴
میدانِ بدر میں حمزہ۔ علی، عبیدہ رضی اللہ عنہم کی جاں نثاری	۲۲	حاشیہ ۲۱
جنہوں نے ہجرت کی اور شہادت پائی انہیں رزق حسن دیا جائے گا۔	۲۲	۵۸
انہیں پسندیدہ ٹھکانہ مرحمت ہو گا	۲۲	۵۹
حضور کی رشتہ داری قیامت کو بھی نفع دیگی	۲۳	حاشیہ ۶۸
حضرت سیدۃ النساء کی فضیلت	۲۴	〃
حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کی براءت	۲۴	۱۱ تا ۲۰
واقعہ افک کا تفصیلی بیان	۲۴	حواشی ۱۴ تا ۱۶
حضرت صدیقؓ کی فضیلت	۲۴	۲۲
اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام سے خلافت کا وعدہ فرمایا اور اسے پُورا کیا۔	۲۴	۵۵
خلفاء راشدین کی خلافت	〃	حاشیہ ۸۳
حضرت ابوطالب کے ایمان کا مسئلہ اختلافی ہے	۲۸	حاشیہ ۶۴
رومیوں کی کامیابی کے لیے حضرت صدیق کا شرط لگانا، سو اُونٹ جیتنا، پھر حکم حبیب سے سب کو صدقہ کر دینا۔	۳۰	حاشیہ ۴
حضرت امام باقر کی تفسیر آیات، اور حضرت فاروقؓ کی خلافت کی حقانیت	۳۰	حاشیہ ۶
فاتبع سبیل من اناب الیّ سے مراد حضرت صدیق اکبرؓ ہیں۔	۳۱	حاشیہ ۲۷

عملِ صالح

عنوان	سورت نمبر	آیت نمبر
باقی رہنے والی نیکیاں اللہ تعالےٰ کے نزدیک زیادہ اجر کی مستحق ہیں۔	۱۸	۴۶
〃 〃 〃	۱۹	۷۶
دُنیا کی بے ثباتی کی مثال	۱۸	۴۵
مال و اولاد دنیوی زندگی کی زینت ہیں	۱۸	۴۶
اپنے اعمال کو ریا سے بچاؤ	۱۸	۱۱۰
راہِ ہدایت پر چلنے والوں کو مزید نُور مرحمت کیا جاتا ہے۔	۱۹	۷۶
اعمالِ صالحہ قبر پر آکر عامل کا استقبال کرینگے	۱۹	حاشیہ ۸۰
مومن کے اعمال اکارت نہیں جائیں گے۔	۲۱	۹۴

عورت

	سورت نمبر	آیت نمبر
متعہ کی حرمت۔	۲۳	حاشیہ ۵
عورت کی عصمت و ناموس کی حفاظت کے احکام۔	۲۴	۲
کنیزوں سے بدکاری کرانے کی ممانعت۔	۲۴	۳۳
زمانہ جہالت میں بدکار عورتوں کے گھروں پر جھنڈے لہرایا کرتے تھے۔	۲۴	حاشیہ ۵۵
قحبہ گری کا انسداد۔	۲۴	" "
مومن عورتیں اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔	۲۴	۳۱
اسلامی پردہ کے تفصیلی احکام	۲۴	حاشیہ ۳۹
بوڑھی عورتوں کے پردہ کے احکام	۲۴	۶۰
خبیث عورتیں، خبیث مردوں کے لیے پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لیے۔	۲۴	۲۶

قبلہ

	سورت نمبر	آیت نمبر
کعبہ کے صدقے تمہیں امن وامان نصیب ہے، اس نعمت کی ناشکری نہ کرو۔	۲۹	۶۷

قرآن کریم

	سورت نمبر	آیت نمبر
قرآن کریم میں کوئی کجی نہیں	۱۸	۲،۱
ہر کجی کو درست کرنے والا ہے۔	۱۸	۲
قرآن میں ہر طرح کے مضامین ہیں۔	۱۸	۵۴
یہ اہلِ ایمان کو بشارت دیتا ہے۔	۱۸	۳،۲
مشرکین کو بروقت متنبہ کرتا ہے۔	۱۸	۵،۴
ہم نے قرآن کو آسان کردیا ہے تاکہ آپ متقین کو بشارت دیں۔	۱۹	۹۷
قرآن آپ کو مشقت میں ڈالنے کے لیے نہیں اتارا گیا۔	۲۰	۲
یہ ڈرنے والوں کے لیے نصیحت ہے۔	۲۰	۳
اسے خالقِ ارض وسما نے اُتارا۔	۲۰	۴
قرآن و تورات کا تقابلی مطالعہ	۲۰	حاشیہ ۶۰
" " " "	۲۰	حاشیہ ۶۸
قرآن ذکر مبارک ہے	۲۱	۵۰
قرآن فلاح دارین کے لیے کافی ہے۔	۲۱	۱۰۶

نوٹ: قصص الانبیاء جہاں جہاں مذکور ہیں وہاں قرآنِ کریم اور موجودہ بائیبل کا تقابلی مطالعہ بھی کیا گیا ہے۔ خصوصاً سورۂ یوسف کے تعارف میں یہ چیز بڑی وضاحت سے لکھی گئی ہے، ان امور کا مطالعہ کرنے سے متعدد حقیقتیں بے نقاب ہو جاتی ہیں۔

۱۔ قرآن کے قصص بائیبل سے نقل نہیں کیے گئے جس طرح بعض مستشرقین کا خیال ہے۔

۲۔ قرآن کریم تمام انبیاء کے تقدس اور احترام کا داعی ہے اور ان کی عظمت و ناموس کا محافظ ہے۔

۳۔ موجودہ بائیبل طرح طرح کی تحریفات سے آلودہ ہے۔

	سورت نمبر	آیت نمبر
قرآن پر تلک الغرانیق العلیٰ کے	۲۲	حاشیہ ۶۵
اعتراض کا دندان شکن جواب۔	"	"
کفار کا یہ الزام کہ کوئی شخص آپ کو قرآن سکھاتا ہے	۲۵	۴
قرآن کو یکبارگی نازل نہ کرنے کی حکمت۔	۲۵	۳۳،۳۲
یہ سب اہلِ جہان کے لیے ڈرانے والا ہے۔ (نذیر للعالمین)	۲۵	۱
کفار کے نظریہ کی تردید	۲۵	۶
یہ مومنوں کے لیے سراپا ہدایت ہے۔	۲۷	۷۷

	سورت نمبر	آیت نمبر
اس میں ہر چیز کا بیان ہے	۲۷	۱
یہ مسلمانوں کے لیے ہدایت و رحمت کا مژدہ ہے	۲۷	۱،۲
قرآن کریم قلب مبارک پر نازل ہوا	۲۶	۱۹۲ تا ۱۹۵
نزول قرآن کی کیفیت	۲۶	حاشیہ ۹۸
کیا صرف معانی کا نزول ہوا یا معانی اور	۲۶	۱۹۴
الفاظ دونوں کا۔	"	حاشیہ ۹۸
شیطان قرآن کو لے کر نہیں اتر سکتے	۲۶	۲۱۰ تا ۲۱۲
آپ کو یہ قرآن علم و حکمت سکھاتا ہے۔	۲۷	۶
آسمان وزمین کی ہر چیز کتاب مبین میں ہے	۲۷	۷۵
تلاوت قرآن کا حکم اور اس کی برکات	۲۹	۴۵
قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے کی دلیل۔	۲۹	۴۸
اس کا صرف ظالم ہی انکار کرسکتے ہیں۔	۲۹	۴۹
قرآن میں اہلِ ایمان کے لیے رحمت نصیحت ہے	۲۹	۵۱
رومیوں کی فتح کی پیشگوئی۔	۳۰	۲ تا ۶
لوگوں کی ہدایت کے لیے قرآن میں ہر طرح کی مثالیں ذکر کی گئی ہیں۔	۳۰	۵۸
اسے رب العالمین نے نازل فرمایا اس لیے	۳۲	۲
یہ تا قیامت رُشد وہدایت ہے۔		۳
اس کا مقصد خوابِ غفلت سے بیدار کرنا ہے۔	۳۲	۳
یہ کتاب حکیم ہے	۳۱	۲
محسنین کے لیے ہدایت و رحمت ہے	۳۱	۳
تورات وانجیل		
تورات متقین کے لیے روشنی ہے	۲۱	۴۸
تورات لوگوں کے لیے ہدایت و رحمت ہے	۲۸	۴۳

	سورت نمبر	آیت نمبر
قیامت		
قیامت کے دن پہاڑوں اور دوسرے مظاہرِ فطرت کی حالت۔	۱۸	۴۷،۴۸
سب لوگ صف بستہ پیش ہوں گے۔	۱۸	۴۷،۴۸
اپنا نامۂ اعمال دیکھ کر کفار کہیں گے یہاں تو ہر چھوٹی بڑی چیز لکھ دی گئی ہے۔	۱۸	۴۹
منکرینِ قیامت کا اعتراض اور ان کا دردناک حشر	۱۹	۶۶ تا ۷۲
" " " "	۲۰	۱۰۰ تا ۱۰۴
اکاد اخفیھا	۲۰	۱۵
قیامت کا منظر	۲۰	۱۰۵ تا ۱۰۹
" "	" "	۱۱۱
قیامت کے دن آسمانوں کو لپیٹ دیا جائے گا۔	۲۱	۱۰۴
قیامت کا زلزلہ بہت سخت ہوگا۔	۲۲	۱،۲
قیامت کی دلیل۔	۲۲	۵
قیامت کی دوسری دلیل۔	۲۲	۵
قیامت کے دن تمام اہلِ مذاہب کے درمیان فیصلہ ہوگا۔	۲۲	۱۷
اس دن بادشاہی صرف اللہ تعالیٰ کی ہوگی	۲۲	۵۶،۵۷
کفار کا قیامِ قیامت پر اعتراض۔	۲۳	۸۲،۸۳
منکرینِ قیامت کا اعتراض اور ان کا دردناک حشر۔	۲۵	۲۵ تا ۲۸
اس دن بادشاہی صرف اللہ تعالیٰ کی ہوگی۔	۲۵	۲۵ تا ۲۸
انکارِ قیامت کی وجہ	۲۷	۶۸
اس کا رد	۲۷	۶۹
کفار پوچھتے ہیں قیامت کب آئے گی۔	۲۷ ۳۲	۷۱،۷۲ ۲۸

	سورت نمبر	آیت نمبر
قیامت کی نشانی خروج دابہ	۲۷	۸۲
جو مُردہ زمین کو زندہ کرتا ہے وہ مُردوں کو روزِ قیامت زندہ کرے گا۔	۳۰	۵۰
قیامت کا دن کتنا بڑا ہوگا	۳۲	۵، حاشیہ ۷
قیامت کے بارے میں کفار کے شبہات	۳۲	۱۰
قیامت کے روز نیک و بد میں فیصلہ کردیا جائے گا۔	۳۲	۲۵

کفّار و مُشرکین

۱۔ ان کا عقیدہ، انکے اطوار، عبرت ناک انجام

	سورت نمبر	آیت نمبر
کفار کے مادہ پرستانہ ذہن کی مثال (لاحدهما جنتين)	۱۸	۳۲، ۳۳
اپنے مال پر فخر کرنا	۱۸	۳۴
اس کا خیال کہ اس کے باغات ہمیشہ سرسبز رہیں گے۔	۱۸	۳۵
اگر قیامت قائم ہوئی تو پھر بھی وہی اچھی حالت میں ہوں گے۔	۱۸	۳۶
مُسلمان ساتھی کا اس کے ساتھ مکالمہ	۱۸	۳۷ تا ۴۱
اسکے پھل کا برباد ہونا اور اسکا کفِ افسوس ملنا	۱۸	۴۲، ۴۳
کفار باطل دلیلوں سے حق کو مٹانا چاہتے ہیں	۱۸	۵۶
انکی ساری کوششیں دُنیوی زندگی کے لیے وقف ہوگئی ہیں، وہ سب سے زیادہ خسارے میں ہیں۔ (ضل سعيهم)	۱۸	۱۰۳ تا ۱۰۶
کیا کفّار عذاب کا انتظار کر رہے ہیں	۱۸	۵۵
وہ ہماری آیتوں کا مذاق اُڑاتے ہیں	۱۸	۵۶

	سورت نمبر	آیت نمبر
آیاتِ الٰہی سے اعراض بڑا ظلم ہے اور اس کا نتیجہ ہدایت سے محرومی ہے۔	۱۸	۵۷
کفار اپنی خوشحالی کو اپنے برحق ہونے کی دلیل سمجھتے ہیں۔	۱۹	۷۳، ۷۴
وہ کہتے قیامت کے دن بھی وہی سرفراز ہونگے	۱۹	۷۷ تا ۸۰
ان کے شرک کی وجہ	۱۹	۸۱، ۸۲
کسی کو خدا کا بیٹا بنانا بہت بری بات ہے	۱۹	۸۸ تا ۹۳
مُجرموں کو روزِ قیامت جہنّم کی طرف ہانکا جائیگا	۱۹	۸۶
انکارِ قیامت	۱۹	۶۶، ۶۷
شیطان کو کفار پر مسلّط کردیا گیا ہے، وہ انہیں ہمیشہ اکساتا رہتا ہے۔ (تؤزهم ازاً)	۱۹	۸۳
مُجرم جہنّم میں ہونگے نہ مریں گے نہ جئیں گے	۲۰	۷۴
ذکرِ الٰہی سے منہ موڑنے والوں کی سزائیں۔ (معيشة ضنكا)	۲۰	۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶
برباد شدہ قوموں سے یہ کفّار عبرت کیوں نہیں پکڑتے۔	۲۰	۱۲۸
کفّار کی ثروت، اولاد کی کثرت انکے برحق ہونے کی دلیل نہیں بلکہ انکی آزمائش ہے۔	۲۰	۱۳۱
آیاتِ قرآنی کے نزول پر کفّار کا ردِ عمل	۲۱	۱ تا ۵
ان کے معبود بالکل بے بس ہیں	۲۱	۴۳، ۴۴
ان کے معبود دوزخ کا ایندھن ہیں	۲۱	۹۸
اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم کے جھگڑا کرتے ہیں، ان کا انجام	۲۲	۸، ۹
یہ لوگ کنارہ پر کھڑے کھڑے اسلام لائے (يعبد الله على حرف)	۲۲	۱۱

	سورت نمبر	آیت نمبر
آگ اور کھولتا پانی۔	۱۸	۲۹
جو اندھے بہرے بنے رہے ان کے سامنے دوزخ ظاہر کر دیا جائیگا۔	۱۸	۱۰۰،۱۰۱
طویل مہلت ملنے کی وجہ سے وہ غافل ہوئے	۲۱	۴۳، ۴۴
نزولِ عذاب کے وقت بھاگ دوڑ بے سود	۲۱	۱۲، ۱۳
ان کا اعترافِ گناہ اور بربادی	۲۱	۱۴، ۱۵
ظالم برباد ہوئے اور انکی جگہ دوسری قوم نے لی	۲۱	۱۱
کفّار جن کی پوجا کرتے ہیں وہ نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان۔	۲۲	۱۲، ۱۳
کفّار کو اذیت ناک عذاب	۲۲	۱۹، ۲۰
آگ کا لباس اور گرزیں۔	۲۲	۱۹ تا ۲۱
بعض لوگ جہالت اور غرور کے باعث اللہ تعالےٰ کے بارے میں جھگڑتے ہیں۔	۲۲	۸ تا ۱۰
جو یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی مدد نہیں کرے گا انہیں خودکشی کر لینی چاہیے۔	۲۲	۱۵
کفّار آیاتِ قرآنی پڑھنے والوں کو نوچ ڈالنا چاہتے ہیں۔	۲۲	۷۲
کفّار نے اللہ کی شان نہیں پہچانی	۲۲	۷۴
قوم نوح، عاد، ثمود نے اپنے نبیوں کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں برباد کر دیا۔ ان کے کنوئیں، محلات اور شہر ویران پڑے ہیں۔	۲۲	۴۲ تا ۴۵
مصائب و آلام میں بھی ضد نہیں چھوڑتے۔	۲۳	۷۵ تا ۷۷
تعصّب و ہٹ دھرمی	۲۳	۸۱ تا ۸۳

	سورت نمبر	آیت نمبر
اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے والوں سے کفار کا استہزاء	۲۳	۱۰۹،۱۱۰
کفّار فلاح نہیں پا سکتے۔	۲۳	۱۱۷
ان کے نزدیک فقط یہ دنیوی زندگی ہی ہے	۲۳	۳۷
کفّار کے اطوار، گستاخیاں، خوش گپیاں۔ صحنِ حرم میں قصّہ گوئی کی محفلیں۔	۲۳	۶۶، ۶۷
دلائلِ توحید سننے کے بعد ان کا ردِّ عمل	۲۳	۸۱ تا ۸۳
کفّار کا انجام	۲۳	۶۲ تا ۶۵
روزِ محشر کفّار کی معذرت خواہی	۲۳	۱۰۳ تا ۱۰۸
کفّار کا انکارِ قیامت	۲۳	۸۲، ۸۳
مشرکین کی کمینگی اپنی لونڈیوں سے پیشہ کراتے۔	۲۴	۳۳
کفّار کے اعمال کی مثال	۲۴	۳۹، ۴۰
کفّار اور منافقین کو جب خداوندی فیصلہ کی طرف بلایا جاتا ہے تو انکار کرتے ہیں۔	۲۴	۴۷ تا ۵۰
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے استہزاء اور تعصّب۔	۲۵	۴۱، ۴۲
وہ اپنی ہوائے نفس کے پرستار ہیں۔	۲۵	۴۳
وہ حیوانوں سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔	۲۵	۴۴
طوق و سلاسل میں جکڑ کر دوزخ میں پھینکے جائیں گے۔	۲۵	۱۱ تا ۱۴
کفار کی سرکشی اور ان کا حالِ زار	۲۵	۲۱ تا ۲۳
" " " "	"	۲۵ تا ۲۹
گمراہ شعراء اور ان کی صفات ذمیمہ	۲۶	۲۲۴ تا ۲۲۶
کفار کے لیے ان کے برے اعمال مزیّن کر دیے گئے۔	۲۷	۴، ۵
روزِ حشر کفار و ابلیس کی نوک جھونک	۲۶	۹۲ تا ۱۰۲
کفّار کا عذر کہ لوگ انہیں اُچک لیں گے۔	۲۸	۵۷

	سورت نمبر	آیت نمبر
ان کی خوشحالی تکبر کا باعث بنی۔	۲۸	۵۸
قرآن کا انکار کافر ہی کر سکتے ہیں۔	۲۹	۴۷
" " ظالم ہی کر سکتے ہیں۔	۲۹	۴۹
وہ کہتے ہیں تم کفر اختیار کرلو ہم تمہارے بوجھ اٹھالیں گے۔	۲۹	۱۲،۱۳
کفار نے بتوں کو باہمی محبت کا ذریعہ بنالیا ہے لیکن روزِ قیامت ایک دوسرے پر لعنت بھیجیں گے۔	۲۹	۲۵
جو لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی کو دوست بناتے ہیں اُن کی مثال عنکبوت کی سی ہے	۲۹	۴۱
ان کے معبود عنکبوت کی طرح کمزور ہیں۔	۲۹	۴۱
کیا بدکار خیال کرتے ہیں کہ وہ ہماری گرفت سے بچ جائیں گے۔	۲۹	۴
تم خدا سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتے، نہ زمین میں نہ آسمان میں۔	۲۹	۲۲
خدا کے سوا تمہارا کوئی دوست نہیں۔	۲۹	۲۲
کفار خدا کی رحمت سے مایوس ہوگئے ہیں	۲۹	۲۳
اللہ تعالیٰ سے کفر کرنے والے گھاٹے میں ہیں	۲۹	۵۲
کفار کے مطالبہ کے باوجود نزولِ عذاب میں تاخیر۔	۲۹	۵۳ تا ۵۵
دنیوی زندگی لہو ولعب ہے۔ آخرت ہی ابدی ہے۔	۲۹	۶۴
اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنے والے اور حق کو جھٹلانے والے سب سے زیادہ ظالم ہیں۔	۲۹	۶۸
جو قومیں قوت اور عمران میں ترقی یافتہ تھیں جب وہ گمراہ ہوئیں تو انہیں برباد کر دیا گیا۔	۳۰	۹
جھٹلانے والوں اور مذاق کرنے والوں کا انجام بہت بُرا ہوگا۔	۳۰	۱۰
کفار کے معبود ان کی شفاعت نہیں کرینگے اس روز یہ ان کا انکار کردیں گے۔	۳۰	۱۳
رنج والم کے وقت موحّد بن جاتے ہیں۔	۳۰	۳۳،۳۴
آرام ومسرت کے وقت پھر شرک کرنے لگتے ہیں۔	۳۱	۳۲
رحمت کے وقت اترانے لگتا ہے اور تکلیف کے وقت مایوس ہو جاتا ہے	۳۰	۳۶
روزِ حشر کفار کہیں گے کہ وہ دُنیا میں صرف ایک پل ٹھہرے۔	۳۰	۵۵
ان کی تردید	۳۰	۵۶
اس دن ان کا کوئی عذر مقبول نہ ہوگا اور نہ توبہ کی اجازت ہوگی۔	۳۰	۵۷
ان کا کوئی ولی وشفیع نہیں۔	۳۲	۴
وقوعِ قیامت پر ان کا اعتراض	۳۲	۱۰
روزِ حشر کفار کی ندامت اور واپسی کی درخواست	۳۲	۱۲
تم نے ہمیں بھلا دیا ہم نے اپنی رحمت سے تمہیں فراموش کردیا۔	۳۲	۱۴
ذکرِ الٰہی سے رُوگردانی کرنے والا بڑا ظالم ہے۔	۳۲	۲۲
انہیں چاہیے کہ گزشتہ برباد شدہ قوموں سے عبرت حاصل کریں۔	۳۱	حاشیہ ۲۶

	سورت نمبر	آیت نمبر
منافقین		
منافقین کا حال	۲۹	۱۰، ۱۱
سانحہ افک اور رئیس المنافقین عبداللہ	۲۴	۱۱ تا ۲۰
بن ابیؓ کی فتنہ انگیزی اور حضرت صدیقہؓ	″	″
کی براءت ودیگر تفصیلات	″	″
منافقین کا حال، تکلیف میں اسلام کو چھوڑ دیتے ہیں۔	۲۹	۱۰، ۱۱
مؤمنین ومتّقین		
اہلِ ایمان کے لیے بشارت	۱۸	۲، ۳
مزارات اولیاء کے نزدیک برائے تبرک	۱۸	۲۱
مسجد بنانے کا حکم	″	حاشیہ ۳۴
مادہ پرست کے مقابلہ میں مومن کی سیرت اور ذہنیت۔	۱۸	۳۷
نیک بندے کی اولاد کو بھی اللہ تعالیٰ نوازتا ہے۔	۱۸	۸۲
اہلِ ایمان کے لیے جنّت الفردوس ہے	۱۸	۱۰۷، ۱۰۸
پرہیزگاروں کی نااہل اولاد کا انجام اور توبہ	۱۹	۵۹ تا ۶۲
بارگاہِ الٰہی میں پرہیزگاروں کی حاضری	۱۹	۸۵
اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے۔	۱۹	۹۶
پرہیزگاروں کے لیے جنّت	۱۹	۶۱ تا ۶۴
راہِ ہدایت پر چلنے والوں کو مزید نورِ ہدایت	۱۹	۷۶
بخشتا ہے۔	″	″

	سورت نمبر	آیت نمبر
من تقرّب شبراً (الحدیث)، جو ایک بالشت میرے نزدیک ہوتا ہے میں ایک گز اس کے نزدیک ہوتا ہوں۔	۱۹	حاشیہ ۴۳
عملِ صالح قبر پر سواری بن کر آئے گا۔	۱۹	حاشیہ ۸۰
اہلِ ایمان کا عہد ان کے رب کے نزدیک	۱۹	حاشیہ ۸۲
اہلِ ایمان کے لیے بلند درجات	۲۰	۷۵
مرشدِ کامل کی توجہ سے سلوک کی طویل مسافتیں چشم زدن میں طے ہو جاتی ہیں۔	۲۰	حاشیہ ۹
مرنے کے بعد مومن کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے۔	۲۰	حاشیہ ۳۸
ساحرانِ فرعون کا ایمان اور نعرۂ حق فاقض ما انت قاض	۲۰	۷۰ تا ۷۶
صرف وہ لوگ شفاعت کریں گے جنہیں اذنِ شفاعت ہوگا۔	۲۰	۱۰۹
جو میری پیروی کرتا ہے، وہ بدبخت نہیں رہتا	۲۰	۱۲۳
انبیاء، اولیاء شفاعت کریں گے	۲۱	حاشیہ ۳۸
متّقین کی صفات	۲۱	۴۹
″ ″ ″	۲۳	۱۰-۱۱
قیامت کے دن صالحین کے ساتھ حسنِ سلوک	۲۱	۱۰۱
انہیں کوئی گھبراہٹ نہ ہوگی	۲۱	۱۰۲، ۱۰۳
زمین کے وارث صالحین ہیں۔	۲۱	۱۰۵
اہلِ ایمان کی مساعی بارآور ہوں گی	۲۱	۹۴
اہلِ ایمان پر گوناگوں انعامات	۲۲	۲۳، ۲۴
متّقین کی صفات	۲۲	۳۵
مومنین صالحین کو جنّت میں داخل کیا جائیگا	۲۲	۱۴

	سورت نمبر	آیت نمبر
دیگر انعامات	۲۲	۲۳،۲۴
اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کی طرف سے خود دفاع کرتا ہے۔	۲۲	۳۸
نیکوں کے لیے مغفرت اور رزق کریم	۲۲	۵۰
مخبتین کی تعریف جن کو مژدہ دیا گیا	۲۲	۳۴،۳۵
اعمالِ صالحہ کے باوجود ڈرتے رہتے ہیں۔	۲۳	۵۷ تا ۶۱
مومن اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے۔	۲۳	حاشیہ ۶۶
پاک مرد پاک عورتوں کے لیے اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے۔	۲۴	۲۶
مومن کو جب شرعی فیصلہ کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ سرِ تسلیم خم کر دیتا ہے	۲۴	۵۱
مومن کی روزِ حشر عزت افزائی	۲۵	۲۴
عباد الرحمٰن کی صفات اور انکی جزا	۲۵	۶۳ تا ۷۷
توبہ سے برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیا جاتا ہے	۲۵	۷۰
اہلِ ایمان شعراء	۲۶	۲۲۷
کرامات اولیاء	۲۷	۴۰
اولیاء اللہ روزِ قیامت گھبراہٹ سے محفوظ ہوں گے۔	۲۷	۸۹
اہلِ ایمان کی صفات	۲۸	۵۴،۵۵
توبہ، ایمان، عمل صالح موجب فلاح ہیں	۲۸	۶۷
دارِ آخرت کی نعمتیں انہیں ملیں گی جو دُنیا میں جاہ و حشمت کے طالب نہ تھے۔	۲۸	۸۳
اہلِ ایمان کو آزمانا سنت الٰہیہ ہے۔	۲۹	۲،۳
ایمان اور عمل صالح سے سابقہ بُرائیاں مِٹ جاتی ہیں۔	۲۹	۷،۹

	سورت نمبر	آیت نمبر
اہلِ ایمان کے لیے ہی زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں	۲۹	۴۴ حاشیہ ۴۱
اہلِ صبر اور توکّل کو بہترین اجر	۲۹	۵۸،۵۹
اہلِ ایمان شاداں فرحاں ہوں گے۔	۳۰	۱۵
اے اہلِ ایمان دینِ فطرت کی طرف ہمہ تن متوجّہ ہو جاؤ۔	۳۰	۳۱
ان مُشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ جنھوں نے دین کو پارہ پارہ کر دیا اور خود گروہوں میں بٹ گئے۔ کانوا شیعا۔	۳۰	۳۲
اہلِ ایمان کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ کے ذمّہ کرم پر ہے۔	۳۰	۴۷
اہلِ ایمان قبروں میں سُنتے ہیں، جواب دیتے ہیں، مدد فرماتے ہیں۔	۳۰	۵۲
سماع موتیٰ کی تفصیلی بحث	۳۰	حاشیہ ۵۵
اہلِ ایمان کو آزمائش کے وقت صبر کی تاکید اور فتح کا مژدہ۔	۳۰	۶۰
اہلِ ایمان کی صفات جب انہیں آیات سے نصیحت کی جاتی ہے تو سجدہ میں گر پڑتے ہیں، اپنے بستروں کو چھوڑ دیتے ہیں، بیم و رجا سے دُعائیں مانگتے ہیں۔ اس کے دیے سے خرچ کرتے ہیں۔	۳۲	۱۵،۱۶
جو انعامات ان پر کیے جائیں گے انہیں کوئی نہیں جانتا، ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔	۳۲	۱۷
مومن اور فاسق یکساں نہیں۔	۳۲	۱۸ تا ۲۰

	سورت نمبر	آیت نمبر
جو لوگ احکامِ الٰہی کی اطاعت کرتے تھے، ان میں سے بعض کو امام بنا دیا گیا	۳۲	۲۴
محسنین کی صفات	۳۱	۴،۵
مومنین کے لیے جنات نعیم کا پکا وعدہ	۳۱	۹
لقمان مردِ دانا، ان کے مواعظ	۳۱	۱۲،۱۳،۱۶،۱۷
جو اللہ تعالیٰ کے سامنے سر جھکا دیتا ہے، درآنحالیکہ وہ محسن ہے تو اس نے مضبوط رسی کو پکڑ لیا۔	۳۱	۲۲

معاشیات

	سورت نمبر	آیت نمبر
قرآن میں باغ لگانے کا طریقہ	۱۸	۳۳
قارون کا معاشی نظریہ	۲۸	۷۶
مالدار پر اپنے غریب رشتہ داروں کا نفقہ واجب، حقہ کا لفظ غور طلب	۳۰	۳۸، حاشیہ ۴۱
اقربا، فقراء اور مسافروں کا حصّہ	۳۰	۳۸
وہ محض رضائے الٰہی کے لیے خرچ کرتے ہیں۔	۳۰	۳۸
سود سے مال میں برکت نہیں ہوتی	۳۰	۳۹
زکوٰۃ سے مال میں کئی گنا اضافہ ہوتا ہے	۳۰	۳۹
جہازرانی، بحری تجارت سے کسبِ معاش کو اللہ تعالیٰ کا فضل کہا گیا ہے۔	۳۰	۴۶

نواہی

	سورت نمبر	آیت نمبر
معاشرہ میں بے حیائی پھیلانے کی ممانعت ایسا کرنے والوں کے لیے عذابِ الیم۔	۲۴	۱۹
فلمیں، ہیجان خیز لٹریچر وغیرہ کی ممانعت	۲۴	حاشیہ ۲۲
شیطان کی پیروی نہ کرو، وہ بُرائی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے	۲۴	۲۱، حاشیہ ۲۳
تہمت لگانے والوں پر لعنت	۲۴	۲۳
قحبہ گری کی ممانعت	۲۴	۳۳
الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعاً میں سے نہ ہو جاؤ۔	۳۰	۳۲
من یشتری لھو الحدیث، لھو الحدیث کا بیوپار کرنیوالوں کے لیے عذاب مہین ہے	۳۱	۶
سماع کا حکم تفصیلی بحث	۳۱	حاشیہ ۶
لقمان نے بیٹے سے کہا شرک مت کرو، شرک ظلم عظیم ہے	۳۱	۱۳
تمہیں دنیوی زندگی اور مکار شیطان دھوکہ میں مُبتلا نہ کر دے۔	۳۱	۳۳

فرہنگ

نمبر شمار	لفظ	معنی و مفہوم	صفحہ	جلد	حاشیہ
1	ژولیدہ	منتشر، پریشان	10	3	4
2	ترک تازیوں	دوڑ دھوپ	56	3	124
3	پرنیاں	انتہائی نفیس ریشم	109	3	17
4	پلندہ	مجموعہ، بنڈل	251	3	18
5	گوش ہوش سے سننا	غور سے سننا	256	3	27
6	شورہ بختی	بدنصیبی	264	3	45
7	برافروختہ ہونا	غصے ہو جانا	267	3	53
8	تقدس مآبی کے عمامے	تقوی و روحانی بالیدگی کے بلند مراتب	273	3	64
9	بلائے بے درماں	ایسی مصیبت جس سے چھٹکارا ممکن نہ ہو	281	3	تعارف سورۃ النور
10	راہروان جادۂ ہدایت	شاہراہ ہدایت پر گامزن لوگ	281	3	ایضاً
11	گرگ باراں دیدہ	تجربہ گاہ	304	3	24
12	ابلہی	بے وقوفی	312	3	36
13	تراکم	تہہ در تہہ ہونا	332	3	70
14	منعطف نہ کر سکیں	متوجہ نہ کر سکیں	353	3	10
15	کودن	احمق	353	3	10
16	رخسار گلگوں	گلابی رخسار	370	3	51
17	تقلبات	تبدیلیاں	420	3	114
18	فسوں کاری	جادوگری	432	3	14
19	بادۂ لالہ فام	سرخ رنگ کی شراب	514	3	105

20	سیس	ماتھا، پیشانی	524	3	19
21	مکابرہ	سینہ زوری	595	3	تعارف سورۃ لقمان
22	زانوشکستہ	گھٹنا دہرا کرکے، باادب	614	3	39

ضروری یادداشت